سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول
دیوتا
گیارھواں حصّہ

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ دور اگلی سیٹوں پر ڈی الیف اور بلیک مرمر ابھی تک سو رہے تھے۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے انھیں ہولے ہولے جگا دیا۔ وہ جاگنے کے بعد تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے، ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر انھوں نے فوراً ہی اپنی اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ فیروزہ نے پوچھا "کیا ہم اتنی دیر تک سوتے رہے تھے؟"

بلیک مرمر نے کہا "تعجب ہے۔ میں نے تو ائیر ہوسٹس سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہمیں بیدار کرے۔"

اس نے فوراً ہی اُٹھ کر میری سیٹ کی طرف دیکھا۔ میں انجان بنا کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اسٹیورڈ کے کیبن میں پہنچا پھر اس نے ائیر ہوسٹس سے کہا "میں نے تمھیں دوبئی پہنچنے سے پہلے جگانے کے لیے کہا تھا۔"

ائیر ہوسٹس نے کہا "میں نے دو بار آپ کو آواز دی۔ ایک بار بازو پکڑ کر جھنجوڑا پھر آپ نے شاید نشے کی حالت میں کہا۔ مزید سونا چاہتے ہیں — میں آپ کو جاگنے پر مجبور کیسے کر سکتی تھی؟"

وہ سر جھکا کر وہاں سے چلا آیا۔ جب اس نے ڈی الیف کو یہ بات بتائی تو اس نے ناراضگی سے کہا "اسی لیے منع کرتی ہوں کہ زیادہ نہ پیا کرو۔ دیکھ لو، ہمارا وقت کیسے برباد ہوا۔ اب ہم شاید۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ پھر اسپیکر سے اعلان کیا جا رہا تھا کہ ہم قاہرہ ائیرپورٹ پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ یہ سنتے ہی بلیک مرمر نے ندامت سے کہا "مجھے افسوس ہے میری ایک غلطی کے باعث ہم دلبر کو ٹریپ نہ کر سکے لیکن دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں جا رہا ہے۔ اگر قاہرہ جا رہا ہے تو ہم اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"عجیب چکر چل گیا ہے۔ وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہے اور ہم اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔"

میں نے باس جے آر جے ناتھن سے رابطہ قائم کیا۔ ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ قاہرہ پہنچنے سے پہلے مجھے وہاں کے باس کی آواز سنائی جائے گی کیونکہ وہاں کا باس میرے استقبال کے لیے ائیرپورٹ پہنچنے کے باوجود مجھے دلبر حسین کے میک اپ میں نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اسے پہچان لیتا۔

باس ناتھن نے ایک کیسٹ کو ریکارڈر میں رکھا پھر اسے آن کیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب فرہاد علی تیمور صاحب! میں آپ کے لیے اپنی آواز ریکارڈ کر رہا ہوں۔ تعجب ہے، آپ مجھے اتنی جلدی بھول گئے۔ میں اپنا نام نہیں بتاؤں گا۔ صرف آواز سے پہچاننے کی کوشش کریں۔ نہ پہچان سکیں تو پھر خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم کر لیں۔ میں اپنا تعارف کراؤں گا۔"

ریکارڈر خاموش ہو گیا۔ میں غور کرنے لگا۔ اس کی آواز واقعی جانی پہچانی تھی لیکن وہ کون ہو سکتا تھا۔ دراصل دُنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک میرے شناساؤں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ فہرست تیار کرنے کے بعد ہی ان کی گنتی یاد رہ سکتی ہے۔ میری زندگی میں آئے دن نئے شناسا آتے ہیں اور پرانے شناسا پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کبھی حالات کے کوہ ندا سے ان شناساؤں کی آواز آتی ہے تو پہچاننا دشوار ہو جاتا ہے۔

میں نے قاہرہ کے [illegible]س کے دماغ میں چپکے سے جھانک کر اس کا نام معلوم کیا تو چونک گیا۔ وہ میری اور سونیا کی زندگی میں

آکر گزر جانے والا ایک بہت ہی اہم شخص تھا۔ اس وقت ایئرپورٹ کے وی آئی پی روم میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ وی آئی پی روم صرف اہم شخصیات کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اگرچہ سُپر ماسٹر کی تنظیم کے تمام ماسٹرز اور ریڈ پاور تنظیم کے تمام باس بے حد و حساب ذرائع کے مالک ہوتے ہیں لیکن ان کا شمار اہم شخصیات میں نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جس ملک میں بھی رہتے ہیں، وہاں کی حکومت کو ان سے خطرہ لاحق رہتا ہے کیوں کہ یہ لوگ کبھی سیاسی حکمتِ عملی کے ذریعے اور کبھی غنڈہ گردی اور تخریبی کارروائیوں کے ذریعے حکومت کو پالیسیاں بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جو ملک ان کے دباؤ میں آجاتا ہے، وہ انھیں وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیتا ہے یعنی انھیں اہم شخص تسلیم کر لیتا ہے۔ قاہرہ میں ریڈ پاور کا باس جمشید جبران تھا۔ وہ ریڈ پاور کا باس ہونے سے پہلے بھی قاہرہ میں بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا۔ دولت مند تھا مگر چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ قاہرہ سے لے کر اسکندریہ تک تمام قاتل، اسمگلر، ڈاکو اور نوسر باز قسم کے لوگ اس کی مٹھی میں رہتے تھے۔ وہ ایسے لوگوں کو خریدنا اور اپنا غلام بنا کر رکھنا اچھی طرح جانتا تھا۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے اس سے پریشان رہتے تھے۔ ریڈ پاور کے ماسک مین کو اس کی یہ بات پسند آئی تھی کہ وہ سُپر ماسٹر کی تنظیم کو جڑیں مضبوط کرنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ وہاں جو بھی ماسٹر آتا تھا، اُسے بُری طرح شکست دے کر یا ذلیل کر کے بھاگنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ شاید اسی لیے ریڈ پاور کا باس بنا دیا گیا تھا۔

مصری حکومت ریڈ پاور کے زیرِ اثر تھی۔ اس لیے اب تو جمشید جبران کا نام غنڈوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے وہ اس وقت وی آئی پی روم میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

جمشید جبران کس طرح میری زندگی میں آیا تھا اور کس طرح وہ سونیا اور رومانہ کا جاں نثار دوست بن گیا، یہ ایک طویل اور نہایت دلچسپ داستان ہے۔ میری آپ بیتی کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ دیوتا کے حصۂ چہارم میں جمشید جبران کی مکمل داستان موجود ہے۔ لہٰذا اس سے تعلق رکھنے والے پچھلے تمام واقعات کو یہاں دوبارہ بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

جب طیارہ رن وے پر پہنچ گیا تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو جبران! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

اسے بھی یقین دلانا پڑا کہ مَیں دماغ میں موجود ہوں۔ تب اس نے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے بھول گئے تھے؟"

میں نے اس کی دلجوئی کے لیے کہا۔ "بھولا تو نہیں تھا مگر ہاں مصروفیات کے باعث تم سے رابطہ قائم نہ کر سکا۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ حالات آپ کو میرے ملک میں لے آئے ہیں۔ مجھے اُمید ہے، آپ مجھے اپنی خدمات کا موقع د

"میرا چارٹرڈ طیارہ یہاں کب تک پہنچنے والا ہے؟"

جبران نے جواب دینے سے پہلے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا۔ بنکاک کے وقت کے مطابق اس وقت دن کے دو بجنے والے تھے اور قاہرہ کے وقت کے مطابق نو بج چکے تھے۔ اس نے کہا۔ "آپ کا طیارہ گیارہ بجے تک پہنچ جائے گا۔"

"یعنی میرا اور تمھارا ساتھ صرف دو گھنٹے کا ہے۔"

وہ مایوس ہو کر بولا۔ "میں آپ سے زیادہ دیر ٹھہرنے کی درخواست نہیں کر سکتا۔ مجھے حالات کا علم ہے۔ منجالی کی لاش کے ساتھ آپ کا جلد سے جلد پیرس پہنچنا ضروری ہے۔ بہرحال میرے لیے یہ دو گھنٹے بھی غنیمت ہیں۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ طیارے کے مسافر باہر جا رہے تھے۔ ڈی الیف اپنا بیگ اٹھائے میرے قریب آگئی پھر بڑی حسرت سے بولی۔ "میں سو گئی تھی۔ بنکاک میں تمام رات جاگتی رہی تھی۔ تم نے ہمیں بہت زیادہ اُلجھا دیا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ قاہرہ میں ہماری میزبانی قبول کرو۔ ہم یہاں سے میلوں دور دریائے نیل کے ساحل پر جائیں گے۔ وہاں ایک خوب صورت سے کاٹج میں رہیں گے۔ ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔ تمھیں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔"

مَیں طیارے سے نکل کر زینے کی ریلنگ کو تھام کر اُترنے لگا۔ ڈی الیف نے میرے بازو کا سہارا لیا حالانکہ وہ میرے پیچھے یا میرے آگے اسی طرح ریلنگ کو تھام کر زینے سے اُتر سکتی تھی لیکن اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ چُپ چاپ ثابت کر رہی تھی کہ وہ... مٹھاس پہ بھنبھنانے والی مکھی نہیں ہے جو ہَوا کے ایک جھونکے سے اُڑ جاتی ہے بلکہ مٹھاس سے چپکی رہنے والی چاندی ہے۔

میں نے کہا۔ "وہاں تمھارے ساتھ میرا بہت اچھا وقت گزر سکتا ہے مگر افسوس یہاں پہلے سے میرا ایک میزبان موجود ہوگا۔ اگر وہ موجود نہ ہوا تو تمھارے ساتھ ضرور چلوں گا۔"

"مَیں تمھارے میزبان کو منالوں گی۔ تمھیں اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔"

میرے پاس صرف ایک سفری بیگ تھا۔ زیادہ سامان ہوتا تب بھی جمشید جبران کی وجہ سے میری چیکنگ نہ ہوتی۔ وہ طیارے کے قریب ہی مجھ سے ملنے چلا آیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "میری پہچان یہ ہے کہ ایک نہایت ہی حسین عورت نے میرے بازو میں اپنا بازو اُلجھا رکھا ہے۔ وہ نیلے رنگ کے لباس میں ہے۔ ارے، یہ کیا؟ تم پر نظر پڑتے ہی یہ ٹھٹک گئی ہے۔ شاید تمھیں پہچانتی ہے۔ چلو، تم مجھے پہچان کر دلبر حسین کہتے ہوئے میرے گلے لگ جاؤ۔"

جبران نے یہی کیا۔ فوراً ہی دلبر حسین کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے

بڑھ کر گلے لگ گیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "یہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ تم سے اس سلسلے میں درخواست کرے گی۔"

جبران نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "آپ اس عورت کے خیالات پڑھ کر معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ مجھے دیکھ کر کیوں ٹھٹک گئی ہے۔ میں اسے نہیں پہچانتا ہوں۔ ملک کے اندر اور باہر مجھے پہچاننے والے لاکھوں ہیں۔ مَیں ہر ایک کا چہرہ یاد نہیں رکھ سکتا۔"

ہم گلے لگ کر بالکل خاموش تھے جیسے ہم بہت گہرے دوست ہوں۔ مدتوں بعد ملاقات ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی دھڑکنوں کو چُپ چاپ سُن رہے ہوں اور جذبات کی شدت سے ہمیں کچھ کہنے کے لیے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ ایسے ہی وقت میں مَیں نے ڈارلنگ فیروزہ کے خیالات پڑھے۔ وہ گولڈن ریکٹ سے تعلق رکھتی تھی۔ تمام مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے جمشید جبران کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لیے وہ بھی جانتی تھی لیکن یہ یقین تھا کہ جبران اسے نہیں جانتا ہے۔"

اسی وقت فیروزہ نے انجان بنتے ہوئے جبران کو مخاطب کیا۔ "مسٹر! مجھے ڈارلنگ فیروزہ کہتے ہیں۔ مَیں دلبر حسین کی دوست ہوں۔ قاہرہ میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ میرے ساتھ رہیں اور کبھی کبھی آپ سے آکر ملاقات کر لیا کریں؟"

جمشید جبران نے میری سوچ کے مطابق جواب دیا۔ "مِس! دلبر میرا رفیق ہے لیکن تمھاری رفاقت زیادہ حسین ہوگی۔ مَیں اپنے دوست کو تمھارے حوالے کر سکتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"مَیں دلبر حسین کو صرف دو گھنٹے تک اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تم جہاں کہو گی، وہاں اسے پہنچا دوں گا۔"

وہ جمشید جبران کو اپنا پتا بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ میرا ایک فون نمبر نوٹ کر لیں۔ اس فون پر اطلاع دیں گے تو مَیں خود دلبر کو لینے پہنچ جاؤں گی۔"

اس نے فون نمبر بتایا پھر ہم ایئرپورٹ کی عمارت میں آئے وہاں سے وہ رُخصت ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد جبران نے کہا۔ "جناب! آپ میں اور ہم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے پیچھے بلائیں لگتی ہیں اور آپ کے پیچھے خوف ناک بلائیں لگی رہتی ہیں۔ آخر یہ قصہ کیا ہے؟"

ہم ایک کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا۔ "گولڈن ریکٹ کا نام سُنا ہے؟"

[illegible]ثبات میں سَر ہلا کر بولا۔ "سُنا تو ہے لیکن اس کے متعلق میری معلومات صفر ہیں۔ ان کا گروہ یہاں سرگرمِ عمل نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کے آدمی مجھ سے چھُپ نہیں سکتے تھے۔"

"تمھارے ملک میں بڑی آزادی سے منشیات کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس گروہ کے آدمی یہاں بہت زیادہ ہیں۔ چونکہ منشیات کا کاروبار کرنے والے خود یہ نہیں جانتے کہ ان کا تعلق گولڈن ریکٹ سے ہے اس لیے تم ان کے حوالے سے گولڈن ریکٹ تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"آپ سے تو کسی کا کوئی راز چھپا نہیں رہتا ہے۔ یقیناً ان کے متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔ کیا مجھے بتانا پسند کریں گے؟"

میں نے کہا۔ "گولڈن ریکٹ میں سات اہم افراد ہیں۔ وہ ساتوں مغرب کے نامور، تجربہ کار اور باعزت ڈاکٹر ہیں۔ کوئی اُن پر اُنگلی نہیں اُٹھا سکتا۔ وہ ساتوں اپنے ریکٹ میں گولڈن مین کہلاتے ہیں۔ تم سر توڑ کوشش کر لو، تب بھی ان کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکو گے۔ مَیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے انھیں دہشت میں مبتلا کر سکتا ہوں۔ ان کے دماغوں کو اپنے قبضے میں کر کے ان سے جرم کا اعتراف تحریری صورت میں کرا سکتا ہوں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی عدالت میں یہ بیان دیا کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے جبراً اعتراف کرایا گیا ہے تو ان کی بات سچ تسلیم کی جائے گی کیوں کہ وہ دُنیا کے تمام ممالک میں انسان دوست فرشتے سمجھے جاتے ہیں۔"

"آپ تعاون کریں گے تو میں ان کی جڑوں تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"میرا مشورہ ہے۔ تم ان کا خیال چھوڑ دو۔"

"آپ نے میرے تجسس کو بھڑکا دیا ہے۔ کوئی پُراسرار مجرم میرے سامنے آتا ہے تو میں اسے بے نقاب کیے بغیر نہیں رہتا اور یہاں تو ایک نہیں سات مجرم ہیں اور وہ بے حد پُراسرار ہیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق کوئی ان کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی آپ کو یہ ممکن نظر نہیں آ رہا ہے پھر بھی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ ان کے خلاف ثبوت پیش کرنا ناممکن ہے۔ دراصل مجھے فرصت نہیں ہے۔ جب فرصت ملے گی اور میں ان کے پیچھے لگ جاؤں گا تو اُونٹ کسی نہ کسی کروٹ ضرور بیٹھے گا۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ فرصت ملنے پر اپنے طریقۂ کار کے مطابق انھیں ٹریپ کریں۔ اس وقت تک میں اپنے طور پر کوشش کرتا رہوں۔ آپ مجھے ضروری معلومات فراہم کر دیں۔ میں اپنی کوششوں کے دوران کبھی آپ کا ذکر نہیں کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ جیسی معلومات چاہتے ہو، میں فراہم کر دوں گا۔"

میں جمشید جبران کی ایک شان دار کوٹھی میں پہنچ گیا تھا۔ گیارہ

بجے مجھے فرہاد کی حیثیت سے اپنے چارٹرڈ طیارے میں سوار ہونا تھا۔ وقت کم تھا اس لیے میں نے وہاں پہنچتے ہی میک اَپ اتار ا شیو کیا پھر غسل کرنے چلا گیا۔ اس دوران جبران سے گفتگو ہوتی رہی۔ میں اسے ضروری معلومات فراہم کرتا رہا۔ سب سے پہلے میں نے اسے بلیک مرمر اور ڈی ایف کی قاہرہ والی رہائش گاہ کا پتا بتایا پھر کہا "ہوٹل المانیہ کے قریب ہی ایک ڈاک کلب ہے۔ ڈاکٹر کا مخفف ڈاک ہے۔ وہاں کے معزز اور بوڑھے ڈاکٹروں نے وہ کلب قائم کیا ہے۔ ڈارلنگ فیروزہ اس وقت اسی کلب کے ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ تمھارے وعدے کے مطابق وہ دو گھنٹے تک فون کا انتظار کرتی رہے گی۔"

جبران نے میری ہدایت کے مطابق اس سے فون پر رابطہ قائم کیا۔

دوسری طرف سے فیروزہ کی آواز سُنائی دی۔ جبران نے کہا "ڈارلنگ! شاید تم مجھے نہیں جانتیں۔ میرا نام جمشید جبران ہے۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا مجرم میرے ملک کی زمین پر قدم رکھنے سے پہلے مجھ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ مجھ سے چھپ کر آنا چاہیے تو اس کی لاش دریائے نیل میں بہادی جاتی ہے۔ ایک پتا نوٹ کرو اور وہاں پہنچو۔ تمھیں وہاں دلبر حسین کی لاش ملے گی۔ اگر آدھے گھنٹے کے اندر تم اس لاش کو نہیں لے جاؤ گی تو اسے دریائے نیل میں بہا دیا جائے گا۔"

ڈارلنگ فیروزہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں سُن رہی تھی۔ اس نے پوچھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نے دلبر حسین کو قتل کر دیا ہے؟"

"ہاں، مجھے دھوکا دینے والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ دراصل وہ میرا دوست دلبر حسین نہیں تھا بلکہ میرے دوست کے میک اَپ میں ایک اجنبی تھا۔ میں نے اس سے اگلوانے کی کوشش کی کہ مجھے دھوکا کیوں دیا گیا ہے لیکن وہ سخت جان نکلا۔ اس نے کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پتا نوٹ کرو اور وہاں پہنچو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "نن . . . نہیں۔ میں کسی قتل کے کیس میں ملوث ہونا نہیں چاہتی۔"

"تمھاری مرضی ہے لیکن میں تمھارے سلسلے میں بھی معلومات حاصل کروں گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم نے اسے دلبر حسین بنا کر مجھے دھوکا دیا ہے تو تمھاری لاش بھی . . . "

وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ دوسری طرف سے اُس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بلیک مرمر کو ساری باتیں بتا رہی تھی۔ تمام باتیں سُننے کے بعد مرمر نے کہا "یہ جبران بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ یہاں کا قانون اس کی مٹھی میں ہے۔ وہ جب چاہے، اپنی دھمکی پر عمل کر سکتا ہے۔"

فیروزہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا "بڑی مشکل ہے اب مجھے پھر میک اَپ میں چھُپ کر رہنا ہوگا۔"

بلیک مرمر نے کہا "چند روز کی بات ہے ـــــ جب ہمارا اجلاس ختم ہو جائے گا تو قاہرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ پھر تم اصلی رُوپ میں رہا کرو گی۔"

میں نے یہ باتیں جبران کو بتا دیں۔ اس نے پوچھا "ان لوگوں کا اجلاس کب ہوگا؟"

"ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے ـــ ڈاکٹر ایک ایک کر کے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ جب بھی کوئی تاریخ مقرر ہوگی۔ میں تمھیں بتا دوں گا مگر یاد رکھو خواہ تم فیروزہ کا تعاقب کرو یا ان ساتوں ڈاکٹروں کے پیچھے پڑ جاؤ لیکن یہ تاثر قائم نہ ہو کہ تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ آپ پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔"

اس نے میرے لیے پُر تکلف کھانوں کا انتظام کیا تھا۔ میں نے کہا "مَیں تین گھنٹے پہلے طیارے میں کھا چُکا ہوں۔ انکار تو نہیں کروں گا۔ تمھارا دِل رکھنے کے لیے کچھ کھالوں گا لیکن زیادہ کھِلانے کی ضِد نہ کرنا۔"

ہم کھانے کی میز پر آ گئے۔ جبران نے کہا "جب مجھے آپ کے یہاں آنے کی اطلاع ملی تو میں خوشی کے مارے پریشان ہونے لگا۔ سوچنے لگا، کس طرح آپ کا استقبال کروں۔ میرے یہاں آنے والوں میں آپ پہلے مہمان ہیں جو شراب نہیں پیتے۔ وقت بھی اتنا کم ہے کہ آپ کے لیے رقص و سرود کی محفلیں نہیں سجائی جاسکتیں۔"

میں اس کی باتوں پر مُسکراتا رہا۔ وہ چارٹرڈ طیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک پہنچنے والا تھا۔ کھانے کے بعد ہم کار میں بیٹھ کر ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ارادہ تھا کہ لمبے راستے سے گھومتے ہوئے جائیں تاکہ مَیں قاہرہ شہر کو سرسری طور پر دیکھ لوں۔ مَیں اپنے اصلی رُوپ میں تھا۔ دُشمنوں کی نظروں میں آ سکتا تھا لیکن اُب اس کی پروا نہیں تھی۔ یوں بھی مجھے پیرس پہنچ کر خود کو ظاہر کرنا تھا۔ بات یہیں سے کھُل جاتی تو کوئی فرق نہ پڑتا۔

ساڑھے گیارہ بجے وہ چارٹرڈ طیارہ رن وے پر پہنچ گیا تھا لیکن وہاں سے روانگی ایک گھنٹے بعد ہوتی کیوں کہ ایندھن کی کمی پوری کی جارہی تھی اور جمشید جبران کے کہنے پر طیارے کو پوری طرح چیک کیا جارہا تھا۔

ہم آدھے گھنٹے تک ائیرپورٹ بلڈنگ کے ٹیرس پر وقت

گزارتے رہے۔ باتیں کرتے رہے۔ میں کھُلی فضا میں آزادی سے سانس لے رہا تھا پھر اپنے وقت پر جبران سے رخصت ہو کر طیارے میں پہنچ گیا۔ طیارے کے ایک کیبن میں منجالی کا تابوت رکھا ہُوا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی مجھ پر یاسیت چھا گئی۔ میں نے سر جھکا کر اسے یاد کیا۔ پھر خاموشی سے آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے میں نے جبران کو الوداع کہا۔ اس نے کہا "جناب! اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔ گولڈن رکیٹ کے متعلق ضروری معلومات فراہم کیجیےگا۔" میں نے وعدہ کیا۔ طیارے نے پرواز کی تو میں نے کہا "اچھی بات ہے، اَب میں رُخصت ہو رہا ہوں۔ مجھے خیال خوانی کے ذریعے دوسری جگہ مصروف رہنا ہے اس لیے تم سے رابطہ قائم نہیں کر سکوں گا۔"

یہ کہہ کر مَیں خاموش ہو گیا لیکن اس کے دماغ میں موجود رہا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا "کیا واقعی فرہاد صاحب میرے دماغ سے جا چکے ہیں؟"

اس نے سوچ کے ذریعے مجھے مخاطب کیا۔ مَیں نے کوئی جواب نہیں دیا، تب اس کے دماغ کے چور دروازے سے رسونتی داخل ہونے لگی۔ وہ تصوّر میں اسے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یاد آیا، جب ماضی میں سونیا، رومانہ اور رسونتی قاہرہ پہنچ گئی تھیں اور جمشید جبران ان کا جاں نثار دوست بنا ہوا تھا تو ان دنوں وہ رسونتی کو چاہنے لگا تھا۔ ان دنوں رسونتی نہ تو میری شریکِ حیات تھی اور نہ ہی ہمارے درمیان محبت کا سلسلہ اتنا مستحکم تھا پھر جب تک وہ میری شریکِ حیات رہی، جمشید جبران نے اس کا خیال دل سے نکال دیا۔ آج باتوں ہی باتوں میں مَیں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔ رسونتی پھر اس کے خیالوں میں آباد ہونے لگی تھی۔ اس کے باوجود اس نے میرے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر چپکے چپکے سوچتا رہا۔ مجھے اس کے چور خیالات پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب پڑھ رہا تھا اور اس کی سوچ پر مُسکرا رہا تھا۔ میری بلا سے رسونتی کو وہ چاہے نہ چاہے یا رسونتی اسے قبول کرے نہ کرے۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

تھوڑی دیر تک میں چپ چاپ بیٹھا رہا پھر میں نے اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا۔ اسے بتایا کہ میں قاہرہ سے روانہ ہو چکا ہوں۔ وہ پیرس کے فلائنگ کلب سے معلوم کرے کہ یہ طیارہ کب تک وہاں پہنچے گا۔ میں نے تھوڑی دیر تک اس سے گفتگو کی۔ اس کی طرف سے ہونے والے حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہو گیا پھر میں نے دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو کر دشمنوں کی طرف توجہ دی۔ سب سے پہلے میں کاہال تنظیم کے سربراہ کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا کیوں کہ اسی تنظیم کے بڑے بڑے عہدے دار میرے خلاف منصوبے بنا رہے تھے۔ انھیں پورا اعتماد تھا کہ فرہاد ان کے دماغوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس تنظیم کے سات بڑے عہدے داروں نے یہ طے کیا تھا کہ جب تک فرہاد قابو میں نہ آئے، اس وقت تک وہ ساتوں خود کو ایک جگہ نظر بند رکھیں گے۔ دوست، احباب حتیٰ کہ عزیز ترین رشتے داروں سے بھی نہ تو ملاقات کریں گے نہ بات کریں گے۔ کسی اہم تقریب میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ کسی بہت ہی اہم معاملے میں ٹیلی فون یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے اسرائیلی سربراہ سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے گفتگو کی تھی اور میں ان کے ذریعے کاہال تنظیم کے اہم افراد تک پہنچ گیا تھا۔

مَیں اس تنظیم کے سربراہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس کا دماغ موت کی تاریکیوں میں ڈوب چکا تھا۔ میں نے دوسرے عہدے دار کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتا چلا، وہ سب کاہال تنظیم سے خارج کر دیے گئے ہیں۔ انکے سربراہ نے خودکشی کی تھی۔ اس کی خودکشی کا کوئی سبب معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ شبہ مجھ پر تھا۔ اس سے پہلے بھی رنگون میں کتنے ہی یہودی بظاہر خودکشی کر کے مر چکے تھے ـــــ جب خودکشی کی وجہ معلوم نہ ہو تو شُبہ یقین میں بدل جاتا ہے۔ اب وہ یقین سے کہہ رہے تھے کہ میں کاہال تنظیم تک بھی پہنچ گیا ہوں۔ لہٰذا انھوں نے اس تنظیم کے تمام عہدے داروں کو ڈِس مِس کر دیا تھا۔ اتنی بڑی تنظیم کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً انھوں نے نئے عہدے داروں کا انتخاب کیا ہوگا۔ اب وہ نئے کون لوگ تھے، میں نہیں جانتا تھا۔

میں نے اسرائیلی انٹیلی جنس کے سربراہ کے ذریعے نئے عہدے داروں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اس کے دماغ نے بتایا کہ کاہال تنظیم کے نئے عہدے داروں سے وہ بھی رابطہ قائم نہیں کر سکتا ہے۔ فی الحال بہت احتیاط سے کام لیا جا رہا ہے۔

میں نے پھر پُرانے عہدے دار سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار میں نے اسے براہِ راست مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔ میں نے حسبِ معمول اسے بھی اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ تب وہ پریشان ہو کر بولا "آپ کیا چاہتے ہیں؟ اب تو ہمارا عہدہ ہم سے چھن گیا۔ ہم پر اعتماد نہیں کیا جا رہا ہے۔"

"میں سونیا کے متعلق پوچھنے آیا ہوں۔ کیا جسے میرے حوالے کیا گیا ہے، وہ میری سونیا ہے؟"

"اس کے متعلق ہم نہیں جانتے۔ سونیا کو ربی اسفندیار کے حوالے کیا گیا تھا۔ جو کام جس کے سُپرد کیا جاتا ہے، وہی اس کے متعلق تمام رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ کسی بھی دوسرے شعبے کے بڑے سے بڑے یہودی عہدے دار کو اس راز تک پہنچنے نہیں دیا جاتا۔"

"اچھا، یہی بتا دو، میرے پیرس پہنچنے کے بعد تم لوگ مجھے

کس طرح ٹریپ کرو گے؟"

"آپ اب تک ہمارے دماغوں میں چھپے رہے۔ جتنے منصوبے ہم نے بنائے، ان سے آپ اچھی طرح واقف ہیں لیکن یہ سمجھ لیں کہ ہمارے دماغوں میں آپ کی موجودگی کا پتا چل گیا ہے لہٰذا ان منصوبوں پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ کاہل تنظیم کے نئے عہدیدار ازسرِنو منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ ان پر فوری طور پر عمل کیا جا رہا ہوگا۔ اگر آپ تنظیم کے موجودہ سربراہ تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر معلومات حاصل کرلیں۔ ہماری جان لے کر آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔"

میں پھر طیارے میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ اب میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے میں دشمنوں کے نئے منصوبوں کو سمجھ سکتا۔ ان کے متعلق اب سوچنا ہی فضول تھا۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے بتایا میرا طیارہ پیرس کے وقت کے مطابق ڈیڑھ بجے وہاں پہنچے گا یعنی قاہرہ کے وقت کے مطابق میں تین بجے وہاں پہنچنے والا تھا۔ ابھی دو گھنٹے تک سفر کرنا تھا۔ میں یہ وقت گزارنے کے لیے مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔

مرجانہ اور بلبا کی لڑائی کا آغاز صبح ہوا تھا۔ اس وقت وہاں دن کے دو بجنے والے تھے۔ وہ دونوں زخموں سے اس قدر چُور ہوگئے تھے اور اس قدر تھک گئے تھے کہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے دونوں ہی غار کی پتھریلی دیواروں کا اور چٹانوں کا سہارا لے رہے تھے۔ غار کے باہر سے ٹارٹر غلبا کی آواز آرہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں تم دونوں کو باہر آنے کا حکم دیتا ہوں تھوڑی دیر کے لیے لڑائی بند کردو۔ تم لوگوں کے لیے فرسٹ ایڈ کا اور کچھ کھانے کا سامان غار کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ ان چیزوں کو لے جاؤ۔ اس کے بعد پھر لڑتے رہنا۔"

زخموں سے اُٹھنے والی ٹیسیں ایسی تھیں کہ اچھے سے اچھا شہ زور بھی یا تو بے ہوش ہوجاتا یا تکلیف کی شدت سے چیخنے لگتا۔ وہ دونوں ضدی تھے۔ حیرت انگیز قوّتِ برداشت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کے مُنہ سے کبھی آہیں نکلنا چاہتی تھیں تو وہ ہانپنے کے انداز میں آواز نکال لیتے تھے لیکن یہ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ دردو کرب میں مبتلا ہیں۔

ٹارٹر غلبا کی باتیں سن کر مرجانہ نے ہانپتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا "تمھارا باپ آوازیں دے رہا ہے۔ شاید تمھارے لیے دودھ کی بوتل لایا ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"طعنے نہ دو۔ ہمارے قبیلے میں اس وقت تک لڑائی بند نہیں ہوتی جب تک دونوں فریق جنگ بندی پر آمادہ نہ ہوں لیکن سردار کے حکم پر تھوڑی دیر کے لیے جنگ بند کردی جاتی ہے۔ میں اپنے باپ کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے سردار کے حکم سے مجبور ہوکر مشورہ دے رہا ہوں، کم از کم اتنی دیر کے لیے جنگ بند رکھو کہ ہم غار کے باہر جاکر وہ سامان لے آئیں۔ اس کے بعد تم کھانے کا وقفہ کرنا چاہو تو مجھے منظور ہے ورنہ جنگ جاری رہے گی۔"

مرجانہ مجھے اپنے دماغ میں محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ پورا جسم پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ دماغ کسی قدر کمزور ہوگیا تھا۔ وہ میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکتی تھی۔ میں نے اسے بے اختیار کہنے پر مجبور کیا "ہاں، مجھے منظور ہے۔ ہم باہر جاکر وہ چیزیں لائیں گے۔ کھانے کا وقفہ کریں گے۔ اس کے بعد جنگ پھر شروع ہوگی۔"

وہ کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن بے اختیار کہہ گئی تھی۔ اس لیے وہاں سے باہر جانے کے لیے پلٹ گئی۔ میں بلبا کے دماغ میں پہنچا تو اس نے بھی میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔ اس کی بھی وہی حالت تھی۔ مرجانہ نے اس پہاڑ کو کئی جگہ سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا، اس کا دماغ پہلے کی طرح کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

ان دونوں کو پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے غار کے دہانے تک پہنچنا تھا۔ وہ اب دیوار یا کسی چٹان کا سہارا نہیں لے رہے تھے۔ باہر والوں کو یہی تاثر دینا چاہتے تھے کہ صبح سے اب تک لڑنے کے باوجود وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے ہیں اور آخری سانس تک لڑتے رہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

میں نے ثباتہ کے پاس پہنچ کر کہا "وہ دونوں باہر آرہے ہیں، لیکن اب بھی ان کی لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے۔"

اس نے پوچھا "کیا تم ان کے پاس موجود تھے؟"

"ہاں، مگر انھیں یہ نہ بتانا۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوگیا کہ میں ان کے درمیان موجود رہا ہوں تو پھر وہ محتاط ہوجائیں گے۔ میں ان کے چور خیالات نہیں پڑھ سکوں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی "کسی کے چور خیالات پڑھنا اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"گھبراتی کیوں ہو۔ میں تمھارے خیالات چوری چوری نہیں پڑھتا ہوں۔ تمھارے دماغ میں آتے ہی اپنی موجودگی سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ مرجانہ اور ٹارٹر بلبا کی بات اور ہے۔ وہ دونوں ضدی ہیں۔ اپنے اپنے دل کے نرم گوشوں کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ میں رفتہ رفتہ انھیں ظاہر کرنے پر مجبور کردوں گا۔"

وہ خوش ہوکر بولی "واہ کتنا مزہ آئے گا ٹیلی پیتھی کے ذریعے دو پتھروں کے دل محبت سے دھڑکنے لگیں گے۔ وہ دونوں دیکھنے کی چیز ہوں گے۔"

میں نے مُسکرا کر کہا "ہاں مگر خاموش تماشائی بن کر رہنا۔

وہ دیکھو، وہ آرہے ہیں۔"

سب کی نظریں غار کے دہانے پر لگی ہوئی تھیں۔۔۔ ثباتہ اور ٹارٹر غلبا اپنے قبیلے والوں کے آگے غار کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے مرجانہ نظر آئی۔ وہ سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہی تھی۔ آگے بڑھتے ہی پاؤں مضبوطی سے زمین پر جما دیتی تھی تاکہ اس کی ڈگمگاہٹ ظاہر نہ ہو۔ جب وہ پوری طرح نگاہوں کے سامنے آئی تو سب اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرانی سے دیکھنے لگے۔ اس کے سَر سے پاؤں تک زخموں کی بارات سجی ہوئی تھی۔ کہیں لہو بہہ رہا تھا۔ کہیں جسم کی جلد پھٹ گئی تھی۔ کوئی حصّہ سُوج گیا تھا اور کہیں چوٹ کی شدت سے نیلاہٹ اُبھر آئی تھی۔ ایسی حالت میں۔۔۔۔ دونوں پاؤں پر کھڑے رہنا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ حیرت انگیز قوّتِ ارادی اور قوّتِ برداشت کی مالک ہے۔

ثباتہ نے خوشی سے چیختے ہوئے کہا "شاباش، مرجانہ! اس وقت تم ہمارے قبیلے کی عورت لگ رہی ہو۔ ہمارے ہاں جنگجو عورتوں کو یہی سکھایا جاتا ہے۔ لڑتی رہو۔ جب تک سانس چلتی رہے، لڑتی رہو۔ جب تک موت نہ جھکائے تب تک اپنے مرد کے سوا کسی اور کے سامنے نہ جھکو۔"

ٹارٹر غلبا نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر کہا "مرجانہ! تم ہماری مہمان ہو۔ ہمارے لیے معزز ہو۔ ہم اس حد تک لڑائی کا انجام دیکھ چکے ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ بہتر ہے اپنی شکست تسلیم کرلو۔ میرا بیٹا ایک آہنی بلڈوزر ہے جو پہاڑوں کے سینے میں سُرنگ بنا کر آرپار نکل جاتا ہے۔"

وہ شاید آگے کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے ٹھٹک گیا۔ حیرانی سے مرجانہ کے پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کا بیٹا جس پر وہ فخر کر رہا تھا، زخموں سے چُور چُور نظر آرہا تھا۔ اس کا چہرہ ایک طرف سے اس قدر سُوجا ہوا تھا کہ اُدھر کی ایک آنکھ نظر نہیں آرہی تھی۔ ٹھیک دل کے مقام پر اس کے چٹانی سینے کی جلد پھٹ گئی تھی۔ سینے کا وہ زخم ظاہر کر رہا تھا کہ مرجانہ کتنی خطرناک فائٹر ہے۔ اسے ٹھیک دل کے مقام پر کِک مارتے رہنے کا ملکہ حاصل ہے۔ بلبا کے جسم کے مختلف حِصّوں سے خون رِس رہا تھا۔ اس کے بدن پر بھی کئی جگہ چوٹوں کی شدت سے نیلاہٹ اُبھر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا، اپنی ڈگمگاہٹ کو چھپاتا ہوا غار کے دہانے پر آکر کھڑا ہوگیا۔

قبیلے کا سردار اور تمام قبیلے والے اب تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ٹارٹر بلبا، مرجانہ کی پٹائی کر تا رہا ہے اور مرجانہ محض اپنی ضد اور قوّتِ برداشت کے باعث شکست تسلیم نہیں کر رہی ہے۔ مرجانہ نے اپنی کمزور سی تھرتھراتی ہوئی آواز میں چیخ کر کہا "ٹارٹر غلبا! دیکھ لو اپنے بیٹے کو۔ یہ بیشک بلڈوزر ہوسکتا ہے۔ پہاڑوں کے سینے میں سُرنگ بناکر آرپار جاسکتا ہے لیکن میں بلڈوزر کے پُرزے پُرزے الگ کرنا جانتی ہوں۔ دیکھ لو، یہ کس قدر ٹوٹ چکا ہے۔ شام تک ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے آہستہ آہستہ جُھک کر فرسٹ ایڈ بکس کو اُٹھایا۔ اسے کاندھے سے لٹکایا پھر اس نے بڑی سی ٹوکری اُٹھائی جس میں کھانے کا سامان اور پانی کی بوتل تھی۔ دوسری طرف یہی سامان ٹارٹر بلبا کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے حصّے کا سامان اٹھاتے ہوئے اپنے باپ سے کہا "تم کہتے تھے، میں باقاعدہ شادی کرکے اپنے قبیلے کے رواج کے مطابق اولادیں پیدا کیوں نہیں کرتا؟ آج مجھے وہ عورت مل گئی ہے۔ ابھی میں نے تمھاری ہونے والی بہو کو زخموں کے زیورات پہنائے ہیں۔ اپنا لہو بہانے والی اور میرا لہو اُچھالنے والی یہ عورت کل میری دُلھن بنے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں اس غار سے باہر نہیں آؤں گا۔ میری لاش کو یہیں دفن کردینا۔"

ثباتہ نے پریشان ہوکر مجھے مخاطب کیا "فرہاد! کیا تم میرے پاس ہو؟"

"ہاں، تمھارے ذریعے ہی تمام لوگوں کو دیکھ رہا ہوں اور سُن رہا ہوں۔"

"میرا بھائی اپنے مزاج کے خلاف شادی کرنے اور مرجانہ کو شریکِ حیات بنانے کا اعلان کرچکا ہے۔ یہ ہماری چھوٹی سی سلطنت میں اپنے باپ کا جانشین ہے۔ اس لیے اس کے اعلان میں بھرپور خلوص اور سچائی ہے۔ اب یہ دُنیا کی کسی بھی عورت کو مرجانہ کی جگہ نہیں دے گا اور اپنی آخری سانس تک اس سے وفا کرے گا لیکن مرجانہ کسی طور پر پگھلتی نظر نہیں آرہی ہے۔"

"موم بتی اور عورت میں ایک بڑا فرق یہی ہے کہ ایک باہر سے پگھلتی ہے، دوسری اندر سے۔ اس لیے اندر کا حال سب نہیں جانتے۔ میں بڑی حد تک جانتا ہوں۔ ٹھہرو، ذرا مرجانہ کے پاس سے ہوکر آتا ہوں۔"

میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنا سامان اُٹھائے آہستہ آہستہ سنبھل سنبھل کر اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے، خود کو گرنے سے بچاتے ہوئے تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے اس جگہ پہنچ گئی تھی، جہاں انھوں نے تھوڑی دیر کے لیے جنگ بند کردی تھی۔ ٹارٹر بلبا بھی اس کے پیچھے پیچھے وہیں پہنچ گیا تھا۔ دونوں نے اپنا اپنا سامان زمین پر رکھا۔ وہ پانی کی بوتل کھول کر اپنا حلق تر کرتے ہوئے سوچ [illegible] واقعی یہ فولاد ہے۔ اگر یہ مہذب ہوتا تو میں اس کے متعلق سنجیدگی سے ہی سوچتی۔"

ایسا سوچتے ہی اس نے چونک کر بوتل کو مُنہ سے ہٹا لیا۔ اس

دل میں یہ بات آئی، کہیں فرہاد دماغ میں موجود نہ ہو؟

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتی ہوں۔ بھلا وہ کیسے چھپ سکتا ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا "لیکن میں کچھ کمزور ہوگئی ہوں، شاید میرا دماغ اس کی موجودگی کو محسوس نہ کررہا ہو۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں سمجھایا "وہ کئی گھنٹے سے غائب ہے۔ یقیناً کسی مسئلے میں یا کسی مصیبت میں اُلجھ گیا ہے۔ اگر ہوتا تو ہم دونوں کو ٹوٹنے پھوٹنے کی حد تک لڑنے کا موقع نہ دیتا۔"

وہ قائل ہوگئی۔ ٹوکری سے سینڈوچز نکال کر کھانے لگی۔ کھاتے کھاتے اس نے بلبا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی لقمہ چباتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ایک آنکھ کے آس پاس کا حصہ سُوج گیا تھا۔ وہ آنکھ قدرے چھُپ گئی تھی۔ وہ جیسے ایک ہی آنکھ سے مرجانہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے میں نے مرجانہ کے دل میں یہ بات پیدا کی "چاہنے والے اپنی محبوبہ کو دو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کاش میں اس کی آنکھ کے پاس چہرے کے اس حصّے کو اپنا ٹارگٹ نہ بناتی۔ وہ دونوں آنکھوں سے مجھے دیکھتا۔ یہ۔ . . . یہ میرا دل ہولے ہولے کیوں دھڑک رہا ہے۔ میں اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی مگر بے اختیار سوچتی چلی جاتی ہوں۔ کیا اپنے آئیڈیل سے متاثر ہونے کی یہی علامتیں ہیں؟"

بلبا نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "میرا باپ بہت دانشمند ہے۔ وہ مجھے سمجھاتا تھا، بیٹا! ایک کے بعد دوسری عورت کو جیتنا آسان ہے لیکن عورت کی محبت اور غرور کو جیتنے کے لیے طاقت کی نہیں، مصلحت اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "اب یہ اپنے غرور سے ہٹ کر باتیں کررہا ہے۔ مجھے اس کی معقول باتوں کا بُرا نہیں ماننا چاہیے۔"

وہ کہہ رہا تھا "میرا باپ کہتا ہے، عورت کی محبت حاصل کرنے کے لیے پہلے مرد عورت کے مزاج کو سمجھے۔ اس کی پسند اور ناپسند پر تنقید نہ کرے۔ اس کے غرور کو شکست دیے بغیر اپنی شخصیت سے متاثر کرتا رہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت شادی سے پہلے مرد کے مزاج کو سمجھے کیوں کہ شادی کے بعد وہ فطرتاً آپ ہی آپ مرد کے مزاج میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔"

اس کی باتیں سُنتے سُنتے وہ اُونگھنے لگی۔ اتنی دیر سے لڑتے لڑتے وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ مسلسل کھڑے رہ کر اس نے اپنی ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا لیکن کھانے کے بعد ذرا تھکن کا احساس ہونے لگا۔ جی چاہتا تھا، تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرلے۔ اس نے آنکھیں بند کیں پھر فوراً ہی ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ یوں لگا تھا جیسے وہ اچانک اس پر حملہ کرنے آیا ہو لیکن وہ اس سے ذرا ہٹ کر سر جھکائے ایک پتھر پر بیٹھا اپنی دھن میں باتیں کیے جارہا تھا۔ میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "میں خواہ مخواہ اس کی طرف سے اتنی محتاط ہوں۔ میری طرح وہ بھی نڈھال ہوگیا ہے۔ اچانک اُٹھ کر حملہ نہیں کرسکتا۔ مجھے آرام کرنے کے لیے آنکھیں بند کرلینا چاہیے۔ ذرا بھی آہٹ ہوگی تو میری آنکھ کھل جائے گی۔"

اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ میں اسے مجبور کررہا تھا۔ وہ ضد میں آکر اپنے مدِمقابل سے کئی راتیں جاگ کر لڑتی رہ سکتی تھی لیکن یہ جسمانی قوت کا اظہار ہوتا۔ آدمی چاہے اپنی قوت کا کسی قدر بھی مظاہرہ کرلے لیکن رفتہ رفتہ کمزور ہونے والے دماغ سے لڑ نہیں سکتا۔ اس کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اور مرجانہ بھی جھک گئی تھی اس کا دماغ تھک گیا تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

ٹارزن بلبا نے باتیں کرتے کرتے چونک کر اسے دیکھا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر کہا "بلبا! اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنا کہ مرجانہ میں کمزوری آگئی ہے اور وہ اپنی مرضی سے سورہی ہے۔ نہیں، میں نے اس کے دماغ کو تھپک تھپک کر سُلا دیا ہے۔"

اس نے پوچھا "میں کیسے یقین کروں؟"

"ابھی یقین کرلو گے جب میں تمھارے دماغ کو بھی اسی طرح سُلا دوں گا۔ تم دونوں ضدی ہو۔ سونا نہیں چاہتے۔ بیٹھنا نہیں چاہتے۔ کسی دیوار سے ٹیک لگا کر آرام کرنا نہیں چاہتے تو اب میں . . . ٹیلی پیتھی کے ذریعے تم لوگوں کو آرام کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں۔"

اس نے میری سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ سے نکالنے کے لیے سانس روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ زخموں سے ایسی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں کہ اس کا ہانپنا اور کراہنا لازمی تھا۔ اس کے لیے سانس لینا ضروری ہوتا ہے۔ میں نے کہا "تم پوری طرح میرے اختیار میں ہو۔ میں تمھیں مرجانہ کے قدموں میں لے جاکر گرا سکتا ہوں۔"

وہ ایک دم سے جھنجلا کر اُٹھ گیا۔ غصّے سے بولا "ہرگز نہیں، میں مرجانہ پر جان دینے والی محبت کرتا ہوں لیکن اس کے قدموں میں سر جھکانے والا عشق نہیں کرتا۔ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔"

"مجھ سے زیادہ تمھارے مزاج کو کون سمجھ سکتا ہے۔ تمھیں بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ میں مزاج بدل کر رکھ دیتا ہوں۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولا "میں مانتا ہوں، تم اس وقت جس طرح مجھے نچاؤ گے، مَیں بے اختیار ناچنے لگوں گا لیکن یہ سراسر ظلم ہوگا۔"

"میں ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ تم چونکہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں پر یقین نہیں کررہے تھے۔ اس لیے میں نے ایسا کہا۔ اب یقین کرلو کہ مرجانہ کو میں نے سُلایا ہے۔ وہ خود سونا نہیں چاہتی تھی۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی سو جاؤں؟"

"میں چاہتا ہوں لڑائی کے وقفے میں کچھ چھیڑ چھاڑ ہوجائے۔"

اس نے خوش ہوکر پوچھا "وہ کیسے؟"

"ابھی مرجانہ تمھارے پاس بڑے پیار سے آئے گی۔"

وہ ذرا سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "آخر میں نے اسے متاثر کرہی لیا۔"

"پھر خوش فہمی میں مبتلا ہورہے ہو۔ بے شک وہ تم سے متاثر ہے لیکن وہ کبھی کھل کر اظہار نہیں کرے گی۔ یہ اظہار میری ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوگا۔"

"چلو فرہاد! ایسے نہ سہی، ویسے ہی سہی، محبت کی کچھ تو ابتدا ہو۔"

"تم ابھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر مرجانہ کے پاس جاؤ گے۔"

"نہیں، ابھی تم نے کہا تھا کہ یہ میرے پاس آئے گی۔"

"میں نے کہا نا، تم جاؤ گے۔ جب تم ہاتھ بڑھاؤ گے تو وہ تم پر حملہ کرے گی۔ اس سے سمجھ لینا کہ اسے پگھلانا آسان نہیں ہے۔ دوسری بار وہ ٹیلی پیتھی کی حرارت سے موم ہوجائے گی۔ اس سے تمھیں ثبوت ملتا رہے گا کہ میں تمھاری مشکل آسان کررہا ہوں اور تمھیں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔"

"کوئی بات نہیں، مَیں تمھارے کہنے کے مطابق اس کے پاس جارہا ہوں لیکن مَیں محتاط رہوں گا۔ وہ مجھ پر حملہ نہیں کرسکے گی۔"

مَیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر ایک ایک قدم بڑھاتے ہوئے، سنبھلتے ہوئے اس کی طرف جانے لگا۔ جنگ بندی کو پندرہ منٹ ہوچکے تھے۔ انھیں اپنی تھکن اُتارنے کا کافی موقع ملا تھا۔ کھانے کے بعد نشہ طاری ہورہا تھا۔ وہ آرام کرنا چاہتے تھے بلکہ آنکھیں بند کرکے تھوڑی دیر کے لیے سو جانا چاہتے تھے۔ مرجانہ تو تقریباً سو ہی گئی تھی۔

وہ مرجانہ کے سامنے پہنچ گیا۔ دونوں ٹانگیں پھیلا کر اپنا توازن سنبھالتے ہوئے اب وہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کسی ناگہانی حملے کی طرف سے بالکل مستعد تھا۔

لیکن حملہ باہر سے ہو تو اسے روکا جاسکتا ہے۔ اندرونی حملوں کو وہ کیسے روک سکتا تھا۔ اچانک اس کے دماغ میں خیال پیدا ہوا۔ وہی خیال اس کی نگاہوں کے سامنے، تصور میں زندہ کردار کی طرح متحرک ہوگیا۔ اس نے دیکھا، مرجانہ نے اچانک ہی آنکھ کھولی تھی۔ اِدھر آنکھ کھولی، اُدھر اس نے اپنے ایک ہاتھ کی کُہنی بلبا کے پیٹ میں ماری۔ بلبا پیٹ پکڑ کر ذرا جھکا تو اس کا دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جاکر گر پڑا۔

وہ سچ مچ ذرا پیچھے جاکر زمین پر گر پڑا تھا لیکن مرجانہ سچ مچ نہیں جاگ رہی تھی۔ وہ تو پہلے کی طرح آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے سو رہی تھی۔ بلبا نے محسوس کیا جیسے اس نے مرجانہ کو گھونسہ مارتے تو دیکھا ہو لیکن اس کے پیٹ میں تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ کراہنے لگا تھا۔ شاید دوسرے زخموں کی ٹیسوں نے اُسے کراہنے پر مجبور کیا تھا۔ مرجانہ کا دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر نہیں پڑا تھا۔ وہ جانے کیسے پیچھے کی طرف اُلٹ پڑا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ جو کچھ ہوا، وہ تصوّراتی کرشمے کی بدولت ہوا اور میں نے اس تصوّر میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے حقیقت کا رنگ بھر دیا تھا۔

میں نے پوچھا "یہ کیا، تم گر پڑے۔ فوراً اُٹھو۔ اگر مرجانہ نے آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو تمھاری بڑی سُبکی ہوگی۔ تم دونوں میں یہ ٹھنی ہوئی ہے کہ ہار جیت کا فیصلہ ہونے تک کوئی زمین پر نہ لیٹے گا، نہ بیٹھے گا۔"

میری بات پوری ہوتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر اس نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیسے ہوگیا؟ مَیں کیسے گر پڑا؟ یہ بھی تمھاری ٹیلی پیتھی کی شرارت ہے؟"

"بالکل نہیں، میں تو مرجانہ کے دماغ میں تھا پھر تمھارے گرنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے تمھارے دماغ میں آکر دیکھا تو تم زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ آخر بات کیا ہوئی تھی؟"

"کچھ نہیں۔ بس مجھے یوں لگا تھا جیسے مرجانہ نے اچانک آنکھیں کھول کر مجھ پر حملہ کیا ہو۔ میں شاید اس کے حملے سے بچنے کی خاطر پیچھے کی طرف ہٹا تو لڑکھڑا کر گر پڑا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "دل و دماغ پر دہشت طاری ہو تو ایسا ہوجاتا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "مَیں مرجانہ سے دہشت زدہ نہیں ہوں۔ لڑنے کے دوران محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"بے شک ہر لمحے احتیاط لازمی ہے۔ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔ چلو اب آگے بڑھو۔"

وہ پھر محتاط ہوکر آگے بڑھنے لگا۔ اس مرتبہ ارادہ تھا کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھے گا۔ اس طرح اسے چھُو لے گا، اور اس نے حملہ کرنا چاہا تو ہاتھ کو پکڑ لے گا۔

لیکن وہ جیسے ہی قریب پہنچا۔ میں نے مرجانہ کے دماغ پر قابض ہوکر اسے نیند کی حالت میں آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ غار کی نیم تاریکی میں کسی لاش نے آنکھیں کھول کر دیکھا ہو۔ وہ یکبارگی اُچھل کر پیچھے گیا کیونکہ آنکھیں کھولتے ہی وہ حملہ کرسکتی تھی۔ دوسری طرف میں نے

اس کے اُچھلتے ہی اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ توازن قائم نہ رکھ سکا پھر گر پڑا۔ مرجانہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ زمین پر گرنے والی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا فوراً ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میں مرجانہ کے خوابیدہ دماغ کو ٹریپ کر رہا تھا۔ میں نے اسے ہدایت دی تھی کہ وہ بدستور نیند کی حالت میں رہے گی لیکن آنکھیں کھلی رہیں گی اور میری سوچ کے مطابق بولتی اور چلتی رہے گی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلنے لگی۔ بلبا کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ مرجانہ نے کہا "تم میرے آئیڈیل ہو۔ میں نے تمہارے جیسا شہ زور آج تک نہیں دیکھا۔ اگر کوئی میرا جیون ساتھی بن سکتا ہے تو وہ تم ہو۔"

بلبا پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور پوچھتا جا رہا تھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کانوں سے سن کر یقین نہیں آ رہا ہے۔ تم تو فولاد ہو فولاد۔ میں صبح سے تمہیں پگھلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ اچانک تم کیسے پگھل گئیں؟"

"بلبا! تمہارے پاس سب کچھ ہے ایک عقل نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے کہ عورت اندر سے کچھ ہوتی ہے باہر سے کچھ ہوتی ہے۔ اس فولاد کے سینے میں بھی دل ہے جو اب تمہارے لیے اور صرف تمہارے لیے دھڑک رہا ہے۔"

وہ رک گیا۔ یہ آگے بڑھتے ہوئے اس کے قریب پہنچی تو اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ میں نے بلبا سے پوچھا "کیا تم جانتے ہو ایسے وقت عورت سے کیا کہنا چاہیے۔ کیا کرنا چاہیے؟"

"میں بالکل نہیں جانتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ پلیز فرہاد گائیڈ کرو۔"

"سیدھی سی بات ہے اس کے ساتھ نرمی سے پیار سے باتیں کرتے رہو اور اس کے زخموں پر مرہم رکھو۔ اسے آرام سے ایک جگہ لیٹنے کے لیے کہو۔ وہ تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گی۔ اسے زیادہ سے زیادہ آرام پہنچاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

وہ میری ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ فرسٹ ایڈ بکس کھول کر ضروری سامان نکال کر زخموں کو صاف کرنے لگا۔ مرہم لگانے لگا۔ جہاں پٹیاں باندھنے کی ضرورت تھی وہاں پٹیاں باندھتا رہا۔ کہیں ٹیپ چپکاتا رہا۔ بہرحال پچاس منٹ کے اندر اس نے تمام زخموں کو [illegible] کر کے ڈریسنگ کر دی۔ وہ آرام سے ایک طرف زمین [illegible] گرچہ وہاں سردی زیادہ تھی وہ تھکن سے نڈھال تھی۔ پھر یہ کہ [illegible] پیتھی نے اسے سُلا رکھا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے بلبا سے کہا "میں اس وقت طیارے میں سفر کر رہا ہوں اور چالیس منٹ کے بعد پیرس پہنچنے والا ہوں۔ اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اب تمہاری دشمنی ختم ہو جائے اور دوستی کی ابتدا ہو جائے لہٰذا جیسا میں کہتا ہوں وہی کرو۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ زمین پر چاروں شانے چت لیٹ کر ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ زمین پر رکھ لیا پھر آنکھوں کو یوں بند کر لیا جیسے سو رہا ہو۔ اب مرجانہ نیند سے بیدار ہو رہی تھی۔ کسمسا رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں کھولے چپ چاپ غار کی نیم تاریکی کو اور پتھریلی دیواروں اور چھتوں کو دیکھتی رہی۔ پھر فوراً ہی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلبا پر گئی جو اس کے قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی..... اسے غصہ آیا کہ یہ اس کے قریب کیسے چلا آیا؟

میں نے اس کی توجہ زخموں کی طرف دلائی۔ تب اس نے دیکھا کہ اس کے زخموں پر کہیں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کہیں ٹیپ چپکے ہوئے تھے۔ زخموں کی صفائی ہو گئی تھی اور مرہم لگا دیا گیا تھا۔ یہ کس نے ایسا کیا؟

یہ سوال اس کے دماغ میں پیدا ہوا۔ اس نے غار کے دہانے کی طرف دیکھا۔ پہلے اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید باہر سے کسی نے آ کر اس کے زخموں کی مرہم پٹی کی ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں، اگر کوئی باہر سے آتا تو ٹارزٹر بلبا ان کا اپنا آدمی ہے۔ پہلے وہ اپنے آدمی کی مرہم پٹی کرتے لیکن یہ ابھی تک ویسا ہی ہے۔ اس کے زخموں سے لہو رس رہا ہے۔ زخموں پر مٹی جمی ہوئی ہے۔"

مرجانہ کے دماغ نے حیرانی سے سوچا "کیا بلبا نے میرے زخموں پر مرہم کے پھاہے رکھے ہیں؟ اوہ، میں کس قدر گہری نیند سو رہی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "ایک تو میں صبح سے لڑ رہی ہوں۔ تھک کر چُور ہو گئی تھی۔ کھانے کے بعد نشہ طاری ہوا تو آنکھ لگ گئی۔ شاید مجھ پر نیم بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اسی لیے میری آنکھ نہیں کھلی۔"

اس نے بلبا کے ہاتھ کو دیکھا اور سوچا "ان مضبوط ہاتھوں نے مجھے زخم پہنچائے اور ان ہاتھوں نے ہی میرے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔"

اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ بلبا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ دوسرے لمحے وہ فرسٹ ایڈ کا سامان نکال رہی تھی اور سوچ رہی تھی اس کے زخموں کو صاف کر رہی تھی۔ مرہم لگا رہی تھی۔ میں نے چپکے سے بلبا کے دماغ میں کہا "اس وقت یہ ٹیلی پیتھی کے اثر میں نہیں ہے۔ [illegible] نیند کی حالت میں اُٹھ کر کوئی کام کرنے کی عادی ہے۔ یہ سچ مچ [illegible] سے متاثر ہو کر تمہاری مرہم پٹی کر رہی ہے لیکن تم بالکل گدھے ہو۔"

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

"ہاں۔ بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ اس وقت تمہیں سخت جان نہیں بننا چاہیے بلکہ کمزوری سے ذرا کراہنا چاہیے۔ آنکھیں بدستور بند رکھو لیکن منہ سے کبھی کبھی آہیں نکلتی رہیں۔ عورت جسے چاہتی ہے اس کی تکلیف سن کر تڑپ جاتی ہے۔" وہ سچ مچ بالکل گدھا تھا۔ سخت دل اور سخت جان، نرمی اور پیار کی باتیں اُسے آتی ہی نہ تھیں۔

میں نے شبانہ کے پاس پہنچ کر کہا۔ "میں نے ان دونوں کو صلح جوئی اور دوستی کے راستے پر لگا دیا ہے۔ اب میں جاؤں گا مجھے اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر رہنا ہے۔ تم کب تک وہاں سے نکل رہی ہو؟"

"آج رات دس بجے میرا سفر شروع ہو گا۔"

"تم کس طرح یہاں پہنچو گی؟"

"ہم گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں۔ تمام پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کو گھڑسواری کے ذریعے عبور کرتے ہیں۔ مہذب دنیا میں پہنچ کر آمدورفت کے جدید ترین ذرائع استعمال کرتے ہیں۔"

"اپنے بابا سے کہو میں ایک اہم ذمے داری انہیں سونپنا چاہتا ہوں۔ کیا وہ اس ذمے داری کو پوری طرح نبھائیں گے؟"

"کیوں غیروں جیسی باتیں کرتے ہو۔ تمہارا کوئی بھی کام ہو ہم اس کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے اور ذمے داری تو بہت بڑی ہوتی ہے۔ تم کہو کیا بات ہے؟"

"پہلے اپنے بابا کو مخاطب کرو اور میری بات سناؤ۔"

اس نے اپنے باپ کو مخاطب کیا۔ ٹارزٹر غلبانے اس کی زبان سے میری باتیں سن کر کہا "فرہاد! ایک بار آزما کر دیکھو میں تو اسی انتظار میں ہوں کہ تم کبھی کسی بھی ذمے داری کا پہاڑ میرے سر پر رکھو اور میں اسے اُٹھا کر دکھاؤں۔"

میں نے شبانہ کے ذریعے کہا "میں پارس کو آپ کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی وہ خوشی سے کھل گیا۔ شبانہ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اوہ، فرہاد! میں پارس کو اپنے پاس رکھوں گی۔ میں اس کی پرورش کروں گی۔"

"نہیں شبانہ! تم مہذب دنیا میں آ رہی ہو۔ پارس [illegible] بابا کے پاس رہے گا اور مرجانہ وہاں اس کی دیکھ بھال کرے گی۔"

ٹارزٹر غلبانے پریشان ہو کر کہا "لیکن فرہاد! یہ دونوں اپنی جنگ ختم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ تم ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے انہیں مجبور کرو۔"

"آپ اطمینان رکھیں جو دشمن بن کر لڑتے ہوئے غار کے اندر گئے تھے وہ دوست بن کر باہر آئیں گے۔"

ٹارزٹر غلبانے مطمئن ہو کر پوچھا "پارس کو کب تک یہاں بھیج رہے ہو؟"

"آج رات تبانہ یہاں سے روانہ ہو گی۔ اس کے ساتھ ایک ایسی ٹیم بنا کر روانہ کرو جو پارس کو بحفاظت تمہارے پاس پہنچا سکیں۔"

"بالکل اطمینان رکھو۔ ہم ایسے بہادر یہاں سے بھیجیں گے جن کے سائے میں کسی اور کا سایہ پارس پر نہیں پڑ سکے گا۔"

شبانہ نے پوچھا "پارس ہمیں کہاں ملے گا؟"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔ تم سفر شروع کرو۔ تمہارے مہذب دنیا میں پہنچنے تک میں اپنے بیٹے کو تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔ تم پارس کو اپنے ہاتھوں سے اس ٹیم کے حوالے کر دینا پھر میری طرف چلی آنا۔"

میں نے یہ معاملات طے کیے۔ پھر ان سے رخصت ہو کر دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت ہمارا طیارہ پیرس کی فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی، بابا صاحب کے ادارے کے بے شمار افراد کے ساتھ ائیرپورٹ پر موجود تھی۔ وہ تمام افراد ائیرپورٹ سے لے کر بابا صاحب کے ادارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ انہوں نے محاذ بنا رکھا تھا۔ انہیں معلوم تھا ادارے تک پہنچنے کے لیے مجھے کن راستوں سے گزرنا ہو گا۔

اور دشمن بھی بڑے وسیع ذرائع کے مالک تھے۔ انہوں نے بھی جگہ جگہ محاذ بنا رکھا ہو گا۔ پیرس پہنچتے ہی ان کے سراغرساں میرے ایک ایک لمحے کی رپورٹ دیتے رہیں گے۔ جب سے ٹیلی پیتھی میرے حصے میں آئی ہے تب سے میں اپنے تمام دشمنوں کے مزاج کو سمجھتا آیا ہوں اسی لیے میں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا کہ اپنی حفاظتی تدابیر پر عمل کر کے بخیریت بابا صاحب کے ادارے تک پہنچ جاؤں گا۔

طیارے کو ائیرپورٹ سے ذرا دور ایک فلائنگ کلب کے رن وے پر اُتارا گیا۔ میرا دماغی رابطہ اعلیٰ بی بی سے قائم تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک بڑی سی ویگن نما گاڑی میں آئی تھی۔ اس گاڑی کے آس پاس مسلح پولیس والوں کی گاڑیاں تھیں۔ اعلیٰ بی بی نے خاص طور پر درخواست کی تھی کہ میری حفاظت کے لیے مسلح سپاہی دیے جائیں تاکہ فرہاد علی تیمور کو بخیریت بابا صاحب کے ادارے تک پہنچایا جا سکے۔

اگرچہ ہم کسی بھی ملک کی پولیس کے محتاج نہیں تھے تاہم اعلیٰ بی بی نے فارمیلٹی پوری کرنے کے لیے ایسے اقدامات کیے تھے۔ وہ دانشور کی اور پومی کے ساتھ طیارے میں آئی۔ اس کے پیچھے ادارے کے چند نوجوان تھے۔ وہ لوگ منجالی کے تابوت کو طیارے سے نکال کر اس ویگن کے پچھلے حصے میں لے جانے لگے۔ دانشور کی نے مجھے دیکھتے ہی اپنی طرف کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔ پھر میری پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہنے لگا

"زندگی میں بہت کچھ پانے کے لیے بہت کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ منجالی کی موت کا ہم سب کو افسوس ہے۔ آج میں آپ کے گلے لگ رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے موت اگلے پل مجھے آپ سے الگ کر دے۔ اپنے گلے لگانے ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔"

میں نے کہا "میرے ساتھیوں میں رومانہ کے بعد منجالی دوسری ہستی ہے جس کی ابدی جدائی نے مجھے بے حد صدمہ پہنچایا ہے۔"

وانشورو کی کے پیچھے پومی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "فرہاد! رومانہ مرنے کے بعد بھی میرے روپ میں واپس آگئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم رومانہ سے بھاگتے رہو اور اس کی جدائی کا صدمہ سہتے رہو۔"

وانشورو کی مجھ سے الگ ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ پومی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ وہ سر سے پاؤں تک رومانہ ہی رومانہ تھی۔ چہرہ تو بالکل وہی تھا۔ ناک نقشے میں ایک ذرا فرق نہیں تھا۔ فائٹنگ کا انداز بھی تقریباً وہی تھا اور اب وانشورو کی اس سونے کو کندن بنا رہا تھا۔

میں نے سنجیدگی سے مسکرا کر کہا "تمہیں دیکھ کر خدا کی قدرت پر اعتماد اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ بے شک تم رومانہ بن کر میرے سامنے آگئی ہو لیکن یہ بھی تو سوچو کہ تمہاری بھلائی کے لیے اور تمہیں خوب سے خوب تر بنانے کے لیے تم سے دور رہتا ہوں۔ اگر ہماری تقدیر میں ہمارا ساتھ لکھا ہے تو ہم ضرور کبھی ایک ساتھ ایک راہ پر چلیں گے۔ کیا تم اس بات سے انکار کرو گی۔ رنگون میں تم ذرہ تھیں یہاں آفتاب بن رہی ہو۔"

پومی نے احسان مندی سے وانشورو کی کی طرف دیکھا۔ پھر سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی طرف سر جھکاتے ہوئے کہا "میں ماسٹر کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔ ان کے سائے میں آکر مجھے معلوم ہوا کہ دنیا بہت بڑی ہے اور کوئی بھی علم، کوئی بھی فن محدود نہیں ہے۔ سیکھنے پر آؤ تو زندگی گزرتی چلی جاتی ہے۔ میں سیکھ رہی ہوں۔ خوب سیکھ رہی ہوں اور واقعی خوب سے خوب تر بن رہی ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "ہمیں اب چلنا چاہیے۔ طیارے سے باہر نکلتے ہی اپنی پلاننگ کے مطابق ہمیں ایک ایک سیکنڈ کا خیال رکھنا ہوگا۔"

ہم طیارے سے باہر آئے۔ پہلے میں طیارے کی سیڑھی سے اترنے لگا۔ پومی میرے ساتھ چلتے ہوئے بولی "اب تو تم بابا صاحب کے ادارے میں رہو گے۔ کم از کم تمہیں قریب سے دیکھتے رہنے کی حسرت پوری ہوتی رہے گی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ طیارے کے قریب ہی چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ دو گاڑیوں میں مسلح سپاہی تھے۔ میری گاڑی میں منجالی کا تابوت رکھا گیا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا "میں اور فرہاد تابوت کے ساتھ اس گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھ کر جائیں گے۔ ماسٹر وانشورو کی! آپ اور پومی جس کار میں آئے ہیں، اسی کار میں بیٹھ کر ہمارے آگے چلیں گے۔ باقی یہ مسلح سپاہی تو ہاتھی کے دانت ہیں۔"

پومی، وانشورو کی کے ساتھ کار میں بیٹھنے چلی گئی۔ میں اعلیٰ بی بی کے ساتھ اس ویگن کار کے پچھلے حصے میں آیا، جہاں تابوت رکھا ہوا تھا، ہم وہاں بیٹھ گئے۔ پچھلا حصہ بند کر دیا گیا۔ اب باہر والے ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ ہم باہر والوں کو دیکھ سکتے تھے۔ بس اتنا ہی پتا چلا کہ وہ گاڑی آگے بڑھ رہی ہے۔ اعلیٰ بی بی نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر تین عدد لفافے نکالتے ہوئے کہا "تین بڑے دوستوں اور بڑے دشمنوں نے تمہارے نام یہ خطوط بھیجے ہیں۔"

میں نے لفافے اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھے۔ ایک خط سپر ماسٹر کی طرف سے تھا۔ دوسرا خط ریڈ پاور کے ماسک مین نے بھیجا تھا۔ میں نے تیسرا لفافہ کھول کر اس میں سے خط نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ خط یہودی تنظیم کے سربراہ نے میرے نام یوں لکھا تھا:

"مسٹر فرہاد علی تیمور! ہمیں مس منجالی کی بے وقت موت پر بڑا افسوس ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق اس کی موت کے پیچھے کسی دشمن کا ہاتھ ہے۔ اگر وہ دشمن آپ کی نظروں میں آگیا ہے تو یقیناً اس کی زندگی کے دن تھوڑے ہوں گے اور اگر وہ کوئی پراسرار دشمن ہے تو ہم اسے پراسرار نہیں رہنے دیں گے۔ بہت جلد آپ کے سامنے اسے بے نقاب کر دیں گے۔

یقین کریں، ہم آپ کے کام آنے اور آپ کے دوست بننے کا کوئی نہ کوئی موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمیں آج تک آپ نے کوئی موقع نہیں دیا۔ بہر حال یہ تنگ کا موقع نہیں ہے۔ ہم اپنے دوستانہ جذبے کا یہ ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ آپ بنکاک سے قاہرہ اور قاہرہ سے پیرس تک بخیریت پہنچ گئے ہیں اور یہاں سے بابا صاحب کے ادارے تک بھی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہم نے اپنے طور پر آپ کے لیے حفاظتی انتظامات کیے ہیں۔

اگر آپ اپنی عادت کے مطابق اب بھی ہمیں اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں تو اتنا ضرور یقین کریں کہ کسی تابوت کے ساتھ جانے والے غم زدہ شخص پر حملہ کرنا ہماری عادت نہیں ہے۔"

میں نے اس خط کو ایک طرف پھینک دیا۔ پھر دوسرے لفافے کو کھول کر ریڈ پاور کے ماسک مین کا لکھا ہوا خط پڑھنے لگا۔ اس نے لکھا تھا۔

"مسٹر فرہاد علی تیمور! آپ بنکاک سے قاہرہ اور قاہرہ سے پیرس بحفاظت پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے بابا صاحب کے ادارے تک اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔ میں پیرس کے باس اسحاق وال پر اور ان کے حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہوں۔ مجھے یقین ہے، دشمن کے تمام حربے ناکام رہیں گے۔ میری دعائیں اور میری عملی کوششیں

آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔ فقط، آپ کا خادم ماسک مین۔"

میں نے وہ خط بھی ایک طرف پھینک کر سپر ماسٹر کے خط کو پڑھنا شروع کیا۔ اس نے لکھا تھا:

"مسٹر فرہاد علی تیمور! پتا نہیں ہم سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے کہ آپ نے رنگون چھوڑتے وقت ہمارے ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کیا اور تادمِ تحریر آپ ہم سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ اس دوران آپ کتنے ہی آزمائشی حالات سے گزرتے رہے لیکن آپ نے کبھی ہمارے بنکاک کے ماسٹر سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنی ناراضگی کی وجہ ضرور بیان کریں تاکہ ہم اپنی غلطی کی تلافی کر سکیں۔

آپ کو یاد ہوگا، رنگون میں ایک ماسٹر نے آپ کے مزاج کے خلاف غلطی کی تھی۔ ہم نے اسے موت کی سزا دی۔ آپ یقین کریں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی تو میں خود کو سزا دوں گا اور سپر ماسٹر کے عہدے سے ہٹ جاؤں گا۔ میری جگہ کوئی نیا سپر ماسٹر آئے گا، لیکن ہمارے اس ابتدائی اور بنیادی اصول میں ایک ذرا سی تبدیلی نہیں ہوئی ہوگی کہ مسٹر فرہاد علی تیمور کو ہر حال میں اپنا دوست بنا کر رکھا جائے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے، یہاں فلائنگ کلب سے لے کر بابا فرید واسطی کے ادارے تک ہمارے جاسوس پھیلے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے طور پر آپ کے لیے بے حد احتیاطی تدابیر کی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ کوئی دشمن آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بنکاک میں جب یہ انکشاف ہوا کہ آپ خود کو ظاہر کر رہے ہیں اور ایک چارٹرڈ طیارے سے پیرس کے لیے روانہ ہو رہے ہیں تو وہاں کے ماسٹر نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ریڈ پاور کے باس نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ پھر میرے ماسٹر نے ایئرپورٹ پر چارٹرڈ طیارے تک پہنچنا چاہا، وہاں بھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ بعد میں پتا چلا کہ آپ اس چارٹرڈ طیارے سے پہلے ہی روانہ ہو چکے ہیں۔ پھر قاہرہ کے ماسٹر نے مجھے اطلاع دی کہ آپ کو وہاں ریڈ پاور کے باس جمشید جبران کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اسی چارٹرڈ طیارے سے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ بہر حال آپ نے ہم پر اعتماد نہیں کیا لیکن ہم آپ کا اعتماد بحال کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ میں آخر میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو ہمیں معاف کر دیں اور اس کی تلافی کا موقع دیں۔ فقط آپ کا خادم سپر ماسٹر۔"

میں نے اس خط کو بھی ایک طرف پھینک دیا۔ پھر اعلیٰ بی بی سے پوچھا "پارس کہاں ہے؟"

"میں نے اسے جمیلہ اور جواد الخیری کے پاس سے ہٹا دیا ہے۔ تم اسے کہیں بھیجنے والے تھے۔ جہاں کہو گے، وہاں پہنچا دیا جائے گا۔"

میں سوچنے لگا، آج رات ثبانہ اپنا سفر شروع کرنے والی تھی۔ میں پارس کو کس ملک میں، کس دن اس کے حوالے کروں گا، یہ ابھی میں نے سوچا نہیں تھا اور اگر سوچ بھی لیتا تو اعلیٰ بی بی کو بتانے کا ارادہ نہیں تھا۔ میں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میرے تمام معاملات میں سے جو معاملہ جس سے تعلق رکھتا ہے، صرف اسی سے اس معاملے کے متعلق گفتگو کی جائے۔ باقی ساتھیوں سے اسے راز میں رکھا جائے۔ مثلاً ابھی میں جس گاڑی کے پچھلے حصے میں اعلیٰ بی بی کے ساتھ سفر کر رہا تھا وہاں کتنی زبردست تبدیلیاں آنے والی تھیں، اس کے متعلق صرف اعلیٰ بی بی جانتی تھی۔ ہم نے جان بوجھ کر وانشورو کی اور پومی کو اپنے ساتھ گاڑی میں نہیں بٹھایا تھا۔ انہیں کار میں جانے کے لیے کہہ دیا تھا یعنی میری جگہ کس طرح سجاد علی تیمور آئے گا اور میں کس طرح روپوش ہو جاؤں گا۔ یہ صرف اعلیٰ بی بی کو معلوم ہوگا۔

اسی طرح میں پارس کو کس کے حوالے کروں گا، یہ ثبانہ اور اس کے قبیلے والوں کے سوا میرے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں جان سکے گا۔ میں نے کہا "پارس جن کے پاس ہے، مجھے ان کی آواز سناؤ۔"

اعلیٰ بی بی نے اپنی سیٹ کے نیچے سے ایک کیسٹ ریکارڈر نکالا۔ پھر اسے آن کیا۔ ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس کی آواز کو، اس کے لب و لہجے کو ذہن نشین کیا۔ پھر آزمائشی طور پر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ شخص ایک گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ یونان سے ترکی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی بیوی کی گود میں پارس موجود تھا۔

اعلیٰ بی بی نے کہا "فرہاد! خیال خوانی کا وقت نہیں ہے۔ تمہاری منزل قریب آ رہی ہے۔ تیار ہو جاؤ۔" جس قسم کے کپڑے میں پہنے ہوئے تھا ویسا ہی ایک جوڑا وہاں موجود تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد گاڑی آہستہ آہستہ یوں رکنے لگی جیسے کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔ گاڑی کے فرش پر ایک پلاسٹک بچھا ہوا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے اسے اٹھا کر ایک طرف الٹ دیا۔ اس وقت تک گاڑی رک چکی تھی۔ اس کے رکتے ہی اعلیٰ بی بی نے اپنی کرسی کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے ساتھ ہی فرش کا ایک حصہ کھڑکی کے دو پٹ کی طرح کھلتا ہوا نیچے کی طرف چلا گیا۔ نیچے گٹر کا ایک بڑا سا آہنی ڈھکن نظر آ رہا تھا یعنی وہ گاڑی ٹھیک اس گٹر کے اوپر رکی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے سجاد علی تیمور کو پکارا۔ اس کے ساتھ ہی ڈھکن ایک طرف ہٹنے لگا وہاں سے سجاد علی تیمور طلوع ہو رہا تھا۔

وہ ایک نیکر اور بنیان پہنے ہوئے تھا۔ اس نے گٹر سے نکل کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کے اندر کھینچ لیا۔ جیسے ہی وہ اندر آیا، میں گاڑی کے کھلے ہوئے فرش کے اس راستے سے نیچے چلا گیا۔ گٹر کے اندر سیڑھیاں تھیں۔ میں ان سیڑھیوں سے اترتا ہوا ذرا نیچے گیا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر آہنی ڈھکن کو سڑک کے خلا کو پُر کر دیا۔ اب گٹر کے باہر کی دنیا نظر نہیں آ رہی تھی لیکن میں ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا۔ کھڑکی کی صورت میں کھلنے والا گاڑی کا فرش بند ہو گیا تھا۔ یعنی وہ فرش برابر ہو گیا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے دوبارہ پلاسٹک کو بچھا دیا تھا۔ دوسری طرف سجاد علی تیمور میرے جیسا لباس پہن رہا تھا۔ میں نے گاڑی کے ڈرائیور کو خیال خوانی کے ذریعے کہا "کام ہو چکا ہے۔ گاڑی کی خرابی دور کر دو اور آگے بڑھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر کے بعد گاڑیوں کا قافلہ آگے بڑھ گیا۔ وائٹسورو کی اور لوپی بھی یہی سمجھتے رہے کہ گاڑی میں کچھ خرابی ہو گئی تھی۔ وہ دور ہو گئی۔ پچھلے حصے میں فرہاد اور اعلیٰ بی بی بخیریت بیٹھے ہوئے ہیں وہاں جو تبدیلی ہوئی، اس کا علم اب اعلیٰ بی بی کے علاوہ صرف ڈرائیور کو تھا۔

گٹر کے نچلے حصے سے ٹارچ کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں سیڑھی سے اتر کر ٹارچ والے کے پاس پہنچا۔ اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "جناب! یہاں سے صرف ایک فرلانگ تک چلنا ہوگا۔"

میں اس کے ساتھ ساتھ ٹارچ کی روشنی میں چلنے لگا۔ دس منٹ کے بعد ہمیں ایک اور زینہ نظر آیا جو اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ ٹارچ والے نے کہا "اب آپ ڈاکٹر شیفرڈ کو مخاطب کریں اور اُن سے کہہ دیں کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے ڈاکٹر شیفرڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہیلو ڈاکٹر! میں آ گیا ہوں۔ آپ گاڑی لے آئیں۔"

... وہ مین ہول سے دور ایک گلی میں گاڑی روکے انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے چلنے کے لیے کہا۔ پھر وہ گاڑی ہماری طرف آنے لگی۔ جس طرح میں نے اعلیٰ بی بی کے ساتھ ویگن نما گاڑی کے پچھلے حصے میں سفر کیا تھا، اسی طرح ڈاکٹر شیفرڈ اس ویگن نما گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری سڑک پر پہنچ کر ایک گٹر کے آہنی ڈھکن کے اُوپر پہنچتے ہی گاڑی یوں روک دی جیسے کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اتر کر انجن چیک کرنے لگا۔ اسی دوران ڈاکٹر شیفرڈ نے اس گاڑی کے پچھلے حصے کے فرش کو اسی میکنزم کے تحت کھول دیا۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی کا نچلا حصہ کھلا، میں نے سیڑھی پر چڑھ کر گٹر کے آہنی ڈھکن کو ایک طرف ہٹا دیا اور اس طرح گاڑی کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ ٹارچ والا بھی اوپر آیا۔ اس نے گٹر کے ڈھکن کو برابر کیا۔ پھر وہ بھی گاڑی میں پہنچ گیا۔ گاڑی کے فرش کی سطح برابر کر دی گئی۔ اُوپر سے پلاسٹک بچھا دیا گیا۔ پھر ڈرائیور کو اشارہ کیا گیا۔ اس نے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ میرے کپڑے خراب ہو چکے تھے لیکن وہاں میرے لیے دوسرا لباس رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے پہنتے ہوئے کہا "ڈاکٹر! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود میرے لیے اتنا وقت نکالا ہے۔"

"فرہاد! دوستوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا، ورنہ میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا کروں تو شاید اپنے وقت، اپنی دولت کی، اور اپنی جان کی قربانی دے کر بھی شکریہ ادا کرنے کا حق ادا نہ کر سکوں۔ میں نے اپنی صلاحیتوں کے ذریعے جو عالمگیر شہرت حاصل کی ہے اسے وہ کم بخت جیک میئر خاک میں ملانے والا تھا۔ اگر تم مجھے نہ بچاتے تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ تو گڑے مُردے اکھاڑنے لگے جبکہ میں زندہ ہوں۔ میری بات کریں۔ کسی بھی فرد کی شناخت اس کے نام سے، اس کے چہرے سے اور اس کے اعمال سے ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جب میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنا چہرہ بدل لیا تھا تو نام کی تبدیلی عارضی تھی۔ میرے ساتھی مجھے پہچان لینے کے بعد تسلیم کر لیتے تھے کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں، میرا عمل بھی میرا اپنا ہی تھا۔ لیکن میرا چہرہ اپنا نہیں رہا تھا۔ وہ طارق محمود کا چہرہ تھا۔ اگر آپ جیسے ماہر سرجن سے ملاقات نہ ہوتی تو مجھے فرہاد علی تیمور کا چہرہ کبھی واپس نہ ملتا۔ میں صرف نام سے اور اپنے کام سے پہچانا جاتا، لیکن میرے چہرے سے کوئی مجھے پہچان نہ سکتا۔ میری ایک شناخت گم ہو چکی تھی۔ اب میں یہ نہیں چاہوں گا۔"

"میں تمہارا چہرہ نہ تو پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کروں گا اور نہ ہی تم میک اپ کے ذریعے چہرہ تبدیل کرنے کی زحمت اٹھاتے رہو گے۔ میرے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے تمہارے لیے بہترین ماسک تیار کیا ہے۔"

"ڈاکٹر! میں ماسک میک اپ سے بھی تنگ آ گیا ہوں۔ ماسک پہننے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے اصل چہرے کو غلاف میں چھپا دیا گیا ہو۔ صرف دیکھنے کے لیے آنکھیں، سانس لینے کے لیے ناک اور کھانے پینے کے لیے منہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔ عجیب سی بے چینی رہتی ہے۔ لگتا ہے جیسے کسی شکنجے میں چہرہ جکڑا ہوا ہو۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا "میں نے میڈیکیٹڈ یعنی طبّی نقطۂ نظر تک تیار کیا ہے جسے پہننے کے بعد تمہیں نہ تو بے چینی کا احساس ہوگا اور نہ ہی تم اپنے چہرے کو کسی انجانی گرفت میں محسوس کرو گے۔ اس ماسک کے اندر گرمی یا گھٹن کا احساس نہیں ہوگا۔ اسے ایسی ادویات سے تیار کیا گیا ہے جو چہرے کی اصل جلد کو اندر سے نہ تو سکڑنے دیتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان پہنچاتی ہے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "آپ نے میرے لیے بہت محنت کی ہے۔"

"میں نے انسانی جلد اور پلاسٹک کے مہین تاروں سے یہ ماسک تیار کیا ہے۔ لیکن اس میں ایک قباحت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ماسک کا جوڑ گردن کے پیچھے اور سامنے سینے پر ہوتا ہے اگر قمیص اتاری جائے تو بغور دیکھنے پر ماسک میک اپ کا شبہ ہونے لگتا ہے اور دشمن تو بہت ہی چالاک ہوتے ہیں۔"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر نے کہا "دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمہارے چہرے پر ہلکی سی عارضی پلاسٹک سرجری کی جائے۔ یہ سرجری زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں ہو جائے گی۔ تم جب چاہو گے اسی طرح ایک گھنٹے کے اندر اس پلاسٹک میک اپ سے نجات حاصل کر لو گے۔ لیکن نجات حاصل کرنے کے لیے کبھی کسی میرے جیسے ماہر سرجن کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے اصلی روپ میں نہیں آ سکو گے۔"

"وہ ہلکی سی تبدیلیاں کیا ہو سکتی ہیں؟"

اس نے جواب دیا "انسان کا چہرہ بیضوی ہوتا ہے۔ گول ہوتا ہے۔ لمبوترا یا چوکور ہوتا ہے لیکن اس کے چہرے پر ہونٹ ناک اور آنکھیں اہم ہوتی ہیں۔ اگر ان تین چیزوں میں ذرا ذرا سی تبدیلیاں لائی جائیں تو چہرہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ دشمن تمہیں بغور دیکھ کر شبہ کے طور پر یہ کہیں گے کہ تم فرہاد علی تیمور سے ہلکی سی مشابہت رکھتے ہو لیکن وہ ثابت نہیں کر سکیں گے کیوں کہ پلاسٹک میک اپ سرجری کے بغیر اتارا نہیں جاتا اور نہ ہی اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے تمہارا اصلی چہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔"

مجھے یہ دوسرا طریقہ پسند آتا ہے۔ آپ میرے چہرے پر ضروری تبدیلیاں کر دیں۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ ہر انسان خود پسند ہوتا ہے۔ میں اپنے آپ کو خوب رو تو نہیں کہتا لیکن ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ طعنے دیں۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا "فکر نہ کرو، ایسی تبدیلیاں کروں گا کہ شاید تم آئینہ دیکھنے کے بعد اپنے ہی اُوپر مر مٹو۔"

ایک گھنٹے کے بعد میں ڈاکٹر شیفرڈ کی شاندار کوٹھی میں پہنچ گیا۔ جہاں میں مہمان بن کر رہنے والا تھا۔ اعلیٰ بی بی کی گاڑی اور اس کے ماتحت وہاں سے واپس چلے گئے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اعلیٰ بی بی اور سجاد علی تیمور کی خیریت معلوم کرتا رہا تھا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ وہ پیرس کی حدود سے نکلنے کے باوجود ویرانے میں سفر کرتے ہوئے اپنے ادارے میں بخیریت پہنچ گئے تھے۔ دشمنوں نے اپنے وعدے کے مطابق ان گاڑیوں کا راستہ نہیں روکا تھا۔ اپنی دانست میں فرہاد اور منجالی کی لاش کو ادارے تک پہنچنے کا موقع دیا تھا۔

اس ادارے کے تمام افراد نے بارہ گھنٹے پہلے سجاد علی تیمور کو وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے بتایا تھا کہ سجاد کو یورپ سے باہر بھیجا جا رہا ہے تاکہ اس کی جگہ اصل فرہاد آئے۔ دو ہم شکل فرہاد ایک جگہ نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ بات ادارے سے باہر پہنچ سکتی تھی۔ بہرحال اعلیٰ بی بی نے سجاد علی تیمور کو اپنے ایک خاص ماتحت کے ذریعے اس ادارے سے روانہ کر کے گٹر لائن کے ذریعے تبدیلیاں لانے کے پروگرام پر کامیابی سے عمل کر لیا تھا۔

اب اس ادارے میں وائٹسورو کی اور لوپی اہم گواہ تھے کہ سجاد علی تیمور اصل میں فرہاد علی تیمور ہے کیوں کہ انہوں نے مجھے چارٹرڈ طیارے سے اتر کر اس گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ پھر وائٹسورو کی اور لوپی کے علاوہ سب سے اہم گواہ اعلیٰ بی بی تھی۔ اس کی بات پر ادارے کا ہر شخص آنکھیں بند کر کے یقین کرتا تھا۔ وہ سجاد علی تیمور جو بارہ گھنٹے پہلے اس ادارے میں نقلی فرہاد سمجھا جاتا تھا۔ اب سب اُسے اصلی فرہاد سمجھنے لگے تھے۔

ڈاکٹر شیفرڈ نے میری خاطر سرجری کے مختصر سے آلات پہلے ہی اپنے گھر میں لا کر رکھ لیے تھے۔ شام چھ بجے تک اس نے میرے چہرے کو خاصی حد تک تبدیل کر دیا۔ حالاں کہ سرجری میں بمشکل ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔ ہلکی سی تبدیلیاں کی گئیں تھیں۔ دونوں آنکھوں کے بیچ ناک کے بانسے کو ذرا سا دبیز کیا گیا تھا۔ اسی تناسب سے نتھنوں کے پاس ناک کو ذرا اونچا کیا گیا تھا۔ اس طرح اس کی ساخت بدل گئی تھی۔ اسی طرح میرے ہونٹ پتلے تھے۔ ان سے سفاکی جھلکتی تھی۔ اب ان ہونٹوں کو ذرا سا موٹا کر دیا گیا تھا لیکن وہ بھدے نہیں لگتے تھے۔ آنکھوں کے دائیں اور بائیں گوشوں کو ذرا سا سکیڑ دیا گیا تھا جیسے وہ آنکھیں سوچتے رہنے کی عادی ہوں۔ اور اُن سے ذہانت جھلکتی تھی۔ بہرحال چہرہ مجموعی طور پر تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر غور سے دیکھا۔ تب بھی اپنے چہرے کا شبہ نہ ہوا، لیکن دشمن شبہ کرتے تو یہ دوسری بات تھی۔

میں نے کہا "ڈاکٹر! میری دُعا ہے کہ خدا آپ کو ایک لمبی زندگی دے۔ میں آپ کی زندگی میں جب چاہوں، اصلی صورت میں آتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر نے میرے شانوں کو تھپکتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو۔ میں مرنے سے پہلے ایک ایسے ڈاکٹر سے تمہاری دوستی کرا دوں گا جو تمہارا ہمراز بن کر رہے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ سے ایک تعاون اور چاہتا ہوں اعلیٰ بی بی یا کوئی بھی اہم سے اہم ساتھی میرے موجودہ حُلیے کے متعلق پوچھے تو آپ کہہ دیں کہ میں نے ان تمام تصویروں کو جلا ڈالا ہے، جنہیں دیکھ کر میرا موجودہ چہرہ بنایا گیا ہے۔ اگر آپ کو ذہن پر زور ڈال کر میرا حُلیہ بتانے کے لیے کہا جائے تو آپ بتانے کے وقت گڑبڑاتے رہیں اور یہ تاثر دیتے رہیں کہ میں خیال خوانی کے ذریعے آپ کو حُلیہ بتانے کا موقع نہیں دے رہا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا "آپ بہت محتاط ہیں۔ اعلیٰ بی بی جیسی جاں نثار ساتھی سے بھی باتیں چھپانا چاہتے ہیں۔"

"آثار بتا رہے ہیں کہ دشمن زبردست چالیں چل رہے ہیں۔ اُنہوں نے اگر سجاد کو فرہاد سمجھ کر اپنی گرفت میں لے لیا تو اپنی کامیابی کے زُعم میں میرے تمام ساتھیوں کو بھی اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر انہوں نے ان سب کو قیدی بنا لیا تو اُن سے یقیناً غیر انسانی سلوک کریں گے۔ اُنہیں اذیت پہنچانے کی انتہا کر دیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسے وقت میرا کوئی ساتھی کمزور پڑ جائے اور حقیقت اُگل دے۔ لہٰذا انہیں حقیقت کا علم ہونا ہی نہیں چاہیے۔"

"تم سے ایک غلطی ہو گئی۔ سجاد کو بابا صاحب کے ادارے میں بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔ وہاں سیکڑوں افراد ہیں۔ ان میں کون غدار یا دشمن کا جاسوس ہے۔ یہ کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"دیکھا جائے تو مجھ سے غلطی ہوئی ہے لیکن سجاد کو مکمل طور پہ فرہاد علی تیمور بنانے کے لیے میری گفتگو، میرا لہجہ، میری نشست و برخاست اور میرے اسٹائل کے متعلق وہیں اُسے ٹریننگ دی جا سکتی تھی۔ اس ادارے میں اعلیٰ بی بی اور دانشور دی اس کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اعلیٰ بی بی اتنی مصروف تھی کہ اس ادارے کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ سجاد کو مجبوراً وہاں بھیجنا پڑا۔"

"اگر دشمنوں کو کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ بابا صاحب کے ادارے میں فرہاد کی ایک ڈمی آئی تھی پھر اصلی فرہاد کے پیرس پہنچنے سے بارہ گھنٹے پہلے اس ڈمی کو غائب کر دیا گیا تو کیا دشمنوں کو سجاد پر شبہ نہیں ہوگا؟"

"ہاں، شبہ تو ہوگا مگر وہ کس طرح تصدیق کریں گے کہ وہ اصلی فرہاد نہیں ہے۔ آپ اپنے فن میں اتنے باکمال ہیں کہ کوئی سجاد کے چہرے کو پلاسٹک سرجری کا کمال نہیں کہہ سکتا۔ پھر یہ کہ سجاد غضب کا نقال ہے۔ اس کی یادداشت بھی اچھی ہے۔ ہاں اگر دشمن کسی طرح اُسے قیدی بنا لیں گے تو ربی اسفند یار ہپناٹزم کے ذریعے اُس سے حقیقت اُگلوانے کی کوشش کرے گا۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت اس کے دماغ میں موجود رہوں تاکہ راز فاش نہ ہو۔ بہرحال یہ اس وقت کی باتیں ہیں، جب بدنصیبی سے سجاد یعنی فرہاد صاحب کا قیدی بن جائے گا۔ میں حتی الامکان ان کی چالوں سے اسے بچائے رکھنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر شیفرڈ سات بجے اپنے کسی ضروری اپائنٹمنٹ کے مطابق وہاں سے چلا گیا۔ میں اس بڑی سی کوٹھی میں تنہا رہ گیا۔ اب میں آرام سے خیال خوانی کر سکتا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے اس شخص کے دماغ میں پہنچا جس کی بیوی نے پارس کو گود میں لیا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص تو انگریزی جانتا ہے لیکن اس کی بیوی فارسی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتی ہے۔ وہ دونوں ایرانی تھے۔ استنبول میں کچھ دن گزار کر تہران جانا چاہتے تھے۔ اس کا نام شبیر حسن تھا۔ وہ بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں ایک انجینئر تھا۔ میں نے اُسے مخاطب کیا۔ پھر اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ اس نے قائل ہو کر کہا "جناب فرہاد صاحب! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ میرے ذریعے دیکھ سکتے ہیں۔ میری شریک حیات نے کتنی محبت اور ممتا سے پارس کو گود میں لیا ہوا ہے۔ یہ تو چاہتی ہے کہ اُسے اپنے پاس ہی رکھے لیکن مجھے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ آپ اپنے بیٹے کو جہاں پہنچانے کے لیے کہیں گے میں وہاں پہنچا دوں گا اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو جب تک ہمارے پاس ہمارا یہ بیٹا رہ سکتا ہے اسے رکھنے کی اجازت دے دیں۔"

میں نے پوچھا "شبیر حسن! تم اپنی شریک حیات سے کتنی محبت کرتے ہو؟"

"آپ میرے دماغ میں جھانک کر دیکھ سکتے ہیں۔ میرا دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتا ہوں، جتنی کہ اپنی زندگی سے ہو سکتی ہے۔"

"تو بہتر ہے پارس کو اپنے پاس رکھنے کا خیال دماغ سے نکال دو۔ میں اور میرا بیٹا جہاں جاتے ہیں، وہاں نئی نئی مصیبتیں کھڑی ہو جاتی ہیں جو لوگ میرا ساتھ دیتے ہیں اُن میں سے کچھ مارے جاتے ہیں اور کچھ نت نئی آزمائشوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ابھی منجالی کے متعلق تو تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پارس کی وجہ سے تمہاری بیوی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ تمہاری محبت سلامت رہے۔ میری یہی دُعا ہے۔ پارس کو انقرہ لے جاؤ۔ وہاں میں تمہیں بتاؤں گا کہ اسے کس کے حوالے کرنا ہے۔"

میں اس سے رخصت ہو کر شبانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں رات کے نو بج چکے تھے۔ ایک گھنٹے بعد وہ رخصت ہونے والی تھی۔ میں نے کہا "تم اپنی ٹیم کے ساتھ انقرہ پہنچو، وہاں تمہیں پارس مل جائے گا۔ لیکن اس ٹیم میں ایک ایسی عورت ہو جو کم از کم ایک بچے کی ماں نظر آتی ہو تاکہ پارس اس کی گود میں رہے تو کسی کو شبہ نہ ہو۔"

"میں ایسی عورت کو ساتھ لے جاؤں گی اور اس عورت کے ساتھ ایسے جنگجو افراد ہوں گے جو پارس پر ایک ذرا آنچ نہیں آنے دیں گے۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد ہی میں تمہاری طرف

آؤں گی۔ تم پیرس پہنچ گئے ہو گے۔ اپنے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"میں یہاں خیریت سے ہوں اور بہت مصروف ہوں۔ مرجانہ اور رِلیبا کی خبر نہیں لے سکتا۔ لہٰذا مختصر طور پہ بتاؤ، وہ کس حال میں ہیں۔"

"وہ دونوں غار سے نکل آئے ہیں مگر چپ چپ سے ہیں۔ اپنے اپنے کاٹیج میں آرام کر رہے ہیں۔ یہاں کے ایک ڈاکٹر نے اُن کا پوری طرح معائنہ کیا ہے۔ از سرِ نو زخموں کی ڈریسنگ کی ہے۔ ان کی خاموشی اور گہری سنجیدگی بتا رہی ہے کہ اُن کے اندر بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ وہ یقیناً ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں۔ لیکن ابھی اظہار نہیں کر رہے ہیں۔ شاید ابھی تک اَنا کے مسئلے میں اُلجھے ہوئے ہیں۔"

"چنگاری جب بھڑک جاتی ہے تو شعلہ بننے میں دیر نہیں لگتی۔ اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔"

میں نے اس سے رخصت ہو کر اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "یہاں سجاد کو سبھی فرہاد سمجھ کر ملنے چلے آ رہے ہیں۔ بابا صاحب کے ادارے کے تمام افراد تمہارے عقیدت مند ہیں۔ میں انہیں سجاد سے ملنے سے روک نہیں سکتی۔ اس لیے اُسی کے پاس موجود ہوں۔ محتاط ہوں کہ اُس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے لیکن یہ واقعی بڑا باکمال فن کار ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ تمہاری ڈمی ہے۔ بڑی کامیابی سے تمہارا رول ادا کر رہا ہے۔"

میں نے کہا "سجاد اور تمہارے ادارے کی باتیں بعد میں ہوں گی۔ یہ بتاؤ، دشمنوں اور دوست نما دشمنوں کے ردِ عمل کیا ہیں؟"

"سُپر ماسٹر، ماسک مین اور بہت سے مشہور اور اہم یہودیوں سے رابطہ قائم کر رہے ہیں اور سبھی یہ خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ منجالی کی آخری رسومات میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آخری رسومات میں شرکت کے بہانے ادارے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔"

"صاف ظاہر ہے، پھر کوئی چال چلی جائے گی۔ بابا صاحب کی تدفین کے وقت بھی یہی ہوا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ سُپر ماسٹر کے ماسٹروں اور ماسک مین کے تمام عہدے داروں کو آنے کی اجازت دو لیکن یہودیوں کو صاف صاف کہہ دو کہ جب تک ہمارے درمیان اعتماد قائم نہیں ہوگا اس وقت تک انہیں بابا صاحب کے ادارے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ سُپر ماسٹر اور ماسک مین سے ہمارے تعلقات اچھے ہیں۔ ان کے آدمیوں کو روکنا مناسب نہیں ہوگا لیکن بڑے مسائل پیدا ہوں گے۔ منجالی کی آخری رسومات میں شریک ہونے کے بہانے بے شمار لوگ آئیں گے۔ ان میں یقیناً دشمن بھی ہوں گے۔ اُنھیں نہ تو ہم چہرہ دیکھ کر پہچان سکتے ہیں اور نہ تم فرداً فرداً ہر ایک کے دماغ میں جھانک کر دیکھ سکو گے۔"

"میں ان دشواریوں کو سمجھ رہا ہوں، لیکن تعلقات تو بہرحال نباہنے ہی پڑتے ہیں۔ تم سجاد کی حفاظت کے لیے سخت سے سخت انتظامات کر دو۔"

"وہ تو میں کر دوں گی، لیکن اس کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا میں نے باہر سے آنے والوں کو اطلاع دی ہے کہ منجالی کی آخری رسومات کل صبح دس بجے ادا کی جائیں گی۔ میرے لیے اتنا وقت کافی ہے۔ میں اپنے اطمینان کی حد تک بہت ہی سخت انتظامات کر سکوں گی۔"

میں نے آئینے میں اپنی نئی صورت دیکھی اور چہرے پہ ہاتھ پھیر کر سوچنے لگا۔ اگر میں بھی بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ جاؤں تو سجاد کے دشمنوں پر کڑی نظر رکھ سکوں گا۔ مجھ پر کوئی نظر نہیں رکھے گا۔ اب میں خود کو نہیں پہچان رہا ہوں۔ بھلا دشمن مجھے کیا پہچانتے لیکن میں اپنا موجودہ چہرہ اعلیٰ بی بی کو بھی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ان عزیز ترین ہستیوں سے بھی چھپنا چاہتا تھا جو میرے لیے جان کی بازی لگا دیتی تھیں۔ لہٰذا میں نے یہی طے کیا کہ ڈاکٹر شیفرڈ کے مکان میں بیٹھ کر ہی دشمنوں پر کڑی نظر رکھوں گا۔ یوں بھی مجھے اس ادارے سے دور رہ کر یہاں کسی ایجنٹ سے رابطہ قائم کرنا تھا تاکہ اپنے موجودہ حُلیے کے مطابق شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ تیار کروا سکوں۔

گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ آرام اور سکون سے سوتا رہوں۔ اس دوران کوئی آہٹ نہ ہو میرے کمرے میں کوئی داخل ہونا چاہے یا کوئی غیر معمولی بات ہو تو میری آنکھ کھل جائے۔ ویسے کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔ میں آرام سے سوتا رہا۔ تین بجے میری آنکھ کھلی۔ سب سے پہلے میں نے ڈاکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ واپس آ کر اپنے بیڈ روم میں سو رہا تھا۔ میں باتھ روم میں گیا۔ وہاں سے واپس آ کر ڈاکٹر شیفرڈ کے خوابیدہ دماغ سے معلوم کیا "کیا اس وقت کچھ کھانے پینے کے لیے مل سکتا ہے؟"

اس کے خوابیدہ دماغ نے جواب دیا "تھرماس میں کافی بھری ہوئی ہے۔ فریج میں کھانے کے لیے بہت کچھ ہے۔ تم کچن میں جاؤ۔ شاید تمہاری ضرورت کی ہر چیز مل جائے۔"

میں کچن میں گیا۔ وہاں فریج سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ خیال خوانی بھی جاری رہی۔ میں سنگاپور پہنچ گیا تھا۔ اس وقت وِکرم ایک ٹیکسی میں بیٹھا سمندر کی ساحلی سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی

تھی کہ اس کے باس نے سمندر کے ساحل پر ایک خاص جگہ ملاقات کے لیے اُسے بلایا ہے اور اُسے ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی گاڑی میں آنے کے بجائے ٹیکسی میں وہاں پہنچے۔

اس بلیک میلر کے دماغ پر میری ایسی دہشت طاری تھی کہ وہ اپنے خاص ماتحت سے بھی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ فون کے ذریعے بھی رابطہ قائم نہیں کرتا تھا۔ یعنی اس ڈر سے اپنی آواز نہیں سناتا تھا کہ میں اس کے ذریعے اس کے دماغ تک نہ پہنچ جاؤں۔ میں بہت اچھے موقع پر وکرم کے دماغ میں پہنچا تھا۔ وہ ٹیکسی والے سے رُکنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ قریب ہی اُسے باس کی کار دکھائی دی۔ اس نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا۔ اسے دیکھ کر وہ بلیک میلر بھی کار سے باہر آگیا تھا۔ میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وکرم کے ذریعے اس کے باس کی کار کا رنگ، ماڈل اور نمبر وغیرہ معلوم کرنے لگا۔

باس نے ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کے لیے کہا اور پھر سڑک کو چھوڑ کر ریلنگ کو پار کرتا ہوا ساحلی ریت پر چلنے لگا۔ وکرم خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ باس اسے اپنی آواز نہیں سنائے گا۔ بلیک میلر نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا آنکھوں پر بھی سیاہ چشمہ تھا۔ سر پر بھی فیلٹ ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا۔ پھر اُسے وکرم کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ بلیک میلر نے لکھا تھا۔

”وکرم! ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہو جائے گا کہ فرہاد تمہارے دماغ تک پہنچنے میں ناکام رہا ہے، تب تک میں تمہیں اپنی آواز نہیں سناؤں گا۔

ہمیں اسی طرح خاموشی سے چلتے ہوئے دُور اُن چٹانوں کے پیچھے جانا ہے۔ وہاں وہ جادوگر فرہاد پر کالا علم کرنے میں مصروف ہے۔ تم جانتے ہو، میرا کوئی ماتحت اپنی کوشش میں ناکام ہوتا ہے تو میں اسے تمہارے ہاتھوں قتل کرا دیتا ہوں۔ ہمیں یہی دیکھنا ہے کہ وہ جادوگر بھیرو چنڈال، فرہاد کی شہ رگ تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو ابھی تم اس چنڈال کی شہ رگ تک پہنچو گے۔ اب اس خط کو جلا ڈالو۔“

وکرم نے جیب سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا۔ پھر لائٹر سے سگریٹ کو سلگایا۔ اس کے بعد اسی لائٹر سے اس خط کو جلانے لگا۔ بہت دُور سمندر کے ساحل پر کچھ چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ بلیک میلر کی تحریر کے مطابق وہ جادوگر وہاں بیٹھا مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔

میں نے سُنا تھا کہ کالے عمل کا اثر ہر شخص پر نہیں ہوتا خاص طور پر جو لوگ پاک صاف رہتے ہیں، عبادت گزار ہوتے ہیں، ان پر کالا عمل اثر نہیں کرتا ہے یا پھر طلسمات کے ماہر جیسے شکار کرتے ہیں، اس شکار سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز طلب کرتے ہیں۔ مثلاً مجھے شکار کرنے کے لیے جادوگر کو میرے سر کے کچھ بالوں کی ضرورت پڑتی یا میرے لباس کی دھجی اس کے پاس پہنچائی جاتی، یا میرے خون کے چند قطرے اُسے مل جاتے یا ایسی ہی کوئی چیز جو میری ذات سے تعلق رکھتی ہو اسے مل جاتی تو وہ مجھ پر کالا عمل کر سکتا تھا۔ وہ جادوگر بھیرو چنڈال کس طرح مجھ پر عمل کر رہا تھا، کس طرح مجھے ٹریپ کرنا چاہتا تھا یہ تو میں اسی وقت معلوم کر سکتا تھا جب وہ میری مٹھی میں آتا۔

ایک طویل عرصے کے انتظار کے بعد اس بلیک میلر سے بڑی حد تک سامنا ہوا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وکرم سے باس سے اس وقت تک نہیں جانے گا جب تک اپنی آواز مجھے نہیں سنائے گا۔ وہ دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ فاصلہ بہت طویل تھا۔ آخر وہ اِن چٹانوں کے پیچھے پہنچ گئے۔

وکرم نے دور دور تک دیکھتے ہوئے پوچھا ”وہ جادوگر کہاں ہے؟“

بلیک میلر نے ایک بڑی سی چٹان کی طرف اشارہ کیا شاید وہ کہنا چاہتا تھا کہ جادوگر اُس چٹان کے پیچھے ہے۔ وکرم نے پوچھا ”کیا ہمیں اس کے عمل میں مداخلت کرنا چاہیے؟“

بلیک میلر نے اس کے جواب میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ [illegible] بڑھا دیا [illegible] لکھا تھا

”وکرم! یہاں صرف ہم ہیں، کوئی تیسرا نہیں ہے۔ وہ جادوگر میری کوٹھی کی چھت پر بیٹھا اپنے عمل میں مصروف ہے۔ اگر وہ ناکام ہوگا تو میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔ یہاں میرے دو ساتھی ایسے ہیں جو میرا چہرہ دیکھ کر مجھے پہچان سکتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ وہ زندہ رہیں اور کسی موقع پر فرہاد کے لیے میری شناخت کا باعث بنیں۔ ایک تو وہ جادوگر ہے جو کامیاب ہونے کے بعد میرا سب سے بڑا محسن ہوگا جس کے ذریعے میں ٹیلی پیتھی کے اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا۔ ناکامی کی صورت میں وہ بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ دوسرے تم ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ آج یا کل کسی وقت بھی فرہاد تمہارے دماغ تک پہنچے اور تمہیں میری شناخت [illegible] کرے۔

اپنی یہ تحریر تم سے پڑھانے کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ جب تک تم پڑھتے رہو، میں اتنی دیر میں اپنے ریوالور میں سائلنسر لگا سکوں۔ اب تم سر اٹھا کر دیکھ سکتے ہو۔“

میں نے فوراً ہی سر اٹھا کر دیکھا۔ بلیک میلر کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ہوا ریوالور نظر آ رہا تھا۔ ریوالور کا رُخ اس کی طرف تھا۔ اس کے ہاتھ سے وہ خط چھوٹ کر سمندری ہواؤں کی زد میں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اِدھر سے اُدھر ڈولنے لگا۔ وہ موت کے خوف سے کانپتے ہوئے بولا ”ب۔۔ باس: یہ کیا! میں تو آپ کا وفادار اور نمک حلال ملازم ہوں۔ میں نے آپ سے کبھی دغا نہیں کی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فرہاد میرے دماغ میں نہیں ہے اگر ہوتا تو وہ آپ تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کر چکا ہوتا۔ اگر آپ کو یقین نہیں ہے تو میں یہ ملک چھوڑ دوں گا۔ آپ سے بہت دُور چلا جاؤں گا۔ فرہاد مجھے کبھی ٹریپ کر کے یہاں نہیں لا سکے گا۔“

وہ خوف سے لرز رہا تھا۔ حالاں کہ اس نے اپنے اسی باس کے لیے کتنے ہی قتل کیے تھے لیکن اپنے قتل کی باری آتی ہے تو شکاری شکار بن کر لرزنے لگتا ہے۔ موت سے نہ کوئی بچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بچا سکتا ہے۔ لیکن قتل ہونے سے کسی کو بچایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا میں وکرم کے دماغ پر پوری طرح قابض ہو گیا۔ اب وہ، وہ نہیں رہا تھا، میں بن گیا تھا اور میں ٹرائیگر پر رکھی ہوئی انگلی کو بہت ہی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اس انگلی کا دباؤ بڑھا اس سے پہلے ہی میں وِکرم کے جسم کو لے کر زمین پر گر پڑا۔ اتنی ہی پھُرتی سے لڑھکتا ہوا اس کے قریب آیا۔ پھر ٹانگ پر ٹانگ ماری۔ اس وقت تک دو فائر ہو چکے تھے۔ دو گولیاں ضائع ہو چکی تھیں

ریوالور میں سائلنسر لگا ہوا تھا۔ اس لیے فائرنگ کی آواز دور تک نہ جا سکی۔ ہمیں لڑنے کی آزادی تھی۔ کوئی مداخلت کرنے کے لیے نہیں آ سکتا تھا۔ بلیک میلر نے گرتے ہی اپنے لڑنے کے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اُچھل کر کھڑا ہونا چاہتا تھا میں نے پھر اس کے گھٹنے کے پیچھے ایک لات ماری۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کے ساتھ ہی پھر دو فائر ہوئے اور وہ بے اختیار ہوئے کیوں کہ اس کی انگلی ٹرائیگر پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ گرتے وقت توازن قائم نہ رکھ سکا۔ لہٰذا گرتے وقت انگلیاں دَب گئیں۔ اب ریوالور کی چار گولیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ میں ان گولیوں کا حساب کرتا جا رہا تھا جیسے ہی وہ دوبارہ زمین پر گرا، میں نے اس کے ریوالور والے ہاتھ کی کلائی پکڑ لی۔ پھر ہم دونوں میں قوت آزمائی ہونے لگی۔ وہ بلا کا پھرتیلا اور طاقت ور تھا۔ میں پہلے ہی وکرم کی سوچ کے ذریعے معلوم کر چکا تھا کہ وہ زبردست فائٹر ہے اور اکیلا ہی پانچ دس پر بھاری پڑتا ہے۔ اس وقت مجھے اس کا اندازہ ہو رہا تھا۔

میرے لیے وِکرم کی زندگی سب سے قیمتی تھی۔ میں اس کے دماغ پر پوری طرح حاوی تھا۔ اس کا جسم بھی میرے کنٹرول میں تھا اور میری پوری کوشش یہی تھی کہ اس کا جسم ضائع نہ ہو۔ اس وقت تک ریوالور سے محفوظ رہے جب تک میں اپنے دشمن کی آواز نہ سُن لوں۔ میں اس سے ریوالور چھین لینا چاہتا تھا۔ اس جدوجہد میں ریوالور کی نال کبھی بلیک میلر کی طرف جاتی تھی کبھی میری طرف آتی تھی۔ میری طرف آنے کا مطلب یہ ہوا کہ موت وِکرم کی طرف جاتی تھی اور میں وِکرم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ٹرائیگر پر انگلی دَب گئی۔ میں نے اُسی لمحے اس کی کلائی کو جھٹکا دیا تھا۔ گولی دوسری طرف چلی گئی تھی۔ چوں کہ ہم دونوں کے بہت ہی قریب فائر ہوا تھا، اس لیے وہ بوکھلا گیا تھا۔ لیے وقت یوں لگتا ہے جیسے موت اپنی ہی طرف آئی ہو۔ اسی بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ جتنی دیر میں وہ اپنی بدحواسی پر قابو پاتا، میں اس ریوالور پر قبضہ جما چکا تھا۔ پھر میں وہاں سے لڑھکتا ہوا ذرا دور گیا۔ اس کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اب وہ سہما ہوا شکار میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس بھی یہ حساب موجود تھا کہ پانچ گولیاں ضائع ہو چکی ہیں اور اب اس میں ایک گولی باقی ہے۔ ہاں۔ ایک گولی رہ گئی تھی اور موت بھی تو ایک بار آتی ہے اور ہمیشہ اپنے وقت پر آتی ہے۔

میں نے منجالی کی لاش کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر قسم کھائی تھی کہ اس کے قاتلوں کو ایسی سزائیں دوں گا کہ دوسرے دشمن ان سے عبرت حاصل کریں گے۔ میں نے وکرم کی زبان سے کہا ”باس! تم اچھی طرح جانتے ہو، ابھی اس میں ایک گولی باقی ہے جو تمہارے سینے میں اتر سکتی ہے۔“

باس اب موت کے خوف سے لرز رہا تھا۔ زمین پر بیٹھے ہی بیٹھے پیچھے کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں نے کہا ”اب بھی میری وفاداری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر میرے دماغ میں فرہاد ہوتا تو وہ اتنا وقت ضائع نہ کرتا، تم اسے اپنی آواز سناتے یا نہ سناتے اپنے دماغ میں آنے دیتے یا نہ آنے دیتے، وہ تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر چکا ہوتا۔“

وہ ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ کھڑا ہو گیا لیکن ابھی تک کچھ نہیں بول رہا تھا۔ میں نے وِکرم کی زبان سے کہا ”نہیں باس! میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، تم مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہے ہو۔ یہی سمجھتے ہو کہ فرہاد میرے دماغ میں موجود ہے یہ ریوالور پھر تمہیں مل جائے تو تم مجھے ہلاک کر دینے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں لگاؤ گے۔“

وہ بے بسی سے وکرم کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے وکرم کی زبان سے کہا ”چوں کہ تم مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہے ہو لہٰذا مجھے بھی تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیا خیال ہے، گولی چلاؤں؟“

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو نہیں نہیں کے انداز میں ہلانے لگا۔ پھر اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن دوسرے ہی لمحے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بند کر لیا۔ وِکرم نے کہا ”میں سمجھ گیا۔ ہم میں سے کسی ایک کو یہاں سے زندہ جانا ہے مجھے اپنی جان عزیز ہے، تو تم اپنے حصے کی گولی کھاؤ۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے وِکرم کے ریوالور والے ہاتھ کو اس کی طرف یوں بڑھایا جیسے صحیح نشانہ لے رہا ہوں۔ وہ یکبارگی چیخ پڑا۔ "نہیں نہیں وِکرم! مجھے گولی نہ مارو۔ میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تم میرے نمک حلال، وفادار ملازم ہو۔"

وہ گڑگڑا رہا تھا۔ اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ میں بڑے اطمینان سے اپنے بیڈ روم کی کرسی پر سے اٹھ گیا۔ اپنے بستر پر آیا اور نیم دراز ہو گیا۔ اس دوران ٹیلی پیتھی کی لہریں وِکرم کے دماغ میں تھیں۔ وِکرم نے اپنی ہتھیلی پر ریوالور کو رکھ کر تولنے کے انداز میں اسے اُوپر سے نیچے کیا۔ پھر کہنے لگا۔ "تم نے مجھے اپنی آواز سنا دی۔ میں تمھیں بتا دوں کہ موت کی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اس کی ہلکی سی چاپ بھی سنائی نہیں دیتی۔ یہ لو، میں تمھارا ریوالور تمھیں واپس کر رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کو بلیک میلر کی طرف اُچھال دیا اس نے فوراً ہی اسے کیچ کر لیا۔ جب یقین ہو گیا کہ ریوالور اس کے ہاتھوں میں آ گیا ہے تو وہ خوش ہو کر بولا۔ "واقعی تم نے اپنی وفاداری ثابت کر دی ہے۔ میں آئندہ تم پر کبھی شک نہ کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ سائلنسر کو ریوالور سے نکالنے لگا۔ وِکرم نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "ٹھہرو، اسے الگ نہ کرو۔ ابھی ایک گولی کا حساب باقی ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں اس آخری گولی سے مرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تمھارا دماغ چل گیا ہے؟"

"دماغ چلنے کی بات نہ کرو۔ گولی چلاؤ۔ اگر نہیں چلاؤ گے تو ریوالور مجھے دو۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ رہنا چاہیے۔"

"آخر کیوں؟"

"میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ جان جائے یا رہے میں تمھارا وفادار بن کے رہوں گا۔ اس لیے تمھارے ہاتھوں سے ہی مرنا چاہتا ہوں۔ دوسری صورت میں تم وفاداری کی قدر نہیں کرتے ہو۔ مجھ جیسے نمک حلال ملازم کو اور اس جادوگر بھیرو چنڈال کو بھی مارنا چاہتے ہو جس نے تمھارے لیے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ لہٰذا یا تو وفادار کو مرنا چاہیے یا وفاداری کی قدر نہ کرنے والے کو، بولو کیا فیصلہ ہے؟"

میں اُس بلیک میلر کا نام معلوم کر چکا تھا۔ اس کا نام رنجیت کمار تھا۔ رنجیت کمار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "دانش مند کہتے ہیں، کتّا وفادار ہو تو اسے اپنے دروازے سے بھگانا نہیں چاہیے لیکن وہ پاگل ہو جائے تو گولی مار دینا چاہیے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور والے ہاتھ کو آگے بڑھایا جیسے وِکرم کے دل کا نشانہ لے رہا ہو۔ پھر اس نے ٹریگر پر انگلی دبائی، لیکن گولی نہیں چلی کیوں کہ انگلی ٹریگر پر نہیں دب رہی تھی۔ اُس نے ذرا پریشان ہو کر ریوالور کو اور اپنی انگلی کو دیکھا۔ پھر اُس نے دوسری بار انگلی ٹریگر پر دبائی پھر ناکام رہا۔ میں اس کے دماغ پر اس حد تک قابض تھا کہ وہ اپنی انگلی کو اپنے طور پر استعمال نہ کر سکے لیکن اس کا دماغ کام کرتا رہے۔ تیسری بار اس نے ٹریگر دبانا چاہا تو میں نے اس کے ہاتھ کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ریوالور چھوٹ کر زمین پر پہنچ گیا۔ اتنی فرصت مل گئی کہ میں وِکرم کے دماغ میں پہنچ سکوں۔ میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "ہاتھ میں ہتھیار ہو اور وہ کام نہ آئے۔ جسم میں طاقت ہو اور انگلی ساکت رہے۔ کھوپڑی میں دماغ ہو لیکن ذہن کام نہ کرے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے رنجیت کمار؟"

"کک۔ کیا مطلب ہوتا ہے؟" وہ اب تھر تھر کانپ رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "اب بھی نہیں سمجھے تو ذرا ایک قدم آگے بڑھاؤ سامنے ہی ریوالور پڑا ہوا ہے۔ اسے اٹھا لو۔"

میرے کہتے ہی وہ ایک قدم آگے بڑھا لیکن میں نے اسے دو قدم آگے بڑھا دیا۔ وہ ریوالور سے آگے نکل گیا۔ بوکھلا کر فوراً ہی پلٹ کر پھر اُس کی طرف بڑھا۔ میں نے پھر اسے ریوالور سے آگے بڑھا دیا۔ وہ پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ اس کا دماغ اس کے قابو سے باہر ہے لیکن یقین نہیں آ رہا تھا کہ فرہاد دماغ میں پہنچ چکا ہے۔ اس لیے اپنے طور پر بھرپور کوششیں کر رہا تھا۔ اس بار وہ اچانک ہی اچھل کر ریوالور کے قریب گر پڑا، تاکہ گرتے ہی ریوالور [illegible] جب ہاتھ بڑھایا تو پتا چلا کہ وہ اپنے اندازے کے مطابق ریوالور کے پاس پہنچنے میں ناکام رہا ہے۔ اس ریوالور سے دور گر پڑا ہے۔

میں نے وِکرم کی زبان سے کہا۔ "جو لوگ پُراسرار بن کر رہتے ہیں، میں اُنہیں بے نقاب کرتے ہی ایک بات ضرور کہتا ہوں اور وہ یہ کہ پُراسرار ذات صرف ایک ہے۔ بندہ پُراسرار نہیں بن سکتا۔"

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے بڑی پھرتی دکھائی یکبارگی زمین پر لڑھکتا ہوا ریوالور کے پاس پہنچا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں آیا۔ اُس نے فوراً ہی ہاتھ گھما کر وِکرم پر فائر کیا۔ وِکرم پلک جھپکتے ہی بیٹھ گیا۔ گولی اس کے اُوپر سے گزر گئی۔ پھر میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "افسوس وہ آخری گولی بھی ضائع ہو گئی۔ کیا [illegible] سے کہ گولی کے بغیر ریوالور اور روح کے بغیر جسم کسی کام کا نہیں رہتا۔ اب تھوڑی دیر میں تمھارا [illegible] بھی کسی کام کا نہیں رہے گا۔"

وہ زمین پر پڑا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے وِکرم کو یوں دیکھ رہا تھا، جیسے موت کو دیکھ رہا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف کھسکنے لگا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ابھی تک اس کا دماغ اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ فرہاد کو دھوکا دیا جا سکتا ہے یا اس سے دور بھاگا جا سکتا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی وہ بھاگنے لگا۔ وِکرم اس کا پیچھا کرنا چاہتا تھا۔ میں نے وِکرم کے قدموں کو لڑکھڑا دیا۔ وہ اوندھے منہ پتھریلی زمین پر گر پڑا۔ پھر میں نے سوچ کے ذریعے اس سے کہا۔ "تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو کہ میں تمھارے پاس موجود ہوں۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

اسے سمجھانے کے بعد میں بلیک میلر رنجیت کمار کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ریت پر بھاگ رہا تھا۔ اس کے پاؤں دھنستے جا رہے تھے۔ کبھی وہ ڈگمگا رہا تھا، ہانپ رہا تھا اور کبھی کبھی پلٹ کر یوں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی موت کو تعاقب کرتے دیکھ رہا ہو۔ وہ چٹانوں کی طرف واپس دوڑنے لگا۔ سمجھ رہا تھا کہ اپنی مرضی کے خلاف واپس اسی جگہ جا رہا ہے لیکن اپنے آپ کو روک نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسی جگہ اسے پہنچا دیا۔ پھر اس کی سوچ میں کہا۔ "تم یہ ریوالور چھوڑ کر جا رہے تھے۔ اس لیے واپس لایا گیا ہے۔ اسے اٹھا کر رکھ لو شاید تمھارے جادوگر بھیرو چنڈال کو یہ پسند آ جائے۔"

وہ ریوالور کو اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس خیال سے ڈر رہا تھا کہ میں اس ریوالور میں گولی بھر کر اسے خودکشی کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں لیکن میں نے اسے ریوالور اٹھا کر جیب میں رکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ پھر واپس دوڑنے لگا۔ وہ اپنی کار کی طرف دوڑ رہا تھا اور گڑگڑاتا جا رہا تھا۔ "مجھے معاف کر دیجیے۔ میں بڑی سے بڑی قسم کھا کر کہتا ہوں، آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ آپ کے اتنے کام آؤں گا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکیں گے۔ میں آپ کو آپ کے خدا اور رسُول کا واسطہ دیتا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچّے ہیں۔ بہت پیارے بچّے ہیں۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے اور میں انہیں چھوڑ کر اس دنیا سے جانا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنے محبت کرنے والوں کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تم نے مجھ سے محبت کرنے والوں کو دنیا چھوڑ کر جانے پر مجبور کر دیا۔"

وہ کار کی طرف دوڑتا جا رہا تھا۔ ہانپتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھ سے اتنی بڑی بھول کبھی نہیں ہوئی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر آپ نے اس بار معاف کر دیا تو میں اپنی ساری زندگی آپ کے لیے وقف کر دوں گا۔ ہمیشہ ایک کتے کی طرح آپ کے قدموں میں لوٹتا رہوں گا۔ اور آپ کے ان دُشمنوں کی نشاندہی کروں گا جنہوں نے مجھے آپ کے خلاف بھڑکایا تھا۔"

"میں تم سے زیادہ اپنے دُشمنوں کو سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں، انہوں نے پہلے رسونتی کو بے وقوف بنا کر مجھے پھانسنا چاہا۔ اس کے بعد تمھارے جیسے احمق کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ میں نے رسونتی کی دو چار بڑی بڑی غلطیاں محض اس لیے معاف کیں کہ اس نے میرے لیے ایک پیارے سے بیٹے کو جنم دیا تھا لیکن اس آخری غلطی پر میں نے اسے طلاق دے دی۔ تم بھی اپنی غلطی کے نتیجے میں اپنی زندگی سے طلاق حاصل کرو گے۔"

"نن نہیں، میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تم مرنا چاہو گے۔ اس لیے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ خود تمھیں نہیں ماروں گا۔"

وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں یوں تکنے لگا جیسے مجھے تعجب سے دیکھ رہا ہو۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے نہیں ماریں گے؟"

"میں زبان کا دھنی ہوں۔ تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمھیں قتل نہیں کروں گا ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی نہیں ماروں گا۔ تم خود مرنا چاہو گے۔"

"نن نہیں۔ میں کبھی مرنا نہیں چاہوں گا۔"

"چاہو گے، ضرور چاہو گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مجھے مجبور کریں گے۔"

"[illegible] تم نے منہ مانگی کہ قتل کرایا [illegible] کی سزا ملتی رہے گی۔ اگر سزائیں برداشت کرتے رہو گے تو اپنی طبعی عمر تک زندہ رہو گے۔ برداشت نہیں کر سکو گے تو خود ہی موت کو گلے لگاؤ گے۔ میں ہرگز تمھیں مجبور نہیں کروں گا، چلو اب گاڑی اسٹارٹ کرو۔"

وہ میرے حکم کے مطابق گاڑی اسٹارٹ کر کے اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ میں نے پوچھا: "وہ جادوگر بھیرو چنڈال مجھ پر کس طرح کا عمل کر رہا ہے۔ کیا وہ میری طرف اسی طرح کوڑی نہیں پھینک سکتا تھا؟"

"نہیں، وہ تم پر ایسا عمل کرنے سے ڈرتا ہے۔"

"کیوں ڈرتا ہے؟"

"کوڑی جس کی پیشانی سے جا کر چپکتی ہے، اس کے دماغ میں بھیرو چنڈال کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ وہ جو بھی منتر پڑھتا ہے اس کا معمول اپنے دماغ میں سنتا رہتا ہے اور اسی کے زیرِ اثر اس جادوگر کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اگر تمھاری پیشانی سے کوڑی چپکائی جائے گی اور اس کی آواز تمھارے دماغ میں گونجتی رہے گی تو تم جوابًا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے شکار کر

لو گے۔"

"پھر وہ مجھ پر کالا عمل کیسے کرے گا؟"

"وہ چاہتا ہے تمھاری ذات سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز اسے مل جائے۔ وہ اس چیز پر منتروں کا جاپ کرے گا اور سب سے پہلے تمہارے دماغ کو متاثر کرے گا تاکہ تم خیال خوانی کے قابل نہ رہو۔"

"میرا رومال یا میرا اتارا ہوا کوئی لباس تم لوگوں کو رسونتی سے مل سکتا تھا۔"

"ہم نے کوشش کی تھی لیکن مادام رسونتی نے ہمیں آپ کی کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ ہم زور زبردستی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مادام سونیا یہاں آگئی ہیں پھر میں آپ کی کوئی چیز حاصل کرنے بنکاک گیا تھا لیکن وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ ان یہودیوں نے وعدہ کیا ہے کہ آج رات تک تمھاری کوئی چیز اس جادوگر کے پاس پہنچا دیں گے۔ اسی لیے بھیرو چنڈال منتروں کا جاپ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے اردگرد حصار باندھ رہا ہے تاکہ تمھاری سوچ کی لہریں اس کے دماغ تک نہ پہنچ سکیں اور وہ کسی اندیشے کے بغیر تمھاری کسی چیز پر اپنے منتروں کے جاپ کرتا رہے۔"

میں اس جادوگر سے پہلے اتنا خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا کیونکہ تھوڑی دیر میں اس کے دماغ تک پہنچنے ہی والا تھا۔ میرا دھیان سونیا کی طرف چلا گیا۔ اگر وہ دشمنوں کی طرف سے بھیجی ہوئی سونیا کی ڈمی تھی تو یقیناً رسونتی کے پاس رکھی ہوئی میری کوئی چیز چپ چاپ دشمنوں کے حوالے کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ وہ میرے خلاف اقدام کرنے والوں کے سامنے دیوار بن گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہی دوست سونیا ہے۔

دوسرے پہلو سے سوچنے پر یہ سمجھ میں آتا تھا کہ دشمنوں نے میری سونیا کے دماغ کو بالکل ہی صاف کر دیا ہے اور اس کی جگہ ایک نئی سونیا تیار کی ہے۔ اس ڈمی کو سونیا کی عادات و اطوار سکھائے گئے ہیں۔ جو کچھ بھی سونیا کے ریکارڈ میں موجود ہے اس کے مطابق اسے ڈھالا گیا ہے۔ اس ڈمی کو میرے پاس بھیجنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی موقع پر اس کے ذریعے مجھے ٹریپ کیا جائے بلکہ میں ڈمی سونیا کو دیکھ کر ان یہودیوں کا احسان مند رہوں کہ انھوں نے سونیا کو باعزت طور پر رہا کر کے دوستانہ جذبے کا ثبوت دیتے ہوئے اسے میرے حوالے کر دیا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ڈاکٹر شیفرڈ نے مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں بیڈ روم کا دروازہ کھولے آرام سے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "سوری، میں نے تمھیں ڈسٹرب کیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ڈاکٹر! تشریف لائیے۔ دراصل میں ایک دشمن کو ٹریپ کر رہا تھا۔"

"تو پھر خیال خوانی میں مصروف رہو۔ میں پوچھنے آیا تھا، ناشتہ کرو گے یا نہیں؟"

"آپ چلیے۔ میں پندرہ بیس منٹ میں آجاؤں گا۔"

وہ چلا گیا۔ میں پھر رنجیت کمار کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ اپنی کوٹھی کے احاطے میں کار سے اتر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی بیوی اور بچے برآمدے میں چلے آئے تھے۔ اس کی ایک بیٹی نے کہا "آپ ٹھیک وقت پر آئے ہیں ڈیڈی! ایک بج چکا ہے۔ ہمیں بھی بھوک لگ رہی تھی۔"

اس نے کہا "میں ابھی نہیں کھاؤں گا۔ تم لوگ ڈائننگ روم میں چلو۔ تھوڑی دیر بعد آجاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ زینے پر چڑھتا ہوا چھت کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے ذریعے معلوم کیا کہ اس کی کافی اولاد تھی۔ ایک بیٹی جوان تھی۔ ایک جوان بیٹا انگلینڈ میں تھا۔ اس کے بعد کوئی دس برس کی بیٹی تھی، کوئی آٹھ برس کا لڑکا تھا کوئی چھ برس کی لڑکی تھی، کوئی چار برس کا لڑکا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ نے اس بھوت جیسے کالے کلوٹے جادوگر کو ہماری چھت پر لا کر بٹھا دیا ہے۔ بچے اس کے تصور سے ڈرتے ہیں"

وہ زینے پر ذرا رک کر بولا "اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے دشمنوں کو نقصان پہنچانے آیا ہے اور جو دشمنوں کو نقصان پہنچاتا ہے، وہ دوست ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میں نے کہا "بھیرو چنڈال کے سامنے ہرگز یہ ظاہر نہ کرنا کہ میں تمھارے پاس موجود ہوں۔"

اس نے ایک ہاتھ سے کان پکڑ کر کہا "میں آپ کی موجودگی ظاہر نہیں کروں گا۔"

وہ چھت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کی وسیع و عریض چھت پر صرف ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا۔ اس کمرے میں چھت پر بچھائی جانے والی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ اب وہ کمرہ خالی کر دیا گیا تھا۔ اس کے فرش پر بھیرو چنڈال پلتھی مارے دروازے کی طرف رُخ کیے کسی منتر کے جاپ میں مصروف تھا۔

بھیرو چنڈال قدآور تھا۔ جسامت میں پہلوان لگتا تھا۔ اس کا چہرہ توے کی طرح کالا تھا۔ منہ پر چیچک کے داغ تھے۔ انتہائی بدصورت تھا۔ آہٹ سن کر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی سُرخ سُرخ آنکھیں سیاہ چہرے کے پس منظر میں انگاروں کی طرح سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ رنجیت کمار کو

سوالیہ نظروں سے تک رہا تھا۔ اشاروں میں پوچھ رہا تھا "کیا سب خیریت ہے؟ کیا وکرم کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے؟"

میں نے رنجیت کمار کی زبان سے کہا "سب ٹھیک ہے۔ میں نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

اس نے اطمینان کی سانس لے کر کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں کسی سے خطرہ نہیں ہے۔ فرہاد کسی کو سہارا بنا کر ہمارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکے گا۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ یکبارگی چیخ مار کر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ پہلے وہ پلتھی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اب چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں پھاڑ کر چھت کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا "یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟ مجھے ایسا لگا جیسے دماغ کو جھٹکا پہنچا ہو۔ جیسے میری کھوپڑی کے اندر زبردست دھماکہ ہوا ہو۔"

میں نے رنجیت کمار کی زبان سے پوچھا "بھیرو چنڈال! ابھی تم کون سا منتر جاپ کر رہے تھے؟"

وہ اپنے سر کو تھام کر بیٹھ رہا تھا۔ جھنجلا کر بولا "بھاڑ میں گیا منتر۔ یہ میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"میں کیا جانوں، کیا ہوا ہے۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ منتر جاپ کرنے کے دوران شاید تم چیختے بھی ہو۔ کیا جاپ کرنے والے خود ہی الٹ جایا کرتے ہیں؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا "ہاں، کبھی منتر غلط ہو جائے تو پڑھنے والا الٹ جاتا ہے لیکن مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ شاید فرہاد نے کسی جادوگر کی خدمات حاصل کی ہیں اور اس کے ذریعے میرے دماغ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ٹھہرو، میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے دوبارہ پلتھی مار کر دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھ لیے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر زیرِ لب کچھ بڑبڑانے لگا میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ اجنبی زبان میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگڑم بگڑم نہیں چلے گی تگڑم۔۔۔"

وہ فوراً ہی آنکھیں کھول کر حیرت سے خلا میں تکنے لگا پھر اس نے آنکھیں بند کیں، پھر منتر پڑھنے لگا۔ پہلے جو پڑھ چکا تھا، اسے بھول گیا تھا۔ دوبارہ شروع کرنے لگا۔ میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا "بھیرو۔ بھیرو، چنڈال چنڈال! تو سچ مچ کا چنڈال ہے۔ دیکھ تیری کھوپڑی خالی ہو گئی تو پھر بھول رہا ہے۔"

اس نے رنجیت کمار کو دیکھتے ہوئے کہا "مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری کھوپڑی کے اندر کوئی بول رہا ہے۔ میں دو۔۔۔

بھول چکا ہوں لیکن نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں بھارت کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ منتر یاد ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں، اب کی بار ایک ذرا نہیں بھولوں گا۔"

وہ آنکھیں بند کر کے پڑھنے لگا۔ میں نے پھر اسے گڑبڑا دیا۔ جب وہ بھولنے لگا تو میں نے اپنے سب و لہجہ میں کہا "بھیرو چنڈال! اب تم پڑھتے رہو گے اور بھولتے رہو گے۔ زندگی میں کبھی صحیح منتر یاد نہیں کر سکو گے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی رہی سہی سانسوں کا حساب کرو۔"

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ رنجیت کمار نے دروازے سے ٹیک لگا کر شکست خوردہ انداز میں کہا "آہ۔ فرہاد صاحب نے ہم دونوں کے دماغوں میں جگہ بنا لی ہے۔"

بھیرو چنڈال شکست تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ غصّے سے چیخ کر بولا "نہیں، ہرگز نہیں۔ میرے دماغ میں کوئی جگہ نہیں ... نے بڑے بڑے گھمنڈیوں کا ... کیا ہے۔ یہ ٹیلی پیتھی کیا چیز ہے۔ میں زور زور سے منتر پڑھتا رہوں گا تو ٹیلی پیتھی میرے دماغ سے اُڑ جائے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے۔ سینہ تان لیا، گردن اکڑا لی۔ پھر سر کو چھت کی طرف اٹھا کر منہ کھول کر زور زور سے منتر پڑھنے لگا۔ میں نے تھوڑی دیر اسے پڑھنے دیا۔ پھر اس کے دماغ کو ایک شدید جھٹکا پہنچا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا، لڑکھڑاتا ہوا پچھلی دیوار سے جا کر ٹکرا گیا۔ دماغی اذیت ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کراہ رہا تھا۔ میں نے پھر اسے ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سامنے والی دیوار سے ٹکرا گیا۔

میں نے کہا "بھیرو چنڈال! اب سے دو گھنٹے بعد منجالی کو قبر میں اتارا جائے گا۔ میں چاہوں تو اس سے پہلے تم یہاں سے دوڑتے ہوئے کوٹھی کے لان میں جاؤ گے۔ کدال اٹھا کر اپنے لیے گڑھا کھودو گے۔ پھر میں تمھیں اس گڑھے میں دفن کر دوں گا لیکن منجالی کے قاتلوں کو میں آسانی سے ایک ہی بار نہیں مرنے دوں گا۔ تم دونوں بار بار مرو گے۔ اذیتناک سزائیں پاتے رہو گے اور میرے دوسرے دشمنوں کو عبرتناک سبق کی طرح یاد رہو گے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ میں نے کہا "میں اب جا رہا ہوں۔ پھر آؤں گا اور پھر سزا دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے دماغ میں موجود رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خالی کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر ... بیت کمار سے پوچھا "یہ ہمارے دماغ

تک کیسے پہنچ گیا؟"

"میں کیا بتاؤں۔ وہ وکرم کے دماغ میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے مجھے بے دست و پا بنا کر میری زبان کھلوائی۔"

اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر غصے سے تن کر کہا۔ "وہ نہیں ہے۔ ہاں، میرے دماغ میں نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو پُرسکون محسوس کر رہا ہوں۔ جب تک وہ آئے، اس وقت تک میں ایک ایسا منتر پڑھوں گا جس کے اثر سے آنے والی بلائیں دور رہتی ہیں۔ ٹیلی پیتھی بھی ایک بلا ہے۔ اس منتر کو پڑھنے سے سوچ کی لہریں میرے دماغ تک نہیں پہنچیں گی۔"

وہ پھر پڑھنے لگا۔ میں رنجیت کمار کے دماغ پر قابض ہو کر بھیرو چنڈال کے سامان کی طرف گیا۔ وہاں ایک چاقو بھی رکھا ہوا تھا۔ رنجیت کمار نے اس چاقو کو کھول کر اپنی ہتھیلی پر رکھا پھر اس کے سامنے لا کر کہا۔ "بھیرو! اس وقت میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

وہ منتر پڑھتے پڑھتے ٹھہر رک گیا۔ چونک گیا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو سامنے رنجیت چاقو لیے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ چاقو لو اور اپنی ذرا سی زبان کاٹ لو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہیں بار بار منتر پڑھنے سے روکتا رہوں۔"

بھیرو چنڈال سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر نہیں نہیں کہتا ہوا دیوار سے لگ گیا۔ "میں اتنا مورکھ نہیں ہوں کہ اپنے ہاتھ سے اپنی زبان کاٹ لوں اور اتنا بزدل نہیں ہوں کہ تم کاٹنے آؤ تو خاموش کھڑا رہوں۔ میں آخر وقت تک تمہارا مقابلہ کرتا رہوں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے رنجیت کمار پر چھلانگ لگائی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنے ہی زور پر فضا میں اچھلتا ہوا آیا اور فرش پر دھڑام سے چاروں شانے چت ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بڑی آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔ رنجیت کمار کی طرف رُخ کر کے بولا۔ "فرہاد ٹھیک کہتا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ مجھے منتر پڑھنے سے روکتا رہے۔ لاؤ چاقو، میں تھوڑی سی زبان کاٹ کر فرہاد کی فرمائش پوری کر دوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر رنجیت کمار کے ہاتھ سے چاقو لے لیا۔ پھر اس نے اپنی زبان باہر نکالی۔ ایک چٹکی سے زبان کے سرے کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد رنجیت کمار دیکھ نہ سکا۔ اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ جب میں نے بھیرو چنڈال کے دماغ کو آزاد چھوڑا اور اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں تو رنجیت کمار نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کا منہ لہو سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ کٹی ہوئی زبان سے کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"شاید تم منتر پڑھ رہے ہو۔ پڑھو اور زندگی بھر پڑھتے رہو۔"

میں دماغی طور پر بیڈ روم میں واپس آ گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ ڈاکٹر شیفرڈ میرے انتظار سے تنگ آ کر ناشتہ شروع کر چکا تھا۔ میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ خیال خوانی شروع ہوتی ہے تو بڑی مشکل سے کھانے پینے کا وقفہ ملتا ہے۔"

"میں بحیثیت ڈاکٹر تمہیں نیک مشورہ دیتا ہوں۔ تمہاری مصروفیات خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں، اپنے کھانے پینے اور سونے کا وقت مقرر کر لو ورنہ وقت سے پہلے بوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"میں کیا کروں، میرے دوست، دشمن سینکڑوں [illegible] میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ مجھے کسی نہ کسی کے پاس پہنچ کر ان کی خیریت معلوم کرنی پڑتی ہے اور جب میں ان کے پاس پہنچتا ہوں تو ان کے کسی نہ کسی مسئلے میں الجھ کر رہ جاتا ہوں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کسی ایک ملک میں رہو؟"

"یہ دشمنوں کی بڑی خواہش ہے کہ میں کبھی اپنے تمام عزیز ترین ساتھیوں کے ساتھ کسی ایک ملک کے شہر میں یا کسی ایک علاقے میں پایا جاؤں۔ تاکہ انہیں آسانی ہو جائے اور وہ بڑی آسانی سے گھیراؤ کر کے ایک ہی وقت میں ایک ہی ساتھ تمام لوگوں کو خدانخواستہ نیست و نابود کر دیں۔"

اس نے قائل ہو کر کہا۔ "بیشک اس طرح تمہارے دشمنوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"ڈاکٹر! کیا آپ یہاں مجھے کسی ایسے ایجنٹ سے ملا سکتے ہیں، جو جلد سے جلد میرے لیے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ فراہم کر سکے؟"

"جب میں تمہارا یہ چہرہ بنا رہا تھا، اس وقت تم نے نہیں سوچا تھا کہ تمہارا نام کیا ہونا چاہیے اور تمہارے ضروری کاغذات کس طرح تیار ہوں گے؟"

"میں نے سوچا تھا لیکن میری مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک بات سوچنے کے بعد بھول جاتا ہوں۔ پھر دوسرے معاملات میں الجھ جاتا ہوں۔"

وہ ناشتہ کر چکا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ جانے لگا۔ میں نے چپ چاپ اس کی سوچ پڑھی۔ وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ اس نے میرے موجودہ میک اپ میں آنے سے پہلے ہی میرے ضروری کاغذات سنبھال کر رکھے تھے۔ یعنی وہ پہلے ہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے ایک

ایسے نوجوان کے روپ میں لا چکا تھا، جو اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔

اکثر لوگ سرپرائز دے کر یعنی اچانک کوئی خوشخبری سنا کر حیرت میں ڈالتے ہیں اور بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے میں انجان بنا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گیا۔ میں بظاہر ناشتا کرنے میں مصروف رہا۔ اس نے وہ تمام ضروری چیزیں میرے سامنے کھانے کی میز پر رکھ دیں۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، تو وہ فخر سے مسکرانے لگا۔ میں نے شناختی کارڈ میں اپنے موجودہ چہرے کی تصویر دیکھی۔ پاسپورٹ میں بھی ویسی ہی تصویر نظر آئی تو میں نے مزید حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دم سے کھڑے ہو کر پوچھا۔ "یہ یہ تو میرے سلسلے کے تمام اہم کاغذات ہیں۔"

ڈاکٹر عالمی شہرت کا حامل تھا۔ وہ کسی کی زبان سے اپنی تعریف سننے کا محتاج نہیں تھا۔ اس کے باوجود انسان جب ایک پہلو سے خود کو نمایاں کر لیتا ہے تو کسی دوسرے پہلو سے بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے اور اس پہلو سے اپنی تعریف سننے کا متمنی ہوتا ہے۔ میں نے اس انسانی کمزوری کا خیال کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر! آپ نے تو کمال کر دیا۔ مجھ جیسا ٹیلی پیتھی جاننے والا سوچتا ہی رہ گیا اور آپ نے میرا اتنا بڑا کام کر دیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

وہ آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر کہنے لگا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا۔ تقدیر تم پر مہربان ہے۔ تمہارا یہ چہرہ بنانے سے پہلے ہی یہ تمام چیزیں میرے پاس پہنچ گئی تھیں۔"

"مگر کیسے؟"

"آرام سے بیٹھو اور سنو! یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میں سجاد علی تیمور کو فرہاد بنا رہا تھا۔ ایک رات ایک اجنبی شخص میری کوٹھی میں گھس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک اٹیچی تھی۔ اس نے اٹیچی کو میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہاری صلاحیتوں کو مانتا ہوں۔ اس اٹیچی کو کھول کر دیکھو، اس میں ایک نوجوان کی مختلف زاویوں سے کھینچی ہوئی تصویریں ہیں اور اس سلسلے میں تمام اہم کاغذات موجود ہیں۔ پہلے انہیں ایک سرسری نظر سے دیکھ لو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اس نے اٹیچی کھول دی۔ اس میں یہی تصویریں تھیں، جو اس وقت تمہارے سامنے ہیں اور تم اس کے روپ میں ہو۔"

میں نے ڈاکٹر کی بات سننے کے دوران پھر اس تصویر کو دیکھا۔ شناختی کارڈ میں اس کا نام ایزل ہارڈی لکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نے کہا۔ "اس اجنبی شخص نے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ تصویریں، اہم کاغذات اور اس کی آواز کا کیسٹ میری امانت ہیں۔ آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ اس جوان کا نام ایزل ہارڈی تھا۔ میں اسے تھا کہہ رہا ہوں کیونکہ یہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں، یہ دنیا میں واپس آ جائے اور آپ جیسا پلاسٹک سرجری کا ماہر ہی اسے واپس لا سکتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "قصہ کیا ہے۔ مجھے اس تصویر والے کے متعلق بتاؤ۔"

"سب کچھ بتا دوں گا۔ میرا ایک نوجوان ساتھی ایزل ہارڈی [illegible] مطابقت کرتا ہے۔ وہ [illegible] تمہارے پاس پہنچ جائے گا اور تم اسے ایزل ہارڈی بنا دو گے۔"

میں نے اس ریوالور والے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں ایک قانون پسند شہری ہوں کبھی غیر قانونی کام نہیں کرتا۔ کسی کو ایزل ہارڈی بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ اصل ایزل ہارڈی مر چکا ہے یا مار ڈالا گیا ہے۔ جب تک اس کی موت کے سلسلے میں مجھے تفصیلات معلوم نہیں ہوں گی، میں اس کام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"ڈاکٹر! میں جو کہوں گا تم وہی کرو گے۔ میرا نام جان گریگر ہے۔ میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں اور اگر سن لیتا ہوں تو انکار کرنے والے کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ تم دیکھ رہے ہو، میں تمہاری کوٹھی میں کتنی آسانی سے داخل ہو گیا ہوں۔ باہر کے دروازے بند تھے۔ تمہارے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ میں نے تمام لاک کھول لیے۔ میرے سامنے کوئی دیوار، کوئی دروازہ نہیں رہتا۔ میں دیواروں میں شگاف ڈالنا اور دروازے کے مشکل سے مشکل قفل کو آسانی سے کھولنا جانتا ہوں۔"

اس نے میری آنکھوں کے سامنے ریوالور کو نچاتے ہوئے کہا۔ "آج سے تم اس یقین کے ساتھ سویا کرو کہ تمہارا لاک کیا ہوا دروازہ میری مرضی سے ان لاک ہو جایا کرے گا۔ ہر صبح اس کوٹھی سے نکلنے کے بعد کسی بھی راستے میں، کسی بھی اسپتال میں، کسی بھی کلب یا ہوٹل میں کوئی سنسناتی ہوئی گولی آئے گی اور تمہاری زندگی کو چاٹ لے گی۔ ہاں، اگر تم نے میری بات مان لی اور میرے اس نوجوان ساتھی کو ایزل ہارڈی بنا دیا، تو پھر تمہارے دروازے تمہاری مرضی کے مطابق مقفل رہیں گے اور تم اپنی طبعی عمر تک نہایت اطمینان سے زندگی گزار سکو گے۔"

وہ دھمکیاں دے کر چلا گیا۔ اس کا انداز، اس کا سفاک لہجہ اور اس کے ظالمانہ تیور بتا رہے تھے کہ وہ جو کہتا ہے وہ پلک جھپکتے ہی کر گزرتا ہے مگر نہیں، میں نے پلک جھپکنے کی بات غلط کہہ دی۔ صرف موت ایسی ہے جو دھمکیاں نہیں دیتی بلکہ پلک جھپکتے ہی زندگی چھین کر لے جاتی ہے اور یہی ہوا۔ میں نے دوسرے

ہی دن اخبار میں اس ظرم خان 'جان گرگیہ کی موت کی خبر پڑھی کسی نے اسے قتل کر دیا تھا۔ یہ سب کیا چکر تھا، میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

میں نے کہا "ڈاکٹر! جو چکر آپ کی سمجھ میں نہیں آیا، اس میں آپ نے مجھے پھنسا دیا۔ ایک تو میری مصروفیات پہلے ہی زیادہ تھیں۔ آپ نے کچھ اور بڑھا دیں۔ یہ ایزل ہارڈی کا معاملہ بہت ہی پیچیدہ لگتا ہے۔ ایک بار میں انٹرپول کے پیپ فلانسٹ آفیسر [illegible] کے معاملات میں پھنس گیا [illegible] نکل آیا لیکن لگتا ہے یہ ایزل ہارڈی مجھے دور تک گھسیٹ کر لے جائے گا۔"

ڈاکٹر نے کہا "بھئی! تمہارے اس موجودہ روپ کے سلسلے میں کچھ میں نے اپنی سہولتیں دیکھی ہیں اور کچھ تمہاری صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھا ہے۔ مثلاً تمہارے چہرے کی ساخت ایزل ہارڈی سے مناسبت رکھتی تھی۔ میرے لیے ایک گھنٹے کے اندر تمہارے چہرے کی پلاسٹک سرجری ممکن تھی پھر یہ کہ اس سے تعلق رکھنے والے تمام اہم کاغذات دستیاب ہو گئے تھے۔ ایک کیسٹ بھی موجود ہے جس میں ایزل ہارڈی کے علاوہ کچھ اور لوگوں کی آوازیں شامل ہیں۔ وہ تو اس دنیا میں نہیں رہا لیکن تم اس کے شناساؤں کی آوازیں سن کر ان کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہو اور ان کے ذریعے ایزل ہارڈی کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر سکتے ہو۔"

"آپ مکمل معلومات کی بات نہ کریں کیونکہ انسان کی ذاتی زندگی میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جنھیں سب نہیں جانتے۔ دو چار ایسی ہستیاں ہوتی ہیں، جو ایک شخص کی زندگی میں اہمیت اختیار کرتی ہیں اور اس کی زندگی کے چور گوشوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ کیسٹ میں ان چند خاص ہستیوں کی آوازیں بھی ہوں۔"

"میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے۔ تم اس روپ میں رہ کر جب بھی ایزل ہارڈی کے شناساؤں سے ٹکراؤ یا اتفاقاً ان سے سامنا ہو جائے تو یہی ظاہر کرنا کہ اپنی یادداشت کھو چکے ہو۔ تمھیں اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ یاد نہیں رہا ہے۔ ان حالات میں اس کے تمام شناسا تم سے ہمدردی کریں گے۔ اس کی پچھلی زندگی کی ایک ایک بات یاد دلائیں گے۔ اس طرح تم اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کر لو گے حتیٰ کہ اس کی زندگی کے چور گوشوں تک بھی پہنچ جاؤ گے۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں، یہ ممکن ہے مگر میری مصروفیات بہت بڑھ جائیں گی۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے مجھے مشورہ دیا تھا کہ کھانے پینے اور سونے کا وقت مقرر کرنا چاہیے۔ اب خود ہی فیصلہ کریں، ان حالات میں کیا یہ میرے لیے ممکن ہے؟"

"انسان کے لیے کیا ممکن نہیں ہے؟ اگر تم دشواری محسوس کرو۔ اس روپ میں کوئی خطرہ محسوس کرو تو میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر تمھیں موجودہ حلیے سے نجات دلا کر کسی نئے روپ میں ڈھال سکتا ہوں۔"

میں نے وہاں سے اٹھتے ہوئے، ایزل ہارڈی کا تمام سامان اٹھاتے ہوئے کہا "اب مجھے خیال خوانی کے ذریعے باباصاحب کے ادارے میں پہنچنا ہے۔ اجازت دیجیے پھر ملاقات کروں گا۔"

میں اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ تمام سامان ایک میز پر رکھنے کے بعد آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر باباصاحب کے ادارے میں پہنچ گیا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا "فرہاد! یہاں تو آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ میں نے سمجھا تھا، ماسٹر اور ریڈ پاور کے باس وغیرہ آئیں گے تو ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ان کے خاص ماتحت ہوں گے لیکن بہت سے ممالک کی معزز ہستیاں بھی آئی ہیں۔ یہ تمام لوگ بظاہر منجالی کے سلسلے میں تعزیت کے لیے آئے ہیں لیکن سبھی تم سے ملنے کے خواہشمند ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ جب میں نے بنکاک میں خود کو ظاہر کیا تھا تو وہاں بھی ایسا ہی مجمع لگ گیا تھا۔ کیا تم سجاد سے ان کی ملاقات کرا رہی ہو؟"

"میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے تمام لوگوں سے معذرت چاہتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ جس وقت منجالی کو قبر میں اتارا جائے گا، اس وقت فرہاد اپنی موجودہ رہائش گاہ سے باہر نکلے گا اور قبر تک آئے گا۔ اس کے بعد وہ ہمارے ہاں کے آڈیٹوریم میں تمام آنے والوں کو مخاطب کرے گا۔ ریڈ پاور کے باس اور سپر ماسٹر کے ماسٹر، ماضی میں فرہاد علی تیمور کے کام آ چکے ہیں یا ان سے کسی طرح کا رابطہ قائم رہا ہے، وہ تمام لوگ آڈیٹوریم میں فرہاد سے براہِ راست ملاقات کر سکیں گے۔"

"ہاں، یہ تو کرنا ہی ہوگا۔ میں سجاد کے ذریعے ان سے ضرور ملاقات کروں گا۔"

مجھے اعلیٰ بی بی کے ذریعے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا "کیا وہاں ہیلی کاپٹر میں بھی لوگ پہنچ رہے ہیں؟"

"ہاں، دو ہیلی کاپٹر آ کر جا چکے ہیں۔ یہ تیسرا یہاں اتر رہا ہے۔"

"کیا تم حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہو؟"

"مطمئن تو ہوں مگر ایک کمی محسوس کر رہی ہوں اور وہ کمی سونیا کی ہے۔ وہ باباصاحب کی تدفین کے وقت موجود تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر قدم پر موجود ہو اور اپنی ہزار آنکھوں

سے دشمنوں کو دیکھ رہی ہو۔ بے شک وہ ایسی غیر معمولی عورت ہے جس سے دوست متاثر ہوتے ہیں اور دشمن دہشت زدہ رہتے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کسی نے دوڑتے ہوئے آ کر اطلاع دی "مادام سونیا آ گئی ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے شدید حیرانی سے [illegible]

میں دوسرے ہی لمحے سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ابھی ہم نے جس ہیلی کاپٹر کی آواز سنی تھی۔ سونیا اسی ہیلی کاپٹر سے اتر رہی تھی۔ میں نے پوچھا "تم اچانک یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

"یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ تم بنکاک میں مجھ سے کترا کر آ گئے۔ میں اپنے ذرائع استعمال کر کے تمہارے پاس پہنچ گئی ہوں۔"

"مگر کیسے؟ کون سے ذرائع استعمال کیے؟"

"اب میں تمہارے قریب آ گئی ہوں۔ یہ خیال خوانی نہیں چلے گی۔ تم جہاں بھی ہو فوراً مجھے اپنے پاس بلاؤ۔ میں تمھیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے صدیاں گزر گئی ہوں اور میں نے تمھیں دیکھا نہ ہو۔"

"اگر تم سونیا ہو تو خوشامد کیوں کر رہی ہو؟ قریب پہنچ کر مجھ سے ملنے آ جاؤ۔ کیا راستے میں رکاوٹیں ہیں؟"

"میرے راستے میں جو بھی رکاوٹ آئے گی، میں اسے توڑ پھوڑ کر تمہاری طرف چلی آؤں گی لیکن ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے آتا دیکھ کر تم اپنی جگہ بدل دو گے۔ میں تمہاری شرارتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔"

"میں جہاں ہوں، وہیں رہوں گا۔ تم چلی آؤ۔"

اتنی دیر میں اعلیٰ بی بی ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس نے سونیا کو دیکھتے ہی دونوں بانہیں پھیلائیں۔ پھر وہ دونوں گلے لگ گئیں۔ سونیا نے کہا "ابھی میں کچھ نہیں بولوں گی۔ صرف ایک بات۔ فرہاد کہاں ہے؟ پہلے مجھے اس کے پاس پہنچاؤ۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو چپکے سے کہا "اس کی بات مان لو کسی طرح بھی شبہ ظاہر نہ ہو کہ تم اسے ڈمی سونیا سمجھ رہی ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے اپنے ایک ماتحت سے کہا "مادام کو فرہاد صاحب کے پاس پہنچا دو۔"

میں سجاد علی تیمور کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ آڈیٹوریم کی تیسری منزل پر ایک کھڑکی کے پاس کھڑا آنکھوں سے دوربین لگائے باباصاحب کے ادارے میں آنے والے لوگوں کی بھیڑ دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو سجاد!"

وہ چونک گیا۔ پھر مسکرا کر بولا "بھائی جان! آپ نے بڑی دیر بعد یاد کیا۔"

"میں اپنے معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی سونیا تمہارے پاس آ رہی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

میں نے پوچھا "اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ کہ میں آپ کی ڈمی ہوں اور وہ سونیا کی ڈمی ہیں۔ دو ڈمی ملیں گی، تو کیا مزہ نہیں آئے گا۔"

"اسے محض ڈمی سمجھ کر خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔ وہ سونیا کی طرح بھرپور ذہانت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔"

"میں فرہاد علی تیمور بن کر اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کروں گا بس ذرا ٹیلی پیتھی کی کمی محسوس ہوتی رہے گی۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری ٹیلی پیتھی کی کمی پوری کروں گا۔"

ہماری باتوں کے دوران وہ آ گئی۔ اس نے کمرے میں پہنچتے ہی سجاد کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے چیخ کر کہا "فرہاد! فرہاد!"

وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ سجاد میرے خاص انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ یوں جیسے ظاہر کر رہا ہو کہ مرد ملاقات کے لیے اس قدر بے چین نہیں رہتا [illegible] قدر عورت رہتی ہے۔

میں نے سجاد کی زبان سے کہا "مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔ ابھی تم کہہ رہی تھیں جیسے صدیوں سے تم نے دیکھا نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو، فرہاد کے دھوکے میں کسی اور سے ملاقات کر بیٹھو۔"

"میں راستے میں سوچتی آ رہی تھی۔ شاید تم نے میری سوچ پڑھی ہوگی۔ بہرحال میں اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہوں۔ ذرا چہرہ جھکاؤ۔ میں چھو کر دیکھوں گی۔"

وہ سجاد کے چہرے کو ادھر ادھر سے چھونے لگی۔ گردن کے پیچھے ہاتھ لے جا کر دیکھنے لگی کہیں ماسک میک اپ تو نہیں ہے۔ پھر وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے بعد مطمئن ہو کر بولی۔

"تم فرہاد ہو۔ میرے اپنے فرہاد۔"

میں نے اس کے چہرے کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے کہا "مجھے بھی اطمینان کر لینے دو کہ تم اصلی سونیا ہو یا نہیں۔"

میں نے اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ لے جا کر دیکھا۔ وہ بولی "تمہارے دشمن اتنے نادان نہیں ہو سکتے کہ کسی

لڑکی کو سونیا کا ماسک پہنا کر بھیجیں۔ اگر کسی کو سونیا بنا کر بھیجنا ہی ہوگا تو وہ باقاعدہ اس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کریں گے لیکن میں پوچھتی ہوں، کیا سرجری کر لینے سے کوئی سونیا بن سکتی ہے یا کوئی فرہاد بن سکتا ہے۔ اگر بن بھی جائے تو وہ صلاحیتیں کہاں سے لائے گا؟"

"تم درست کہتی ہو۔ کوئی بھی فرہاد بن کر دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن مجھے یا تمھیں نہیں دے سکتا۔ تم میری رگ رگ سے واقف ہو۔ اسی طرح میں تمھارے سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے ایک ایک انداز سے واقف ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "لیکن میں تم سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔ جانتے ہو کیوں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم میری جانِ حیات ہو۔ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین نہیں رہو گی تو پھر۔۔"

اس نے میری بات کاٹ کر کہا "یہ بات نہیں ہے۔ میں چاہتی تھی، تم سے سامنا ہو تو اپنے دل کی ایک بات کہہ دوں۔ فرہاد! میں کبھی کبھی خود پر شبہ کرنے لگتی ہوں۔ جیسے میں سونیا نہیں ہوں۔"

سجاد نے اسے چونک کر دیکھا۔ ویسے میں بھی اس بات پر چونک گیا تھا۔ میں نے پوچھا "اپنے آپ پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ بتاؤ؟"

"میں نے اپنا تجزیہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ تم تو دماغ کی تہہ میں پہنچ جاتے ہو۔"

"میں نے تمھارے دماغ کی تہہ میں پہنچ کر بھی تمھیں ٹٹول کر دیکھا ہے۔ وہاں تل ابیب میں ربی اسفندیار نے میرے شبہ ظاہر کرنے پر ہپناٹزم کے ذریعے تمھارا تجزیہ کیا تھا۔ مگر تم اس وقت بھی سونیا ثابت ہوتی رہیں۔ بس ایک ہی بات کھٹکتی رہی کہ تمھاری یادداشت کمزور کیوں ہو گئی ہے؟"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی "ہاں، ایک سوال میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اگر میں اصلی سونیا ہوں، تو تمھارے دشمن مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں۔ جب میں تل ابیب میں گائڈ آنٹی کے ساتھ شاپنگ کے لیے جا رہی تھی، اس سے پہلے یہودیوں کا فیصلہ تھا کہ مجھے پیرس پہنچایا جائے گا۔ پھر اچانک ہی ان کے فیصلے میں تبدیلی آ گئی۔ انھوں نے یہ کہہ کر مجھے سنگاپور پہنچا دیا کہ رسونتی وہاں ہے۔ یقیناً فرہاد بھی وہیں ہو سکتا ہے۔"

"شاید وہ یہودی خود کو میرا دوست ثابت کرنے کے لیے براہِ راست تمھیں میرے پاس پہنچانا چاہتے ہوں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں فرہاد! انھوں نے مجھے اپنی قید سے رہا کر دیا۔ اسرائیل کی سرحد کے پار بھیج دیا۔ ان کی ذمّے داری ختم ہو گئی لیکن وہ بار بار مجھے تمھاری طرف کیوں نہیں بھیج دیتے ہیں؟ میں سنگاپور میں تھی اور رسونتی کے ساتھ یہاں آنا چاہتی تھی تاکہ تمھاری اور رسونتی کی صلح کرا دوں لیکن وہاں یہودیوں کے ایجنٹ نے رسونتی کو پتا نہیں کیا پٹی پڑھائی کہ وہ ان کے ساتھ تل ابیب جانے پر راضی ہو گئی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ یہی کہتی رہی کہ جس شخص نے مجھے طلاق دی ہے، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔ وہ خود ایک دن میرے پاس آئے گا!"

سجاد بڑی کامیابی سے میرا رول ادا کر رہا تھا۔ اس نے ناگواری سے کہا "سونیا! میں تمھیں کہہ چکا ہوں، اس عورت کا نام میرے سامنے نہ لو۔ میں اس کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، نہیں سننا چاہتا۔ تم مجھے یہ بتاؤ، تمھارے دماغ میں کون سا ایسا سوال چبھتا ہے جس سے تم خود پر شبہ کرتی ہو؟"

"رسونتی کے تل ابیب جانے کے بعد میں سنگاپور میں تنہا رہ جاتی۔ یہودیوں کے اس ایجنٹ نے کہا "مادام سونیا! ہم آپ کے اور مسٹر فرہاد کے دوست ہیں اور دوست رہیں گے۔ اس لیے آپ کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم نے پہلے ہی آپ کے لیے ایک طیارے میں سیٹ ریزرو کرا دی ہے۔ وہ طیارہ یونان اور اٹلی سے ہوتا ہوا لندن جائے گا۔ آپ کی سیٹ اٹلی تک بُک کرائی گئی ہے۔ وہاں سے آپ کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے پیرس پہنچا دیا جائے گا اور دیکھ لو کہ انھوں نے مجھے ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچا دیا ہے!"

"اس سے تم نے کیا خیال قائم کیا ہے؟"

"یہی کہ میں بحیثیت سونیا ہمیشہ تمھارے قریب رہنے کی کوشش کرتی رہی۔ تم ہزاروں میل دور رہے۔ میں وہاں آنا چاہتی تھی لیکن میں نے تمھارے پاس پہنچنے کے لیے کبھی دشمنوں کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی دشمنوں نے مجھے سہارا دیا۔ اب کیا بات ہے کہ تم جہاں جاتے ہو وہاں دشمن مجھے پہنچانا چاہتے ہیں۔ مجھے تمھارے ساتھ لگائے رکھنے کا کوئی مقصد ضرور ہے۔ پھر یہ کہ میں بحیثیت سونیا تمھارے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتی لیکن میں نے ان کا سہارا لیا اور تمھارے پاس پہنچ گئی۔ یہ کمزوری تو مجھ میں نہیں ہونی چاہیے۔ میری یادداشت کیا اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ میں نے دشمنوں کو بھول کر ان کا سہارا لینا شروع کر دیا ہے؟"

سجاد نے بڑی نرمی سے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "تم دیانت داری سے اپنا تجزیہ کر رہی ہو۔

اگر تم سونیا ہو تو اس حقیقت کو کوئی نہیں بدلے گا۔ تم میری سونیا ہی رہو گی اور اگر نہیں ہو تو میرے ساتھ بڑی ایمانداری سے وفا کر رہی ہو۔"

"تم سے وفا نہیں کروں گی تو اور کس سے کروں گی۔ اگر میں کوئی دوسری لڑکی ہوں، اگر انھوں نے میرا برین واش کر دیا ہے۔ میرے اپنے ماضی کو میرے دماغ سے مٹا دیا ہے اور ہپناٹزم کے ذریعے میرے دل و دماغ میں تمھاری محبت بھر دی ہے تو یہ محبت مٹ تو نہیں سکتی۔ میں کھوٹی ہو سکتی ہوں لیکن محبت جب دل میں کروٹیں لیتی ہے تو وہ کبھی کھوٹی نہیں ہوتی۔"

سجاد نے کہا "سونیا! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اگر تم کبھی ڈمی ثابت ہوئیں، تب بھی میں تم سے نفرت نہیں کروں گا۔ میں تمھاری سچائی، دیانت داری اور وفاداری کی قدر کروں گا اور تمھیں اس کا انعام ضرور ملے گا۔"

وہ بولی "ایک نہ ایک دن ملمع ضرور اترتا ہے۔ بہت پہلے انھوں نے مرجانہ کی برین واشنگ کی تھی۔ اس کے دماغ کی سلیٹ کو بھی صاف کر دیا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں میرے خلاف نفرت اور تمھارے لیے محبت بھر دی تھی۔ پھر کیا ہوا۔ کم از کم دو تین ماہ گزرے ہوں گے کہ وہ اپنے ماضی کی طرف واپس آنے لگی۔ ہپناٹزم کا عمل دائمی تو نہیں ہوتا۔"

اعلیٰ بی بی نے کمرے میں آ کر کہا "تدفین کا وقت ہو چلا ہے۔"

سجاد نے کہا "کیا تم اپنے حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے سونیا کی طرف دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا "یوں تو میں مطمئن ہوں لیکن سونیا کی موجودگی نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اعتماد پیدا کر دیا ہے۔ جہاں سونیا ہو گی وہاں دشمن سایہ بن کر بھی نہیں آ سکے گا۔"

سونیا نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں ذرا اپ سیٹ ہوں۔ ویسے میری کوشش یہی ہو گی کہ فرہاد پر ذرا آنچ نہ آئے اور فرہاد کوئی بچّہ تو ہیں نہیں۔ چلو دیکھتے ہیں، تقدیر کیا گل کھلاتی ہے۔"

وہ سب آڈیٹوریم کی تیسری منزل سے اتر کر باہر آئے باہر ایک ٹرالی کار کھڑی ہوئی تھی۔ سجاد، اعلیٰ بی بی اور سونیا اس پر بیٹھ گئے۔ ان کے آگے پیچھے دو جیپ کاریں اور بہت سے طلبا و طالبات کی موٹر سائیکلیں تھیں۔ وہ سب مسلح تھے۔ ان کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ جہاں منجالی کو دفن کیا جا رہا تھا، وہ جگہ وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو لوگوں کی بھیڑ چھٹنے لگی۔ ہمیں راستہ دیا جا رہا تھا۔ بھیڑ چھٹنے کے باوجود آنے والے ایک دوسرے کو دھکا دے کر راستہ بنا کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اعلیٰ بی بی کے اعلان کے مطابق وہ جانتے تھے کہ مجھ سے آڈیٹوریم میں سامنا ہو گا۔ میں ان سے باتیں کروں گا لیکن یہاں وہ مجھے ایک نظر دیکھنا چاہتے تھے۔ دشمن بھی اسی طرح مجھے دیکھ کر شاید اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ فرہاد ان کے پھندے سے زیادہ دور نہیں ہے۔

بابا فرید واسطی کی قبر سے کوئی پندرہ یا بیس گز کے فاصلے پر ایک قبر کھودی گئی تھی۔ وہاں منجالی کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ وہ جگہ قبرستان تو نہیں تھی لیکن اب قبرستان کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔ وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ کچھ معزز حضرات مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اعلیٰ بی بی کے تمام ماتحت ان سے مطمئن تھے۔ اس لیے ہم نے ادھر دھیان نہیں دیا۔ میں نے سونیا سے پوچھا "جانتی ہو، بابا صاحب نے مرتے وقت کہا تھا کہ ان کے بائیں طرف اور دائیں طرف کن لوگوں کی قبریں ہوں گی؟"

سونیا اپنے ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگی۔ پھر مایوس ہو کر بولی "مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔"

"بابا صاحب کے بائیں طرف تمھارے لیے جگہ چھوڑی گئی ہے اور دائیں طرف پارس کے لیے۔"

وہ میرے ہاتھ کو تھام کر گہری سنجیدگی سے بولی "پارس کے لیے ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالو۔"

"ایک دن تو سبھی کو مرنا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارا پارس بیٹا ایک لمبی عمر گزار کر یہاں لایا جائے۔ آخر ایک دن تو موت آئے گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر ذرا چپ ہوئی پھر چونک کر بولی "کیا تمھارے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی گئی ہے؟"

میں نے بابا صاحب کی قبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انھوں نے میرے متعلق کچھ نہیں کہا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ میرا جنازہ ہی نہ اٹھے۔ بقول غالب ؎

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا، نہ کوئی مزار ہوتا"

"ایک تو یہ ماتمی ماحول ہے۔ اوپر سے تم اپنی موت کی باتیں کر رہے ہو۔ بہتر ہے، خاموش ہی رہو۔"

اس وقت سب خاموش تھے۔ سب نے اپنے سر جھکا لیے تھے۔ منجالی کی لاش قبر میں اتاری جا رہی تھی۔ میں اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ وہ سر اٹھائے چاروں طرف محتاط نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کے ذریعے پتا چل رہا

تھا۔ بہت کم لوگوں نے سوگوار انداز میں سر کو جھکا رکھا ہے۔ زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو سر اٹھائے ہوئے بڑی آنکھوں سے سجاد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ زندگی میں پہلی بار فرہاد علی تیمور کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

منجالی کی آخری رسومات ادا ہو گئیں۔ اس کا بے جان جسم منوں مٹی تلے چھپ گیا۔ اب صرف فاتحہ خوانی رہ گئی تھی۔ جو لوگ مسلمان تھے وہ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنے لگے۔ باقی لوگ اسی طرح سر جھکائے کھڑے رہے۔ اسی وقت اعلیٰ بی بی کے قریب کوئی چیز آ کر گری۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ وہ چیخ کر بولی "ہوشیار، دیکھو یہ کس نے پھینکا ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کھلبلی سی مچ گئی۔ پتا چلا تھوڑی تھوڑی دور پر ایسے ہی بے شمار شیل پھینکے گئے ہیں اور دھواں تیزی سے بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے۔ اس دھوئیں میں تمام لوگ ایک دوسرے سے چھپتے جا رہے تھے۔ اعلیٰ بی بی نے سجاد کی طرف دوڑ لگائی۔ اس سے پہلے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے سوس کیا سجاد ایک بہی سی معمولی سی تکلیف محسوس کر رہا ہے۔ گردن میں کوئی سوئی چبھی تھی لیکن اس کا ہاتھ گردن تک نہ پہنچ سکا۔ جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس کے دماغ نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جب دماغ کام نہیں کر سکتا تھا تو بھلا میں وہاں اپنی سوچ کو کیسے کام میں لا سکتا تھا۔ میں نے وہاں سے چھلانگ لگائی اور سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

سونیا سجاد کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اسے زمین پر گرنے سے روک رہی تھی اور اپنے کاندھے پر لاد کر وہاں سے لے جانا چاہتی تھی۔ اسی وقت اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔ ایک گھونسہ اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ ہزار چوٹیں فرہاد کے لیے برداشت کر سکتی تھی لیکن پے در پے اس پر حملے ہو رہے تھے۔ کسی نے اس کے بالوں کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ سجاد پر سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے فوراً ہی اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ کر کہا "دشمن سجاد کو لے جا رہے ہیں۔ سونیا ان کے سامنے دیوار بننے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی مدد کرو۔"

وہ بولی "میں کیا کروں؟ دھوئیں میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ بھگدڑ مچ گئی ہے۔ میں اسے کدھر تلاش کرنے جاؤں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

واقعی دن کی روشنی میں بھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ قریب سے گزرنے والے یا ٹکرانے والے ایک سفید سائے کی طرح نظر آتے تھے۔ اس سائے سے پرے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ——— میں پھر سونیا کے پاس آ کر دیکھنے لگا۔ وہ بے چاری دشمنوں سے لڑنے میں مصروف تھی۔ لڑنے کے دوران چیخ چیخ کر مجھے آوازیں دیتی تھی اور کہتی تھی "فرہاد! اپنے دماغ کو قابو میں رکھو۔ میں ابھی تمہارے پاس پہنچ رہی ہوں۔"

اب میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کرتا تو وہ سوچ میں پڑ جاتی کہ فرہاد تو اس کے سامنے ذہنی طور پر مفلوج ہو کر دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ پھر یہ خیال خوانی کے ذریعے کیسے رابطہ قائم ہو رہا ہے؟

ذرا سی دیر میں سونیا نے محسوس کیا کہ وہ خالی ہاتھ چلا رہی ہے۔ آس پاس دشمن نہیں ہیں بلکہ اس کا حملہ ایسے لوگوں پر ہو رہا ہے، جو اندھا دھند بھاگتے ہوئے دھوئیں کے حصار سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بھی چیختی ہوئی ان کے ساتھ ادھر سے ادھر بھاگنے لگی، مجھے تلاش کرنے لگی۔

میں نے وانشورد کی اور پومی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بھی مجھے تلاش کر رہے تھے اور کسی طرح میرے دشمنوں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ان میں ایک پومی ایسی تھی جو تقریباً دشمنوں کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ ہیلی کاپٹر کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں دھواں قدرے کم تھا۔ وہ دشمنوں کو پہچان رہی تھی۔ ان سے مقابلہ کر رہی تھی۔ جس شخص نے سجاد کو شانے پر اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اسے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ وہ اس سے کترانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھی پومی پر چاروں طرف سے حملے کر رہے تھے۔ اس لڑکی کے جسم میں جیسے بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ چشم زدن میں اِدھر سے اُدھر قلابازی کھا کر حملہ آوروں کی ایسی پٹائی کرتی جا رہی تھی کہ سب پریشان تھے۔ پھر اچانک ہی پومی کے حلق سے چیخ نکلی۔ کسی نے اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی چیز اسپرے کی تھی۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر محسوس کر رہا تھا آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اور آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس لمحے میں نے تسلیم کر لیا کہ پومی زبردست قوتِ ارادی کی مالک ہے۔ اتنی شدید تکلیف کے باوجود اس نے ایک ہاتھ کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے راستہ ٹٹولتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی سیڑھی کے پاس جا رہی تھی تاکہ دشمنوں کو اس میں سوار ہونے کا موقع نہ دے۔

دشمن بھی ہر پہلو سے تیار ہو کر آئے تھے۔ اچانک ہی پومی دو طرف سے حملے کی زد میں آ گئی۔ اسے رسّی کے

پھندے میں دو طرف سے کھینچا جانے لگا۔ کبھی وہ اُدھر ڈگمگا رہی تھی اور کبھی اِدھر۔ افسوس آنکھیں کھول کر نہیں دیکھ سکتی تھی اور کچھ لوگ اسے کھینچتے ہوئے ہیلی کاپٹر سے دور لے جا رہے تھے۔

پنکھا تیزی سے گردش کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی تڑ تڑ اتڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ فائرنگ ہو رہی تھی اور جوابی فائرنگ کی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ باباصاحب کے ادارے میں جتنے مسلح محافظ تھے، ان کی کوشش یہی تھی کہ ہیلی کاپٹر پرواز نہ کرنے پائے اور دشمن پرواز کے لیے پر تول چکے تھے۔ پومی کو کھینچنے والے بھی کہیں گم ہو گئے۔ وہ اوندھے منہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ فائرنگ کے دوران اٹھنا سراسر نادانی ہوتی۔ اب وہ بے چاری کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

میں اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچا۔ وہ دھوئیں کے حصار سے نکل گئی تھی۔ بہت دور کھڑی اپنے آدمیوں کو دیکھ رہی تھی جو ایک ہیلی کاپٹر سے پرواز کرنے جا رہے تھے اور دشمنوں کے ہیلی کاپٹر کا تعاقب کرنے والے تھے۔

میرے مخاطب کرنے پر اس نے کہا "میں نے احتیاطاً پہلے ہی یہ ہیلی کاپٹر تیار رکھا تھا۔ اس ادارے میں داخل ہونے والوں اور باہر جانے والوں کی سختی سے چیکنگ ہونے والی تھی۔ لہٰذا ایک فضائی راستہ رہ گیا تھا جسے دشمن استعمال کرتے اور کمبخت یہی کر رہے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کبھی ہمارا پلڑا بھاری ہوتا ہے کبھی دشمنوں کا۔ ویسے ان لوگوں نے بڑے منظم طریقے پر اپنے منصوبے پر عمل کیا ہے۔"

دشمنوں کا ہیلی کاپٹر پرواز کر چکا تھا۔ اعلیٰ بی بی رسٹ واچ میں وقت دیکھ رہی تھی۔ تقریباً چالیس منٹ کے بعد ہمارے ہیلی کاپٹر نے پرواز کی۔ اعلیٰ بی بی بھی فوراً ہی ایک جیپ کار میں بیٹھ کر عمارت کی طرف جانے لگی۔ اب وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہیلی کاپٹر والوں سے رابطہ قائم کرنا چاہتی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا تم میرے ذریعے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کے دماغ میں پہنچو گے۔ تاکہ اسے ہدایت دے سکو؟"

"میں ایسی غلطی کرنا نہیں چاہتا۔ دوست اور دشمن سبھی سمجھ رہے ہیں کہ فرہاد علی تیمور کے دماغ کو مفلوج بنانے کے بعد اسے اغوا کیا جا رہا ہے۔ میں ایسی حالت میں کسی سے دماغی رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔"

وہ جیپ میں بیٹھی عمارت کی طرف جانے کے دوران سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ دشمنوں کا ہیلی کاپٹر بہت دور جاتے ہوئے ایک سیاہ دھبے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اپنا ہیلی کاپٹر واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک ہی فضا میں دھماکہ سنائی دیا۔ جیپ ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ اعلیٰ بی بی نے فوراً ہی اتر کر سر اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ ہمارے ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

میں نے کہا "دشمنوں نے اس بار کسی ایک پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ وہ فرہاد علی تیمور کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے جی جان کی بازی لگا رہے ہیں، اور اپنی ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ افسوس بازی ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔"

میری باتوں کے دوران اعلیٰ بی بی دوڑتے ہوئے اس عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کبھی ٹیلیفون کے ذریعے، کبھی ٹرانسمیٹر کے ذریعے اعلیٰ حکام سے اور اپنے خاص ماتحتوں سے رابطہ قائم کر رہی تھی۔ اعلیٰ حکام سے شکایتیں کر رہی تھی کہ ایک ہیلی کاپٹر ناجائز طریقے سے ان کے ادارے میں آیا تھا۔ فرہاد علی تیمور کو اغوا کیا گیا ہے۔ فوراً ہی ہیلی کاپٹر کا تعاقب کیا جائے۔ فلائنگ کلب سے، اعلیٰ حکام کی طرف سے، اور دیگر متعلقہ شعبوں کی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو فرانس کی سرحد سے باہر جانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

میں نے ایک بار پھر سجاد کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ وہ زندہ تھا لیکن اس کا دماغ بالکل سُن ہو گیا تھا۔ سوچ کی لہروں کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

ڈاکٹر شیفرڈ کی کوٹھی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے معلوم کیا، ڈاکٹر اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اتنا تو سمجھ میں آ گیا تھا کہ اب سجاد کے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ جب وہ دشمنوں کی قید میں پہنچ چکا ہو گا اور ہوش میں آئے گا تب ہی کوئی چال چلی جا سکتی تھی۔ اب اس کی رہائی کا انحصار آئندہ موافق حالات پر تھا۔

میں نے پارس کی خبر لی۔ وہ اپنے محافظوں کی پناہ میں آرام سے اور خیریت سے تھا۔ دشمن بظاہر فرہاد علی تیمور تک پہنچ گئے تھے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم باپ بیٹے دونوں ہی دشمنوں سے محفوظ تھے۔ میں نے پارس کے محافظ شبّیر حسن سے کہا "تمہاری بیوی کی زبان میں نہیں سمجھتا کبھی اس سے دماغی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی

تو کیا ہوگا؟"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ پارس کا محافظ میں ہوں۔ چونکہ ایک ننھے سے بچے کو عورت کی گود کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے میں نے اسے بیوی کی گود میں دے رکھا ہے۔ ورنہ میں دن رات اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھتا ہوں۔ سوتے وقت بھی یہ میرے پاس ہی رہتا ہے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ جب چاہیں میرے دماغ میں آکر دیکھیں۔ آپ مجھے پوری طرح مستعد اور دماغی طور پر حاضر پائیں گے۔"

میں نے ثباتہ سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے پچھلی رات دس بجے اپنے قافلے کے ساتھ گھوڑوں پر سفر شروع کیا تھا۔ پھر صبح ہونے سے پہلے وہ مہذب دنیا کی ایک بستی میں پہنچ گئی تھی۔ اس بستی میں ان لوگوں نے ایک بہت بڑا اصطبل کرائے پر لے رکھا تھا۔ ان گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے وہاں ملازم بھی موجود رہتے تھے۔ واپسی کے سفر میں وہ گھوڑے ثباتہ وغیرہ کو تازہ دم ملتے تھے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا، تو وہ ایک ٹرین میں سفر کر رہی تھی۔ میں نے اس سے جھوٹ کہا۔ "میں ابھی بابا صاحب کے ادارے میں ہوں اور منجالی کی آخری رسومات میں شریک ہونے کے لیے لوگوں کے سامنے بے نقاب ہو گیا ہوں۔ یہاں سپر ماسٹر اور ماسک مین کے بہت سے ماتحت آئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی لوگوں کی بھیڑ ہے۔ میں یہاں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ لہٰذا کوئی خطرہ پیش آنے سے پہلے تمھیں چند ضروری ہدایات دے رہا ہوں۔ انھیں ذہن نشین کر لو۔"

"میں توجہ سے سن رہی ہوں۔"

"پارس جس کی پناہ میں ہے، اس کا نام شبّیر حسن ہے۔ اس کی بیوی ایرانی ہے اور فارسی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتی۔ ان سے تمھاری ملاقات انقرہ میں ہوگی۔ آپس میں یک دوسرے کو پہچاننے کے لیے کوڈ ورڈز یاد کر لو۔۔۔ اپنے گلدان کا پھول میرے گلدان میں سجا دو۔"

ثباتہ نے مسکرا کر کہا۔ "بہت ہی خوبصورت کوڈ ورڈز ہیں۔"

"جب تم یہ کہو گی تو وہ اپنی گود کا بچہ تمھاری گود میں دے دیں گے۔ پھول ایک گلدان سے دوسرے گلدان میں منتقل ہو جائے گا۔"

یہی کوڈ ورڈز میں نے پارس کے محافظ کو سمجھا دیے۔ وہ ۔۔۔ "دیکھو نیک بخت! تم انگریزی نہیں چند الفاظ یاد کر لو اور اسے فارسی زبان میں بھی لکھ لو تاکہ بھولنے نہ پاؤ۔"

اس نے کوڈ ورڈز کو فارسی زبان میں انگریزی تلفظ اور لہجے کے مطابق لکھ دیا۔ پھر اپنی بیوی کو سمجھا سمجھا کر اسے یاد کرانے لگا۔ میں نے ثباتہ کو انقرہ کے چار ہوٹلوں کے نام بتائے۔ پھر کہا۔ "ان چاروں میں سے جس ہوٹل میں بھی جگہ ملے گی، پارس کو لانے والے اسی جگہ قیام کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انھیں تلاش کر لوں گی۔"

"اب میرا اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر رہنا بہت ضروری ہے۔ اتنا یاد رکھو، اگر میری طرف سے کوئی جواب نہ ملے، میں دماغی رابطہ قائم نہ کروں تو پریشان نہ ہونا۔ مستقل مزاجی اور حاضر دماغی سے کام لیتی رہنا۔ پارس کی حفاظت اب تمھاری ذمے داری ہے۔"

"فرہاد! ابھی ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی ہے آئندہ ہمارے درمیان بہت ہی گہرا اور مستحکم رشتہ قائم ہونے والا ہے۔ ان حالات میں تم نے ایک بہت بڑی ذمّے داری مجھے سونپ دی ہے میں تمھاری محبت کی قسم کھا کر کہتی ہوں، اپنی آخری سانس تک پارس کی حفاظت کروں گی۔ اس پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔"

"اگر خدانخواستہ دشمنوں نے مجھے مار ڈالا تو؟"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو اور ایسا ہوا تو تمھیں مرنے کے بعد پتا چلے گا کہ میں اپنی جوانی اور اپنا بڑھاپا تمھارے انتظار میں گزار کر میدانِ حشر میں تم سے ملنے آئی ہوں۔"

میں دماغ کے تہ خانے میں اتر کر جھوٹ کا چہرہ دیکھ لیتا ہوں وہ دل کی گہرائیوں سے اور محبت بھرے جذبوں سے جو کہہ رہی تھی، سچ کہہ رہی تھی اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔

میں نے خوش ہو کر تھوڑی دیر تک اس سے باتیں کیں۔ پھر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ سجاد کے دماغ میں جھانکنے کی کوشش کی مگر وہ بدستور بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ایک سوال میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ اگر دشمنوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ سجاد ہی فرہاد علی تیمور ہے تو کیا اسے قتل کر دیا جائے گا؟ اپنے راستے کی سب سے بڑی آہنی دیوار کو ہمیشہ کے لیے گرا دیا جائے گا؟

ہاں دشمن ایسا کر سکتے تھے۔ وہ مجھ سے تنگ آچکے تھے کوئی ایسا موقع تلاش کر رہے تھے، جب وہ میرا قصہ تمام کر سکتے۔ جب سجاد ان کی گرفت میں آ ہی گیا ہے اور ہر طرح سے یہ ثابت ہونے والا ہے کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے تو پھر اس کا انجام موت کے علاوہ کیا ہو سکتا تھا۔

[illegible] گر دشمنوں نے اسے مار ڈالا تو میں قربانی کا بکرا بنا ہوا تھا۔ میرے لیے وہ اتنا اہم رول ادا کر رہا ہے کہ دشمن بھی زبردست دھوکا کھا رہے تھے۔

میں دشمنوں تک جلد از جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ سجاد کو کسی نہ کسی طرح آنے والے خطرات سے بچانا چاہتا تھا لیکن پتا نہیں چل رہا تھا وہ کس حالت میں ہے اور اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ میں بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ کبھی اِدھر جاتا رہا، کبھی اُدھر۔ پھر میں نے ملازم کو کافی کا آرڈر دیا۔ جب وہ کافی لے کر آیا اور میں آہستہ آہستہ چسکی لے کر پینے لگا تو ایک بات دماغ میں آئی۔ یوں کہنا چاہیے ہزار نفرتوں اور عداوتوں کے باوجود رسونتی یاد آئی۔

سونیا نے کہا تھا، یہودی اسے اپنے ساتھ اسرائیل لے گئے ہیں۔ میں اس عورت سے کبھی دماغی رابطہ قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے نام لے کر کبھی مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب بھی یہی سوچا کہ چپ چاپ اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھوں گا۔ اگر وہ تل ابیب میں موجود ہے تو شاید پتا چل جائے کہ اس کے آس پاس رہنے والے دشمن کس قسم کی پلاننگ کر رہے ہیں۔ کیا سجاد کو بھی تل ابیب پہنچایا جائے گا؟

میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک ایزی چیئر پر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک پالنے میں فرضی پارس ہاتھ پاؤں جھٹک کر کھیل رہا تھا۔ رسونتی کے سامنے اسفند یار ٹہل رہا تھا۔ پھر وہ ایک جگہ رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمھارے دماغ کے تہ خانے میں اتر کر دیکھا ہے، تم بظاہر فرہاد سے محبت یا نفرت کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہو لیکن تمھارے دماغ کے تہ خانے میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت ہے۔ میں نے تم پر ہپناٹزم کا عمل کر کے سچی بات معلوم کی ہے۔ تم نے مجھے جواب دیا تھا کہ مسلمان جب کسی عورت کو طلاق دیتے ہیں تو دوبارہ اس سے رجوع نہیں کرتے اور کسی مجبوری یا محبت کے زیرِ اثر دوبارہ اسے نکاح میں لانا چاہیں تو اس کے لیے عورت کو پہلے کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آنا پڑتا ہے اور یہ بات تمھارے جیسی عورت کے مزاج کے خلاف ہے۔ تم کبھی کسی اور سے شادی نہیں کرو گی۔ اس نے تمھیں ایسے مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے جہاں نہ تم اس کی بیوی بن سکتی ہو اور نہ کسی اور کو شوہر کی حیثیت سے پسند کر سکتی ہو۔ ایسے شخص کے لیے نفرت آہستہ آہستہ تمھارے اندر مستحکم ہوتی جا رہی ہے۔"

"اب میں اس شخص کے متعلق نہ تو نفرت سے سوچنا چاہتی ہوں نہ محبت سے۔ میرے دل میں ایک ہی لگن ہے۔ میں اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس لے آؤں اور میں اس کے لیے دن رات محنت کروں گی۔"

ربی اسفند یار نے کہا۔ "میں نے تمھارے دماغ کا معائنہ کیا ہے۔ پتا نہیں تمھیں کچھ کھلایا گیا ہے یا تم پر کوئی عمل کیا گیا ہے۔ تمھارا دماغ بہت ہی کمزور ہے۔ فی الحال اس قابل نہیں ہے کہ... ٹیلی پیتھی جیسی صلاحیت کو دوبارہ حاصل کر سکے۔"

"ہماری دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے۔ مایوسی ضرور ہوتی ہے لیکن مایوسیوں سے گزر جانے والے اور مستقل مزاجی سے کوئی ہنر حاصل کرنے والے ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ کیا آپ لوگ میرے دماغ کا علاج نہیں کر سکتے؟ میری کمزوری کو دور نہیں کر سکتے؟"

"بے شک۔ ہم ایسا کریں گے۔ تم ہم پر اندھا اعتماد کرتی ہو اور ہم بھی تمھارے اس اعتماد کی قدر کرتے ہیں۔"

"کیا یہ درست ہے کہ وہ مغرور شخص آپ لوگوں کی گرفت میں آگیا ہے؟"

"ہاں، اسے یہاں لایا جا رہا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ سکو گی۔"

"میں اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"لیکن ہماری خاطر ضرور دیکھنا چاہیے۔ تم ایک ایسی عورت ہو جس کے ذریعے ہم پورے اعتماد سے اس کی شناخت کر سکتے ہیں۔ تم اس کے رُوئیں رُوئیں کو پہچانتی ہو۔ اُسے پہچاننے میں غلطی نہیں کرو گی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "اگر آپ جیسے دوستوں کے کام آنے کے لیے مجھے اس کے سامنے جانا پڑا تو میں ضرور جاؤں گی۔"

"اس اعتماد سے جانا کہ اب وہ زہریلا ناگ ایک معمولی کیچوے کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم جب تک چاہیں گے اس کے دماغ کو مفلوج رکھیں گے۔ اس نے اگر کسی ہتھکنڈے سے تمھارے دماغ کو کمزور بنا دیا ہے اور ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں دوبارہ حاصل کرنے کے ناقابل بنا رکھا ہے تو ہم بھی اس کے دماغ کو اسی حد تک مفلوج رکھیں گے۔ اب وہ کبھی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل نہیں کر سکے گا۔"

"محترم ربی! آج تک اس کے ہزاروں دشمن ہزاروں خوش فہمی میں مبتلا ہوتے رہے اور وہ ان کی غلط فہمی ثابت کرتا رہا۔ اس بار بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ لوگوں کی ہزار کوششوں کے باوجود کسی طرح پھر ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل کرے۔ میں اس کے متعلق زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتی۔ بس میرے دماغ کی کمزوری دور کر دیں۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں ٹیلی پیتھی کی یہ صلاحیتیں صرف آپ لوگوں کے فائدے کے لیے استعمال کروں گی لیکن ایک شرط ہوگی۔"

"وہ کیا؟"

"آپ لوگ فرہاد کو میرے حوالے کر دیں گے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گی لیکن اسے ساری عمر اپنا غلام بنا کر رکھوں گی۔ وہ میرے قدموں میں رہا کرے گا۔"

رسونتی کی یہ باتیں میرے لیے حیرانی کا باعث نہیں تھیں، ایسا

تو ہوتا ہی ہے۔ جب عورت کو مرد ٹھکرا دیتا ہے تو وہ انتقاماً ایسا ضرور سوچتی ہے۔ اگر ایسا کرنا نہ بھی چاہے تو خواب و خیال میں دیکھتی ہے، سوچتی ہے کہ اس نے ٹھکرانے والے کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ میں نے اسے خوش فہمی میں مبتلا چھوڑ کر اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا۔ معلوم کرنے لگا کہ اس ہیلی کاپٹر کا تعاقب کرنے کے لیے سرکاری پیمانے ... ہے؟

... بی نے کہا " وہ ہیلی کاپٹر ایک مضافاتی علاقے میں پایا گیا۔ لیکن اس میں کوئی نہیں ہے۔ سجاد علی کو وہ کسی دوسری گاڑی میں لے گئے ہیں۔"

"... گاڑی میں فرانس سے باہر کیسے لے جا سکتے ہیں۔ ... سرحدی ... سے چیکنگ کرائی جا سکتی ہے۔"

"میں نے تمام انتظامات کیے ہیں۔ ہمارے تمام آدمی سرکاری عملے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اب بھی سرحدی چوکی پر ایک ایک گاڑی کی چیکنگ ہو رہی ہے۔"

اعلیٰ بی بی ایک بہت بڑے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں بہت سے ٹرانسمیٹر سیٹ، ٹیلی وژن، مووی کیمرے اور ریکارڈنگ مشینیں نصب کی گئی تھیں۔ ایک ٹرانسمیٹر پر بیٹھے ہوئے ماتحت نے کہا "مادام! پیرس کے ایک فلائنگ کلب سے ایک چارٹرڈ طیارے نے پرواز کی ہے۔ اس طیارے میں ایک لاش لے جائی گئی ہے۔"

اس نے پوچھا "کیا اس لاش کو چیک کیا گیا ہے؟"

"ہمارے آدمی اسے دیکھنا چاہتے تھے لیکن لاش لے جانے والوں نے اعتراض کیا۔ فلائنگ کلب کے حکام نے بھی یقین دلایا کہ وہ لاش فرہاد علی تیمور کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اب سے چھ گھنٹے پہلے اسے لے جانے کے لیے طیارہ چارٹرڈ کرایا گیا تھا ـــــ اس سلسلے میں تمام میڈیکل سرٹیفکیٹ وغیرہ موجود ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "جب کسی اہم شخص کے اغوا کی واردات ہوتی ہے تو میڈیکل سرٹیفکیٹ کے باوجود کسی کو بھی چیک کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے جواب دیا "ہمارے آدمیوں نے طرح طرح کے دلائل دیے تھے لیکن یہ بات مرنے والے کے لواحقین کے عقیدے کے خلاف تھی۔ وہ آخری رسومات سے پہلے لاش کا چہرہ کسی کو دکھانا پسند نہیں کرتے۔ فلائنگ کلب کے حکام نے کہا ہے کہ اگر ہم ان کے عقیدے کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو یہاں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور ہم فلائنگ کلب کی حدود میں کسی طرح کا ہنگامہ یا بدنظمی نہیں چاہتے۔"

"یہ لاش کہاں لے جائی جا رہی ہے؟"

"فلائنگ کلب کے کاغذات کے مطابق وہ استنبول جا رہے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے اپنے دوسرے ماتحت سے کہا "فوراً استنبول میں اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرو۔ ان سے کہو کہ جس چارٹرڈ طیارے میں وہ لاش لے جائی جا رہی ہے، اس پر کڑی نظر رکھیں اور اس کی آخری رسومات کے وقت وہاں موجود رہیں تاکہ اس کا چہرہ دیکھا جا سکے ـــ۔"

اعلیٰ بی بی اور بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس کوشش میں مصروف تھا کہ سجاد کو لے جانے والے کامیاب نہ ہو سکیں لیکن دو گھنٹے کے بعد اطلاع ملی کہ وہ چارٹرڈ طیارہ استنبول سے آگے نکل گیا ہے۔ وہاں کے کنٹرول ٹاور کو چارٹرڈ طیارے کے پائلٹ نے اطلاع دی تھی کہ طیارہ اب تل ابیب میں اترے گا۔ اس سے پہلے اسے اترنے پر مجبور کیا گیا یا تعاقب کیا گیا تو طیارے کو تباہ کر دیا جائے گا۔ ایسی صورت میں فرہاد علی تیمور کی موت کی ذمے داری ان پر نہیں ہو گی۔

میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا "تم نے اپنے طور پر تمام کوششیں کر ڈالیں۔ اب تم وقت ضائع کرو گی۔ ... اپنے ... کے سامنے صرف پریشانیاں ظاہر کرتی رہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ تل ابیب پہنچنے کے بعد سجاد کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے سجاد کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا رہا۔ تین گھنٹے بعد میں نے اس کی آنکھیں کھلی دیکھیں وہ اپنے سامنے کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ اس کی سوچ سے پتا چلا۔ وہ ایک ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک بڑی سی ٹرالی رکھی ہوئی ہے۔ جس پر سرجری کے آلات نظر آ رہے ہیں۔ ایک ڈاکٹر، ایک نرس اور دو اسسٹنٹ کبھی کبھی نظر آتے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے آ کر گزر جاتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے مرجانہ کے دماغ کو جس طرح مفلوج بنایا گیا تھا بالکل وہی کیفیت اس وقت سجاد پر طاری تھی ـــــ وہ اپنے سر کو اِدھر اُدھر گھما کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک ٹک سامنے دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ گویا وہ میری سوچ کی لہروں کو نہیں سن رہا تھا۔

بے ہوش رہنے اور سکتے میں رہنے کے درمیان بڑا فرق ہے۔ بے ہوشی کے دوران مریض کا آپریشن کیا جائے تو اسے تکلیف کا ایک ذرا احساس نہیں ہوتا لیکن سکتے کے عالم میں احساس ہوتا ہے۔ میں نے سجاد کے دماغ میں رہ کر محسوس کیا کہ اس کے بائیں رخسار اور کان کے درمیان ہلکی سی جلن محسوس ہو رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہی میں نے اس کی نگاہوں سے دیکھا، سامنے ہی ٹرالی پر ایک چھوٹی سی ٹرے لا کر رکھی گئی تھی۔ اس میں چاقو اور قینچی کے ساتھ انسانی گوشت کا ننھا سا ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔

... گی میرے دماغ نے چیخ کر کہا۔ سجاد کے چہرے کے بائیں حصے کی جلد تھوڑی سی کاٹی گئی ہے۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور ڈاکٹر شیفرڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ میرے مخاطب کرتے ہی اس نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

میں نے کہا "ابھی سجاد کے چہرے کے بائیں حصے سے تھوڑا سا گوشت کاٹا گیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی جلد کا طبی معائنہ کرایا جائے گا؟"

"تمھارا اندازہ درست ہے۔ وہ یقیناً اپنے اطمینان کے لیے سجاد کے چہرے کی جلد کا طبی معائنہ کریں گے۔"

"اب کیا ہو گا ڈاکٹر! کیا بھید کھل جائے گا؟"

"ہرگز نہیں۔ اگر میں بین الاقوامی شہرت کا حامل ہوں تو اس کے پیچھے میری غیر معمولی صلاحیتوں کا ہاتھ ہے۔ میں نے تمھارے تمام حالات کو پیشِ نظر رکھ کر سجاد کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کی ہے۔ تمھیں یاد ہے، تم چاہتے تھے کہ میں ایک ہفتے میں اس کی پلاسٹک سرجری کروں لیکن میں نے تم سے زیادہ سے زیادہ وقت طلب کیا تھا۔ میں نے اس کی سرجری کے لیے انسانی جلد کے ریشے حاصل کیے تھے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "آپ نے انسانی جلد کے ریشے کیسے حاصل کیے؟"

"اتنا تو تم جانتے ہو کہ میڈیکل کے طلبہ مُردہ جسموں کا ڈائی سیکشن کرتے ہیں۔ میں نے ایسے ہی وقت ڈائی سیکشن کیے ہوئے انسان کی تھوڑی سی جلد حاصل کی۔ پھر اس جلد کو مختلف طبی مرحلوں سے گزار کر سجاد کے چہرے پر استعمال کیا۔ تم اطمینان رکھو، جب وہ بھرپور معائنہ کر لیں گے تو اس معائنے کی رپورٹ یہی ہو گی کہ پلاسٹک سرجری نہیں ہے بلکہ انسانی جلد ہے اور وہ فرہاد علی تیمور کی ہے۔"

میں مطمئن ہو کر پھر سجاد کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس بار میں نے اس کے ذریعے رسونتی کو دیکھا، وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک بستر پر چاروں شانے چت لیٹا ہوا تھا۔ اس میں ذرا بھی حرکت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ اس کمرے میں رسونتی کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ وہ تنہائی میں اچھی طرح فرہاد کی شناخت کرے اور وہ دشمنوں کو دوست سمجھ کر اُن کی مدد کر رہی تھی۔

اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد اس نے حقارت سے سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا "فرہاد! تمھیں اپنی صلاحیتوں پر کتنا غرور تھا۔ تم عورت کو اپنے سے کمتر اور ذلیل سمجھتے رہے۔ آج تم ایک ذلیل اور حقیر کیڑے کی طرح میرے سامنے پڑے ہوئے ہو۔ میں چاہوں تو اپنے ہاتھوں سے تمھارا گلا دبا کر مار سکتی ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔ تمھیں زندہ رکھا جائے گا اور تم میرے غلام بن کر رہو گے۔"

اس کمرے میں کہیں اسپیکر لگا ہوا تھا۔ وہاں سے آواز آنے لگی "مادام! ہم نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ آپ کی نفرت نے ہی یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ فرہاد ہے۔ آپ کمرے سے باہر آ جائیں ـــ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد کچھ لوگ اندر آ گئے۔ ان میں ڈاکٹر اور نرسیں بھی تھیں۔ جس کی آواز اسپیکر سے آ رہی تھی۔ اس نے کہا "ڈاکٹر! اسے ذرا نارمل ہونے کا انجکشن لگائیں۔ اب ہمارے درمیان دو دو باتیں ہوں گی۔"

اسے انجکشن لگایا جانے لگا۔ میں انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سجاد کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر محسوس کر رہا تھا کہ اسے توانائی حاصل ہو رہی ہے اور بے حسی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اپنے چہرے کے بائیں حصے میں ہلکی ہلکی سی جلن محسوس کر رہا تھا۔ میں نے چپکے سے مخاطب کیا "سجاد! میں تمھارے پاس موجود ہوں۔ تم بڑی آزمائشوں سے گزرنے والے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے اس حال کو پہنچ رہے ہو۔"

اس نے سوچ کے ذریعے جواب دیا "جب میں نے آپ کو بھائی جان کہا ہے تو آپ کے لیے جان کیا چیز ہے؟ آپ اطمینان رکھیں کیسے ہی سخت مرحلے آئیں، میرے قدم نہ تو ڈگمگائیں گے اور نہ ہی میرے ارادوں میں تبدیلی پیدا ہو گی۔"

اس وقت تک کمرے میں چند مسلح افراد آ گئے تھے۔ اسپیکر سے آواز سنانے والے نے کہا "فرہاد! مجھے آرمر کہتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم نارمل ہو رہے ہو تمھیں اپنی آواز سنا رہا ہوں اور یہاں صرف میں ہی اپنی آواز سناتا رہوں گا اور تم سے ضروری باتیں کرتا رہوں گا۔ اس وقت تم اپنے بل پر اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو۔ لہٰذا بیٹھ جاؤ۔"

سجاد اسے نفرت اور بے بسی سے یوں دیکھنے لگا جیسے واقعی فرہاد کو بے بس کر دیا گیا ہو اور اسے حکم دیا جا رہا ہو جبکہ حکم سننا فرہاد کے مزاج کے خلاف تھا۔ آرمر نے ہنستے ہوئے کہا "رسّی جل جاتی ہے مگر بل نہیں جاتے۔ تم اس طرح نہیں مانو گے۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا انھوں نے سجاد کو دونوں طرف سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے بٹھا دیا۔ آرمر نے کہا "اگر تم ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو تمھارے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ تم وہ فرہاد نہیں رہے جس سے دوست مرعوب ہو جاتے تھے اور دشمن دہشت زدہ رہتے تھے۔ لہٰذا تمھاری نہ تو وہ شان رہی اور نہ ہی تم شاندار سلوک کے مستحق رہے بہتر ہے، اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ یہاں سے چلو۔ نہیں چلو گے تو ہم دھکے دے کر تمھیں لے جائیں گے۔"

وہ آہستہ آہستہ بستر سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ان کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا۔ آرمر نے کہا۔ ”ہوسکتا ہے تھوڑی دیر بعد تمھارا دماغ بھی اس قدر کام کرنے لگے کہ تمھاری ٹیلی پیتھی کی... صلاحیتیں واپس آجائیں لیکن یاد رکھنا، یہاں زیادہ سے زیادہ تم مجھے اپنا شکار بنا سکتے ہو۔ ایسے وقت یہ مسلح افراد تمھیں چھوٹ نہیں دیں گے۔ تم ہمارے قابو میں نہیں آؤ گے تو تمھارے دماغ کو زنگ لگا دینے والا انجکشن لگایا جائے گا۔ اگر انجکشن لگانے کا موقع نہیں دو گے تو گولی مار دی جائے گی۔“

وہ چپ چاپ ان کے درمیان چلنے لگا۔ جب وہ ایک کوریڈور سے گزر کر کسی لفٹ کے سامنے پہنچا تو وہاں ایک بورڈ کو پڑھتے ہی میں سمجھ گیا، یہ وہی عمارت تھی۔ پہلی بار سونیا کو تل ابیب میں وہاں لایا گیا تھا اور اس کے ایک آڈیٹوریم میں دو بدن سے مقابلہ کرایا گیا تھا۔ سجاد بھی اس لفٹ کے ذریعے اس آڈیٹوریم میں پہنچ گیا۔

اسٹیج کے سامنے یہودی بڑی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسٹیج کے ایک طرف ایک آہنی پنجرہ بنایا گیا تھا۔ ان لوگوں نے سجاد کو اس پنجرے میں بند کر دیا۔ آرمر نے آڈیٹوریم کے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”معزز حاضرین! یہ فرہاد علی تیمور ہے۔ آج ایک جانور کی طرح ہمارے سامنے پنجرے میں بند ہے۔ آپ لوگوں کے ذہن میں بات کھٹک رہی ہوگی کہ کہیں یہ فرہاد کی ڈمی نہ ہو لیکن ہم نے اس کے چہرے کی جلد کا طبی معائنہ کرایا۔ اس کے بعد مادام رسونتی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر چھو کر اطمینان کر لیا۔ ڈاکٹروں کی طبی رپورٹ اور مادام رسونتی کا بیان یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہی فرہاد علی تیمور ہے۔ لیکن ہم اب بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ ہمارے پاس اسے فرہاد علی تیمور ثابت کرنے کا ایک آخری مہرہ ہے۔ ابھی ہم اس مہرے کو سامنے لاتے ہیں۔ اگر یہ فرہاد نہیں ہوگا تو اصلی فرہاد جہاں کہیں بھی چھپا ہوگا، خود ہمارے سامنے حاضر ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک ٹرالی کو اسٹیج پر لایا گیا۔ یوں لگتا تھا، اس ٹرالی پر کوئی بیٹھا ہوا ہے لیکن نظر نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ اس پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ جب اسے آہنی پنجرے کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا تو آرمر نے کہا۔ ”فرہاد! اب جگر تھام لو۔ تمھارے بے نقاب ہونے کی باری آگئی ہے۔“

اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی ٹرالی لانے والوں نے اس کپڑے کو ایک جھٹکے سے ہٹا کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر جیسے رخِ جاناں سے نقاب الٹ گیا ہو۔ ٹرالی پر سونیا بیٹھی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اسے سجاد کے ذریعے دیکھتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اِدھر سجاد نے بڑی کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ اسے دیکھتے ہی دوڑتا ہوا سلاخوں کے پاس آیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سلاخوں کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے چیخ چیخ کر اسے آوازیں دینے لگا۔ ”سونیا! کیا تم سونیا ہو؟ مگر تم یہاں کیسے آگئیں؟ تم تو باباصاحب کے ادارے میں میرے پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ میری طرف دیکھو سونیا! میں تمھیں آواز دے رہا ہوں۔ میں یہاں کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے دیکھو، میری بات کا جواب دو۔“

وہ سجاد کی آواز نہیں سن رہی تھی۔ جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ اِدھر میرا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ آرمر نے کہا۔ ”فرہاد! یہ تمھاری اصلی سونیا ہے۔ ہم نے اس کا برین واش کیا ہے۔ یہ تمھیں تو کیا اپنے آپ کو بھی بھول گئی ہے۔ اس وقت ہپناٹزم کے زیرِ اثر ہے۔ جب تک اس پر اثر رہے گا، یہ نہ تو کسی کی بات سنے گی نہ کسی کی بات کا جواب دے سکے گی۔ مگر ہاں تم جواب دے سکتے ہو۔ جواب دو۔ کیا تم فرہاد ہو؟“

سجاد نے پھر آہنی سلاخوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”ہاں میں فرہاد ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک فرہاد تم لوگوں کے سامنے کھڑا ہے۔“

اس نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں نہیں۔ تم ایسا فریب بار ہا دے چکے ہو۔ تمھیں سر سے پاؤں تک فرہاد سمجھا گیا لیکن سال، دو سال بعد انکشاف ہوا کہ تم کہیں اور زندگی گزار رہے ہو اور جسے ہم فرہاد سمجھ رہے تھے، وہ محض ایک فریب تھا۔“

سجاد نے چیخ کر پوچھا۔ ”تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں اپنے آپ کو فرہاد کس طرح ثابت کروں؟“

ہم دیکھنا چاہتے ہیں، تمھارے پیچھے اصل فرہاد چھپا ہوا ہے یا نہیں۔ اگر چھپا ہوا ہے تو ہم اسے یہاں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ بذاتِ خود یہاں آئے یا خیال خوانی کے ذریعے اقرار کرے کہ فرہاد ہماری قید میں نہیں ہے بلکہ کہیں دوسری جگہ موجود ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک مقررہ وقت کے اندر ہمارے سامنے پیش کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو ابھی ہم پانچ منٹ کے اندر سونیا کے دائیں بازو کو اس کے تن سے جدا کر دیں گے۔“

سجاد نے چیخ کر کہا۔ ”یہ ظلم ہے۔ تم سونیا کے بازو کو نہیں کاٹ سکتے۔ اگر کاٹنا ہے تو مجھے اس پنجرے سے نکالو یا پھر مجھے دماغی توانائی حاصل کرنے دو۔ میں دیکھوں گا کہ میرے سامنے میری سونیا پر کون ظلم کرتا ہے۔“

اس کے چیخنے، چلانے کے دوران ایک تلوار باز اسٹیج پر پہنچ گیا۔ وہ موسیقی کی دھن پر تلوار بازی کی نمائش کرنے لگا۔ پینترے بدل بدل کر تلوار کو اِدھر سے اُدھر یوں فضا میں گھمانے لگا جیسے ان دیکھے دشمن سے مقابلہ کر رہا ہو۔ آرمر نے سونیا کے قریب پہنچ کر اس کے دائیں ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر اس ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ”مادام! آپ کا یہ ہاتھ بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس ہاتھ نے پتا نہیں کتنے دشمنوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس ہاتھ کی قوت سے سب ہی لرزتے ہیں۔ آج یہ قوت اس ہاتھ کے ساتھ تمھارے جسم سے الگ ہو جائے گی۔“

آرمر کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہی ہونے والا ہے۔ میں اس طرح بے چین ہو گیا تھا کہ ایک جگہ نہ تو بیٹھا جا رہا تھا نہ کھڑا ہی رہ سکتا تھا۔ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا مگر سکون نہیں مل رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں سونیا کے لیے کیا کروں؟ اگر میں سجاد کے ڈمی ہونے کا اعتراف کر لیتا تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ سونیا ان کی قید میں پہلے سے تھی اب سجاد بھی ان کا قیدی بن جاتا۔ پھر وہ مجھے سونیا کو اذیتیں پہنچا کر قتل کرنے کی دھمکیاں دے کر اپنے سامنے پیش ہونے پر مجبور کر دیتے۔ میری شکست ہر حال میں تھی۔ اعتراف کرنے میں بھی اور اعتراف نہ کرنے میں بھی۔ بس اتنا فرق تھا کہ اعتراف نہ کرنے پر سونیا کی جان جاتی اور اعتراف کرنے پر سونیا کی جان بچانے کے لیے مجھے اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنا پڑتا۔ میرے جھکنے اور شکست تسلیم کرنے کا مطلب یہی ہوتا کہ میرے ساتھ میرے تمام ساتھی بھی ایک ایک کر کے ان کی قید میں چلے جاتے اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ بارس کو بھی وہ حاصل کر لیتے۔

اس لمحے میں نے فیصلہ کر لیا کہ سونیا میری جان سے زیادہ عزیز ہے کوئی بات نہیں، ایک کی جان جائے مگر دوسرے تمام محفوظ رہیں۔ یہ میری خود غرضی ہو یا میری سنگدلی۔ میں نے سونیا کو داؤ پر لگانے کا تہیہ کر لیا۔

اِدھر آرمر نے آخری دھمکی دی۔ سونیا کے دائیں ہاتھ کو سیدھا کیا۔ پھر تلوار باز کی طرف دیکھا۔ وہ تلوار بازی کا مظاہرہ کرتا ہوا سونیا کے پیچھے گیا۔ پھر اس نے ایک آدھ پینترا بدلنے کے بعد تلوار کا ایک ہاتھ اس کے بازو پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی سجاد کی چیخ نکل گئی۔ وہ اب دیوانہ وار اپنا سر آہنی سلاخوں سے ٹکرا رہا تھا اور دشمنوں کو چیلنج کر رہا تھا کہ اسے پنجرے سے باہر نکالیں پھر اس کے قہر و غضب کو دیکھیں۔ سونیا کا دایاں بازو اس کے جسم سے الگ ہو چکا تھا۔ اور کٹے ہوئے حصے سے لہو بہہ رہا تھا۔ وہ جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی۔ بازو جسم سے الگ ہو جائے اور کوئی اُف تک نہ کرے۔ یہ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن ہپناٹزم کا عمل بھی ایسا ہوتا ہے۔ اپنے معمول کو تنویم کے زیرِ اثر لا کر اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر الگ کر دیا جائے تو جب تک وہ متاثر رہتا ہے، اسے تکلیف کا ایک ذرا احساس نہیں ہوتا۔

سجاد پنجرے کی ایک ایک سلاخ کو جھٹکے دے دے کر دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں سے کوئی سلاخ الگ ہو سکتی ہے؟ کہیں سے اسے نکلنے کا راستہ مل سکتا ہے؟ وہ سونیا تک پہنچنے کے لیے واقعی سنجیدگی سے کوشش کر رہا تھا۔ وہ خود برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ سونیا کا ایک ہاتھ کاٹ دینے کے بعد اس پر مزید کوئی ظلم ہو مگر آرمر ظلم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اسٹیج کے سامنے تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ”کیا اب بھی شبہ کی کوئی گنجائش رہ گئی ہے؟ اگر فرہاد اس کے سوا کہیں دوسری جگہ ہوتا تو سونیا کا بازو کٹنے سے پہلے اس کے بچاؤ کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزماتا۔“

حاضرین میں سے کچھ لوگ چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ ”اب ہمیں شبہ نہیں ہے۔ یہی فرہاد علی تیمور ہمارے سامنے ایک جانور کی طرح پنجرے میں بند ہے۔ اب اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کیا جائے۔“

آرمر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر حاضرین کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”فرہاد علی تیمور کی شخصیت کوئی معمولی نہیں ہے۔ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کیا جائے گا۔ پہلے ایک تماشا اور دکھانا چاہتا ہوں۔ اس مغرور شخص نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے سونیا کو رہا نہ کیا اور اسے بخیریت پیرس تک نہ پہنچایا تو یہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمارے سربراہوں کے دماغوں میں پہنچ جائے گا۔ یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ جب تک یہ ٹیلی پیتھی کا شیطان بے لگام رہتا تب تک محض ہمارے سربراہ ہی نہیں بلکہ ہمارے تمام معزز دوستوں کی ...... زندگی خطرے میں رہتی۔ ہم نے اتنے بڑے چیلنج کو قبول کیا۔ بظاہر سونیا کو آزاد کر دیا لیکن اس کے لیے ایسا جال بچھایا کہ یہ خود کو بے نقاب کر کے پیرس پہنچنے پر مجبور ہو گیا۔“

آرمر اسٹیج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنے کے انداز میں چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”معزز حاضرین! یہاں بڑے معزز یہودی اور ہمارے دوست تشریف رکھتے ہیں اور یہ یقین کرنے آئے ہیں کہ سچ مچ فرہاد علی تیمور ہمارے دام میں آچکا ہے۔ اب شبہے کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے ہم ایک بہت بڑا انکشاف کرنا چاہتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ ذرا خاموش ہوا۔ حاضرین کی طرف فاتحانہ انداز میں مسکرا کر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ ”معزز حاضرین! اس دنیا کے دو بہت بڑے آپ کے درمیان موجود ہیں اور وہ دو بڑے ہیں سپر ماسٹر اور ماسک مین۔“

حاضرین میں بے چینی پھیل گئی۔ سب اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ آرمر نے کہا۔ ”وہ اوپر بالکونی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پوری طرح مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ فرہاد علی تیمور ان کے سامنے ایک بے بس

قیدی کی طرح موجود ہے یا نہیں۔"

آرمر کی زبان سے یہ سنتے ہی میں غصے سے لرزنے لگا۔ ہونٹوں کو بھینچ کر اپنے غصے کو برداشت کرنے لگا۔ وہ دونوں کمبخت میرے بہترین اور جاں نثار دوست بنے رہنے کا دعویٰ کرتے رہتے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے سونیا کے بازو کو کاٹا گیا تھا اور وہ تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ میں نے کئی بار ایسے دوستوں کا صحیح تجزیہ کیا۔ یہ کسی کے نہیں ہوتے۔ محض اپنی برتری قائم رکھنے اور اپنے آپ کو سپر پاور منوانے کے لیے کبھی ہمارے دوست بنتے ہیں اور کبھی ہمارے دشمنوں کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔

اس وقت اسٹیج کے اندرونی حصے سے ایک شخص آکر آرمر کے ہاتھ میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دے رہا تھا۔ آرمر اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ میں احتیاطاً آرمر کے دماغ میں اپنی سوچ کی لہروں کو نہیں پہنچا رہا تھا۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ وہ یوگا کا ماہر نہ ہو۔ اس کے سامنے ایک فرہاد پنجرے کے اندر دماغی طور پر کمزور ہو چکا تھا۔ ایسے میں میں خیال خوانی کرتا تو میرا بھید کھل جاتا۔

اس نے اس کاغذ کو پڑھنے کے بعد خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا "معزز سپر ماسٹر اور معزز ماسک مین! آج آپ لوگ ہم یہودیوں کی ذہانت کے قائل ہو جائیں گے۔ آپ کے سامنے ایک اور انکشاف ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ ہم آپ کو دوست بنائے رکھنے کے لیے اس وقت تک سونیا اور فرہاد کی موت کا فیصلہ نہیں سنا سکتے، جب تک آپ ہماری شرائط سے متفق نہیں ہوں گے۔ اسی لیے ہم نے ابھی تک سونیا کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔"

حاضرین میں سے کسی نے اٹھ کر کہا "نقصان تو پہنچ گیا ہے اس کا ایک بازو ضائع ہو چکا ہے۔"

آرمر نے ہاتھ اٹھا کر کہا "نہیں ابھی مجھے اپنے ایک اعلیٰ عہدے دار کی طرف سے یہ تحریر موصول ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ پہلے ہم سونیا کی ڈمی بنا کر فرہاد علی تیمور کے پاس بھیجنا چاہتے تھے اور اصل سونیا کو اپنے پاس رکھ کر اس کا برین واش کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے ایک نئی سونیا بنانے کے لیے جتنی لڑکیوں کا انتخاب کیا، ان میں سے کوئی بھی کامیاب ڈمی نہ بن سکی۔ ایک نے بڑی حد تک اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا لیکن ہمیں شبہ تھا، یہ فرہاد کے سامنے پہنچے گی تو وہ کسی نہ کسی طرح اس کی اصلیت معلوم کر لے گا۔"

آرمر نے اس تحریر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا "معزز حاضرین! پھر ہم نے ایک الٹی چال چلی۔ اصل سونیا کے دماغ کو کچھ ہپناٹزم کے ذریعے اور کچھ دواؤں کے ذریعے کمزور بنا دیا۔ اس حد تک اس کے دماغ کو کام کرنے کے قابل رکھا کہ وہ عام حالات میں نارمل رہتی تھی لیکن کبھی کبھی کوئی بات بھول جاتی تھی۔ اس طریقۂ کار نے فرہاد کو شبہ میں مبتلا کیا کہ اس کے سامنے شاید کوئی ڈمی بھیجی گئی ہے اور اصل سونیا کو ہم نے قید کر کے رکھا ہے اور اس کی ایسی برین واشنگ کی ہے کہ فرہاد اس کے دماغ میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا "حاضرین! اب آپ سمجھ گئے ہوں گے، فرہاد کے پاس جو سونیا بھیجی گئی، دراصل وہ ڈمی نہیں تھی وہی اس کی اصل سونیا تھی اور یہاں آپ کے سامنے سونیا کی ڈمی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس وقت یہ سکتے کے عالم میں ہے اور اپنی سزا پا رہی ہے۔ اس کا جرم یہ ہے کہ جب ہم اسے سونیا بننے کی ریہرسل کرا رہے تھے اور سونیا کی فلمیں دکھا رہے تھے، اس کی نشست و برخاست کے متعلق معلومات فراہم کر رہے تھے تو یہ سچ مچ فرہاد سے متاثر ہونے لگی یہ اس کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ ایک دن ربی اسفند یار نے ہپناٹزم کے ذریعے اس کے چور خیالات پڑھ لیے۔ آج یہ سزا کے طور پر اپنے ایک بازو سے محروم ہو چکی ہے۔ اس طرح ہم نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔ اسے سزا بھی دی اور اس کے ذریعے ہم نے یہ بھی آزما لیا کہ فرہاد علی تیمور واقعی ہمارے سامنے موجود ہے یا نہیں، اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوتا تو سونیا کے بازو کے کٹنے کا تماشا نہ دیکھتا اس سے پہلے ہی خیال خوانی کے ذریعے اپنی شکست کا اعتراف کر لیتا اور خود کو ہمارے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا۔"

اسٹیج کے اندرونی حصے سے پھر اسی شخص نے آکر کاغذ کا ایک اور ٹکڑا آرمر کے ہاتھ میں تھما دیا۔ آرمر نے اسے لے کر پڑھا۔ پھر اعلان کرنے کے انداز میں سر اٹھا کر کہنے لگا "اب آپ کے سامنے اسٹیج پر تشریف لا رہے ہیں، کاہالِ تنظیم کے سربراہ مسٹر جیسن ہارورڈ۔"

تمام حاضرین خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ اسٹیج کے دائیں طرف سے ایک ادھیڑ عمر کا شخص آ رہا تھا۔ مسکرا رہا تھا اور دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر حاضرین کی تالیوں کا جواب دے رہا تھا۔ جب تالیوں کا شور تھم گیا تو کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ نے کہا "معزز حاضرین! اب دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے لیے سب سے بڑا اور سب سے ہیبت ناک ٹیلی پیتھی کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ اس وقت فرہاد علی تیمور ہمارے سامنے بے بس ہے اور اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ لہٰذا میں آپ لوگوں کے سامنے سپر ماسٹر اور ریڈ پاور کے ماسک مین کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

پھر زوردار تالیاں بجنے لگیں۔ چند منٹ کے بعد ہی اسٹیج کے دائیں اور بائیں طرف سے دو ادھیڑ عمر کے شخص داخل ہوئے پہلے انھوں نے حاضرین کی طرف رُخ کر کے ان کی تالیوں کا جواب ہاتھ اٹھا کر، مسکراتے ہوئے دیا پھر پنجرے کی طرف پلٹ گئے۔ سپر ماسٹر نے قریب آکر سجاد علی تیمور کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر فرہاد! مجھے افسوس ہے کہ آپ یہاں بے بس اور مجبور نظر آ رہے ہیں میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ اس بات کے خود گواہ ہیں جب بھی آپ کے کام آنے کا موقع ملا، میں آپ کے کام آتا رہا لیکن ہماری ایک پالیسی ہے۔ جب تک کوئی ہمارے کام آتا ہے یا ہمیں کسی سے خطرہ رہے۔ ہم اسے ہر ممکن طریقے سے اپنا دوست بنا کر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ افسوس اب آپ کے اندر ایسی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی جو ہمارے لیے خطرناک ہو اور ہمیں دہشت میں مبتلا رکھے۔"

ماسک مین نے پنجرے کے قریب آکر کہا "مسٹر فرہاد علی تیمور! آج میں آپ کو اپنی آواز سنا رہا ہوں۔ اس اعتماد کے ساتھ کہ آپ کبھی کسی کے دماغ میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ بائی دی وے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں، ہم نے قدم قدم پہ آپ کا ساتھ دیا۔ آپ کے راز کو اپنا راز سمجھ کر دشمنوں پر ظاہر نہیں کیا۔ کبھی دشمنوں سے خطرہ پیش آیا تو ہم نے آپ کے لیے حفاظتی انتظامات بھی کیے لیکن یہ سب کچھ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے جب تک کوئی ہمارے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی راہ چلتے آدمی کے لیے حفاظتی انتظامات کریں۔ اس کی آؤ بھگت کریں۔ اس کی خوشامدیں کریں اور اپنا وقت ضائع کرتے رہیں۔ آج آپ فٹ پاتھ کے ایک تیسرے درجے کے آدمی ہیں جس کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔"

میں سجاد کے ذریعے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ ... رہا تھا۔ عبرت حاصل کر رہا تھا۔ دنیا میں کیسے کیسے طوطا چشم لوگ رہتے ہیں۔ اگر میں صبر سے کام نہ لیتا اور سونیا کا بازو کٹنے سے پہلے ہی خود کو ظاہر کر دیتا۔ شکست تسلیم کر لیتا تو آج میری جیت نہ ہوتی۔ یعنی صبر کا پھل مجھے یہ مل رہا تھا کہ میں نے کاہال تنظیم کے سربراہ، سپر ماسٹر اور ریڈ پاور کے ماسک مین کی آوازیں سن لی تھیں۔ ان کے اصلی چہرے دیکھ لیے تھے۔ ان کی پالیسیاں اچھی طرح سمجھ لی تھیں۔ مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ جس سونیا کو ڈمی سمجھ رہا تھا وہ میری اپنی تھی اور بابا صاحب کے ادارے میں بخیریت تھی۔

صرف ایک سجاد علی تیمور خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ دشمن اس سے بدترین سلوک کرنے والے تھے اور میں اس کی قوتِ ارادی اور قوتِ برداشت کو آزمانے والا تھا۔ اتنا یقین تھا کہ دشمن اسے فرہاد علی تیمور سمجھ کر قتل نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس دنیا کی بساط کے سب سے بڑے مہرے میری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں آ چکے تھے۔

میں نے سجاد سے کہا "تم نے اب تک بڑی کامیابی سے میرا رول ادا کیا ہے۔ آئندہ تم بڑی سخت آزمائشوں سے گزرنے والے ہو۔"

"بھائی جان! آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ سونیا جان آپ کے پاس پہنچ گئی ہیں اور آپ ہر طرح سے جیت رہے ہیں اور جو لوگ آپ سے دوستی کا دم بھرتے تھے آج آپ کے سامنے بے نقاب ہو گئے ہیں۔ میں آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔"

"کیسا وعدہ؟"

"آپ وعدہ کریں میں جو کہوں گا۔ آپ میری وہ خواہش پوری کریں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ سیدھی طرح کہو۔ ورنہ میں تمھارے خیالات پڑھ لوں گا۔"

"آپ ایسا نہ کریں بس وعدہ کر لیں۔"

"اچھا وعدہ رہا۔ بولو، کیا چاہتے ہو؟"

"آپ میرا خیال چھوڑ دیں۔ صرف میرے دماغ میں رہ کر یہ دیکھتے رہیں کہ میں کہاں تک ان ظالموں کو برداشت کر سکتا ہوں۔ کسی بھی مرحلے پر جب آپ خود کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں تو پہلے مجھے بتا دیں۔ میں آپ کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا اگر آپ نے ایسا کیا تو میں خودکشی کر لوں گا۔"

میں نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا تمھارا دماغ چل گیا ہے؟"

"ابھی تو نہیں۔ لیکن آپ کی جیت ہار میں بدلنے لگے گی تو میرا دماغ چل جائے گا۔ میں آپ کی اتنی بڑی کامیابی کو ناکامی میں بدلتے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ آپ کے لیے سنہری موقع ہے۔ آپ بالکل روپوش ہو جائیں۔ خیال خوانی ترک کر دیں۔ بس ایسے ہی موقع پر ٹیلی پیتھی استعمال کریں جہاں اس کی بے حد ضرورت ہو اور اس کا علم دشمنوں کو نہ ہو سکے۔ اگر آپ میری یہ باتیں نہیں مانیں گے تو یہ سجاد علی تیمور کی زبان ہے اور میں زبان کا دھنی ہوں جہاں آپ کی ناکامی ... پیدا ہوں گے، وہاں میں اپنی جان دے دوں گا اور آپ بے نقاب ہونے کے متعلق سوچتے ہی رہ جائیں گے۔"

سجاد علی تیمور کی ان باتوں نے مجھے الجھا دیا تھا۔ میں سوچنے لگا، اسے کس طرح قابو میں رکھوں۔ اس کے دماغ کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے دن رات قابو میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ جب بھی میں اس سے غافل ہوتا وہ اپنی دھمکی پر عمل کر لیتا اور دھمکی بھی کتنی دوستانہ تھی۔ وہ اتنا وفادار ثابت ہو گا، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور اب یہ سوچنا میرا فرض تھا کہ میں اسے خودکشی کے خیال سے کس طرح باز رکھوں اور ... کی خواہش کے مطابق اپنی جیت کو کس طرح برقرار رکھوں

میں وعدہ کرتا ... میرے ... لی! میرے جاں نثار دوست ... ہوں کسی بھی مرحلہ پر دشمنوں کے سامنے ... میں کروں گا اور خدا کی قسم تجھے بھی دشمنوں کے ہاتھوں مرنے نہیں دوں گا۔

سجّادعلی تیمور

جن حالات سے گزر رہا تھا، وہ بڑے آزمائشی اور بڑے تکلیف دہ تھے۔ آئندہ دشمن اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے یہ میں نہیں جانتا تھا حالانکہ جان سکتا تھا۔ کاہال تنظیم کا سربراہ جیسن ہاروڈ، سپر ماسٹر اور ریڈ پادری کا ماسک مین سبھی میری مٹھی میں آچکے تھے، لیکن میں بہت سوچنے اور سمجھنے کے بعد ان کے دماغوں میں جھانکنا چاہتا تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی یوگا کا ماہر ہوتا تو فوراً ہی سانس روک لیتا۔ میری سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا پھر یہ راز فاش ہو جاتا کہ سجاد علی تیمور، فرہاد نہیں ہے۔ اصلی فرہاد کہیں چھپا ہوا ہے۔

سجاد یہی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے قسموں اور وعدوں کا پابند بنا رہا تھا تاکہ میں کسی بھی صورت میں خود کو ظاہر نہ کروں۔ دشمنوں کو خوش فہمی میں مبتلا رکھوں اور نہایت سکون اور اطمینان سے زندگی گزاروں اور میرا جاں نثار سجاد بڑی محبت سے بڑی ہی لرزہ خیز دھمکی دے چکا تھا کہ میں خود کو ظاہر کروں گا تو اس سے پہلے ہی وہ خودکشی کر لے گا۔ اپنی جان پر کھیل جائے گا اور مجھے خود کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں دے گا۔

میں اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ جب تک وہ دشمنوں کی قید میں رہتا اور جب تک اس کے متعلق دشمنوں کا کوئی حتمی فیصلہ معلوم نہ ہوتا میں اپنی جگہ اطمینان اور سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ لوگ اسے اسٹیج سے دوسری جگہ لے گئے تھے۔ اب وہ ایک وسیع و عریض کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا میں اس کے دماغ سے جا چکا ہوں۔ اس نے چپ چاپ سوچ کے ذریعے مجھے مخاطب کیا "بھائی جان! آپ موجود ہیں؟"

میں خاموش رہا۔ اس نے پھر آواز دی۔ میں اس کے چور خیالات کو سمجھ رہا تھا لیکن وضاحت سے سمجھنا چاہتا تھا اس لیے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ کہیں اپنی جگہ مصروف ہوں تو اس نے کھل کر سوچنا شروع کیا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "میں نے بھائی جان کا ریکارڈ بڑی توجہ سے پڑھا ہے۔ ان کی ایک ایک عادت اور ان کی تمام حرکات و سکنات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کیا ہے۔ وہ اوپر سے پتھر اور اندر سے موم ہیں۔ اپنے چاہنے والوں کے لیے فوراً پگھل جاتے ہیں۔ انھیں دشمنوں کی قید میں برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں مجھے کسی نے بھی اذیتیں پہنچائیں تو وہ خود کو ظاہر کر دیں گے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ ابھی بھائی جان میرے دماغ میں ... میں اس وقت خودکشی کر سکتا ہوں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چاروں طرف گھوم کر اس کمرے کو دیکھنے لگا۔ ایک ایک چیز کے قریب پہنچ کر اس کو الٹنے پلٹنے لگا۔ وہ ایسی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا جس سے خودکشی کر سکے۔

اچانک اس کمرے میں آرمر کی آواز گونجنے لگی۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "فرہاد! قیدی فرار ہونے کے لیے کھڑکیوں اور دروازوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں لیکن تم تو چیزوں کو الٹ پلٹ رہے ہو۔ آخر کس چیز کی تلاش ہے؟ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ اس بند کمرے میں تم خودکشی کر سکتے ہو لیکن یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔"

وہ جواباً کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کا منہ بند کر دیا۔ سوچ کے ذریعے کہا "اس کمرے میں مائک اور اسپیکر نصب کیے گئے ہیں اور ایسے آلات بھی ہیں جن کے ذریعے تمھیں کسی دوسری جگہ ٹی وی اسکرین پر دیکھا جا رہا ہے۔ لہٰذا اپنے چہرے کے تاثرات پر کنٹرول رکھو۔"

اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کمرے کے چاروں طرف سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا "آرمر! میں تمھاری آواز پہچان رہا ہوں اور یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ مجھے کہیں اسکرین پر دیکھا جا رہا ہے۔ بائی دی وے مجھے اس کمرے میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

آواز آئی "تمھیں کہیں تو رکھنا ہی تھا للٰہذا یہاں رکھا گیا ہے۔"

سجّاد نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں۔ یہاں رکھنے کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے۔ ورنہ میں تو قیدی ہوں۔ مجھے کسی معمولی کمرے میں یا سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہیے۔"

"کیا تم سے پہلے سونیا کو اسی شان و شوکت سے ہم نے مہمان بنا کر نہیں رکھا تھا؟"

"تب میری ٹیلی پیتھی کا دبدبہ تھا۔ تم سب مجبور تھے۔ آج تم لوگوں نے مجھے بے دست و پا بنا دیا ہے۔ میرے ذہن کو اس حد تک کمزور کر دیا ہے کہ میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں ایک عام سا قیدی ہوں۔ مجھے اتنے سجے سجائے کمرے میں نہیں رہنا چاہیے۔"

"تم درست سمجھ رہے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم ہپناٹزم کے ذریعے تمھارے دماغ کے اندر چھپے ہوئے خیالات کو سمجھنا چاہتے تھے۔ اس سے اور تصدیق ہو جاتی کہ تم فرہاد ہو یا نہیں۔ بہرحال ہم مطمئن ہیں کہ تم فرہاد ہی ہو۔ اس کے باوجود ہم تمھارے دماغ کے اندر چھپے ہوئے خیالات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں ربی اسفندیار کی خدمات حاصل کرنا چاہیں لیکن اچانک ہی ان پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ وہ اس قابل نہیں تھے کہ تمھارے سامنے آکر تمھارے اندر کی بات باہر نکال سکتے۔"

سجّاد نے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "کیا تمھاری مملکت میں کوئی دوسرا ہپناٹزم کا ماہر نہیں ہے؟"

"ہے۔ ہم نے اس ماہر کو تمھارے حالات بتائے تھے۔ اس نے تمھیں اپنا معمول بنانے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جب تمھارے دماغ کو مفلوج کر دیا ہے تو تم تنویمی انجکشن کے ذریعے ہم نے تمھارے دماغ کو مفلوج کر دیا ہے تو تم تنویمی عمل کے ذریعے اس کے معمول نہیں بن سکو گے بلکہ دماغی کمزوری کا شکار رہو گے۔ جب تمھارا ذہن نارمل ہو گا تب ہی تم پر تنویمی عمل کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا اس شاندار کمرے میں مجھے اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہاں ربی اسفندیار تشریف لانے والے ہیں؟"

"ہاں، وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کے مرتبے اور ان کی بزرگی کا خاص خیال رکھا جائے۔ اگر تم نے کوئی گستاخی کی تو تمھیں ایسی اذیتیں پہنچائی جائیں گی جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

یہ کہہ کر آواز بند ہو گئی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سجاد نے کہا۔ "آہنی سلاخ کو ٹیڑھا کر دیا جائے تو بے شک وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے لیکن وہ آہنی سلاخ ہی رہتی ہے۔ تم لوگوں نے مجھے بے بس و مجبور کر دیا ہے۔ اس کے باوجود میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ اگر تمھارے ربی اسفندیار نے میرے شایانِ شان گفتگو نہیں کی اور مجھے اپنے سے کمتر سمجھا تو جواباً میرا بھی وہی رویہ ہو گا۔"

اس کی باتوں کا جواب نہیں ملا۔ خاموشی چھائی رہی۔ چند لمحوں کے بعد میں نے کہا "سجاد! تم نے دیکھ لیا کہ یہاں تمھارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ تم سمجھتے تھے کہ میں تمھارے دماغ میں موجود نہیں ہوں للٰہذا خودکشی کا جو موقع ہاتھ آ رہا تھا، اسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ مجھے تمھارے اس فیصلے سے کتنا دکھ پہنچ رہا ہے، یہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ میں نے کہا "ربی اسفندیار یہاں آئے گا اور تنویمی عمل کے ذریعے تمھارے دماغ کے اندر چھپے ہوئے خیالات معلوم کرے گا۔ اگر میں نہ رہوں تو تمھارے دماغ سے یہ ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی کہ تم سجاد ہو اور مجھے فرہاد کی حیثیت سے ظاہر ہونے سے روکنا چاہتے ہو اور روکنے کا ایک ہی راستہ تمھاری سمجھ میں آ رہا ہے کہ تم خودکشی کر لو، تاکہ دشمن تمھارے ذریعے مجھے ظاہر ہونے پر مجبور نہ کر سکیں۔"

"بھائی جان! میں یہی چاہتا ہوں۔ آپ کو اپنی سب سے عزیز ہستی کا واسطہ، مجھے مر جانے دیں۔ میری ایک جان جائے گی، لیکن آپ سب محفوظ ہو جائیں گے۔ دشمن آپ لوگوں کی طرف سے ہمیشہ کے لیے غافل ہو جائیں گے۔ آپ نئے سرے سے ایک نئی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ اگر آئندہ تم نے خودکشی کا ارادہ بھی کیا تو یہ تمھاری سب سے بڑی حماقت ہو گی۔ جانتے ہو کیوں؟"

اس نے پوچھا "کیوں؟"

"تم نے میرا ریکارڈ پڑھا مگر ایک بات بھول گئے۔ وہاں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ میں مایوسیوں کی انتہا میں بھی بزدلوں کی طرح خودکشی کے متعلق نہیں سوچتا بلکہ جان کی بازی لگا کر دشمنوں کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم خودکشی کرو گے تو یہ راز فاش ہو جائے گا کہ تم فرہاد نہیں تھے۔ دشمن خواہ میرے ساتھ کتنا ہی خراب سلوک کریں لیکن مجھے بزدل کبھی نہیں سمجھیں گے اور نہ ہی کبھی یقین کریں گے کہ جس نے ایک بزدل کی طرح خودکشی کی ہے، وہ میں ہوں۔"

اس نے کہا "میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ واقعی اگر میں کسی بزدل کی طرح خودکشی کروں تو میری موت آپ کے لیے سود مند نہیں ہو گی۔ میرے بعد بھی آپ کا راز فاش ہو جائے گا۔"

"شاباش، اس انداز میں سوچو گے تو ایسی حماقت نہیں کرو گے۔"

"نہیں۔ بھائی جان! حماقت تو نہیں کروں گا لیکن دشمنوں کو یہ تاثر دوں گا کہ میں ان کی قید سے نکلنے کے لیے جان کی بازی لگا رہا ہوں اور جان کی بازی لگاتے وقت آدمی جان سے بھی تو جا سکتا ہے، تب مجھے کوئی بزدل نہیں سمجھے گا اور نہ ہی آپ کا راز فاش ہو گا۔"

میں اس کی باتیں حیرانی اور پریشانی سے سن رہا تھا پھر میں نے پوچھا "تم اپنی حماقتوں سے باز نہیں آؤ گے؟"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر، ایک شرط پر میں اپنی جان کی بازی نہیں لگاؤں گا اور وہ یہ کہ آپ خدا کو حاضر و ناظر جان کر، محبوب ہستیوں کی قسمیں کھا کر مجھے یہ یقین دلائیں کہ چاہے میری جان جاتی رہے۔ چاہے میں تڑپ تڑپ کر مرتا رہوں اور مرنے کے باوجود مجھے موت نہ ملے اور بار بار مارا جائے۔ بار بار مجھے زندہ رکھا جائے، تب بھی آپ مجبور ہو کر اپنے آپ کو ظاہر نہیں کریں گے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ سمجھ گیا، یہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے گا للٰہذا میں نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر، اپنے چاہنے والوں کی قسمیں کھا کر اسے یقین دلایا کہ خواہ اس کی جان پر کسی طرح کی بھی مصیبتیں نازل ہوں، اسے چاہے جیسی بھی اذیتیں پہنچائی جائیں۔ میں کسی حال میں بھی خود کو ظاہر نہیں کروں گا۔

تھوڑی دیر میں ربی اسفندیار آ گیا۔ اس کے پیچھے چار خادمائیں تھیں۔ وہ چاروں سفید ریشمی لباس میں ملبوس تھیں۔ دو مسلح محافظ تھے۔ ان کے ساتھ آرمر بھی تھا۔ ربی اسفندیار کے قد و قامت اور ظاہری شخصیت سے ایسا رعب اور دبدبہ طاری ہوتا تھا کہ پہلی بار اسے دیکھنے والا بے اختیار احتراماً کھڑا ہو جاتا تھا یا پھر اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا تھا۔

سجّاد پہلی با[ر] اس کا سامنا کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ احساس ... [ا]سل دیکھے گا تو متاثر ہو جائے گا۔ اس نے چند لمحوں کے لیے نظریں جھکا کر سوچا "جو بھائی جان سے متاثر ہو جائے، وہ

اور کسی سے متاثر نہیں ہو سکتا پھر میں تو خود بھائی جان بنا بیٹھا ہوں۔"

یہ سوچتے ہی اس نے میرے انداز میں ذرا سر میڑھا کیا پھر ربی اسفندیار کے پیچھے کھڑی ہوئی دو دوشیزاؤں کو بڑی شوخی سے دیکھنے لگا۔ آرمر نے ڈانٹ کر کہا۔ "ادب ادب۔ فوراً کھڑے ہو جاؤ۔ یہ تمھاری خوش نصیبی ہے کہ عزت مآب ربی اسفندیار تم سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔"

سجاد علی تیمور بڑی آہستگی سے، بڑے اطمینان سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے کہا۔ "ہیلو مسٹر اسفندیار! کیا میں ہاتھ بڑھا کر رسمی طور پر مصافحہ کرتے ہوئے یہ کہوں کہ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

ربی اسفندیار نے نہایت شفقت سے، بزرگانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرہاد! تمھیں یاد ہے، ایک بار میں نے کہا تھا، میں ایک مذہبی پیشوا ہوں۔ تمھارا فرض ہے کہ مجھے احترام سے مخاطب کرو۔ اس وقت تم نے کہا تھا۔ اگر ہم نے سونیا سے دشمنی نہیں کی۔ ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے سونیا کا تحفظ کیا اور اسے عزت آبرو کے ساتھ رہا کر دیا تو تم مجھے میرے مرتبے کے مطابق مخاطب کرو گے اور اسی طرح گفتگو بھی کرو گے۔"

سجاد یہ باتیں نہیں جانتا تھا لیکن اس نے میری سوچ کے مطابق کہا۔ "ہاں، مجھے یاد ہے۔ بے شک آپ لوگوں نے سونیا کے شایانِ شان میزبانی کی لیکن اپنی میزبانی کے دوران کئی بار تنویمی عمل کے ذریعے اسے ٹریپ کرنے کی کوشش بھی کی۔ اسے اپنی معمولہ اور تابع فرمان بنانا چاہا۔ ناکامی کی صورت میں اسے رہا تو کر دیا لیکن کسی دوا کے ذریعے اس کے دماغ کو کمزور بنا دیا۔ اب وہ کبھی نارمل ہوتی ہے اور کبھی دماغی کمزوری کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہی سلوک میرے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ مجھے دوا کے ذریعے اس قدر کمزور بنا دیا گیا ہے کہ میں خیال خوانی نہیں کر سکتا۔"

ربی اسفندیار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ [illegible] سانپ کا منتر جاننے والے جب بھی سانپ کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں، تو سب سے پہلے اس کا زہر نکال دیتے ہیں۔ پہلے ہم نے منتر پڑھا۔ پھر تمھارا زہر نکال دیا۔ اب تم بے ضرر ہو۔" اچانک ہی ربی اسفندیار نے اپنی نظریں سجاد کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ یوں لگا جیسے دو خنجر سجاد کی آنکھوں کے ذریعے اس کے وجود کے اندر پیوست ہو گئے ہوں۔ ربی اسفندیار کی آنکھیں بڑی بڑی سرخ انگارے جیسی [illegible] یہی کوشش تھی کہ ایک بار آنکھیں ملنے کے بعد کوئی اپنی نظریں وہاں سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ سخت جان ہوتے ہیں مستقل مزاج ہوتے ہیں، مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہوتے ہیں، وہی ایسی نظروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سجاد علی تیمور بھی ایسا

ہی تھا۔ وہ ان نظروں سے کترا سکتا تھا لیکن ابھی اس میں دماغی [illegible] باقی تھی اس لیے ان ہپناٹائز کرنے والی آنکھوں کی گرفت میں آ گیا تھا۔

میں نے چپکے سے کہا۔ "کوئی بات نہیں، میں تمھیں سمجھ رہوں گا لیکن یہی تاثر دو کہ تم اس کی آنکھوں سے متاثر ہو رہے ہو۔ اب آہستہ آہستہ کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ کرسی پر بیٹھ جانے پر ربی نے کہا۔ "شاباش، آدمی کو تناور درخت کی طرح سخت نہیں ہونا چاہیے۔ ایک پودے کی طرح اس میں لچک ہونی چاہیے تاکہ ہوا کے آنے پر وہ جھک سکے۔ جو جھکنا نہیں جانتے وہ آندھیوں میں ٹوٹ کر یا جڑ سے اکھڑ کر زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ ہمارا احسان مانو، ہم نے دوا کے ذریعے تم میں لچک پیدا کر دی، تمھیں جھکنا سکھا دیا۔"

سجاد کی آنکھیں ربی اسفندیار کی آنکھوں سے [illegible] تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سحر زدہ ہو گیا ہے۔ ایسی کوئی [illegible] نہیں تھی۔ میں اسے سنبھال رہا تھا۔ وہ سحر زدہ ہونے کی [illegible] رہا تھا۔ ربی اسفندیار نے اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا تم میرا حکم نہیں مانو گے؟ اچھے بچوں کی طرح سامنے والے بستر پر جا کر چاروں شانے چت لیٹ جاؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا پھر مسحور زدہ انداز میں چاروں شانے چت لیٹ گیا۔ ربی اسفندیار نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اب اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ دماغ میں کسی طرح کی سوچ کو جگہ نہ دو۔ کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتاؤ۔"

وہ خاموش لیٹا رہا۔ ربی اسفندیار پھر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ وہ اپنے تنویمی عمل کا آغاز کر چکا تھا۔

وہ اپنے طریقۂ کار کو آزما رہا تھا۔ میں اپنے طریقۂ کار کے [illegible] سجاد کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ تاثر دے رہا تھا کہ تنویمی عمل کا اثر ہو رہا ہے اور وہ اس کے احکامات پر عمل کر رہا ہے۔ سجاد کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی جیسے سچ مچ وہ معمول بن گیا ہو۔ جب ربی اسفندیار کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ وہ ٹرانس میں آ چکا ہے تو اس نے پوچھا۔ "تم نے اپنے آپ کو اچانک ہی ظاہر کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

میں نے سجاد کی زبان سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "[illegible] کی بے وفائی یا حماقتوں نے اور منجالی کی بے وقت موت نے مجھے ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے سوچا، اب کھل کر [illegible] ہونی چاہیے۔ اپنے آپ کو چھپانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں [illegible] پریشانیاں اور بڑھ جاتی ہیں لہٰذا میں نے خود کو ظاہر کر دیا۔

ربی اسفندیار نے پوچھا۔ "کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ خود کو ظاہر کرو گے تو دشمن آسانی سے تمھیں ٹریپ کر لیں گے؟"

"سوچا تھا لیکن پچھلا تجربہ شاہد ہے کہ دشمنوں نے بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے سے پارس کو اغوا کرنے کی بہتیری کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ بابا صاحب کا وہ ادارہ ایک مضبوط قلعہ ہے، اسی لیے میں نے وہاں جا کر پناہ لی۔ خود کو ظاہر کرنے کے باوجود میں وہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا تمھارے دماغ میں ایسی کوئی تدبیر ہے جس پر عمل کر کے یہاں سے فرار ہو سکتے ہو؟"

"میں اب تک ایسی کوئی تدبیر سوچ نہ سکا۔"

"کسی پر اعتماد کرتے ہو کہ تمھیں یہاں سے نکال لے جائے گا؟"

"مجھے سپر ماسٹر اور ماسک مین وغیرہ پر بڑا اعتماد تھا۔ اب ان کی خوطا چشمی کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔"

"اُن کے علاوہ تمھیں کسی اور پر بھروسہ ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر تمھیں یہاں سے لے جا سکتا ہے؟"

"میں نے ان حالات میں صرف سونیا پر بھروسہ کیا ہے۔ وہی میرے لیے کچھ کر سکتی ہے۔ میرے تمام جاں نثار ساتھی محبت سے سوچتے رہ جائیں گے، ان کا دماغ اتنی دور تک نہیں سوچ سکے گا، جتنی دور تک سونیا سوچ سکتی ہے۔"

"ہم نے سونیا کو ایک دوا کے زیرِ اثر رکھا ہے۔ وہ دو چار ماہ تک اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ نہیں کر سکے گی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم اتنی آسانی سے ہماری گرفت میں آ جاؤ گے تو ہم اُسے کبھی آزاد نہ کرتے۔ اسے بھی تمھاری طرح دماغی طور پر مفلوج بنا کر رکھتے، بہرحال اب وہ اکیلی کیا کر سکے گی۔ زیادہ سے زیادہ تلملائے گی... تدبیریں سوچے گی۔ ان پر عمل کرنے کے راستے اسے نہیں ملیں گے کیونکہ بہت سے راستے تمھاری ٹیلی پیتھی کے ذریعے آسان ہو جاتے تھے۔ خیر اب مرجانہ کے متعلق کچھ بتاؤ؟"

"وہ ٹارزر غلبا کے علاقے میں ہے اور عنقریب اس کی شادی ٹارزر بلبا سے ہونے والی ہے۔ اب وہ ادھر ہی رہے گی۔"

"ہم کیسے یقین کر لیں۔ تم ہماری قید میں ہو۔ تمھارے جاں نثار ساتھی سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔ وہ پتا نہیں کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے یہاں تک پہنچنے کی کوششیں کریں گے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے ساتھی میرے لیے کیا کرنے والے ہیں۔ میرے پاس ایک خیال خوانی کا ذریعہ تھا۔ اب وہ نہیں رہا۔ میں ان کے عزائم معلوم نہیں کر سکتا۔"

"کیا پارس کو مرجانہ اور ٹارزر بلبا کے پاس پہنچا دیا گیا ہے؟"

"نہیں۔"

"فرہاد علی تیمور! تم میرے معمول ہو۔ میرے تابع فرمان ہو۔ مجھ سے کوئی بات غلط نہیں کہہ سکتے لہٰذا سچ سچ بتاؤ، پارس کس کے پاس ہے؟ اور کہاں ہے؟"

سجاد چند لمحوں تک خاموش رہا پھر میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "بابا صاحب کے ادارے میں ایک شخص تھا۔ میں اس کا نام بھول رہا ہوں۔ اس نے ایک اطالوی دوشیزہ سے شادی کی۔ وہ عورت اس کے بچے کی ماں بن رہی تھی لیکن بچہ پیدائش کے بعد فوت ہو گیا۔ ہم نے پارس کو اس کی گود میں دے دیا ہے۔ میں نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ پیرس اور اٹلی چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں۔ جب بھی وہ کہیں جائیں گے، میں ان سے دماغی رابطہ قائم کر کے معلوم کر لوں گا کہ وہ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اور انھیں کس حد تک مدد کی ضرورت ہے؟"

"اعلیٰ بی بی ضرور جانتی ہوگی کہ وہ دونوں میاں بیوی پارس کو لے کر کہاں گئے ہیں؟"

"اعلیٰ بی بی ان کی روانگی کے متعلق جانتی ہے لیکن وہ دونوں کہاں گئے ہیں، یہ نہیں جانتی۔ میں نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ پارس جس کے پاس بھی رہے گا، اس کے متعلق معلومات صرف میں رکھوں گا۔ میرے کسی ساتھی کو اس کا علم نہیں ہو گا۔ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ میں یا میرا کوئی ساتھی تم لوگوں کی گرفت میں آئے تو پارس کا بھید کھل جائے گا، اسی لیے میں نے یہ طے کیا تھا کہ خیال خوانی کے ذریعے معلومات حاصل کروں گا اور کوئی ان کے متعلق یہ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور پارس کو لے کر بالآخر کہاں قیام کرنا چاہتے ہیں؟"

"اب تم پارس اور اس کے سرپرستوں کے متعلق کیسے معلوم کرو گے؟"

"ابھی تمھارا معمول بننے سے پہلے میں اسی فکر میں مبتلا تھا۔ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں چھین لی گئی ہیں۔ میں کس طرح اپنے بیٹے اور اس کے سرپرستوں تک پہنچ سکتا ہوں۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

ربی اسفندیار نے کہا۔ "تم نے ہمیں بھی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ہم تمھیں دوبارہ خیال خوانی کا موقع نہیں دیں گے خواہ پارس ہمیں ملے یا نہ ملے۔ جب تم ایک چیونٹی کی طرح ہماری چٹکی میں آ گئے ہو تو اب اس بچے کی کیا اہمیت ہے؟ لیکن دانشمندوں کا قول ہے سانپ کا بچہ بھی سانپ ہوتا ہے، اسے چھوڑنا نہیں چاہیے، اسی لیے ہم اس کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ اگر وہ مل گیا تو ٹھیک ہے۔ نہ ملا تو بعد میں دیکھا جائے گا۔"

اس کے بعد ربی اسفندیار نے دو چار سوالات کیے پھر سجاد

کو ہدایت دی کہ وہ دو گھنٹے تک سکون سے سوتا رہے گا۔ اس کے بعد آنکھ کھلے گی تو ربی اسفندیار کے تمام سوالات کو اور اپنے جوابات کو بھول جائے گا۔

اس کے بعد میں نے خود ہی سجاد کو ٹیلی پیتھی کی لوری دے کر دو گھنٹے کے لیے سُلا دیا۔ دماغ کو ہدایت کی کہ وہ صحیح وقت پر بیدار ہو جائے۔

●

ایک چھوٹے سے کمرے میں وانشورودکی ایک خفیہ اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ اس اجلاس میں اعلیٰ بی بی، سونیا، پومی اور باباصاحب کے ادارے کے چند نہایت ہی اہم عہدے دار موجود تھے۔ وانشورودکی کہہ رہا تھا "فرہاد کو کس طرح دشمنوں کی گرفت سے نکالا جا سکتا ہے، کس طرح وہاں پہنچا جا سکتا ہے اور کیسے کیسے ذرائع استعمال کیے جا سکتے ہیں، ان پر آج بحث ہو گی لیکن میں ایسے معاملات میں قطعی ناتجربہ کار ہوں۔ میں صرف لڑنا اور اپنے دوستوں کے لیے جان پر کھیل جانا جانتا ہوں۔ جب بھی میری ضرورت پیش آئے گی، میں سب سے آگے رہوں گا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اعلیٰ بی بی نے اس جلسے کی صدارت مجھے کیوں سونپ دی ہے؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا "آپ ہم سب میں بزرگ ہیں۔ بے شک ایسے معاملات میں آپ پہلے کبھی ملوث نہیں ہوئے لیکن ہم نے اتفاقِ رائے سے اگر ایک ایسی ٹیم بنالی جو فرہاد کی رہائی کے لیے اسرائیل تک سفر کرے تو اس کی قیادت آپ کے ہاتھ میں ہو گی۔ آپ مہم جوئی کے سلسلے میں ہم سب سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ جان پر کھیل جانے کی صلاحیتیں آپ میں سب سے زیادہ ہیں اور آپ ہی ہماری رہنمائی کر سکیں گے۔ بہرحال ہمیں کاہال تنظیم کی جانب سے ایک خط موصول ہوا ہے۔ میں اسے پڑھ کر سناتی ہوں۔ ہم اس سے بحث کا آغاز کریں گے۔"

اس نے میز پر سے ایک کاغذ اٹھایا اور اسے پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا تھا:

"مادام اعلیٰ بی بی! اگرچہ ہم نے فرہاد کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ اس کے باوجود ہم تمھارے حفاظتی انتظامات کے معترف ہیں۔ تم یقیناً بہت ہی ذہین اور معاملہ فہم ہو۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شاید کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ لیکن پہلی بار پارس کو اغوا کرنے کی ناکامی نے ہمیں بھی بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ ہم نے پچھلی ناکامیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ کامیابی حاصل کی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ تم اور تمھارے ساتھی اب چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے۔ طرح طرح کی تدبیریں سوچ رہے ہوں گے۔ شاید جوش اور غصے میں یہ بھول جائیں گے کہ تل ابیب میں ایک پرندہ بھی ہماری مرضی کے خلاف پر نہیں مار سکتا۔ یہ بھولنے کے بعد ہو سکتا ہے تم سب اِدھر کا رُخ کرو اور بے موت مارے جاؤ۔ اس سے پہلے ہی ہم نے سوچا ہے کیوں نہ ہم تمھیں اور تمھارے تمام ساتھیوں کو یہاں آنے کی دعوت دیں اور فرہاد سے ملاقات کرنے کا موقع بھی فراہم کریں۔ تاکہ تم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ وہ کس قدر حفاظتی انتظامات میں ہے۔ اب اسے موت ہی ہمارے قید خانے سے رہائی دلا سکتی ہے۔ زندگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔

ایک وقت تھا جب فرہاد تم لوگوں کو ذرا ذرا سی بات خیال خوانی کے ذریعے بتا دیا کرتا تھا۔ اب وہ اپنے حالات نہیں بتا سکتا۔ تم سب اس کے حالات جاننے کے لیے کس قدر بے چین ہو گے، اس کا اندازہ ہمیں ہے۔ دُنیا کے ہر حصے سے ہمیں ٹیلیفون اور ٹیلیکس موصول ہو رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مشہور ہستیاں فرہاد کو دیکھنے کے لیے ہم سے رابطہ قائم کر رہی ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ فرہاد کو کم از کم سو گھنٹے تک زندہ رکھا جائے گا۔ اس دوران اس کی زندگی اور موت کے لیے ریفرنڈم کرایا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ہم نے تمام اہم لوگوں کے پاس سوالنامے ارسال کیے ہیں۔ یہ سوالنامے ایسے لوگوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں جو دوستی یا دشمنی کے ناتے فرہاد سے تعلق رکھ چکے ہیں۔ سوالنامہ اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ تم بھی اسے پڑھ سکتی ہو۔

اگر فرہاد سے آخری ملاقات کرنا چاہو تو سو گھنٹے سے پہلے چلی آؤ۔ تمھارے ساتھیوں کے لیے بھی ہماری سرحد کھول دی گئی ہے۔ تم لوگوں کے دماغوں میں اسے رہا کرانے کی جتنی تدابیر ہیں، ان سب کو بالائے طاق رکھ کر آنا۔ یہاں تمھاری کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ آنے کے بعد ہی تم لوگوں کو ہماری باتوں کا یقین آئے گا۔

فقط سربراہ

کاہال تنظیم۔ تل ابیب

اعلیٰ بی بی نے خط سے منسلک اس سوالنامے کو دیکھتے ہوئے حاضرین مجلس سے کہا "یہ سوالنامہ دُنیا کے بہت سے اہم لوگوں کو بھیجا گیا ہے اور خطرناک تنظیم کے ان تمام باس، ماسٹروں اور منتظمِ اعلیٰ جیسے عہدے دار کے پاس بھی ارسال کیا گیا ہے تاکہ وہ ان سوالوں کا اپنے اپنے طور پر جواب دیں۔ آپ بھی غور سے سُنیں۔ سوالات یہ ہیں:

"کیا فرہاد کو سزائے موت دی جائے۔ اگر دی جائے تو کیوں؟ اور کس طرح؟

کیا فرہاد کو زندہ رکھا جائے۔ اگر زندہ رکھا جائے تو کیوں؟ اور کس طرح؟

نوٹ: فرہاد کا برین واش کرنے کے سلسلے میں مشورہ نہ دیا جائے۔ اب سے بہت عرصے پہلے ایک بار اس کا برین واش کیا گیا تھا لیکن اس نے دوبارہ ٹیلی پیتھی کی قوت حاصل کر لی تھی۔ اسی طرح تبدیلیٔ دماغ کا بھی مشورہ نہ دیا جائے۔ اس کا نیا دماغ بھی ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر سکتا ہے۔"

اعلیٰ بی بی سوالنامہ پڑھنے کے بعد بیٹھ گئی۔ ایک نوجوان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ باباصاحب کے ادارے میں سیاسیات کا طالب علم رہ چکا تھا۔ ڈپلومیسی خوب سمجھتا تھا۔ اس نے کہا "یہودی بہت چالاک ہیں۔ فرہاد صاحب کو اغوا کرتے وقت کسی کے پاس سوالنامے نہیں بھیجے۔ کسی سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ انھیں اپنی گرفت میں لینے کے بعد ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ دوسروں سے کروا رہے ہیں حالانکہ وہ بہت پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہوں گے لیکن وہ اپنے اس فیصلے پر اکثریت کی حمایتی مُہر لگانا چاہتے ہیں۔"

سونیا ایک صوفے پر الگ تھلگ بیٹھی ہوئی، ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ نہ کچھ بول رہی تھی، نہ اپنی طرف سے کوئی مشورہ دے رہی تھی۔ اس شخص نے کہا "یہ سوالنامہ بڑی ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جو لوگ فرہاد صاحب کی مخالفت میں جواب دیں گے اور اس کی موت کا فیصلہ کریں گے، وہ بڑی آسانی سے بتائیں گے کہ اسے کیوں سزائے موت دینی چاہیے اور کس طرح دینی چاہیے یعنی پھانسی پر چڑھایا جائے، گولی ماری جائے یا گیس چیمبر میں چھوڑ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ فرہاد صاحب سے ذرا بھی ہمدردی رکھیں گے اور انھیں زندہ دیکھنا چاہیں گے تو انھیں بھی جواب دینا ہو گا کہ فرہاد صاحب کو زندہ کیوں رکھا جائے اور کس طرح [illegible] جائے؟

پومی نے کہا "زندہ رکھنے کے سلسلے میں پہلے ہی نوٹ لکھ دیا گیا ہے کہ فرہاد کا برین واش یا اس کا دماغ تبدیل کرنے کے سلسلے میں مشورے قبول نہیں کیے جائیں گے۔"

اس ڈپلومیٹ جوان نے کہا "میں ابھی کہہ چکا ہوں، اس سوالنامے کو بڑی ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جو لوگ فرہاد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کریں گے وہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ان کا دماغ تبدیل نہ کیا گیا یا برین واش نہ کیا گیا تو یہ کبھی موقع پاتے ہی پھر ٹیلی پیتھی کی قوت حاصل کر لیں گے اور ان سب کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ اس سوالنامے کے پیشِ نظر کوئی خطرناک تنظیم فرہاد صاحب کو زندہ رکھنا گوارا نہیں کرے گی۔ یہ خطرناک تنظیمیں دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے لیے بڑے اہم رول ادا کرتی ہیں۔ ایک ملک کا راز چُرا کر دوسرے ملک پہنچاتی ہیں کسی بڑے ملک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی چھوٹے ملک میں تخریبی کارروائیاں کرتی ہیں۔ اس طرح ان خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کا ایک رُعب اور دبدبہ ہے۔ بڑے ممالک ان کے آگے جھکتے ہیں۔ ان کی باتیں تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے فیصلے کے مطابق وہ سب کے سب فرہاد صاحب کے خلاف فیصلہ سنائیں گے۔ وہ بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ وہ زندہ رہیں اور کسی وقت ان کے دماغوں میں پہنچ کر ان کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ شیرماسٹر اور ماسک مین فرہاد کی دوستی کا دعویٰ کرتے تھے۔ فرہاد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے لیے آسائشیں اور سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ آج اس کو اغوا ہوئے بتیس گھنٹے گزر چکے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے ہم سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ کسی نے ہم سے ہمدردی نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کریں گے۔ یہ لوگ موقع پرست ہیں۔ جب انھیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی فرہاد یہودیوں کی گرفت میں آ چکا ہے اور وہاں سے اس کا نکلنا ممکن نہیں ہے تو وہ بھی اسے پہلی فرصت میں ختم کر دینے کی خواہش ظاہر کریں گے، نہ ٹیلی پیتھی رہے گی نہ ان کی نیندیں حرام ہوں گی۔"

وانشورودکی نے کہا "ہم اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ بڑے بڑے ممالک فرہاد صاحب کے خلاف فیصلہ سنائیں گے اور چھوٹے ممالک جو اپنے بڑوں کے دست نگر رہتے ہیں وہ بھی فرہاد صاحب کی موت کا ہی فیصلہ کریں گے۔ خطرناک تنظیموں کا فیصلہ بھی مختلف نہیں ہو گا۔ یعنی یہودی اپنی اس چال میں کامیاب ہو جائیں گے اور دُنیا والوں پر یہ ثابت کر دیں گے کہ فرہاد کی موت کا فیصلہ صرف ان کا فیصلہ نہیں تھا۔ انھوں نے اکثریت کی رائے حاصل کرنے کے [illegible] اقدام کیا ہے۔"

یومی نے کہا" انھوں نے سو گھنٹے تک فرہاد کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ سو گھنٹے کب سے شروع ہوئے ہیں اور کب ختم ہوں گے۔ کیا اس وقت سے جب فرہاد کو اغوا کیا گیا تھا؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا" میں ان لوگوں سے رابطہ قائم کروں گی اور اس سوال کا جواب معلوم کروں گی۔ ویسے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بتیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ جو فیصلہ کرنا ہے وہ ہم ابھی کریں۔ آپ سب فرداً فرداً اپنی رائے پیش کریں۔ کیا ہمیں ان کی دعوت قبول کر کے فرہاد سے ملنے کے لیے تل ابیب جانا چاہیے؟"

یومی نے فوراً ہی اٹھ کر کہا" میں ضرور جاؤں گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہاں پہنچ کر ہم اپنا حلیہ بدل لیں۔ جس تصویر اور پاسپورٹ کے ذریعے جائیں، اس سے مختلف روپ اختیار کر لیں۔ ہم میک اپ کا سامان یا تو یہاں سے لے جا سکتے ہیں یا وہاں حاصل کر سکتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا" یہ بچکانہ خیال ہے۔ وہ لوگ جب ہمیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے ہیں تو ہمارے لیے بہت ہی سخت انتظامات کریں گے۔ حتیٰ کہ ایئر میک اپ کیمرے جگہ جگہ نصب کیے گئے ہوں گے۔ ہمیں ہر پہلو سے دیکھا، جانچا اور پرکھا جائے گا۔"

باباصاحب کے ادارے کے ایک اہم عہدے دار نے کہا" اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان کے مہمان بن کر جائیں گے اور اسی طرح واپس آجائیں گے۔"

" ہاں، اس کا ایک فائدہ ہوگا۔ ایک تو فرہاد سے ملاقات ہو جائے گی۔ ہم اس لوکیشن کو دیکھ لیں گے جہاں انھیں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

داٹسوروکی نے کہا" سونیا! تم بالکل خاموش ہو، کچھ تو بولو۔"

سونیا نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا" میں کیا کہوں؟ کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا۔ جہاں تک ان یہودیوں کی دعوت قبول کر کے تل ابیب جانے کا سوال ہے تو میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ فرہاد سے گلے مل کر رونے کا جذبہ ہوتا تو ضرور جاتی۔ میں رونا نہیں جانتی۔ اپنی چھِنی ہوئی چیز کو واپس چھین لینا جانتی ہوں۔ ابھی میرے دماغ میں ایسی کوئی تدبیر نہیں ہے، ہوگی تو اس پر عمل کروں گی۔ بہرحال اعلیٰ بی بی! جتنی جلدی ہو سکے، سپر ماسٹر کے کسی ماسٹر سے اور ماسک مین کے کسی باس سے رابطہ قائم کرو۔ میں ان سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے اُٹھتے ہوئے کہا" میں یہاں سے جانے سے پہلے صدرِ جلسہ مسٹر داٹسوروکی سے کہتی ہوں کہ وہ تل ابیب جانے کے لیے ایک ایسی ٹیم ترتیب دیں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں... ذہین بھی ہوں، فطین بھی ہوں۔ ناقابلِ شکست فائٹر بھی ہوں اور ایسے حاضر دماغ بھی جو بروقت کوئی اقدام کر کے دشمنوں کے چھکے چھڑانا جانتے ہوں۔ میں ابھی یہاں واپس آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ سونیا کے ساتھ اس کمرے میں گئی جہاں بڑے بڑے ٹرانسمیٹرز وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ پیرس کے ماسٹر سے رابطہ قائم کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ سونیا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا" میں سونیا بول رہی ہوں۔ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ فرہاد علی تیمور سے میرا کیا تعلق ہے؟"

دوسری طرف سے جواب آیا" مادام! ہم آپ کی آواز کو بھی پہچانتے ہیں۔ حکم دیجیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

" فرہاد علی تیمور کے متعلق تم لوگوں کو تازہ ترین اطلاعات ملتی ہوں گی۔ کیا تم مجھے ان کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو؟"

" جی ہاں، اب تک کی اطلاعات کے مطابق انھیں ذہنی طور پر مفلوج کر دیا گیا ہے۔ دماغ کو کمزور بنانے والی اس دوا کا اثر ایک ہفتے تک رہتا ہے لیکن یہودی اپنی اسکیم کے مطابق ہر پانچویں دن فرہاد صاحب کو اسی دوا کا انجکشن لگایا کریں گے اور انھیں ہمیشہ ذہنی طور پر کمزور بنا کر رکھیں گے۔ اب وہ کبھی خیال خوانی نہیں کر سکیں گے۔"

سونیا نے پوچھا" وہ کب تک ایسا کرتے رہیں گے؟"

" صرف سو گھنٹے تک۔ جن میں سے کچھ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ابھی میرے پاس حساب نہیں ہے۔"

" کیا آپ حساب کر کے بتا سکتے ہیں کہ یہ سو گھنٹے کب سے شروع ہوئے ہیں اور کب ختم ہوں گے؟"

" میں تھوڑی دیر بعد آپ کو بتا سکوں گا۔"

" تمھارے سُپر ماسٹر، فرہاد کی رہائی کے لیے کیا کر رہے ہیں؟"

" ہم اس کے متعلق زیادہ کچھ نہیں جانتے ہیں۔ ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ ہمارے سُپر ماسٹر اعلیٰ سطح پر فرہاد صاحب کی رہائی کے لیے کوشاں ہیں۔"

" سپر ماسٹر کو میرا ایک پیغام پہنچا دو۔"

" فرمائیے، آپ کی آواز یہاں ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

سونیا نے کہا" سُپر ماسٹر کی طرف سے کئی بار یہ پیش کش ہوئی کہ میں ان کی تنظیم میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو کر ان کے لیے کام کرتی رہوں۔ میں نے سب سے پہلے ماسٹر یوشے کے ساتھ مل کر ان کی تنظیم میں کام کیا۔ اس کے بعد فرہاد کے ساتھ ہو گئی پھر ایک طویل عرصے کے بعد میں نے فرہاد سے بدظن ہو کر سُپر ماسٹر کی پیش کش کو قبول کیا اور پیرس میں تمھارے سابقہ ماسٹر کے ساتھ کام کرتی رہی۔ اس کے بعد پھر میں نے تمھاری تنظیم کو چھوڑ دیا۔ اب فرہاد کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں اس شرط پر ایک بار پھر تمھاری تنظیم میں شامل ہو کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں کہ فرہاد کو صحیح سلامت میرے پاس پہنچا دیا جائے۔ میں تحریری معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تاحیات تمھاری تنظیم کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچاتی رہوں گی۔ ایک بات آخر میں کہہ دوں۔ میں یہی معاہدہ ماسک مین سے کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ دونوں تنظیموں کے سربراہوں میں سے جو بھی فرہاد کو زندہ سلامت میرے پاس پہنچائے گا، میں اس کی ہو جاؤں گی۔ دیٹس آل۔"

اس نے رابطہ ختم کرنے کے بعد اعلیٰ بی بی سے کہا" اب ریڈ پاور کے باس اسحاق وال درچ سے رابطہ قائم کرو۔"

تھوڑی دیر میں اس سے بھی رابطہ قائم ہو گیا۔ سونیا نے کہا۔ " تم میری آواز اچھی طرح پہچانتے ہو پھر بھی بتا دوں کہ میں سونیا ہوں۔ کیا اپنی کوئی اور شناخت پیش کروں؟"

" مادام! آپ ہمیں شرمندہ کرتی ہیں۔ ہم آپ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم دیجیے۔"

" تمھارا ماسک مین فرہاد کی رہائی کے لیے کیا کر رہا ہے؟"

" وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں کہ بہ نفسِ نفیس کاہل تنظیم کے سربراہ سے اور فرہاد صاحب سے ملنے کے لیے تل ابیب گئے ہیں۔ ابھی تک ہمیں اطلاع نہیں ملی ہے کہ وہ ان کی رہائی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔"

" مسٹر اسحاق وال درچ! تمھیں یاد ہے جب میں پیرس میں سپر ماسٹر کی تنظیم کے لیے کام کر رہی تھی، اس وقت تمھاری وہاں ایک نہیں چلتی تھی۔ تم جس مہم پر اپنے آدمیوں کو روانہ کرتے تھے، وہ ناکام ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ میں جب تک اس تنظیم میں رہی، تم ہر معاملے میں مُنہ کی کھاتے رہے۔"

" مادام! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

" ایک بات اور یاد کرو۔ جب میں نے اس تنظیم سے مُنہ موڑ لیا۔ فرہاد کا ساتھ پھر دینے لگی اور اعلیٰ بی بی سے ہماری دوستی ہو گئی تو ہم نے تم لوگوں کو کتنا فائدہ پہنچایا۔ ابھی حال ہی میں ہم نے ایک بڑے سائنس داں کے یہاں سے خلائی اسٹیشن تک جانے والی امدادی گاڑی کا نقشہ چُرا کر تم لوگوں تک پہنچایا تھا۔ کیا یہ سب یاد ہے؟"

ہاں مادام! اچھی طرح یاد ہے۔ ہمارے باس آپ لوگوں کی دوستی پر فخر کرتے ہیں۔"

" تو پھر، باس مین کے نام میرا ایک پیغام نوٹ کرو۔"

" آپ فرمائیے۔ یہاں آپ کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

سونیا نے کہا" سُپر ماسٹر مجھے اپنی تنظیم میں ایک بہت بڑا عہدہ پیش کر رہا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اس کے مفاد کے لیے کام کروں۔ میں نے ایک شرط پیش کی ہے۔ وہی شرط ماسک مین کو سُنا رہی ہوں۔ جو بھی فرہاد کو زندہ سلامت میرے پاس لائے گا، میں اس کی تنظیم میں شریک ہو جاؤں گی۔ میری شرکت کا مطلب یہ ہوا کہ میرے ساتھ ساتھ اعلیٰ بی بی، مرجانہ اور بے شمار باصلاحیت لوگوں کی ایک ٹیم ہو گی اور جب میں کسی کا ساتھ دوں گی تو فرہاد بھی میرا ساتھ دے گا۔ وہ احسان فراموش نہیں ہے۔ ایسے آزمائشی وقت میں سپر ماسٹر یا ماسک مین دونوں میں سے جو اسے رہائی دلائے گا اور اسے زندہ سلامت ہمارے پاس پہنچائے گا، وہ ہمیشہ اس کے کام آتا رہے گا۔ دیٹس آل۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اعلیٰ بی بی نے مسکرا کر کہا" سونیا! تم نے بہت اچھا چارہ ڈالا ہے۔ اب سُپر ماسٹر سوچے گا کہیں ماسک مین کسی طرح فرہاد کو یہودیوں کے چنگل سے رہا نہ کرا لے اور ہماری حمایت نہ حاصل کر لے۔ دوسری طرف ماسک مین بھی سُپر ماسٹر کے متعلق یہی سوچے گا اور شاید کوئی عملی قدم اٹھائے۔"

" بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا" پھر؟"

سونیا نے اپنا ایک ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے اعلیٰ بی بی کو دیکھتے ہوئے کہا" ہو سکتا ہے۔ دونوں تنظیموں کے سربراہ فرہاد کو رہائی دلانے میں ناکام رہیں۔ یہودیوں کے ہاتھ ایسا موقع پھر کبھی نہیں آئے گا۔ وہ فرہاد کو سزائے موت دینے سے باز نہیں آئیں گے۔ اگر خدانخواستہ فرہاد کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ دونوں تنظیموں کے سربراہ باباصاحب کے ادارے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ میری ذاتی صلاحیتوں سے متاثر بھی ہیں اور مرعوب بھی۔ اس وقت وہ نہیں چاہیں گے کہ ہم میں سے کوئی ان کی مخالفت میں کام کرتا رہے اور ان کے خفیہ معاملات کو طشت از بام کرتا رہے۔"

اعلیٰ بی بی نے تائید میں سر ہلا کر کہا" ہاں، وہ ایسا نہیں چاہیں گے۔"

" اسی لیے وہ فرہاد کے خلاف اس سوالنامے کا جواب نہیں دیں گے۔ وہ اس کی زندگی کے لیے دستخط کریں گے اور دو خطرناک تنظیموں کے سربراہان کے دستخط بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔"

وہ اعلیٰ بی بی کے پاس سے پلٹ کر ایک کمپیوٹر مشین کے پاس آئی پھر اس مشین پر دونوں ہاتھ ٹیک کر گہری اداسی سے بولی۔ " جب بھی فرہاد کو میری ضرورت پڑی، میں نے اپنا سب کچھ اس کے لیے داؤ پر لگا دیا۔ اس کے لیے جان پر کھیلتی رہی لیکن اس بار نہ جانے کیوں میں سمجھ رہی ہوں کہ اسے بچا نہیں سکوں گی۔ میں نے تل ابیب میں ایک قیدی کی حیثیت سے دیکھا ہے، وہ لوگ

بہت سخت ہیں۔ بہت چالاک ہیں۔ بڑا سخت پہرہ رہتا ہے۔ اگر فرہاد کی ٹیلی پیتھی نہ ہوتی تو مجھے اور فرہاد کو اتنی آسانیاں میسّر نہ آتیں۔ اب تو ٹیلی پیتھی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی: "اعلیٰ بی بی! تم وہاں جا کر فرہاد کو دیکھ تو سکتی ہو۔ اس کے لیے آنسو بہا سکتی ہو مگر اس کی سلامتی کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں۔ بہر حال تمھیں جانا چاہیے۔ میں یہاں اپنی سی کوشش کرتی ہوں۔ شاید سپر ماسٹر اور ماسک مین میری پیش کش کو ٹھکرا دیں کیوں کہ انھیں سب سے زیادہ خطرہ ٹیلی پیتھی سے ہے۔"

وہ یک بیک مشین کی طرف سے پلٹ کر غصّے سے بولی۔ "اسے کس نے کہا تھا کہ وہ خود کو ظاہر کرے؟ بڑا تیس مار خاں بنتا ہے۔ دیکھ لیا، اپنی من مانی کرنے کا نتیجہ۔ کیا میں اتنی گئی گزری ہوں کہ مجھ سے مشورہ نہیں لے سکتا تھا مگر کیوں لیتا؟ اسے تو شبہ تھا کہ میں اصلی نہیں ہوں، نقلی ہوں۔ دشمنوں نے مجھ اصلی کو نقلی بنا کر اسے اُلّو بنایا ہے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں اس کے ایک ایک دشمن کے لیے اس دنیا کو جہنّم بنا کر رکھ دوں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے اس کمرے سے باہر نکل گئی۔ اعلیٰ بی بی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی: "یہ ڈمی نہیں ہو سکتی۔ یقیناً سونیا ہے۔ اس کا جوش، جذبہ فرہاد کے لیے اس کی پریشانی اور اس کی ذہانت سے بھرپور کوششیں ثابت کر رہی ہیں کہ یہ اصلی سونیا ہے۔"

میں نے اسے مخاطب کیا: "تم درست سوچ رہی ہو۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں، جب سجّاد علی تیمور کو اسٹیج پر لایا گیا تھا اور اس کے سامنے ایک ڈمی سونیا کے بازو کو کاٹا گیا تھا۔ اس وقت تک ہم اُلجھن میں مبتلا تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اصلی سونیا کون ہے اور کہاں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیج پر آرمر نے اپنے بڑوں میں سے کسی کا ایک خط پڑھ کر سنایا تھا جس میں اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ اصلی سونیا وہی ہے جو اس وقت ہمارے پاس ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "وہ فریب دینے کے لیے بھی ایسا انکشاف کر سکتے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "وہ کیسے فریب دیں گے۔ انھیں تو اب پورا یقین ہو گیا ہے کہ سجّاد ہی فرہاد علی تیمور ہے اور انھوں نے اس کے دماغ کو مفلوج کر دیا ہے۔ سونیا اصلی ہو یا نقلی، اب وہ خیال خوانی کے ذریعے اس سے رابطہ قائم نہیں کر سکے گا۔ دشمن ہر طرح سے جیت رہے ہیں پھر اب وہ جھوٹ کیوں بولیں گے؟ فریب کیوں دیں گے؟"

"کیا تم سونیا کو حقیقت بتا دو گے کہ دشمن کی قید میں نہیں ہو اور تمھاری ڈمی سجّاد علی تیمور وہاں ہے؟"

"ابھی نہیں۔ ابھی وہ جوش اور جذبے میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو آزما رہی ہے۔ یہ ایک اچھی مشق ہے۔ دوا ذہن [illegible] نہیں ہوتا۔ دماغی ورزش جاری رہے گی تو وہ اپنی [illegible] کمزوریوں سے نجات حاصل کر لے گی۔"

"کیا تم ہمارے اجلاس میں شریک تھے؟"

"ہاں، تم وہاں جانے کے لیے جیسی بھی ٹیم بناؤ، اس میں واشورد کی اور یوجی کو ضرور شریک کرنا۔ میں چاہتا ہوں، یوجی اب تم لوگوں کے ساتھ عملی تجربات سے گزرتی رہے۔"

اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا: "سجّاد کو وہاں سے نکال لانے کا کوئی راستہ نہ ملا تو تم اپنے آپ کو ظاہر کر دو گے؟"

"میں عجیب اُلجھن میں ہوں۔ سجّاد نے مجھے قسموں اور وعدوں کا پابند کر دیا ہے۔ اگر میں پابندی نہ کروں تو وہ اپنی جان پر کھیل جائے گا۔"

"اسے سمجھاؤ، حماقت نہ کرے۔ آخری سانس تک ہم پر اعتماد کرے۔ ہم اسے وہاں سے نکال لانے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لیں گے۔"

"میں نے اسے سمجھایا ہے۔ آئندہ بھی سمجھاتا رہوں گا۔ اب جا رہا ہوں۔ مجھے پارس کا بھی خیال رکھنا ہے۔"

میں شبیر حسن کے پاس پہنچ گیا۔ پہنچنے کو تو میں کہیں بھی پہنچ سکتا تھا لیکن اب اپنے کسی بھی ساتھی کو مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ سجّاد کے اغوا کو تیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ یہ خبر یقیناً دور دور تک ان تمام اہم افراد تک پہنچ گئی ہوگی، جو کسی نہ کسی طور پر مجھ سے وابستہ رہ چکے تھے یا پھر میرے نام سے یا میری خیال خوانی کی صلاحیتوں سے دہشت زدہ رہتے تھے۔ اب وہ لوگ خلوتوں میں اور جلوتوں میں میرے متعلق باتیں کرتے ہوں گے۔ ان کی باتیں ایک کان سے دوسرے کان تک پہنچتی ہوں گی۔ اسی لیے میں اپنے کسی بھی ساتھی کو خیال خوانی کے ذریعے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔

شبیر حسن انقرہ کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کی بیوی پارس کو بڑی ممتا سے چوم رہی تھی۔ اور اس کی معصوم حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی۔ شبیر حسن کی سوچ سے [illegible] اس ہوٹل کا ایک کمرہ کرانے پر لے کر ثبانہ کا انتظار [illegible]

میں نے اپنی گھڑی دیکھی۔ سجّاد کو دو گھنٹے [illegible] تھا۔ ایک گھنٹہ چھتیس منٹ گزر چکے تھے۔ پچیس منٹ [illegible] مجھے وہاں پہنچنا تھا۔ میں ثبانہ اور شبیر حسن کے ساتھ زیادہ وقت

نہیں گزار سکتا تھا۔ ویسے وہ انقرہ پہنچ گئی تھی۔ اسے چار ہوٹلوں کے نام بتائے گئے تھے اور سمجھایا گیا تھا کہ ان چاروں میں سے کسی ایک ہوٹل میں شبیر حسن اپنی بیوی اور پارس کے ساتھ قیام کرے گا۔ اس نے دو ہوٹلوں کے کاؤنٹر پر معلوم کیا تھا۔ شبیر حسن کا نام وہاں درج نہیں تھا۔ اب وہ تیسرے ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ جب کہ وہ اس ہوٹل میں بھی نہیں تھا۔ میں خیال خوانی کے بغیر اس کی رہنمائی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت وہ ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹیکسی کو رُکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ ٹیکسی اس کے قریب آ کر رُکی۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے کہنا چاہا: "ہوٹل تقسیم چلو۔"

لیکن اس سے پہلے ہی میں نے اس کی سوچ کے ذریعے کہہ دیا: "ہوٹل آیا صوفیہ لے چلو۔"

اس کی زبان نے بھی بے اختیار اسی ہوٹل کا نام لیا۔ اس نے پچھلی سیٹ کے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا: چلو جب ہوٹل آیا صوفیہ کا نام زبان سے نکل ہی گیا ہے تو پہلے اسی ہوٹل میں جا کر دیکھنا چاہیے۔ ٹیکسی اسی طرف جانے لگی۔ ثبانہ نے اپنا علاقائی لباس اتار دیا تھا۔ مہذب دنیا میں پہنچنے کے بعد وہ اپنا لباس اور حلیہ تبدیل کر لیا کرتی تھی۔ ماڈرن لڑکیوں کی طرح میک اپ کرتی تھی اور زیادہ تر جینز اور جرسی پہنتی تھی۔ وہ برفانی علاقے کی پروردہ تھی۔ اس کا رنگ سُرخ و سفید تھا۔ جمناسٹک کی مشقیں کرنے والی لڑکیوں کی طرح صحت مند اور نہایت ہی پُرکشش تھی۔ جہاں سے گزرتی تھی، دل والے اسے دیکھنے کے لیے رُک جاتے تھے۔ جن کے پاس رُکنے کا وقت نہیں ہوتا تھا وہ اس پر ایک نظر ڈال کر ضرور گزرتے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور ونڈ اسکرین کے پار بہت کم دیکھ رہا تھا۔ عقب نما آئینے میں بار بار ثبانہ کو ہی دیکھتا جا رہا تھا۔ ثبانہ نے اسے دیکھا تو اچانک ہی مُسکرانے لگی۔ ڈرائیور کو حوصلہ ملا۔ وہ بھی مسکرا کر ترکی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ ثبانہ نے انگریزی زبان میں کہا: "میں تمھاری زبان نہیں جانتی۔"

اس نے اُلٹی سیدھی انگریزی میں پوچھا: "تم کہاں سے آئی ہو۔ کیا 'آیا صوفیہ' میں ٹھہری ہوئی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی: "ہاں، کوئی سستی سی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ کیا تمھاری نظر میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں ٹھہر سکوں اور تمھارے جیسا دوست بھی مل سکے؟"

ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا: "میرا مکان حاضر ہے۔ میں وہاں لے چلوں؟"

"ہاں ضرور۔ مگر 'آیا صوفیہ' سے میں اپنا سامان لے لوں۔ پھر تمھارے ساتھ چلوں گی۔"

وہ خوش ہو کر پتا نہیں کیا کیا کہنے لگا۔ اس کی گفتگو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کیوں کہ وہ انگریزی بولنا نہیں جانتا تھا۔ مجھے ثبانہ کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ اگر وہ چاہتی تو غصّے میں آ کر اس ٹیکسی ڈرائیور کا سر توڑ سکتی تھی لیکن وہ کسی اجنبی ملک میں پہنچ کر ہنگامہ آرائی سے کتراتی تھی۔ سہولت سے کام نکال لینے کی عادی تھی۔ ہوٹل کے سامنے پہنچ کر ٹیکسی رُکی تو اس نے کرایہ ادا کرتے ہوئے کہا: "گاڑی کا یہ عقب نما آئینہ صرف پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والیوں کو دیکھنے کے لیے نہیں ہے۔ کبھی اس میں اپنی صورت بھی دیکھا کرو۔ سمجھے اے بدصورت گدھے کی بدصورت اولاد۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک طرف تھوک دیا پھر وہاں سے پلٹ کر بڑی بے نیازی سے ہوٹل کے اندر گھس گئی۔ کاؤنٹر پر پوچھنے سے اسے شبیر حسن کا نام اور اس کا کمرہ نمبر معلوم ہو گیا۔ اس نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کیا۔ اسے اپنے آنے کی اطلاع دی۔ شبیر حسن اس کے استقبال کے لیے نیچے آنا چاہتا تھا، اس نے منع کر دیا۔ وہ خود لفٹ کے ذریعے اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ وہ مُسکرا کر بولی: "میں ہی ثبانہ ہوں۔"

اس نے ایک طرف ہٹ کر اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تشریف لائیے۔"

وہ اندر آ گئی۔ پارس ایک عورت کی گود میں نظر آیا۔ ثبانہ نے کہا: "آپ کی وائف انگریزی زبان نہیں جانتیں۔ اور میں فارسی نہیں جانتی۔"

اس نے اپنی زبان میں اپنی بیوی سے کچھ کہا۔ وہ مُسکرا کر ثبانہ کو دیکھنے لگی پھر اس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر پارس کو اس کی طرف بڑھایا۔ ثبانہ نے جیسے ہی اسے لینے کے لیے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے، شبیر حسن کی بیوی نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ پارس کو واپس اپنی گود میں رکھ لیا پھر فارسی زبان میں کچھ کہنے لگی ....

شبیر حسن نے ہنستے ہوئے کہا: "مس ثبانہ! آپ بُرا نہ مانیں۔ یہ کوڈ ورڈز سُننا چاہتی ہیں۔"

ثبانہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "ہاں یہ اصولی بات ہے۔ کوڈ ورڈز ہیں: 'اپنے گلدان کا پھول میرے گلدان میں سجا دو۔'"

یہ سنتے ہی اس عورت نے پارس کو اس کی گود میں دے دیا۔ ثبانہ نے اسے اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ پارس کے چہرے کو یُوں ڈوب کر دیکھنے لگی جیسے مجھے دیکھ رہی ہو، حالانکہ اب تک اس نے مجھے دیکھا نہیں تھا۔ میری تصویر دیکھی تھی۔ اب پارس کے

آئینے میں میرا عکس دیکھنا چاہتی تھی۔

شبیر حسین نے کہا "مس ثناتہ! جب ہم میاں بیوی تہران جانے کے لیے اس ہوٹل سے نکل کر ایئرپورٹ کی طرف جائیں گے، تب آپ پارس کو ہم سے لے لیجیے گا۔ اگر ہم پارس کے بغیر اس ہوٹل سے نکلیں گے تو لوگ ہمارے متعلق سوچ سکتے ہیں کہ بچہ لے کر ہوٹل میں آئے تھے۔ اب وہ بچہ دوسرے کے حوالے کیوں کر دیا ہے اور بچے کے بغیر ہم کہاں جا رہے ہیں۔ طرح طرح کے سوالات کیے جائیں گے پھر میری بیوی کے پاسپورٹ میں ایک گود کے بچے کی انٹری ہے۔ اس کے لیے بھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔"

ثناتہ نے کہا "میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ میں جیسا کہوں، آپ ویسا ہی کرتے جائیں۔ پارس کے سلسلے میں زیادہ پریشانیاں نہیں ہوں گی۔"

میں ثناتہ کی باتیں سن کر مطمئن ہو گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس نے پارس کے سلسلے میں کیسی پلاننگ کی ہے۔ یہ میں بعد میں بھی معلوم کر سکتا تھا۔ ابھی وقت نہیں تھا۔ دو گھنٹے پورے ہو رہے تھے۔ میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ لیکن میں اس کے دماغ کے ذریعے آس پاس کی آوازیں سن سکتا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے آرمر کی آواز سنی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا "ربی اسفندیار نے اس کے لیے دو گھنٹے کا وقت مقرر کیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر میں بیدار ہو جائے گا۔ میں نے تمہاری ڈیوٹی پوری طرح سمجھا دی ہے۔ اب میرے آرام کا وقت ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد خاموشی ہی رہی۔ دوسرا شخص کچھ بول نہیں رہا تھا۔ میں نے سوچا، سپر ماسٹر، ماسک مین یا کاہال تنظیم کے سربراہ کے دماغ میں پہنچنا چاہیے۔ مجھے یہ اندیشہ روکتا تھا کہ وہ یوگا کے ماہر ہوں گے تو میری سوچ کی لہریں کو محسوس کر لیں گے۔ اسی لیے میں محتاط تھا۔ اتنے میں سجاد کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چند لمحوں تک یونہی پڑا رہا۔ اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے کے وسط میں صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ایک صوفے پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ سینٹر ٹیبل پر شراب کی ایک بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ پینے میں مصروف تھا۔

سجاد نے پوچھا "تم کون ہو؟"

وہ ایک دم سے چونک گیا۔ فوراً ہی اٹھ کر بولا "اچھا، تو تمہاری نیند پوری ہو چکی ہے۔"

اب میں اس بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کی طرف سے اندیشہ نہیں تھا۔ جو شخص نشہ کرتا ہو وہ کبھی سانس روکنے کی صلاحیت حاصل کر ہی نہیں سکتا، اسی لیے میں بے جھجک اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس کا نام جیکب تھا۔ وہ بھی آرمر کی طرح ایک فوجی افسر تھا۔ ڈیوٹی بدل گئی تھی، اس لیے وہ سجاد کی نگرانی کے لیے آیا تھا۔ میں نے سجاد کی زبان سے پوچھا "کیا تمہارے بڑے بڑے افسران بھی شراب پیتے ہیں؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا "کیوں فرہاد علی تیمور! تمہیں ہمارے شراب پینے پر اعتراض ہے؟"

"یونہی پوچھ رہا ہوں۔ تمہاری کاہال تنظیم کے سربراہ بھی تو شراب پیتے ہوں گے؟"

اس نے ایک گھونٹ پینے کے بعد ہنستے ہوئے کہا "تم تو ایسے پوچھ رہے ہو، جیسے یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ ہو۔ شراب تمہارے مذہب میں حرام ہے ویسے دیکھا جائے تو ہمارے مذہب میں بھی ممنوع ہے لیکن ہم اپنے مذہب کو ہر جگہ اپنی جیب میں لے کر نہیں گھومتے۔"

یہ کہنے کے بعد اس نے بوتل اٹھائی۔ ایک ہاتھ میں جام پکڑے رہا پھر اسی طرح کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر کھڑے ہوئے مسلح سپاہیوں نے دروازے کو بند کر دیا۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وہاں ٹرانسمیٹر ٹیلی فون اور ٹی وی اسکرین وغیرہ نظر آ رہے تھے۔ اس اسکرین میں سجاد دکھائی دے رہا تھا۔ جیکب نے انٹرکام کے ایک بٹن کو دبانے کے بعد ذرا انتظار کیا پھر دوسری طرف سے آواز سنتے ہی کہنے لگا۔

"جناب! وہ بیدار ہو گیا ہے۔ میں اسے اسکرین پر دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا وہ کچھ کہہ رہا تھا؟"

"جی ہاں، میں اسی کمرے میں بیٹھا پی رہا تھا۔ وہ مجھ سے سوال کر رہا تھا، کیا ہمارے افسران بھی، حتیٰ کہ کاہال تنظیم کے سربراہ بھی شراب پیتے ہیں؟"

وہ اپنی رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ سجاد کے جواب میں جو کچھ اس نے کہا، وہ بھی سنا رہا تھا۔ دوسری طرف سے ہوں کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں جیکب کی سوچ سے معلوم کر چکا تھا کہ وہ کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی سوچ نے یہ بھی بتایا تھا کہ جیسن اس وقت اپنے ایک خاص کمرے میں دو خطرناک تنظیموں کے سربراہ سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب سے شغل کر رہا ہے۔ شاید اہم معاملات پر بات چیت ہو رہی ہے۔ میرے لیے یہ بہت اچھی بات تھی کہ وہ شراب پی رہے تھے کیوں کہ نشے کے عالم میں دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ میں جیکب سے کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ ایک بہت ہی خوب صورت کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی ہر چیز نہایت ہی قیمتی تھی۔ جیسن نے یہ اطلاع سننے کے بعد کہ سجاد بیدار ہو گیا ہے ——— اپنی کرسی کے پاس رکھے ہوئے بٹنوں کے سیٹ میں سے ایک بٹن کو دبایا۔ سامنے دیوار پر اسکرین روشن ہو گئی۔ اس میں سجاد نظر آنے لگا۔ اب وہ سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ساتھ پی رہا تھا۔ سجاد کو دیکھ رہا تھا اور اس کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر ایک بٹن کو دبایا پھر رابطہ قائم ہوتے ہی پوچھا "ڈاکٹر! کیا فرہاد کو اسکرین پر دیکھ رہے ہو؟"

"یس سر! میں بغور معائنہ کر رہا ہوں۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ اڑتالیس گھنٹے تک اسے دوسرا انجکشن لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"مجھے پورا یقین ہے۔ میں اس دوا کے اثر کو خوب جانتا ہوں۔ اڑتالیس میں سے آٹھ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ چالیس گھنٹے بعد میں اسے دوسرا انجکشن لگاؤں گا۔"

"کبھی دوائیں بھی بے اثر ہو جاتی ہیں۔"

"جناب! ہمارے ہاں اے ون کوالٹی کی دوائیں ہیں۔ ہم ان دواؤں کی طبی کوالٹی کو چیک کرتے رہتے ہیں۔"

"پھر بھی خطرہ مول لینے کی ضرورت کیا ہے۔ دس گھنٹے بعد پھر ایک انجکشن لگا دینا۔"

"میں انکار نہیں کروں گا لیکن اس کا نتیجہ میں نے بتا دیا ہے۔ فرہاد بری طرح دماغی کمزوری کا شکار ہو جائے گا۔ اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہے گا۔ آپ لوگوں کی باتوں کا معقول جواب بھی نہیں دے سکے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم اس پر نظر رکھو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سپر ماسٹر نے پوچھا "اب فرہاد سے کون سی باتیں کرنے کو رہ گئی ہیں؟"

"ہم نے اپنے طور پر جو سوالات کرنے تھے وہ کر لیے۔ اسے اچھی طرح سمجھ بھی لیا لیکن بعض دوست ممالک کی معزز ہستیاں اسے دیکھنے، اس سے باتیں کرنے کے لیے آ رہی ہیں۔ ان کے سامنے اس کا نارمل رہنا ضروری ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہم پر کسی قسم کا الزام آئے۔ بابا فرید واسطی کے ادارے سے اعلیٰ بی بی اپنے خاص لوگوں کے ساتھ آنے والی ہے۔ ان سب کے ساتھ فرہاد جو گفتگو کرے گا، اسے ہم ریکارڈ کرتے رہیں گے۔ ہو سکتا ہے، گفتگو کے دوران وہ ایسی کوئی بات کہہ دے جو ہمارے لیے کارآمد ہو۔ اس لیے اس کے دماغ کو بالکل ہی مفلوج نہیں کیا جا سکتا۔ دوا کی اتنی خوراک کافی ہے کہ یہ خیال خوانی نہ کر سکے۔"

ماسک مین نے اسکرین پر سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا "ہم اس کے سامنے بے نقاب ہو چکے ہیں۔ جب تک یہ زندہ رہے گا، ہم سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔ ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے، کہیں یہ یہاں سے فرار نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے لیے بہت برا ہو گا۔" بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

جیسن ہارورڈ نے اپنے ہاتھ کے جام کو فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا "ہم نے اس کے چاروں طرف ایسی آہنی دیواریں چن دی ہیں کہ ہماری مرضی کے بغیر ہوا بھی نہ اندر آ سکتی ہے نہ باہر جا سکتی ہے۔ اس سے پہلے ہم نے سونیا کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔ وہ بھی یہاں سے نہ جا سکتی لیکن ٹیلی پیتھی نے ہمیں مجبور کر دیا تھا۔ آج فرہاد کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہے اور نہ ہی اب کبھی وہ یہ ہتھیار حاصل کر سکے گا۔ اس کے یہاں سے فرار ہونے اور ہم لوگوں کو نقصان پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

یہ کہہ کر اس نے جام کو منہ سے لگایا پھر ایک ہی سانس میں اسے خالی کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ماسک مین کو اور سپر ماسٹر کو دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ لوگوں کے ماتحت باس اور ماسٹر وغیرہ فرہاد کے ساتھیوں کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ فرہاد قید میں ہو اور اس کی موت یقینی ہو تو وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ تمہارے ماتحتوں کی رپورٹ کیا ہے؟"

سپر ماسٹر نے کہا "سونیا نے پیغام بھیجا ہے۔"

ماسک مین نے کہا "اس نے ایسا ہی ایک پیغام مجھے بھی بھیجا ہے۔ دنیا کی ہر خطرناک تنظیم سونیا کی خدمات ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی ہے۔ سپر ماسٹر نے کئی بار اس کی خدمات حاصل کیں۔ ہمیں اس کا موقع نہیں ملا لیکن ہم نے بارہا دوستی کی پیشکش کی۔ آج وہ ہماری اسی ضرورت سے کھیل رہی ہے۔ کہتی ہے ہم میں سے جو کوئی فرہاد کو زندہ سلامت اس کے پاس پہنچا دے گا، وہ اس کی تنظیم میں شامل ہو جائے گی بلکہ وہی نہیں، اعلیٰ بی بی کی پوری ٹیم اس کے ساتھ ہو جائے گی۔"

کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا "واقعی بہت بڑی آفر ہے۔ کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟"

سپر ماسٹر نے اپنا جام خالی کرنے کے بعد کہا "پہلے ایک بڑی طاقت نے ایٹم بم تیار کیا۔ اس کے جواب میں دوسری بڑی طاقتوں نے ایٹم بم بنا لیے۔ ایک سپر پاور نے ہائیڈروجن بم تیار کیا... جواباً دوسری سپر پاور نے بھی یہی کیا لیکن ٹیلی پیتھی ایک ایسا مہلک ہتھیار ہے جس کے جواب میں کوئی سپر پاور دوسرا فرہاد علی تیمور پیدا نہیں کر سکتی۔ ہم نے، آپ نے اور ماسک مین نے بھی کتنے ہی مستقل مزاج اور قوتِ ارادی رکھنے والوں کو ٹیلی پیتھی سیکھنے پر مامور کیا لیکن ہم

کسی کو اس علم میں کامل نہ بنا سکے۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو اتنی دنیا میں صرف ایک شخص کی ملکیت رہا ہے۔ ایسا ہتھیار جسے کوئی نہ حاصل کر سکے اور صرف ایک شخص کے پاس ہو تو اس ایک شخص کو ہی ختم کر دینا چاہیے۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔"

ماسک مین نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، جب دو بڑی طاقتوں کے پاس برابر کے ہتھیار ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر تخفیف اسلحہ کے لیے دباؤ ڈالتے ہیں۔ کوئی دباؤ میں آئے یا نہ آئے بہر حال جھوٹی سچی کوششیں کی جاتی ہیں لیکن فرہاد پر تو کوئی دباؤ ڈال ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی کا استعمال کم کر دے یا محدود کر دے۔ یا کم از کم خطرناک تنظیموں کے سربراہوں تک تو نہ پہنچے۔ وہ بھلا کس کی سننے والا تھا۔ یہ اس کی بدنصیبی اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے دام میں آ گیا ہے۔ اگر ہم نے اس کا کام تمام نہ کیا تو اس کے بعد وہ کبھی ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

جیسن ہارورڈ نے کہا۔ "سونیا واقعی مکار ہے۔ وہ جانتی ہے کہ آپ دونوں اپنی اپنی تنظیم کے لیے اس کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے فرہاد کو زندہ سلامت اس کے پاس پہنچا دیں گے یا پھر سوالنامے کے جواب میں آپ لوگ فرہاد کو زندہ رکھنے پر اصرار کریں گے۔"

"ہم اتنے نادان نہیں ہیں۔ سونیا کی چال کو سمجھتے ہیں۔ بہر حال سوالنامے کے مطابق فرہاد کو کیوں مارنا چاہیے اور کس طرح مارنا چاہیے اس کا جواب ہم نے لکھ دیا ہے اور دستخط کر دیے ہیں۔"

ان کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ تینوں بیک وقت اپنے اپنے جام منہ سے لگائے ہوئے تھے۔ چونکہ پی رہے تھے اس لیے بول نہیں سکتے تھے پھر جیسن ہارورڈ نے کہا۔ "ابھی آپ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم دوسرا ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر سکتے ہیں لیکن دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد کے جواب میں پیدا نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے، اس دنیا میں کون سا کام ناممکن ہے؟"

سپر ماسٹر اور ماسک مین نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ایک نے پوچھا۔ "کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے؟"

"کوشش کرنے سے کیا نہیں ہوتا۔ اگر ہم کوئی مہلک ہتھیار تیار نہ کر سکیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تیار ہو ہی نہیں سکتا۔ درحقیقت وہ تیار ہو سکتا ہے۔ ہماری ہمت، ہماری صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں۔ ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں بھی یہی ہوتا آ رہا ہے۔ ایسے وقت جب کہ اس کا ماہر ہمارے شکنجے میں ہے، ہم اس سے ٹیلی پیتھی حاصل کرنے کا ایک ایک طریقہ اگلوا سکتے ہیں۔ آج پہلی بار ربی اسفندیار نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا ہے۔ ہمارے ربی کا عمل کامیاب رہا ہے۔ یہ ابتدائی ... رفتہ رفتہ وہ اس کے دماغ کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیں گے کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ایک ایک ڈھکے چھپے نکتے کے متعلق بتا دے گا اور ہم اس کے مطابق اپنے کسی باصلاحیت مستقل مزاج اور قوت ارادی رکھنے والے نوجوان کو یہ علم سکھائیں گے۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ کامیابی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

ماسک مین نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرہاد کو سزائے موت دینے کے حق میں نہیں ہیں؟"

"بات کچھ ایسی ہی ہے۔"

سپر ماسٹر نے بھی پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن ابھی چار گھنٹے پہلے تک آپ کا فیصلہ اس کے خلاف تھا اسی لیے آپ نے یہ سوالنامے تمام لوگوں کے پاس بھیجے۔ اگر آپ اسے زندہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے ہتھکنڈوں میں کامیاب ہو کر آپ کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جانتے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ فرہاد اسی وقت ہماری قید سے رہائی حاصل کر سکتا ہے جب اس کی روح اس کے جسم سے رہائی حاصل کر لے۔"

"آپ سے پہلے بھی بڑی بڑی باتیں کرنے والے ہم نے دیکھے ہیں اور ان سب کو فرہاد کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کسی طرح فرہاد یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ کن لوگوں نے اس کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے۔ میرا اور ماسک مین کا نام سر فہرست ہوگا۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے اسے دوست بنایا تھا۔ وہ ہمارے کام تو نہیں آتا تھا لیکن ہمیں نقصان بھی نہیں پہنچاتا تھا۔ اب اگر وہ آزاد ہوا تو ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔"

"آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار ایسا ہوگا کہ فرہاد کبھی یہاں سے جانے کا نام نہیں لے گا۔"

ماسک مین نے کہا۔ "مسٹر ہارورڈ! فرہاد کے ذریعے اگر آپ اپنے کسی آدمی کو ٹیلی پیتھی کا ماہر بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ فرہاد ذہنی طور پر نارمل رہے تب ہی وہ ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ بتا سکتا ہے اور اس پر عمل کرا سکتا ہے۔"

"ہاں، ایسا ہی ہوگا۔"

ماسک مین نے حیرانی سے پوچھا۔ "جب وہ دماغی طور پر صحت مند رہے گا تو آپ کیا سمجھتے ہیں، وہ آپ کے قابو میں رہے گا؟"

"اس وقت تک ہمارے ربی اسفندیار ہپناٹزم کے ذریعے اسے اس طرح گرفت میں لے چکے ہوں گے کہ وہ دماغی طور پر صحت مند ہونے کے باوجود ہپناٹزم کے زیر اثر رہے گا۔ ہمارے ربی اسفندیار ہپناٹزم کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔ وہی جانتے ہیں کہ اسے کس طرح اپنے قابو میں رکھا جائے گا۔ میں اس کی تفصیل نہ تو جانتا ہوں، نہ آپ لوگوں کو بتا سکتا ہوں۔"

سپر ماسٹر نے غصے سے کہا۔ "اگر ایسی بات تھی تو آپ نے ہم لوگوں سے اس کی موت کے فیصلے پر دستخط کیوں کرائے؟"

جیسن ہارورڈ نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "میں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس کی موت کے فیصلے پر دستخط کریں۔ سوالنامے میں اس کی زندگی کے متعلق بھی سوال تھا۔ آپ لوگوں نے اس پر دستخط کیوں نہیں کیے؟"

سپر ماسٹر اور ماسک مین نے ایک دوسرے کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا پھر ماسک مین نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس سوالنامے کے ذریعے ہمیں بلیک میل کریں گے۔ ہمارے اندیشے کے مطابق اگر فرہاد یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا تو میری اور سپر ماسٹر کی دوستی صرف اسی وقت تک قائم رہ سکے گی، جب تک یہ سوالنامے اس کی نظروں میں نہیں آئیں گے اور اس کی نظروں میں آپ ہی لا سکتے ہیں۔ گویا کہ اب ہم آپ کے رحم و کرم پر رہیں گے۔"

"آپ لوگ محض ... اتنی دور تک سوچ رہے ہیں۔ یقین کریں ہم اسے مار ڈالنا چاہتے تھے لیکن ہمارے ربی کی کامیابی نے ہمارا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔ ان کا حکم ہے کہ ہم فرہاد کو ہلاک نہ کریں بلکہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس معاملے میں ہمارے ربی اسفندیار بہت اہم رول ادا کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "اگر آپ نے فیصلہ بدل دیا ہے تو اب وہ سوالنامے ہمیں واپس کر دیں۔"

"وہ ہمارے پاس رہیں گے۔ ہم فرہاد کو بتائیں گے کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک، دنیا کی خطرناک تنظیموں کے سربراہ اور اس کے کتنے ہی دوست نما دشمن اس کے خلاف ہیں اور اس کی موت کے خواہاں ہیں۔ اگر وہ زندہ رہ سکتا ہے تو صرف ہمارا دوست بن کر۔ کیوں کہ اتنے سارے دستخطوں کے باوجود ہم اسے ہلاک نہیں کریں گے بلکہ اسے دوست بنا کر رکھیں گے۔ یقیناً وہ ہم سے متاثر ہوگا اور نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ربی اسفندیار اسے اپنی مٹھی میں رکھنے کا راستہ ہموار کر چکے ہیں۔"

سپر ماسٹر نے اپنے گلاس کو غصے سے میز پر پٹختے ہوئے کہا۔ "میں ابھی واپس جانا چاہتا ہوں۔"

ماسک مین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بھی واپس جاؤں گا۔ بہت دوستی ہو چکی۔"

جیسن ہارورڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں، آپ دونوں کے سوالنامے فرہاد کے سامنے نہیں لاؤں گا۔"

"ہم آپ کا وعدہ خوب سمجھتے ہیں۔ جو شخص اپنے مفاد کی خاطر اپنی زبان بیچ دے، وہ بھلا دوسروں کی زبان کا لحاظ کیا رکھے گا۔ ہمارے قلم کی نوک سے فرہاد کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ہم اس وقت بڑے گھاٹے میں ہیں۔ ہمیں فوراً ہی اس کی تلافی کرنی ہے لہٰذا گڈ بائی۔ اب ہم کسی نئے سمجھوتے کے نئے موڑ پر ملاقات کریں گے۔"

وہ دونوں وہاں سے نکل کر جانے لگے۔ میں نے باری باری دونوں کے خیالات پڑھے۔ وہ اپنی الجھن میں تھے۔ یہی سوچ رہے تھے کہ فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کرنے کی جو غلطی ہوئی ہے اس کے جواب میں کوئی ایسی چال چلی جائے کہ وہ غلطی ایک مصالحت آمیز غلطی بن جائے جو دوستی کی راہیں ہموار کر سکے۔ میں تھوڑی دیر بعد ان کے دماغوں سے معلوم کر سکتا تھا کہ وہ اپنی حماقت کو کس طرح مصالحت آمیز غلطی بنا رہے ہیں۔ اس وقت میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسی طرح کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ کبھی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ کبھی ٹہلنے لگتا تھا۔ کبھی لیٹ جاتا تھا۔ کبھی صوفے پر نیم دراز ہو جاتا تھا۔ میں نے کہا۔ "اب تمہارا وقت اسی طرح گزرے گا۔ ویسے ایک خوشخبری سنا دوں کہ یہودیوں نے تمہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ بدل دیا ہے۔ وہ تمہارے ذریعے اپنے کسی آدمی کو ٹیلی پیتھی سکھانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ربی اسفندیار تمہارے دماغ کو پوری طرح اپنے شکنجے میں رکھے گا۔ تم پر شاید روزانہ ہپناٹزم کا عمل کیا جائے گا۔ اس طرح تم اس کے معمول بن کر رہ جاؤ گے۔"

"بھائی جان! اس کا معمول بننے کے بعد میں اپنی سوچ سے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ اس کا فرمانبردار رہوں گا۔ جو کہے گا، وہی کرتا رہوں گا۔"

"جس طرح میں نے سونیا پر عمل کیا تھا، وہی عمل تم پر کروں گا۔ چلو، بستر پر لیٹ جاؤ۔ اور چاروں شانے چت ہو کر آنکھیں بند کر لو۔"

اس نے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے میں سو کر اٹھا ہوں۔ پھر میں بستر پہ لیٹ جاؤں گا تو وہ کیا سوچیں گے؟"

"وہ تمہیں دوبارہ سوتے ہوئے دیکھ کر یہی خیال قائم کر سکتے ہیں کہ تم دماغی طور پر صحت مند نہیں ہو اور جس کا دماغ کمزور ہوتا ہے اس پر نیند کا غلبہ رہتا ہے۔ اسی لیے تم دوبارہ سو رہے ہو۔"

وہ چاروں شانے چت ہوگیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ مَیں نے سونیا پرعمل کیا تھا کہ جب بھی ربی اسفندیار اسے ہپناٹائز کرے گا اور اسے اپنی معمولہ بنائے گا تو بے شک وہ اس کی معمولہ بن کر ہر بات کا جواب دے گی لیکن یہ بھول جائے گی کہ پارس کہاں ہے اور کن لوگوں کی سرپرستی میں ہے۔

اب پارس کا مسئلہ نہیں تھا لیکن سونیا کے دماغ سے یہ بات بالکل نکل گئی تھی کہ پارس کہاں ہے۔ ربی اسفندیار سمجھ گیا تھا کہ میں نے اسے پہلے ہی ہپناٹائز کر کے اس کے دماغ کے تہ خانے سے پارس کے متعلق تمام معلومات مٹادی ہیں لیکن اب تو ربی اسفندیار کو یہ تاثر نہیں دیا جاسکتا تھا کیوں کہ وہ اپنی دانست میں خود فرہاد کو ٹریپ کر رہا تھا۔

میں نے سجاد کو اچھی طرح ٹرانس میں لانے کے بعد اس سے کہا "مَیں جو کہوں گا، تم اس پرعمل کرو گے۔"

وہ مکمل طور پر میرا معمول بن چکا تھا۔ اس نے کہا "آپ جو کہیں گے مَیں اس پرعمل کروں گا۔"

"مَیں جو باتیں کہہ رہا ہوں، وہی تمھارے دماغ میں رہیں گی اور تم سجاد علی تیمور کے وجود کو بالکل بھول جاؤ گے۔"

"آپ جو باتیں کہیں گے۔ وہی باتیں میرے دماغ میں رہیں گی۔ میں سجاد علی تیمور کے وجود کو بالکل ہی بھول جاؤں گا۔"

میں نے حاکمانہ لہجے میں کہا "تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

اس نے جواباً کہا "میں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

"اب اس لمحے سے تم ہمیشہ فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے گفتگو کرو گے؟"

"میں اس لمحے سے ہمیشہ فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے گفتگو کروں گا۔"

"تمھارے ذہن میں فرہاد کے ریکارڈ کی تمام تفصیلات محفوظ ہیں؟"

"میرے ذہن میں فرہاد کے ریکارڈ کی تمام تفصیلات محفوظ ہیں۔"

"آئندہ دشمن یا دوست تم سے کوئی بھی سوال کریں تو تم فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے اس ریکارڈ کے مطابق جواب دوگے اور اسی ریکارڈ کے مطابق عمل کرو گے۔"

"آئندہ کوئی دوست یا دشمن مجھ سے سوال کرے گا تو میں فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے اسی کے ریکارڈ کے مطابق جواب دوں گا اور اسی ریکارڈ کے مطابق عمل کروں گا۔"

"اب میں تمھیں آزماتا ہوں۔ جواب دو، رسونتی تمھاری کون ہے؟"

"رسونتی میری بیوی تھی۔ اب وہ ایک مطلقہ عورت ہے۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"تم اس فرہاد علی تیمور کے متعلق کیا جانتے ہو جو پہلے میں رسونتی کا شوہر تھا اور ٹیلی پیتھی جانتا تھا۔"

"میں خود فرہاد علی تیمور ہوں۔"

"تمھارے بھائی جان کا نام کیا ہے؟"

"میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو۔ تمھارے بھائی جان کا نام ...."

یہ کہہ کر میں چند ساعتوں کے لیے چُپ ہوا پھر میں نے "آگے نام بتاؤ؟"

"کیا نام بتاؤں؟ کس کا نام بتاؤں؟ میں کہہ رہا ہوں، میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

"کیا تم اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہو؟"

وہ چند لمحوں کے لیے چپ رہا۔ میں اس کی سوچ پڑھ کر سمجھ رہا تھا۔ وہ میرے ریکارڈ کی تفصیلات کو یاد کر رہا تھا۔ اس نے جواب دیا "جی ہاں۔ بہت پہلے میں نے ماسٹر پوتے کی سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد رسونتی میرے دماغ میں آنے لگی۔"

"اور فرہاد علی تیمور؟"

"میں خود فرہاد علی تیمور ہوں اور ہر انسان کی طرح اپنی سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ میں محسوس کرتا ہوں۔ انھیں سمجھتا ہوں اور ان پر عمل کرتا ہوں۔"

میں تھوڑی دیر خاموش رہ کے اس کے دماغ میں جو رہا معلوم کرتا رہا کہ وہ اپنے طور پر کیا سوچ رہا ہے۔ جب کوئی ٹرانس میں آجاتا ہے تو اپنے طور پر کچھ نہیں سوچ سکتا۔ اپنے عامل کے سوالات کا انتظار کرتا ہے اور انہی سوالوں کے متعلق سوچ کر جواب دیتا ہے۔ اس وقت وہ خالی الذہن تھا۔ اس کے دماغ میں صرف یہ بات تھی کہ اس سے اگلا سوال کیا جائے گا۔

میں اپنی جگہ مطمئن ہوگیا۔ میں نے اسے اچھی طرح دماغی بندش میں جکڑ رکھا تھا۔ اب کوئی اس سے بیداری کی حالت میں یا خواب کی حالت میں یا ٹرانس میں لاکر یہ سوال کرتا تو وہ میری مرضی کے مطابق ہی جواب دیتا۔ پھر یہ کہ میں نے اسے معمول بنا کر یہ بات ذہن نشین کر دی تھی کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے اور سجاد علی تیمور کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ جب کسی کے وجود کو لاعلمی کی تاریکیوں میں چھپا دیا جائے اور اس کی دوسری شخصیت قرار دی جائے اور وہ ٹرانس میں آنے کے بعد اسے قبول کرلے تو پھر کوئی اس ثابت کو بدل نہیں سکتا۔ اب وہ اپنے دماغ کے تحت اس

یک فرہاد علی تیمور بن چکا تھا۔ لہٰذا اب مجھے اس کی طرف سے زیادہ فکر نہیں تھی۔ میں نے اسے ہدایت دی کہ وہ ایک گھنٹے تک آرام کرے۔ اس دوران اگر اسے کوئی جگانے آئے گا تو وہ جاگ جائے گا لیکن اس کے چہرے سے تھکن یا ایسے آثار نظر نہیں آئیں گے جیسے تھوڑی دیر پہلے اسے سحر زدہ کیا گیا ہو۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ تل ابیب میں رات ہو چکی تھی۔ میں جانتا تھا، شاید رات کے کھانے کے سلسلے میں کوئی اسے بیدار کرنے آئے گا۔ اس کے لیے میں نے اسے مناسب ہدایت دے دی تھی۔ آخر میں اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں ڈاکٹر بیٹھا ہوا ٹیلیفون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بات کرنے والے سے معذرت چاہی پھر ریسیور رکھ دیا۔ میری طرف گھوم کر بولا "ہیلو مسٹر ایزل ہارڈی! خیال خوانی سے فرصت مل گئی؟"

میں نے اس کے قریب ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایزل ہارڈی ٹیلی پیتھی نہیں جانتا ہے۔ پھر وہ بے چارہ خیال خوانی کیسے کر سکتا ہے؟"

"کیا تم نے ایزل ہارڈی کے متعلق تمام معلومات حاصل کرلیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جب میں خود ایزل ہارڈی ہوں تو اپنے متعلق کیا معلومات حاصل کروں گا؟"

اس بار ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا "تم شرارت سے باز نہیں آؤ گے؟"

میں نے اچانک اپنے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری کرتے ہوئے پوچھا "ڈاکٹر! کیسی شرارت؟ میں یہاں آپ کی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔ آپ کو کسی نے میرے متعلق غلط اطلاع دی ہے کہ مَیں مرچکا ہوں۔ دیکھ لیجیے، زندہ ہوں۔ اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ نے کسی دوسرے کو ایزل ہارڈی کیوں بنایا؟ کیا آپ کا پیشہ یہی ہے کہ آپ ایک کے چہرے کو دیکھ کر دوسرا چہرہ بنا ڈالیں؟"

ڈاکٹر حیرانی سے اور پریشانی سے میری باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے جواب دیا "میں نے کسی کو ایزل ہارڈی نہیں بنایا ہے۔ اگر بنایا ہے تو اس کا ثبوت پیش کرو۔"

لیکن یہ کہتے کہتے وہ ایک دم سے چونک گیا۔ پہلے تو اس نے غور سے مجھے دیکھا پھر اچانک میرے کان کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ایزل ہارڈی! تم مرچکے ہو۔ اگر زندہ ہوتے تو میرا وہ شریف فرہاد بہت پہلے ہی تمھارے دماغ میں پہنچ چکا ہوتا۔ لہٰذا اپنے آپ کو مُردہ سمجھو اور میرے سامنے فرہاد کو لے آؤ۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اپنا کان چھڑایا پھر کہا "میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ اصل اور نقل کی تمیز کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

"بائی گاڈ! میں بالکل پہچان نہ سکا۔ میں نے تمھیں ہو بہو ایزل ہارڈی بنایا ہے۔ ایک ذرا فرق نہیں رکھا پھر میرا دھوکا کھانا لازمی تھا۔"

"ڈاکٹر! میں نے آپ جیسا باکمال نہیں دیکھا۔ آپ نے بنایا اور آپ دھوکا کھا گئے۔ اس سے ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ اس وسیع و عریض دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کروڑوں اربوں چہرے تخلیق کیے ہیں۔ بہت سے چہرے ایک دوسرے سے قدرے مشابہت رکھتے ہیں لیکن وہ عظیم خالق ہر چہرے کو الگ الگ پہچانتا ہے۔ ہر چہرے کی تقدیر الگ الگ لکھتا ہے اور تمام چہروں کو ایک دوسرے سے مختلف معیارِ زندگی دیتا ہے۔ وہ کبھی دھوکا نہیں کھاتا۔ وہ کبھی پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا۔ ایک سنگتراش بُت بناتا ہے لیکن اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔ آپ جیسا ڈاکٹر فرہاد کے چہرے پر ایزل ہارڈی کا چہرہ تخلیق کر سکتا ہے لیکن اسے پہچاننے میں دھوکا کھا جاتا ہے۔"

اس نے قائل ہو کر کہا "تم درست کہتے ہو۔ آج میں تمھیں اپنی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ سُناتا ہوں۔ تقریباً تین برس پہلے میرے پاس دو سائنسداں اور دو بہت ہی بوڑھے اور تجربہ کار ڈاکٹر آئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں کسی کے چہرے پر سرجری کروں۔"

میں نے بحیثیت ڈاکٹر پوچھا "معاملہ کیا ہے۔ مجھے وضاحت سے بتائیں۔"

ایک ڈاکٹر نے کہا "ہم معتبر لوگ ہیں۔ ہماری حکومت ہم پر اعتماد کرتی ہے اور بڑے سے بڑے تجربات کے سلسلے میں ہمیں ہر طرح کی آزادی ہے۔ ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہم سب مل کر ایک انسان کی تخلیق کر رہے ہیں۔"

میں نے ڈاکٹر کی بات سُن کر چونکتے ہوئے پوچھا "انسان کی تخلیق؟"

"جی ہاں، ہم نے ایک گوشت پوست کا انسان بنایا ہے اسے ہر طرح سے مکمل کیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دیرپا طاقت ور سیل کے ذریعے اس کے دل کی دھڑکنوں کو جاری رکھیں گے جس کی وجہ سے خون کا دوران بھی جاری رہے گا۔ صرف اس کا چہرہ بنانا باقی رہ گیا ہے۔ یہ کام آپ ہمارے لیے کر سکتے ہیں۔"

میں نے کہا "جب آپ لوگوں نے اتنا سب کچھ کرلیا ہے تو آپ لوگوں کے لیے چہرہ بنانا کون سی بڑی بات ہے۔"

"ویسے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن ہر شخص مصوّر یا صورت گر نہیں ہوتا۔ ہم نے اپنے طور پر اس نئے انسان کا چہرہ بنایا ہے۔ لیکن وہ بہت ہی بھدا ہے۔ ہم چاہتے ہیں آپ اسے خوب صورت بنا دیں۔"

میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں نے جب یہ پیشہ اختیار کیا تو اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ دُکھی انسانوں کے کام آؤں گا۔ کسی کا چہرہ جل جائے یا چہرے اور جسم کے کسی حصّے میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو میں اس نقص کو دُور کروں گا۔ اگر کسی کو خوب صورت بنانا مقصود ہوتا تو مقابلۂ حسن میں شریک ہونے والی عورتوں کی لائن میرے کلینک کے سامنے ہوتی۔ ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ عورت اربوں ڈالر کی جائداد کی مالک تھی۔ وہ آدھی جائداد میرے نام لکھنے کو تیار تھی۔ شرط یہ تھی کہ میں اسے دُنیا کی حسین ترین عورت بنادوں۔ میں نے اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور آپ لوگ تو ایک مُردہ انسان کی بات کر رہے ہیں۔ میں ایسا کام نہیں کر سکتا۔ یہ میرے ایمان کے خلاف ہے۔"

ایک سائنسداں نے کہا "ہم یہی تو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خدا ہے۔ اس نے ہمیں غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اگر خدا (نعوذ باللہ) نہیں ہے تو ہم انسان ہیں۔ ہمارے جیسے انسانوں کو جنم دیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے عورتیں جنم دیتی ہیں لیکن پہلی بار ہم لوگ ایک مجسم انسان کو تخلیق کر رہے ہیں۔"

میں نے انھیں جواب دیا "آپ لوگ کشمکش میں مبتلا ہیں کہ خدا ہے یا نہیں ہے۔ اتنی عمر گزر گئی اور آپ ابھی تک کائنات کے خالق کو ماننے سے ہچکچاتے آ رہے ہیں مگر میں دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارا خدا ہے۔ وہ بے شک ہمیں غیر معمولی صلاحیتیں عطا کرتا ہے لیکن اس کی ایک حد مقرر کر دیتا ہے۔ میں تمھارا ساتھ تو نہیں دوں گا لیکن جب تم اپنے تخلیق کردہ انسان کو ایک طاقت ور سیل کے ذریعے زندگی دو گے تو میں یہ دیکھنے ضرور آؤں گا کہ اسے زندگی دینے کے بعد اس کی تقدیر کون لکھتا ہے۔ ہم مذہبی لوگ تو اتنا جانتے ہیں کہ دنیا کا ہر انسان مقدر کے سائے میں زندہ رہتا ہے اور مقدر کی آخری تحریر کے مطابق مر جاتا ہے۔"

دوسرے سائنسداں نے کہا "اور ہم یہ جانتے ہیں کہ انسان اپنی تدبیر سے اپنی زندگی بناتا یا بگاڑتا ہے۔ تدبیر سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے اس نتیجے کو لوگ تقدیر کہتے ہیں۔"

میں نے ڈاکٹر شیفرڈ کی باتیں سن کر کہا "تقدیر کے گورکھ دھندے کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو زندگی کے نشیب و فراز سے شعوری طور پر گزرتے ہیں۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی تقدیر بنانے کی لاکھ کوشش کی ہے اور کرتا آ رہا ہوں لیکن میرا کیا ہوا۔ جو میرے لیے لکھ دیا گیا ہے وہی میرے سامنے آتا ہے اور میری تدبیر دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔"

ملازم نے آکر کہا "جناب! میز پر کھانا لگا دیا گیا ہے۔"

ہم وہاں سے اُٹھ کر ڈائننگ روم کی طرف جانے لگے۔ میں نے پوچھا "کیا وہ ڈاکٹر اور سائنسداں کامیاب ہوئے؟"

"اس دن کے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ سمجھ سکتا ہوں۔ انسان دل کی دھڑکنوں و سیل کے ذریعے قائم رکھ سکتا ہے لیکن دماغ کی پیچیدہ رگوں کے مطابق ایک انسانی دماغ نہیں بنا سکتا۔ میرا خیال ہے، وہ اس مصنوعی انسان کے دماغ میں کوئی کمپیوٹر سسٹم رکھنا چاہتے تھے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کا دماغ کمپیوٹر سسٹم کا محتاج رہے گا اور اس کے دل کی دھڑکنیں ہمیشہ سیل کے مطابق جاری رہیں گی۔ مانا کہ کمپیوٹر انسان کے مقابلے میں کم غلطیاں کرتا ہے لیکن ایسا کمپیوٹر ابھی تک ایجاد نہیں ہوا، جو محبت کے جذبوں کو سمجھتا ہو۔ سردی گرمی کو محسوس کرتا ہو۔ ساون کی بھیگی رُت کا مزہ جانتا ہو۔ ایک حسین چہرے کو دیکھ کر کم از کم ایک شعر لکھ سکتا ہو یا یاد کر سکتا ہو۔ جب کمپیوٹر یہ سب نہیں کر سکتا تو کمپیوٹر والا دماغ اس انسان کو کیا بنائے گا؟ بے حس اور جذبات سے عاری مشین، روبوٹ جو محبت نہ کر سکتا ہو۔ انسان اور کمپیوٹر میں ایک واضح فرق ہے۔ انسان اپنی محبوبہ کو پھول سمجھ کر اُٹھاتا ہے، جب کہ مشینی انسان ایک بوجھ سمجھ کر اسے قلی کی طرح اٹھائے گا۔"

ہم کھانے کے دوران باتیں کرتے رہے۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر نے پوچھا "اب تمھارا کیا پروگرام ہے؟"

"آپ کے ہاں آج میری آخری رات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"مگر کہاں جاؤ گے؟"

"ابھی کہہ نہیں سکتا۔ یہاں سے اپنے بیڈ روم میں جا کر ایزل ہارڈی کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کروں گا۔ اگر ہارڈی سے تعلق رکھنے والی کسی جگہ جانا ضروری ہوا تو وہاں جاؤں گا ورنہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب چار دیواری میں نہیں رہوں گا۔ میرا چہرہ آپ جیسے ماہر کے لیے عارضی ہے مگر دشمنوں کے لیے مستقل ہے۔ کوئی مجھ پر شبہ نہیں کرے گا۔ اب میں سرِعام دشمنوں کے درمیان سے بھی گزر سکتا ہوں۔ یوں سمجھ لیجیے، بیٹھے بیٹھے مجھے زنگ لگ گیا ہے۔ اب ہاتھ پاؤں کی ورزش کے لیے نکل رہا ہوں۔"

ملازم ہمیں کھانا کھلانے کے بعد چلا جاتا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تھرماس میں کافی بھر کر مجھے دے جانا، اس کے بعد چھٹی کرنا۔"

اس نے میرے حکم کے مطابق تھوڑی دیر بعد ہی کافی سے بھرا ہوا تھرماس لا کر میری خواب گاہ میں رکھ دیا پھر چلا گیا۔ میں ایزل ہارڈی کی ڈائری کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کے جاننے والوں کے نام اور پتے اس ڈائری میں درج تھے۔ ایک کیسٹ ایسا تھا جس میں ایزل ہارڈی اور اس کے کچھ ساتھیوں کی آوازیں ریکارڈ کی ہوئی تھیں۔ وہ کیسٹ میرے کام آسکتا تھا۔ اس میں جتنے لوگوں کی آوازیں موجود تھیں۔ میں پہلے ان کے دماغوں میں پہنچ کر باقی دوسرے لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

لیکن ایک ذرا سی خیال خوانی رہ گئی تھی۔ پارس کے متعلق معلوم کرنا تھا۔ میں ثبانہ کے پاس پہنچ گیا۔ میرا بیٹا اس کے قبیلے کی ایک عورت کے گود میں پہنچ گیا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ پولیس اسے تلاش کر رہی ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ اس کا نام پارس ہے۔

قصہ یوں ہے کہ شبیر حسن نے پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ پارک میں چہل قدمی کے لیے گیا تھا۔ وہیں اس کی بیوی نے گھاس پر بچے کو لٹا دیا تھا۔ ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی تو کوئی اس بچے کو اٹھا کر لے جانے لگا۔ اس کی بیوی نے شور مچایا۔ شبیر حسن بھی پہنچ گیا لیکن وہ ہاتھ نہیں آئے۔ وہ دو آدمی تھے جو موٹر سائیکل پر بچے کو لے گئے تھے۔

چونکہ شبیر حسن اور اس کی بیوی کو پارس کے بغیر انقرہ سے نکل کر تہران جانا تھا، اس لیے یہ جھوٹی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔ ثبانہ نے یہ تدبیر شبیر حسن کو بتائی تھی اور کہا تھا، جب پارس کو اغوا کیا جائے تو اس کی بیوی کو صحیح معنوں میں ایک ماں کی طرح رونا چاہیے اور وہ بے چاری رو رہی تھی۔ بہت بُری طرح، کیونکہ پارس سے پہلے ہی اس کا دل لگ چکا تھا۔ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ بچے کی جُدائی پر رونا تو یقینی تھا اس لیے وہ بے اختیار رو رہی تھی۔ ان کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ دو چار روز پولیس والوں پر اعتماد کر کے وہاں قیام کیا جائے گا اور بچے کی بازیابی کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر پولیس والے اسے تلاش کرتے ہوئے ثبانہ اور اس کے قبیلے میں پہنچ جائیں اور شبیر حسن سے اس کی شناخت کرائی جائے تو وہ اور اس کی بیوی پارس کو دیکھ کر انکار کر دیں گے کہ یہ ان کا بیٹا نہیں ہے۔

تدبیر اچھی تھی۔ پارس اب ثبانہ کے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔ میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اب میں اطمینان سے ایزل ہارڈی کے ساتھیوں کے دماغوں میں باری باری پہنچ سکتا تھا۔ میں نے اس کیسٹ کو ریکارڈر میں رکھا پھر اسے آن کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ڈاکٹر شیفرڈ تیزی سے میری خواب گاہ میں آیا۔ گھبرائے ہوئے انداز میں کہنے لگا "فرہاد! کوئی باہر سے ہمارے بیرونی دروازے کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

میں فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا "کیا آپ نے تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو بند کر دیا تھا؟"

"دروازوں کو لاک بھی کر دیا ہے مگر کوئی اسے کھول رہا تھا۔ میں فوراً ہی تمھارے پاس چلا آیا۔"

"آپ اطمینان سے جائیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔ کوئی بھی آئے گا تو آپ سے باتیں کرے گا پھر میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر اندر ہی اندر گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا "پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ دشمنوں کا کوئی ہتھیار ٹیلی پیتھی کے آگے کام نہیں کرتا ہے۔ وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ پہلے ہم آنے والے کو دیکھ تو لیں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ وہاں ایک دراز قد عورت نظر آئی۔ وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے یوں اعتماد سے کھڑی ہوئی تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ یہ لکڑی کے دروازے اور لوہے کے قفل تھے۔ میں تو آہنی دروازوں کے پار بھی چلی جاتی ہوں۔

ڈاکٹر کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس عورت کے ہاتھ میں ایک پرس تھا۔ کوئی ریوالور وغیرہ نہیں تھا۔ اس نے نارنجی رنگ کا بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کے اسکرٹ پر نارنجی رنگ کی دھاریاں تھیں۔ اس کا سراپا بتا رہا تھا کہ چہرے کے اعتبار سے بھی دلکش ہو گی اور چہرہ تھا کہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ڈاکٹر نے کہا "میرے ہاں ایسی عورتیں آتی ہیں، جن کے چہروں میں کوئی نقص ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خود کو نقاب میں چھپا کر آتی ہیں۔ اگر تم پلاسٹک سرجری کے لیے آئی ہو تو بہت غلط وقت پر، غلط جگہ آئی ہو۔ یہ کون سا طریقہ ہے۔ میں نے باہر کے دروازے کو مقفل کیا تھا۔ تم اسے کس طرح کھول کر آئی ہو؟ کس کی اجازت سے اندر آئی ہو؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی آنے والی نے اپنے چہرے کے نقاب کو اُلٹ دیا۔ اسے دیکھتے ہی ڈاکٹر یکبارگی حیرت سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا "مادام آ... آ... آپ... آپ اس وقت یہاں؟"

وہ حیران تھا اور صرف مادام کہہ رہا تھا لیکن اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "مادام سونیا۔ سونیا۔ سونیا۔"

ہائے ری سونیا، تُو تو فرہاد علی تیمور کی کھوپڑی گھما کر رکھ دیتی ہے۔ یہ شدید حیرانی کی بات تھی کہ وہ مکار عورت کس طرح میرے قریب چلی آئی تھی۔ آخر یہ ہے کیا بلا؟

اسی وقت سونیا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "ڈاکٹر! میں ہر قیمت پر فرہاد سے ملنا چاہتی ہوں۔ اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔"

ڈاکٹر پہلے ہی سونیا سے متاثر تھا اور اس کا مداح بھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "مادام! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ فرہاد...."

میں نے اسے آگے کہنے کا موقع نہیں دیا۔ فوراً ہی سوچ کے ذریعے اس کی بات بدل دی۔ ڈاکٹر نے کہا "میرا مطلب ہے، آپ فرہاد کو یہاں تلاش کرنے کیوں آئی ہیں۔ ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ نہ تو میں نے فرہاد کو دیکھا ہے۔ نہ ہی مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے۔"

سونیا نے ڈرائنگ روم کو اِدھر سے اُدھر تک سرسری نظروں سے دیکھا پھر اطمینان سے ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اچانک سوال کیا "آپ کے ہاں اور کون ہے؟"

ڈاکٹر ذرا پریشان ہوا لیکن میں نے اسے سنبھال لیا، کہنے لگا "کوئی نہیں۔ صرف ایک اجنبی ہے۔ میرے لیے ذرا پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔"

اس نے پوچھا "رات کا وقت ہے۔ آپ نے ایک اجنبی کو اپنے ہاں پناہ کیوں دی ہے؟"

"وہ اجنبی ہے مگر بے چارہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔ جانے کہاں کہاں سے بھٹکتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ نہ تو میرا دشمن ہے، نہ ہی مجھے بے سبب نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

سونیا نے کہا "میں حیران ہوں کہ آپ جیسا ذہین اور مصروف ترین ڈاکٹر ایک اجنبی کے لیے اپنا وقت کیسے نکال سکتا ہے پھر آپ کیا جانیں کہ کوئی بے سبب نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ نقصان پہنچنے کے بعد ہی اسباب کا علم ہوتا ہے۔"

پھر اس نے اچانک ہی ڈاکٹر کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔ "اس کا نام کیا ہے؟"

"ایزل ہارڈی۔"

سونیا نے غیر متوقع طریقے پر یہ سوال اچانک کیا تھا، میں ڈاکٹر کو سنبھال نہ سکا اور اس نے نام بتا دیا۔ اس نے پھر حیرانی سے ڈاکٹر کو دیکھتے ہوئے کہا "آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے پھر اسے اپنا نام کیسے یاد ہے؟"

ڈاکٹر نے میری سوچ کے مطابق ہنستے ہوئے کہا "نہ وہ اپنا نام بتا سکتا ہے اور نہ ہی میں پوچھنے کی حماقت کر سکتا ہوں۔ اس کے سامان میں کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے ذریعے مجھے اس کا نام معلوم ہوا ہے۔"

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔ "آپ اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"میں دیکھ رہی ہوں۔ جب میں یہاں آئی تو آپ مجھے دیکھتے ہی پریشان ہو گئے۔ آپ ایک صحت مند دماغ کے مالک ہیں۔ پہلی بار فرہاد کا نام سنتے ہی آپ نے کچھ کہنا چاہا تھا پھر میں نے محسوس کیا جیسے آپ نے بات بدل دی ہو پھر بھی میں نے نظر انداز کیا لیکن میں دیکھ رہی ہوں، آپ کبھی میری کسی بات پر بدحواس ہو جاتے ہیں کبھی بلاوجہ ہنسنے لگتے ہیں جیسا کہ ابھی ہنس کر جواب دے رہے تھے۔ آخر بات کیا ہے؟ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟"

میں نے ڈاکٹر کی زبان سے کہا "مادام! آپ جہاں پہنچ جاتی ہیں وہاں کوئی چھپ نہیں سکتا۔ میں آپ سے ایک بات چھپانا چاہتا تھا۔ آپ وعدہ کریں کسی کو نہیں بتائیں گی تو میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

سونیا نے انکار کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "اگر وہ اجنبی آپ کے لیے کوئی مصیبت بنا ہوا ہے یا مسئلہ بنا ہوا ہے تو میں سنوں گی ورنہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شکریہ مادام! آپ نہ ہی پوچھیں تو بہتر ہے۔ وہ بے چارہ آج نہیں کل چلا جائے گا۔ اس کی بات ختم ہو جائے گی۔ آپ بتائیں، اتنی رات کو میرے پاس آنے کی کیسے زحمت کی؟ مجھے اطلاع دے دیتیں، میں خود ملنے چلا آتا۔"

"میں ضرورت مند ہوں۔ اس لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔ پہلے آپ کو بتا دوں کہ فرہاد دشمنوں کی قید میں ہے اور قید بھی ایسی ہے جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا لیکن میں وہاں پہنچنے کے لیے پر تول چکی ہوں۔ اسی لیے رات کو چھپ کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ ہی میرے اس چہرے کو چھپا کر کوئی دوسرا چہرہ بنا سکتے ہیں۔ میں اس طرح جانا چاہتی ہوں کہ دشمنوں کو مجھ پر ذرا بھی شبہ نہ ہو۔"

"یعنی آپ اپنے چہرے پر پلاسٹک سرجری کرانا چاہتی ہیں۔"

"پلاسٹک سرجری کے عمل میں کئی ماہ لگ جاتے ہیں اور دشمنوں نے فرہاد کی موت کے لیے جو سو گھنٹے مقرر کیے تھے، ان میں سے پینتالیس گھنٹے گزر رہے ہیں۔ پچپن گھنٹے رہ گئے ہیں۔ آپ مجھے بتائیں، کیا پانچ دس گھنٹے کے اندر میرے چہرے کو کسی حد تک تبدیل کر سکتے ہیں؟"

اس نے پرس کھول کر ایک تصویر نکالی اور کہا "یہ چہرہ مجھ سے قدرے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر اس تصویر کے مطابق میرا چہرہ بن جائے تو لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ میں سونیا سے مشابہت رکھتی ہوں۔"

وہ جس انداز میں ڈاکٹر کے ہاں داخل ہوئی تھی اور اس کی ابتدائی گفتگو بھی ایسی تھی کہ میں سمجھا، وہ جانتی ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ اسی لیے ملنے آگئی ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ پلاسٹک سرجری کے بعد تل ابیب پہنچنا چاہتی تھی۔ میں نے ڈاکٹر کے ذریعے اس تصویر کے متعلق سوال کیا "یہ لڑکی کون ہے؟"

"یہ ایک یہودی لڑکی ہے۔ میں اس کے متعلق پوری معلومات رکھتی ہوں۔ اس کے کاغذات بھی مجھے حاصل ہو گئے ہیں بس یہ چہرہ بننے کی دیر ہے۔ میں تیر کی طرح فرہاد تک پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے ڈاکٹر کی زبان سے کہا "ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ کیا تمہارے متعلق یہ کہاوت درست نہیں ہے کہ چیونٹی کے پر نکل آتے ہیں؟"

"چیونٹی کے پر نکل آئیں تو وہ پتنگوں کی طرح جلد ہی موت کی طرف جاتی ہے لیکن عورت کے پر نکل آئیں تو وہ مردوں کا کباڑا کرتی ہے خواہ دوست ہوں یا دشمن۔"

"مادام! مجھے بڑی باریک بینی سے آپ کے اور اس تصویر کے چہرے کا موازنہ کرنا ہوگا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "آپ کو پلاسٹک سرجری کے ابتدائی مراحل سے گزرنے میں کافی دن لگ جائیں گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں صرف دو چار گھنٹے میں آپ کے چہرے کو تبدیل کر دوں گا۔"

اس نے خوش ہو کر ڈاکٹر کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں عقیدت سے تھام لیا "سچ؟"

"ہاں، سب سے پہلے مجھے آپ کے چہرے کی جلد کا طبی معائنہ کرنا ہوگا۔ یہ ضروری ہے۔ بہرحال آج رات آپ میری مہمان رہیں گی۔ صبح میرا وہ اجنبی دوست یہاں سے چلا جائے گا۔ اس کے بعد میں اطمینان سے آپ کے لیے کچھ کر سکوں گا۔"

"مجھے آپ کے ہاں رہنا ہی ہوگا۔ میں چھپ کر آئی ہوں۔ اعلیٰ بی بی وغیرہ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور کیا کرنے والی ہوں۔"

"اچھا ہوا۔ آپ نے مجھے بتا دیا۔ اگر آپ کے سلسلے میں کسی کا فون آئے یا کوئی براہِ راست یہاں آئے گا تو میں آپ کی موجودگی سے انکار کر دوں گا۔"

"اگر فون آئے تو کچھ ایسا انتظام کریں کہ میں سن سکوں۔ ہو سکتا ہے اعلیٰ بی بی میرے لیے کوئی ضروری پیغام دینا چاہتی ہو۔"

"اچھی بات ہے جب بھی فون آئے گا، میں یہاں سے ریسیور اٹھانے کے بعد آپ کو اشارہ کر دوں گا۔ آپ میرے بیڈ روم میں جا کر وہاں سے فون کا ریسیور اٹھا کر سن سکتی ہیں۔"

میں سونیا کی باتیں سن رہا تھا اور میرا تجربہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ اس عورت سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اگرچہ اس کی دور تک سونگھنے والی حس کمزور پڑ گئی ہے۔ تاہم قریب سے وہ انسانی جسم سے خارج ہونے والی بو کو پہچان سکتی ہے۔

میں چاہتا تو وہ آج رات ڈاکٹر کے ہاں مہمان کے طور پر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے رہنے میں میرے پکڑے جانے کا اندیشہ تھا لیکن یہ پیار بھرا اندیشہ تھا۔ وہ میری دشمن تو نہیں تھی۔ جاں نثار تھی اور دُنیا والوں سے چھپ کر یہاں آئی تھی۔ اعلیٰ بی بی یا اس کے آدمی اسے دیکھ لیتے تو کوئی فرق نہ پڑتا لیکن دشمن دیکھ لیتے تو اس کے پیچھے لگ جاتے۔ اسی لیے میں نے اسے یہاں مہمان بننے سے نہیں روکا تھا۔

میں نے سوچ کے ذریعے ڈاکٹر سے کہا "آپ اس سے کہہ دیجیے گا کہ آپ کا اجنبی مہمان اپنے بیڈ روم کے دروازوں اور کھڑکیوں کو بند رکھتا ہے۔ کسی سے ملتا نہیں ہے۔"

"اس طرح مادام کو شبہ ہوگا۔"

"شبہ نہیں ہوگا۔ آپ نہیں جانتے، اس کے سونگھنے کی حس بہت تیز ہے۔ قریب آکر وہ میرے جسم کی مخصوص بو کو پہچان لے گی۔"

"بڑی مشکل ہے۔ تمہارے ساتھی بھی کوئی نہ کوئی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بہرحال میں وہی کروں گا جو تم کہہ رہے ہو۔"

"دوسری بات یہ کہ اس سے کھانے کے لیے پوچھیں۔ میں جانتا ہوں یہ بھوکی آئی ہے۔ جب یہ کھانے میں مصروف ہو تو آپ مجھے اس یہودی لڑکی کی تصویر لا کر دکھا دیں۔"

ڈاکٹر نے سونیا سے کھانے کے لیے کہا۔ اس نے انکار نہیں کیا۔ کہنے لگی "آپ کا ملازم یہاں سے جا چکا ہے۔ میں ہر طرح سے باخبر ہو کر آئی ہوں۔ جانتی تھی کہ اب یہاں آپ کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ صرف اس اجنبی مہمان کے متعلق نہیں جانتی تھی۔ بہرحال آپ تکلیف نہ کریں۔ میں عورت ہوں۔ خود ہی کچن میں جاؤں گی۔ کھانے کے لیے جو کچھ ملے گا، کھا لوں گی۔"

وہ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ کچن کے دروازے تک آئی پھر ڈاکٹر نے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔"

سونیا نے پلٹ کر پوچھا "کیا اس اجنبی سے ملنے جا رہے ہیں؟"

"نہیں، میں نے اسے ایک آدھ بار ہی دیکھا ہے۔ وہ اپنے کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں کو بند رکھتا ہے۔ اس نے کہا تھا۔ صبح چلا جائے گا۔ شاید جاتے وقت بھی وہ مجھ سے نہ ملے۔ چپ چاپ نکل جائے۔ میں اپنے بیڈ روم میں جا کر اس تصویر کو محدب شیشے سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سونیا مطمئن ہو کر باورچی خانے میں گھس گئی۔ ڈاکٹر وہاں سے سیدھا میرے پاس آیا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے تصویر دکھائی۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ اچھی خوبصورت

لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔ میں ان آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جھانکتے جھانکتے اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں اسی لڑکی کے پاس موجود ہوں تب میں نے خیال خوانی ترک کر دی۔ ڈاکٹر سے کہا "آپ یہ تصویر لے جائیں۔ میرا کام بن گیا ہے۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ زیرو پاور کا بلب آن کرنے کے بعد کمرے کی بتی بجھا دی تاکہ سونیا ادھر سے گزرے تو کمرے میں اندھیرا نظر آئے اور وہ یہی سمجھے کہ میں سو رہا ہوں۔

میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اس یہودی لڑکی سے ٹیلی پیتھی کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ وہ اپنے بستر پر محوِ خواب تھی۔ میں اس کے خوابیدہ دماغ سے معلومات حاصل کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ جن دنوں سونیا پیرس میں سپر ماسٹر کی تنظیم کی ایک اہم عہدے دار کی حیثیت سے کام کر رہی تھی، ان دنوں اس نے اس لڑکی کے باپ کو چند نامعلوم دشمنوں سے بچایا تھا۔ اس کا باپ ہمیشہ دہشت زدہ رہتا تھا۔ سونیا نے دشمنوں کو اس طرح ٹھکانے لگایا تھا کہ دشمنوں کی دہشت ختم ہو گئی تھی۔ پورا خاندان اب سکون سے زندگی گزار رہا تھا اور سونیا کا احسان مند تھا۔ اس نے آج بہت عرصے بعد ان سے رابطہ قائم کیا تھا اور انھیں صاف صاف بتا دیا تھا کہ فرہاد علی تیمور تل ابیب میں ایک قیدی کی حیثیت سے پڑا ہوا ہے اور وہ اس کے پاس بھیس بدل کر جانا چاہتی ہے۔ اس کے لیے ان کی لڑکی کا روپ اختیار کرنا مناسب ہے۔ وہ یہودی ہیں اور ان کے پاس ایسے کاغذات اور پاسپورٹ ہیں جن کے ذریعے وہ اسرائیل کی حدود میں آسانی سے داخل ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی کے والدین نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور کتابِ مقدس کی قسمیں کھا کر کہا تھا۔ "ہم تمھارے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں — آج احسان کا بدلہ چکانے کا وقت آیا ہے تو ہم انکار نہیں کریں گے۔"

انھوں نے اپنی لڑکی کی تصویر دے دی تھی اور کہا تھا "وہ جس وقت چاہے، ان کے پاس آ کر لڑکی کے ضروری کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ لے جا سکتی ہے۔"

میں نے اس یہودی لڑکی کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا۔ "کیا ہم سب سونیا کے لیے پُرخلوص ہیں؟ دیانت دار ہیں؟ اور اسے کسی بھی پہلو سے دھوکا نہیں دے رہے ہیں؟"

اس نے نیند کی حالت میں جواب دیا "ہم سونیا کے لیے پُرخلوص ہیں۔ دیانت دار ہیں اور کسی پہلو سے اسے دھوکا دینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس کے ہم پر بڑے احسانات ہیں"

میں نے اسے نیند کی حالت میں آنکھیں کھولنے کے لیے کہا لیکن اس طرح کہ وہ نیند میں رہے اور آنکھیں کھلی رہیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب آنکھیں کھل گئیں تو میں نے دیکھا، اس کے سرہانے شیشے کا ایک گلاس اور ایک بڑا سا جگ رکھا ہوا تھا۔ جگ آدھا بھرا ہوا تھا۔ میں نے لڑکی کو پھر سُلا دیا لیکن اس کے ہاتھ کو اس گلاس اور جگ تک پہنچا کر انھیں نیچے گرا دیا۔ فرش پر گرتے ہی زور کی آواز ہوئی۔ وہ لڑکی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ دوسرے کمرے سے اس کے باپ کی آواز سُنائی دی۔ "ریٹا! کیا ہوا؟ کیا ہوا بیٹی؟"

پھر اس کی ماں نے کہا "دروازہ کھولو۔ تم ٹھیک تو ہو؟"

ریٹا نے جواب دیا "ممی! پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ نیند میں میرا ہاتھ شیشے کے جگ پر پڑ گیا تھا۔ وہ نیچے گر پڑا ہے۔"

اس کے ماں باپ مطمئن ہو گئے۔ اب میں اس کے باپ کے دماغ میں تھا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ذہن میں سونیا کا تصور پیش کیا۔ وہ اسی کے متعلق سوچنے لگا "سونیا دشمنوں کے لیے موت اور دوستوں کے لیے زندگی ہے۔ میں اس کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔ اسی لیے میں نے اسے تل ابیب تک پہنچانے کا راستہ ہموار کر دیا ہے لیکن ہم یہودی ہیں۔ ہم اپنی قوم کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہماری کامیابیوں کا راز یہی ہے کہ اپنے درمیان ہزار اختلاف کے باوجود جب ہمیں قومی سطح پر کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ہم ایک ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہاں کا ہال تنظیم کی ایک برانچ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان سے یہ وعدہ لیا کہ اگر میں انھیں ایک راز کی بات بتاؤں تو وہ میری ایک شرط پر ضرور عمل کریں گے۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کا ہال تنظیم کے بڑے بڑے عہدے دار اپنے اصولوں کے سختی سے پابند ہیں۔ جو انھیں اہم اطلاعات پہنچاتا ہے یا کسی معاملے میں ان کے کام آتا ہے، وہ اس کی بات ضرور مانتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔"

میں نے اس بوڑھے کی سوچ میں پوچھا "کیا وہ لوگ میری شرط کو مان لیں گے؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا "کیوں نہیں مانیں گے اور یہ کون سی بڑی شرط ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ سونیا میری لڑکی کے روپ میں تل ابیب پہنچنے والی ہے لیکن وعدہ کریں کہ اسے کسی قسم کا جسمانی یا ذہنی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ انھوں نے اسے بخوشی تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ میں نے انھیں وقت سے پہلے ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کیا ہے۔ وہ سونیا کو ... مقصد میں وہاں کامیاب نہیں ہونے دیں گے لیکن اسے نقصان بھی نہیں پہنچائیں گے۔"

میں نے اس بوڑھے کی سوچ میں کہا "لیکن یہ تو سراسر احسان فراموشی ہے۔ سونیا نے میری جان بچائی اور میں اس کے خلاف رپورٹ کر رہا ہوں۔ اس کو دھوکا دے رہا ہوں۔"

"بے شک اس کے خلاف رپورٹ اس لیے دے رہا ہوں کہ نہ دینے کی صورت میں ہمارے قومی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ جہاں تک احسان چکانے کی بات ہے، اس کے لیے میں نے شرط منوالی ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ سونیا جس طرح جائے گی، اسی طرح صحیح سلامت واپس آ جائے گی۔"

بے شک، آج یہودیوں کی کامیابی کا راز یہی ہے۔ ان میں بھی اچھے انسان ہوتے ہیں لیکن اس حد تک کہ احسان کرنے والوں کا احسان مانتے ہیں اور وقت پر ان کے کام آتے ہیں مگر کام آنے کے دوران اگر ان کے قومی مفاد کو ٹھیس پہنچتی ہے تو ذرا پٹری بدل دیتے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک تمام یہودی ایک ہو جاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی مذاہب اور وہی قومیں دنیا میں سربلند رہتی ہیں جو اپنی بقا کے لیے ہر لمحے متحد رہنا جانتی ہوں۔

میں یوں بھی نہیں چاہتا تھا کہ سونیا میرے دھوکے میں متجاد کو رہائی دلانے کے لیے تل ابیب جائے اور پھر مصیبت میں پھنس جائے۔ اب اس انکشاف کے بعد کہ سونیا کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی ہے تو اس کا وہاں جانا ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی جان بوجھ کر گڑھے میں گرنے جا رہا ہو۔

میں نے اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بھی سو رہی تھی۔ دوسری صبح وہ اپنی ایک چھوٹی سی ٹیم کے ساتھ تل ابیب کی طرف ... ہونے والی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا سونیا نے جو پیغام سپر ماسٹر اور ماسک مین کے نام بھیجا تھا اس کا جواب موصول ہو گیا ہے۔

سپر ماسٹر کا جواب تھا: "مادام سونیا! ہم آپ کے خادم ہیں یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ ہماری تنظیم میں شریک ہو کر ہمارے کام آنا چاہتی ہیں۔ ذہانت کے لیے ہم جان کی بازی لگا دیں گے۔ ہم نے تل ابیب پہنچنے کے بعد کا ہال تنظیم کے سربراہ کو ہر پہلو سے مجبور کیا ہے کہ وہ فرہاد کو زندہ رکھیں۔ اس نے شرط لگائی ہے کہ ہم سوالنامے میں فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کریں۔ اس نے ہم سے تحریری معاہدہ کیا ہے۔ ہمارے دستخط کرنے کے بعد وہ فرہاد کو جان سے نہیں مارے گا بلکہ ان کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

مادام! شاید آپ کو میری یہ باتیں احمقانہ لگیں گی۔ ہم اکثر سیاسی بساط پر ایسی عجیب و غریب چالیں چلتے ہیں جو پہلے کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں یا وہ ان چالوں کو احمقانہ سمجھتے ہیں۔ آپ مجھ پر یقین کر لیں یا پھر وقت آنے پر خود ہی دیکھ لیں کہ کا ہال تنظیم کے سربراہ ہوں یا دوسرے یہودی، فرہاد علی تیمور کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہم نے انھیں سیاسی بندشوں میں جکڑ رکھا ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں، ہم اپنی دوستی اور وفاداری ثابت کرنے کے لیے فرہاد علی تیمور کو ان کی قید سے نکال لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ اپنے وعدے پر قائم رہیں۔ اِدھر ہم فرہاد کو زندہ سلامت آپ کے پاس پہنچائیں گے۔ اُدھر آپ ہماری تنظیم میں شریک ہو جائیں گی اور وہ وقت جلد آنے والا ہے۔"

اعلیٰ بی بی کے خوابیدہ دماغ نے اس کے بعد ماسک مین کا پیغام سُنایا۔ ماسک مین نے کہا ہے "مادام سونیا! اس وقت میں اپنے مخصوص طیارے میں بیٹھا اپنے ملک کی طرف جا رہا ہوں اور سفر کے دوران آپ کے پیغام کا جواب ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے اور میری پوری تنظیم کو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ ہماری تنظیم میں شریک ہو کر ہمارے کام آئیں گی۔ آپ یقین جانیں، آپ کو اپنے درمیان دیکھ کر ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی کسی مہلک مگر ناقابلِ فہم ہتھیار کا فارمولا ہاتھ آ جانے پر۔

ماضی میں فرہاد علی تیمور ہمارے بہترین دوست ثابت ہوتے رہے۔ ہم نے بھی ان کے کام آنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میں اسی غرض سے تل ابیب گیا تھا کہ فرہاد صاحب پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور میں انھیں رہا کرانے کی کوئی صورت نکال لوں۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں، ہم بھی یہودی ہیں لیکن کمیونسٹ یہودیوں اور مغربی ممالک کے سرمایہ دار یہودیوں کے درمیان کئی طرح کے اختلافات ہیں۔ ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ وہ اوّل نمبر کے جھوٹے اور فریبی ہوتے ہیں۔ وقت آنے پر اپنی زبان سے پھر جاتے ہیں — اپنے دوستوں کے ساتھ بھی بعض اوقات دشمنوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ میں بطورِ مہمان تل ابیب گیا تھا۔ انھوں نے مجھے سوالنامہ پیش کیا اور اس پر بضد رہے کہ میں فرہاد صاحب کی موت کے فیصلے پر دستخط کروں لیکن میں نے صاف طور سے انکار کر دیا۔ اسی پر انھوں نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ کہنے لگے، اگر میں دستخط نہیں کروں گا تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکوں گا۔

ہو سکتا ہے، وہ مجھے گولی نہ مارتے کیوں کہ اسرائیل کی حدود میں میں مارا جاتا تو میرے ملک کی طرف سے میرے قتل کے سلسلے میں اسرائیل کی حکومت سے جواب طلب کیا جاتا۔ وہ بہت چالاک ہیں۔ میرے کھانے میں کوئی ایسی دوا ملا کر دے سکتے تھے، جس سے میری موت واقع ہوتی اور طبی رپورٹ سے یہی ظاہر ہوتا

کہ حرکتِ قلب بند ہوگئی تھی۔ لہٰذا میں نے سوچا، چُپ چاپ فرہاد صاحب کی موت کے فیصلے پر دستخط کر دوں پھر اس کے بعد وہاں سے نکل کر اس کے خلاف احتجاج کروں۔ اب میں سفارتی سطح پر یہ حقیقت بتاؤں گا کہ کس طرح انھوں نے مجھے ایک غلط فیصلے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا تھا اور کس طرح ہم سب مل کر فرہاد کی زندگی کے فیصلے پر دستخط کر کے انھیں موت کے مُنہ سے بچا سکتے ہیں۔ آپ کے پیغام کے مطابق میں فرہاد کی زندگی کے لیے جان کی بازی لگا دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہودیوں کے دیے ہوئے سو گھنٹے پورے ہونے سے پہلے میں فرہاد صاحب کو آپ کے پاس زندہ سلامت پہنچا دوں گا۔ آپ بھی اپنے وعدے پر قائم رہیں۔ فقط آپ کا جاں نثار دوست۔ ماسک مین۔"

سپر ماسٹر اور ماسک مین کے جوابی پیغامات سُن کر یہ بات واضح ہوگئی۔ اب دشمنوں کے درمیان ایک نیا کھیل شروع ہونے والا ہے۔ پہلے تو وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ فرہاد علی تیمور کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اسی فیصلے کے مطابق ان دونوں نے میری موت کے فیصلے پر دستخط کر دیے تھے لیکن کالا تنظیم کے عزائم معلوم ہونے کے بعد دونوں کو اپنی فاش غلطی کا احساس ہوا۔ اب وہ اس غلطی پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے وہ ناراض ہو کر تل ابیب سے چلے گئے تھے۔ اپنے پیغامات کے ذریعے سونیا کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ میری زندگی بچانے کے لیے آخری حد تک کوشش کریں گے اور میں جانتا تھا کہ اب وہ سازشیں کریں گے۔ اسرائیلی حکومت کے خلاف کھلے اقدامات تو کرنے سے رہے لیکن خفیہ طور پر۔۔۔۔۔۔ کسی طرح سجاد علی تیمور کو وہاں سے نکال لانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح کالا تنظیم کے سربراہ ماسک مین اور سپر ماسٹر کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ سو گھنٹے پورے ہونے سے پہلے تل ابیب میں بڑے ہنگامے ہونے والے تھے۔

مَیں نے اعلیٰ بی بی کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا "اس سلسلے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

اس نے جواب دیا "یقیناً اب سپر ماسٹر اور ماسک مین ہر طریقے سے تم پر اور سونیا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ تمھاری موت کے فیصلے پر ان سے جبراً دستخط کرائے گئے تھے یا انھوں نے کسی پالیسی کے تحت دستخط کیے تھے۔ دوسری طرف وہ دونوں خطرناک تنظیموں کے سربراہ اپنے اپنے باصلاحیت تجربہ کار اور خطرناک قسم کے ایجنٹوں اور جاسوسوں کو تل ابیب میں استعمال کریں گے اور سجاد علی تیمور کو وہاں سے چھڑا لانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔"

"میرا خیال ہے، تم اپنی ٹیم کے ساتھ تل ابیب [illegible] فائدہ ہے۔ وہاں اگر دانشوروں کی اور لوئی [illegible] پھنس گئے تو میرے لیے ذمّے داریاں اور بڑھ جائیں گی [illegible] یہاں سے تنہا روانہ ہو جاؤ۔ سیدھے سادے انداز میں سجاد [illegible] سے ملاقات کرنا۔ اسے چھڑا لانے کی کوشش بالکل نہ کرنا [illegible] ہمارے یہ دوست نما دشمن ہی ہماری طرف سے کوششیں کریں [illegible]"

"اگر سجاد کے ساتھ فرار ہونے کا موقع ملے تب بھی [illegible] نہ کروں؟"

"تب دوسری بات ہوگی۔ میں تمھیں کا [illegible] کرتا رہوں گا"

"اچھی بات ہے۔ کل میں یہاں سے تنہا جاؤں گی۔"

"جانے سے پہلے میں تم پر تنویمی عمل کرنا چاہتا ہوں تاکہ [illegible] دماغ سے یہ بات بالکل محو ہو جائے کہ اصلی فرہاد علی تیمور یہاں موجود ہے۔ تمھارے ذہن میں صرف یہ بات نقش رہے گی [illegible] شخص اس وقت یہودیوں کی قید میں ہے۔ دراصل وہی فرہاد [illegible] ہے۔ دوسرا کوئی فرہاد اس دُنیا میں نہیں ہے۔"

وہ تنویمی عمل کے لیے فوراً رضامند ہوگئی۔ جو لوگ مستقل [illegible] اور مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہوتے ہیں، ان کی مرضی [illegible] ان پر تنویمی عمل ممکن نہیں ہوتا۔ اسی لیے میں نے اعلیٰ بی بی کو [illegible] میں لیا۔ اس کے بعد خوابیدہ حالت میں اس پر عمل کرتا رہا [illegible] اچھی طرح ٹرانس میں لانے کے بعد میں نے اس کے تحت الشعور [illegible] یہ باتیں نقش کر دیں کہ سجاد علی تیمور نام کا کوئی شخص اس دُنیا [illegible] نہیں ہے۔ فرہاد علی تیمور یہودیوں کی قید میں ہے اور وہ فرہاد [illegible] ہی ملنے جا رہی ہے۔ میرے پیرس پہنچنے کے بعد مجھے چھپ [illegible] سجاد علی تیمور کو منظرِ عام پر لانے کی جو چالیں چلی گئی تھیں [illegible] تمام چالوں کو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی تمام باتوں کو میں [illegible] اس کے دماغ سے مٹا دیا۔ پارس کے متعلق اسے جو معلومات تھیں [illegible] اسے بھی اس کی یادداشت کی سلیٹ سے مٹا دیا پھر اسے ہدایت [illegible] دی کہ وہ صبح تک اطمینان سے سوتی رہے۔ جب بیدار ہوگی [illegible] سجاد علی تیمور، فرہاد کی حیثیت سے اس کے دل و دماغ میں [illegible] ہوگا۔

جو لوگ میرے متعلق جانتے تھے ان میں ڈاکٹر شیفرڈ [illegible] اعلیٰ بی بی سرِ فہرست تھے۔ ان کے علاوہ وہ ڈرائیور تھا، جس [illegible] ٹھیک گٹر کے اوپر گاڑی روکی تھی، جہاں میں نے اور سجاد [illegible] اپنی اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔ گٹر کے اندر ایک اور شخص تھا جو [illegible] بارے میں جانتا تھا۔ تیسرا شخص وہ تھا جس نے ڈاکٹر شیفرڈ کی گاڑی کو ڈرائیو کیا تھا اور اسے گٹر کے اوپر لا کر روک دیا تھا۔ وہ دو [illegible] ڈرائیور اور گٹر کے اندر ملاقات کرنے والا آدمی یہ تینوں ہی اعلیٰ [illegible]

کے خاص اور قابلِ اعتماد ماتحت تھے۔ ان میں سے دو ماتحت اس ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر دشمن کے ہیلی کاپٹر کے تعاقب میں گئے تھے جس میں سَجّاد کو اغوا کیا جا رہا تھا لیکن وہ ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے کے بعد ایک دھماکے سے تباہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں قابلِ اعتماد ساتھی ہلاک ہو گئے تھے۔

اس حساب سے اب ایک ہی قابلِ اعتماد ماتحت زندہ رہ گیا تھا جس پر آئندہ بھی اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ وہ شہر میں ایک خوشحال گھریلو زندگی گزار رہا تھا۔ اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ پُرامن شہری کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ کبھی باباصاحب کے ادارے سے اس کا تعلق رہا ہے اور وہ آج بھی اعلیٰ بی بی کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر شیفرڈ سے بھی یہ توقع کبھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی مرحلے پر میرا راز فاش کر سکے گا۔ اگر کوئی ایسا موقع آتا تو میں ڈاکٹر شیفرڈ کو سنبھال سکتا تھا۔ اعلیٰ بی بی اور سَجّاد کو میں نے اپنا معمول بنانے کے بعد ان کے دماغ سے اپنے متعلق تمام باتیں مٹا دی تھیں۔

اچانک میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ کوئی ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ ڈاکٹر اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ سونیا کے پاس پہنچ کر معلوم کیا تو وہ مجھے دروازے کے پاس کھڑی نظر آئی۔ وہی دستک دے رہی تھی۔ میں فوراً ہی اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اتنی رات کو وہ کیوں آئی ہے لیکن وہ اپنے دماغ کے اندر فرینک سناترا کا ایک گیت آہستہ آہستہ گنگنا رہی تھی۔ اس گیت کے ایک ایک بول پر توجہ دے رہی تھی اور اپنی توجہ اس گیت سے ایک ذرا ہٹانا نہیں چاہتی تھی۔ میں ایسی صورت میں اس کے خیالات نہیں پڑھ سکتا تھا۔

ایک انسان اگر کسی ایک موضوع پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر دے اور اس موضوع کی گہرائی میں ڈوب جائے تو اس کے اپنے دماغ کے تہ خانے تک وہی موضوع گونجتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ انسان کے جو چور خیالات ہوتے ہیں، وہ گہرے ارتکازِ توجہ کے باعث گم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا میں سونیا کے چور خیالات بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

کسی کے دماغ کو ٹٹولنے کے لیے جتنے طریقے ہوتے ہیں، میں ان تمام طریقوں پر عمل کر رہا تھا۔ آخر میں نے سونیا کی سوچ میں کہا "یہ کیا تُک ہے۔ رات کے دو بج رہے ہیں اور میں فرینک سناترا کا گیت گاتے ہوئے ایک اجنبی کے دروازے پر دستک دے رہی ہوں۔"

اچانک اس نے یوگا ورزش کا ایک پوز بنا لیا۔ اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے سر کے پیچھے لے گئی پھر کمر کی طرف سے پیچھے خم کھانے لگی۔ آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف جھکنے لگی۔ پہلے تیر کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھی۔ اب کمان ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھ فرش پر پہنچ گئے تھے پھر وہ ہاتھوں کے بل فرش پر کھڑی ہو گئی۔ اس طرح کہ ٹانگیں اوپر اور سر نیچے ہو گیا۔ ایسی ورزش کے دوران جسم کا خون دماغ کی طرف دوڑتا ہے۔

اس کی سوچ کہہ رہی تھی "یہ بابا فرید واسطی مرحوم کا بتایا ہوا نسخہ ہے۔ وہ کہتے تھے، بیٹی جب بھی تم کسی ایک خیال پر قائم رہنے میں ناکام رہو اور چاروں طرف سے خیالات کی یلغار ہو رہی ہو تو فوراً یوگا کا یہ آسن اختیار کرو۔ ایسی حالت میں جسم کا خون دماغ کی طرف دوڑتا ہے۔ دماغ میں اس قدر توانائی پیدا ہو جاتی ہے کہ تم کسی ایک خیال پر اپنی توجہ مرکوز کر سکتی ہو۔"

میں سمجھ گیا، اس کو میری موجودگی کا علم ہو گیا تھا اس لیے وہ بڑی مکاری سے اپنے ذہن کو کسی ایک خیال پر مرکوز کر رہی تھی۔ ابھی ذرا دیر پہلے میں نے اس کی سوچ میں جو بات کہی تھی، وہ اسے بھی ٹالنے کے لیے بابا فرید واسطی مرحوم کے اس نسخہ پر عمل کر رہی تھی۔

مجھے اس کی ذہانت، حاضر دماغی اور مکاری پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ میں نے سوچا اب کون سا طریقہ اختیار کروں؟ کس طرح اس کے خیالات کو ٹٹولوں؟ اور یہ معلوم کروں کہ وہ یہاں میری موجودگی کا پوری طرح یقین کر رہی ہے یا محض شبہہ ہے؟

ویسے یقین ہو یا شبہہ، میں دروازہ کھولتا تو وہ میرے سامنے آتے ہی میری مخصوص بُو کے ذریعے مجھے پہچان لیتی۔ اس وقت وہ دونوں ہاتھوں کے بل اُلٹی کھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے اپنے ہاتھ سے دروازے پر دستک نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے اوپر اٹھی ہوئی ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ کو ذرا آگے کی طرف جھکایا۔ پھر اس سے دروازے پر دستک دی۔

میں نے ذرا اونچی آواز میں کہا "اتنی رات کو کسی کے دروازے پر دستک دینا کیا اچھی بات ہے۔ پلیز، مجھے سونے دو۔ صبح ملاقات ہو گی۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کی سوچ کے ذریعے کہا "واقعی یہ مناسب نہیں ہے۔ اتنی رات کو دستک نہیں دینا چاہیے۔ کیا فرق پڑتا ہے، میں صبح اس سے ملاقات کر لوں گی۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ سیدھی ہو گئی۔ پیروں کے بل کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے دستک دیتے ہوئے کہا "فرہاد کے بچے! سیدھی طرح دروازہ کھول دو۔ ورنہ پہلے دروازہ توڑوں گی۔ اس کے بعد

تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

یقیناً اس نے بڑے اعتماد سے میری موجودگی کو سمجھ لیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ رہی تھی۔ میں نے غصّے بھری آواز میں چیخ کر کہا "یہ کیا بکواس ہے۔ کس فرہاد کو مخاطب کر رہی ہو اور تم کون ہو۔ میں نہیں جانتا۔"

"جہاں میں پہنچ جاتی ہوں، وہاں کچھ لوگ تو مجھے جان جاتے ہیں اور کچھ لوگ جان سے جاتے ہیں۔ سیدھی طرح دروازہ کھولتے ہو یا نہیں؟"

میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اب وہ میری نگاہوں کے سامنے تھی اور میں اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اب وہ میرے جسم کی مخصوص بُو کو پہچان سکتی تھی لیکن وہ نہیں پہچان رہی تھی۔ میں اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ وہ سونگھنے کی قطعی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ تب اچانک مجھے یاد آیا کہ اس کے سونگھنے کی حس بحال ہوتی تو سَجّاد کے اغوا ہونے سے پہلے وہ اس کے ساتھ بڑی دیر تک رہی تھی۔ اس کی بُو سے اصلی اور نقلی کی پہچان کر لیتی۔

اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اگر تم ایزل ہارڈی ہو تو دروازہ کھولتے ہی فطری طور پر غصّے کا اظہار کرنا چاہیے تھا لیکن مجھے دیکھتے ہوئے میرے دماغ میں جھانک رہے ہو۔"

"یہ دماغ میں جھانکنا کیا ہوتا ہے؟ تم کون ہو؟ پہلے واقعی مجھے غصّہ آ رہا تھا لیکن تمھیں دیکھا ہے تو اب نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔ بائی گاڈ، تم مقناطیس ہو۔ اپنے مقابل کے دل و دماغ کو اپنی نگاہوں میں جکڑ لیتی ہو۔"

وہ بڑے ناز و انداز سے چلتے ہوئے کمرے میں آئی، کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی "کیا میں بہت پُرکشش ہوں؟"

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"کیا واقعی تمہارا دل و دماغ میری نگاہوں میں جکڑ گیا ہے؟"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"کیا تم سو رہے تھے؟"

میری نظر فوراً ہی بستر پر گئی۔ اس پر شکنیں نہیں تھیں۔ میں نے جواب دیا "نہیں جاگ رہا تھا۔ مگر سونا چاہتا تھا۔"

"پھر دروازہ کھولنے میں دیر کیوں کر دی۔ کیوں غصّہ دکھا رہے تھے کہ اتنی رات کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔ بقول تمہارے میں تو مقناطیسی ہوں۔"

وہ میری طرف سے پلٹ کر اس کرسی کی طرف جانے لگی جہاں میں بیٹھا اب تک خیال خوانی میں مصروف تھا۔ جب وہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی یا اپنی شخصیت سے اپنی صلاحیتوں سے متاثر کرتی تھی تو طرح طرح کے ناز و انداز اختیار کرتی تھی۔ اس نے پوچھا "تم خود ظاہر ہونا پسند کرو گے یا میں تمھیں بے نقاب کروں؟"

"میں نہیں سمجھا۔ تم جو سمجھ رہی ہو پہلے مجھے سمجھاؤ۔"

"تو پھر سمجھو تم اس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، مسلسل بیٹھے ہوئے تھے اور تمہارے بیٹھنے کا انداز میں خوب جانتی ہوں۔ خیال خوانی کے دوران جسم کو کسی طرف سے غیر ضروری طور پر موڑا نہیں جاتا یا اپنے جسم پر کسی طرح کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ جیسا کہ تم کرتے ہو۔ تم کرسی پر بیٹھ کر کبھی اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر نہیں رکھتے بلکہ اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہو اور تم اسی انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خیال خوانی میں مصروف تھے۔ خیال خوانی کے دوران جو نرم اور گرم واقعات تمہارے سامنے آتے رہتے ہیں اسی کے مطابق تمہارے چہرے کے تاثرات بدلتے رہتے ہیں۔ میں بڑی دیر سے تمھیں دیکھ رہی تھی۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا "تم کہاں سے دیکھ رہی تھیں؟"

اس نے اوپر ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے اُدھر دیکھا تو ایک روشندان نظر آیا۔ میں نے پوچھا "کیا وہاں سے تم فرہاد کو سونگھ رہی تھیں؟"

"سونگھنے کی حس برقرار رہتی تو میں بنکاک میں ہی تمہارے پاس پہنچ جاتی۔ باباصاحب کے ادارے میں کسی بہروپیے کو فرہاد سمجھ کر... اس کے ساتھ رہی مگر اسے پہچان نہ سکی۔ میں اس روشندان سے تمہاری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہی تھی اور تمہاری ایک ایک حرکت بتا رہی تھی کہ تم صرف اور صرف فرہاد علی تیمور ہو۔"

"کیا تم اسی طرح اجنبی لوگوں کے کمرے میں جھانکتی رہتی ہو؟"

"تم سونیا کی عادت کو بھول سکتے ہو مگر سونیا تمھاری کسی عادت کو نہیں بھول سکتی۔ یاد نہیں ہے تو یاد دلا دوں۔ میں جب بھی کہیں جاتی ہوں یا کسی کے ہاں رہتی ہوں تو پہلے وہاں کے افراد سے پوری طرح واقفیت حاصل کرتی ہوں اگر کوئی اجنبی ہو تو مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ میرے لیے وہ اسرار بنا رہتا ہے۔ جب ڈاکٹر شیفرڈ سو گئے تو میں اپنے بیڈ روم سے چپ چاپ اٹھ کر آئی اور اس روشندان سے جھانک کر تمھیں دیکھنے لگی۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ تم یہاں موجود ہو گے۔ تمھاری حرکات و سکنات نے سارا راز فاش کردیا۔ میں پوچھتی ہوں، تمھیں کیا حق پہنچتا ہے مجھے دھوکا دینے کا؟ کیوں مجھ سے چھپتے ہو، اگر مجھ سے نفرت ہے۔ مجھ سے بیزار ہو گئے ہو تو صاف صاف کہہ دو کہ...."

میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی "خبردار! میرے قریب نہ آنا میں اچھی طرح جانتی ہوں، اب تم کیسی چاپلوسی کرو گے۔ کیسی کیسی باتیں بنا کر اپنی محبت کا یقین دلاؤ گے۔"

"میں نے آج تک تمھارے جیسی ذہین عورت نہیں دیکھی لیکن جب فرہاد کے سامنے ایک عورت بن جاتی ہو تو تمھاری ساری ذہانت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ابھی تم نے گھرے پردہ اسرار سے مجھے نکالا اور ابھی تم یہ بھول گئیں کہ میں تمھیں آزمائشوں میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات تمھیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ جب تک آزمائشوں سے نہیں گزرو گی میں سونیا تسلیم نہیں کروں گا مگر اب دل و جان سے کہتا ہوں۔ تم ڈمی نہیں ہو بلکہ میری اوریجنل میری سونیا ہو۔" وہ فرط مسرت سے بے حال ہوگئی۔ قوسِ قزح کی طرح سب رنگ ہوگئی۔ جدائی کا صدمہ وہی جانتی ہے جس کا ساجن دور دیس گیا ہو اور اس کی واپسی کا کوئی وقت مقرر نہ ہو پھر وہ اچانک ہی واپس آجائے۔ نگاہوں کے سامنے پہنچ جائے تو اس دکھیاری کو کتنی خوشی ملتی ہے۔ اتنی خوشی کہ اس کی خوشیوں میں دیوانگی شامل ہو جاتی ہے۔ وہ جنگل میں ناچتے ہوئے مور کی طرح اپنی مسرتوں کے سارے پنکھ پھیلا دیتی ہے۔

میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ جس سونیا کو ڈمی سمجھ رہا تھا وہ میری اپنی سونیا تھی اور ایک طویل جدائی کے بعد مجھے مل گئی تھی۔ میں نے اس دوران اسے سجاد علی تیمور کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ اس یہودی لڑکی ریٹا کے متعلق بھی سمجھا دیا۔ ہنگامہ مسرت بپا ہو تو صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے۔ ہماری شام بھی صبح ہو گئی۔

ڈاکٹر شیفرڈ صبح سویرے اٹھنے کا عادی تھا۔ اس نے ہمیں ایک ساتھ ڈرائنگ روم میں دیکھا تو پہلے حیران ہوا پھر بے بسی سے ہنس کر بولا: "... میں مجبور تھا۔"

میں نے کہا "کوئی بات نہیں۔ جو فرہاد کے راز کو ... ہو وہ میرا دشمن نہیں دوست ہی ہو سکتا ہے اور آپ بہت ہی قابلِ اعتماد دوست ہیں۔"

میں نے کہا "ڈاکٹر! جس طرح آپ نے ایک گھنٹے کے اندر میرا چہرہ تبدیل کردیا تھا، اسی طرح سونیا کے لیے کچھ کریں۔ میں چاہتا ہوں اسے بھی کوئی دشمن اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے نہ پہچان سکے۔"

"کیا اسی یہودی لڑکی کا چہرہ چاہیے؟"

"اگر کسی مسلمان لڑکی کی کوئی تصویر اور اس سے تعلق رکھنے والے اہم کاغذات مل جائیں تو بہتر ہوگا۔ ہم اپنا روپ بدلنے کے بعد بھی مسلمانوں کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔"

"مگر تم تو ایزل بارڈی کے روپ میں ہو؟"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب سونیا مسلمان لڑکی کے روپ میں رہے گی تو میں اس کی خاطر مذہب تبدیل کروں گا۔ ایزل بارڈی کی جگہ کوئی اسلامی نام رکھ لوں گا۔ مسلمان تو پہلے سے ہوں۔ نام بھی مسلمانوں جیسا ہو جائے گا۔"

"بھئی! مجھے جیسی تصویر لا کر دو گے ویسا ہی چہرہ بنا دوں گا۔ کسی مسلمان لڑکی کے سلسلے میں میں کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ میرے پاس ایسی کوئی تصویر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ریکارڈ ہے۔"

میں سوچنے لگا۔ سونیا نے کہا: "اعلیٰ بی بی یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے۔" میں دوسرے ہی لمحے اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بیدار ہو گئی تھی اور اس وقت صبح کی عبادت سے فارغ ہو کر ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ میں سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے اس کے ذہن میں یہ بات نقش کردی تھی کہ صرف ایک ہی فرہاد علی تیمور ہے جو اس وقت یہودیوں کی قید میں ہے اور جس کے دماغ کو کمزور بنا دیا گیا ہے۔ پھر بھلا وہ خیال خوانی کیسے کرسکتا تھا

میں چپ چاپ اس کے دماغ کو ٹٹولنے لگا۔ پہلے وہ سجاد کے قید ہو جانے پر دنیا والوں کے سامنے پریشان حال رہتی تھی۔ اسے وہاں سے چھڑا لانے کے لیے اپنے ماتحتوں کے ساتھ طرح طرح کی پلاننگ کرتی رہتی تھی لیکن اندر سے وہ پریشان نہیں تھی مطمئن تھی کہ میں تو آزاد ہوں۔ دشمن میرے سائے تک بھی پہنچنے میں ناکام رہے ہیں۔

لیکن اب وہ اندر سے بھی پریشان تھی۔ اداس اداس سی میز پر جھکی ہوئی ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ اس کے دماغ میں یہ نقش ہو گیا تھا کہ فرہاد یہودیوں کی قید میں ہے اور آج شام تک وہ اپنے محبوب سے ملنے تل ابیب پہنچ جائے گی۔

میں نے اس کی سوچ میں ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "کاش! کسی طرح خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے دو باتیں ہی کر لیتے۔"

اس کی سوچ نے کہا "وہ کس طرح باتیں کرسکتے ہیں۔ کمبخت دشمنوں نے دماغ کو کمزور بنا دیا ہے۔ ورنہ وہ مجھے ضرور مخاطب کرتے۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ سونیا نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"ہونا کیا۔ میں نے سجاد اور اعلیٰ بی بی کے دماغ سے یہ باتیں مٹا دی ہیں کہ سجاد کے علاوہ بھی کوئی فرہاد علی تیمور ہے۔ وہ سجاد کو ہی فرہاد سمجھ رہی ہے۔ چونکہ اس کے دماغ کو کمزور بنا دیا گیا ہے اس لیے میں خیال خوانی کے ذریعے ان دونوں میں سے کسی سے بھی رابطہ قائم نہیں کرسکتا۔ صرف ان کے دماغوں میں چپ چاپ جھانک کر دیکھ سکتا ہوں۔"

"تو پھر چپ چاپ معلوم کرو۔ کیا بابا صاحب کے ادارے میں جتنی مسلمان لڑکیاں ہیں، ان میں سے کوئی میرے کام آسکتی ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اس طرح تو یہ بات عام ہو جائے گی کہ تم نے کسی کا روپ اختیار کیا ہے۔ نہیں صرف ڈاکٹر شیفرڈ ہمارے رازدار بن کر رہیں گے اور دوسرا کوئی نہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا "جب کسی کو رازدار بنانا ہی نہیں ہے تو پھر کسی سے مدد لینے کے متعلق کیوں سوچ رہے ہو۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ میں مادام کے چہرے پر ہلکی سی تبدیلی کرتا ہوں۔ اگر دوبارہ یہ چہرہ بدلنا پڑے اور اپنے اصلی روپ میں آنا پڑے تو اس میں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"ڈاکٹر! ایک بات اور۔ جو میک اپ ہمارے چہرے پر ہو رہا ہے وہ ایک طرح سے مستقل ہے۔ اسے آپ کے سوا کوئی نہیں اتار سکتا۔ آپ ہمیں ایسے ڈاکٹروں کے نام اور پتے بتا دیں کہ کبھی خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جائے اور ہم آپ سے رابطہ نہ قائم کرسکیں تو ان ڈاکٹروں کی مدد سے چہرے کو بدل سکیں۔"

"میں ایسے دو ڈاکٹروں کے نام اور پتے لکھ کر دوں گا۔ ان کی کمزوریاں بھی بتا دوں گا اور میں کیا بتاؤں گا، تم خیال خوانی کے ذریعے خود ہی ان کا کچا چٹھا معلوم کرو گے اور انھیں اپنا احسان مند بنا کر اپنے لیے استعمال کرسکو گے۔"

"جب سونیا نئے روپ میں آئے گی تو اس کے مطابق اس کے لیے اہم کاغذات بنوانے ہوں گے۔ اس کا پاسپورٹ وغیرہ...."

ڈاکٹر نے بات کاٹ کر کہا "میں تمھیں ایسے ایجنٹ کا نام اور پتا بتاتا ہوں جو تمھاری مشکل آسان کردے گا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر سارے کاغذات تیار ہو جائیں گے۔ ابھی اپنے اسپتال جا رہا ہوں۔ دوپہر کو سرجری کا ضروری سامان لے کر آؤں گا۔ شام سے پہلے مادام کا چہرہ تبدیل ہو جائے گا۔"

"شکریہ ڈاکٹر! میں نے تو سوچا تھا آج صبح یہاں سے نکل جاؤں گا اور پھر چار دیواری میں نہیں رہوں گا۔ بہرحال حالات کا تقاضا یہی ہے۔ سونیا کی تبدیلی کے بعد ہم دونوں یہاں سے نکلیں گے اور شاید کل شام تک نکل سکیں۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ ہم بھی اپنے بستروں پر آ کر آرام سے لیٹ گئے۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اب خیال خوانی نہیں کروں گا۔ پہلے آرام کروں گا۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ دوپہر دو بجے سے پہلے میری آنکھ کھل جائے۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ میرے سونے کے دوران دنیا کا کاروبار چلتا رہا۔ کوئی سوتا ہے یا مرتا ہے، دنیا رکتی نہیں ہے۔ اپنی گردش میں رہتی ہے۔ اعلیٰ بی بی اپنے وقت کے مطابق تل ابیب کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ ادھر ثبانہ کے پاس پارس یوں تو بخیریت تھا لیکن وہ پریشان ہو رہی تھی۔ اسے ایک معتبر ذریعے سے معلوم ہو چکا تھا کہ میں دشمنوں کی قید میں ہوں اور دشمنوں نے میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو میرے دماغ سے بالکل مٹا دیا ہے۔

یہ ایسی دل توڑنے والی خبر تھی کہ کسی بھی عورت کو اندر سے توڑ کر رکھ دیتی لیکن ثبانہ اندر سے اور باہر سے پتھر تھی۔ صرف میرے لیے پگھلنا جانتی تھی۔ اس لیے ٹوٹنے کے بجائے پریشان ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی، میرے لیے کیا کرسکتی ہے۔ کیا پارس کو اپنے لوگوں کے بھروسے چھوڑ کر تل ابیب جانا چاہیے۔

سجاد کی گرفتاری نے میرے لیے بھی بڑی پریشانیاں پیدا کردی تھیں۔ مجھ سے محبت کرنے والے، میری دوستی کا دم بھرنے والے اور والیاں سب ہی تل ابیب کی طرف پرواز کرنے کے لیے پر تولنا چاہتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہاں جانے کے بعد شاید زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔

دوپہر کو مقررہ وقت پر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سونیا کے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ وہ دو بجے بیدار ہو سکے گی۔ میں اس سے آدھ گھنٹہ پہلے جاگ گیا تھا۔ ثبانہ اور پارس کی خیریت معلوم کر رہا تھا ثبانہ کے عزائم معلوم کرنے کے بعد میں پریشان ہو گیا۔ اسے کس طرح روکوں۔ پھر میں نے اس کی سوچ میں کہا "کیا میں یہ بھول رہی ہوں کہ فرہاد نے آخری بار دماغی رابطہ قائم کرتے وقت کیا کہا تھا؟"

وہ دماغ پر زور ڈال کر سوچنے لگی۔ میں نے اپنی ہدایات دہرائیں فرہاد نے کہا تھا: "اگر کسی وجہ سے مسلسل رابطہ قائم نہ کرسکوں یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں تو صبر و تحمل سے میرا انتظار کرنا۔ پارس کو اپنی نگرانی

میں اپنے بابا ٹارٹر غلبا تک پہنچا دینا تاکہ وہ مرجانہ کے پاس رہے۔"

ثباتہ کی سوچ نے قائل ہو کر کہا "ہاں فرہاد کے جواب میں میں نے کہا تھا، میں پارس کو اپنے بابا کے پاس نہیں لے جاؤں گی بلکہ اپنے پاس رکھوں گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "پھر میں پارس کو چھوڑ کر فرہاد کی مدد کرنے کے لیے تل ابیب کیسے جا سکتی ہوں۔ میری عدم موجودگی میں خدانخواستہ بچے کو کچھ ہو گیا تو میں فرہاد کو کیا جواب دوں گی۔"

وہ سوچنے کے دوران پریشان ہو کر پارس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ جس ادھیڑ عمر کی عورت کے حوالے کیا گیا تھا، وہ ایک طرف فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے ہی پارس فرش پر دونوں ہاتھ پاؤں سے رینگ رہا تھا اور مسکرا کر ثباتہ کو دیکھ رہا تھا۔ ثباتہ نے بے اختیار اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ ہنستے ہوئے بڑبڑانے لگی "میں زندگی میں کبھی پریشان نہیں ہوئی۔ میرے قبیلے میں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ فکر اور پریشانی دشمن کو کمزور کرنے کا سب سے پہلا ہتھیار ہے۔ نہیں بیٹے نہیں۔ میں پریشان نہیں ہوں گی۔ میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

اس نے پارس کو چوم کر اپنی نگاہوں کے سامنے کیا اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا "بتاؤ، کیا میں تمھیں چھوڑ کر جا سکتی ہوں نہیں؟"

میں نے پارس کے سر کو انکار میں ذرا سا ہلا دیا۔ وہ حیران ہو کر بولی "ارے، تم نے تو ایسے سر ہلایا جیسے بڑوں کی باتیں سمجھتے ہو۔ میں نے فرہاد سے تمھاری عمر نہیں پوچھی۔ یہ دائی ماں کہتی ہے، تم سال بھر کے ہو گئے۔"

پارس دوسری طرف دیکھتا ہوا اماں، ماں، پاپا کی آواز منہ سے نکال رہا تھا۔ ثباتہ نے دائی ماں سے کہا "یہ ایسے بول رہا ہے جیسے میری باتوں کا جواب دے رہا ہو۔"

دائی ماں نے کہا "بچے ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔ مائیں ان پر قربان ہوتی رہتی ہیں۔ انھیں یوں لگتا ہے جیسے ان کے بچے ان کی باتوں کا جواب دے رہے ہوں۔"

ثباتہ نے پھر پارس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا "اچھا بیٹے! سچ سچ بتاؤ، کیا تمھارے پاپا مجھ سے پیار کرتے ہیں؟"

میری ہدایت پر پارس نے ایک آنکھ دبا دی۔ وہ شدید حیرانی سے چیخ کر بولی "ارے شریر! اپنی ہونے والی امی کو آنکھ مارتا ہے۔"

میں نے اب سے پہلے بھی ایک آدھ بار اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچ کر اس کی دماغی کیفیت اور سوچ کی لہروں کو محسوس کرنا چاہا تھا لیکن ننھے سے دماغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں ایک عجیب سی کائنات میں پہنچ گیا ہوں۔ جہاں روشنی تو ہے مگر دھند لکا چھایا ہوا ہے۔ جب پارس آنکھیں کھول کر دیکھتا تھا تو اس کے دماغ کے روشن دھندلکے میں کتنے ہی رنگ آتے جاتے تھے۔ ایک بچہ جو سمجھ نہ سکتا ہو، بول نہ سکتا ہو، اپنی مرضی سے حرکت نہ کر سکتا ہو، اس کے دماغ کی کیفیت کچھ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے، انھیں رنگوں کی صورت میں اپنے دماغ کے اندر محسوس کرتا ہے۔ آس پاس بولنے والوں کی آوازیں اس کے دماغ تک پہنچتی ہیں لیکن وہ آوازیں بھنبھناہٹ بن جاتی ہیں۔ وہ کسی کی بولی نہیں سمجھتا۔ بلکہ غیر شعوری طور پر ان بولیوں کے ایک آدھ لفظ کو فطری طور پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں چاہوں تو پارس کی اس ابتدائی عمر میں اس کی دماغی کیفیت کو اپنی داستان میں شامل کرتا جاؤں لیکن میں سمجھتا ہوں، یہ خالص نفسیاتی باتیں ہوں گی جو ایک بچے کی ذہنی پرورش کے متعلق ہوں گی۔ ان باتوں میں ہمارے بعض قارئین دلچسپی لیں گے لیکن اکثریت کا تقاضا یہی ہوگا کہ اسے داستانِ طفلاں نہیں بلکہ داستانِ بالغاں ہی رہنے دیا جائے۔

بہرحال میں ثباتہ کی طرف سے مطمئن ہو گیا کہ وہ تل ابیب کی طرف نہیں جائے گی۔ اس کے بعد میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ٹارٹر غلبا اور ٹارٹر بلبا کے ساتھ بیٹھی ہوئی میرے ہی متعلق باتیں کر رہی تھی۔ چونکہ ٹارٹر غلبا ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار تھا۔ کوہِ قاف کے دامن میں ایک ایسے علاقے کا آزاد مالک تھا جہاں مہذب دنیا کے لوگ بآسانی نہیں پہنچ سکتے تھے اس لیے سپر ماسٹر اور ریڈ پاور جیسی خطرناک تنظیموں کے سربراہ اسے اس علاقے کا خودسر حکمراں تسلیم کرتے تھے۔ دوسرے بڑے ممالک اسے دردِ سر سمجھ کر محض ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار مان لیتے تھے۔ جو کچھ بھی ہو کاہال تنظیم کے سربراہ نے اسے بھی سوالنامہ بھیجا تھا۔

وہ سوالنامہ ان کے درمیان ایک میز پر رکھا ہوا تھا۔ ٹارٹر غلبا نے کہا "میں بہت دنوں سے اس انتظار میں تھا کہ ایسا کوئی وقت آئے جب میں فرہاد پر جوابًا احسان کر سکوں اس کا احسان میرے سر پر ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہے۔ اب میں اس کے لیے ضرور کچھ کر سکوں گا۔"

مرجانہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ ان دونوں کے چہروں پر اور جسموں کے مختلف حصوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور کہیں کہیں دوا لگی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ بولی "جو فرہاد کے لیے یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس جائے۔ دشمنوں کے درمیان اذیتیں برداشت کرتا رہے۔ وہ نہ تو فرہاد کا دوست ہو سکتا ہے نہ میرا۔"

ٹارٹر بلبا نے گڑبڑا کر کہا "میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں اسے مصیبت میں پھنستے ہوئے یا دشمنوں کے درمیان اذیتیں برداشت کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے جس تمنا کا اظہار کیا ہے، اس سے صاف یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

ٹارٹر غلبا نے اپنے بیٹے کو ڈانٹ کر کہا "بولنے سے پہلے

سوچ سمجھ لیا کرو۔"

"اچھا، سوچ سمجھ کر بولوں گا۔ فی الحال ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس خط میں لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے فرہاد کے دماغ سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم کر دی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے دماغ کو اور نقصان پہنچائیں۔ اس سے پہلے ہمیں وہاں پہنچنا چاہیے۔"

مرجانہ نے کہا "آج سے کئی برس پہلے مشین کے ذریعے شاک پہنچا کر فرہاد کا برین واش کیا گیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک خود اپنے لیے اجنبی رہا۔ خود کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس کے بعد اس کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ وہ سونیا کو اسی لیے دل و جان سے تسلیم کرتا ہے کہ اس دوران وہی اس کے کام آتی رہی اور وہی اسے رفتہ رفتہ پھر ٹیلی پیتھی کی طرف واپس لے آئی۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ دوسری بار میرے ساتھ ایسا ہوا۔ تنویمی عمل کے ذریعے میرا برین واش کیا گیا۔ تنویمی عمل پائیدار نہیں ہوتا۔ میں دو تین ماہ کے اندر ہی ذہنی طور پر نارمل ہو گئی۔ اگر انھوں نے فرہاد کے دماغ سے ٹیلی پیتھی کو مٹا دیا ہے تو ان کا یہ عمل پائیدار نہیں ہوگا۔ میں دعا کر رہی ہوں کہ دشمن اسے دماغی طور پر اس قدر نقصان نہ پہنچائیں کہ وہ پاگل ہو جائے اور کبھی ذہنی طور پر نارمل نہ ہو سکے اس سے پہلے ہمیں وہاں پہنچنا چاہیے۔"

ٹارٹر غلبا نے کہا "ذرا آئینے میں تم دونوں اپنے آپ کو دیکھو۔ سر سے پاؤں تک زخموں سے چُور ہو۔ پھر یہاں سے ایک طویل سفر ہے۔ کیسے جاؤ گے؟ تمھارے پاس ایسی کون سی مکمل پلاننگ ہے، جس پر عمل کر کے تل ابیب جیسی جگہ پہنچ سکتے ہو۔ وہ نادان تو نہیں ہیں۔ بڑی مشکل سے فرہاد ان کے ہاتھ آیا ہے۔ انھوں نے اسے ایسی جگہ رکھا ہوگا جہاں ان کی مرضی کے بغیر ہوا کا گزر بھی نہ ہوتا ہو۔"

مرجانہ نے کہا "میں کبھی اندھی چال نہیں چلتی۔ پہلے معلومات حاصل کرتی ہوں۔ میری پلاننگ یہ ہے کہ ہم یہاں سے سیدھے بابا صاحب کے ادارے میں جائیں گے۔ اور اعلیٰ بی بی سے مل کر تمام حالات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد کوئی نئی پلاننگ کریں گے۔"

میں چاہتا تھا، میرے جاں نثار ساتھیوں میں سے کوئی سجاد کو رہائی دلانے کے لیے تل ابیب نہ جائے کیونکہ حالات بدل گئے تھے۔ دو خطرناک تنظیموں کے سربراہوں نے میری موت کے فیصلے پر دستخط کر کے جو داغ اپنی دوستی پر لگایا تھا، اسے دھونے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اپنا آخری ذریعہ، اپنا آخری پیسہ اور اپنی آخری ذہانت بھی صرف کر دیں گے۔ سپر ماسٹر، ماسک مین اور یہودی تینوں ہی میرے دشمن تھے اور اب تینوں ہی آپس میں دشمنوں کی طرح ٹکرا رہے تھے۔

ایسے میں مرجانہ اور ٹارٹر بلبا کا وہاں جانا مناسب نہیں تھا لیکن میں مرجانہ کو اتنے طویل سفر سے روکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس کے چور خیالات پڑھ لیے تھے۔ اس کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے تحت وہ سوچ رہی تھی وہاں سے پیرس جائے اور ٹارٹر بلبا سے شادی کے لیے اپنی امی سائرہ بانو کی رضامندی حاصل کرے۔ میں نے اسے اس کے خیال کے مطابق عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یوں بھی جب تک وہ پیرس پہنچ کر اعلیٰ بی بی اور بابا صاحب کے ادارے کے اہم افراد سے میرے معاملات پر بات کرتی، اس وقت تک حالات بہت بدل چکے ہوتے۔ سو گھنٹے گزر چکے ہوتے۔ اس سے پہلے ہی سپر ماسٹر اور ماسک مین کیا کارنامہ انجام دیتے ہیں، وہ نتیجہ بھی سامنے آنے والا تھا۔

ڈاکٹر شیفرڈ اپنے وعدے کے مطابق دوپہر کو گھر آ گیا۔ اپنے ساتھ پلاسٹک سرجری سے متعلق تمام سامان لے آیا تھا۔ سونیا اپنے مقررہ وقت پر بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت لباس تبدیل کرنے کے بعد کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا "تم گھر کی چار دیواری میں رہ کر خیال خوانی سے پرہیز کرنا چاہتے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے، یہ تمھارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اور یہ ٹلنے والی بات نہیں ہے۔"

"آپ سونیا کو ذرا تبدیل کر دیں۔ گھر کی چار دیواری سے نکلنے کے بعد خیال خوانی ختم تو نہیں ہوگی لیکن کم ہو جائے گی۔"

سونیا نے کہا "تم بعض اوقات غیر ضروری طور پر خود کو مصروف رکھتے ہو۔ جہاں خیال خوانی کی ضرورت نہیں ہوتی وہاں بھی اسے ضروری سمجھ لیتے ہو۔ مثلاً اب سبھی جانتے ہیں، تم گرفتار ہو چکے ہو تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں۔ کوئی تم سے خیال خوانی کی امید نہیں رکھے گا۔ لہٰذا سب کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جب وہ کسی ایسے سخت مرحلے سے گزر رہے ہوں، جو ان کے لیے نہایت دشوار گزار ہو تو ایسی صورت میں خیال خوانی کے ذریعے ان کے کام آ سکتے ہو۔ وہ بھی اس طرح کہ انھیں تمھاری موجودگی کا علم نہ ہو۔"

ڈاکٹر نے تائید کرتے ہوئے کہا "ہاں بھئی، اب تمھیں اپنی ٹیلی پیتھی کو ریزرو کر لینا چاہیے۔ اپنے ساتھیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ سب باصلاحیت ہیں۔ اپنے اپنے طور پر حالات کا سامنا کریں گے۔ اگر ان میں سے کوئی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو اور وہاں تمھاری موجودگی کام آتی ہو تو ایسے وقت ٹیلی پیتھی کے ذریعے ضرور ان کی مدد کرو۔"

سونیا نے پوچھا "کیا تم نے ایزل ہارڈی اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کر لیں؟"

"مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا۔"

ڈاکٹر شیفرڈ نے کہا "حالانکہ خیال خوانی کی ضرورت یہاں تھی۔

ابھی دو گھنٹے بعد تمھیں مادام سونیا کے ساتھ باہر نکلنا ہوگا۔ کسی نے ایزل ہارڈی کی حیثیت سے تمھیں پہچان لیا تو تمھارا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

"میں اور سونیا دو گھنٹے بعد باہر کیوں جائیں گے؟"

"اس لیے کہ مادام کے نئے چہرے کے مطابق ان کی تصویریں اتروانا ہیں۔ میں جس ایجنٹ کا پتا دوں گا اس سے ملاقات کرنا ہے۔ آج اس ایجنٹ سے معاملات طے کرو گے تو وہ کل تک مادام کے متعلق تمام ضروری کاغذات تیار کر کے دے گا۔"

"آپ دو گھنٹے میں ایک چہرے کو تبدیل کریں گے۔ میں دو گھنٹے میں ایزل ہارڈی سے تعلق رکھنے والے تمام چہروں کو پڑھ لوں گا۔"

شیفرڈ نے اٹھتے ہوئے کہا "آیئے مادام! ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔"

میں نے پوچھا "ڈاکٹر! کیا بات ہے، آپ مجھے تو میرا نام لے کر مخاطب کرتے ہیں اور سونیا کو بڑی عزت سے مادام کہتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے سونیا کو بڑی عقیدت سے دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا۔ "پتا نہیں، مادام کی شخصیت میں کیا بات ہے۔ یہ عمر کے لحاظ سے میری بیٹی جیسی ہیں لیکن بے اختیار ان کے لیے مادام جیسا لفظ زبان سے ادا ہوتا ہے۔"

سونیا نے بڑے غرور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر! یہ گھر کی مرغی دال برابر سمجھتے ہیں اس لیے آپ کے احترام کا جذبہ ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ چلیے۔"

وہ ڈاکٹر کے ساتھ جانے لگی۔ میں محبت اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں کیسٹ ریکارڈر کے پاس آیا۔ پچھلی رات میں نے اس ریکارڈر میں کیسٹ لگا دیا تھا لیکن سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب میں نے اسے آن کر دیا۔ پھر انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز سنائی دینے لگی۔ ذرا دیر بعد ہی آواز بند ہوگئی یقیناً کسی نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف سے کوئی عورت کہہ رہی تھی "ہیلو، میں ڈاکٹر ڈی ولسن کی سیکریٹری بول رہی ہوں۔"

ایزل ہارڈی کی آواز سنائی دی "ہیلو مس! میں ایزل ہارڈی ہوں۔ آپ کی موجودگی بتا رہی ہے کہ ڈاکٹر اس شہر میں موجود ہیں۔"

"جی ہاں، آج رات آٹھ بجے ہوٹل ڈی پرنس میں ڈاکٹر آپ سے ملاقات کریں گے۔ سوئمنگ پول کی طرف جو بالکونی ہے وہاں آپ دونوں کے لیے ایک میز مخصوص کر دی گئی ہے۔ سو فار مسٹر ہارڈی۔"

اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھنے کی آواز آئی۔ پھر گفتگو ختم ہوگئی۔ ذرا دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہی تھی "مائی ہارٹ! کس کا فون تھا؟"

"مائی سوئیٹ! تمھاری کسی سوکن کا نہیں تھا۔ ویسے پلیز مائی ہارٹ نہ کہا کرو۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ جواباً مجھے مائی سوئیٹ کہنا پڑتا ہے۔ محبوبہ بیوی کے بعد میٹھی نہیں رہتی بلکہ منھ اس پر جھنجھلانے والی مکھی بن جاتی ہے۔ میں جب بھی کسی عورت سے گفتگو کرتا ہوں۔ تم جھنجھلانے لگتی ہو۔"

میں نے ریکارڈر کو آف کر دیا۔ پھر اسے ریوائنڈ کیا۔ اس میں ایزل ہارڈی کے لب و لہجے کو ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔ باتیں کرنے کے انداز پر توجہ دے رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا وہ کس مزاج کا آدمی ہے اور اس کی گفتگو کا انداز مختلف لوگوں سے مختلف ہوتا ہے یا ایک سا؟

میں نے دوبارہ ایزل ہارڈی کو توجہ سے سنا۔ اس کے کیسٹ میں اس کی بیوی کی آواز ختم ہوگئی۔ اب جو آوازیں تھیں ان سے پتا چلتا تھا ایزل ہارڈی اسی ہوٹل کی بالکونی میں پہنچا۔ ایک شخص اپنی بھاری بھرکم آواز میں پوچھ رہا تھا "مسٹر ہارڈی! کی دوا ساز کمپنی کیسے چل رہی ہے؟"

"پورے فرانس میں میری دواؤں کی سپلائی سب سے زیادہ ہے۔ فرانسیسی حکومت جن ترقی پذیر ممالک کے لیے ایکسپورٹ لائسنس جاری کر رہی ہے ان تمام ممالک میں میری دوائیں پہنچ رہی ہیں۔"

"ایشیائی ممالک کتنے ہیں؟"

"کافی ہیں۔ ہانگ کانگ، مکاؤ، تھائی لینڈ، سنگاپور، ہندوستان، بھارت اور پاکستان۔ میں چاہوں تو مشرقِ وسطیٰ اور افریقی ممالک کے شہروں تک بھی سپلائی لائن بنا سکتا ہوں لیکن آپ لوگوں نے ایک اور کی دوا ساز کمپنی کو وہ تمام علاقے دے دیے ہیں۔"

"اس کے باوجود تم بڑی کامیابی سے پھیلتے جا رہے ہو۔ اینٹی نارکوٹک سوسائٹی کے تمام اعلیٰ عہدیدار تم سے بہت خوش ہیں۔ واٹسن ہوانا نے تمھاری حکومت سے سفارش کی ہے کہ تمھارے لائسنس کا کوٹہ اور بڑھایا جائے۔"

واٹسن ہوانا کا نام سنتے ہی میں چونک گیا۔ فوراً ہی کیسٹ کو بند کر دیا۔ گولڈن رینٹ کے سات اہم اور پُراسرار ٹھکانے تھے جو اپنی جگہ گولڈ مین کہلاتے تھے ان میں سے ایک ڈاکٹر کا نام واٹسن ہوانا تھا جس کا تعلق ٹنکا گو سے تھا۔ وہی ان چھ گولڈ مین کا سرغنہ بھی تھا۔ وہ ایک بوڑھا نہایت ہی ذہین اور تجربہ کار ڈاکٹر تھا لیکن اپنی ذہانت کو منفی انداز میں استعمال کر رہا تھا۔

بین الاقوامی اینٹی نارکوٹک سوسائٹی کے تمام تجربہ کار دنیا بھر میں منشیات کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور یہ تمام

بڑے تمام ممالک میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ واٹسن ہوانا اسی اینٹی نارکوٹک سوسائٹی کا صدر تھا۔ وہ اتنا معزز، اتنا محترم تھا کہ کوئی خواب و خیال میں بھی اسے انسانیت کا دشمن تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

میں گولڈن رینٹ کے سات گولڈ مین میں سے دو گولڈ مین کے نام پہلے معلوم کر چکا تھا۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر واٹسن ہوانا تھا۔ دوسرا ڈاکٹر بیک مر مر اور اب تیسرا ڈاکٹر ڈی۔ ولسن میرے علم میں آیا تھا۔ اس وقت ہوٹل میں ایزل ہارڈی کے ساتھ بیٹھا ہوا جو شخص باتیں کر رہا تھا وہی ڈاکٹر ڈی ولسن تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اگر ایزل ہارڈی زندہ ہوتا تو میں اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرتا کہ گولڈ مین سے ایزل ہارڈی کا کیا تعلق ہے۔ یقیناً کاروباری تعلق ہوگا اور کاروباری تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مثبت انداز کا کاروبار جو بین الاقوامی نارکوٹک سوسائٹی کے تحت ہوتا ہے۔ دوسرا منفی انداز کا کاروبار جو گولڈن رینٹ کے انڈر گراؤنڈ راستوں سے ہوتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے جب میں ڈاکٹر ڈی ولسن کے پاس پہنچا تو وہ مجھے تل ابیب میں نظر آیا۔

وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر واٹسن ہوانا، ڈاکٹر بیک مر مر اور مر مر کی دوست ڈارلنگ فیروزہ بھی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ سب تل ابیب کے ایک خوبصورت بنگلے میں مہمان کی حیثیت سے قیام کر رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر جس ملک میں جاتے تھے وہاں کی حکومت انھیں ہاتھوں ہاتھ لیتی تھی۔ پھر اسرائیلی حکومت کیسے ان کی پذیرائی نہ کرتی۔

میری پچھلی معلومات کے مطابق ان سات گولڈ مین کا خفیہ اجلاس قاہرہ میں ہونے والا تھا۔ اس وقت ان ساتوں گولڈ مین کو قاہرہ میں ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اپنے اجلاس کو ملتوی کر کے صرف یہ یقین کرنے تل ابیب آئے تھے کہ فرہاد علی تیمور واقعی یہودیوں کی قید میں ہے اور مقررہ سو گھنٹوں کے بعد اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ اب تک باون گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ تمام معزز اور مصروف ڈاکٹر اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر اڑتالیس گھنٹے تک وہاں رہنا چاہتے تھے۔ میری موت کے بعد وہاں سے مطمئن ہو کر جانا چاہتے تھے۔ میں کبھی ان ڈاکٹروں کے راستے میں دیوار نہیں بنا تھا لیکن ان کے دلوں میں دہشت تھی کہ کبھی مجھ سے سامنا ہوگا تو ان کے لیے دردِ سر بن جاؤں گا کیسی عجیب بات تھی، میں نے دشمنی نہیں کی تھی۔ پتا نہیں اس دنیا میں ایسے کتنے شیطان صفت لوگ ہیں جنھیں میں نہیں جانتا لیکن وہ مجھ سے دہشت زدہ رہتے ہیں اور میری موت کی تمنا کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال وہ ساتوں گولڈ مین ابھی محض تماشائی بن کر آئے تھے۔ تماشا تو میں ان کے ساتھ کرنے والا تھا لیکن ابھی انھیں چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایزل ہارڈی ان کے خفیہ کاروبار میں کس حد تک ملوث رہا تھا۔

ڈاکٹر ڈی ولسن کی سوچ کو آہستہ آہستہ کریدتے رہنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہوٹل میں ان کے درمیان جو گفتگو ہوتی رہی تھی اس کا مطلب کچھ اور تھا مثلاً ایزل ہارڈی نے ڈاکٹر کو رپورٹ دی تھی کہ اس کا کاروبار صرف فرانس میں ہی نہیں بلکہ ایشیا کے تمام ترقی پذیر ممالک میں پھیل رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نشہ آور دوائیں اور انجکشن وغیرہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر اس انداز میں سپلائی کیے جا رہے ہیں کہ قانوناً ان پر اعتراض نہ کیا جا سکے۔ بظاہر وہ تمام انجکشن، پلز، کیپسول اور سفوف وغیرہ ذہنی سکون پہنچانے کے لیے، نیند لانے کے لیے یا آدمی کو کسی مرض کی شدید تکلیف سے نجات دلانے کے لیے تھے۔ ان کے لیے یہ شرط تھی کہ ڈاکٹری نسخے کے بغیر یہ دوائیں کسی کو نہ دی جائیں لیکن یہ روکنے ٹوکنے والی شرط بس ایسی ہی تھی جیسے سگریٹ کے پیکٹ پر لکھ دیا جائے کہ سگریٹ پینا صحت کے لیے مضر ہے۔ بھلا نشے کے عادی لوگ ایسی نصیحتوں اور پابندیوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔ ایزل ہارڈی کی دوا ساز کمپنی میں ایسی دوائیں تیار ہوتی تھیں جو اپنے معیار کے لحاظ سے بہت ہی عمدہ، زود اثر اور سرور انگیز ہوتی تھیں۔ ایک بار ان دواؤں کو استعمال کرنے والے بار بار استعمال کرنا چاہتے تھے۔

اب میں ایزل ہارڈی تھا۔ اس ملک کی بہت بڑی دوا ساز کمپنی کا مالک ... وہ ساتوں گولڈن مین ایزل ہارڈی کی تیار کردہ دواؤں کے ذریعے لوگوں کو ابتدائی نشے کا عادی بنا رہے تھے۔ نشے کی انتہا کیا ہوتی ہے اور یہ کھیل ساتوں گولڈن مین کیسے کھیل رہے تھے یہ ایک الگ سی بات ہے جس کا راز مجھے جلد ہی معلوم ہونے والا تھا۔ میرے پاس ابھی وقت نہیں تھا اس لیے میں نے ڈاکٹر ڈی ولسن کے ذہن کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔

میری مصروفیات بہت زیادہ بڑھنے والی تھیں۔ میں منشیات کے متعلق بہت کم جانتا تھا۔ اب مجھے ان ساتوں گولڈن مین کے دماغوں میں وقتاً فوقتاً پہنچ کر منشیات کی ابتدا سے لے کر انتہا تک بہت سی معلومات حاصل کرنی تھیں۔ میں نے ریکارڈر کو پھر سے آن کر دیا۔ وہی ڈاکٹر ڈی ولسن اور ایزل ہارڈی کی گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ اب میں ان کی باتوں کے پیچھے جو مقاصد چھپے ہوئے تھے انھیں سمجھ رہا تھا۔ اگر ڈاکٹر ہوانا نے فرانس کی حکومت سے ایزل ہارڈی کی سفارش کی تھی کہ اس کے لائسنس کا کوٹہ اور بڑھا دیا جائے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اب نشہ آور دوائیں اور زیادہ مقدار میں باہر بھیجی

جاسکیں گی۔

ریکارڈر آن تھا۔ کیسٹ چل رہا تھا۔ اب ایزل ہارڈی کسی اجنبی زبان میں بول رہا تھا۔ ایک شخص جواباً اسی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ آواز ایسی تھی جیسے وہ کار میں بیٹھے کہیں جا رہے ہوں۔ پھر ایزل ہارڈی کی بیوی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "یہ کس زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔ انگریزی کیوں نہیں بولتے تاکہ میں بھی سمجھ سکوں۔"

اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مورینا! تمھارا سننا ضروری نہیں ہے۔ ہم کاروباری گفتگو کر رہے ہیں۔ خاموش بیٹھی رہو۔"

اپنی بیوی کو ڈانٹنے کے بعد وہ پھر اجنبی زبان میں گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آوازیں بدل گئیں۔ اب وہ کار میں نہیں تھے کوئی ایسی جگہ تھی جہاں وہ چیخ چیخ کر باتیں کرتے تب بھی کوئی سننے والا نہیں تھا۔ ایک شخص کہہ رہا تھا۔ "ایزل! ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے تم صرف اس بات کے ثبوت فراہم کردو کہ ڈاکٹر واٹسن ہوانا اور ڈاکٹر طوسی ولسن اور جانے کتنے ڈاکٹر ہیں جو تمھاری پشت پناہی کرتے ہیں اور جن کے بل پر تم مشرقِ بعید تک اپنا دھندا پھیلائے ہوئے ہو۔"

ایزل ہارڈی کی آواز سنائی دی "میں نہ تو کوئی ناجائز کاروبار کرتا ہوں اور نہ ہی ڈاکٹر ہوانا جیسے معزز ڈاکٹر کبھی ناجائز کاروبار کے سلسلے میں میری پشت پناہی کر سکتے ہیں۔ تم لوگ مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہو اس لیے ایسی باتیں سوچ رہے ہو۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے تمھیں آسانی سے قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

"مسٹر گریگر! اگر آپ قاتل ہیں تو مجھے غلط فہمی کی بنا پر ہی قتل کریں گے۔"

گریگر کا نام سن کر میں نے کیسٹ ریکارڈ کو آف کر دیا۔ یہ وہی جان گریگر تھا جو آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے ڈاکٹر شیفرڈ کے اسی مکان میں گھس آیا تھا جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایزل ہارڈی کا یہی کیسٹ تھا، جسے میں ابھی سن رہا ہوں اور اس کے ضروری کاغذات بھی تھے جو اب میرے پاس تھے۔ جان گریگر اپنے کسی ساتھی کو ایزل ہارڈی بنانے کے لیے ڈاکٹر شیفرڈ کے پاس آیا تھا لیکن دوسرے ہی دن اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ کیوں قتل کیا گیا؟ کس نے قتل کیا؟ اس کے پیچھے کیا ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا؟ وہ ڈرامہ اب رفتہ رفتہ میرے سامنے واضح ہو رہا تھا۔

میں نے ریکارڈر کو پھر آن کیا۔ اب جان گریگر کہہ رہا تھا۔

"ایزل! تم اور تمھارے وہ شیطان ڈاکٹر بہت ہی چالاک ہیں۔ تم لوگ گفتگو اس انداز میں کرتے ہو کہ اصل بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے تم لوگوں کو ٹریپ کرنے کے لیے جگہ جگہ جال بچھائے ہر جگہ خفیہ ٹیپ ریکارڈر رکھ دیے تاکہ تمھاری باتیں ریکارڈ ہوں تو ثبوت ہمارے ہاتھ میں پہنچ جائے۔"

ایزل ہارڈی نے حیرانی سے پوچھا "تم لوگ ہماری باتیں ریکارڈ کیا کرتے تھے مگر کیسے؟"

جان گریگر نے کہا "ہمارے پاس بڑے بڑے ہتھکنڈے اور ایسے آلہ کار ہیں کہ تم ان کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تمھاری کالیں جتنی بھی آتی تھیں، ان کے ریکارڈ ہمارے پاس ہیں۔ بہت زیادہ حیران اور پریشان نہیں کریں گے۔ صاف صاف بتا دیں گے آج تمھاری زندگی کا آخری دن ہے۔ نہ تم حقیقت اُگلو گے اور نہ تم زندہ رہ سکو گے۔"

اس کے بعد جان گریگر نے اونچی آواز میں کہا "مورینا! ذرا آجاؤ۔"

ذرا دیر بعد ہی ایزل ہارڈی کی حیرت بھری آواز سنائی دی "مورینا تم۔ کیا تم ان بدمعاشوں سے ملی ہوئی ہو؟"

"یہ بدمعاش ہیں تو تم کیا ہو؟ تم بھی تو ناجائز کاروبار کے ذریعے روز بروز دولت مند بنتے جا رہے ہو۔ ہاں، میں ہوں گھر کی بھیدی۔ پہلے میں نے تمھاری وفادار بیوی بننے کی حتی الامکان کوشش کی۔ تمھیں طرح طرح سے اپنی طرف مائل کیا۔ تاکہ مجھ پر اعتماد کرو اور اپنے کاروبار کے خفیہ معاملات میں مجھے بھی شریک کرو لیکن تم مجھے ایسے معاملات سے الگ رکھتے تھے۔ تب میں نے تمھارے ٹیلیفون سے ایک ننھا ریکارڈر منسلک کر دیا۔ تم شبہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ تمھارے گھر میں میں ہی تمھاری بیوی تھی۔ تم کاروباری معاملات میں مجھ پر اعتماد نہیں کرتے تھے لیکن ازدواجی زندگی میں مجھے ایک محبت کرنے والی بیوی تسلیم کرتے تھے۔ اس طرح گھر کی چار دیواری میں مجھ پر بھروسا کرتے تھے۔"

جان گریگر نے کہا "ہم نے کار میں ہونے والی گفتگو بھی ریکارڈ کی ہے۔ تم کسی سے اجنبی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں بھی مورینا نے ہی خفیہ ٹیپ ریکارڈر لگا رکھا تھا۔ ہم نے ہوٹل کے ایک ویٹر کو بھی خرید لیا تھا۔ اس نے بھی تمھاری میز کے نیچے ایک ریکارڈر رکھا تھا۔ ہم نے ہر طرح کوشش کی کسی طرح تم لوگوں کے خلاف ثبوت حاصل کریں لیکن اب ہمیں دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔"

ایزل ہارڈی نے حقارت سے کہا "اونہہ، جب ہم کوئی دھندا کرتے ہی نہیں ہیں اور اگر میرے تعلقات بین الاقوامی نارکوٹک سوسائٹی کے معزز ڈاکٹروں سے ہیں تو تم ہمارے خلاف بھلا کیا ثبوت فراہم کرو گے؟"

"ایزل! اس دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تم ہی ایک ایزل ہارڈی ہو کوئی دوسرا نہیں ہے؟ میں یہی سمجھتا ہوں، خدا کی قدرت یہی ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان جیسا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ چہرے سے مشابہت رکھتا ہے تو عادات و اطوار میں اس سے مختلف ہو گا یا دونوں کے لب و لہجے میں فرق ہو گا یا پھر ان کی حرکات و سکنات مختلف ہوں گی۔"

"لیکن میرے پاس ایک ایسا باصلاحیت نقال ہے جو ہو بہو ایزل ہارڈی بننا جانتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اونچی آواز میں کہا "ڈینی! ادھر آجاؤ۔"

تھوڑی دیر تک کیسٹ ریکارڈر خاموشی سے چلتا رہا۔ پھر ایزل ہارڈی کی حیرت بھری آواز سنائی دی "ارے یہ تو بالکل میری طرح چل رہا ہے۔ میری طرح مسکرا رہا ہے۔"

پھر ڈینی بولنے لگا۔ میں کیسٹ سن رہا تھا مجھے یوں لگا جیسے ایزل ہارڈی بول رہا ہو۔ پھر ایزل ہارڈی نے دوبارہ شدید حیرانی سے کہا "یہ تو بالکل میری آواز میں اور میرے لب و لہجے میں بول رہا ہے۔"

جان گریگر نے کہا "میں یہی تماشا دکھانا چاہتا تھا۔ اب یہ تمھاری جگہ لے گا اور تمھارے ان تمام معزز ڈاکٹروں سے کاروباری رابطہ قائم کرے گا۔"

ایزل ہارڈی نے پوچھا "کیسے کرے گا؟ یہ میری نقل سر سے پاؤں تک کر سکتا ہے لیکن یہ کیسے معلوم کرے گا کہ ہماری کس گفتگو کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کون سے جملے کیا معنی رکھتے ہیں؟"

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ سیدھا سا طریقہ ہے۔ ڈینی کے سر پر شدید چوٹ پہنچے گی۔ اس کے بعد یہ ظاہر کرے گا کہ یادداشت تقریباً گم ہو گئی ہے۔ کچھ یاد آتا ہے، کچھ نہیں آتا۔ ایسی صورت میں وہ تمام ڈاکٹر اس کی رہنمائی کریں گے۔ اسے پھر سے سمجھائیں گے کہ گفتگو کس سے کس انداز میں ہونی چاہیے۔ کیوں کیسی رہی؟"

ایزل ہارڈی نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "ٹھیک ہے۔ تم یہ سب کچھ کر رہے ہو لیکن میں ایک بات بتا دوں۔ اس پر جو میرا میک اپ چڑھایا جائے گا وہ کبھی پائیدار نہیں ہو گا۔ ہمارے تمام ڈاکٹر بہت ذہین اور بہت ہی چوکس رہنے والے ہیں۔ میک اپ کے پیچھے چھپے ہوئے دشمن کو پہچان لیں گے۔"

جان گریگر نے قہقہہ لگانے کے بعد کہا "اگر پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس کے چہرے پر تمھارا چہرہ بنا دیا جائے تو ہمارا کھیل کیسا رہے گا؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے ہلاک کر کے ان ڈاکٹروں کے سامنے دوسرا ایزل ہارڈی پیش کرو گے؟"

"نہیں، ہم تمھیں اتنی جلدی نہیں ماریں گے۔ تمھیں زندہ رکھیں گے لیکن تمھاری زندگی موت سے بدتر ہو گی۔ ہو سکتا ہے تم اذیتیں برداشت نہ کر سکو اور ہمارے دوست اور ہمراز بن جاؤ۔ ہمیں سب کچھ بتا دو پھر ہمیں کسی بہروپیے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہاں سے مشرقِ بعید تک سپلائی ہونے والی دواؤں کی کمپنی کے مالک تمھی رہو گے۔ ان کی آمدنی بھی تمھاری ہو گی۔ ہم اس میں سے ایک پنس بھی حصے کے طور پر نہیں مانگیں گے۔ ہم تو ان ڈاکٹروں سے نمٹنا چاہتے ہیں۔ ہم انھی سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ بہرحال تمھارے سوچنے کے لیے بہت وقت ہے۔ ہاں تو ڈینی! تم کیا کہتے ہو؟"

اس بار ڈینی نے اپنی مخصوص آواز اور لب و لہجے میں کہا "میرا خیال ہے جب تک ایزل ہارڈی راہِ راست پر نہ آئے اس وقت تک میں اس کا رول ادا کرتا رہوں۔ اس طرح ریہرسل ہوتی رہے گی۔ کہیں گڑبڑ ہو گی تو میں چھپ جاؤں گا اور اس شخص کو دواؤں کے ذریعے نیم پاگل بنا کر ان ڈاکٹروں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔"

میں نے ریکارڈر کو آف کر دیا۔ جان گریگر اب اس دنیا میں نہیں تھا۔ ڈینی تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک دو منزلہ مکان کی اوپری منزل میں تھا۔ اس وقت تنہا ایک میز کے پاس بیٹھا ہوا تاش کے پتوں سے دل بہلا رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ اسے جان گریگر کے متعلق سوچنے پر مائل کرنے لگا۔ اس کی سوچ نے بتایا "گریگر نے مجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انھی ڈاکٹروں میں سے کسی ڈاکٹر نے یا پھر ان کے کسی آلہ کار نے گریگر کو قتل کیا ہے۔ اب وہ میری تلاش میں ہیں۔"

ڈینی یہ بات وثوق سے کہہ رہا تھا کہ وہ تمام ڈاکٹر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ جب اسے گریگر کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ روپوش ہو گیا تھا اور چونکہ وہ بہترین نقال ہے اس لیے اس نے دوسرا روپ اختیار کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ گولڈن ریکٹ کے سات ذہین اور فطین ڈاکٹر اس کے دشمن ہیں اور کسی طرح ایزل ہارڈی کی بازیابی چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے گریگر کو قتل کیا۔ مورینا سے پوچھ گچھ کی۔ وہ ڈاکٹر یہ نہیں جانتے تھے کہ مورینا گریگر سے ملی ہوئی تھی اور اپنے شوہر کے خلاف تھی۔ لہٰذا ڈاکٹروں نے اس پر بھروسہ کر لیا تھا اور اسے زندہ چھوڑ دیا تھا۔ البتہ ڈینی کی تلاش تھی۔

میں نے ڈینی کے تصور میں ایزل ہارڈی کو پیش کیا تاکہ وہ اس کے متعلق سوچے اور وہ سوچنے لگا "پتا نہیں جان گریگر نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے؟ مجھے بھی نہیں بتایا تھا۔ شاید مورینا کو خبر ہو لیکن وہ لاعلمی ظاہر کرتی ہے۔"

میں مورینا کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے سامنے بھی ایزل ہارڈی کا تصور پیش کیا۔ وہ بے وفا عورت کبھی اپنے شوہر کے [illegible] سوچتی تھی، وہ زندہ ہے اور جان گریگر کی قید میں ہے لیکن وہ قیدی کہاں ہے، یہ بات گریگر نے اسے نہیں بتائی تھی۔ پھر وہ سوچتی تھی، شاید اس کا شوہر مر چکا ہے۔ بہرحال میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی

موت کا یقین کر لیا تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر شیفرڈ سونیا کے چہرے کو آخری ٹچ دے رہا تھا۔ دو گھنٹے کے اندر اس کا چہرہ مکمل ہونے والا تھا۔ میں نے کیسٹ ریکارڈر کو دیکھا۔ ابھی اس کیسٹ کا پہلا حصہ ختم ہوا تھا۔ دوسری طرف پتا نہیں اور کن لوگوں کی آوازیں ریکارڈ کی گئی تھیں۔ انھیں سننے سے پہلے میں سجاد کی خیریت معلوم کرنے اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک بہت بڑے آہنی پنجرے کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

مجھے حیرانی ہوئی۔ کہاں تو اسے ایک خوبصورت سجے سجائے کمرے میں رکھا گیا تھا اور کہاں یہ پنجرہ۔ اس پر یہ کہ سجاد کے جسم پر جنگلی لباس تھا۔ یعنی کمر سے گھٹنے کے اوپر تک پتے باندھ دیے گئے تھے کیونکہ دنیا کے بیشتر ممالک سے ایسی عورتیں بھی اسے دیکھنے آ رہی تھیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کی حامل تھیں۔ پنجرے کے اندر بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ جب جسم پر مناسب لباس نہیں رہنے دیا گیا تھا تو بھلا فرنیچر کیوں رکھا جاتا۔ اسے تو انسان نما جانور بنا کر پتوں سے ڈھانپ کر پنجرے میں تماشا بنانے کے لیے رکھا گیا تھا۔

پنجرے کی سلاخیں نہایت ہی پتلی پتلی سی تھیں۔ اسے کوئی بچہ بھی دونوں ہاتھوں سے موڑ سکتا تھا۔ ان کے درمیان سے گزرنے کا راستہ بنا سکتا تھا لیکن سجاد کو وارننگ دی گئی تھی کہ وہ سلاخوں کے قریب نہ جائے ورنہ بجلی کا شاک لگے گا۔ پنجرے سے چھ فٹ کے فاصلے پر چاروں طرف لوہے کی ریلنگ بنی ہوئی تھی تاکہ تماشا دیکھنے والے اس ریلنگ تک محدود رہیں اور اسے پار کر کے پنجرے تک نہ پہنچیں۔ وہاں وارننگ بورڈ پر جلی حرفوں سے دھمکی لکھی ہوئی تھی۔ "خبردار! ریلنگ کے پار جانے والے اپنی موت کے خود ذمے دار ہوں گے۔"

وہاں چار عدد مسلح سپاہی بھی موجود تھے۔ میں نے سجاد کی سوچ سے معلوم کیا کہ اسے کہاں قید کیا گیا ہے۔ اسے پہلے جس عمارت میں رکھا گیا تھا، وہاں سے نکال کر ایک بند گاڑی میں لے جایا گیا تھا۔ کچھ زیادہ دور نہیں جانا پڑا تھا۔ گاڑی رک گئی تھی۔ اسے نیچے اتارا گیا تھا۔ ایک جگہ ایک بہت بڑی چٹان زمین پر بچھی ہوئی نظر آئی۔ وہ چٹان تقریباً دس فٹ چوڑی اور پندرہ فٹ لمبی ہوگی۔ اس کے دونوں سروں پر آہنی کنڈے لگے ہوئے تھے۔ اس چٹان کو ایک کرین [illegible] کر ایک طرف ذرا ہٹایا جا رہا تھا۔ جب وہ وہاں سے ہٹ گئی [illegible] دور راستہ نظر آیا۔ وہ مسلح سپاہیوں کے نرغے میں ایک زینے سے اترتے ہوئے ایک زیر زمین کمرے میں پہنچا۔ چاروں طرف پختہ دیواریں تھیں۔ پاؤں کے نیچے بھی پختہ فرش تھا۔

اس کمرے سے نکل کر مختلف کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ اس [illegible] پہنچ گیا جہاں یہ آہنی پنجرہ بنا کر رکھا گیا تھا۔ اسے اچھی طرح [illegible] دیا گیا تھا کہ وہ پنجرے کی پتلی نازک سلاخوں کو ہاتھ لگانے کی حماقت نہ کرے ورنہ بجلی کے جھٹکے لگیں گے۔ تب سے وہ پنجرے کے [illegible] میں کبھی بیٹھتا تھا، کبھی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد [illegible] وہاں تماشائی آنے لگے تھے۔

جنگل کے آدم خور شیر کو زندہ پکڑ کے آہنی پنجرے میں قید [illegible] جائے تو مہذب دنیا کے انسان دور دور سے تماشا دیکھنے آتے [illegible] اسی طرح فرہاد کا تماشا دیکھا جا رہا تھا۔ دنیا کے کتنے ہی ممالک [illegible] مشہور ہستیاں آئی تھیں۔ مرد بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں اور نوجوان لڑکیاں بھی۔ کوئی اسے دیکھ کر کہتا تھا "دیکھو غرور کا [illegible] کیسے [illegible] ہے۔ یہ شخص اپنی ٹیلی پیتھی کے زعم میں سب کو زیر کرتا رہتا تھا [illegible] تو د زیر ہونے کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔ آج یہ ایک جانور کی طرح [illegible] سامنے پنجرے میں ہے۔"

ایک خاتون نے کہا "فرہاد کو اس حال میں دیکھ کر مجھے [illegible] لطیفہ یاد آگیا۔ ایک چوہا شراب سے بھرے ہوئے ڈرم میں گر پڑا [illegible] جب وہاں سے نکلا تو نشے میں جھوم رہا تھا۔ اس نے مستی میں [illegible] ٹھونکتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے بلی۔ بلاؤ میرے مقابلے پر۔ جب [illegible] میاؤں کرتی ہوئی پہنچی تو شراب کا نشہ ہرن ہو گیا۔ چوہا [illegible] ہے۔ کیوں فرہاد! یہودی بلے کے سامنے تمھاری ٹیلی پیتھی کا نشہ ہرن ہو گیا ہے نا؟"

ایک نوجوان لڑکی نے پوچھا "فرہاد! کیا تم ذرا بھی [illegible] نہیں کر سکتے؟"

سجاد چپ چاپ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سینہ تانے [illegible] کھڑا ہوا تھا۔ کسی کی باتوں کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ایک نے [illegible] "اسے کہتے ہیں رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔"

اچانک ہی سجاد نے تالی بجا کر کہا "ہاں میں اتنی دیر [illegible] چپ تھا۔ تم لوگوں کی آوازیں سن رہا تھا۔ جن لوگوں نے میرے [illegible] جو کچھ بھی کہا ہے، میں ان کی آوازوں کو اور ان کے لب و [illegible] ذہن نشین کر چکا ہوں۔ اب دیکھو میری ٹیلی پیتھی کا کمال۔ تم سب [illegible] ابھی اس پنجرے کے قریب آنے پر مجبور رہو گے۔ ابھی [illegible] کے جھٹکے لگیں گے۔ ریڈی۔ ون۔ ٹو۔۔۔"

تھری بولنے کی نوبت نہیں آئی۔ جو لوگ ایک [illegible] میں دیکھ کر اتنی دیر سے ڈینگیں مار رہے تھے، وہ سب [illegible] ہوئے وہاں سے بھاگنے لگے۔ مسلح سپاہیوں نے چیخ چیخ کر [illegible] اٹھا اٹھا کر انھیں روکنا چاہا "رک جاؤ۔ اب یہ خیال خوانی [illegible] کر سکے گا۔ تم لوگوں کو خواہ مخواہ دھمکیاں دے رہا ہے۔

رک جاؤ۔"

لیکن کسی میں رکنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ جن لوگوں نے اپنی اپنی آوازیں اسے سنائی تھیں، وہ بری طرح دہشت زدہ تھے اور جو لوگ خاموش بیٹھے تھے، وہ بھی اس اندیشے میں مبتلا ہو گئے کہ کہیں ان کی زبان سے کوئی بات نہ نکل گئی ہو۔ کہیں وہ ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہ آجائیں۔ وہ ایسی جگہ ٹھہرنا نہیں چاہتے تھے۔ ذرا سی دیر میں پنجرے کے اطراف تماشا دیکھنے والوں میں سے کوئی نہیں رہا۔ صرف مسلح سپاہی رہ گئے۔ میں کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک خفیہ اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ تنظیم کے اہم عہدے دار اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عہدے دار نے کہا "سپر ماسٹر اور ماسک مین یہاں سے دوستانہ انداز میں روانہ ہوئے تھے پھر اپنے ملک پہنچتے ہی انھوں نے دشمنوں جیسا رویہ کیوں اختیار کر لیا ہے؟"

جیسن ہارورڈ نے کہا "دشمن کو دوست اور دوست کو دشمن بنتے دیر نہیں لگتی۔ یہ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ ہمارا موضوع یہ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے اپنے ملک سے سفارتی سطح پر جو خطوط ہمارے نام روانہ کیے ہیں، میں انھیں پڑھ کر سناتا ہوں۔"

وہ پڑھ کر سنانے لگا۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین نے اپنی سرکاری حیثیت میں ایک دھمکی آمیز خط لکھا تھا کہ سو گھنٹے پورے ہونے سے پہلے اگر فرہاد کو رہا نہ کیا گیا تو دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور پھر آنے والے دنوں کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

انھوں نے شکایت کی تھی کہ ان دونوں کو یعنی سپر ماسٹر اور ماسک مین کو اپنے ملک میں بلا کر ان سے جبراً فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کرائے گئے تھے۔ لہٰذا کاہال تنظیم کے سربراہ سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان کے دستخط شدہ کاغذات ان کے سفیر کے حوالے کر دیے جائیں۔

اس خط میں آگے چل کر انھوں نے لکھا تھا کہ وہ فرہاد کو یونہی ہلاک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ان کی سرحدوں میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ وہ خود اسے اغوا کر کے مجرمانہ فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر فرہاد نے ذاتی طور پر اسرائیلی حکام کو نقصان پہنچایا ہو تو اس کے خلاف باقاعدہ فرہاد پر مقدمہ چلایا جائے [illegible] بڑے بڑے ملک کے وکیل فرہاد کا دفاع کریں گے۔ ایسے مقدمے کے بعد فرہاد کی زندگی، موت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تنہا اسرائیلی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایک ایسے شخص کی موت کا فیصلہ کرے جو [illegible] ہم سے دوستی کا ثبوت دیتا آ رہا ہے۔

جیسن ہارورڈ نے اس خط کو میز پر حقارت سے پھینکتے ہوئے کہا "یہ کمبخت بکواس کرتے ہیں۔ میرے سامنے بیٹھ کر واضح طور پر یہ طے ہو چکا ہے کہ ہم فرہاد کو ہلاک نہیں کریں گے بلکہ اپنے مقصد کے لیے استعمال کریں گے لیکن یہ اپنے ممالک پہنچنے کے بعد دنیا والوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے پہلے فرہاد کو اغوا کر کے ایک مجرمانہ حرکت کی اور اب اس کا کوئی جرم ثابت کیے بغیر اسے ہلاک کرتے ہیں۔ ان خطوط کی نقل بھیج کر دنیا کے تمام اہم سیاسی اور سماجی اداروں کو بھی یہ جتلایا جائے گا کہ ہم فرہاد پر ظلم کر رہے ہیں۔"

ایک عہدے دار نے کہا "بیشک یہ جرم تو ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے فرہاد کو اغوا کیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوگا کہ ہم اسے قتل کر رہے ہیں کیونکہ ہم تو اسے اپنے مقاصد کے لیے زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

ہارورڈ نے کہا "ہاں ہم اسے زندہ رکھیں گے لیکن ان کی یہ چال کامیاب ہو گی کہ ان کے دھمکی دینے کے باعث ہم نے فرہاد کو قتل نہیں کیا ہے۔ اس طرح وہ فرہاد کے تمام ساتھیوں کی حمایت حاصل کر لیں گے۔ آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے اس سے پہلے ہی سونیا نے انھیں آفر دی ہے کہ سپر ماسٹر اور ماسک مین میں سے جو کوئی فرہاد کو رہائی دلائے گا، وہ اس کی تنظیم میں ان کے مفاد کے لیے کام کرے گی۔"

ایک عہدے دار نے کہا "پھر تو وہ دونوں خطرناک تنظیموں کے سربراہ صرف ان خطوط پر اکتفا نہیں کریں گے اور بھی چالیں چلیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ وہ دھماکا کہیں بہت دور ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بجلی کے بلب بجھ گئے تھے۔ گردش کرتے ہوئے پنکھے تھم گئے تھے۔ ایک نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیسی آواز تھی؟"

دوسرے نے [illegible] کا بٹن دبایا۔ ایک سپاہی تیزی سے چلتا ہوا دروازے [illegible] پر آیا۔ [illegible] انداز میں سیلوٹ [illegible] عہدے دار نے حکم دیا "معلوم کرو، یہ کیسی دھماکے کی آواز ہے؟ اور دھماکا کہاں ہوا ہے، کیوں ہوا ہے؟"

وہ واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جیسن ہارورڈ نے کہا۔ [illegible]۔۔۔۔۔"

وہ آگے [illegible] سکا۔ ایک بار پھر دھماکے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ چونکہ آواز دور سے آ رہی تھی اس لیے کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا لیکن تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ سپاہی تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ پھر اس نے سیلوٹ کرنے کے بعد کہا "سر! ہمارے سب سے بڑے پاور اسٹیشن کو تباہ کر دیا گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی ان سب کے منہ حیرانی اور پریشانی سے کھل گئے۔ وہ سب

بیک وقت کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن بیک وقت ان کے دماغوں میں کئی طرح کے سوالات گونج رہے تھے۔ کس نے دھماکہ کیا ہے؟ کیسے دھماکہ کیا ہے؟ کسی تخریب کار نے پاور اسٹیشن کو کیوں نشانہ بنایا ہے؟ اس کے پاس اتنی قوت کا بم کہاں سے آیا؟ اور وہ مسلح گارڈز کی نظر بچا کر کیسے پاور ہاؤس میں داخل ہو گیا؟

بے شمار سوالات دماغ میں گونج رہے تھے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا سوال پہلے کیا جائے۔ اس لیے وہ سب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔ پھر جیسن ہارورڈ اپنے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر اس کے ڈائلنگ نمبروں کو دبانے لگا۔ تھوڑی دیر میں رابطہ قائم ہو گیا۔ وہ وہاں کی انٹیلی جنس کے آفیسر سے پوچھ رہا تھا: مجھے فوراً تفصیل بتائی جائے۔ یہ دھماکہ کیسے ہوا؟ کہاں ہوا؟"

دوسری طرف سے کہا گیا: "پورے تل ابیب میں اور مغربی ساحل پر بجلی سپلائی کرنے والے سب سے بڑے پاور ہاؤس کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ اب خاص خاص فوجی اور سول اداروں میں چھوٹے جنریٹرز کے ذریعے وقتی طور پر بجلی سپلائی کی جائے گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا شہر تاریکی میں ڈوبا رہے گا۔ اگر ایسا ہے تو دشمن کوئی بڑی چال چل رہے ہیں۔ اسی لیے ہمارے سب سے بڑے پاور اسٹیشن کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ معلوم کرو یہ کس نے کیا ہے؟ اور کیسے کیا ہے؟ ہر پانچ منٹ بعد مجھے رپورٹ سناتے رہو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ دوسرے عہدے دار بھی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے۔ کچھ آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جیسن ہارورڈ نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا: "ہیلو۔"

دوسری طرف سے ایک بھرّائی ہوئی آواز سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا: "یہ پہلا دھماکہ بطور دھمکی ہے۔ اگر دو گھنٹے کے اندر فرہاد علی تیمور کو رہا نہ کیا گیا تو دوسرا دھماکہ تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گا۔"

اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ جیسن ہارورڈ کریڈل پر ہاتھ مار مار کر چیخنے لگا: "ہیلو، ہیلو تم کون ہو۔ ہیلو.....؟"

پھر اس نے جھنجھلا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ بھلا کون دھماکے کر سکتا تھا۔ ان کا ایک بڑا دشمن تھا جو ان کی دانست میں قیدی بنا ہوا تھا۔ میں نے ابھی تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ میرا دھیان سُپر ماسٹر اور ماسک مین کی طرف گیا۔ ان کے ہی آدمی ایسا کر سکتے تھے۔ یہ سوچتے ہی میں گوئیل کے دماغ میں پہنچ گیا۔

تل ابیب میں جوڈو کراٹے اور گوریلا جنگ سکھانے کا ایک بہت بڑا تربیتی ادارہ تھا۔ اس ادارے کا سینیئر ٹیچر گوئیل تھا۔ وہ بظاہر اسرائیلی حکومت کا وفادار تھا لیکن درپردہ ماسک مین کا آدمی تھا۔ ماضی میں اس نے ایک بار سونیا کی جان بچائی تھی اور ہمارے کام آتا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں پہنچتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ یہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔ اس کا ایک ساتھی لائن مین کا کام کرتا تھا۔ ٹیلی فون کے تار خراب ہوتے تو انہیں درست کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ تار درست کرنے کے لیے ایک کھمبے پر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے گوئیل کی ہدایت کے مطابق جیسن ہارورڈ کو دھمکی دی تھی کہ دو گھنٹے کے اندر فرہاد کو رہا کر دیا جائے ورنہ دوسرا دھماکہ ہو گا۔

اس طرح ٹیلی فون ایکسچینج والے یہ سُراغ نہیں لگا سکتے تھے کہ اسرائیلی تنظیم کے سربراہ کو کس نے فون کیا ہے اور کہاں سے فون کیا ہے۔ جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس دھمکی پر کیا اثر ہوا ہے اور وہ دو گھنٹے کے اندر کس طرح کی جوابی کارروائی چاہتا ہے لیکن وہاں پہنچتے ہی اس کے ذریعے پھر ایک دھماکہ سنائی دیا۔ سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: "یہ کیا ہو رہا ہے..."

میں بھی حیران تھا کیونکہ گوئیل نے دو گھنٹے کی دھمکی دی تھی۔ وہ اتنی جلدی دھماکہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے پھر بھی اس کے دماغ میں جا کر دیکھا تو وہ اس تیسرے دھماکے کا ذمہ دار نہیں تھا۔ بلکہ خود پریشان تھا۔ وہاں ماسک مین کا ایک اور خاص ماتحت تھا۔ اس کا نام ڈربی فائن تھا۔ وہ مغربی ساحل پر کوسٹ گارڈ آفیسر تھا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا سوچ رہا تھا۔ گوئیل کی دھمکی کے مطابق فرہاد صاحب کو رہا نہ کیا گیا تو دو گھنٹے کے بعد دھماکہ کرنے کی ذمہ داری میری ہے لیکن یہ تیسرے دھماکے کی آواز کیسی ہوئی؟ یہ کون کر رہا ہے؟ کیا سُپر ماسٹر کے آدمی...؟"

اس کی سوچ پڑھتے ہی میں دوبارہ جیسن ہارورڈ کے دماغ میں پہنچ کر پڑھنے لگا۔ اگر سُپر ماسٹر کے آدمی بھی میری رہائی کے لیے میدان میں آ گئے تھے تو یقیناً وہ بھی جیسن ہارورڈ کو اس دھماکے کی وجہ ضرور بتائیں گے۔ میرا خیال درست تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی فون کی گھنٹی بجی۔ جیسن ہارورڈ نے فوراً ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی: "دشمنوں کو فرہاد کی زندگی مہنگی پڑتی ہے۔ اس کی موت کا فیصلہ اور زیادہ مہنگا پڑتا ہے۔ اس کا ثبوت تم دھماکے کی آواز میں سن چکے ہو۔ یہ ایک وارننگ ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تل ابیب کھنڈر نہ بنے تو فرہاد کو رہا کر دو۔ رہا کر دو۔"

آواز دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ جیسن ہارورڈ نے پھر غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا: "یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا تخریب کار اتنے وسیع ذرائع کے مالک ہو گئے ہیں کہ فوجیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ دھماکے کر رہے ہیں۔ یہ تیسرا دھماکہ کہاں ہوا ہے؟"

اسی وقت ایک مسلح سپاہی نے آ کر سیلوٹ کرنے کے بعد کہا: "جناب! ایک اسلحہ خانے کو بم سے اڑا دیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر پہلے جو لوگ دھماکے کی آواز پر اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے وہ سپاہی کی رپورٹ سُنتے ہی جھاگ کی طرح اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جیسن ہارورڈ نے غصے سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ سُپر ماسٹر اور ماسک مین کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جب تک وہ تخریب کار گرفتار نہیں ہوں گے، ہم انہیں الزام نہیں دے سکیں گے۔"

میں تیسرا دھماکہ کرنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ڈربی فائن کا اندازہ درست تھا۔ وہ سُپر ماسٹر کا ایک ایسا ماسٹر تھا جو دوسرے ملک میں سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے جا کر تخریبی کارروائیاں کرنے کا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں کسی سے ذہنی رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بس خاموشی سے ان کی پلاننگ کو پڑھ سکتا تھا اور ان کی کارستانیاں دیکھ سکتا تھا۔ فی الحال سُپر ماسٹر اور ماسک مین کی طرف سے ایک خطرناک کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ابھی مجھے ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش رہنا تھا۔ اس لیے میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

ڈاکٹر شیفرڈ نے کہا تھا کہ دو گھنٹے کے اندر سونیا کا چہرہ تبدیل ہو جائے گا اور اب تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ میرے سوچتے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ مسکرا کر کہنے لگا: "فرہاد! اب میری مادام اور تمہاری جانِ حیات ہیں نظر نہیں آئیں گی۔ یقین نہ ہو تو خود ہی دیکھ لو۔"

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک دوشیزہ نظر آئی۔ قد و قامت سونیا کا تھا۔ اس کے دروازے تک آنے کا انداز بھی وہی تھا لیکن چہرہ بدلا ہوا تھا اور وہ چہرہ اتنا پُرکشش تھا کہ میں ڈاکٹر شیفرڈ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں چلتے ہوئے میرے سامنے آئی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھائے۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر وہ بولی: "تم ڈاکٹر کی مہارت اور میرے چہرے کی تعریف بعد میں کر لینا۔ پہلے میرے ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھو۔"

میں نے دیکھا۔ اب سونیا کے دونوں ہاتھوں کی دسوں انگلیاں مکمل تھیں۔ پہلے اس کے ناخن اور ناخنوں کے نچلے گوشت پوست کا حصہ نہیں تھا۔ بچپن میں جب اسے جانور بنانے کا تجربہ کیا گیا تھا، اس میں سونگھنے کی حس پیدا کی گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی اس کی انگلیوں کو ناخنوں کی طرف تراش لیا گیا تھا۔ جب وہ پہلی بار میری زندگی میں ماسٹر یوشے کے ساتھ میری دشمن بن کر آئی تھی تو اس وقت اس کی انگلیوں پر آہنی پنجے چڑھے رہتے تھے۔ ان آہنی ناخنوں کو اتارنے کے بعد انگلیاں ادھوری لگتی تھیں۔ آج ڈاکٹر شیفرڈ نے انہیں مکمل کر دیا تھا۔

میں نے احسان مند ہو کر کہا: "ڈاکٹر! آپ نے واقعی ہم پر اتنے احسانات کیے ہیں کہ ہم اسے کبھی بھلا نہیں سکتے۔ اس سے پہلے سونیا جب بھی میک اپ کرتی تھی تو دستانوں میں اپنی انگلیاں چھپا لیا کرتی تھی تاکہ پہچانی نہ جا سکے۔ اب یہ دستانوں کی محتاج نہیں رہی۔"

میں نے ڈاکٹر کے دونوں ہاتھوں کو عقیدت سے تھام لیا۔ پھر انہیں چومتے ہوئے کہا: "یہ ہاتھ ایک عظیم ہنرمند کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس حد تک ہنرمند بنایا ہے، آپ اس حد تک اپنے ہنر کا بھرپور مظاہرہ کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے اپنے ہاتھوں کو چھڑاتے ہوئے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کہ ایک اچھے فنکار اور اعلیٰ ہنرمند کا دشمن کون ہوتا ہے؟"

"کون ہوتا ہے؟"

"تعریف کرنے والا۔ یاد رکھو ترقی کی بلندیوں تک جانے والوں کی موت صرف تعریف کے زہر سے ہوتی ہے۔ لہٰذا میری اتنی تعریفیں نہ کیا کرو۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ کا پُرزہ نکالتے ہوئے کہا: "اس میں ایجنٹ کا نام اور پتا درج ہے۔ اس سے جا کر ملاقات کرو لیکن پہلے مادام کی تصویریں اتروا لو۔ میرا ایک بہت ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں نے اس سے ایڈریس لیا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں سونیا کے چہرے کو بڑی دیر تک دیکھتا رہا۔ طرح طرح سے اس کی اسٹڈی کرتا رہا — میں نے اسے ایزل ہارڈی اور اس سے متعلقین اور سجاد وغیرہ کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ تمام باتیں سننے کے بعد وہ بولی: "اب مجھے سجاد کی طرف سے ذرا اطمینان ہو رہا ہے۔ وہاں سچویشن دلچسپ ہو گئی ہے۔ جو کام ہمیں کرنا تھا، وہ ہمارے دشمن ہمارے لیے کر رہے ہیں۔"

میں نے سونیا کو بڑی عقیدت سے دیکھتے ہوئے کہا: "تم انسانی نفسیات سے کھیلنا چاہتی ہو۔ اگر تم سُپر ماسٹر اور ماسک مین کو اپنی طرف سے آفر نہ دیتیں تو یہ سچویشن پیدا نہ ہوتی۔ اگرچہ انہوں نے میری موت کے فیصلے پر دستخط کر دیے تھے لیکن تمہاری آفر ان کے دماغوں میں چبھ رہی تھی اور وہ کسی طرح بھی تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم واقعی بڑی کامیاب چالیں چلنا جانتی ہو۔"

اس نے میرے منہ پر ایک ہاتھ رکھ کر کہا: "ابھی ڈاکٹر نے کہا تھا، تعریف ایک زہر ہے جو اچھی صلاحیتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ یہ بتاؤ، اب کرنا کیا ہے؟"

"تل ابیب میں حالات تیزی سے بدلتے جا رہے ہیں۔ پھر یہ کہ مجھے ایزل ہارڈی کے دوسرے متعلقین کی آوازیں بھی سننی ہیں اور مزید معلومات حاصل کرنی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس ایجنٹ کے پتے پر جاؤ۔ پہلے اپنی تصویریں اتروا لو اور اس سے معاملات طے کر لو۔ اس وقت تک میں خیال خوانی سے فارغ ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد ہم باہر نکلنے کا پروگرام بنائیں گے۔"

"تمہارے دماغ سے خیال خوانی کا مرض نہیں جائے گا۔ تمہارا علاج میں ہی کروں گی۔ میں تمہیں کہہ چکی ہوں، غیر ضروری دماغی رابطوں سے پرہیز کرو۔ اگر سجاد کی طرف سچویشن دلچسپ ہے اور تیزی سے

حالات بدل رہے ہیں تو بدلنے دو۔ سجاد کی جان کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ باہر نکلو گے۔ کار میں ڈرائیو کروں گی۔ تم ضروری سمجھو تو وقتاً فوقتاً سجاد کی خیریت معلوم کر لینا۔ رہ گئی... ایزل ہارڈی کے متعلقین کی بات تو جس حد تک تم نے اسٹڈی کی ہے، وہ کافی ہے۔ ویسے تم یادداشت گم ہونے کا ڈھونگ رچا چکے ہو۔ ایزل ہارڈی کا کوئی دوست یا رشتے دار ہمیں راستے میں مل بھی گیا تو تم پہچاننے سے انکار کر دینا۔ کسی بھی ملنے والے کو میں جواب دوں گی۔ ابھی ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے پہلے اُسے حل کرو۔"

"کیا مسئلہ ہے؟"

"میں کون ہوں؟"

"سونیا ہو۔"

"نہیں۔ میرے چہرے کو دیکھ کر مجھے جواب دو۔ میں کون ہوں؟"

میں نے اُسے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا "ایک اجنبی دوشیزہ جسے میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"جب دیکھ رہے ہو تو یہ بھی بتا دو، میرا نام کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں؟ اس ایجنٹ کے پاس جا کر کاغذات کیسے تیار کیے جائیں گے؟"

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ چلو اس مسئلے پہ غور کرتے ہیں۔"

"پہلے میرا کوئی اچھا سا نام تجویز کرو پھر آگے سوچیں گے۔"

"میں تمہارا نام ہی سوچ رہا ہوں۔"

"سوچنے میں اتنی دیر۔ بھئی میں تمہاری جو بھی لگتی ہوں دل سے رشتہ ہے تو دل سے متعلق کوئی نام سوچو جان سے رشتہ ہے تو جان کے تعلق سے سوچو۔"

"تم میری محبت ہو۔ میری آرزو ہو۔" میں کہتے کہتے رُک گیا پھر میں نے چٹکی بجا کر کہا "ہاں۔ آرزو بہت ہی رومینٹک نام ہے۔ یہ نام تمہیں پا لینے کی آرزو کے ساتھ دل سے نکلا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "ہاں۔ بہت ہی اچھا نام ہے۔ بہت ہی پیارا نام ہے۔ آگے سوچو کیا کرنا ہے؟"

"تم چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم یہاں سے ایجنٹ کی طرف جاتے ہوئے سوچیں گے۔"

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "ایک تدبیر ہے۔ ایجنٹ اس سلسلے میں وسیع معلومات رکھتا ہوگا۔ وہ ہمیں گائڈ کر سکتا ہے کہ ایک بالکل نئے نام سے، ایک بالکل نئی شخصیت کا پاسپورٹ اور اس سے تعلق رکھنے والے ضروری کاغذات کس طرح تیار کیے جاتے ہیں۔ تم فون پر اس سے رابطہ قائم کرو۔ یہ اس کا نمبر ہے۔"

میں نے ڈاکٹر شیفرڈ کے دیے ہوئے کاغذ کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ میں اپنے بیڈ روم میں لباس تبدیل کرنے لگا لیکن سونیا کے پاس موجود رہا۔ جب ڈائل کرنے کے بعد اس نے رابطہ قائم کر لیا تو دوسری طرف سے آواز آئی "میں بول رہا ہوں، فرمائیے۔"

سونیا نے کہا "میرا نام آرزو ہے۔ میں ایک غیر ملکی لڑکی ہوں اور آپ سے ایک ضروری معاملے میں ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ کیا ایک گھنٹے کے اندر آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"ہاں، ضرور۔ میں فارغ ہوں۔ آپ ایک گھنٹے کے اندر آ سکتی ہیں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

سونیا نے شکریہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر مجھ سے پوچھا "کیا تم نے اس کی آواز سن لی؟"

"ہاں، تم جا کر لباس تبدیل کرو۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ میں اس ایجنٹ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک عمارت کی ساتویں منزل پر تھا۔ اس منزل پر دو چھوٹے کمرے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کے اندر میز اور چند کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک الماری تھی جس میں ضروری کاغذات رکھی جاتی تھیں۔ لیکن اس کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ دستاویز ایسی نہیں ہیں جن کے ذریعے وہ گرفت میں آ سکے۔ دراصل غیر قانونی دستاویزات تیار کی جاتی ہیں انہیں وہ اپنے گھر میں چھپا کر رکھتا ہے۔

اس وقت وہ سوچ رہا تھا "ابھی ایک گھنٹے کے اندر ایک لڑکی آنے والی ہے۔ اس نے اپنا نام آرزو بتایا ہے۔ پتا نہیں آرزو کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے؟ دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ کہیں وہ پولیس والوں کے لیے مخبری نہ کرتی ہو؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں، وہ ایسی نہیں ہے۔ وہ کوئی غیر ملکی لڑکی ہے۔ اس کا چہرہ اور اس کا حلیہ دیکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا سچ؟"

وہ خود ہی قائل ہو کر آپ ہی آپ سر ہلانے لگا اور پھر سوچنے لگا "میرے یہاں غیر ملکی کم آتے ہیں۔ آتے بھی ہیں تو بہت سوچ سمجھ کر ان کا کام ہاتھ میں لیتا ہوں۔ وہ بھی دو گنا..."

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر وہ کسی تیل نکالنے والے ملک سے آئی ہو گی تو یقیناً دولت مند ہو گی لیکن وہ مسلمان ہوئی تو اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے پہلے سے سوچ کر رکھنا چاہیے کتنی مسلمان لڑکیاں میرے پاس جعلی کاغذات کے لیے آ چکی ہیں؟"

وہ میری سوچ کے مطابق سوچنے لگا۔ میں جیب چاپ اس کے خیالات پڑھتا گیا۔ اس دوران سونیا یعنی آرزو دلباس بدل کر... نے پتلون اور شرٹ پر چمڑے کی جیکٹ پہنی تھی۔ پاؤں...

میں چمڑے کے جوتے تھے۔ ہاتھوں میں دستانے۔ اپنے سُرخ رنگ کی شرٹ سے میچ کرتی ہوئی ایک سُرخ کپڑے کی پٹی اپنی پیشانی سے سر کے پیچھے تک باندھی ہوئی تھی۔ جیسے ریڈ انڈین عورتیں باندھتی ہیں۔ یا پھر جوڈو کراٹے جاننے والی لڑکیاں بلیک بیلٹ کمر میں باندھتے ہیں۔ سر پہ باندھتی ہیں۔ تاکہ لڑنے کے دوران ان کی زلفیں چہرے پہ نہ آ سکیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کس قدر اسمارٹ لگ رہی تھی۔ وہ تو اسی وقت سے اسمارٹ لگتی آ رہی تھی جب پہلی بار میرے دل پہ اپنی محبت کا سکہ جمایا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا ایجنٹ سے کچھ معلوم ہوا؟"

"ہاں، وہ لالچی ہے۔ زیادہ رقم دی جائے تو کام بن جائے گا لیکن رقم کہاں سے آئے گی۔ کیا میں ڈاکٹر شیفرڈ سے قرض مانگوں؟"

وہ میری طرف ہاتھ اٹھا کر قہقہہ لگاتے ہوئے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولی "فرہاد علی تیمور اور قرض لے گا؟ تمہاری ٹیلی پیتھی کس وقت کام آئے گی؟ میں نے تمہیں غیر ضروری خیال خوانی سے باز رہنے کے لیے کہا ہے۔ اس وقت میری جیب میں پانچ ہزار ڈالر ہیں۔ آج رات ہم کسی کیسینو میں گزاریں گے، تاش کے پتوں سے کھیلیں گے۔ صبح تک ہمارے پاس پانچ لاکھ ڈالر ہو سکتے ہیں۔ کیا یہاں کے جواریوں کو جوا کھیلنے کی عبرتناک سزا نہیں دو گے؟"

"ضرور۔" میں نے اپنا بیگ اٹھا کر شانے سے لٹکا لیا۔ اس بیگ میں ایزل ہارڈی سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں موجود تھیں۔ صرف کیسٹ کو میں نے میز کی دراز میں چھوڑ دیا۔ سونیا کے پاس ایک سفری بیگ تھا۔ ہم دونوں کوٹھی سے باہر آئے۔ خیال خوانی کے ذریعے ڈاکٹر شیفرڈ سے پوچھا کہ اس کی کوٹھی کیسے لاک کی جائے۔

اس نے کہا "دروازے الیکٹرک کنٹرول میں خود بخود لاک ہو جائیں گے۔ خفیہ سوئچ باہر ہے۔ جب میں گھر واپس پہنچوں گا تو خود کھول لوں گا۔"

میں نے دروازہ بند کیا۔ پھر ہم ایک کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر شیفرڈ وہ کار ہمارے لیے چھوڑ گیا تھا۔ سونیا اسے ڈرائیو کرنے لگی۔ جب ہم مین روڈ پر آئے تو میں نے کہا "دو گھنٹے پورے ہونے والے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ماسک مین اور سپر ماسٹر کے ماتحتوں نے جو چیلنج کیا ہے اس پر وہ آئندہ کس طرح عمل کریں گے اور یہودی ان کا یہ چیلنج قبول کرتے ہیں یا کوئی جوابی کارروائی کرتے ہیں۔"

سونیا نے کہا "اچھی بات ہے جاؤ مگر چند منٹ کے لیے۔ اور زیادہ خیال خوانی سے پرہیز کرو۔ سطحی معلومات حاصل کرو۔ سجاد اگر بخیریت ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو دماغی طور پر میرے پاس حاضر ہو جانا۔"

میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اب تک اسی پنجرے میں قید تھا لیکن اب کے چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ یہ تاریکی تقریباً پونے دو گھنٹے سے تھی یعنی اسی وقت سے جب وہاں کے سب سے بڑے پاور اسٹیشن کو بم سے اڑا دیا گیا تھا۔ ابھی شام کا وقت تھا۔ اندھیرا نہیں ہونا چاہیے تھا مگر وہاں بجلی کے ذریعے ہی روشنی پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے اب تاریکی تھی۔

گوئیل نے کاہل تنظیم کے سربراہ کو جو دھمکی دی تھی، اس پر دو گھنٹے بعد ڈربی فائن عمل کرنے والا تھا۔ میں ڈربی فائن کے پاس پہنچ گیا۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ گوئیل بھی اس کے پاس تھا اور وہ ڈربی فائن کو کرسی پر بٹھا کر اسے رسیوں سے باندھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ کہتا جا رہا تھا "میں فون پر بات کروں گا۔ جب تمہارے بولنے کی باری آئے گی، تو تم ایک جکڑے ہوئے بے بس انسان کی طرح اپنی مجبوری ظاہر کرنا۔ ٹھیک ہے۔"

ڈربی فائن نے کہا "ٹھیک ہے۔"

گوئیل ٹیلی فون اور ریسیور اٹھا کر اس کے پاس آیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں فوراً جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں اس کے پاس فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "یس پلیز آئیڈینٹٹی (اپنی شناخت کراؤ)۔"

گوئیل نے پہلے کی طرح بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میری آواز ہی سب سے بڑی شناخت ہے۔ دو گھنٹے پورے ہونے والے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے چیلنج کے بعد تم لوگوں نے اپنے فون میں جاسوسی آلات لگا رکھے ہیں۔ اس طرح میری آواز بھی ریکارڈ ہوتی رہے گی اور ایکسچینج والے معلوم کر لیں گے کہ میں کہاں سے فون کر رہا ہوں۔ اتنی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ لو، جس گھر سے فون کر رہا ہوں، اس کے مکین سے باتیں کرو۔"

میں گوئیل کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ڈربی فائن کو آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف ریسیور بڑھا رہا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر کہا "سر! میں مغربی ساحل کا کوسٹ گارڈ آفیسر ہوں۔ میرا نام ڈربی فائن ہے۔ میرے گھر میں چار مسلح افراد گھس آئے ہیں۔ ان کے پاس سائلنسر لگے ہوئے ریوالور ہیں۔ میں ان کے آگے مجبور ہو گیا ہوں۔ انہوں نے مجھے رسیوں سے باندھ رکھا ہے اور آپ سے باتیں کرنے کے لیے میرے فون کے ذریعے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔"

گوئیل نے ریسیور اس سے لے کر کہا "کیوں مسٹر جیسن ہارورڈ! کیا تمہارے سپاہی مجھے یہاں پکڑنے آئیں گے۔ اگر آ جائیں تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں ڈربی فائن کی لاش ملے گی، میں نہیں ملوں گا۔ صرف اتنا کہہ کر جا رہا ہوں، دو گھنٹے پورے ہونے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ میں مزید آدھے گھنٹے تک انتظار کروں گا کہ فرہاد علی تیمور کو رہا کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر......"

گوئیل نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ جیسن ہارورڈ نے کہا۔

"ٹھہرو! فون بند نہ کرنا۔ میری بات سن لو۔"

"تمہاری باتیں سننے تک تمہارے آدمی مجھے گرفتار کرنے پہنچ جائیں گے۔"

"صرف ایک بات سن لو۔ فرہاد علی تیمور ہمارے لیے بہت اہم ہے اور تمہاری شرط بھی ایسی ہے جو ہمارے لیے تقریباً ناقابلِ قبول ہے لیکن ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔"

گوئیل نے بے اختیار میری سوچ کے مطابق کہا: "اچھی بات ہے۔ سمجھوتے کے متعلق میں غور کروں گا۔ فی الحال فرہاد علی تیمور کو نہایت عزت و احترام سے ایک مہمان کی طرح رکھا جائے۔ اگر میری شرط پر فوری طور پر عمل نہ ہوا تو میں آدھے گھنٹے کے اندر اپنی دھمکی پر عمل کروں گا۔ اب میں پھر کسی وقت کہیں نہ کہیں سے رابطہ قائم کروں گا۔ دیٹس آل۔"

گوئیل نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہاں سے دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا: "ڈربی! ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے فرہاد صاحب کو باعزت طور پر کسی اچھی جگہ رکھا تو پھر کسی وقت ان لوگوں سے رابطہ قائم کریں گے۔ فی الحال ہم کوئی دھماکہ کرنے نہیں جا رہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم رسیوں سے بندھے بیٹھے ہو۔ وہ لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔ تمہیں آزاد کر دیں گے۔ سی یو اگین۔"

یہ کہتے ہی وہ وہاں سے بھاگتا چلا گیا۔ میں جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے کسی سے کہہ رہا تھا "فرہاد علی تیمور کو انڈر گراؤنڈ کیج سے نکال لو۔ فوراً کسی اچھے سے گیسٹ ہاؤس میں لے جا کر رکھو۔ لیکن اس کے اطراف بہت سخت پہرہ ہونا چاہیے۔ اس سے مہمانوں جیسا سلوک کیا جائے۔ ہمارے دشمن اس کے متعلق ذرا ذرا سی خبر رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسے انڈر گراؤنڈ کیج میں رکھا گیا ہے۔ جب اسے کسی اچھی جگہ منتقل کیا جائے گا تو دشمن کا کوئی آدمی ضرور اسے دیکھے گا اور انہیں باخبر کرے گا۔ ہر آنے جانے والے پر کڑی نظر رکھو۔ شاید ہم دشمن تک پہنچ سکیں۔"

اس نے ریسیور کو رکھ دیا۔ بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے عہدے داروں کو بتانے لگا کہ دشمن نے دوبارہ کس قسم کی دھمکی دی ہے۔ اس کے پیشِ نظر فرہاد علی تیمور کو ایک مناسب رہائش گاہ تک پہنچایا جا رہا ہے۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو۔"

دوسری طرف سے کہا گیا: "سر! ابھی اطلاع ملی ہے کہ اعلیٰ بی بی تل ابیب ایئرپورٹ پہنچ گئی ہے۔ اسے یہاں لایا جا رہا ہے۔"

"اس کے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟"

"وہ تنہا ہے۔"

جیسن ہارورڈ نے سوچنے کے انداز میں کہا: "تعجب ہے۔ وہ تو اپنی ٹیم کے ساتھ آنے والی تھی۔ بہرحال اسے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا جائے جب تک میں نہ کہوں، فرہاد سے ملنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ابھی کچھ دیر کے اندر اسے ایک معقول رہائش گاہ میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ اسے شیو کرنے اور غسل کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے لیے نئے ملبوسات لائے جائیں اور اس کی پسند کے مطابق کھانے کھلائے جائیں۔ یہی تاثر دیا جائے کہ ہم نے اسے ایک معزز مہمان کی طرح رکھا ہے۔"

اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا: "کیا مصیبت ہے ہم ڈھائی گھنٹے سے اس کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنی مرضی سے باہر نہیں جا سکتے۔ حالانکہ ہمیں کوئی روکنے والا نہیں ہے لیکن رہ رہ کر ہمیں پریشان کن اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔"

"مسٹر ہارورڈ! ایک پریشانی ہو تو نمٹائیں۔ چاروں طرف سے پریشانیاں گھیر کر آ رہی ہیں۔ اتنے بڑے پاور اسٹیشن کی تباہی کے بعد تل ابیب میں اندھیرا رہے گا۔ تخریب کاروں کی بن آئے گی۔ انہیں چھپنے کے بہتر مواقع ملتے رہیں گے۔"

جیسن ہارورڈ نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر غراتے ہوئے پوچھا: "دوسرے جنریٹر کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی: "سر! انتظامات ہو رہے ہیں۔ پاور اسٹیشن میں صرف ایک جنریٹر فاضل تھا۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ وہاں کے ایک حصے کو تاریک رکھا جائے۔ مزید جنریٹر فوراً یہاں بھیج دیے جائیں۔ شاید چار عدد چھوٹے جنریٹر یہاں آ رہے ہیں۔"

ہارورڈ نے پھر غرا کر پوچھا: "شاید کا مطلب کیا ہوا؟ مجھے مکمل رپورٹ دیا کرو۔ معلوم کرو کتنے آ رہے ہیں اور وہ وہاں سے کب چل رہے ہیں اور یہاں تک کب پہنچیں گے؟"

اس نے پھر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کے سامنے کہیں دشمن کا سر نہیں تھا۔ اس لیے وہ بار بار ریسیور اور کریڈل پر غصہ اتار رہا تھا۔ اسی وقت دُور کہیں دھماکے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ چند سیکنڈ کے بعد دوسرا دھماکہ سنائی دیا۔ وہ لوگ تیزی سے کمرے سے نکلے تاکہ باہر جا کر معلومات حاصل کریں۔ صرف ایک شخص ٹیلی فون کے پاس رہ گیا تھا۔ میں سُپر ماسٹر کے اس ملازم کے پاس پہنچ گیا جو دشمن ممالک میں پہنچ کر سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے تخریبی کارروائیاں کرنے کا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔

وہ سیکرٹ ایجنٹ ٹی اینڈ ٹی کے شعبے میں اعلیٰ افسر تھا۔ ٹیلی فون ایکسچینج کی عمارت کے ایک شاندار دفتری کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی چند ماہ پہلے امریکہ سے آیا تھا۔ اس کے پاس تجربات کی بڑی بڑی ڈگریاں تھیں۔ اسرائیلی حکومت نے خود ہی اس کی خدمات حاصل کی تھیں یا پھر سُپر ماسٹر نے کوئی چکر چلا کر اسرائیلی حکومت کو اس کی خدمات حاصل کرنے پر مائل کیا ہوگا۔ بہرحال وہ سیکرٹ ایجنٹ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ افسر بن کر ایکسچینج میں بیٹھا ہوا تمام اہم کالیں سنتا رہتا تھا۔

میں نے اس کے ذہن میں دونوں دھماکوں کا خیال پیدا کیا۔ اس کی سوچ کہنے لگی: "دو عدد طاقتور بموں کے ذریعے دو عدد پانی کی بڑی بڑی ٹینکوں کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ تل ابیب سمندر کے ساحل پر ہے۔ سمندر سے صرف کھارا پانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس لیے میٹھے پانی کی دو بڑی بڑی ٹنکیاں بنائی گئی ہیں جن کے ذریعے پورے تل ابیب کے شہر میں پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ پہلے بجلی بند ہو گئی تھی۔ اب پانی کی سپلائی ختم کر دی گئی ہے۔"

سونیا کی آواز نے میری خیال خوانی کے سلسلے کو ختم کر دیا وہ کہہ رہی تھی: "فرہاد! خدا کے لیے اب بس کرو۔ واپس آ جاؤ۔"

سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ماتحت تل ابیب میں بہت اچھا رول ادا کر رہے تھے اور اچھی منصوبہ بندی کے تحت بجلی اور پانی کی سپلائی بند کر رہے تھے تاکہ ابتدائی طور پر انہیں اسی طرح ہراساں کیا جائے۔ میں سونیا کے پاس حاضر ہو گیا۔ ہماری کار ایک سات منزلہ عمارت کے سامنے پارکنگ ایریا میں رک گئی تھی۔ ہم کار سے اتر گئے، اسے لاک کیا پھر عمارت میں داخل ہو کر لفٹ کے ذریعے ساتویں منزل پر پہنچ گئے۔ ایجنٹ وہائٹ بروکر ہمارا منتظر تھا۔ وہ ایک پرانی سی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر ہمیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

سونیا نے کہا: "میں آرزو ہوں۔ ابھی چالیس منٹ پہلے میں نے آپ سے اپائنٹمنٹ لیا تھا۔"

"اوہ اچھا، سمجھ گیا۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

اس نے سونیا سے مصافحہ کیا پھر مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا: "آپ کی تعریف؟"

"یہ مسٹر ایزل ہارڈی ہیں۔"

وہائٹ بروکر نے کہا: "مجھے یوں لگتا ہے جیسے مسٹر ہارڈی کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ یاد نہیں آ رہا ہے۔"

سونیا نے کہا: "آپ اپنی یادداشت پر زور دینے میں وقت ضائع کریں گے۔ کیوں نہ میرے معاملے میں دلچسپی لیں۔"

"جی ہاں، جی ہاں۔ تشریف رکھیں۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

سونیا نے بیٹھتے ہوئے کہا: "میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔ میں کون ہوں؟ یہ میں بھی نہیں جانتی۔ کہاں سے آئی ہوں؟ یہ بھی نہیں جانتی۔ میرا نام، مقام، ایڈریس کیا ہوگا، یہ سب کچھ آپ طے کریں اور میرے لیے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دوسرے ضروری کاغذات تیار کر دیں۔ معاوضے کی فکر نہ کریں۔ جو آپ کے منہ سے نکلے گا وہی رقم ادا کی جائے گی۔"

"مس! یہ درست ہے کہ میں اپنی مؤکلوں کو نئی شخصیت کے شناختی کارڈ اور اہم دستاویزات بنا کر دیتا ہوں لیکن اس سے پہلے ان کے متعلق اچھی طرح یقین کر لیتا ہوں۔ لہٰذا آپ اس دروازے سے دوسرے کمرے میں چلی جائیں۔ اس کمرے میں میری بیوی ہے۔ وہ آپ کی تلاشی لے گی۔ میں آپ کے اس ساتھی کی تلاشی لیتا ہوں۔ مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کے پاس مائیکرو کیسٹ ریکارڈر یا کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جس کے ذریعے ہماری گفتگو ریکارڈ کی جائے یا کسی طرح بھی میرے خلاف ثبوت فراہم کیا جائے۔"

سونیا اٹھ کر اس دروازے سے گزرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہائٹ بروکر میرے پاس آ کر سر سے پاؤں تک میری تلاشی لینے لگا پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ اُدھر دوسرے کمرے سے اس کی بیوی نے نکل کر کہا: "مس کے لباس میں اور بیگ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہمیں نقصان پہنچا سکے۔"

سونیا پھر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی بیوی واپس چلی گئی۔ وہائٹ بروکر نے کہا: "ہاں، اب معاملات کی بات ہوگی لیکن یاد رکھیں، اس کے بعد بھی کوئی چکر نہیں چل سکے گا۔ میں براہِ راست لین دین نہیں کرتا۔ ابھی جو معاملات طے ہو جائیں گے، اس کے مطابق آپ کو آپ کی ضرورت کی تمام دستاویزات، شناختی کارڈ

اور پاسپورٹ وغیرہ مل جائیں گے مگر دوسرے ذرائع سے ملیں گے اور کس طرح ملیں گے، یہ آپ کو بعد میں معلوم ہوگا۔"

میں نے کہا "آپ کا جو بھی طریقہ کار ہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہم تو صرف اپنا کام بنانے کے لیے آئے ہیں۔"

اس نے سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہیں؟ کیا اپنے مذہب کے مطابق نئی شخصیت اختیار کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہی رہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا اپنے موجودہ نام آرزو کے ساتھ؟"

"اگر اس نام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرے دوست نے یہ نام میرے لیے پسند کیا ہے لہٰذا مجھے بھی پسند ہے۔"

میں نے کہا "مسٹر بروکر! اگر آپ کی معلومات کے مطابق آپ کی فائلوں میں کوئی ایسی مسلمان لڑکی ہو جس کے کاغذات پہلے سے تیار ہوں۔ وہ اس دنیا میں نہ ہو۔ اگر ہو بھی تو ہمارے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہ بن سکے تو ایسی لڑکی مس آرزو کو سوٹ کرے گی۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر رابطہ قائم ہوتے ہی کہا "سنو! پچھلے دو سال کا ریکارڈ چیک کرو کسی ایسی مسلمان لڑکی کا نام تلاش کرو جس کی عمر۔۔۔" اس نے سونیا کو ایک نظر دیکھا پھر کہا "اٹھارہ سے بیس برس تک رہی ہو۔ ابھی ہماری مؤکلہ کی عمر کا اندازہ بائیس برس تک کیا جا سکتا ہے۔ دو برس گزر چکے ہیں۔ اگر فہرست میں بیس برس کی لڑکی نکل آئے تو اس کی عمر اب ہماری مؤکلہ کی عمر کے مطابق ہوگی۔"

وہ ذرا خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا پھر اس نے جواباً کہا "ہاں اگر دو برس کے ریکارڈ میں نہ ملے تو پچھلے چار برس کا ریکارڈ چیک کرنا۔ ہم اپنی مؤکلہ کو بائیس برس کے بجائے زیادہ سے زیادہ چوبیس یا پچیس برس کا بنا سکتے ہیں۔"

اس کے بعد اس نے پھر دوسری طرف سے کچھ سنا پھر کہا۔ "ہاں، ٹھیک ہے۔ پندرہ منٹ کے اندر مجھے معلوم ہونا چاہیے۔"

اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا "آپ کا کام ابھی ہونے والا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو اپنی مطلوبہ چیزیں کب تک درکار ہیں۔ کل تک، ایک ہفتے تک یا۔۔۔"

سونیا نے کہا "کل تک۔"

"فوری ڈلیوری کا معاوضہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

"کتنا ہوتا ہے۔ مجھے بتائیے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے کہا "تم اسے باتوں [میں] الجھائے رکھو۔ میں اس کے خیالات پڑھ رہا ہوں۔"

میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر معلوم کرنے لگا کہ یہ کن ذرائع سے کام کرتا ہے۔ اگر یہ سرکاری افسروں کی مٹھی گرم کرتا ہے تو پھر سونیا کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ بننے کے بعد کہیں سونیا ان سرکاری افسروں کی نظروں میں رہے گی اور اگر غیر قانونی طور پر جعلی دستاویزات، جعلی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ تیار کرتا ہے تو اس کے ہاں زیرِ زمین ایسی مشینیں نصب کی گئی ہوں گی جن کے ذریعے ایسے تمام اہم کاغذات تیار کیے جاتے ہیں۔

ایجنٹ وہائٹ بروکر کی سوچ نے بتایا کہ اس کاروبار میں خود، اس کی بیوی، اس کا ایک اسسٹنٹ اور ایک بہت بڑا سرکاری آفیسر شریک ہے۔ اس کی بیوی اور اس کے اسسٹنٹ کی آواز تو میں سن چکا تھا۔ صرف سرکاری آفیسر کے دماغ تک پہنچنا رہ گیا تھا۔ جب یہ چاروں میری خیال خوانی کی مٹھی میں رہتے تو پھر سونیا کو کسی طرح کا اندیشہ نہ رہتا۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہائٹ بروکر نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔۔۔" پھر آواز سننے لگا۔ دوسری طرف سے اس کا اسسٹنٹ کہہ رہا تھا "میں ایک برس پہلے کی فائل کھول کر دیکھ رہا ہوں۔ یہاں ایک مسلمان لڑکی کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس کا نام سلطانہ ہے۔ یہ ترکی کے ایک سرکس میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی۔ جب اس نے پیرس کے ایک مسلمان جمال پاشا سے شادی کی تو میرج سرٹیفکیٹ کے مطابق اس کی عمر بیس برس تھی۔ جب آپ نے جمال پاشا سے اس کی بیوی سلطانہ کے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دوسرے ضروری کاغذات کا سودا کیا تو اس وقت اس کی عمر اکیس برس ہو چکی تھی۔"

وہائٹ بروکر نے کہا "مجھے یاد آ گیا۔ یہ وہی سلطانہ ہے جس کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا اور وہ جمال پاشا کا گھر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔"

"جی ہاں، پاشا نے ہم سے یہی کہا ہے۔ حقیقت کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔"

وہائٹ بروکر نے کہا "ہم اپنے پیشے کے مطابق جن کے کاغذات کا سودا کرتے ہیں ان کاغذات سے تعلق رکھنے والوں کے ایک ایک پہلو کے مطابق تحقیقات کرتے ہیں۔ سلطانہ کے متعلق ہم مطمئن تھے۔ صرف ایک قباحت ہے۔ سلطانہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اگر میری مؤکلہ اس کے کاغذات پر یہاں رہے یا باہر ممالک سفر کرے اور کہیں وہ اصلی سلطانہ ٹکرا جائے تو ہمارے لیے بڑی پریشانی ہوگی۔"

میں نے کہا "مسٹر بروکر! مداخلت کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ اصلی سلطانہ کی فکر نہ کریں۔ اس کے تمام اہم کاغذات ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر مس آرزو سے سلطانہ کا سامنا ہوگا تو ہم اس سے سمجھوتہ کر لیں گے یا اس سے سمجھ لیں گے۔"

سونیا نے اپنے بیگ سے پانچ سو ڈالر نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا "یہ ایڈوانس ہے۔ مکمل کاغذات ملنے کے بعد اور ایک ہزار دوں گی۔"

وہ خوش ہو گیا۔ میں نے کہا "آپ اپنے آدمی سے دریافت کریں۔ سلطانہ کے ریکارڈ میں اس کے شوہر جمال پاشا کا ٹیلیفون نمبر ضرور ہوگا۔ اگر ہو تو آپ اس سے دریافت کریں، سلطانہ اس کے پاس واپس آئی ہے یا نہیں؟"

اس نے اسسٹنٹ سے یہی سوال کیا۔

اس نے ریکارڈ دیکھتے ہوئے کہا "جناب! وہ تو بھکڑ آدمی تھا۔ اس کے پاس شراب پینے کے لیے بھی پیسے نہیں تھے، اسی لیے تو اس نے اپنی بیوی کے کاغذات ہمارے پاس فروخت کیے تھے، ایسے قلاش آدمی کے پاس بھلا ٹیلیفون کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہائٹ بروکر نے یہی بات مجھے بتائی۔ میں نے کہا "آپ جمال پاشا کا ایڈریس ہمیں بتا دیں۔"

اس نے مسکرا کر کہا "پہلے میں مکمل کاغذات آپ کے حوالے کر دوں اور آپ سے پوری رقم وصول کر لوں پھر اس کا پتا بھی معلوم ہو جائے گا۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے؟"

مجھے کوئی جلدی نہ تھی۔ میں تو اس سے یونہی پتا پوچھ رہا تھا۔ ورنہ اس کے اسسٹنٹ کے دماغ سے جمال پاشا کا مکمل پتا معلوم کر چکا تھا۔ اس نے کہا "مس آرزو! آپ اپنی دس بارہ تصویریں ہمیں دے دیجیے۔ کل دن کے ایک بجے تک آپ کو تمام کاغذات مکمل ملیں گے۔"

"کیا یہاں قریب کوئی ایسا فوٹو اسٹوڈیو ہے جو فوراً ہی تصویریں اتار کر دے سکتا ہو؟"

اس نے پتا بتا دیا۔ ایک خودکار اسٹوڈیو قریب ہی تھا۔ دس منٹ میں سونیا کی تصویریں تیار ہو گئیں۔ پندرہ منٹ کے اندر ہم نے وہ تصویریں وہائٹ بروکر کے پاس پہنچا دیں پھر دوسرے دن ایک بجے ملاقات کرنے کا وقت مقرر کر کے وہاں سے چلے آئے۔

میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "تم پیرس کے ایک ایک راستے، ایک ایک گلی کو جانتی ہو۔ کیا ریو ڈی مارگریٹ کے علاقے میں کبھی گئی ہو؟"

"بارہا وہاں سے گزرتی رہی ہوں۔"

"اس علاقے میں روئیل مال میسن نامی ایک ہاسٹل ہے۔ یہ فرانسیسی نام اتنے دشوار ہوتے ہیں کہ باسانی زبان سے ادا نہیں ہوتے۔ بہرحال اسی ہاسٹل میں جمال پاشا رہتا ہے۔"

اس نے ٹھیک ہاسٹل کے سامنے پہنچا دیا۔ پھر پوچھا "پاشا کے سامنے تم جاؤ گے یا میں جاؤں؟"

"ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں جانا چاہیے۔"

"پھر یہاں کیوں آئے ہو؟"

"دیکھتے ہیں کسی کو ٹریپ کر کے اس کے ذریعے جمال پاشا تک پہنچیں گے۔"

"اس طرح تو خیال خوانی کا راز فاش ہو جائے گا۔"

"بھئی ذرا سوچنے تو دو۔ کوئی نہ کوئی ترکیب سمجھ میں آ ہی جائے گی۔"

"یہ سلطانہ کے معنی کیا ہوتے ہیں؟"

"کسی ملک کے حاکم کو سلطان اور اس کی بیگم کو سلطانہ کہتے ہیں۔"

"لیکن میرا تو کوئی سلطان نہیں ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں ایک ایسی بھی سلطانہ گزری ہے جس کا سلطان نہیں تھا۔ اس کا نام رضیہ سلطانہ تھا۔ اور اگر اسی طرح میں تمہیں ناموں کے معنی بتاتا رہا اور تاریخی حوالے دیتا رہا تو پھر ہم پہنچ چکے، جمال پاشا کے پاس۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ کار کی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی فٹ پاتھ پر چلا آ رہا تھا۔ اس کا حلیہ پاگلوں جیسا تھا۔ جسم پر میلے اور پرانے کپڑے تھے۔ ہاف پینٹ ڈھیلی ڈھالی تھی۔ پاؤں میں کینوس کے پھٹے ہوئے جوتے اور موزے پہنے تھا۔ اس کی داڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے قمیص کا کالر نہیں تھا لیکن اس نے ایک نکٹائی باندھی ہوئی تھی۔ وہ بڑبڑاتا تھا۔ پھر رک کر ذرا پیچھے دیکھتا تھا۔ اس کے بعد سہمے ہوئے انداز میں تیزی سے چلنے لگتا تھا۔

اسی طرح وہ چلتا ہوا ہماری کار کے قریب آیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ اسے مخاطب کرو۔ سونیا نے فرانسیسی زبان میں آواز دی۔ وہ فوراً ہماری کار کی کھڑکی کی طرف آ گیا پھر اسی زبان میں سونیا سے کہنے لگا۔ "چلی جاؤ۔ یہاں سے جلدی بھاگ جاؤ۔ ایک بلا میرے پیچھے ہے۔ وہ تمہارے بھی پیچھے پڑ جائے گی۔ چلی جاؤ۔ جب تک نہیں جاؤ گی میں اسے دونوں ہاتھوں سے روکے رکھوں گا۔"

میں نے سونیا سے کہا "تمہارے ذریعے میں اس کی باتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ اس سے کہو، اگر انگریزی جانتا ہو تو انگریزی زبان میں باتیں کرے۔"

سونیا نے اس سے کہا۔ وہ میری طرف دیکھ کر انگریزی میں وہی باتیں بتانے لگا۔ بے چارہ نیم پاگل تھا۔ شاید کسی طرح اس کے دماغ میں یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ کوئی بلا اس کے پیچھے پڑ گئی ہے [یا اس] کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جس کے نتیجے میں وہ نیم پاگل

ہوگیا ہو اور وہ اپنے پیچھے کسی مصیبت کو بڑی شدت سے یوں دیکھتا ہو جیسے سچ مچ کسی بلا کو دیکھ رہا ہو۔ وہ خطرناک پاگل نہیں تھا۔ اسے نیم پاگل بھی نہیں کہنا چاہیے۔ اس کی دماغی حالت بتا رہی تھی کہ اکثر نارمل رہتا ہے کبھی کبھی اس پر ایسا دورہ پڑتا ہے۔"

میں نے سونیا سے کہا۔"تم تھوڑی دیر تک مجھے مخاطب نہ کرنا۔ میں اس پاگل کو ٹریپ کر رہا ہوں۔"

میں اچھے اچھے ہوشمندوں کے دماغوں پر قابض ہو جاتا تھا۔ اس پاگل کو ٹریپ کرنا کون سی بڑی بات تھی۔ وہ فوراً ہی وہاں سے چلتا ہوا ہاسٹل میں داخل ہوا پھر ایک دفتری کمرے میں میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص کے پاس پہنچا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر ذرا جھکتے ہوئے بولا۔"سر! کیا مسٹر جمال پاشا اسی ہاسٹل کے کمرہ نمبر پچیس میں رہتے ہیں؟"

ہاسٹل انچارج نے اس کے حلیے کو ناگواری سے دیکھا پھر کہا۔"تم صحیح جگہ پہنچے ہو۔"

پاگل نے خوش ہو کر پوچھا۔"کیا صحیح جگہ؟ کیا واقعی یہ کمرہ نمبر پچیس ہے؟"

ہاسٹل انچارج نے جھینپ کر کہا۔"میرا مطلب ہے، تم صحیح ہاسٹل میں پہنچے ہو۔ جمال پاشا اوپر رہتا ہے۔"

"کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ اوپر تو گاڈ رہتا ہے۔ ہمارا تمھارا گاڈ... ہی ہی۔ ہی ہی۔"

وہ ہنستا ہوا وہاں سے ہٹ کر زینے کی طرف گیا پھر اوپر پہنچ گیا۔ کمرہ نمبر پچیس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ اس نے دروازہ کھولنے والے سے پوچھا۔"وہیئر از مائی سن جمال پاشا؟"

اس نوجوان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر پلٹ کر کہا۔ "مسٹر پاشا! تمھارے کوئی بزرگ تم سے ملنے آئے ہیں۔"

اس ہاسٹل کے ہر کمرے میں آٹھ بستر ہوتے تھے۔ وہاں ایسے لوگ رہتے تھے جو دن کو محنت مزدوری کرتے تھے۔ رات کو سونے کے لیے آتے تھے۔ ہر رات پندرہ فرینک ادا کرتے تھے پھر صبح وہاں سے چلے جاتے تھے۔

جمال پاشا دروازے پر آگیا۔ اس پاگل کو حیرانی سے دیکھنے لگا پھر اس نے پوچھا۔"کیا بات ہے مسٹر! تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

دوسرے ہی لمحے پاگل نے دونوں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔"آ سینے نال لگ جا ٹھاہ کر کے۔"

جمال پاشا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ بولا۔"یہ کون سی زبان بول رہے ہو؟"

"اے تیرے پیو دی زبان ہے۔ تو مینوں بھل گیا۔ اپنے پیو نوں بھل گیا۔ میں تینوں زندہ نہیں چھڈاں گا۔"

ایسا کہتے ہی اس نے اچھل کر تڑاخ کی زوردار آواز کے ساتھ جمال پاشا کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔"کام ہو گیا۔ گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔"وہ پاگل کہاں ہے؟"

"تمھارے پاس بیٹھا ہے۔"

"یہ تو میں سمجھ رہی تھی۔ تم اتنی دیر تک پاگل کی کھوپڑی میں بیٹھے رہے۔ ضرور تم نے پاگلوں جیسی کوئی حرکت کی ہوگی۔"

میں نے سونیا کو بتایا کہ میں اسے کس انداز میں ہاسٹل کے اندر لے گیا تھا اور اس نے پاشا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں تم نے ضرور پاگلوں جیسی حرکت کی ہوگی۔"

"اور نہیں تو کیا۔ ایک پاگل کے دماغ میں بیٹھ کر ہوش مندوں کی طرح اس سے تعارف حاصل کرتا۔ بہرحال اب خاموش رہو۔ میں جمال پاشا کے پاس جا رہا ہوں۔ تم مجھے کسی بہت بڑے کیسینو میں لے چلو۔ وہیں ہم رات کا کھانا کھائیں گے اور تاش کے پتوں سے جواریوں کا کباڑا کریں گے۔"

میں جمال پاشا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ لوگ اس پاگل کو دھکے دے کر ہاسٹل سے نکال چکے تھے۔ ہاسٹل کا انچارج پوچھ رہا تھا۔ "مسٹر پاشا! یہ پاگل تمھارا نام کیسے جانتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ کسی بار میں مجھے دیکھا ہوگا یا میرا نام کہیں سن لیا ہوگا۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں ایک سرد آہ بھر کر کہا۔"آہ سلطانہ!"

وہ سلطانہ کے متعلق سوچنے لگا۔ میں تھوڑی دیر تک اس کے خیالات پڑھتا رہا۔ زیادہ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نے سونیا سے کہا۔"سلطانہ ترکی کے ایک سرکس میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی۔ اس وقت وہ تقریباً سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ جمال پاشا نے محبت کا جال پھینکا اور وہ دام میں آگئی۔ انھوں نے پیرس میں آکر شادی کر لی۔ یہاں آکر سلطانہ پر حقیقت کھلی کہ جمال پاشا ہڈ حرام ہے۔ خود محنت کرنا اور کچھ کمانا نہیں جانتا ہے۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ وہ کیبرے ڈانسر بن جائے۔ وہ انکار کرتی رہی پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ وہ شوہر پرست بیوی تھی۔ اس نے سمجھایا۔ دیکھو، میں تمھاری بیوی ہوں اور کیبرے میں لوگوں کے سامنے رقص کرنا کتنی شرم کی بات ہے۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں بازی گری اور جمناسٹک کے کرتب دکھا سکتی ہوں۔ یہاں ایسے کتنے

ہی ادارے ہیں جو یہ پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ راضی ہوگیا۔ اس طرح سلطانہ اس کی آمدنی کا ذریعہ بنتی رہی۔

سونیا نے کہا۔"یقیناً وہ اس نکمے سے تنگ آکر کہیں بھاگ گئی ہوگی۔ تمھیں معلوم کرنا چاہیے کہ سلطانہ کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ اس کے ماں باپ کون تھے؟ اور وہ ترکی کے کس علاقے سے تعلق رکھتی تھی؟"

"میں نے معلوم کیا ہے۔ جب وہ چھوٹی سی تھی تو اسے ایک بوڑھے شرابی نے سرکس والوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ تب سے وہ وہیں پرورش پاتی رہی اور بازی گری کے کمالات سیکھتی رہی.... سلطانہ کو فروخت کرنے والا بوڑھا کہاں سے آیا تھا کس علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔"

سونیا نے کہا۔"یعنی بحیثیت سلطانہ میرا کوئی قابلِ ذکر بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ میرے والدین کا کوئی پتا نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی میرا رشتہ دار ہے؟"

"ہاں، اتنی بڑی دُنیا میں یا تو جمال پاشا اسے جانتا ہے یا پھر وہ سرکس والے جہاں وہ کام کیا کرتی تھی۔"

"فرہاد! بے چاری سلطانہ بڑی بدنصیب تھی۔ نہ تو بچپن میں اسے والدین کا پیار ملا۔ نہ جوانی میں محبوب کی وفا ملی۔ اسے محبوب سمجھ کر اس نے سرکس والوں کو چھوڑ دیا۔ وہاں سے یہاں چلی آئی، لیکن اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔"

"واقعی وہ بدنصیب تھی۔ یہ جمال پاشا بہت زیادہ پینے کا عادی ہے۔ جیب میں اچھی رقم ہو تو جوا کھیلنے بیٹھ جاتا ہے۔ ایک دن اسے کچھ رقم کی ضرورت تھی۔ سلطانہ نے دینے سے انکار کیا۔ وہ نشے کی حالت میں اس پر گرج رہا تھا۔ برس رہا تھا۔ اس کی پٹائی بھی کی۔ وہ قسمیں کھا کر کہتی تھی کہ اس کے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔ اس پر اس نے کہا۔ کیبرے میں جا کر ڈانس کرو۔" وہ نفرت سے بولی۔"تم کیسے بے غیرت شوہر ہو، اپنی بیوی کو دوسروں کے سامنے بے حیائی سے رقص کرنے کے لیے کہتے ہو۔ کیا تم اپنی بہن کو یا ماں کو ایسی جگہ بھیج سکتے ہو؟"

جمال پاشا کے ہاتھ میں شراب کی خالی بوتل تھی۔ اس نے اسے میز پر دے مارا۔ بوتل ٹوٹ کر آدھی ہوگئی۔ جو آدھی بوتل اس کے ہاتھ میں تھی، اس نے اسی سے سلطانہ کے چہرے پر حملہ کیا۔

سونیا نے پوچھا۔"یعنی ٹوٹی ہوئی بوتل سے حملہ کرنے کے سبب سلطانہ کا چہرہ بگڑ گیا تھا؟"

"ہاں، اس کے بعد جمال پاشا نشے کی زیادتی سے لڑکھڑا کر گر پڑا تھا۔ سلطانہ وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ اس دن سے اب تک اس کا پتا نہیں ہے۔ پاشا نے اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ اس کے لیے ترکی تک سفر بھی کیا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں چلا۔"

ہم کیسینو لاموتزرے پہنچ گئے۔ سونیا نے گاڑی پارک کی۔ میں نے ڈاکٹر شیفرڈ سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔"اس وقت آپ کی کار کیسینو لاموتزرے کے پارکنگ ایریا میں ہے۔ کیا آپ کسی طرح اسے لے جا سکتے ہیں؟"

"میں اپنی گاڑی اسپتال میں چھوڑ دوں گا۔ ٹیکسی میں کیسینو تک آؤں گا اور وہاں سے وہ گاڑی لے جاؤں گا۔"

ہم کار سے باہر آگئے تھے۔ سونیا اسے لاک کر رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔"یہاں پارک میں نیم تاریکی ہے۔ اگر میں چابی کو کار کے اگلے دائیں پہیے کے پاس رکھ دوں تو کسی کو نظر نہیں آئے گی۔"

"میں وہاں سے کار کی چابی اُٹھا لوں گا۔"

ہم کیسینو کے اندر آگئے۔ گراؤنڈ فلور پر ایک بہت بڑا بار تھا۔ ڈائننگ ہال اور اسپیشل ڈائننگ روم بنے ہوئے تھے۔ کھانے کی میزوں کے اطراف رنگارنگ لباس میں عورتیں نظر آرہی تھیں۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے مرد بھی اپنے لباس اور اپنے انداز سے بڑی حیثیت کے لوگ نظر آتے تھے۔ باہر پارکنگ ایریا میں کھڑی ہوئی قیمتی کاریں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہاں صرف دولت مند آتے ہیں۔

ہم کھانے کی ایک میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ ویٹر مینو لے کر آیا۔ سونیا اس سے باتیں کرنے لگی۔ میں اس ویٹر کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنے لگا کہ جوا کہاں کھیلا جاتا ہے کتنی قسم کے جوئے کھیلے جاتے ہیں اور کھیلنے کے لیے کم از کم کتنی رقم جیب میں ہونی چاہیے۔

پتا چلا، فرسٹ فلور پر جو قمار خانہ ہے، وہاں سو ڈالر سے چال شروع ہوتی ہے پھر ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ سیکنڈ فلور پر ایک ہزار ڈالر سے پہلی چال شروع ہوتی ہے پھر اندھا دھند داؤ پر رقمیں لگائی جاتی ہیں۔ کوئی چال پھنس جائے تو ایک ہی بازی میں لاکھوں ڈالر اِدھر سے اُدھر ہو جاتے ہیں۔

ویٹر سونیا کا آرڈر نوٹ کرنے کے بعد کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کاؤنٹر گرل نے اس آرڈر کو ریسیو کیا۔ وہیں فون پر کوئی شخص باتیں کر رہا تھا۔ اس کی باتوں سے پتا چلا کہ وہ گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال کا منیجر ہے اور اس وقت اپنے باس سے باتیں کر رہا ہے۔

اس کا باس ایک ارب پتی یہودی تھا۔ اس کا نام جے جے پارکر تھا۔ وہ قمار بازی کی دُنیا کا شہنشاہ کہلاتا تھا۔ مغربی ممالک میں اس کی دھوم تھی۔ لوگ جانتے تھے، جب اس کے ہاتھ میں تاش کی گڈی آجائے تو دولت اس کے قدموں میں چلی آتی ہے۔ بڑے

بڑے نامور جواری اس کے متعلق قیاس آرائیاں کرتے تھے کہ وہ پتے لگاتا ہے یا تاش کھیلنے کے دوران باون پتے پوری طرح اس کے ذہن میں رہتے ہیں کہ کون سا پتا کدھر جا رہا ہے۔ ویسے وہ جو کچھ بھی تھا، بڑے بڑے جواری اسے مانتے تھے اور اس پہ رشک کرتے تھے۔

ہم کھانے کے بعد فرسٹ فلور پر پہنچے۔ وہاں ہم نے چار ہزار کے ٹوکن لیے اور ایک میز پر کھیلنے بیٹھ گئے۔ سونیا کھیلنے والی تھی۔ میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس کے مقابل ایک ادھیڑ عمر کی امریکی خاتون تھی۔ باقی چار دولت مند حضرات تھے۔ ایک نے پتے پھینٹے۔ تاش بانٹے پھر سو ڈالر سے چال شروع ہوگئی۔

پچھلے آٹھ برس کے دوران میں نے اپنی داستان میں دو بار تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح میں خیال خوانی کے ذریعے تاش کی بازی جیت لیا کرتا ہوں۔ اپنے اس طریقۂ کار کو بار بار لکھنا مناسب نہیں ہے۔ سونیا نے فرسٹ فلور پر سو ڈالر سے چال شروع کی تھی۔ ایک گھنٹے کے اندر اس کی طرف پندرہ ہزار ڈالر آ گئے۔ وہ کھیل کے گُر جانتی تھی۔ میں اسے صرف اتنا بتا دیتا تھا کہ اس کے مقابل بیٹھنے والوں میں سے کس کے پاس کون کون سے پتے ہیں۔ اس کے بعد میرا کام ختم ہو جاتا تھا۔ باقی سونیا ان سے نمٹ لیتی تھی۔ میں کھیل کے دوران کئی بار جے جے پارکر کے دماغ میں پہنچا۔ وہ چوتھے فلور کے ایک بہت بڑے کمرے میں ایک بہت بڑی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس اس کے مشیر اور باڈی گارڈز تھے۔ سامنے دیوار پر تین بڑے بڑے اسکرین نظر آ رہے تھے۔ ایک اسکرین پر فرسٹ فلور کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ جے جے پارکر اپنے سامنے رکھے ہوئے بٹنوں کو اپنی ضرورت کے مطابق دباتا تھا تو اسکرین پر منظر بدل جاتے تھے۔ مختلف میزوں پر کھیلنے والے جواری نظر آتے تھے پھر ایک بٹن دبانے کے بعد بہت بڑا تاش کا کلوز اپ نظر آتا تھا کہ کس کے ہاتھ میں کون کون سے پتے ہیں۔

دوسری اسکرین پر سیکنڈ فلور کے مناظر اسی طرح نظر آ رہے تھے۔ وہاں بھی جس کے ہاتھوں کے پتے دیکھنے ہوتے یا جن کے متعلق تفصیل سے معلوم کرنا ہوتا بٹن دبانے کے بعد وہ شخص یا اس کے ہاتھوں کے پتے واضح طور پر اسکرین میں نظر آتے تھے۔ اسی طرح تیسری اسکرین پر تھرڈ فلور کا منظر نظر آ رہا تھا۔

تینوں فلور پر کھیلنے کی جتنی میزیں تھیں، ہر میز پہ جے جے پارکر کا ایک خاص آدمی بھی کھیلتا تھا۔ دوسرے لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ پارکر کا خاص آدمی ہے۔ اس کے خاص کھلاڑیوں کی پہچان یہ تھی کہ وہ سب ادھیڑ عمر کے ہوتے تھے۔ سردی کے موسم کی وجہ سے کنٹوپ پہنتے تھے تاکہ سرد ہوا سے محفوظ رہ سکیں۔ کن ٹوپ کا مطلب ہے، کانوں کو چھپانے والی ٹوپی۔ ٹوپی کا جو حصہ کانوں کو چھپاتا تھا وہاں ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر لگا ہوا تھا۔ کچھ خاص کھلاڑی ایسے تھے جو عینک لگاتے تھے۔ عینک لگانے والے ہپیوں کی طرح لمبے لمبے بال رکھتے تھے۔ ان بالوں میں ان کے کان چھپ جاتے تھے۔ عینک کی کمانی کان تک پہنچنے سے پہلے ہی بالوں میں چھپ جاتی تھی۔ اس کمانی میں ویسا ہی ننھا سا ٹرانسمیٹر لگا ہوتا تھا۔ چوتھی منزل پر بیٹھا ہوا جے جے پارکر اور اس کے اسسٹنٹ تینوں فلور کے خاص آدمیوں کو ہدایات دیتے رہتے تھے اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے بتاتے جاتے تھے کہ کس کے پاس کون سے پتے ہیں۔

پہلی اسکرین پر فرسٹ فلور کا منظر دیکھنے والے ایک اسسٹنٹ نے اپنے باس جے جے پارکر سے کہا "سر! اس میز پر ایک نوجوان لڑکی سب پر بھاری پڑ رہی ہے۔ یہ نوّے منٹ میں بیس ہزار ڈالر جیت چکی ہے۔ میں اپنے آدمی کو گائڈ کر رہا ہوں لیکن خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل رہا ہے۔ رقم اسی لڑکی کی طرف جا رہی ہے۔"

جے جے پارکر نے کہا "میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک بٹن دبایا گیا۔ اسکرین پر سونیا کا چہرہ نظر آیا۔ وہ اپنے پتے اوندھے رکھنے کے بعد اپنے مقابل کھلاڑیوں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جے جے پارکر نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا۔ "لڑکی کا بڑا کلوز اپ دکھاؤ۔ صرف چہرے کا کلوز اپ۔"

دوسرے ہی لمحے سونیا کا بڑا سا چہرہ اس بڑے سے اسکرین میں واضح طور پر نظر آنے لگا۔ جے جے پارکر نے کہا "اس کے چہرے پر جوانی ہے لیکن آنکھوں میں صدیوں کا بڑھاپا ہے۔ یہ آنکھیں گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر آئی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھو، اس کی نظریں کتنی تیز کتنی نوکیلی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، پتوں کے آر پار دیکھ لیتی ہیں۔ کیا یہ پتے لگا رہی ہے؟"

اسسٹنٹ نے جواب دیا "یس سر! جب بھی اس کے ہاتھوں میں گڈی آتی ہے اور یہ پھینٹنا شروع کرتی ہے تو بڑے پتے اسی کے پاس آتے ہیں۔"

پارکر نے تحکمانہ انداز میں کہا "اس لڑکی کو سیکنڈ فلور کا دعوت نامہ بھیج دو۔"

پانچ منٹ کے اندر ہی ایک حسین عورت نظر آئی۔ اس نے سونیا کے پاس پہنچ کر ایک کارڈ پیش کیا پھر اس کے قریب جھک کر سرگوشی میں بولی "مداخلت کی معافی چاہتی ہوں۔ ذرا ایک نظر اِدھر بھی۔"

سونیا نے اس کارڈ پہ نظر ڈالی۔ وہاں لکھا ہوا تھا "فرسٹ فلور کا قمار خانہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ یقین کریں "سیکنڈ فلور آپ کو بے حد پسند آئے گا۔ تقدیر یہاں سے زیادہ وہاں آپ کا ساتھ دے سکتی ہے۔ آزمائش شرط ہے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "اس کارڈ کے پیچھے لکھ دو کہ تم ان کے باس سے ملنا چاہتی ہو۔"

سونیا نے اس عورت سے قلم مانگا۔ پھر کارڈ کے پیچھے لکھا۔ "مے آئی ہیو اے پلیزر ٹو میٹ یور باس؟"

اس نے وہ کارڈ عورت کے حوالے کیا پھر اپنے مقابل کھلاڑیوں سے کہا "یہ میری آخری بازی ہے۔"

وہ عورت کارڈ لے کر جا چکی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے سونیا کو بتایا کہ باس کے سامنے جا کر اسے کیا کہنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ ذرا دیر بعد ہی وہ واپس آ گئی۔ اس نے سونیا کے سامنے دوسرا کارڈ پیش کیا۔ اس پر لکھا ہوا تھا "مس! آپ سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ آپ نامہ بَر کے ساتھ چلی آئیں۔"

تحریر کے نیچے جے جے پارکر لکھا ہوا تھا۔ سونیا آخری بازی ختم کر کے اٹھ گئی۔ تمام ٹوکن سمیٹ کر اس نے بیگ میں ڈال لیے پھر میرے ہاتھ میں یوں ہاتھ ڈال دیا جیسے زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملتی ہے۔ ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس نامہ بَر کے ساتھ لفٹ میں پہنچے۔ لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر آئے۔ ہمیں ایک شان دار سٹنگ روم میں بٹھایا گیا۔ ایک منٹ کے بعد ہی دو مسلح جوان کمرے میں داخل ہوئے اور دروازے کے دو اطراف اٹینشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ایک بے حد موٹا مگر بے حد پھرتیلا شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مسکرا کر سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا "ہیلو، مس! میں اس کیسینو کا مالک ہوں۔ مجھے جے جے پارکر کہتے ہیں۔"

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سونیا نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ایزل ہارڈی ہیں۔"

اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "آپ لوگوں کے متعلق بہت سے سوالات میرے ذہن میں ہیں۔ اجازت ہو تو میں پوچھ لوں۔"

ہم مختلف صوفوں پہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ ضرور پوچھیں۔ ہم جواب دیں گے۔"

اس نے سونیا سے کہا "آپ کی عمر زیادہ نہیں لگتی مگر آپ بڑی مہارت سے کھیل رہی تھیں۔"

سونیا نے پوچھا "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے آدمی قمار خانے میں ہر میز کے آس پاس گھومتے رہتے ہیں اور کھیلنے والوں کو تاڑتے رہتے ہیں۔ آپ میری بات کا جواب دیں۔ اتنی کم عمری میں اتنی مہارت میری سمجھ میں نہیں آئی؟"

سونیا نے جواب دیا "دراصل مہارت تجربے سے آتی ہے اور تجربہ عمر کے ساتھ ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن کسی میں کوئی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر عمر کی پابندی نہیں ہوتی۔ کم عمری میں بھی کسی غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اپنی غیر معمولی صلاحیت کے سلسلے میں وضاحت کریں گی۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میرا تعلق ایک سرکس سے رہا ہے۔ میرا باپ بہت بڑا جواری تھا۔ میں نے پتے پھینٹنے اور پتے لگانے کے طریقے اسی سے سیکھے تھے۔ میں بچپن سے اس کی مشق کرتی آئی ہوں۔ جب کارڈ شفل کرتی ہوں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں یوں چندھیا جاتی ہیں جیسے وہ تیز روشنی پر نظریں جمائے ہوئے ہوں۔ اس طرح میں پتوں کو اِدھر سے اُدھر کر دیتی ہوں۔ ہر پتہ میری نظر میں رہتا ہے۔ کون کدھر جا رہا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں۔"

"میں مانتا ہوں، تم بہترین شاریر ہو لیکن یہ صلاحیت ایک طویل مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ تم کسی غیر معمولی صلاحیت کی باتیں کر رہی تھیں؟"

"مجھ میں فطرتاً سننے کی حس بہت تیز ہے۔ اگر میں ایسی کسی چار دیواری کے اندر رہوں اور وہاں کسی حصے میں بھی سرگوشی ہوتی رہے تو میں سن لیتی ہوں۔"

جے جے پارکر نے اسے بے یقینی سے دیکھا پھر کمرے کی وسعت پر نظر ڈالی۔ وہ کمرہ تیس فٹ اور پچیس فٹ ہوگا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "اگر میں اس گوشے میں جا کر کسی سے سرگوشی کروں تو؟"

"تو میں سن لوں گی۔ آزمائش شرط ہے۔"

وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر کمرے کے ایک دور افتادہ گوشے میں گیا پھر دروازے کے پاس کھڑے ہوئے باڈی گارڈ کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے کان کے قریب دھیمی آواز میں کہا "بے شک ہمارے رب نے بندوں کو غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اگر یہ لڑکی دور کی سرگوشی سن لیتی ہے تو اس میں حیرانی کی بات نہیں ہے لیکن یہ حیران کن تماشہ دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے، وہ سن رہی ہے؟"

میں نے سونیا کی زبان سے اونچی آواز میں کہا "جی ہاں، سن رہی ہوں۔ بے شک ہمارے رب نے بندوں کو...."

وہ میری سوچ کے مطابق جے جے پارکر کی سرگوشی کو لفظ بہ لفظ بیان کر رہی تھی۔ موٹا یہودی اس گوشے سے سر دھنتا آیا "واہ، تم باکمال ہو۔ بے مثال ہو۔ بے شک ایک حیرت انگیز غیر معمولی صلاحیت کی مالکہ ہو۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میری اس صلاحیت کا تاش کے پتوں سے کیا تعلق ہے؟"

"ارے ہاں، یہ تو میں بھول گیا تھا"۔
"میں بتاتی ہوں۔ جواری میز کے اطراف بیٹھے اپنے ساتھیوں سے وقتاً فوقتاً مشورے لیتے ہیں یا کچھ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ مجھے اُن کے پتّوں کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ میں سب کچھ سُنتی رہتی ہوں"۔
"اب سمجھ میں آیا۔ تم یہاں کس طرح جیت رہی تھیں"۔
"یہاں جیتنے کی وجہ کچھ اور ہے"۔
وہ بے چینی سے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولا: "آپ پہلے تجسس پیدا کرتی ہیں پھر بولتی ہیں۔ پلیز یہاں جیتنے کی وجہ بتائیں"۔
وہ مسکرا کر بولی: "میری میز پر آپ کا جو آدمی کھیل رہا تھا، اُسے کہیں سے بتایا جارہا تھا کہ کس کھلاڑی کے پاس کون سے پتّے ہیں"۔
جے جے پارکر شدید حیرانی سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی: "آپ کے آدمی کو اتنی دھیمی آواز میں ہدایات دی جارہی تھیں کہ اس کے قریب بیٹھنے والے بھی نہیں سُن سکتے تھے، لیکن میں تو سُن لیتی ہوں۔ اس نے جو عینک پہن رکھی تھی، یقیناً اس میں ٹرانسمیٹر تھا"۔
وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ٹہلنے کے انداز میں ذرا دُور گیا پھر قریب آگیا۔ سونیا کے عین چہرے کے سامنے جھکتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا: "تمھاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم اپنی عمر سے زیادہ بوڑھی اور تجربہ کار ہو۔ تمھاری آنکھوں سے شرارت اور مکّاری ٹپک رہی ہے لیکن تم نے کتنی معصومیت سے بتادیا کہ ہم اپنے کیسینو میں کس طرح فراڈ کرکے کھلاڑیوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو، یہ راز جان لینے کے بعد اپنے ساتھی کے ساتھ زندہ یہاں سے واپس جاسکو گی؟"
میں نے کہا: "مسٹر پارکر! میری ساتھی نے دوست بن کر بتایا۔ آپ دشمن بن کر چیلنج کریں گے تو ہم جان پر کھیل کر یہاں سے جانے کی کوشش کریں گے۔ جان پر کھیلنے سے جان جاسکتی ہے، ہماری یا تمھاری"۔
سونیا نے کہا: "آپ نے درست فرمایا، مجھ میں ذرا مکّاری ہے۔ میں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی آپ کے راز کو اس چار دیواری کے اندر بیان کیا ہے۔ کیا ہم چپ چاپ یہاں سے جاکر آپ کی دسترس سے نکل کر آپ کو بلیک میل نہیں کرسکتے تھے؟"
اس نے قائل ہوکر کہا: "بے شک تم نادان نہیں ہو۔ صاف صاف بتادو، کیا چال چل رہی ہو؟"
"میں چال چلنے نہیں، دوستی کرنے آئی ہوں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے رازدار کو ہلاک کردیں۔ اسے قابلِ اعتماد دوست بناکر اپنے مفاد کے لیے زندہ رکھا جاسکتا ہے"۔
"درست کہتی ہو۔ اب میں اپنے دل کی بات بتاتا ہوں، پہلے تو میں تمھارے کھیلنے کے انداز کو دیکھ کر تمھیں سیکنڈ فلور کے قمار خانہ میں بُلاکر مزید تمھاری صلاحیتوں کو آزمانا چاہتا تھا مگر تمھاری سننے والی غیر معمولی صلاحیت نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ میں ہر قیمت پر تمھاری خدمات حاصل کروں"۔
"مسٹر پارکر! میں دوست کی حیثیت سے کبھی کبھی کسی خاص موقعے پر اپنی خدمات پیش کرسکتی ہوں لیکن ایک زرخرید ملازمہ کی طرح کیسینو میں روزانہ آکر کھیلنا میرے لیے ممکن نہیں ہے"۔
"ٹھیک ہے۔ آپ کی پیش کش کے مطابق آج سے پانچویں دن ایک خاص موقعے پر مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ ایک بہت بڑا گیم ہونے والا ہے۔ دُنیا کے نامور اور بدنام ترین قمار خانوں کے جواری پانچویں دن اُس مقام پر جمع ہونے والے ہیں"۔
"کس مقام پر؟"
جے جے پارکر نے سونیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا: "کیا تم میرے اخراجات پر اسرائیل جانا پسند کروگی؟"
میں اور سونیا ایک دم سے سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ ہمارے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یوں اچانک یہودیوں کا مُنہ توڑ جواب دینے کے لیے جے جے پارکر جیسا یہودی اپنے کاندھے پر ہمیں اسرائیل پہنچائے گا۔
وہ کہہ رہا تھا: "آج سے پانچویں دن اسرائیلی عوام یومِ فتح فلسطین بڑے دھوم دھام سے منا رہے ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہودی کتنے دولت مند ہیں۔ ہم کاروباری لین دین میں کنجوسی کی حد تک محتاط رہتے ہیں لیکن تفریح اور عیاشی میں اپنی دولت پانی کی طرح بہادیتے ہیں۔ یومِ فتح کی رات وہاں کے قمار خانے میں اتنی دولت دیکھنے میں آئے گی کہ تم اسے ایک رات میں نہیں گن سکوگی۔ گننے کے لیے ہمارے آدمی ہوں گے۔ جیتنے کے لیے تم ہوگی۔ جیت کا پچیس فیصد تمھیں دیا جائے گا۔ بولو منظور ہے؟"
ہم منظور کیسے نہ کرتے؟ لیکن فوراً ہی راضی ہوجانا مناسب نہیں تھا۔ سونیا نے میری سوچ کے مطابق پوچھا: "اس سلسلے میں آپ اپنی شرائط پیش کریں"۔
"صرف ایک شرط ہے۔ ہمارے راز کو راز رکھو۔ دوستی ہمیشہ قائم رہے گی۔ ہم یہ دھمکی نہیں دینا چاہتے کہ اس کیسینو کا راز فاش ہُوا تو ہم جواباً کیا کرسکتے ہیں"۔
"میری چند شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے ذاتی معاملات میں آپ دلچسپی نہ لیں۔ ہم کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ یہ اس وقت معلوم ہوجائے گا، جب ہم اسرائیل جانے کے لیے آپ کو اپنا پاسپورٹ وغیرہ دیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ ہمارے پیچھے اپنے جاسوس نہ لگائیں۔ تیسرے یہ کہ کیسینو کا راز فاش ہونے کا الزام صرف ہم پر عائد نہیں ہو

سکتا۔ آپ کے کتنے ہی ملازم یہاں کے ہتھکنڈوں کو جانتے ہیں۔ ایسی کوئی بات ہوگی تو ہمیں اپنی صفائی پیش کرنے اور بے گناہی ثابت کرنے کا موقع دیا جائے گا"۔
"منظور ہے، اور کوئی شرط؟"
"ہمیں سوچنے کے لیے ذرا تنہائی چاہیے"۔
وہ اٹھتے ہوئے بولا: "میں اور میرے باڈی گارڈز یہاں سے جارہے ہیں۔ آپ دروازہ اندر سے بند کرلیں"۔
سونیا نے کہا: "یہاں میں اپنے ساتھی سے آزادانہ گفتگو نہیں کرسکوں گی۔ آپ کہیں جاکر بھی ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری باتیں سُن سکتے ہیں۔ ہم اس عمارت کی چھت پر تھوڑا وقت گزارنا چاہتے ہیں"۔
اس نے ایک باڈی گارڈ سے کہا: "انھیں ٹیرس پر پہنچادو۔ جب تک یہ خود میرے پاس نہیں آئیں گے، کوئی اوپر نہیں جائے گا اور نہ ہی انھیں ڈسٹرب کیا جائے گا"۔
وہ کمرے سے چلا گیا۔ باڈی گارڈ ہمیں چھت پر پہنچا کر چلا گیا۔ سونیا نے سوچ کے ذریعے پوچھا: "یہاں کیوں آئے ہو؟"
میں نے کہا: "اتنی احتیاط کے باوجود ہم اسی طرح سوچ کے ذریعے گفتگو کریں گے۔ اگر کمرے میں خاموش رہتے اور وہ لوگ اسکرین پر دیکھتے تو تعجب کرتے کہ ہم مسلسل خاموش کیوں ہیں۔ بہرحال اسرائیل کے لیے رختِ سفر باندھنے سے پہلے ہر پہلو پر غور کرو"۔
سونیا نے کہا: "صرف ایک پہلو سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ دشمنوں کی دلی تمنا ہے کہ فرہاد اور سونیا کبھی ایک ساتھ ان کے شکنجے میں آئیں اور ہم ایک طویل مدت کے بعد ایک ساتھ ایک خطرناک مہم پر روانہ ہورہے ہیں"۔
"دشمنوں نے اس سے بھی بڑی تمنا پوری کرلی۔ فرہاد کے دماغ سے ٹیلی پیتھی چھین لی۔ اب فرہاد کہاں رہا؟ وہ میرے بغیر تمھیں خالی کارتوس سمجھتے ہیں۔ جب ہم دونوں ہی ان کی فہرست میں نہیں ہیں تو وہ کس فرہاد اور سونیا کو ایک ساتھ شکنجے میں لیں گے۔ اگر خدانخواستہ ہمیں ناکامی ہوئی تو ہم ایزل اور سلطانہ کی حیثیت سے گرفت میں آئیں گے۔ ٹیلی پیتھی پھر بھی آزاد رہے گی اور ان کے اندر سُرنگ بناتی رہے گی"۔
میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر بولی: "زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہم جائیں گے اور ضرور جائیں گے"۔
میں نے سر اُٹھا کر کہا: "رات اندھیری ہے۔ آسمان تاریک ہے۔ آج سے پانچویں دن اسرائیل کی سرزمین پر سورج طلوع ہوگا مگر کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ یہ غروب نہیں، جہاد ہے۔ وہاں کے لوگ یومِ فتح نہیں، یومِ سیاہ منائیں گے"۔

سونیا کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھا اور میرا ہاتھ سونیا کے ہاتھوں میں، یوں ہم نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ہاتھوں میں دے رکھا تھا۔ ہم کیسینو لاموزنے کی بلند عمارت کی چھت پر تھے۔ ہمارے سروں پر تاروں بھرا آسمان، نیم تاریک اور نیم روشن تھا۔ روشنی سے تاریکی کی طرف سفر کرو تو پتا نہیں چلتا کہ راستہ کہاں ہے؟ کدھر جانا ہے؟ اور کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی ہیں؟ ہم بھی پیرس کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں سے نکل کر اسرائیل کے اندھیروں میں سفر کرنے والے تھے اور کیا ہونے والا تھا، یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔

میں نے کہا: "چلنے سے پہلے ہمیں اس یہودی جے، جے پارکر کے چور خیالات معلوم کر لینے چاہئیں۔ تم ذرا انتظار کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میرے خیالوں نے پرواز کی اور میں جے، جے پارکر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کیسینو کے چوتھے فلور پر اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا اسکرین پر جُوا کھیلنے والوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے آدمیوں سے ہمارے متعلق کہہ چکا تھا کہ چھت پر جا کر ہماری تنہائی میں کوئی مخل نہ ہو۔

جے، جے پارکر کے ایک دستِ راست نے پوچھا: "سر! کیا ہم اتنی جلدی مس سلطانہ اور اس کے ساتھی ایزل ہارڈی پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟"

"بھروسہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرو۔"

"ہم انھیں اسرائیل لے جائیں گے۔ وہ ہمیں کسی مرحلے پر دھوکا دے سکتے ہیں۔"

"کیسے دھوکا دے سکتے ہیں؟"

"وہاں اتنی دولت دیکھ کر ان کی نیت خراب ہو سکتی ہے اور وہ ہماری ٹیم سے الگ ہو کر خود کھیلنے کے لیے بیٹھ جائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"اوّل تو وہ ایسا نہیں کریں گے کیوں کہ ہمارے اخراجات پر جا رہے ہیں اور وہ غیر یہودی ہیں۔ ہماری سفارش کے بغیر نہ تو اسرائیل کی سرزمین پر قدم رکھ سکیں گے اور نہ ہی ہم سے الگ ہو کر وہاں ایک منٹ بھی قیام کر سکیں گے اور کوئی وجہ ہو تو بیان کرو۔"

"یوں تو کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے لیکن اتنی جلدی کسی پر اعتماد کر لینا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"مجھے تمھاری یہ شک و شُبہ والی عادت بہت پسند ہے۔ اس طرح آدمی چوکس رہتا ہے۔ ہمیشہ ایک آنکھ سے سوتا ہے۔ ایک آنکھ سے جاگتا ہے۔ مسٹر دین وائز! اسی لیے میں نے تمھیں اپنا دستِ راست بنایا ہے۔ تم ان کے ساتھ رہو گے تو میں بے فکر رہوں گا۔ تم ان پر کڑی نظر رکھو گے لیکن دوستانہ رویّہ اختیار کرو گے۔ جب وہ دشمنی پر اُتر آئیں تو پھر میں جانتا ہوں کہ تم کیا کر سکتے ہو۔"

"سر! ہمیں یہ تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"کل وہ اپنا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات ہمارے حوالے کر دیں گے، ان کے متعلق سب کچھ معلوم ہو جائے گا پھر کیا ضروری ہے کہ ہم ان کے پیچھے لگے رہیں۔ ویسے میں نے سلطانہ کی یہ شرط تسلیم کی ہے کہ ہمارا کوئی آدمی ان کا تعاقب نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کے کسی ذاتی معاملے میں دخل اندازی کرے گا۔ لہٰذا جب وہ یہاں سے جائیں تو کوئی ان کا تعاقب نہ کرے۔"

"آل رائیٹ سر!"

مَیں نے سونیا کو جے، جے پارکر کی تمام باتیں بتانے کے بعد کہا: "یہاں سے ہمارا کوئی تعاقب نہیں کرے گا۔ ہم آج کی رات کسی ہوٹل میں قیام کریں گے مگر ہوٹل ایسا ہونا چاہیے جہاں ہمارے متعلق چھان بین نہ کی جائے۔ میرے پاس ایزل ہارڈی کے مکمل کاغذات ہیں۔ تمھارے لیے مشکل ہو جائے گی۔ تمھاری ابھی کوئی شناخت نہیں ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ بہرحال جے، جے پارکر سے کیا کہنا ہے؟"

"چلو، وہاں خیال خوانی کے ذریعے تمھیں گائیڈ کرتا رہوں گا۔"

ہم دونوں چھت سے اُتر کر چوتھے فلور پر واپس آئے اور سٹنگ روم میں پہنچے۔ ایک مسلح گارڈ نے ہمیں بڑے احترام سے وہاں بٹھایا پھر اپنے باس کو اطلاع دی۔ ذرا سی دیر میں جے، جے پارکر وہاں پہنچ گیا: "ہاں، تو آپ دونوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے۔" سونیا نے کہا: "ہم آج سے پانچویں دن اسرائیل جانے کے لیے تیار ہیں لیکن پانچواں دِن ابھی دُور ہے۔ فی الحال آپ ہمارا ایک چھوٹا سا ذاتی مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟"

"ضرور، کیوں نہیں۔ مجھے آزما کر دیکھ لو۔ ویسے تم نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کروں۔ اب تم کہتی ہو تو مَیں تیار ہوں۔"

"لیکن یہ مسئلہ راز میں رہے۔ ہم آپ پر اعتماد کر رہے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ جے، جے پارکر کا سینہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کتنے ہی راز دفن ہیں۔ کوئی ان رازوں تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"اصل بات یہ ہے کہ مَیں ترکی کی رہنے والی ہوں۔ وہاں ایک سرکس میں بازی گری کے کرتب دکھایا کرتی تھی۔ آج سے گیارہ ماہ پہلے مَیں پیرس آئی اور ایک جگہ قیام کیا۔ ایک رات میں سونے جا رہی تھی کہ گولیاں چلنے کی آواز سُنائی دی۔ میں نے فوراً ہی اپنے کمرے کی بتی بجھا دی اور پچھلے دروازے سے نکل کر دیکھنے لگی۔ ایک شخص اندھیرے میں لڑکھڑاتا ہوا، رینگتا ہوا، کراہتا ہوا میرے دروازے کے پاس آیا تھا اور بڑی نقاہت سے بڑبڑا رہا تھا: ہیلپ پلیز، ہیلپ می۔

میں اسے گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے آئی اور دروازے کو بند کر دیا۔ بہت سے بھاگتے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ فائرنگ کی آواز سُن کر آس پاس کے رہنے والے بھی نکل آئے تھے۔ اس لیے فائرنگ کرنے والے فرار ہو گئے تھے۔ جب میں نے اطمینان کر لیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو کمرے کی لائٹ کو آن کیا۔ آپ جانتے ہیں، وہ زخمی شخص کون تھا؟"

جے، جے پارکر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

سونیا نے کہا: "یہی میرے ساتھی مسٹر ایزل ہارڈی۔"

جے، جے پارکر نے میری طرف دیکھا پھر حیرانی سے مُنہ کھول کر بولا: "اوہ، یہ تو بڑی دلچسپ داستان ہے۔ آپ لوگوں کی ملاقات اس طرح ہوئی؟"

"جی ہاں، اس رات یہ میرے پاس پہنچتے ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔ مَیں پریشان ہو گئی۔ کسی ڈاکٹر کو بُلانا دانشمندی نہیں تھی۔ فائرنگ کی آوازوں نے اور ان کے زخموں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ دشمن ان کی جان لینا چاہتے ہیں۔ اگر یہ راز فاش ہو جاتا کہ گولیوں سے زخمی کوئی شخص میرے پاس موجود ہے تو شاید ان کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔"

جے، جے پارکر نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بیشک، بیشک۔"

"میں نے فرسٹ ایڈ کے طور پر ان کے زخموں کی ڈریسنگ کی۔ پھر یہ تقریباً تین گھنٹے کے بعد ہوش میں آئے۔ میں نے انھیں دودھ میں برانڈی ملا کر پلائی۔ پھر ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، کون لوگ ان کی جان کے دشمن ہیں؟

یہ چُپ چاپ میرا مُنہ تکتے رہے۔ پھر انھوں نے کہا: 'میں جو کچھ بھی کہوں گا تم اس کا یقین نہیں کرو گی۔'

'آپ بتائیں تو سہی۔'

تب انھوں نے بتایا: 'میں بھول گیا ہوں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟ یہ میرے پاس جو بیگ ہے اس میں جانے کیسے کیسے کاغذات ہیں۔ ایک پاسپورٹ بھی ہے جس میں میری تصویر لگی ہوئی ہے اور وہ پاسپورٹ کسی مسٹر ایزل ہارڈی کا ہے۔'

میں نے ان کے بیگ کی تلاشی لی۔ ضروری کاغذات پڑھے۔ پاسپورٹ دیکھا تو انہی کا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ ان کا ہی نام ایزل ہارڈی ہے۔ لیکن انھیں کچھ یاد نہیں۔"

جے، جے پارکر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا: "کیا میں پاسپورٹ دیکھ سکتا ہوں؟"

سونیا نے اسے اپنے بیگ سے نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "یہ لیجیے۔"

اس نے پاسپورٹ کھول کر دیکھا پھر حیرانی سے سر اُٹھا کر بولا: "اوہ گاڈ! آپ تو یہاں کی بڑی مشہور شخصیت ہیں۔ یہاں کی سب سے بڑی دواساز کمپنی کے مالک ہیں۔"

"جی ہاں، یہ کاغذات یہی بتاتے ہیں کہ مَیں بہت دولت مند ہوں لیکن میں اب تک اس ایڈریس کے مطابق اپنی کوٹھی میں نہیں گیا۔ مس سلطانہ مجھے روکتی رہیں۔ انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ مَیں جاؤں گا تو دشمن پھر پیچھے پڑ جائیں گے۔"

جے، جے پارکر نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بالکل دُرست کہتی ہیں۔ آپ کو محتاط رہ کر پہلے وہاں کے حالات جاننا چاہئیں، معلوم کرنا چاہیے کہ آپ کے پیچھے کون لوگ تھے۔ آپ بے انتہا دولت مند ہیں اور زیادہ تر دولت مندوں کے اپنے رشتے دار ہی ان کے دشمن ہوتے ہیں۔ آپ کے قریبی رشتے داروں میں کون کون ہیں۔ شاید آپ کے کاغذات سے معلوم ہو سکے۔"

میں نے اپنا بیگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: "آپ خود دیکھ لیں۔ اس میں جتنے کاغذات ہیں، وہ زیادہ تر کاروباری نوعیت کے ہیں۔ ان کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ مَیں ایزل ہارڈی ہوں اور اپنی دواساز کمپنی کا واحد مالک ہوں۔"

میری باتوں کے دوران وہ بیگ میں سے مختلف کاغذات نکال کر ان پر سرسری نظر ڈال رہا تھا اور تائید میں سر ہلاتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا: "مس سلطانہ! آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد چاہتی ہیں؟"

"دیکھیے جب ایزل ہارڈی سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو یہ زخموں سے چُور تھے۔ میں نے تین ماہ تک ان کی تیمارداری کی۔ پانچ ماہ کے بعد کہیں یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ پھر میں نے سوچا، مجھے پیرس میں نہیں رہنا چاہیے۔ یوں بھی میں اٹلی جانا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ ابھی ایزل ہارڈی کو چھُپائے رکھوں اور کسی مناسب موقعے کی تلاش میں رہوں۔ اگر مناسب ہوا تو میں انھیں روم میں چھوڑ کر خود تنہا پیرس آؤں اور ان کے رشتے داروں کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ یہ سوچ کر میں انھیں لے کر اٹلی چلی گئی۔"

جے، جے پارکر نے کہا: "مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کچھ اپنے متعلق بتائیں۔ آپ اس دنیا میں کیا تنہا اور خود مختار ہیں؟ آپ اتنی دور دراز کے سفر کیسے کرتی ہیں؟"

"سونیا نے کہا۔ میں ایک سرکس میں بازی گری کے کرتب دکھاتی تھی۔ میرا ماضی بالکل تاریک ہے۔ میں بہت کم اپنے متعلق جانتی ہوں۔ میرا باپ پکا شرابی تھا اور پکا جُواری۔ اسی نے مجھے تاش کے پتّے پھینٹنے کا فن سِکھایا اور بچپن ہی سے مجھے سرکس کے ماحول میں رکھا پھر میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ آج سے تقریباً ایک ڈیڑھ برس پہلے میں ایک نوجوان جمال پاشا سے متاثر ہو گئی اور اس سے محبت کرنے لگی۔ اس نے مجھے سبز باغ دکھائے۔ مَیں سرکس چھوڑ

کر اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔ یہاں آکر پتا چلا کہ وہ بالکل نکما ہے۔ کوئی کام نہیں کرتا ہے اور میری کمائی پر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اس طرح ہمارے درمیان بات بگڑتی رہی پھر ایک دن میں اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، میرے پاس ایسا ہُنر ہے کہ میں کسی ملک اور کسی شہر میں تلاش نہیں رہ سکتی۔ جہاں داؤ لگا یا وہاں وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میں آزاد زندگی گزار رہی تھی۔ اسی دوران ایزل ہارڈی سے میری ملاقات ہو گئی۔ میرا خیال ہے، میں اپنے متعلق کافی بتا چکی ہوں۔ کل جب میرے کاغذات آپ کے سامنے آجائیں گے تو آپ کو یقین ہو جائے گا۔"

وہ جلدی سے بولا: "آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے۔ میں نے آپ کے متعلق صرف اس لیے پوچھا کہ آپ خود اپنے ذاتی معاملات میرے سامنے رکھ رہی ہیں۔ بہرحال، میں آپ دونوں کے لیے جو بھی کر سکوں، وہ کم ہے۔ بتائیے، کیا کروں؟"

"ہم چاہتے ہیں، آپ اپنے طور پر ایزل ہارڈی کے متعلق معلومات حاصل کریں کہ یہاں ان کے کتنے رشتے دار ہیں اور کون کس طبیعت کا مالک ہے۔ آپ کے ذرائع یقیناً بہت وسیع ہیں اور آپ ہمارے لیے بڑے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"صبح ہونے دو۔ کل ہی سے میں یہ کام شروع کروا دیتا ہوں۔"

میں نے کہا: "لیکن یہ بات بالکل راز میں رہے۔"

"جب آپ اتنی راز داری برتنا چاہتے ہیں تو یہاں یوں کھلے عام کیسینو میں جُوا کھیلنے کیسے آگئے تھے؟"

"یہ مِس سلطانہ کی ضد تھی۔ یہ کہہ رہی تھیں کہ ہم بہت عرصے تک روپوش رہ چکے ہیں۔ اب کھُل کر سامنے آئیں گے۔ ہمارے پاس رقم کم تھی۔ لہٰذا سوچا کیسینو سے اسٹارٹ کریں۔ وہاں زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کریں۔ اس دوران اگر ایزل ہارڈی کا کوئی شناسا مل جائے تو اسی کے ذریعے بات آگے بڑھائیں ورنہ ارادہ تھا کہ کل ایزل ہارڈی کے وکیل سے ملاقات کریں۔ چونکہ آپ سے ملاقات ہو گئی ہے، اس لیے ہم نے سوچا کہ یہ بات کچھ دن اور راز میں رہے۔ آپ جانتے ہیں، کیوں؟"

"کیوں؟" اس نے سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی: "اگر آئندہ پانچ دنوں کے اندر ہی ایزل ہارڈی کے رشتے داروں کو، وکیلوں کو اور کاروباری تعلقات رکھنے والوں کو ان کے متعلق معلوم ہو جائے گا کہ یہ یہاں موجود ہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ اسرائیل نہیں جا سکوں گی کیوں کہ میں انھیں نہیں چھوڑ سکتی۔ ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"اور میں سلطانہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا جب تک ہم اسرائیل سے واپس نہ آجائیں، اس وقت تک میرا راز، راز ہی رہے۔"

جے، جے پارکر نے کہا: "یہ بات تو میرے حق میں جاتی ہے۔ میں یقیناً اسے راز میں رکھوں گا اور ساری معلومات حاصل کر لوں گا۔"

"اب ہمیں جانے کی اجازت دیجیے۔"

"تم لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ تمھاری کوئی معقول رہائش گاہ نہیں ہے۔"

"جی ہاں، ہمارا قیام ایک ہوٹل میں ہے۔"

"میں تم دونوں کی رہائش کے لیے الگ انتظام کر سکتا ہوں۔ میرا ایک چھوٹا سا خوب صورت بنگلا ہے۔ اسرائیل روانہ ہونے تک تم دونوں وہاں قیام کر سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ آج رات ہم اپنے ہوٹل میں گزاریں گے۔ کل اپنا سامان لے کر شام تک آپ کے بنگلے میں پہنچ جائیں گے۔ اس بنگلے کا پتا کیا ہے؟"

اس نے پتا لکھ کر دے دیا۔ ہم اس سے رخصت ہونے کے لیے اُٹھ گئے۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "مسٹر ایزل ہارڈی! آپ تو فرانس کے ہی باشندے ہیں۔ آپ فرانسیسی کیوں نہیں بولتے؟"

"جب میں زخموں سے چُور ہونے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں سلطانہ کے یہاں پہنچا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں گونگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میری کوئی زبان نہیں ہے۔ میں کچھ بول نہیں سکتا۔ مِس سلطانہ نے جو کچھ میرے متعلق بتایا، وہ میں نے انھیں اشاروں میں سمجھایا تھا اور انھوں نے میرے بیگ کی تلاشی لی تھی۔"

سونیا نے کہا: "اِن گیارہ مہینوں میں، مَیں نے انھیں انگریزی زبان سکھائی ہے۔ میں صرف انگریزی اور کسی حد تک ترکی زبان بھی جانتی ہوں۔"

میں نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا: "زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم۔"

جے، جے پارکر نے پوچھا: "یہ کون سی زبان ہے؟"

سونیا نے کہا: "یہ ترکی زبان میں بول رہے ہیں۔ انھیں کچھ جملے میں نے یاد کرا دیے ہیں۔"

حالانکہ میں نے فارسی زبان میں کہا تھا لیکن جے، جے پارکر کو یقین ہو گیا کہ وہ ترکی زبان ہے۔ بہرحال ہم اس سے مصافحہ کرنے کے بعد کیسینو کے باہر آئے پھر سونیا نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے فرانسیسی زبان میں کہا: "کیو اوس الیزاے لوک منٹ ناٹرے ڈیم (ہوٹل نوٹرے ڈیم کی طرف چلو)"

ہم پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "ابھی تم نے جے، جے پارکر کے سامنے کہا ہے کہ انگریزی اور ترکی زبان کے سوا تمیری زبان نہیں جانتیں پھر یہاں فرانسیسی بولنے کی کیا ضرورت تھی؟

"ہاں مجھے محتاط رہنا چاہیے لیکن اکثر ٹیکسی ڈرائیور فرانسیسی زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے۔ اس لیے میں نے اسی کی زبان میں کہہ دیا۔ ویسے اگر آدمی مختلف زبانیں جانتا ہے تو اسی ماحول میں جا کر بے اختیار اسی زبان میں بولنے لگتا ہے۔ ہمارے پاکستانی لوگ انگریزی نہیں بولتے ہیں لیکن جب یورپ میں آتے ہیں تو بے اختیار بولنے لگتے ہیں اور واپس اپنے وطن پہنچ کر پھر اپنی مادری زبان میں گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ یہ ماحول کا اثر ہوتا ہے۔"

"یہ نوٹرے ڈیم ہوٹل کہاں ہے؟"

"ون کوائے سینٹ مائیکل۔ فائیو ای۔ یہ علاقے کا نام ہے، تم سمجھ نہیں سکو گے۔ بس یوں سمجھو کہ زیادہ دور نہیں ہے۔"

واقعی زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں اس ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا پھر ہوٹل کے کاؤنٹر پر آئے، وہاں جو فرانسیسی کھڑا ہوا تھا، اس نے اپنی زبان میں استفسار کیا۔

میں نے کہا: "ہم ایک ڈبل بیڈ روم چاہتے ہیں۔"

وہ میرا مُنہ تکنے لگا۔ فرانسیسی زبان میں اس نے کچھ کہا۔ سونیا نے مجھ سے کہا: "احتیاط کے باوجود ان کی زبان بولنا ہی پڑے گی۔" پھر وہ کاؤنٹر مین سے بولی: "یُو نے جیمبرے ان لِٹ اَدیک (ہمیں ایک ڈبل بیڈ روم چاہیے)"

اس نے سر ہلا کر جواب دیا: "کمرہ مل جائے گا۔"

سونیا نے پوچھا: "کوئیل ایسٹ لی پرکس پور یونے نوئیٹ (ایک رات کا کیا کرایہ ہے؟)"

اس نے رجسٹر کھولتے ہوئے تھرٹی فرینک کہا پھر ہمارا نام اور پتا پوچھا۔ میں نے ایزل ہارڈی کا شناختی کارڈ پیش کر دیا۔ اس نے تعجب سے دیکھ کر فرانسیسی زبان میں پوچھا: "آپ تو بہت بڑی دوا ساز کمپنی کے مالک ہیں۔ یہاں یقیناً آپ کی رہائش گاہ ہو گی، پھر ہوٹل کے . . ."

سونیا نے اسی زبان میں سمجھایا: "ان کا یہاں ایک بنگلا نہیں کئی بنگلے ہیں لیکن ہم کبھی کبھی اپنی لائف میں ایک چینج چاہتے ہیں، اس لیے تفریحاً چلے آئے ہیں۔ تمھیں اعتراض ہے تو چلے جاتے ہیں، ورنہ کل صبح تک رہیں گے۔"

اس نے کہا: "نہیں مادام! ایسی بات نہیں۔ آپ تھرٹی فرینک ادا کر دیں۔"

کرایہ ادا کیا گیا۔ کمرے کی چابی مل گئی۔ ہم اس کمرے میں آگئے۔ سونیا نے کہا: "ایک بج رہا ہے۔ اب تم اپنی عادت کے مطابق خیال خوانی شروع کرو گے۔"

"ہاں۔ بہت وقت گزر چکا ہے۔ مجھے سجاد کی خبر لینی ہے۔ وہاں اعلیٰ بی بی پہنچ چکی ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ سُپر ماسٹر اور ماسک مین کے ماتحت وہاں کیا گُل کھِلا رہے ہیں۔"

وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی: "میں تو سونے جا رہی ہوں۔"

"اس طرح انگڑائی لے کر مجھے کافر نہ بناؤ۔ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بستر پر گر پڑی: "ہائے میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"میں نے آج سے پہلے کبھی تمھاری زبان سے تھکن کا لفظ نہیں سُنا۔"

"کیا بتاؤں۔ اکیلی رہتی ہوں تو نیند میں بھی جاگتی رہتی ہوں لیکن اپنے مرد کی پناہ میں پہنچ کر تھکن بھی محسوس ہوتی ہے اور نیند بھی خوب آتی ہے۔"

"سونا چاہتی ہو، سو جاؤ لیکن میرے لیے ایک کپ کافی کا انتظام کرا دو۔"

وہ بستر سے اٹھتے ہوئے بولی: "ایک نہیں، دو کپ۔ میں بھی کچھ دیر جاگوں گی اور سوچوں گی کہ اسرائیل پہنچ کر ہمیں کیا کرنا ہے۔" وہ چاہتی تو کمرے سے ٹیلی فون پر روم سروس کو آرڈر دے سکتی تھی لیکن نہ جانے کیا سوچ کر وہ خود کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر خیال خوانی کی پرواز شروع ہو گئی۔ تل ابیب میں سپر ماسٹر اور ماسک مین دونوں ہی مل کر کاہل تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ کے لیے بہت بڑا چیلنج بن گئے تھے۔ سب سے پہلے ماسک مین کے ماتحت گوئیل نے ان کے پاور اسٹیشن کو تباہ کر دیا تھا۔ اب شہر کے بڑے حصے میں تاریکی تھی۔ چند چھوٹے جنریٹروں کے ذریعے خاص خاص علاقوں کو روشن رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سپر ماسٹر کے ایک ماسٹر نے جو کہ غیر ممالک میں سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر کام کرتا تھا، اسلحہ خانے کو تباہ کیا تھا۔ اس کے بعد تل ابیب کے دو بڑے پانی کے ٹینکوں کو بموں سے اُڑا دیا گیا تھا یعنی تل ابیب میں بجلی بھی نہیں تھی، پانی بھی نہیں تھا۔

جیسن ہارورڈ اور یہودی اکابرین سپر ماسٹر کو یا ماسک مین کو الزام نہیں دے سکتے تھے۔ جو تباہیاں ہو رہی تھیں، ان کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں تھا لیکن وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین ناراض ہو کر گئے تھے۔ وہ ایسے موم کے پُتلے نہیں تھے کہ فرہاد کی موت کے سوالنامے پر دستخط کرنے کے بعد کاہل تنظیم کے سامنے جُھک جاتے، اس لیے یہ جوابی کارروائیاں ہو رہی تھیں۔

جو لوگ دھماکوں کے ذمے دار تھے، وہ ہر دھماکے کے ساتھ یہ چیلنج بھی کر رہے تھے کہ فرہاد کو رہا نہ کیا گیا تو انھیں اس سے بھی زیادہ اور ناقابلِ برداشت نقصانات پہنچائے جائیں گے۔ دوسرے اور تیسرے دھماکے کے بعد سپر ماسٹر کے سیکرٹ ایجنٹ نے انھیں وارننگ دی تھی کہ فرہاد کو تہ خانے سے نکال کر اس کو مہمان بنا کر رکھا

جائے۔ قیدی بنا کر نہیں۔

اس لیے مجبوراً انھوں نے سجاد کو بڑے ہی عزت و احترام سے مہمان بنا کر ایک گیسٹ ہاؤس میں رکھا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس کے آدھ میل کے علاقے میں چاروں طرف مسلح فوج کا سخت پہرہ تھا۔ کسی کو اس گیسٹ ہاؤس کی طرف جانے کی اجازت نہیں تھی ....

جلیسن ہارورڈ نے ان کی دھمکیوں سے بظاہر ڈر کر بات مان لی تھی لیکن سجاد کو رہا کرنے کے لیے وہ کسی شرط پر بھی تیار نہیں تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے سربراہ نے مشورہ دیا۔" جناب! یہاں سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ممالک کے بہت سے ڈاکٹر، انجنیئرز اور کاریگر آئے ہوئے ہیں، اور ہمارے پراجیکٹس میں کام کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد سیکڑوں تک ہے۔ اگر انھیں فوری طور پر ڈیوٹی سے ہٹا دیا جائے اور انھیں ایک خاص علاقے تک محدود کر دیا جائے اور وہاں سخت پہرہ لگا دیا جائے تو یہ دھماکے نہیں ہوں گے۔ ہم نے اچھی طرح تحقیق کی ہے۔ یہ فلسطینی مجاہدوں کا کام نہیں ہے۔ آپ خود جانتے ہیں فلسطینی مجاہدین کے ذرائع وسیع نہیں ہیں۔ ان کے پاس محدود ہتھیار ہیں۔ ایسی قوت کے بم نہیں ہیں کہ پاور اسٹیشن، پانی کے ٹینک اور اسلحہ خانے کو ایک ہی دھماکے میں اڑا سکیں۔ یہ ساری کارروائیاں سپر ماسٹر اور ماسک مین کے آدمی کر رہے ہیں۔"

جلیسن ہارورڈ نے حکم جاری کیا کہ فوراً ان دو ممالک سے آئے ہوئے تمام ڈاکٹروں، انجنیئروں اور دوسرے تمام کاریگروں کو چھٹی دے دی جائے اور ایک علاقے میں محدود کر دیا جائے۔

اس حکم کی فوری تعمیل کی گئی اور تمام لوگوں کو ایک علاقے تک محدود کر دیا گیا۔ ان میں سپر ماسٹر کا وہ سیکرٹ ایجنٹ بھی تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے آدمی اس پر یا کسی ایک فرد پر شبہ کر سکتے تھے۔ لیکن انھیں ملزم نہیں ٹھہرا سکتے تھے۔ کوئی ثبوت نہیں تھا۔ بہرحال ماسک مین کے ماتحت گوٹیل اور ڈربی فائین جو مغربی ساحل پر کوسٹ گارڈ آفیسر تھا، وہ اپنی ڈیوٹی پر موجود رہا۔ کیوں کہ وہ دونوں یہودی تھے پندرہ برس سے اسرائیلی حکومت کے وفادار تھے، ان پر کسی نے شبہ نہیں کیا۔ ایسے ہی اور کتنے یہودی ایجنٹ ہوں گے جو سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ہاتھوں بک گئے ہوں گے۔ جلیسن ہارورڈ نے اس کارروائی سے مطمئن ہونے کے بعد مواصلاتی سیارے کے ذریعے فوری طور پر سپر ماسٹر اور ماسک مین سے رابطہ قائم کیا اور کہا۔" میں نے تمھارے ممالک سے آئے ہوئے تمام ملازمین کی چھٹی کر دی ہے اور انھیں ایک علاقے تک محدود کر دیا ہے۔ اب دیکھتا ہوں کہ تخریبی کارروائیاں کس طرح ہو سکتی ہیں۔"

ماسک مین نے جواباً کہا۔" مسٹر ہارورڈ! میں آپ کو اتنا کم فہم نہیں سمجھتا تھا۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ گھر کے بھیدی لنکا ڈھاتے ہیں۔ آپ کیا جانیں کہ ہم نے آپ کے کتنے قابلِ اعتماد آدمیوں کو خرید رکھا ہے۔ یقین نہ ہو تو ایک دھماکہ پھر سن لینا۔"

جلیسن ہارورڈ نے پریشان ہو کر کہا۔" دیکھو، اس طرح بات بڑھے گی۔ ہمیں سمجھوتے کی راہ اختیار کرنا چاہیے۔"

" جس سوالنامے پر ہم نے فرہاد کی موت کے لیے دستخط کیے تھے اسے ضائع کرنے کے بعد تم سے بات کریں گے۔"

" مجھے منظور ہے۔ یہاں آجاؤ، وہ سوالنامہ تمھارے حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر ہم دوستانہ فضا میں باتیں کریں گے۔"

" اب اسرائیل کی حدود میں دوستانہ فضا قائم نہیں ہو سکتی۔ کسی دوسرے ملک کا تعین کرو۔"

" سوئٹزرلینڈ کیسا رہے گا؟"

سپر ماسٹر نے کہا۔" اٹلی کا شہر روم مناسب ہے۔ تمھارے جیسے یہودی کے لیے گھیٹوں کا علاقہ ٹھیک ہے۔"

جلیسن ہارورڈ نے برا سا منہ بنایا۔ یہودی روم کے اس علاقے گھیٹوں سے تاریخی نفرت کرتے ہیں کیوں کہ سولھویں صدی میں پوپ پال چہارم نے حکم جاری کیا تھا کہ یہودی اس علاقے سے چلے جائیں لہٰذا پورا روم یہودیوں سے خالی کر دیا گیا تھا پھر وقت گزرتا گیا۔ نپولین کو وہاں مختصر سی فتح نصیب ہوئی۔ ۱۸۷۰ء میں یہودیوں کو اجازت دی گئی کہ وہ وہاں آکر قیام کر سکتے ہیں اور کاروبار کر سکتے ہیں لیکن ایک پابندی عائد کر دی کہ تمام یہودی اپنے سر پر زرد رنگ کی ٹوپی پہنا کریں تاکہ دور ہی سے وہ پہچان لیے جائیں۔ یہ ایسی تاریخی منافرت تھی اور ان کی ایسی قومی توہین کی گئی تھی کہ گھیٹوں کے علاقے سے وہ نفرت کرنے لگے تھے۔ وہ تاریخی نفرت اب تک قائم تھی۔

ماسک مین نے کہا۔" جلیسن ہارورڈ! تم نے پہلے ہمیں چھیڑا۔ لیکن ہم تمھیں چھیڑنا نہیں چاہتے۔ چلو گھیٹوں کا علاقہ نہ سہی، کل دوپہر تک ہم روم پہنچ جائیں گے اور شام تک سانتا اینجلو کے قلعے میں ملاقات کریں گے۔"

ان کے درمیان یہ طے پا گیا۔ جلیسن ہارورڈ نے کہا۔" وعدہ کرو، جب تک ہمارے درمیان سمجھوتے کی راہ ہموار نہیں ہو گی، اس وقت تک یہاں تخریبی کارروائیاں نہیں ہوں گی۔"

" تم بھی وعدہ کرو، فرہاد کو باعزت طور پر مہمان بنا کر رکھا جائے گا اور اسے کوئی ذہنی اور جسمانی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

" ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ یقین نہ ہو تو اپنے سفیروں کے ذریعے معلومات حاصل کر لو۔"

آخر ان کے درمیان طے پا گیا کہ وہ ایک جگہ مل بیٹھ کر سمجھوتے کی راہ ہموار کریں گے۔ میں دماغی طور پر تھوڑی دیر کے لیے اس ہوٹل کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ سونیا ایک ویٹر کے ساتھ کمرے میں آئی تھی۔

وہ ہمارے لیے کافی لایا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔" سانپ آخر سانپ ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں مگر ایک دوسرے کو ڈس نہیں سکتے کیونکہ ایک پر دوسرے کا زہر اثر نہیں کرتا۔ سانپوں کا زہر دوسروں پر اثر کرتا ہے۔"

" تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

" میں سپر ماسٹر، ماسک مین اور یہودیوں کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ یہ ابھی تک آپس میں دشمنوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ پہلے وہ دونوں مل کر یہودیوں کو نقصان پہنچا رہے تھے لیکن اب وہ سب شہر روم میں کسی سمجھوتے کے لیے ملاقات کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے مفاد کی خاطر پھر ایک ہو جائیں گے۔"

سونیا نے پوچھا۔" کیا اب تک جلیسن ہارورڈ تل ابیب میں ہونے والی تخریبی کارروائیوں پر قابو نہیں پا سکا؟"

" کسی حد تک اس نے قابو پا لیا ہے۔ کسی قدر حفاظتی تدابیر کی گئی ہیں۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین کے ممالک کے جتنے بھی ڈاکٹر، انجنیئر اور کاریگر وہاں ملازمت کر رہے ہیں، ان سب کو وقتی طور پر ڈیوٹی سے ہٹا دیا ہے اور ایک علاقے تک محدود کر دیا گیا ہے۔ وہ مجبور ہے۔ انھیں ان کی ملازمت سے برخاست نہیں کر سکتا۔ اس طرح سفارتی سطح پر کشیدگی پیدا ہو گی پھر وہ اُن کا نعم البدل فوراً نہیں لا سکتے اور سیاسی سطح پر وہ ایک دوسرے کا نقصان برداشت نہیں کر سکیں گے۔ جس طرح یہودی امریکی حکومت میں اہم ستون کا کام کرتے ہیں اسی طرح امریکی حکام یہودیوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ دوسری طرف روس ان یہودیوں کا کسی طرح احسان مند تو نہیں ہے لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش رہتا ہے کہ مملکتِ اسرائیل، اسلامی ممالک کے درمیان ہے اور دونوں سپر پاورز کو اپنی اپنی سیاسی حکمت عملیوں کے لیے اسرائیل کو مورچہ بناتے رہنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔"

سونیا نے کافی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا۔" مجھے پہلے یہ خیال آیا تھا کہ دو سپر پاورز اور ان کی آستین میں پلنے والی اسرائیلی حکومت کے درمیان یہ تنازعہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گا۔ یقیناً وہ اپنے سیاسی مفادات کی خاطر پھر ایک ہو جائیں گے۔"

" میرے دماغ میں بھی یہ بات تھی۔ میں نے سوچا، جب تک یہ تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں، ہونے دیا جائے۔ ہمیں کچھ سوچنے اور کر گزرنے کا موقع ملے گا۔ اللہ ہم پر مہربان ہے۔ تقدیر ساتھ دے رہی ہے۔ اسی لیے یہ یہودی جے جے پاکر ہی ہمارا ذریعہ بن گیا ہے۔ انشاءاللہ آج سے پانچویں دن دیکھا جائے گا۔"

" پانچواں دن ذرا دور ہے۔ کل ہی شہر روم میں دیکھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور ہمیں فوری طور پر کیا کرنا چاہیے۔"

" وہ جو بھی چاہیں گے، اب سجاد کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، انھوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ فرہاد علی تیمور کو تمھارے پاس زندہ سلامت پہنچائیں گے۔ اگر نہ پہنچا سکے تو وہ جلیسن ہارورڈ اور دوسرے یہودی اکابرین کے ذریعے تمھیں سجاد کی سلامتی کا ضرور یقین دلائیں گے اور یہ کہہ کر ٹالتے رہنے کی کوشش کریں گے کہ سجاد جلد ہی رہا کیا جانے والا ہے۔ بہرحال اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

" سجاد کا کیا حال ہے؟"

" میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں نے کافی کی پیالی خالی کی۔ اسے ایک طرف رکھا پھر سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ دماغ نے بتایا کہ آج رات سونے سے پہلے دس بجے پھر ربی اسفندیار آیا تھا اور اس پر تنویمی عمل کیا تھا۔

ربی اسفندیار سے پہلے میں سجاد پر تنویمی عمل کر چکا تھا اور اس کے دماغ کے تہ خانے میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے اور سجاد علی تیمور کا کوئی وجود نہیں ہے لہٰذا اب میں خیال خوانی یا تنویمی عمل کے دوران اس کو سجاد کی حیثیت سے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کی خوابیدہ سوچ میں کہا۔" ربی اسفندیار نے تنویمی عمل کے دوران مجھ سے کیا پوچھا تھا؟"

اس کے خوابیدہ دماغ نے جواب دیا۔" وہ مجھ سے پھر وہی سوال کر رہا تھا۔ کیا میں فرہاد علی تیمور ہوں؟ میں نے جواب دیا۔ میں فرہاد علی تیمور ہوں اور دنیا میں میرے سوا کوئی دوسرا فرہاد علی تیمور نہیں ہے۔"

" اس نے اور کیا سوال کیا؟"

" اس نے پوچھا، سونیا کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ میں یہاں قید میں ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ کون کہاں ہے؟ ایک خیال خوانی کا ذریعہ تھا جو مجھ سے چھن گیا ہے۔ اگر یہ ذریعہ پھر حاصل ہو جائے تو وہ دنیا کے جس حصے میں بھی ہو گی، میں اس کا سراغ لگا کر بتا سکوں گا۔"

ربی اسفندیار نے کہا۔" سراغ لگانے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ اعلیٰ بی بی تل ابیب پہنچ گئی ہے۔ کل صبح اس سے تمھاری ملاقات کرائی جائے گی۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ رازدارانہ انداز میں معلوم کرتے ہو کہ سونیا کس مقصد کے لیے روپوش ہو گئی ہے۔ اعلیٰ بی بی یقیناً جانتی ہو گی۔" سجاد کا خوابیدہ دماغ کہہ رہا تھا۔" میں نے ربی اسفندیار سے وعدہ کیا ہے کہ اعلیٰ بی بی سے جو معلومات حاصل ہوں گی، وہ میرے لاشعور میں محفوظ رہیں گی اور آئندہ تنویمی عمل کے دوران میں ربی اسفندیار کو وہ معلومات فراہم کروں گا۔"

میں نے پھر سجاد کی سوچ میں کہا۔" ربی نے مجھ سے اور کیا پوچھا تھا؟"

" آخری بار اس نے سوال نہیں کیا بلکہ مجھے حکم دیا کہ میں خود کو ذہنی طور پر یہودیوں کی دوستی کی طرف مائل کروں۔ ان پر اعتماد کروں اور ان کے مقابلے میں کسی دوسرے کو ترجیح نہ دوں۔ خواہ وہ سپر ماسٹر ہو یا ماسک مین۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں یہودیوں سے دوستی کروں گا۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین کے مقابلے میں انھیں ترجیح دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد اس نے مجھے تنویمی نیند سُلا دیا اور حکم دیا کہ میں صبح چھ بجے تک آرام سے سوتا رہوں۔"

میں نے پوچھا: کیا میں قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا ہوں یا مہمان کی حیثیت سے؟"

اس کے خوابیدہ دماغ نے جواب دیا: میں مہمان کی حیثیت سے رکھا گیا ہوں۔ میرا بڑا خیال رکھا جارہا ہے اور وہ قدم قدم پر مجھ سے دوستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مجھے کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ جو چاہتا ہوں فوراً حاضر کردیتے ہیں۔"

میں نے ٹیلی پیتھی کا رابطہ منقطع کیا اور واپس آکر سونیا سے کہا: سجاد خیریت سے ہے اور اس وقت تنویمی نیند سے گزر رہا ہے۔"

میں نے اسے ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کے متعلق بھی تفصیل سے بتایا۔ اس نے کہا: "فرہاد! یہ ربی اسفندیار ایسا احمق تو نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی وہاں موجود ہے۔ اگر وہ سجاد پر تنویمی عمل کرسکتا ہے، تو اعلیٰ بی بی کو بھی اپنی معمولہ بنا کر میرے متعلق سوالات کرسکتا ہے۔"

" ہاں، وہ ایسا کرسکتا ہے۔ ٹھہرو ذرا میں اعلیٰ بی بی کی خبر تو لوں۔"

میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسرائیل میں اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ اعلیٰ بی بی گہری نیند میں تھی۔ اس کے خوابیدہ دماغ نے بتایا کہ اس پر بھی تنویمی عمل کیا گیا تھا۔ یہ میری پیش بینی تھی کہ میں نے۔ بی اسفندیار سے پہلے اعلیٰ بی بی پر بھی ہپناٹزم کا عمل کیا تھا، اس کے لاشعور سے یہ باتیں مٹادی تھیں کہ فرہاد علی تیمور پیرس میں ہے۔ اس کے تحت الشعور میں بھی یہ نقش ہوچکا تھا کہ فرہاد صرف ایک ہے اور وہ ان دنوں یہودیوں کی قید میں ہے۔

جو لوگ مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ قوتِ ارادی کے مالک ہوتے ہیں اور مضبوط اعصاب رکھتے ہیں، ان پر تنویمی عمل ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ میں نے اعلیٰ بی بی کی رضامندی سے اس پر تنویمی عمل کیا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے بھول گئی تھی اور صرف سجاد کو فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے یاد رکھے ہوئے تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا: "میں تو بڑے مضبوط اعصاب کی عورت ہوں پھر ربی اسفندیار نے مجھ پر تنویمی عمل کیسے کیا؟"

"میں دھوکا کھا گئی۔ میرے کھانے یا پینے کی کسی چیز میں کوئی ایسی دوا ملائی گئی تھی جس سے میرے اعصاب کمزور پڑ گئے تھے۔ میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو کنفیوز سمجھ رہی تھی اور بے اختیار کر تھی۔ سونے کے دوران مجھ پر یہ عمل کیا گیا۔"

میں نے پوچھا: ربی اسفندیار نے تنویمی عمل کے دوران کس طرح کے سوالات کیے؟"

وہ جواب دینے لگی: وہ مجھ سے فرہاد علی تیمور کے بار پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہا، میں ایک ہی فرہاد علی تیمور کو جانتی ہوں وقت یہودیوں کی قید میں ہے پھر اس نے سونیا کے متعلق سوا وہ کہاں روپوش ہوگئی ہے۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی۔

ربی اسفندیار نے حاکمانہ لہجے میں کہا: تم میری معمولہ ہو لہٰ سچ جواب دو۔ میں نے کہا: میں تمھاری معمولہ ہوں اور سچ سچ کہہ سونیا مجھ سے یہ کہہ کر گئی تھی کہ رات کے کھانے تک ادارے میں آجائے گی۔ وہ ہمارے ادارے کی ایک کار لے کر گئی تھی۔ اس وہ واپس نہیں آئی۔ رات کے گیارہ بجے مجھے تشویش ہوئی۔ میں مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کچھ نہ چلا پھر میرے ادارے کے جاسوس پیرس شہر میں پھیل گئے چلا، جس گاڑی میں وہ گئی تھی، وہ گاڑی مرجانہ کی والدہ سائرہ کے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ ان سے پوچھا گیا تو انھوں لاعلمی ظاہر کی۔

ہمارے ادارے کے جاسوس کو یقین نہیں آیا۔ سائرہ بانو کہا۔ تم لوگوں کو آزادی ہے۔ میرے بنگلے کی تلاشی لے سکتے ہو نے تلاشی لی۔ واقعی سونیا کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ ہم سمجھ گئے تو اسے اغوا کیا گیا ہے یا وہ اپنی مرضی سے کسی مقصد کی خاطر سوچ کر روپوش ہوگئی ہے۔"

ربی اسفندیار نے پوچھا: "کیا سونیا نے اپنی کسی لائن آ ایکشن کے متعلق ذکر کیا تھا؟"

"نہیں وہ بہت گہری ہے۔ اپنے سائے کو بھی اپنی کس کے متعلق نہیں بتاتی ہے۔ صرف فرہاد کی ٹیلی پیتھی کے سامنے مج ہوجاتی ہے۔ ٹیلی پیتھی نہ ہو تو وہ فرہاد سے بھی چھُپ کر چا چلتی رہے۔"

" کیا اس نے تمھارے سامنے سپر ماسٹر اور ماسک مین کے سا چارہ پھینکا تھا؟"

" ہاں، میرے ہی سامنے اس نے دونوں خطرناک تنظیمو سربراہ سے کہا تھا کہ ان میں سے جو بھی فرہاد کو زندہ سلامت لائے گا، وہ اس کی تنظیم کے لیے وقف ہوجائے گی، صرف و میرے ادارے کے تمام لوگ بھی اس تنظیم کا ساتھ دیں گے۔"

ربی اسفندیار نے کہا: "اس مکار عورت کی کھوپڑی میں کا دماغ ہے۔ کمبخت نے بڑا کامیاب چارہ ڈالا تھا۔ اس کی

ے وہ دونوں تنظیموں کے سربراہ ہم سے بدک گئے۔ کچھ ہماری بھی غلطی تھی لیکن اس میں سونیا کی چال کا زیادہ ہاتھ ہے۔ اس کی وجہ ے ہمیں تل ابیب میں اتنے نقصان اٹھانے پڑے۔ اعلیٰ بی بی میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تنویمی نیند مکمل ہونے کے بعد تم یہ باتیں بھول جاؤ گی۔ اور آئندہ ہپناٹزم کے عمل کے دوران تم پھر میری مطیع اور فرمانبردار معمولہ بن جاؤ گی۔ میں نے ربی اسفندیار سے وعدہ کیا کہ میں اس کی معمولہ بن جاؤں گی تب ربی اسفندیار نے کہا: تمھارے تل ابیب میں قیام کے دوران اگر تمھیں کبھی اس بات کا علم ہو کہ سونیا یہاں پہنچ گئی ہے اور فرہاد کی رہائی کے سلسلے میں تم سے تعاون چاہتی ہے تو تم یہ راز مجھے فوراً بتادو گی۔"

اعلیٰ بی بی نے ربی سے وعدہ کیا کہ سونیا جب بھی تل ابیب آئے گی اور مجھ سے رابطہ قائم کرے گی تو وہ ربی اسفندیار کو معمولہ بننے کے دوران اس کا پتا ٹھکانہ بتادے گی۔"

آخر میں ربی نے حکم دیا کہ میں یہودیوں کو اپنا دوست سمجھتی رہوں گی اور سپر ماسٹر اور ماسک مین کے مقابلے میں یہودیوں کو ترجیح دیتی رہوں گی۔ یہ بات میرے دماغ میں ہمیشہ رہا کرے گی اور میں یہودیوں سے متاثر ہوتی رہوں گی۔

اعلیٰ بی بی نے تسلیم کیا کہ میں اس کے حکم کی تعمیل کروں گی اور یہودیوں سے متاثر ہوتی رہوں گی۔ اس کے بعد اس نے صبح چھ بجے تک مجھے آرام سے سونے کا حکم دیا اور میں اب تک سو رہی ہوں۔"

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اسے اعلیٰ بی بی کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی: "یعنی میرے روپوش ہونے کی بات یہودیوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آدمی پیرس میں مجھے ہر جگہ تلاش کر رہے ہوں گے۔"

" ہاں، جس یہودی لڑکی ریٹا کے روپ میں تم اسرائیل جانا چاہتی تھیں، اس کے باپ نے یہاں کاہال تنظیم کی برانچ سے رابطہ قائم کیا تھا اور تمھارے متعلق بتادیا تھا۔"

" فرہاد! تم ذرا ریٹا کے دماغ میں جھانک کر دیکھو۔ ان لوگوں نے ضرور میرے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی۔"

میں فوراً ہی ریٹا کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے دماغ نے بتایا کہ چند یہودی ان کے ہاں آئے تھے اور اس کے باپ کو ایک طرف لے جاکر کچھ باتیں کر رہے تھے۔ میں اس کے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ یہودی بھلا اپنے بھائیوں کا راز کسی کو کب بتاتے ہیں۔ میں اس کی سوچ کو کُریدنے لگا۔ وہ میری مرضی کے مطابق سوچنے لگا: "ہاں یہاں کی کاہال تنظیم کا سربراہ میرے پاس آیا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سونیا نے ہم سے دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا ہے اور نہ ہی ریٹا کے پاسپورٹ اور اہم کاغذات کا مطالبہ کیا ہے تو وہ کہنے لگا۔ یقیناً وہ ہوشیار ہوگئی ہے اور شاید اب کسی دوسرے روپ میں تل ابیب پہنچنا چاہتی ہے۔

سربراہ کے نائب نے کہا: سونیا کا تمام ریکارڈ ہمارے سامنے ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ وہ کوئی بھی چال چلنے سے پہلے ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیتی ہے۔ کیا اس نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ اگر وہ کسی بھی روپ میں جائے لیکن وہ عارضی میک اپ ہوگا اور وہ اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے پہچان لی جائے گی؟

سربراہ نے کہا: ہاں، وہ چال چلنے سے پہلے اچھی طرح ہر پہلو پر غور کرلیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عارضی میک اپ میں نہیں، مستقل میک اپ میں جائے گی اور مستقل میک اپ سرجری کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔"

اس کے نائب نے کہا: سر! مستقل میک اپ یعنی چہرے کی سرجری یوں تو کتنے ہی ڈاکٹر کرسکتے ہیں لیکن ان کا ڈاکٹر دوست پیرس میں صرف ایک ہے۔"

میں یہ باتیں ریٹا کے باپ کے دماغ سے معلوم کر رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ کاہال تنظیم کی برانچ کا سربراہ اور اس کا نائب اتنی باتیں کرنے کے بعد وہاں سے چلے گئے۔ کہاں گئے؟ یہ ریٹا کا باپ نہیں جانتا تھا لیکن میں سمجھ گیا۔ یقیناً وہ ڈاکٹر شیفرڈ کو گھیرنے والے تھے۔ میں نے اس کے دماغ سے معلوم کیا کہ وہ کب آئے تھے۔ پتا چلا، صرف پندرہ منٹ پہلے کی بات ہے۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت رات کے دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے یعنی دشمن سونیا کو تلاش کرنے کے لیے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھ رہے تھے۔ آتنی رات کو وہ ریٹا کے باپ سے معلومات حاصل کرنے آئے تھے تو یقیناً اسی وقت ڈاکٹر شیفرڈ کے پاس پہنچ سکتے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

وہ ابھی بخیریت تھا۔ اس کا مطلب تھا، ریٹا کے مکان سے ڈاکٹر شیفرڈ کے مکان کا فاصلہ بہت طویل ہے۔ پندرہ منٹ میں دشمن وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا۔ وہ سو رہا تھا۔ میں نے کہا: "ڈاکٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔ آپ بیدار ہوجائیں۔"

وہ بیدار ہوگیا۔ پہلے تو آنکھیں کھول کر سوچتا رہا کہ آنکھ کیسے کھل گئی۔ میں نے پھر مخاطب کیا: "میں فرہاد ہوں اور بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔"

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا: "کیا بات ہے؟"

" دشمن سونیا کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ اس یہودی لڑکی ریٹا کے روپ میں اسرائیل جانے والی تھی۔ چونکہ اب تک وہ روپوش ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے۔ اس لیے وہ ریٹا کے

باپ کے پاس گئے تھے میرا اندازہ ہے، اب وہ آپ کی طرف آ رہے ہوں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔"

"میں آپ کے ہاں جس بیڈروم میں تھا، وہاں میز کی ایک دراز میں وہی کیسٹ رکھا ہوا ہے جس کا تعلق ایزل ہارڈی سے ہے۔ آپ اس کیسٹ کو نکال کر فانوس کے اوپر رکھ دیں تاکہ انھیں ایزل ہارڈی کے متعلق اور نہ ہی ہمارے متعلق کوئی ثبوت مل سکے۔"

اس نے میرے مشورے پر فوراً عمل کیا پھر کہا۔ "اگر کوئی آتنی رات کو آئے تو میں ملنے سے انکار کر سکتا ہوں۔ کوئی زبردستی ملنے پر مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔ اب رہا یہ کہ وہ زبردستی مقفل دروازے کو کھول کر آئیں تو میں ان سے بات کر دوں گا۔ تم ان کے دماغوں میں پہنچ کر انھیں کسی طرح کی دھاندلی سے باز رکھ سکتے ہو؟"

"ویسے تو میں بہت کچھ کر سکتا ہوں لیکن میری ٹیلی پیتھی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اگر آپ اس وقت ان سے نہیں ملیں گے تو وہ کسی اور وقت آپ کو ٹریپ کریں گے۔ پتا نہیں وہ کون سا وقت ہو گا اور میں آپ سے رابطہ قائم کر سکوں گا یا نہیں۔ ابھی میں ایک بہت ہی پُرسکون ماحول میں ہوں۔ کوئی مصروفیت نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا میں اس میں برابر شریک رہوں گا۔ اپنے آپ کو ظاہر تو نہیں کر سکوں گا نہ ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے انھیں نقصان پہنچا سکوں گا مگر دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

ہماری باتوں کے دوران فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "ہیلو؟"

ڈاکٹر کا چوکیدار مین گیٹ سے فون کے ذریعے مخاطب کر رہا تھا۔ "جناب! چار پولیس والے آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ریسیور پولیس آفیسر کو دو۔"

تھوڑی دیر بعد پولیس آفیسر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈاکٹر! مجھے افسوس ہے کہ میں ایک اہم معاملے میں آپ کی نیند خراب کر رہا ہوں۔ چند ضروری سوالات ہیں۔ اس کے بعد چلا جاؤں گا۔"

"کیا آپ فون کے ذریعے سوالات نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، ایک بہت ہی خطرناک مجرم اِدھر آیا ہے۔ ہم اطمینان کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کسی راستے سے آپ کے بنگلے میں داخل تو نہیں ہوا۔"

میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ "یہ بہانے بازی ہے۔ بہرحال انھیں اندر آنے دیجیے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ ریسیور میرے چوکیدار کو دیجیے۔"

اس نے چوکیدار سے کہہ دیا کہ انھیں اندر آنے کی اجازت دے۔ پھر اپنے بنگلے کے بیرونی دروازے کے پاس جا کر اسے کھول دیا۔

دو پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے دروازے کو بند کر دیا پھر کہا۔ "آئیے تشریف رکھیے۔"

ایک نے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تشریف رکھنے نہیں آئے ہیں۔ بہتر یہ ہے، تم خاموشی سے یہاں بیٹھو اور ہمارے سوالوں کا صحیح جواب دو۔"

ڈاکٹر خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے پوچھا۔ "اس بنگلے میں اور کون ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔ تم چاہو تو ایک ایک کمرہ دیکھ سکتے ہو۔"

ایک شخص ڈرائنگ روم سے نکل کر دوسرے کمروں کی طرف جانے لگا۔ ریوالور والے نے پوچھا۔ "سونیا اِدھر آئی تھی؟"

"میں نے مادام سونیا کو کافی عرصے سے نہیں دیکھا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں اپنے سچ کا یقین نہیں دلا سکتا۔"

"ہم سچ اُگلوانا جانتے ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس کا ساتھی ڈرائنگ روم میں واپس آ کر بولا۔ "کسی کمرے میں کوئی نہیں ہے اور نہ ہی کسی کی موجودگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔"

ریوالور والے نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے سونیا کو کسی دوسری جگہ پلاسٹک سرجری کے لیے چھپایا گیا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ کیا سمجھ کر یہاں آئے ہیں۔ کچھ مجھے بھی سمجھائیں؟"

"ابھی سمجھ میں آ جائے گا۔ اتنی دیر سے ہم تمھیں صرف ڈاکٹر کہہ رہے ہیں۔ تمھارے نام سے تمھیں مخاطب نہیں کر رہے ہیں لہٰذا اب تمھی بتاؤ کہ تمھیں ڈاکٹر میکی براڈلے کہا جائے یا شیفرڈ؟"

ڈاکٹر نے چونک کر انھیں دیکھا۔

ریوالور والے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمھارا پیدائشی نام شیفرڈ ہے۔ ہم تمھارے ماضی کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔ تمھاری کم سنی کے دور میں تمھارے ساتھ ایسے حالات پیش آئے کہ تم ڈاکٹر بننے کے دوران اپنا نام تبدیل کر کے میکی براڈلے بن گئے لیکن جرائم کی دُنیا میں رہنے والے ہم جیسے لوگ تمھاری اصلیت کو خوب جانتے ہیں۔"

اس کے ساتھی نے کہا۔ "ڈاکٹر شیفرڈ! تمھارا بچپن یقیناً بڑا رنگین اور سنگین تھا، تم اس بڑھاپے میں بھی خوب صورت نظر آتے ہو۔ اوائل عمر میں تو نہایت ہی حسین تھے۔ اتنے حسین کہ اپنی آمدنی کے لیے تم لڑکی کے روپ میں ڈمی بن کر شوکیس میں کھڑے رہتے تھے۔ اس کا تمھیں اچھا خاصا معاوضہ ملا کرتا تھا۔"

ریوالور والے نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے ساتھی کو آگے کہنے سے منع کیا پھر کہا۔ "ہمیں ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ تمھارا ماضی کیا

تھا۔ تم خود بتاؤ ہم تمھیں میکی براڈلے کہیں یا شیفرڈ؟ اگر تم نے سونیا کا پتا نہ بتایا اور ہمیں اس کے پاس نہ پہنچایا تو ہم تمھیں شیفرڈ کہیں گے اور شیفرڈ کا ماضی پھر بے نقاب کر دیں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ پیرس کے ایک سابقہ ماسٹر موس ٹرونی نے تمھیں بلیک میل کرنا چاہا تھا لیکن فرہاد نے بلیک میلنگ کے تمام اہم کاغذات اور دیگر ثبوت ضائع کر دیے تھے اور تم فرہاد کے اب تک بے دام غلام بنے ہوئے ہو۔ ثبوت تمام کے تمام ضائع نہیں ہوتے۔ کچھ دوسروں کے پاس بھی رہ جاتے ہیں اور ہمارے پاس بھی کچھ ہیں۔"

اس کی باتوں کے دوران میں نے اس کے چور خیالات پڑھ لیے تھے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ "یہ بکواس کر رہا ہے۔ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

ریوالور والا کہہ رہا تھا۔ "تم جس کے بے دام غلام بنے ہوئے ہو وہ ٹیلی پیتھی سے محروم ہو گیا ہے۔ اب وہ معمولی سا آدمی ہے جو ہم یہودیوں کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ تمھاری مدد نہیں کر سکے گا۔ سیدھی طرح بتا دو، سونیا کہاں ہے؟"

"میں کہہ چکا ہوں، میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر جانتا تو ضرور بتا دیتا۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اب فرہاد کی طرف سے مدد کی اُمید نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کے سامنے بے دست و پا ہوں۔ یا تو تم مجھے قتل کر دو یا پھر میری بات کا یقین کر لو۔"

"اگر تم نے سونیا کا پتا نہیں بتایا تو ہم تمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"کیا کسی قصور، کسی جرم کے بغیر مجھے مارنا چاہتے ہو؟ جب کہ میں نے تم لوگوں کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ ہاں، ماضی میں میری فرہاد علی تیمور سے اچھی خاصی دوستی رہی ہے۔ کسی سے دوستی کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بھی اس کی طرح تم لوگوں کا دشمن ہوں۔"

ریوالور والا آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈاکٹر کے قریب آیا۔ اس کے ساتھی نے ڈاکٹر کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے سے جکڑ لیا۔ دوسرے نے اپنی جیب سے سائلنسر نکالا پھر اسے ریوالور کی نال پر لگانے لگا۔ اس کے بعد اس نے ریوالور کو ڈاکٹر کی کنپٹی سے لگا دیا اور کہا۔ "میں تین تک گنوں گا۔ تین کہنے کے بعد تم اس دُنیا میں نہیں رہو گے۔ سونیا کہاں ہے؟ ایک......"

ڈاکٹر ذرا سہما ہوا تھا لیکن حوصلے سے کام لے رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "میں اس کے دماغ کو اچھی طرح پڑھ چکا ہوں۔ یہ آپ کو قتل نہیں کریں گے۔ کیوں نہیں کریں گے؟ یہ ابھی خود ہی اُگلنے والے ہیں۔"

ڈاکٹر ڈھٹائی سے بیٹھا رہا۔ ریوالور والے نے کہا۔ "ڈاکٹر! تم بہت باکمال ہو۔ اپنی صلاحیتوں سے بے انتہا دولت حاصل کرتے رہتے ہو۔ یہ دُنیا، یہاں کی رنگینیاں، اس ارضی جنت کا تمام حسن ابھی ایک پل میں تم سے چھین لیا جائے گا، تم مُردہ ہو جاؤ گے۔ بس یہے ہو جاؤ گے۔ صرف ایک سونیا جیسی عورت کے لیے جس کی اب کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب فرہاد ہمارے دام میں آ گیا تو سونیا کب تک آزاد رہے گی۔ کب تک کسی خفیہ پناہ گاہ میں رہے گی۔ بہتر ہے، ہمارے دوست بن جاؤ۔ سونیا تمھارے کسی کام نہیں آئے گی۔ ہمیں بتا دو، وہ کہاں ہے۔ میں گن رہا ہوں۔ دو......"

اب تین کہنا باقی رہ گیا تھا۔ اگر میں ڈاکٹر کو یقین نہ دلاتا تو وہ دہشت زدہ رہتا۔ میں اس کے چور خیالات پڑھ کر کہہ سکتا ہوں کہ پھر بھی وہ ہمارا راز فاش نہ کرتا۔ جان دینے کا حوصلہ اس میں تھا۔ بہرحال ریوالور والے نے تین نہیں کہا۔ اس کے ساتھی نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے، ڈاکٹر کو ابھی نہ مارو۔ اس لیے کہ سونیا اس کی پناہ میں ہو گی تو اس کی پلاسٹک سرجری کے لیے ڈاکٹر کبھی نہ کبھی اسے اٹینڈ کرنے کے لیے جائے گا۔ ہم اس پر کڑی نظر رکھیں گے۔ دن رات اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ سونیا کی پلاسٹک سرجری کیسے ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی طرح تو ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم ہو گا۔ چلو، ابھی وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔"

ریوالور اس کی کنپٹی سے ہٹا لیا گیا۔ وہ دونوں پیچھے ہٹ کر بولے۔ "ڈاکٹر! ابھی زندگی کے کچھ دن تمھارے مقدر میں لکھے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے جی لو۔ سانس لے لو۔ اس دُنیا کے رنگ و حُسن کو اچھی طرح دیکھ لو۔ جس دن ہمیں معلوم ہوا کہ سونیا سے تمھارا رابطہ قائم ہوا ہے اور تم اس کی پلاسٹک سرجری کر رہے ہو، وہ دن تمھاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

وہ وہاں سے چلے گئے۔ ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازے کے پاس آ کر دیکھا۔ گیٹ کے باہر اور دو آدمی تھے جو سپاہیوں کی وردی میں تھے۔ وہ چاروں ایک جیپ میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ڈاکٹر نے دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا۔ میں نے کہا۔ "ڈاکٹر! اب تو آپ مطمئن ہیں۔"

"تھینک یو فرہاد! اگر تم نہ ہوتے تو یہ مجھے بہت ہی زیادہ دہشت زدہ کرتے، اس کے باوجود میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سونیا کے متعلق کبھی انھیں نہ بتاتا۔ چاہے یہ مجھے قتل کر دیتے۔"

"آپ اپنی زبان سے یقین نہ دلائیں۔ میں آپ کے خیالات پڑھ چکا تھا۔ آپ واقعی بہت مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہیں۔ آپ میری خاطر خاصے پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ میں آپ کی اس دوستی اور محبت کو کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔ اچھا اجازت دیجیے۔ میں جا رہا ہوں۔ آپ بے کھٹکے آرام سے سو جائیں۔"

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اسے تمام حالات بتائے۔ وہ سننے کے بعد بولی۔ "ان یہودیوں کو یہاں ٹھکانے لگانا ہی ہو گا۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"یہاں میری طرف سے دہشت طاری ہونی چاہیے ورنہ ہم تل ابیب پہنچنے کے بعد مصروف ہوجائیں گے تو بار بار ڈاکٹر کی طرف توجہ نہیں دے سکیں گے اور وہ بے چارہ ہماری عدم موجودگی میں بے موت مارا جائے گا۔"

"مجھے اس بات کا خیال ہے۔ دشمن تمہیں ڈھونڈ نکالنے میں ناکام ہوں گے تو جھنجلا کر اسے قتل کردیں گے۔"

"کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟"

"نہیں، میں تو جاگنے کا عادی ہوں۔"

چلو، ذرا اُن سے نمٹ لیا جائے۔"

"کیوں نہ ہم دوسروں کو آلۂ کار بنا کر اُن سے انتقام لیں۔"

"تم ایسا کرسکتے ہو لیکن تمہیں ٹیلی پیتھی کا سہارا لینا پڑے گا۔ میں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں خیال خوانی کا استعمال کم سے کم کرو۔ جب ہمارے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ ہم تفریحاً باہر جاسکتے ہیں اور ہمیں نیند نہیں آرہی ہے تو چلو کچھ نہ کچھ کرگزریں.... اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مجبوراً ٹیلی پیتھی کو ہتھیار بنایا جائے گا۔"

ہم وہاں سے نکل آئے۔ میں نے باہر آکر کہا۔ "جب ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال نہیں کریں گے تو کوئی دوسرا ہتھیار ہمارے پاس ہونا چاہیے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے۔ دشمن کا جوتا دشمن کے مُنہ پر ہی ماریں گے۔"

میں ہتھیاروں کے بغیر بہت سے ہتھکنڈے جانتا تھا لیکن سونیا کے مُنہ سے ایسی باتیں سُن کر مجھے خوشی ہوتی تھی۔ اس کے عزائم اس کی ہمت اور اس کا طریقۂ کار ایسا تھا کہ وہ تنہا اپنی مہم پر روانہ ہوسکتی تھی لیکن تنہائی کیوں جبکہ ہم قدم قدم ساتھ رہنے کا ارادہ کرچکے تھے۔ کچھ آگے جاکر ایک پارکنگ ایریا میں بہت سی کاریں نظر آئیں۔ ایک اور کار وہاں آکر رُکی۔ اس وقت تک ہم اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کار والا دروازہ کھول کر نکل رہا تھا مگر بُری طرح ڈگمگا رہا تھا۔ نشے کی حالت میں تھا۔ میرا اس کا سامنا ہوا تو اس نے مجھے نظرانداز کیا۔ سونیا کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہیلو سوئیٹی! ہاؤ آر یو؟"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "فائن۔ معلوم ہوتا ہے شراب تمہارے لیے پانی ہے۔ اس قدر نشے کی حالت میں بھی کار ڈرائیو کرتے ہو۔"

وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ارے یہ کیا ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ دیکھو سامنے بار ہے۔ میں دو چار پیگ اور چڑھانے جارہا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دوگی؟"

سونیا نے اسٹیئرنگ میں لگی ہوئی چابی کو دیکھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "اسے ذرا لے کر آگے بڑھو۔ میں چابی نکال لیتا ہوں۔"

اس نے وہی کیا۔ اسے لے کر آگے بڑھی۔ میں نے چابی نکال لی پھر تیزی سے آگے بڑھ کر سونیا کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی۔ مجھے چھوڑ کر اس کے ساتھ جارہی ہو۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کس قدر پیتے اور برداشت کرتے ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چلو میرے ساتھ۔"

میں اسے کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ وہ شرابی آگے بڑھ کر مجھے روکنا چاہتا تھا لیکن لڑکھڑا کر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ میں نے کہا۔ "جاؤ، کسی اور کو تلاش کرلو۔"

اس نے جھومتے ہوئے، گنگنانے کے انداز میں کہا۔ "تم نہ سہی اور سہی۔ اور نہ سہی اور سہی۔"

یہ کہہ کر وہ بار کی طرف چلا گیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو ہم کار میں آکر بیٹھ گئے۔ سونیا نے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ کار اسٹارٹ کی پھر گاڑی آگے بڑھادی۔ میں نے اس شرابی کو سنبھال لیا۔ وہ بار میں پہنچنے کے بعد ایک پیگ طلب کررہا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "دن ڈبل۔" پانچ منٹ کے بعد ہی اس کے سامنے ڈبل پیگ آگیا۔ وہ چسکی لے کر پینا چاہتا تھا۔ جب اس نے جام کو ہونٹوں سے لگایا تو میں نے اسے ایک ہی سانس میں ختم کردینے پر مجبور کردیا۔ پینے کے بعد وہ ذرا چکرایا لیکن میں نے آہستگی سے جام کو میز پر رکھ کر اس کے ذریعے کہا۔ "دن مور ڈبل پلیز۔"

اس کے لیے پھر ڈبل پیگ آگیا۔ میں نے پھر اسے پلادیا۔ جب اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔ بار کے در و دیوار اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ ہر شخص دھندلا نظر آرہا تھا۔ وہ یقیناً زیادہ پینے کا عادی تھا لیکن اس وقت کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا۔ میں نے پھر تیسری بار ڈبل پیگ منگوایا تاکہ کچھ اور زیادہ ہوجائے۔ تیسرے پیگ کے بعد اس کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ اب ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ جب مجھے اطمینان ہوگیا تو میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اب نہ تو وہ اپنا نام اور پتا صحیح طریقے سے بتا سکتا تھا اور نہ ہی کسی کے سامنے اپنی اس کار کا ذکر کرسکتا تھا۔ صبح ہونے تک ہم خود ہی اس کار سے الگ ہوجاتے۔

میں نے سونیا کے پاس حاضر ہوکر کہا۔ "اب اس کار والے کی طرف سے خطرہ نہیں ہے۔ وہ تھوڑی دیر بعد اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوجائے گا۔"

"میں ریٹا کے گھر کی طرف جارہی ہوں۔ تم اس کے باپ کو اس طرح گھر سے نکالو کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو۔"

میں ریٹا کے باپ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سو رہا تھا۔

اچانک اس نے آنکھ کھول دی۔ اس نے چپ چاپ اپنے بستر سے اُٹھ کر آس پاس دیکھا۔ پاس ہی اس کی بیوی سو رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں ریٹا سویا کرتی تھی۔ وہ آہستگی سے اُٹھ گیا پھر اتنی ہی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آیا۔ بیرونی دروازے کو کھول کر مکان سے نکل گیا۔ میں نے اسے باہر سڑک پر پہنچا کر سونیا سے کہا۔ "میں نے اسے گھر کے سامنے والی سڑک پر پہنچا دیا ہے۔"

"ہم بھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔ میں اس کے سامنے گاڑی روکوں گی تم پچھلی سیٹ پر چلے جانا اور اسے میرے برابر بٹھا دینا۔"

میں پھر اس بوڑھے کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت تک وہ حیران و پریشان سوچ رہا تھا کہ بستر سے اُٹھ کر باہر کیسے آگیا۔ اس کے بعد یکلخت اس کی یہ سوچ ختم ہوگئی کیوں کہ میں دوبارہ اس کے دماغ پر قابض ہوگیا تھا۔ جیسے ہی سونیا نے کار اس کے قریب روکی، میں اگلی سیٹ سے اُتر کر پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔ وہ اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ دروازے کو اس نے خود ہی بند کیا۔ پھر کار اسٹارٹ ہوگئی۔ اس وقت تک سونیا نے اپنے چہرے کو اسکارف کے ذریعے چھپا لیا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی رکھی تھیں تاکہ ڈرائیو کرسکے۔ میں نے کہا۔ "میں اس کے دماغ سے نکل چکا ہوں۔"

اس وقت وہ کار میں بیٹھا، کبھی اپنے آپ کو اور کبھی اپنے پاس ڈرائیو کرنے والی عورت کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے پوچھا۔ "تم .... تم کون ہو۔ میں کہاں ہوں؟"

"تمہارے پاس موت بیٹھی ہوئی ہے۔ کیا تم مجھے میری آواز سے پہچان سکتے ہو؟"

وہ ہکلا کر کہنے لگا۔ "تت.... تم سو.... سونیا۔ مادام سونیا۔"

وہ بولی۔ "سونیا اس عورت کا نام ہے جو نرم دل ہے اور مظلوموں کے کام آتی ہے۔ کبھی تم مظلوم تھے۔ دشمن تمہاری جان کے پیچھے تھے۔ تمہارے کام آنے والی سونیا اب نہیں رہی۔ اب تمہارا کام تمام کرنے والی ایک سنگدل عورت تمہارے پاس بیٹھی ہے۔"

وہ دہشت زدہ ہوکر، تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔ "مجھے معاف کردو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تو...."

"ہاں، تم تو یہودی ہو۔ یہودیوں کے وفادار ہو۔ بھلا تم اپنے احسان کرنے والوں کے ساتھ دوستی نباہنا کیا جانو۔ تم صرف میری مخالفت کرتے۔ میرے خلاف سازش کرتے تو شاید تمہیں نظرانداز کردیتی لیکن تمہاری وجہ سے ڈاکٹر شیفرڈ کی زندگی خطرے میں ہے اور نہ جانے مجھ سے تعلق رکھنے والے کون کون سے لوگ صرف اس لیے مارے جائیں گے کہ ان پر سونیا کو پناہ دینے کا شبہ کیا جائے گا۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ سونیا نے سخت لہجے میں کہا۔ "کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاموش رہو اور سامنے دیکھتے رہو۔"

اس نے گھبرا کر پیچھے میری جانب دیکھا جیسے میں اسے ہلاک کرنے والا ہوں۔ سونیا نے کہا۔ "میں کہہ رہی ہوں، سامنے دیکھو۔ میرے ذریعے جو موت آتی ہے، وہ کبھی پیچھے سے نہیں آتی۔ سامنے سے ہی آئے گی۔"

وہ سامنے دیکھنے لگا۔ سڑک کے اطراف روشن قمقمے تھے۔ وہ پیرس کی اس سڑک کو آخری بار دیکھ رہا تھا اور خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ معافی مانگ رہا تھا۔ التجا کررہا تھا گڑگڑا رہا تھا۔

میں کاہال تنظیم کی برانچ کے اس سربراہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ صبح تک سونیا کو تلاش کرتے رہیں گے لیکن وہ تھک گئے تھے۔ ذرا نیند پوری کرنے کے بعد صبح اس کی تلاش میں نکلنے والے تھے۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا۔ "کوئی بڑی قوت کا ایسا ٹائم بم ہے جو ایک دھماکے سے کاہال تنظیم کے برانچ آفس کو بالکل تباہ کردے؟"

اس کے دماغ نے میری رہنمائی کی۔ میں ٹیلی پیتھی کو راز میں ہی رکھنا چاہتا تھا۔ صرف ایسے لوگوں کے دماغوں میں پہنچ رہا تھا جو ٹیلی پیتھی کا راز فاش کرنے کے لیے زیادہ دیر زندہ نہیں رہنے والے تھے۔ اس وقت وہ اور اس کا نائب اسی دفتر کے ایک آرام دہ کمرے .... میں بے فکر سو رہے تھے۔ سونیا کی تلاش کا کام فی الحال ماتحتوں پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بستر سے اُتر کر چلتا ہوا دفتری کمرے سے گزرتا ہوا ایک اسٹور روم میں پہنچا۔ وہاں ان کے ضروری فائل اور دوسرے ریکارڈز رکھے ہوئے تھے۔ وہیں ایک چور خانے میں ٹائم بم اور کچھ آتشی اسلحہ رکھے ہوئے تھے جو کسی ہنگامی حالت میں استعمال کرنے کے لیے تھے۔ اس نے اس میں سے ایک بڑی قوت کا ٹائم بم نکالا۔ اس بم کی اوپری سطح پر ایک گھڑی نما ڈائل تھا اور ایک سُرخ کانٹا نظر آرہا تھا۔ اس نے اس گھڑی میں آدھے گھنٹے کا وقت مقرر کردیا پھر اسے وہیں اسٹور روم میں ایک ریک کے اوپر رکھ دیا پھر میں اسے دفتری کمرے میں لے آیا۔ وہ ایک میز پر بیٹھ کر ایک کاغذ پر لکھنے لگا۔

"وہ آگئی ہے۔ اس وقت میرے سامنے مجسم موت بنی کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا حکم ہے کہ میں یہ خط لکھوں اور قریبی لیٹر بکس میں اسے ڈال آؤں تاکہ معلوم ہو کہ یہ بلا روکنے سے رُکنے والی نہیں ہے۔ یہ ہمارے بڑوں سے بڑوں تک بھی پہنچے گی اور اسی طرح موت کے کاغذ پر دستخط کرائے گی جس طرح ہمارے بڑے ایک بے گناہ کی موت کے لیے کاغذات پر دستخط کرا رہے ہیں۔ میں اپنی موت کے لیے اس کاغذ پر پہلا دستخط کررہا ہوں۔"

یہ موت جو میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں 'ٹھی اِز اے تھنڈر بولٹ فرام

دی بلو۔ (وہ نیلے آسمان سے لپکنے والی ایک بجلی ہے) فقط۔"
اتنا لکھ کر اس نے نیچے اپنے دستخط کر دیے۔ اس کاغذ کو تہہ کیا۔ اسے ایک لفافے میں رکھا اور اس پر پتا لکھنے لگا۔ اس کی سوچ نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہودیوں کو کسی اہم معاملے سے نمٹنا ہوتا ہے یا کسی طرح کی امداد حاصل کرنا ہوتی ہے تو وہ اپنے یہودی سرمایہ داروں سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ میں نے اس لفافے پر یہودی جے جے پارکر کا پتا لکھوا دیا۔ وہ وہاں سے نکلا۔ اپنے دفتر سے باہر آیا۔ اس نے تھوڑی دور جانے کے بعد اس لفافے کو ایک لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ پھر واپس آنے لگا۔ اس وقت تک سونیا کی گاڑی اس دفتر کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اس نے کار کو روک کر سر گھماتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ پھر اس کا ہال تنظیم کی برانچ کے سربراہ کو اسی دفتر کے آرام دہ کمرے میں میز پر لے جا کر سونے کے لیے لٹا دیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں پھر سو گیا۔

میں نے سونیا کو سوچ کے ذریعے وہ تمام باتیں بتادیں۔ اسے پتا چل گیا کہ میدان کس طرح ہموار کر دیا گیا ہے پھر میں نے کہا۔" کیا ضروری ہے کہ تم جاؤ۔ ہاتھا پائی کرو اور۔۔۔"

وہ میری بات کاٹ کر بولی۔" ہاتھا پائی کے بغیر میرا دل نہیں مانے گا۔ میں ان کی پٹائی کرنا چاہتی ہوں۔"

" تمھاری مرضی ہے ورنہ ایک ٹائم بم سے سبھی کا کام تمام ہو سکتا ہے۔"

وہ کار سے اُتر گئی پھر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس نے ریٹا کے باپ کو گریبان سے پکڑ کر کھینچا۔ اسے دھکا دیتی ہوئی دفتر کے اندر چلی گئی۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔" جلد ہی ان سے نمٹ لینا۔ صرف پچیس منٹ بلاسٹنگ کے لیے رہ گئے ہیں۔"

میں کار سے باہر آیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس دفتر کے سامنے والے کمرے میں پہنچ گیا اور ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا۔ سونیا اس وقت تک اس کمرے میں پہنچ گئی تھی جہاں وہ کا ہال تنظیم کی پیرس کی شاخ کا سربراہ اور اس کا نائب دونوں سو رہے تھے۔ اس نے ریٹا کے باپ کو ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر دوسری طرف گھما دیا۔ پھر اسے پیچھے سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے اُٹھایا۔ اپنے سر سے بلند کیا۔ اس کے بعد اس نے سونے والوں پر اسے پھینک دیا۔ جیسے دھماکہ ہوا ہو یا انھوں نے خواب میں کوئی ڈراؤنا منظر دیکھا ہو وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اُٹھے۔ انھیں کسی سے ٹکرانے کا احساس ہوا۔ پتا چلا واقعی کوئی ان سے آکر ٹکرا گیا ہے۔ سونیا نے سوئچ آن کر دیا۔ پہلے نیلی خواب آور ہلکی سی روشنی تھی۔ اب کمرہ پوری طرح روشن ہو گیا۔ انھوں نے اپنے سامنے کھڑی ہوئی ایک عورت کو دیکھ پھر ریٹا کے باپ کو دیکھ کر پوچھا۔" یہ کیا معاملہ ہے؟"

وہ بوڑھا خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔" یہ۔۔۔ یہ وہ سونیا ہیں۔"

وہ دونوں ہڑبڑا کر بستر پر کھڑے ہو گئے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ بے یقینی سے سونیا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں کمر پر رکھتے ہوئے بولی۔" کیا دیکھ رہے ہو؟ مجھے تلاش کر رہے تھے میں خود پہنچ گئی ہوں۔"

اس کی آواز سنتے ہی تنظیم کے سربراہ نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگائی لیکن نتیجہ ظاہر تھا۔ سونیا کوئی نادان تو نہیں تھی کہ اس کی چھلانگ کی زد میں آتی۔ وہ فرش پر آکر گر پڑا۔ میں اس کے نائب کے دماغ میں تھا۔ اس نے تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال لیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" فائرنگ کی آواز رات کے سناٹے میں دور تک جائے گی۔ کیوں نہ سائلنسر لگایا جائے؟"

وہ فوراً ہی دوڑتا ہوا ایک الماری کے پاس پہنچا۔ اسے کھول کر اس نے ایک دراز میں سے سائلنسر نکالا پھر اسے ریوالور کی نال پر فِٹ کرنے لگا۔ اس کام میں ایک منٹ سے کچھ کم وقت لگا اور اتنا وقت سونیا کے لیے بہت ہوتا ہے۔ جب اس نے ریوالور سے سونیا کو نشانہ بنانے کے لیے گھوم کر دیکھا تو اس کا ساتھی زخمی ہو کر زمین پر تڑپ رہا تھا۔ سونیا نظر نہیں آ رہی تھی ———— وہ نظر ہی نہیں آئی کیوں کہ اس نے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دو اس کی ٹھوڑی کے نیچے لے جا کر گردن دبوچ لی تھی۔ دوسرے سے اس ریوالور والے ہاتھ کی کلائی تھام لی تھی۔ اب وہ زور لگا رہا تھا۔ لڑنے اور ایک دوسرے کو شکست دینے کے دوران طاقت کام نہیں آتی تکنیک کام آتی ہے۔ وہ بے چارہ لڑنے کی تکنیک سے ناواقف تھا اس لیے اس کی گرفت میں پھڑپھڑا رہا تھا۔

سونیا نے اس کے ریوالور والے ہاتھ کو ریٹا کے باپ کی طرف کر دیا۔ وہ ہینڈز اَپ کے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر گڑگڑانے لگا۔" نن۔۔۔۔ نہیں۔ یہ گولی میری طرف چل جائے گی۔ پلیز مجھے یہاں سے جانے دو۔"

وہ گھوم کر جدھر گیا، ریوالور بھی اس طرف گھوم گیا۔ اس کے گھٹنے کانپنے لگے۔ وہ فرش پر جھک گیا گھٹنے ٹیک کر پھر عاجزی کرنے لگا۔ زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ اسی وقت گولی چل گئی۔ فائر کی آواز اس کمرے تک محدود رہی۔ سونیا نے گولی نہیں چلائی تھی۔ اس نے قتل نہیں کیا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا، اس کی انگلی ٹریگر پر دب گئی تھی۔

بوڑھا احسان فراموش ختم ہو گیا۔ وہ جو فرش پر پڑا ہوا تھا میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ وہ جان بوجھ کر زمین پر گر پڑا تھا تاکہ

پٹائی سے محفوظ رہے اور اس سے بچ نکلنے کی یا اسے زیر کرنے کی یا اسے ہلاک کرنے کی کوئی تدبیر کر سکے۔ جب سونیا اُدھر مصروف ہوئی تو وہ زمین پر رینگتا ہوا کمرے سے نکلا پھر دوڑتے ہوئے دفتر سے باہر جانے لگا۔ جیسے ہی بیرونی کمرے میں پہنچا، مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ بولا۔" تت۔۔۔۔ تم کون ہو۔ اگر ہمارے آدمی ہو تو دیکھو، سونیا یہاں پہنچ گئی ہے۔ ہمیں فوراً ہی کچھ کرنا چاہیے۔"

" جو کرنا ہے، وہ سونیا ہی کرے گی۔"

وہ سمجھ گیا کہ میں سونیا کا آدمی ہوں۔ اس نے فوراً ہی دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ ابھی وہ فضا میں بلند ہوا تھا۔ دروازے تک پہنچنے والا تھا کہ میں نے کراٹے کا ہاتھ اس کی ایک ٹانگ پر مارا۔ وہ بیچ ہی میں زخمی پرندے کی طرح اُڑان بھول کر گر پڑا۔ میں نے اس کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے کہا۔" تم لوگوں کے لیے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ سستا ہے لیکن ہم تمھارے قاتل نہیں بنیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، سونیا تمھیں ہلاک نہیں کرے گی۔ جاؤ واپس جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ چکرا کر گھومتا ہوا واپس دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ اس وقت تک سونیا اس کے نائب کو اسی طرح گرفت میں لیے ہوئے وہاں پہنچ گئی تھی۔ ریوالور کا رُخ سربراہ کی طرف تھا۔ یعنی نائب اپنے سربراہ کو جیسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ نہیں نہیں کے انداز میں ہلاتے ہوئے بولا۔" نہیں، مجھے معاف کر دو۔ دیکھو، گولی چل جائے گی۔"

" میں نہیں چلاؤں گی۔ تمھارا یہ ساتھی چلائے گا۔ میں نے اس سے کہا ہے، اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنے ساتھی کی زندگی سے کھیلو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کسے اپنی زندگی سے پیار ہے۔"

یہ کہہ کر سونیا نے ریوالور والے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر پہنچ گیا۔ وہ بولی۔" اب یہ خطرناک ہتھیار تم دونوں کے درمیان ہے۔ اب تم میں سے جو اپنی سلامتی چاہتا ہے، وہ دوسرے کی سلامتی سے کھیلے۔ میں تماشائی بن کر دیکھوں گی۔"

اس نے اس کے نائب کو چھوڑ دیا پھر اطمینان سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگی۔ وہ دونوں ہی ریوالور کی طرف لپکے۔ میں ان میں سے ایک کے دماغ میں تھا اور اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ ریوالور ہاتھ میں آتے ہی وہ سونیا کو نشانہ بنائے گا لیکن جب ریوالور ہاتھ میں آیا تو سونیا دروازے کے باہر جا چکی تھی اور وہ بند ہو چکا تھا۔ انھوں نے دروازے کے پاس آکر دیکھا تو وہ باہر سے بند تھا۔ ان میں سے ایک نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔" اب ہم اس بلا سے محفوظ ہیں۔"

اس کے سربراہ نے کہا۔" کیا بکواس کرتے ہو۔ ریوالور اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اسے زندہ نہیں جانے دینا چاہیے۔"

" اپنی جان کی فکر کرو۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا۔" سونیا! اب صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں، چلو۔"

ہم دونوں باہر آ گئے۔ جب کار میں بیٹھنے لگے تو سربراہ کی سوچ نے بتایا کہ وہ اپنے نائب کے ساتھ کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔ اس نے کھڑکی کے باہر ہاتھ نکال کر پہلے ہم میں سے کسی ایک کا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تک ہم کار کے اندر بیٹھ گئے تھے۔ اب وہ کار کے پہیے پر فائر کرنا چاہتا تھا لیکن میں اسے کیسے موقع دے سکتا تھا۔ سونیا نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے آگے بڑھا دیا۔ اس نے فائر کیا لیکن نشانہ خطا ہوا۔ اس کے بعد وہ دونوں دوڑتے ہوئے دروازے کے پاس آئے۔ ایک دروازہ تو سونیا نے باہر سے بند کیا تھا۔ دوسرے بیرونی دروازے کو ہم نے باہر نکلنے کے بعد بند کر دیا تھا۔ وہ دوسرے دروازوں سے نکل کر بیرونی دروازے کے پاس آئے اور جھنجلا گئے۔ اس کے نائب نے کہا۔" بلا ٹل گئی ہے۔ اسے جانے دو۔ اب وہ ہاتھ نہیں آئے گی۔ اتنا تو معلوم ہو گیا کہ وہ پیرس میں ہے۔"

اس کا سربراہ فوراً ہی پلٹ گیا۔ لپکتا ہوا دفتری کمرے میں پہنچا۔ وہاں سے ایک بڑا ٹرانسمیٹر نکال کر رابطہ قائم کرنے لگا۔ تین منٹ اور گزر گئے۔ چند سیکنڈ کے بعد رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا۔" ڈنبر! ابھی سونیا یہاں آئی تھی۔ ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے ریٹا کے باپ کو اس دفتر میں قتل کر دیا ہے۔ وہ چڑیل اپنے اصلی روپ میں نہیں ہے۔ میک اَپ میں ہے۔ کیا میں میک اَپ زدہ چہرے کا حلیہ بتاؤں۔ تم اسے یاد رکھو گے؟"

دوسری طرف سے ڈنبر کی آواز سنائی دی۔" باس! آپ تفصیل سے حلیہ بتائیں۔ میں یاد رکھنے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے اسے آگے کہنے نہیں دیا۔ اِدھر اس سربراہ کے دماغ پر قابض ہو کر ٹرانسمیٹر کو آف کرا دیا۔ اس کے نائب نے حیرانی سے پوچھا۔" آپ نے بات پوری کیوں نہیں کی۔ اُسے حلیہ بتائیے۔"

" اُس کا حلیہ کیسے بتاؤں۔ اس نے ہمارے درمیان ریوالور پھینک کر ہمیں ایک دوسرے کی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنے کے لیے کہا ہے۔ پہلے فیصلہ ہو گا۔ اس کے بعد ڈنبر سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ٹرانسمیٹر کو ایک طرف رکھ دیا پھر کمرے کی دوسری دیوار کی طرف پہنچ کر بولا۔" اب ہمارے درمیان کافی فاصلہ

ہے۔ یہ دیکھو، میں ریوالور درمیان میں پھینک رہا ہوں۔"

اس نے ریوالور کو پھینک دیا۔ وہ کمرے کے وسط میں آکر فرش پر گرا پھر اس نے کہا "اب ہم میں سے جو پہلے ریوالور تک پہنچے گا، وہ زندگی کا حقدار ہوگا اور خود زندہ رہنے کے لیے دوسرے کو ہلاک کرے گا۔"

نائب نے پریشان ہوکر کہا "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، آپ کیسی پاگل پن کی باتیں کر رہے ہیں۔ سونیا اب یہاں نہیں ہے۔ وہ دروازہ بند کر کے جاچکی ہے پھر یہ تماشا کیوں؟"

یہ سوال کرتے ہی اس نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہاں جاکر گرا پھر ریوالور کو لیتے ہوئے، رڑھکتے ہوئے دوسری طرف جاکر کھڑا ہوگیا۔ اپنے سربراہ کو نشانے پر لے کر بولا "شاید تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ اگر کوئی کتا پاگل ہوجائے تو اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ حفاظتی ہتھیار اپنے ہاتھ میں رکھا جائے، خواہ وہ پاگل کتا یہودی ہی کیوں نہ ہو۔"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔ یقیناً اپنی زندگی میں لوگ ایک دوسرے سے وفا کرتے ہیں، جیسے یہودی اپنے بھائیوں سے وفاداری کا ثبوت دیتے رہتے ہیں، لیکن جب اپنی جان پر بن آتی ہے تو دوسرے کو پاگل کتا قرار دے کر اپنی حفاظت لازمی سمجھتے ہیں۔ اس وقت یہی ہورہا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ وقت پورا ہوچکا تھا۔ اچانک ہی میں نے ان کے ذریعے ایک دھماکا سنا۔ پھر وہاں سناٹا چھاگیا۔ میں دماغی طور پر سونیا کے پاس واپس آگیا۔ وہ کہہ رہی تھی "ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اس کے باوجود میں دھماکے کی آواز سن رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا "یہ تم کہاں جارہی ہو؟"

"اس کار کو ہم پارکنگ میں چھوڑ دیں گے جہاں وہ شرابی تھا۔ اس کے بعد ہوٹل میں جاکر آرام سے سوئیں گے۔ صبح ہونے والی ہے۔"

میں نے سونیا کو یہ نہیں بتایا کہ ابھی ایک ڈنبر نامی خطرناک دشمن موجود ہے۔ اگر میں اسے بتادیتا تو وہ اُدھر چل پڑتی۔ میں نے کہا "ذرا لمبے راستے سے چلو۔ میں چاہتا ہوں، سونے سے پہلے ایک بار سجاد اور اعلیٰ بی بی کی خیریت معلوم کرلی جائے۔ اس کے بعد مرجانہ کے متعلق معلوم کروں گا پھر ہوٹل پہنچتے ہی ہم اطمینان سے سوجائیں گے۔"

اس نے راستہ بدل دیا تاکہ مجھے خیال خوانی کا موقع ملے۔ مرجانہ، اعلیٰ بی بی اور سجاد کی خیریت معلوم کرنا ضروری نہیں تھا۔ مجھے اطمینان تھا، انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہوگا اور مرجانہ نے پیرس پہنچنے کے لیے اپنا سفر شروع کردیا ہوگا۔ میں ڈنبر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ٹرانسمیٹر کو ایک طرف رکھ کر کرسی پر بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اچانک رابطہ ختم ہوگیا ہے۔ ہوسکتا ہے ٹرانسمیٹر میں کوئی خرابی ہوگئی ہو یا باس تھوڑی دیر بعد رابطہ کرنا چاہتے ہوں۔

جو لوگ کرائے کے قاتل ہوتے ہیں یا خطرناک تنظیموں کی کارروائیوں میں ملوث ہوتے ہیں، ان کے پاس خطرناک ہتھیار اور مختلف نوعیت کے بم وغیرہ ضرور ہوتے ہیں۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس کے پاس ایک معمولی قوت کا ٹائم بم رکھا ہوا ہے۔ قوت بس اتنی ہی ہے کہ کسی ایک شخص کو یا ایک گاڑی کو یا چھوٹے سے کمرے کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق میز پر جھک کر ایک کاغذ لکھنے لگا۔

"موت میرے سامنے کھڑی ہے۔ اس کا حکم ہے کہ میں موت کے کاغذ پر اپنے ہاتھوں سے اسی طرح دستخط کروں جس طرح ایک بے گناہ انسان کی موت کے کاغذات پر ہمارے بڑے دستخط کرا رہے ہیں۔

اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھ سے پہلے میرے بڑوں کے پاس پہنچ چکی ہے اور ان کا کام تمام ہوچکا ہے۔ اب میرے بعد وہ ہمارے بڑوں کے بڑوں تک پہنچے گی اور میرے تمام بڑے اسی طرح اپنی اپنی موت کے کاغذ پر دستخط کریں گے۔

میں اس کا نام نہیں بتا سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اسے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو۔"

اتنا لکھنے کے بعد اس نے نیچے اپنے دستخط کردیے۔ کاغذ کو پیپر ویٹ سے دبایا پھر وہاں سے چلتا ہوا ایک کمرے سے ٹائم بم نکال کر لے آیا۔ اسے لیے ہوئے اپنے مکان کے باہر آگیا۔ دور تک ویرانی، خاموشی اور سناٹا تھا۔ وہ گھر سے بہت دور ہونے کے بعد اس ٹائم بم کو آپریٹ کرنے لگا۔ میری ہدایت کے مطابق اس نے صرف بیس سیکنڈ کا وقت مقرر کیا۔ اس کے بعد اسے گھاس پر رکھ کر اس پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

ٹِک ٹِک، ٹِک ٹِک۔ اس ٹائم بم کا کانٹا ٹِک ٹِک کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا اور موت قریب آتی جارہی تھی۔ ایسا تو اکثر ہوتا ہے۔ موت آتی ہے اور لوگوں کو پتا نہیں چلتا۔ اسے بھی اس لیے پتا نہیں چلا کہ میں اس کے دماغ پر قابض تھا اور اسے وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں دے رہا تھا پھر وہ میری ٹیلی پیتھی کی گرفت سے نکل گیا۔ دھماکہ ہوتے ہی میں سونیا کے پاس حاضر ہوگیا تھا۔ اس نے پوچھا "صرف خیریت معلوم کرنے میں اتنی دیر؟"

میں کہنا چاہتا تھا کہ پارس کی بھی خیریت معلوم کرنے گیا تھا۔ پھر اچانک مجھے یاد آیا کہ میں نے جب سے سونیا پر تنویمی عمل کرنے کے بعد یہ حکم دیا تھا کہ وہ پارس کے متعلق سب کچھ بھول جائے گی، اس وقت سے اس نے پارس کا ذکر بھی میرے سامنے نہیں کیا تھا۔ تنویمی عمل کا اثر اب تک باقی تھا اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ اثر کب تک رہتا ہے۔ جب تک وہ پارس کے متعلق کوئی سوال نہیں کرے گی، اس وقت تک میں بھی اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ میں نے اس سے کہا "بھئی، کسی کی بھی خیریت معلوم کرنے میں ذرا دیر ہوجاتی ہے۔ تم تو ذرا ذرا سی بات کریدتی ہو۔ اسی لیے میں عورتوں سے دور بھاگنے لگا ہوں۔"

اس وقت تک وہ کار اسی پارکنگ ایریا میں پہنچ گئی تھی۔ ہم نے اسے وہیں چھوڑ دیا۔ چابی اسٹیئرنگ میں لگی رہنے دی پھر وہاں سے ہم پیدل چلتے ہوئے ہوٹل پہنچ گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک شخص ڈیوٹی پر تھا جس سے ہم نے ایک کمرہ رات گزارنے کے لیے لیا تھا۔ اس نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ پیرس رات کو جوان ہوتا ہے اور جوانوں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ کہاں گئے تھے اور کہاں سے آرہے ہیں۔ ہم اپنے کمرے میں آئے۔ دروازے کو بند کیا پھر میں نہایت اطمینان سے اپنے دماغ میں صبح نو بجے کا وقت مقرر کر کے سوگیا۔

ہم سوگئے لیکن دو دھماکوں کے بعد تقریباً آدھا پیرس جاگ گیا۔ فی زمانہ یہ شہر بہت ہی پُرامن ہے۔ یہاں لوگ کھاتے پیتے اور تفریح کرتے ہیں بلکہ پیرس کے باشندوں سے زیادہ بیرونی ممالک سے آنے والے سیاح عیش کرتے ہیں۔ وہ تھکے ہوئے دماغ اور بھری ہوئی جیبیں لے کر آتے ہیں اور اپنے ذہن کو سکون پہنچاتے ہیں۔ بہرحال جب یہ خبر عام ہوئی کہ ان دونوں دھماکوں کے نتیجے میں صرف یہودی مارے گئے ہیں اور ان کا ایک دفتر بھی تباہ کردیا گیا ہے تو سارے یہودی چونک گئے۔

جب کاہل تنظیم پر کوئی اُفتاد آپڑتی ہے یا وہ تنظیم کسی مسئلے سے دوچار ہوتی ہے تو اس شہر یا اس ملک کے تمام یہودی دانشور، سیاست داں اور سرمایہ دار اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے اُدھر دوڑ پڑتے ہیں۔ جے جے پارکر بھی اپنی نیند بھول کر، اپنا آرام چھوڑ کر جائے واردات پر پہنچ گیا۔ میں نے کاہل تنظیم کی برانچ کے سربراہ کے ذریعے اس کے نام جو خط پوسٹ کرایا تھا، وہ دوسرے دن اسے ملنے والا تھا لیکن ڈنبر کی موت جس مکان کے سامنے ہوئی تھی اس مکان کے ایک کمرے سے اس کا تحریر کردہ وہ خط مل گیا تھا۔ اسے سب نے پڑھا۔ جے جے پارکر نے بھی پڑھا اور سب یہ جانتے ہوئے بھی کہ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں سونیا کو تھنڈر بولٹ فرام دی بلو کہتی ہیں۔۔۔ اسے نظرانداز کر کے بحث کرنے لگے کہ آخر یہ کس کی حرکت ہے۔ وہ پولیس اور سی آئی ڈی کے سامنے کسی ثبوت کے بغیر سونیا کو الزام نہیں دے سکتے تھے۔ اگر اسے ان وارداتوں کی ذمے دار ٹھہراتے تو ڈنبر کے اس خط کا سلسلہ فرہاد علی تیمور سے جا ملتا کیوں کہ یہودی اسی بے گناہ کی موت کے لیے اس دُنیا کے بڑوں سے دستخط کراتے آرہے تھے۔ میں نے ڈنبر سے خط لکھاتے وقت اپنے متعلق کھُل کر ذکر نہیں کیا تھا۔ لہٰذا وہ تمام یہودی بھی کھُل کر سونیا کے خلاف بیان نہیں دے رہے تھے۔ وہ اس سے ذاتی طور پر نمٹنا چاہتے تھے۔ اس لیے قانون کے سامنے اس کا نام نہیں لے رہے تھے۔

صبح نو بجے ہم بیدار ہوگئے۔ میں نے کہا "تم باہر جاکر کہیں ناشتا کرلینا پھر فون کے ذریعے معلوم کرنا کہ جائٹ بروکر تمھارے ضروری کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ کس وقت دے گا اور کس طرح لین دین کرے گا۔"

"جائٹ بروکر نے کہا تھا کہ اب وہ براہِ راست ہم سے ملاقات نہیں کرے گا اور نہ ہی پاسپورٹ اور میرے کاغذات اپنے ہاتھوں سے میرے حوالے کرے گا۔ اس کے لیے وہ کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرے گا۔ بہرحال میں جاکر معلوم کرتی ہوں۔ تم کیا کروگے؟"

"میں ابھی آرام کروں گا۔"

"تمھارے آرام کے دوران خیال خوانی جاری رہتی ہے۔"

"کیا حرج ہے۔ سجاد اور اعلیٰ بی بی کے متعلق معلوم کروں گا۔ مرجانہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جارہی ہوں۔ مجھ سے رابطہ قائم کرتے رہنا۔" وہ جانے لگی پھر پلٹ کر بولی "ارے ہاں، یہ جو ہم نے پچھلی رات دھماکے کیے تھے، اس کا ردِعمل کیا ہوا؟"

میں نے ذرا خاموش رہ کر جے جے پارکر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس کے دماغ نے وہی بتایا جو ہمارے سونے کے دوران ہوتا رہا تھا۔ وہی باتیں میں نے سونیا کو بتادیں۔ وہ مسکراتے ہوئے چلی گئی۔ میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔

اسے جس بنگلے میں مہمان کے طور پر رکھا گیا تھا، اس بنگلے کے برآمدے میں وہ ایک نہایت ہی نفیس سوٹ پہنے کھڑا ہوا تھا۔ دور اعلیٰ بی بی نظر آرہی تھی۔ وہ جیسن ہاورڈ اور دوسرے یہودی اکابرین کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسی کی طرف آرہی تھی۔ دور دور تک مسلح فوجیوں کا پہرہ تھا۔ کسی عام شہری کو اُدھر سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بنگلے کے قریب پہنچتے ہی اعلیٰ بی بی رُک گئی۔ اس کے ساتھ سب رُک گئے۔ اب وہ سجاد کو ہی فرہاد علی تیمور سمجھ رہی تھی اس لیے اسے رحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ [illegible] دل، اس کا دماغ اس کی طرف کھنچا جارہا تھا۔ یہی حال سجاد کا تھا۔ وہ بحیثیت فرہاد علی تیمور اعلیٰ بی بی کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے ابھی اس

کا ہاتھ پکڑ کر کھینچے گا اور دل میں بٹھا لے گا۔

دونوں ہی ایک عرصے کے بچھڑے ہوئے تھے پھر اچانک اعلیٰ بی بی وہاں سے دوڑتی ہوئی سجاد کی طرف لپکی۔ دوسرے لوگ آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگے۔ انھیں اطمینان تھا کہ یہ دونوں فرار نہیں ہوسکیں گے اور وہ فرار ہونے کی حماقت کر بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے قریب پہنچتے ہی سجاد نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر اسے کھینچتا ہوا برآمدے سے گزرتا ہوا، دروازے سے گزرتا ہوا کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے برآمدے میں پہنچے۔ پہلے تو انھوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر جیسن ہارورڈ نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی! ہم یہ کیوں بھولتے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔ ان کے ہاں پردہ لازمی ہے۔ کیا سمجھے؟"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ مذاق اُڑانے لگے۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ ابھی ان دونوں کے پاس پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سوچا، ذرا مرجانہ کی خبر لوں پھر خیال آیا، وہ اپنے دماغ میں مجھے محسوس کرلیتی ہے۔ بلیا بھی سانس روک لیتا ہے۔ ایک دن پہلے جب میں نے ان کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں تو ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا کیوں کہ وہ زخموں سے چُور تھے۔ وہ اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی دماغی طور پر کمزور تھے۔ میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکے تھے۔ اب ان کے زخم بڑی حد تک بھر رہے ہوں گے اور وہ دماغی طور پر خود کو تندرست اور توانا محسوس کرتے ہوں گے۔ اس لیے میرا ان کے پاس پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ میں سائرہ بانو کے ذریعے معلوم کرسکتا تھا کہ مرجانہ مہذب دُنیا میں پہنچ گئی ہے یا نہیں لیکن میرا سابقہ تجربہ یہ ہے کہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے دماغ میں پہنچتے رہو تو مصروفیات بڑھتی جاتی ہیں۔ مسائل گھیرتے رہتے ہیں، اس لیے میں نے ارادہ ترک کردیا۔

ذرا دیر ہوچکی تھی۔ اس لیے مَیں سجاد اور اعلیٰ بی بی کی خبر لینے کے لیے جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک وہ باہر آچکے تھے اور اب وہ سب ایک بڑے سے سٹِنگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ جیسن ہارورڈ کہہ رہا تھا "مسٹر فرہاد! ہم نے اعلیٰ بی بی کو آپ کے پاس بڑی حفاظت سے پہنچا دیا ہے۔ ہم چاہتے تو ہمارا کوئی عام فوجی انھیں اپنی حفاظت میں یہاں تک لے آتا لیکن ... آپ کی عزت کرتے ہیں اس لیے خود چل کر آئے ... ہمارے مہمان رہیں گے، ہم آپ دونوں کو اپنی ... کا یقین دلاتے رہیں گے۔"

... نے پوچھا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ سے کبھی دوستانہ انداز کا سلوک ... گیا اور کبھی دشمنوں کے سے انداز میں۔ آخر کیوں؟"

جیسن ہارورڈ نے اپنی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "ہمارے چند نااہل لوگوں کی حماقت سے ایسا ہوا۔ آپ کو ہر پنجرے میں قید رہنا پڑا۔ اس کے لیے ہم نہایت شرمندہ ہیں۔ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی۔ ہم کسی مہلک ہتھیار سے ایک دوسرے کا دل نہیں جیت سکتے بلکہ اسی ہتھیار سے ایک دوسرے کو زیر کرسکتے ہیں۔ نفرت بڑھا سکتے ہیں۔ صرف محبت ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے دل جیتے جاسکتے ہیں اور ہماری کوشش یہی ہے۔ آپ سے بھی گزارش ہے کہ آپ اسی انداز میں ہمارے متعلق غور فرمائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم محبت کی آنکھوں سے دشمنی کو نہیں، صرف دوستی کو دیکھ سکتے ہیں اور جب دوستی ہوگی تو دشمنی آپ ہی آپ ختم ہوجائے گی۔ آپ خود ہی سوچیں، دشمنی سے بھی کیا۔ کچھ نہیں۔ آپ ... طور پر شرائط پیش کریں۔ ہم بلاچون وچرا انھیں تسلیم کرلیں گے۔ ... کے لیے ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں ہوگی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھ گیا پھر کہنے لگا "آپ لوگ کافی دنوں کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، اس لیے ہم پھر کبھی آئیں گے۔ اجازت دیجیے۔"

وہ باری باری مصافحہ کرکے وہاں سے رخصت ہوگئے۔ ... کے جانے کے بعد سجاد نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ اعلیٰ بی بی اس کے پاس چلی آئی۔ سجاد ایک بڑے سے صوفے پر آرام سے بیٹھ کر بولا "پتا نہیں کیوں؟ یہ یہودی پہلے جیسے دشمن نظر نہیں آرہے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے سوچنے کے انداز میں کہا "میں بھی جب سے یہاں آئی ہوں، یہی محسوس کر رہی ہوں، یہ دوستی کے قابل ہیں مگر ... نہیں مانتا۔ سوچتی ہوں اگر یہ دوستی کے قابل ہیں تو اب تک ہم سے دشمنی کیوں کرتے رہے ہیں؟"

سجاد نے کہا "شاید اس لیے کہ ان یہودیوں کو کبھی اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب مل رہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور انسانوں کی طرح کبھی غلطیاں کرتے ہیں اور کبھی اپنی غلطیوں پر پچھتا کر ان کی تلافی کرتے ہیں۔"

سجاد اور اعلیٰ بی بی کی باتیں سُن کر مجھے حیرانی نہیں ہوئی۔ ... رات ہی میں نے ان دونوں کے خوابیدہ دماغ سے معلوم کرلیا تھا ... ربی اسفندیار نے ان کے دماغ میں محبت کا فلسفہ ٹھونس دیا ... اور ان کے اندر یہ بات بٹھادی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ یہودیوں سے دوستی کرنے لگیں گے۔

ایسی ہی باتوں کے دوران اعلیٰ بی بی اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ اس کمرے کو چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگی۔ کبھی دیواروں کو، کبھی چھت کو۔ سجاد نے پوچھا "کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یونہی خیال گزرا، شاید ہماری باتیں سُننے کے لیے خفیہ مائک نصب کیے گئے ہوں۔"

"تم سے پہلے میں اچھی طرح چھتوں اور دیواروں کو دیکھ چکا ہوں۔ ایک ایک چیز کو کسی نہ کسی بہانے سے اُلٹ پلٹ کرتا رہا ہوں لیکن مجھے کہیں کوئی خفیہ مائک نظر نہیں آیا۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہے کہ وہ ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ ہمارے ذاتی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں۔ ہمیں ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے۔"

"اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر آہستگی سے بولی "میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں، جب میں پیرس سے یہاں آنے کے لیے روانہ ہو رہی تھی تو اس سے کچھ دیر پہلے مجھے اپنے دماغ میں یوں محسوس ہوا جیسے انجانی سوچ کی لہریں ہوں۔ میں ایک دم سے خوش ہوگئی۔ میں نے سوچا، شاید تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں کسی حد تک باقی ہیں اور تم چپ چاپ مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہو۔ میں بہت دیر تک انتظار کرتی رہی لیکن تم نے مجھے مخاطب نہیں کیا۔ میرے دماغ میں خاموشی ہی رہی۔ مَیں اپنے طور پر سوچتی رہی۔"

اعلیٰ بی بی کی باتیں سن کر مجھے یاد آیا۔ جب وہ تل ابیب جانے اور سجاد سے ملنے پیرس سے روانہ ہو رہی تھی تو اس سے پہلے رات کو میں نے اس پر تنویمی عمل کیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بٹھادی تھی کہ سجاد ہی فرہاد علی تیمور ہے اور اس دنیا میں کسی اور سجاد علی تیمور کا وجود نہیں ہے، اس لیے وہ سجاد کو دل وجان سے فرہاد سمجھ کر تسلیم کر رہی تھی لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ جب وہ پیرس سے روانہ ہونے والی تھی تو میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا۔ کچھ معلومات حاصل کی تھیں اور یہ بھول گیا تھا کہ اعلیٰ بی بی اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتی ہے۔ بہرحال مجھ سے یہ غلطی ہوچکی تھی۔ میں پھر اعلیٰ بی بی اور سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تم نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا تو اپنے دماغ میں میری کوئی بات بھی سُنی تھی؟"

"نہیں، کوئی بات نہیں۔ مَیں اپنے ہی طور پر سوچتی رہی تھی۔"

"یہ تمھارا وہم ہوگا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں، جب سے تمھیں اغوا کیا گیا ہے میں ہر لمحہ اسی انتظار میں رہی کہ شاید تم مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرو، میں اچھی طرح جانتی ہوں، تم نے سونیا کو بھی میری خاطر نظر انداز کردیا۔ اس سے چھپتے ہو لیکن مجھ سے کبھی نہیں چھپتے۔ اگر خیال خوانی کی صلاحیت سلامت ہوگی تو یقیناً مجھ سے رابطہ قائم کرو گے اسی لیے میں کام کرتے کرتے کبھی کھاتے کھاتے کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے اچانک ساکت ہوجاتی تھی اور محسوس کرتی تھی جیسے تم میرے دماغ میں پہنچ گئے ہو۔"

سجاد نے ہنستے ہوئے کہا "محبوب کا انتظار بہت زیادہ شدت اختیار کرلے اور وہ نہ آئے تو اس کا تصور نگاہوں کے سامنے یوں مجسم ہوجاتا ہے جیسے وہ آگیا ہو۔ اسی طرح تم دماغ میں میرا انتظار کرتے کرتے یوں محسوس کرنے لگی ہو جیسے میں تمھارے دماغ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا کہ میرا وہم ہے۔ کیا واقعی تم ایک ذرا خیال خوانی نہیں کرسکتے؟ چلو، بہت زیادہ فاصلہ نہ سہی۔ میں تمھارے بالکل قریب ہوں۔ کیا اتنے قریب سے بھی میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے؟"

"میں کوشش کرچکا ہوں۔ دیکھو ابھی میں آنکھیں بند کرتا ہوں اور تمھارے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے یہ کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ پلتھی مار کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ بڑی گہرائی سے اعلیٰ بی بی کا تصور کیا پھر آنکھیں کھول دیں اور بولا "جب تم میرے سامنے ہو تو تصور کی کیا ضرورت ہے۔ میری آنکھوں میں دیکھو۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی اور وہ اس کی آنکھوں میں اُترنے لگا۔ تصور کرنے لگا کہ وہ آنکھوں کے راستے دماغ میں پہنچ رہا ہے۔ اگر وہ فرہاد ہوتا تب بھی بھولا ہوا سبق دُہرا نہ سکتا کیوں کہ دماغ کو کمزور بنادیا گیا تھا۔ ویسے دماغ خواہ کتنا ہی کمزور ہو، محبت کے معاملے میں کمزور نہیں ہوتا۔ عشق کیا ہے، خلل ہے دماغ کا۔ یہودیوں نے اس کے دماغ میں خلل پیدا کردیا تھا۔ ان حالات میں ثابت ہو رہا تھا کہ عشق ٹیلی پیتھی سے زیادہ پائیدار ہے۔ کسی حال میں آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے اور دماغوں میں پہنچنے کے بجائے دلوں میں پہنچتے جارہے تھے۔

میں فوراً ہی اپنی جگہ واپس آگیا۔ سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "کوئی پرابلم نہیں ہے۔ اس وقت میں تمھارے قریب ہی فائیولی کے علاقے میں دریا کے کنارے ایک اوپن ریستوران میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ وھائٹ برود کرنے مجھے یہیں انتظار کرنے کے لیے کہا ہے۔ میز کا نمبر بھی یہی بتایا ہے۔ دیکھتی ہوں، میرے ضروری کاغذات لے کر کون آرہا ہے۔ وھائٹ برود کر کے کہنے کے مطابق میں باقی رقم اسی شخص کو ادا کردوں گی جو مجھے کاغذات دے گا۔ ویسے تم کیا کر رہے ہو؟"

"بس یونہی بیٹھا ہوا ہوں۔ سوچ رہا تھا، اگر وھائٹ برود کر سے نمٹ لیا جائے۔ تمھارے تمام کاغذات مل جائیں تو پھر ہم بے جے بارکہ سے رابطہ قائم کرکے اس کے بنگلے میں چلے جائیں گے۔ نیہر روم میں سپر ماسٹر، ماسک مین اور جیسن ہارورڈ ملاقات کرنے والے ہیں۔ اس سے پہلے ہمیں اس بنگلے میں پہنچ کر ہر طرف سے مطمئن ہوجانا چاہیے تاکہ میں اطمینان سے ان کے پاس پہنچ سکوں۔"

"ایسا ہی ہوگا"

سونیا نے اپنے سر کو اٹھایا پھر سامنے کسی کو پایا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی، کوئی شخص اس کی میز کے دوسری طرف آکر کھڑا ہوگیا ہے اور مسکرا رہا ہے پھر مجھے اس شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا "کیا میں اتنا خوش قسمت ہوں کہ آپ کے سامنے بیٹھ سکوں"

سونیا نے کہا "مجھے اپنے ایک ساتھی کا انتظار ہے"

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا "شاید وہ ساتھی میں ہی ہوں۔ اگر میں خود کو ڈھائٹ بروکر کہوں تو تم مجھ کو اپنا نام کیا بتاؤ گی؟"

"سلطانہ"

"میرے پاس مس سلطانہ کی کچھ امانت ہے۔ اس امانت کے صلے میں مجھے کیا ملے گا؟"

"وھائٹ بروکر سے کوئی معقول رقم طے نہیں ہوئی ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا، میرا کام خاطر خواہ ہوگا تو اسے خوش کر دوں گی۔ ایڈوانس کی رقم بھی اچھی خاصی دی ہے۔ شاید ہی اتنی رقم کوئی مکمل طور پر ادا کرتا ہوگا"

"آپ درست کہہ رہی ہیں۔ میں مطمئن ہوگیا ہوں"

"اور کسی طرح اطمینان کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں، آپ کے پاس آکر بیٹھنے سے پہلے میں دیر سے آپ کو دیکھ رہا تھا اور اندازہ لگا رہا تھا کہ کہیں خفیہ پولیس کے آدمی تو آپ کے ساتھ نہیں ہیں"

وہ مسکرا کر بولی "میں نے پہلے بھی وھائٹ بروکر کو یقین دلایا تھا، میں یہاں تنہا ہوں۔ میرا ایک ساتھی ہے جو اس وقت کہیں گیا ہوا ہے"

اس نے اپنے چرمی بیگ سے پہلے پاسپورٹ نکال کر سونیا کی طرف بڑھایا۔ سونیا اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ مکمل پاسپورٹ تھا۔ کسی طرح کی کوئی خامی یا کمی نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بیگ میں سے وہ کاغذات نکالے جو کچھ پرانے تھے اور اصلی سلطانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مطابق سونیا بحیثیت سلطانہ، جمال پاشا کی منکوحہ تھی۔ جمال پاشا کو فرانس کی شہریت حاصل تھی، اس کی رو سے سلطانہ کو بھی وہاں کی شہریت حاصل ہوگئی تھی یعنی تمام کاغذات اپنی جگہ مکمل تھے۔ کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا۔ میں نے کہا "میں تمھارے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ذہن کو پڑھ چکا ہوں۔ وہ وھائٹ بروکر کے پاس سے ہی آیا ہے اور وہ کاغذات درست ہیں۔ اسے رقم ادا کر دو"

اس نے اپنے پرس میں سے ایک ہزار ڈالر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے اسے دیکھا۔ گنا پھر پوچھا "صرف ایک ہزار؟"

"وھائٹ بروکر سے پوچھ لو کہ میں کتنی رقم ادا کر چکی ہوں۔ اگر وہ کچھ اور چاہتا ہے تو میں بحث نہیں کروں گی"

"اگر آپ پانچ سو ڈالر اور دے دیتیں . . ."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اس نے پرس میں ہاتھ ڈال کر سو سو ڈالر کے پانچ نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نوٹوں کو چرمی بیگ میں رکھا پھر اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلا گیا۔ سونیا نے کہا "میں یہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل کے سامنے پہنچ رہی ہوں۔ تم وہ کمرہ چھوڑ دو اور باہر آجاؤ پھر ہم اپنی ضروریات کی چیزیں خریدنے کے لیے جائیں گے، ہمارے پاس کوئی دوسرا لباس نہیں ہے اور بھی ضرورت کی چیزیں درکار ہیں"

میں نے وہ کمرہ چھوڑ دیا۔ کاؤنٹر پر آکر اطلاع دے دی کر جا رہا ہوں۔ ادائیگی پہلے ہی ہو چکی تھی۔ میں ہوٹل کے باہر آگیا۔ دو منٹ کے بعد ہی سونیا کی ٹیکسی میرے سامنے آکر رکی۔ میں اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سونیا نے ڈرائیور سے کہا "بولیوارڈ ... چلو"

ٹیکسی چل پڑی۔ میں نے پوچھا "تم نے کہاں چلنے کے لیے کہا ہے؟"

"یہ ایک جگہ کا نام ہے، وہاں ایک بہت بڑا ڈیپارٹمنٹل اسٹور 'گیلیریز لے فیٹ' ہے۔ ہم ضرورت کی ہر چیز ایک جگہ سے خرید سکیں گے"

تھوڑی دیر بعد ہم وہاں پہنچ گئے، واقعی بہت بڑا ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا۔ جو لوگ فرانسیسی زبان نہیں جانتے تھے، ان کے لیے میزبان خواتین خدمات کے لیے موجود تھیں۔ وہ ان کی رہنمائی کر رہی تھیں۔ ایک میزبان خاتون ہمارے ساتھ ہوگئی اور ہم اپنی ضرورت کے لباس پسند کرنے اور خریدنے لگے۔ سونیا نے وہیں سے ٹیلیفون کے ذریعے جے، جے پارکر سے رابطہ قائم کیا۔ جب رابطہ قائم ہوگیا تو اس نے کہا "ہم اس وقت گیلیریز لے فیٹ میں ہیں۔ ایک گھنٹے کے بعد یہاں سے نکلیں گے۔ کیا آپ ایک کار بھیج سکتے ہیں تاکہ ہم آپ کے اس بنگلے میں بآسانی پہنچ سکیں"

"ضرور، میں تمھارے ہی فون کا انتظار کر رہا تھا۔ ابھی کار بھیج رہا ہوں۔ کار سرخ رنگ کی ہے۔ اس کا ڈرائیور سفید وردی میں ہوگا۔ کار کا نمبر نوٹ کر دو"

اس نے نمبر بتایا۔ ہم نے اسے ذہن نشین کر لیا پھر خریداری میں مصروف ہو گئے۔ پندرہ منٹ کے بعد ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی انتظامیہ کی طرف سے مائک کے ذریعے اعلان ہونے لگا "اٹینشن پلیز، ... دن از آسکنگ فار مس سلطانہ (توجہ فرمائیں۔ کوئی مس سلطانہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے) اگر مس سلطانہ ہمارے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں موجود ہیں تو وہ کاؤنٹر نمبر چار پر تشریف لے آئیں"

میں نے اور سونیا نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر سونیا نے پوچھا "مجھ سے یہاں کون ملنے آسکتا ہے؟"

میں نے فوراً ہی جمال پاشا کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ شبہ تھا کہ اسے پیرس میں سلطانہ کی موجودگی کا شاید علم ہوگیا ہے لیکن وہ ہم سے بے خبر تھا پھر میں نے وھائٹ بروکر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بھی ہم سے لاتعلق ہوگیا تھا۔ اس کا معاوضہ اسے توقع سے زیادہ مل گیا تھا۔ آخر میں نے جے، جے پارکر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتا چلا، اس نے اپنے ڈرائیور کے ذریعے کوئی پیغام بھیجا ہے اور اس کا ڈرائیور سونیا کو پوچھ رہا ہے۔ میں نے سونیا کو بتایا تو وہ فوراً ہی کاؤنٹر نمبر چار پر پہنچی۔ وہاں جب اس نے بتایا کہ میرا نام سلطانہ ہے تو یہ نام سنتے ہی سفید وردی میں ملبوس ایک ڈرائیور نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا "مسٹر جے، جے پارکر کا پیغام آپ کے نام ہے۔ وہ فرما رہے تھے، اگر ایک گھنٹے بعد آپ یہاں سے فارغ ہو جائیں تو میرے ساتھ ان کی رہائش گاہ تشریف لے چلیں۔ وہ آپ کے ساتھ لنچ کرنا چاہتے ہیں"

سونیا نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا "میں جے، جے پارکر کے دماغ میں جھانک کر دیکھ چکا ہوں۔ اسے ہمارے متعلق کسی طرح کا شبہ نہیں ہے۔ وہ تمھاری صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہے، اس لیے تمھارے ساتھ لنچ کرنا چاہتا ہے"

سونیا نے ڈرائیور سے کہا "اچھی بات ہے، انتظار کرو۔ ہم تھوڑی دیر میں آرہے ہیں"

وہ چلا گیا۔ سونیا میرے پاس آگئی۔ ہم پھر خریداری میں مصروف ہوگئے۔ ایک گھنٹے بعد جب اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے نکلے تو ہمارے ہاتھوں میں دو بڑے بڑے سوٹ کیس تھے جن میں ہماری ضروریات کا تمام سامان موجود تھا۔ میرے جسم پر ایک نہایت ہی عمدہ، دیدہ زیب اور مہنگا سوٹ تھا۔ سونیا نے ترکی کا ایک قدیم روایتی لباس پہنا ہوا تھا، وہ لباس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سات رنگوں کا گھیرے دار پیٹی کوٹ ایسا تھا کہ جب وہ چلتی تھی تو وہ گھیرے لہرا لہرا کر ادھر سے ادھر ہوتے تھے اور رنگ بدلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ اس نے ایک بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ وہ بھی دیدہ زیب تھا۔ سر پر ایک بڑا سا رومال بندھا ہوا تھا جس کی گرہ دائیں کان کی طرف تھی۔ پیشانی پر رومال کے سرے پر رنگ برنگے موتی جگمگا رہے تھے۔ گلے میں سات لڑیوں کی مالا پہنے ہوئے تھی۔ ان میں بھی موتی جگ مگ، جگ مگ کر رہے تھے۔ کلائی سے کہنیوں تک کنگن اور چوڑیاں بھری ہوئی تھیں، دو انگوٹھوں کو چھوڑ کر باقی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں جن کے نگینے چمک رہے تھے۔ اسٹور کے باہر روشنی میں آکر وہ سر سے پاؤں تک جگمگا رہی تھی۔ گزرنے والے اسے پرستائش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کئی لوگ تو اسے دیکھنے کے لیے ٹھہر بھی گئے تھے۔ ہم بڑی بے نیازی سے چلتے ہوئے اپنی کار کے پاس آئے۔ ڈرائیور نے ڈگی کھول کر ہمارے دونوں سوٹ کیس رکھ دیے۔ ہم پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔

ضرورت کی مختلف چیزوں اور کپڑوں کے علاوہ ترکی زبان سیکھنے کے لیے ایک کتاب اور چار کیسٹ اور ایک کیسٹ ریکارڈر بھی خریدا تھا تاکہ کتاب سے الفاظ یاد کر سکے اور کیسٹ کے ذریعے لہجہ اور تلفظ معلوم کر سکے۔ اس نے میرے لیے بھی عبرانی زبان سیکھنے کی کتابیں اور کچھ کیسٹ خرید لیے تھے۔ میں نے کار میں بیٹھنے کے بعد سوچ کے ذریعے کہا "یہ چیزیں تم نے خرید لی ہیں۔ فرض کرو، جے، جے پارکر یا اس کا کوئی آدمی ان کیسٹوں کو دیکھ لے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرے گا؟ تم بچپن سے ترکی میں رہی ہو۔ یقیناً تمھیں وہاں کی زبان اچھی طرح آنا چاہیے پھر یہ کتابیں اور یہ کیسٹ کیا معنی رکھتے ہیں؟"

"میں حتی الامکان انھیں چھپائے رکھوں گی۔ جب میں ترکی کی ایک سلطانہ بن ہی چکی ہوں تو مجھے یہ زبان جلد سے جلد سیکھنا چاہیے۔ تم عبرانی زبان سمجھنے لگے ہو۔ اب کیسٹ کے ذریعے اس کے تلفظ اور ادائیگی پر توجہ دو۔ اس طرح تم کسی بھی عبرانی زبان بولنے والے کے دماغ میں پہنچ کر اس کے لب و لہجے کی کامیاب نقل کر سکو گے"

میں قائل ہو کر چپ ہوگیا۔ حالانکہ مجھے قائل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ہر دم یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ اگر یہ کیسٹ اور کتابیں پکڑی جائیں گی تو ہمارا بھید کھل جائے گا۔ اگر نہ بھی کھلے تو ہم پر اعتماد کرنے والے جے، جے پارکر یا اس کے آدمی ہم پر کسی حد شبہ ضرور کرنے لگیں گے۔

مجھے اطمینان صرف اس حد تک تھا کہ یہ تمام چیزیں سونیا کی تحویل میں تھیں اور جو چیز اس کی تحویل میں ہو دشمن وہاں تک مشکل ہی سے پہنچ پاتے ہیں۔ بہر حال ہم جے، جے پارکر کی رہائش گاہ میں پہنچ گئے۔ کیا عالیشان بنگلا تھا۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ کار کی آواز سن کر وہ خود ہی باہر چلا آیا۔ جب اس نے سونیا کو دیکھا تو ذرا دیر تک اسے حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا پھر اس نے دونوں بازو پھیلا کر کہا "واہ، کیا تعریف کروں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں قدیم ترکی کی کسی شہزادی کو دیکھ رہا ہوں۔ سچ پوچھو تو اس وقت تم پر بری طرح دل آگیا ہے۔ جی چاہتا ہے، مسٹر ایزل ہارڈی سے تمھیں چھین لوں"

سونیا چوکنے والی نہیں تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "جو شخص میرے لیے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان بن گیا، اس سے مجھے کوئی نہیں چھین سکے گا اور نہ ہی میں آخری سانس تک اسے

چھوڑنا چاہوں گی۔ کیا جس پر دل آجائے اس کی خاطر آپ یہودی سے مسلمان بن سکتے ہیں؟"

اس یہودی نے ہچکچاتے ہوئے کہا "بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آؤ، بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ کھانے کے دوران باتیں ہوں گی۔"

ہم اس کے ساتھ بنگلے میں داخل ہوئے۔ وہاں کی ہر چیز قابلِ دید تھی۔ واقعی یہودی بڑے دولت مند ہوتے ہیں اور اپنی رہائش گاہوں کو قیمتی چیزوں سے سجا بنا کر رکھتے ہیں۔ ہم ڈائننگ روم میں پہنچ گئے۔ جے جے پارکر کے بلانے پر ملازم آتے تھے اور اپنی خدمات انجام دے کر چلے جاتے تھے۔ اس نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا "مس سلطانہ! مجھے افسوس ہے کہ میں نے مسٹر ایزل ہارڈی کے سلسلے میں ابھی تک معلومات حاصل کرنے کا کوئی سلسلہ شروع نہیں کیا ہے۔ اچانک میری مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔"

میں جانتا تھا کہ وہ مصروفیات کیا ہو سکتی ہیں۔ انجان بن کر پوچھا "کیا کوئی مسئلہ درپیش ہے؟"

"ہاں، کل رات، شاید تم لوگوں نے نہیں سُنا۔ سو رہے ہو گے۔ دو زبردست دھماکے ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ہماری یہودی تنظیم کا ایک بہت بڑا دفتر تباہ ہو گیا اور ہمارے چند خاص آدمی مارے گئے ہیں۔"

سونیا نے کہا "ہمیں یہ سُن کر بہت افسوس ہو رہا ہے۔"

وہ فوراً مسکرا کر بولا "اوہ! تو مجھے ایک میزبان کی حیثیت سے اپنے مہمانوں کے سامنے کسی افسوسناک واردات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔"

"اس میں بھول کی کیا بات ہے۔ ہمیں یہ سُن کر تجسس پیدا ہو گیا ہے، ایسے کون سے دشمن آپ لوگوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ آپ کو اتنے بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔"

"ہمارے ہزاروں دشمن ہیں۔ کچھ دیکھے، کچھ ان دیکھے دشمن ہیں۔"

سونیا نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا "یہ ان دیکھے دشمن سے کیا مُراد ہے؟"

"کیا بتایا جائے۔ ایک وقت تھا، جب فرہاد علی تیمور ہمارے لیے دردِ سر بنا ہوا تھا۔ آج وہ ہمارا قیدی بنا ہوا ہے لیکن اس کی ایک ساتھی سونیا نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔"

مجھے ہنسی آنے لگی لیکن میں نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا ایک عورت نے پریشان کر رکھا ہے؟"

"وہ عورت نہیں، چڑیل ہے۔ جب وہ کسی کے پیچھے پڑ جاتی ہے تو سامنے والے کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کالی بَلا کہتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ آپ یہودی حضرات دنیا ذر... مالک ہیں۔ دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آپ... کی تجارتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں دنیا کے... بڑے سیاسی مُہرے ہیں اور آپ ایک عورت سے پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا وہ اسی شہر میں ہے؟"

"ہمیں شُبہ تھا کہ وہ اس شہر سے جا چکی ہے اور اسرائیل... والی ہے لیکن کل رات کے دو دھماکوں سے واضح ہو گیا ہے کہ... اسی شہر میں ہے۔"

"پھر تو آسان سی بات ہے۔ اس شہر کی ناکہ بندی کر دیں... کہیں نہیں جا سکے گی۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "آخر آپ دو دھماکوں سے کیسے سمجھ گئے... یہ کام اسی کالی بَلا کا ہے۔"

"جہاں اس نے دھماکے کیے ہیں، وہاں ہمارے ایک آد... مرنے سے پہلے ایک خط لکھا ہے۔ خط لکھنے والا اتنا دہشت... تھا کہ اس کا نام نہیں لکھ سکتا تھا۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں ا... آسمان سے چمکنے والی بجلی کہتے ہیں کیوں کہ جب بھی وہ دھاوا بو... تو یوں لگتا ہے جیسے زمین کے کسی حصّے سے نہیں آئی ہے۔ آس... سے دشمنوں پر گری ہے۔"

ہم کھانے کے دوران اس کی باتیں سُن رہے تھے۔ ا... ذرا دیر بعد کہا "مس سلطانہ! کیا تم اس سلسلے میں ہماری کچھ... کر سکتی ہو؟"

میں نے اور سونیا نے چونک کر اسے دیکھا۔ سونیا نے... "میں اس سلسلے میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"بہت کچھ کر سکتی ہو۔ دیکھو، تم نے اپنی سماعتی قوتوں کا... حیرت انگیز مظاہرہ کیا ہے۔ میں ایک کمرے کے گوشے میں... سرگوشی کر رہا تھا اور تم نے وہ بات دور رہ کر سُن لی۔ اسی طر... چوتھے فلور سے باقی دوسرے تمام فلور میں اپنے آدمیوں کو خد... ٹرانسمیٹر کے ذریعے بہت ہی دھیمی آواز میں گائیڈ کر رہے ... تم نے اس دھیمی سی آواز کو بھی سُن لیا۔ تمھاری سُننے کی قوت... حساس ہے کہ ہم تمھیں سونیا کی آواز سُنائیں تو۔ . . ."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے سونیا نے کرسی پر... بدلتے ہوئے، مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اوہ! میں سمجھ... آپ چاہتے ہیں کہ میں سونیا کی آواز کے ذریعے اس کا سراغ ... کہ وہ کہاں ہے؟"

"بےشک۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ اگر وہ کبھی تمھارے قریب... یا چالیس پچاس گز کے فاصلے پر باتیں کرتے ہوئے گزرے...

تم اس کی آواز سن لو گی۔ اس کی آواز کی سمت کا تعین بھی کر سکو گی۔ پھر تم مسٹر ایزل ہارڈی کے ساتھ مل کر اس کا تعاقب کرو اور ہمیں اس کے متعلق اطلاع دے سکو تو ہم تمھارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"میں ضرور ایسا کروں گی لیکن آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"وہ کیا؟"

"دیکھیے، آپ یہودی ہیں۔ گر آپ نے اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کو میری اس صلاحیت کے متعلق بتایا تو تل ابیب میں جوا کھیلنے کا چانس نہیں ملے گا۔ سب یہی اعتراض کریں گے کہ میں اپنے مخالف کھیلنے والوں کی باتیں سُن لیتی ہوں۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ ایسا اہم راز فاش کروں۔ وہاں سے لاکھوں ڈالر کی ہونے والی آمدنی کو ہاتھ سے جانے دوں۔ یہ راز صرف ہم تینوں کے درمیان رہے گا۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا "کوئی چوتھا تو رازدار نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر بتائیں تاکہ ہم کسی دھوکے میں نہ رہیں۔"

"ہاں، میرا ایک دستِ راست ہے۔ اس کا نام دین وائنز ہے۔ وہ تم لوگوں کے ساتھ تل ابیب میں رہے گا اور تمھیں گائیڈ کرتا رہے گا۔ وہ میرے بہت ہی بھروسے کا آدمی ہے۔ یعنی اتنا قابلِ اعتماد کہ میری عدم موجودگی میں تم دونوں اسے جے جے پارکر سمجھ سکتے ہو۔"

"مسٹر جے جے پارکر، کیا واقعی آپ چاہتے ہیں کہ مس سلطانہ آپ کے لیے خزانے کا منہ کھول دے اور تل ابیب میں جا کر تمام جواریوں کا کباڑا کر دے؟"

"بےشک، میں نے اسی لیے تو ان کی خدمات حاصل کی ہیں۔"

"اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو پھر سلطانہ کو سونیا کے پیچھے نہ لگائیں۔ پہلے ہم تل ابیب سے واپس آجائیں جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں، سونیا بہت ہی خطرناک ہے۔ آپ اسے کالی بَلا کہتے ہیں۔ خطرناک تنظیمیں اسے آسمان سے چمکنے والی بجلی کہتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ سلطانہ اس کے پیچھے جائے گی تو یقیناً اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ ہم اتنا بڑا رسک نہیں لینا چاہتے۔"

"ہے تو خطرناک کام۔ میں نے اس پہلو سے نہیں سوچا تھا کہ سونیا پلٹ کر سلطانہ پر جوابی کارروائی کر سکتی ہے اور میرے لاکھوں ڈالر کا نقصان ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں۔ ہم کچھ دن اور صبر کر لیں گے۔ تل ابیب سے واپسی پر مس سلطانہ ہمارے لیے یہ کام کریں گی اور میں اس سلسلے میں۔۔۔ انھیں مُنہ مانگا معاوضہ دوں گا۔ فی الحال میں انھیں سونیا کا کیسٹ سُنا دیتا ہوں۔ اس دوران اگر کبھی اس کی آواز سنائی دے تو تم ہمیں صرف اطلاع دے دینا۔ ابھی اس کے پیچھے نہ لگنا۔ ٹھیک ہے؟"

ہم دونوں راضی ہو گئے۔ اس نے ایک ملازم کو آواز دے کر کہا "مسٹر دین وائنز سے کہو، سونیا کا کیسٹ اور ریکارڈر یہاں بھیج دے۔"

ملازم چلا گیا۔ ہمارے کھانا ختم کرنے سے پہلے ہی ریکارڈر آ گیا۔ کیسٹ کو اس میں لگا کر آن کیا گیا اور سونیا کی آواز سُنائی دینے لگی۔ اس کیسٹ میں سونیا ربی اسفندیار سے گفتگو کر رہی تھی۔ یہ ان دنوں کی ریکارڈنگ تھی جب وہ تل ابیب میں قیدی کی حیثیت سے تھی۔ سونیا نے آواز کا کچھ حصّہ سُنتے ہی چونک کر کہا "ارے یہ آواز تو ابھی میں نے ڈپارٹمنٹل اسٹور میں سُنی ہے۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جے جے پارکر سے گفتگو کرتے ہوئے ہم اپنا لہجہ خاصا بدل لیتے تھے۔

جے جے پارکر نے فوراً ہی ریکارڈر کو آف کر کے بےچینی سے سوال کیا "کیا واقعی؟ کیا تم نے اسی ڈپارٹمنٹل اسٹور میں آواز سُنی ہے جہاں سے ابھی تم آ رہی ہو؟ مجھے فوراً بتاؤ، وہ کیا کہہ رہی تھی؟ شاید اس کی باتوں سے ہمیں اس کا کوئی سراغ مل سکے۔"

"دیکھیے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کی آواز پر توجہ دینی ہے، اس لیے میں نے باتیں تو یاد نہیں رکھیں۔ شاید وہ کسی چیز کی قیمت پوچھ رہی تھی یا اپنے لباس وغیرہ کی میچنگ کے سلسلے میں گفتگو کر رہی ہو گی۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے لیکن یہ ضرور یاد ہے کہ یہ آواز میری ابھی سُنی ہوئی ہے۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ اگر دیر ہو جاتی تو میں اس آواز کو بھول جاتی۔"

"کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟"

"یقیناً دیکھا ہو گا لیکن توجہ نہیں دی۔ وہاں بہت سی عورتیں اور لڑکیاں تھیں، اس لیے میں اس کا حُلیہ نہیں بتا سکوں گی۔"

جے جے پارکر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "اوہ، کتنا سنہرا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔"

اب اس سے کھایا نہیں جا رہا تھا۔ وہ کرسی پر بےچینی سے پہلو بدل رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "سونیا! تم پکّی چڑیل ہو۔ بےچارے کو اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔"

وہ چپ چاپ سر جھکائے کھاتی رہی۔ کھانے کے بعد ہم نے اپنے اپنے پاسپورٹ جے جے پارکر کے حوالے کیے تاکہ ان کے ذریعے ہمارے لیے سیٹ بُک ہو سکے اور روانگی کے سلسلے میں ضروری کارروائیاں عمل میں لائی جا سکیں پھر ہم اس کی کار میں بیٹھ کر اس بنگلے میں پہنچ گئے جو ہمارے لیے مخصوص کیا گیا

تھا۔ وہاں پہنچ کر پہلے تو ہم نے بیرونی دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر ایک ایک کمرے کا بغور جائزہ لینے لگے۔ ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ دیواروں کو اور چھتوں کو پوری توجہ سے دیکھنے کے بعد ہمیں اطمینان ہو گیا۔ وہاں کوئی خفیہ مائک نصب نہیں کیا گیا تھا۔ اور ہم آزادی سے گفتگو کر سکتے تھے۔

اس کے باوجود میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "ہم ایک دوسرے کو فرہاد اور سونیا کہہ کر مخاطب نہیں کریں گے۔ میں تمھیں سلطانہ کہوں گا اور تم مجھے ہارڈی کہو گی۔ کوئی خاص بات ہو تو تم مجھے اشارہ کر دینا۔ تب ہم سوچ کے ذریعے باتیں کریں گے۔ باقی باتیں یونہی ہوتی رہیں گی۔"

پھر میں نے سونیا سے پوچھا: "اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

"میں دوسرے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ذرا موسیقی سے دل بہلاؤں گی اور تم؟"

"تین بج کر تیس منٹ ہوئے ہیں۔ لنچ کے بعد کچھ دیر آرام سے سونے کو جی چاہتا ہے، اس لیے میں یہاں لیٹ جاؤں گا۔ اگر نیند آئے گی تو سو جاؤں گا۔"

پھر میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "اس وقت روم میں بھی ساڑھے تین بج رہے ہوں گے اور مجھے وہاں پہنچنا ہے۔"

سونیا چلی گئی اور میں سُپر ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک بڑی سی قیمتی کار میں بیٹھا ہوا روم کی ایک پُر ہجوم شاہراہ سے گزر رہا تھا۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب میں خطرناک تنظیم کے دو بڑے سربراہوں کے دماغوں میں پہنچ چکا ہوں اور تیسرا کاہل تنظیم کا سربراہ بھی میری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں ہے تو میں ان تینوں کا کام تمام کیوں نہیں کر دیتا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

اس سے پہلے بھی میں نے بانس کو توڑ کر نیست و نابود کر دیا تھا لیکن دوسری بانسریاں تیار ہو گئی تھیں، موجودہ سپر ماسٹر سے پہلے جو سپر ماسٹر تھا، وہ میری ٹیلی پیتھی کی زد میں آ گیا تھا۔ اسے اپنے عہدے سے دستبردار ہونا پڑا پھر موجودہ سپر ماسٹر آیا۔ اب میں اسے ہلاک کر دوں تو اس کے بعد کوئی تیسرا آ جائے گا۔ تنظیم تو ویسی ہی رہے گی اور اس کا کاروبار بھی ویسے ہی چلتا رہے گا۔ صرف سربراہ بدلتے جائیں گے۔ ایک سربراہ کو مار دینے سے پوری تنظیم ختم نہیں ہو سکتی۔

میں نے ماسک مین کی خبر لی۔ وہ اس وقت ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا تھا اور ہیلی کاپٹر روم کے ایک فلائنگ کلب کے سامنے اتر رہا تھا یعنی وہ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

میں نے جیسن ہارورڈ کے متعلق معلوم کیا۔ وہ پہلے ہی

ساں تا اینجلو کے قلعے میں پہنچ گیا تھا اور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان تینوں کے ساتھ ان کے خاص مشیر بھی آئے تھے تاکہ جو معاہدہ ہو اسے تحریری طور پر تیار کیا جا سکے اور اسے ریکارڈ میں رکھنے کے سلسلے میں دوسری ضروری کارروائیاں کی جا سکیں۔

ابھی ان تینوں کو یکجا ہونے میں ذرا دیر تھی۔ میں بھی ان تینوں کے ساتھ وہاں پہنچا ہوا تھا۔ روم میں پہنچ کر مائیکل اینجلو جیسے عظیم فن کار کا ذکر نہ کرنا گویا فنونِ لطیفہ سے ناانصافی ہو گی، میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ مائیکل اینجلو کے صرف دو شاہکار کا ذکر کروں گا جو میرے خیال میں قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا۔

۱۵۰۸ء میں روم کے پوپ جیولیئس دوم نے مائیکل اینجلو کو حکم دیا کہ وہ سسٹائن چرچ کی چھت کی رنگائی کرے۔ اس نے مؤدبانہ عرض کیا کہ وہ رنگ ساز نہیں بلکہ مجسمہ ساز ہے۔ اس چھت پر ایسے مجسمے تراشے گا جو رہتی دُنیا تک اس کے نام سے یاد کیے جائیں گے۔ اس کی ضرورت کے مطابق چھت کے نیچے مچانیں بنائی گئیں۔ اس نے مچانوں کے اوپر پُشت کے بل چار برس تک لیٹ کر مختلف مجسمے تراشے۔ تراشنے کے دوران پتھر کے ریزے اس کی آنکھوں میں گرتے تھے۔ ریڑھ کی ہڈی دُکھتی رہتی تھی لیکن آج بھی دنیا وہاں جا کر دیکھتی ہے۔ وہ واحد فن کار ہے جس نے تنہا چار برس تک اپنے فن کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ غیر ملکی سیاح جب سر اٹھا کر اس چھت کو دیکھتے ہیں، تو آنکھیں نہیں ٹھہرتیں۔ سوچتے رہ جاتے ہیں کہ اس شاہکار کو کہاں تک دیکھیں اور عظیم فن کار کی کن لفظوں میں تعریف کریں۔

مائیکل اینجلو کا دوسرا کارنامہ حضرت موسیٰ کا مجسمہ ہے۔ وہ مجسمہ حقیقت کے اتنے قریب ہے کہ دیکھو تو جان پڑتا ہے ابھی اس میں جان پڑ جائے گی۔ روایت ہے کہ مائیکل اینجلو نے اسے تراشنے کے دوران خدائی دعویٰ کیا کہ یہ مجسمہ ابھی بول پڑے گا۔ ایسا کہتے وقت اس کی چھینی اور ہتھوڑی کے درمیان ضرب لگانے کا توازن بگڑ گیا اور مجسمہ کے گھٹنے میں ایسا نقص پیدا ہو گیا، جسے وہ فن کار ہزار کوشش کے باوجود درست نہ کر سکا۔ آج بھی وہ نقص اس مجسمے کے گھٹنے پر دور سے نظر آ جاتا ہے۔ یہ تاریخی واقعات ہمیں درس دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی آخری نامعلوم حدوں تک تسخیر کی صلاحیتیں دی ہیں لیکن یہ صلاحیتیں وہاں دم توڑ دیتی ہیں جہاں سے انسان خدائی کا دعویٰ شروع کرتا ہے۔

وہ تینوں اپنے وقت کے مطابق ساں تا اینجلو کے قلعے میں پہنچ گئے۔ یہ قلعہ دریائے ٹیبر کے دوسرے کنارے پر ہے۔ اٹھارہ سو سال قبل یہ شاہی محل کے طور پر تھا۔ اس کے بعد اسے فوجی ہیڈ کوارٹر بنا دیا گیا۔ وقت کے ساتھ اس قلعے میں بڑی تبدیلیاں آتی گئیں۔

ایک وقت آیا کہ اسے بدترین قید خانہ بنا دیا گیا جہاں قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کر کے انھیں ہلاک کیا جاتا تھا۔ آج کل یہ بہت بڑا عجائب خانہ ہے۔

اس عجائب خانے کے اُوپری حصے میں ایک بہت بڑا آڈیٹوریم اور اسٹیج ہے۔ جہاں رُوم کے تاریخی واقعات کی تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا ہال ہے۔ اس روز وہ ہال اور آڈیٹوریم مخصوص کرا دیا گیا تھا۔ اس روز عام شہریوں کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بڑے سے ہال کے وسط میں ایک گول میز تھی۔ اس کے اطراف وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ذرا فاصلے پر مختلف میزیں اور کرسیاں تھیں، جن میں ان تینوں کے مشیر وغیرہ اپنے اپنے سربراہ کو سہولتیں فراہم کرنے کے لیے مستعد نظر آ رہے تھے۔

اس خفیہ اجلاس میں کسی کو بھی فوٹو گرافی کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی کوئی خفیہ ریکارڈر وغیرہ لے کر آیا تھا کہ کسی کی آواز ریکارڈ کر سکے۔ سب کی تلاشی لی گئی تھی اور مطمئن ہونے کے بعد وہ تینوں گول میز کے اطراف آ کر بیٹھ گئے تھے۔ کاہل تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا: "آج ہم تینوں اپنے تعلقات کے جس نازک موڑ پر پہنچ گئے ہیں، وہاں پیدا ہونے والے اختلافات سے ہم سب کو زبردست نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے پہلے سُپر ماسٹر کو پھر ماسک مین کو دیکھا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ اس نے پوچھا: "آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟"

سپر ماسٹر نے کہا: "پہلے وہ سوالنامے واپس کیے جائیں، جن پر ہمارے دستخط ہیں، اس کے بعد ہم گفتگو میں حصہ لیں گے۔"

جیسن ہارورڈ نے ہاتھ اٹھا کر چٹکی بجاتے ہوئے کہا: "وہ سوالنامے لے آؤ۔"

اس کا آدمی فوراً ہی دو سوالنامے لے کر آیا۔ ایک ماسک مین کے سامنے اور دوسرا سُپر ماسٹر کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ دونوں نے اسے بغور دیکھا۔ وہی سوالنامہ تھا۔ ان کے اپنے دستخط موجود تھے۔ وہ مطمئن ہو کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگے پھر دونوں نے اپنے آدمیوں کو طلب کیا اور حکم دیا کہ انھیں ایک طرف لے جا کر جلا دیا جائے۔ جب وہ تمام ٹکڑے سمیٹ کر وہاں سے چلے گئے تو سپر ماسٹر نے کہا: "ہاں تو آپ کچھ فرما رہے تھے؟"

جیسن ہارورڈ نے اُسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "میں نے آپ لوگوں کی ضد پوری کر دی لیکن آپ دونوں نے ہمیں تل ابیب میں بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔"

"آپ کس نقصان کی بات کر رہے ہیں؟ اگر کوئی نقصان پہنچا ہے تو اس میں ہمارا ہاتھ نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں، آپ لوگ اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ اب صورتِ حال جو بھی ہے ہمیں کیا کرنا ہے، لیکن جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لیں، فرہاد بڑی مشکل سے ہماری گرفت میں آیا ہے، اسے رہا کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے، خواہ ہمیں کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے، ہم اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں اپنے ایک خاص آدمی میں ضرور منتقل کریں گے۔ اس کے لیے ہم اسے دُرست بنا رہے ہیں اور اس سلسلے میں ضروری کارروائیاں جاری ہیں۔ صرف آپ لوگ ہمارے راستے کی دیوار بنے ہوئے ہیں۔"

"ہمیں بھی فرہاد کی طرح سونیا بہت عزیز ہے۔ ہم اس کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ اسے زندہ سلامت اس کے پاس پہنچائیں گے۔"

"کیا وعدہ اس حد تک قائم نہیں رہ سکتا کہ فرہاد زندہ سلامت ہے لیکن ابھی سونیا کے پاس نہیں پہنچے گا؟"

ماسک مین نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں، اگر ہم تینوں کسی ایسے فیصلے پر متفق ہو جائیں جس سے ہم سب کا مفاد وابستہ ہو تو ہم سونیا کو ٹال سکتے ہیں۔"

"آپ کس قسم کا مفاد چاہتے ہیں؟"

"بالکل ویسا ہی جیسا آپ چاہتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کا کوئی خاص آدمی فرہاد علی تیمور سے ٹیلی پیتھی سیکھ سکتا ہے تو پھر ہمارے بھی خاص آدمی اس علم کے حصول میں حصہ لیں گے۔ بیک وقت ہم تینوں کے آدمی فرہاد سے استفادہ کریں گے۔"

جیسن ہارورڈ نے کہا: "یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ معاملے کو زیادہ پیچیدہ کر رہے ہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ آپ خلا میں جانے کے لیے کسی نئے راکٹ کا ڈیزائن تیار کرتے ہیں جس میں ایندھن اور اخراجات کم سے کم ہوتے ہیں تو کیا اس کا نقشہ اور اس کا فارمولا آپ ہمارے حوالے کریں گے؟ آپ کیا جواب دیں گے۔ میں جانتا ہوں، آپ انکار کریں گے۔ بالکل اسی طرح ایک اہم فارمولا یا مُہرہ ہمارے ہاتھ آیا ہے۔ اس نسخے کو ہم کسی اور کے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔ ہم فرہاد علی تیمور کو زندہ رکھیں گے۔ آپ جب چاہیں، اس سے کسی طرح بھی رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اسرائیل کی حدود میں جب چاہیں، اس سے ملاقات کر سکتے ہیں لیکن اس سے استفادہ کرنے کی بات ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ میں آپ دونوں سے درخواست کروں گا کہ سمجھوتے کی راہ نکالیں۔ بے جا ضد ہم تینوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گی۔"

ماسک مین نے کہا: "میں اور سُپر ماسٹر دو سُپر پاورز کے نمائندے ہیں

اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سپر پاورز کے ہاتھوں میں اتنی پاور ہوتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے نقصان کو برداشت کر لیتے ہیں مگر چھوٹے ملکوں کو فوجی، سیاسی اور جغرافیائی سرحدوں کے اور دوسری قسموں کے جو نقصانات پہنچ سکتے ہیں وہ تمھارے لیے ناقابلِ برداشت ہوں گے۔ صرف اتنا ہی بتا دوں کہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کسی سپر پاور نے تمھاری حمایت میں ویٹو نہیں کیا تو تمام اسلامی ممالک کے حصار میں رہ کر تمھاری کیا پوزیشن ہو گی؟"

جیسن ہارورڈ نے مسکراتے ہوئے سپر ماسٹر کو دیکھا پھر کہا۔ "امریکہ نے مملکتِ اسرائیل کو ایک بوتل بنا کر رکھا ہے۔ یہ بوتل تمام اسلامی ممالک کے سامنے ہے اور اس بوتل میں یہودی جن کو بند رکھا گیا ہے۔ امریکہ اسلامی ممالک کا بھی دوست ہے لیکن جب کبھی اُن ممالک کی طرف سے کوئی بات اس کے مفاد کے خلاف ہوتی ہے تو وہ انھیں بچوں کی طرح ڈرانے کے لیے بوتل کھول دیتا ہے۔ اس میں سے جن نکلتا ہے پھر تمام اسلامی ممالک گھبرا کر پوچھتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا جن اتنی سی بوتل میں کیسے بند تھا؛ پھر اسے بند کر کے دکھاؤ۔ امریکہ پھر سے اس جن کو بوتل میں بند کر دیتا ہے۔ یہودیوں کو اسرائیل تک محدود کر دیتا ہے اور اسلامی ممالک خوش ہو جاتے ہیں میں سپر ماسٹر کی بات تسلیم کروں یا نہ کروں، اتنا جانتا ہوں کہ امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے بوتل اور جن کا یہ کھیل کھیلتا رہے گا۔"

پھر اس نے ماسک مین کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تمھارے روسی حکمران دُہری چالیں چلنے میں خاصے بدنام ہیں۔ وہ اسلامی ممالک جو ہم سے خوف زدہ ہوتے ہیں اور امداد کے لیے تمھارے ملک کی طرف دیکھتے ہیں، تمھارے حکمران ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ ان کی حمایت مختلف انداز میں کرتے ہیں اور جو اسلامی ممالک روسی بلاک میں جانا پسند نہیں کرتے، ان کے خلاف روسی حکمران ہم یہودیوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ بظاہر پشت پناہی نہ بھی کریں تو ایک نہ سمجھ میں آنے والی طویل خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ نہ اسلامی ممالک کی حمایت کرتے ہیں نہ مخالفت کرتے ہیں۔ خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔ میں تم دونوں سے کہتا ہوں کہ مجھے سیاست نہ سکھاؤ۔ میرے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے مہرے کس طرح چلنے چاہئیں۔ رہ گئی اقوامِ متحدہ میں ہماری حمایت یا مخالفت کرنے کی بات تو اسے لکھ لو کہ امریکہ ہماری مخالفت نہیں کرے گا کیوں کہ وہاں الیکشن قریب ہیں اور ہم یہودیوں کے ووٹ اور سرمایہ حاصل کیے بغیر کوئی امریکی سیاست داں برسرِ اقتدار نہیں آ سکتا۔"

اس نے ماسک مین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تمھاری حکومت گرم پانی کی طرف بڑھنے کے لیے جو پلاننگ کر رہی ہے اس سے ہم بے خبر نہیں۔ جب وہ اپنے منصوبے پر عمل کریں گے اور گرم پانی کی طرف ان کی پیش قدمی ہو گی تو اپنے حکمرانوں سے پوچھنا اس وقت ہماری مخالفت کتنی مہنگی پڑے گی۔"

وہ کرسی پر سیدھا ہو کر یوں بیٹھ گیا جیسے کوئی فاتح سینہ تان کر گردن اکڑا کر بیٹھتا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ "یہاں آنے سے پہلے ہماری حکومت نے سفارتی سطح پر تمھارے حکمرانوں کو مراسلے روانہ کیے ہیں۔ ان میں یہ تمام باتیں تفصیل سے درج ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ دونوں سپر پاورز ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گی۔ ہم نے فی الحال دو ہفتے کے لیے تمھارے ملکوں سے آئے ہوئے تمام انجینئروں، ڈاکٹروں اور دوسرے تمام کاریگروں کو چھٹی دے دی ہے اور انھیں ملک سے باہر جانے کا حکم دے دیا ہے کیوں کہ آج سے پانچویں روز ہم یومِ فتح منانے والے ہیں۔ اس وقت ہم کسی قسم کی گڑبڑ نہیں چاہتے۔ جب تک تمھارے حکمرانوں سے دوستی کا از سرِ نو معاہدہ نہیں ہو گا اس وقت تک تمھارا کوئی آدمی اسرائیل کی زمین پر قدم نہیں رکھے گا۔"

سپر ماسٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اس وقت تمھارا پلڑا بھاری ہے۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہماری حکومت کیا جواب دے گی۔ بہرحال تم یہ نہ سمجھو کہ ہمارے آدمی اسرائیل سے نکل جائیں گے تو تمھارے ہاں تخریبی کارروائیاں نہیں ہوں گی۔ یہاں آتے وقت مجھے اطلاع ملی ہے کہ پیرس میں تمھاری ایک تنظیم کا دفتر ایک دھماکے سے اڑا دیا گیا ہے۔ تمھارے کتنے ہی آدمی مارے گئے ہیں اور مارنے والی وہی بجلی ہے جو آسمان سے لپکتی ہے۔ اس نے اپنا نام نہیں بتایا لیکن ہم سب اسے جانتے ہیں۔"

جیسن ہارورڈ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جب ہم نے فرہاد علی تیمور جیسے جن کو اپنے قابو میں کر لیا ہے تو سونیا کس کھیت کی مولی ہے۔ وہ بس ایسے ہی اچھل رہی ہے جیسے ایک چوہے نے شراب کے ڈرم سے باہر آنے کے بعد اچھلنا شروع کیا تھا پھر بلی کو دیکھ کر سہم گیا تھا۔ سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ دو چار روز میں ہمارے قابو میں ہو گی۔ تم لوگ فرہاد علی تیمور کی رہائی کی بات کرتے کرتے کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہو۔ کچھ نہ ملا تو سونیا نامی ایک عورت کا ذکر لے بیٹھے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس کے ذکر سے مرعوب ہو جاؤں گا؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سپر ماسٹر کے سیکریٹری نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! ابھی آپ کے نام یہ ٹیلیکس آیا ہے۔"

سپر ماسٹر نے لفافہ کھول کر اسے پڑھا۔ اس کی حکومت کی طرف سے ایک مختصر سا حکم نامہ جاری کیا گیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ سپر ماسٹر کے عہدے سے خارج کیا جا رہا ہے۔ اسے دیگر تفصیلات

اپنے ملک پہنچنے کے بعد حاصل ہوں گی۔

اس نے وہ ٹیلیکس جیسن ہارورڈ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پڑھنے کے بعد ذرا تعجب سے دیکھا۔ پھر ہنس کر کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟ جب تمھیں سپر ماسٹر کے عہدے سے خارج کرنا ہی تھا تو اتنی دیر میرا وقت ضائع کیوں کیا گیا؟"

ماسک مین نے اپنے سیکریٹری کو اشارہ کیا۔ اس کے سیکریٹری نے ایک فائل کھول کر ایک کاغذ ماسک مین کے حوالے کیا۔ ماسک مین نے اسے جیسن ہارورڈ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا استعفیٰ ہے جو میں نے اپنی حکومت کو دیا ہے۔ اس کی رُو سے میں بھی ماسک مین کے عہدے سے دستبردار ہو چکا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے بعد آنے والا ماسک مین تمھارے لیئے ساری دُنیا کے لیے ایک اجنبی ہے۔ نہ کوئی اس کی آواز سُنے گا۔ نہ اس کا کوئی چہرہ دیکھے گا۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی ہے کہ اگر تم نے فرہاد علی تیمور کے ذریعے اپنے کسی خاص آدمی کو ٹیلی پیتھی کا ماہر بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اس کی پہنچ سے دُور رہیں۔"

سپر ماسٹر نے کہا۔ "شاید میرے حکمرانوں نے بھی یہی سوچ کر مجھے اس عہدے سے الگ کر دیا ہے۔ بہرحال ہمیں افسوس ہے مسٹر جیسن ہارورڈ! کہ اتنی دیر تک تمھارا وقت ضائع ہوا۔ ہمیں اجازت دو۔ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔ ہماری یہاں کوئی سیاسی یا تنظیمی پوزیشن نہیں رہی۔"

وہ دونوں اٹھ گئے اور وہاں سے جانے لگے۔ جیسن ہارورڈ بظاہر مُسکراتے ہوئے فاتحانہ انداز میں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اس کا کتنا قیمتی وقت برباد ہوا ہے۔ اسے تل ابیب سے باہر نہیں آنا چاہیے تھا۔ فرہاد علی تیمور کے قریب رہنا چاہیے تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میری روانگی کا فوراً انتظام کرو۔ اگر طیارہ چارٹرڈ نہ ہو سکے تو ہیلی کاپٹر کا انتظام کیا جائے۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھا تو وہ اپنے بیڈروم میں آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کان سے ایئرفون لگا ہوا تھا۔ وہ کیسٹ کے ذریعے ترکی زبان سُن رہی تھی اور اسے زیرِ لب دُہرا رہی تھی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے کمرے میں بھی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ریسیور نہیں اُٹھایا۔ سونیا ریکارڈر کو آف کر کے ٹیلیفون کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ نے سمجھایا۔ فرہاد خیال خوانی میں مصروف ہو گا۔ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔ خود ہی سُننا چاہیے، کس کا فون ہے؟

اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو"۔ دوسری طرف سے جے، جے پارکر کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مس سلطانہ! آپ کے آرام میں خلل ڈال رہا ہوں۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو گفتگو جاری رکھوں؟"

"ضرور۔ فرمائیے؟"

"آج رات آپ کیا کر رہی ہیں، یہاں آ سکتی ہیں؟"

"آپ کا مطلب ہے، کوئی مصروفیت نہ ہو تو کیسینو میں رات گزاروں؟"

"ہرج ہی کیا ہے؟ دولت جتنی ہاتھ آئے، کم ہے۔"

"ذرا ٹھہریئے۔ میں اپنے ساتھی سے پوچھتی ہوں۔ اگر کوئی پروگرام نہ ہوا تو ہم کیسینو آ جائیں گے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "اگر تم تفریح کرنا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔"

"تم کیا کرو گے؟"

"میں تل ابیب میں کچھ لوگوں کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے شکار کروں گا۔ ان کے لب و لہجے کو یاد کروں گا تاکہ وہاں پہنچنے کے بعد ان سے کام لیا جا سکے۔"

سونیا نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "مسٹر جے، جے پارکر! میں نے آپ سے کہا تھا، کسی خاص موقعے پر آپ کیسینو میں بُلائیں تو میں آؤں گی۔ ابھی تو کوئی خاص موقع نہیں ہے۔ آج ہم تفریح کے موڈ میں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بڑی خوشی سے تفریح کریں۔ شکریہ۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے سونیا سے پوچھا۔ "تم نے یہ جواب کیوں دیا؟"

"تمھیں خیال خوانی کا مرض ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا علاج میں ہی کر سکتی ہوں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم مسلسل خیال خوانی میں مصروف رہو۔ جن لوگوں کو تم تل ابیب میں ٹریپ کرو گے، میں ان کے متعلق تم سے معلومات حاصل کر دوں گی۔ اس کے بعد ہم کہیں تفریح کے لیے جائیں گے۔"

"اصل بات یہ ہے کہ عورت جب نیا لباس پہنتی ہے اور نئے انداز میں سنگھار کرتی ہے تو تفریح کے بہانے دُنیا والوں کے سامنے اپنی نمائش کرتی ہے۔"

"چلو، یہی سہی۔ روم والی میٹنگ کا کیا ہوا؟"

میں نے ان کے متعلق بتایا۔ اس نے کہا۔ "جب سپر ماسٹر اور ماسک مین اپنے عہدے پر نہیں رہے تو پھر ان سے رعایت کیسی؟ انھوں نے تمھیں دوستی کی آڑ میں دھوکا دیا۔ تمھیں ٹیلی پیتھی سے خالی سمجھ کر تمھارا تماشا دیکھنے یہودیوں کے ہاں گئے اور تمھیں ایک پنجرے میں بند دیکھا لیکن تمھارے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"ان کے ساتھ کچھ کیا جائے گا لیکن اس طرح کہ دشمنوں کے دلوں میں تمھاری طرف سے دہشت بیٹھ جائے۔ اب جو دشمن اپنے

عبرت ناک انجام کو پہنچے گا وہ تمھارے نام سے پہنچے گا۔ کیوں کہ فی الحال میں دشمنوں پر ٹیلی پیتھی کا وار نہیں آزماؤں گا۔“

”میں تمھیں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں تمھارے کاندھے پر بندوق رکھ کر نہیں چلاؤں گی۔ میں کوئی گئی گزری نہیں ہوں کہ تمھاری محتاج رہوں۔ بتاؤ، پہلے کس دشمن کا حساب کروں؟“

”بھئی ابھی کسی دشمن سے حساب کتاب کا موقع نہیں ہے۔ جب موقع ہوگا تو میں تم سے نہیں چھپاؤں گا۔ فی الحال تم وہ زبان سیکھتی رہو۔“

اس نے ریکارڈر کو آن کیا۔ زبان کی مشق کرنے لگی جیسن ہارڈ کے متعلق معلوم ہوچکا تھا کہ وہ تل ابیب جارہا ہے۔ ابھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سپر ماسٹر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اور ماسک مین اب دوست بن گئے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ ”بھئی جب تک ہم اپنے اپنے عہدوں پر رہے، اپنے ملک کے وفادار رہے۔ وفادار تو آج بھی ہیں لیکن آؤ، آج ہم اپنے خطرناک عہدوں سے سبکدوش ہونے کی خوشی میں ایک ساتھ جشن منائیں۔“

ماسک مین نے کہا: ”جب میں نے استعفیٰ دیا تھا تو یہ خبر پیرس کے باس اسحاق وال وچ کو مل چکی تھی۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں آج کی رات اس کے ساتھ جشن مناؤں۔ ایک طرح سے وہ مجھے الوداعی پارٹی دینا چاہتا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پیرس جارہے ہو؟ ذرا ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں کہ میں بھی وہاں جاسکتا ہوں یا نہیں؟“

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر اٹلی کے ماسٹر سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا: ”میں ریٹائرڈ سپر ماسٹر بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے آواز آئی: ”جناب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یقیناً آپ ریٹائرڈ ہوچکے ہیں لیکن ہم اب بھی آپ کی اسی طرح عزت کرتے ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔“

”میرے سلسلے میں کوئی مزید پیغام موصول ہوا ہے؟“

”ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ سے غیر سرکاری طور پر تعلقات رکھیں لیکن اپنے سرکاری معاملات میں آپ کو شریک نہ کریں۔“

”میں سمجھتا تھا، یہی ہوگا۔“

”لیکن جناب! ہم ذاتی طور پر آزاد ہیں۔ کیا آج رات آپ میرے ساتھ ڈنر میں شریک ہونا پسند کریں گے؟“

”میں ضرور آپ کے ساتھ شریک ہوتا لیکن ابھی پیرس جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ پیرس کے ماسٹر کو اس بات کی اطلاع دیں گے؟“

”ضرور، آپ یہاں سے روانہ ہوں۔ وہاں خبر پہنچ جائے گی۔“

ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: ”گیدڑ کی [موت] آتی ہے تو وہ شہر کی طرف آتا ہے۔ اب وہ دونوں گیدڑ مار... ہی شہر کی طرف آرہے تھے۔

میں نے باس اسحاق وال وچ کے دماغ میں جھانک کر معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا۔ اس کا سابقہ ماسک مین جو اس وقت روم میں تھا، وہاں پیرس کے وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے آٹھ بجے پہنچنے والا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پیرس کے ماسٹر کے دماغ سے معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا سپر ماسٹر بھی ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے وہاں پہنچے گا یعنی وہ اور ماسک مین ایک ساتھ پیرس آرہے تھے۔ وہ دونوں سربراہ جب تک اپنے عہدوں پر فائز رہے تھے اس وقت تک ان کے ماتحت انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ان سے براہِ راست ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ حتیٰ کہ ماسک مین کا باس اور سپر ماسٹر کے ماسٹر بھی مختلف ذرائع سے رابطہ قائم کرتے تھے کبھی روبرو ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ آج پہلی بار پیرس کے ماسٹر اور باس اپنے سربراہوں سے ملنے والے تھے۔

میں نے ان دونوں کے دماغوں کے ذریعے معلوم کیا۔ اپنے سربراہوں کو خوش آمدید کہنے کا کوئی جذبہ ان کے دلوں میں نہیں تھا بلکہ وہ کچھ اور سوچ رہے تھے اور ایک سازش کررہے تھے۔ پیرس کے ماسٹر نے اپنی حسین سیکریٹری کو حکم دیا تھا کہ وہ ائیرپورٹ جاکر سپر ماسٹر کا استقبال کرے اور اسے جزیرہ لے ڈی لاسائیٹ لے جائے۔

دوسری طرف ریڈ پاور کے باس نے اپنے ایک خاص ماتحت کو حکم دیا تھا کہ وہ ماسک مین کا استقبال کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک سر پر تاج ہوتا ہے اس وقت تک لوگ اُسے بادشاہ سمجھ کر جھکتے ہیں۔ جہاں یہ تاج سر سے گرتا ہے، وہاں اسی شخصیت سے بیزاری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ باس اسحاق وال وچ خود اپنے سابقہ ماسک مین کے استقبال کے لیے نہیں جارہا تھا۔

میں نے سونیا کو ان کے متعلق بتایا۔ وہ کہنے لگی: ”ٹھیک ہے ہم ڈنر کے بعد ان کے پیچھے لگ جائیں گے۔“

ہم نے آٹھ بجے رات کا کھانا کھالیا۔ جب وہاں سے نکلے تو ساڑھے آٹھ ہورہے تھے۔ سونیا نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے معلوم کیا۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین کا طیارہ ابھی پیرس کی فضاؤں میں پرواز کررہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ائیرپورٹ پر اُترنے والا تھا۔ ہماری منزل لے ڈی لاسائیٹ جزیرہ تھا۔ دریائے سین شہر پیرس کے تقریباً درمیان سے گزرتا ہے۔ اس دریا کا پاٹ جہاں زیادہ چوڑا ہے، وہاں مصنوعی جزیرے بنائے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک جزیرہ لے ڈی لاسائیٹ اس جزیرے میں صدیوں پرانا تاریخی گرجا گھر ہے جسے نوٹرے ڈ[یم]

[کہ]تے ہیں۔ نوٹرے ڈیم کے ساتھ ایک ہنچ بیک (کبڑے) کا ذکر ضروری ہوجاتا ہے۔ اس بدصورت کبڑے نے ایک خوب صورت حسینہ سے خاموش اور بے مثال عشق کرنے کی ایک لازوال داستان اپنے پیچھے چھوڑی ہے۔ یہ داستان اب کلاسیکی ادب کا ایک حصہ بن چکی ہے۔

میں نے کہا: ”اگر ہم دریائے سین کے ساحل پر کسی پارک میں اپنی گاڑی چھوڑ کر جزیرے میں جائیں گے تو ہوسکتا ہے، یہ بات کوئی نوٹ کرلے۔“

سونیا نے کہا: ”ہاں، یہاں پارکنگ ایریا میں جو گاڑیاں چھوڑی جاتی ہیں، ان کے نمبر نوٹ کیے جاتے ہیں۔“

”بہتر ہے ہم کسی دور دراز کے پارکنگ ایریا میں گاڑی کو چھوڑ دیں اور یہاں ٹیکسی کے ذریعے آئیں۔“

سونیا نے یہی کیا۔ بہت دور ایک پارکنگ ایریا میں گاڑی کو چھوڑ کر ہم ٹیکسی کے ذریعے دریائے سین کے اس پُل پر آئے، جس کا نام پونٹ ڈی ایل آلما برج ہے۔ یہاں سے کشتیاں مخصوص اوقات میں جزیروں کی طرف جاتی ہیں۔ رات کے وقت وہاں کشتیاں دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں لیکن پرائیویٹ طور پر موٹر بوٹ دستیاب ہوجاتی ہیں۔ ہم وہیں ایک ریستوران میں بیٹھ گئے۔ کافی کا آرڈر دیا۔ اس وقت سپر ماسٹر ائیرپورٹ کی عمارت کے باہر اس لیڈی سیکریٹری کے ساتھ آگیا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ پیرس کا ماسٹر کیوں نہیں آیا۔ لیڈی سیکریٹری نے جواب دیا: ”آپ کی آمد کے سلسلے میں وہ ایک چھوٹی سی، خوب صورت سی پارٹی ارینج کرنے میں مصروف ہیں اس لیے میں آگئی ہوں۔ کیا آپ کو مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی ہے؟“

”کیوں نہیں ہوئی۔ میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔“

وہ کار میں بیٹھ گئے۔ لیڈی سیکریٹری ڈرائیو کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد سپر ماسٹر نے پوچھا: ”تم کدھر جارہی ہو؟“

”ہم لے ڈی لاسائیٹ کے جزیرے میں جارہے ہیں وہیں آپ کے لیے الوداعی پارٹی کا انتظام کیا گیا ہے۔“

”تعجب ہے، اس جزیرے میں کیوں؟“

”شاید آپ کو علم نہیں ہے۔ سونیا نے پچھلی رات سے یہاں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ ماسٹر یہ نہیں چاہتے کہ اسے کسی طرح آپ کی آمد کے متعلق کوئی خبر ہو اور وہ ہماری اور آپ کی جان کے پیچھے پڑ جائے۔“

سپر ماسٹر نے تائید میں سر ہلا کر کہا: ”ہاں، سو گھنٹے پورے ہوچکے ہیں۔ میں اپنے وعدے کے مطابق فرہاد علی تیمور کو زندہ و سلامت اس کے پاس پہنچا نہ سکا لیکن سونیا سے سامنا ہوجائے تو میں اُسے اس بات کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ فرہاد زندہ اور سلامت ہے۔ اس کو کوئی گزند نہیں پہنچی ہے۔ صرف اس کے پاس پہنچایا نہیں جاسکا۔ جلد ہی یہ بھی ہوجائے گا۔“

”وہ شاید اب کسی کی بات کا یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ سونیا کے ذرائع محدود ہیں۔ اسے فرہاد کے متعلق صحیح اطلاع نہیں مل رہی ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ اسے ہلاک کردیا گیا ہے اس لیے وہ انتقامی کارروائیوں پر اُتر آئی ہے۔“

ہمارے کافی پینے تک لیڈی سیکریٹری سپر ماسٹر کے ساتھ وہاں کے پارکنگ ایریا میں پہنچ گئی۔ گاڑی کو ایک طرف چھوڑ کر وہ لوگ اسی پُل کے پاس آئے۔ پیرس کے ماسٹر کی طرف سے ان کے لیے ایک موٹر بوٹ مخصوص تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ ہم نے چائے کا بل ادا کیا پھر ہم بھی اُٹھ کر وہاں پہنچے۔ میں نے سونیا سے کہا: ”تم کرائے پر موٹر بوٹ حاصل کرو۔ میں موٹر بوٹ کے مالک کو کنٹرول کروں گا، تاکہ وہ ہم دونوں کے چہروں کو توجہ سے نہ دیکھ سکے اور نہ کبھی ہمارا حُلیہ بیان کرسکے۔“

اس نے کرائے پر موٹر بوٹ حاصل کی۔ اس وقت تک میں اس شخص کے دماغ پر اس طرح حاوی رہا کہ وہ شعوری طور پر کچھ اور خیالوں میں گم تھا۔ میں اسے اس بات کا موقع نہیں دے رہا تھا کہ وہ ہمیں توجہ سے دیکھے اور ہمارے چہروں کو یاد رکھ سکے پھر ہم اس موٹر بوٹ میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ اگرچہ سپر ماسٹر اور وہ لیڈی سیکریٹری ہماری نظروں کے سامنے نہیں تھے لیکن ٹیلی پیتھی کی آنکھ ہزاروں، لاکھوں میل تک دیکھتی ہے اور میں دیکھ رہا تھا۔

پانچ منٹ کے بعد میں نے بتایا: ”وہ دونوں نوٹرے ڈیم گرجا گھر جارہے ہیں۔“

سونیا نے کہا: ”اس وقت نوٹرے ڈیم میں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہاں جانے کے راستے بند کردیے جاتے ہیں۔ یقیناً وہ بیک ڈور سے جارہے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے بوٹ کی اسٹیئرنگ دوسری طرف گھمادی۔ اب موٹر بوٹ اسی دریا پر دوسری طرف جارہی تھی۔ اس نے کہا: ”اگر ہم گرجا گھر میں داخل نہ ہوسکے تو باہر ان سے نمٹ لیں گے۔“

”یوں تو ہم ابھی بھی نمٹ سکتے ہیں۔“

”تم اپنی ٹیلی پیتھی اپنے پاس رکھو۔ یہ میرے شکار ہیں۔“

”بھئی اسی لیے تو خاموش ہوں۔ ورنہ پلک جھپکتے ہی انتقام لیا جائے تو کوئی خاص تحیّر اور سنسنی پیدا نہیں ہوتی۔ بہ نفسِ نفیس دشمنوں کا تعاقب کرنے کا مقصد یہی ہے کہ تمھارے نام سے سنسنی پھیلتی ہے پھر اس طرح ایڈونچر کا شوق بھی پورا ہوتا ہے۔“

میں نے سُپر ماسٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ ان کی موٹر بوٹ ایک جگہ رک گئی تھی۔ وہ لیڈی سیکرٹری سے کہہ رہا تھا۔" یہ تم تیرھویں دروازے کے پاس کیوں آئی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں۔ ہم امریکیوں کے نزدیک تیرہ نمبر منحوس ہوتا ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔" اگر یہ نمبر منحوس ہے تو نحوست بھی اس نمبر کی طرف آنے سے کترائے گی۔"

میں نے یہ باتیں سونیا کو بتائیں۔ وہ موٹر بوٹ اسی طرف نے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے انجن کو بند کر دیا پھر ایک چپو مجھے دیتے ہوئے کہا۔" اب ہم خاموشی سے اُدھر جائیں گے۔"

دوسرے چپو کو اس نے سنبھالا پھر ہم اس کے ذریعے موٹر بوٹ کو پانی میں آگے بڑھاتے ہوئے، اسی جگہ پہنچے جہاں پہلے سے ایک موٹر بوٹ موجود تھی۔ دریائے سین کے وسط میں ذرا بلندی پر نوٹرے ڈیم گرجا گھر واقع ہے۔ ہم نے موٹر بوٹ کو ایک رسّی کے ذریعے ریلنگ سے باندھا پھر اسی ریلنگ کے سہارے زینے پر چڑھتے ہوئے اوپر پہنچے۔ ایک شخص اچانک ہمارے سامنے چلا آیا۔ اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔" تم لوگ کون ہو؟"

میں نے کہا۔" یہی سوال ہم تم سے کرتے ہیں؟"

اس کا ہاتھ جیب کی طرف جانے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ ریوالور نکالتا، سونیا کا ایک ہاتھ اس کے مُنہ پر پڑا پھر تو پے در پے اس پر ایسے حملے ہوئے کہ وہ ریوالور نکالنا بھول گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ زمین پر بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ سونیا نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ریوالور نکال لیا پھر اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے بٹھا دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر کہہ نہ سکا۔ اس کے سر پر ریوالور کے دستے سے ایک زوردار ضرب پڑی۔ وہ پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔ اس بار وہ چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

ہم اسے چھوڑ کر گرجا گھر کی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ سونیا نے پوچھا۔" وہ لوگ کہاں ہیں؟"

میں نے ایک منٹ کے بعد اُسے بتایا۔" وہ دونوں نوٹرے ڈیم کے اس حصّے میں ہیں جو تاریخی داستان کے مطابق کبڑے عاشق سے منسوب ہے۔"

وہ اسی طرف چلنے لگی۔ اب نوٹرے ڈیم صدیوں پرانا گرجا گھر نہیں رہا تھا۔ اس کا تعمیری حُسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس گرجا گھر میں بجائے جانے والے جتنے گھنٹے تھے، ان سب میں مختلف دھاتوں کے علاوہ سونے اور چاندی کی بھی آمیزش کی گئی تھی۔ جب وہ گھنٹے اپنے مخصوص اوقات میں بجتے تھے تو ایک عجیب سا ترنم چاروں طرف دُور دُور تک گونجتا تھا اور وہاں کے لوگوں کے لیے وہ نہایت ہی مقدس ترنم ہوتا تھا۔ کبڑے عاشق سے منسوب رہنے والے اس حصّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ وہاں وہ [illegible] جس آہنی زنجیر کو کھینچ کر جو گھنٹہ بجایا کرتا تھا وہ ویسا ہی رکھا گیا [illegible] تاکہ سیاحوں کی دلچسپی کا باعث بنا رہے۔

لیڈی سیکرٹری وہاں پہنچ کر کہہ رہی تھی۔" سپر ماسٹر! اگر وہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت تمہارے ساتھ کسی کی لیڈی سیکرٹری نہیں، سونیا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔" میں سونیا کی آواز کو اور قد و قامت کو خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ وہ پانچ فٹ آٹھ انچ ہے جب تمہارا قد زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ ہے۔"

لیڈی سیکرٹری نے اپنا پرس کھول کر ایک ریوالور نکالا [illegible] اس میں سائلنسر لگا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔" میں سونیا نہ سہی لیکن [illegible] وقت تم ایک کاغذ پر وہی لکھو گے جو سونیا اپنے شکار سے لکھاتی [illegible]"

"کیا مطلب؟"

" اس بوسیدہ سے کمرے میں چلو جہاں موم بتی روشن ہے [illegible] میز پر اپنا بریف کیس رکھو۔ ایک کاغذ، قلم نکالو پھر میں تمھیں بتاتی ہوں۔"

" یہ کیا مذاق ہے؟ ہمارا وہ ماسٹر کہاں ہے؟"

" اب تمہارا کوئی ماسٹر، کوئی ماتحت نہیں رہا۔ نئے سپر ماسٹر کے حکم کے مطابق تم سے سوال کیا جا رہا ہے۔ تم نے فرہاد علی تیمور کی موت کے کاغذ پر دستخط کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کیوں نہیں کیا؟ تم چاہتے تو جیسن ہارورڈ سے مہلت حاصل کر سکتے تھے... سوالنامے کے تمام پہلوؤں پر غور کر سکتے تھے اور . . .؟"

سپر ماسٹر نے کہا۔" دیکھو، مجھ سے ایک غلطی ہو گئی لیکن میں نے سپر ماسٹر کے عہدے پر رہ کر اپنے ملک کو اور اپنی تنظیم کو بے شمار فائدے بھی تو پہنچائے ہیں۔"

فائدوں کا حساب جب ہوتا ہے تو اس کا منافع، فائدہ پہنچانے والے کو بھی ملتا ہے اور تمھیں بھی ملتا رہا لیکن جب نقصان ہوتا ہے تو وہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ بہرحال اندر چلو، میں نہیں چاہتی کہ تمھیں یہیں گولی مار دوں۔"

" کیا تم سمجھتی ہو، میں موت کے ڈر سے وہی کروں گا جو تم چاہتی ہو۔"

" میں انسانی نفسیات کو سمجھتی ہوں۔ میرے حکم کی تعمیل کرنے کے دوران تمہارے دماغ میں یہ بات رہے گی کہ شاید تمھیں بچاؤ کا کوئی راستہ مل جائے اور تم مجھ پر جوابی حملہ کر سکو۔ میں تمھیں ضرور اس کا موقع دوں گی لیکن اندر چلو۔"

وہ خاموشی سے کمرے میں جاتے ہوئے بولا۔" تم کون ہو؟ میں نے اپنی تنظیم میں پہلے نہ تو تمہاری آواز سُنی اور نہ ہی تم سے متعارف ہوں۔"

" میں نئے سپر ماسٹر کی دستِ راست ہوں۔ تم نے جو ٹیم بنائی ہے اس میں ایسے خطرناک افراد شامل ہیں جو عملی طور پر بیرونی ممالک میں جا کر کسی نہ کسی مہم میں حصّہ لیتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہوں۔"

اس نے کمرے کے اندر پہنچ کر پوچھا۔" تمھیں پیرس کے ماسٹر نے بھیجا ہے یا سپر ماسٹر نے؟"

" پیرس کا ماسٹر ہو یا کسی اور ملک کا اور شہر کا ان کی اہمیت مجھ سے زیادہ نہیں ہے۔ میں براہِ راست سپر ماسٹر کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔"

" میں نے جو غلطی کی ہے ابھی اس کا نتیجہ سامنے نہیں آیا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو دستخط کیے ہیں وہ نقصان کا باعث ہوں گے پھر اس دستخط کا کوئی ثبوت بھی نہیں رہا۔ اس کاغذ کو میں نے پھاڑ دیا ہے۔"

" کاغذی ثبوت ختم ہو جانے سے غلطی چُھپ نہیں جاتی۔ تمہاری دوسری غلطی یہ ہے کہ تم نے تل ابیب میں تخریبی کارروائیوں کا حکم دیا، جب کہ تمہارے سامنے ایک سیدھی سی بات تھی۔ وہ یہودی، فرہاد کو زندہ رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اپنے کسی خاص آدمی کو ٹیلی پیتھی سکھانا چاہتے ہیں تمھیں اس منصوبے کو جڑ سے اکھاڑنا چاہیے تھا یعنی تم فرہاد ہی کو ختم کرا دیتے۔ اپنے آدمیوں کو تخریبی کارروائیوں کا حکم دینے کے بجائے فرہاد کو ہلاک کرنے کا حکم دیتے تو قصّہ ہی ختم ہو جاتا۔ ہمارے دل میں اب یہ اندیشہ تو نہیں رہے گا کہ وہ فرہاد کو کہاں چھپا کر رکھتے ہیں کس طرح استعمال کرتے ہیں اور فرہاد کے بعد اب کون شخص ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں لے کر ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ ایکس سپر ماسٹر! تم نے اپنے آخری دور میں بہت سی حماقتیں کی ہیں۔ اب میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی۔ بیٹھ جاؤ۔"

اس نے بریف کیس کو میز پر رکھا۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کمرے کی ہر چیز گرد آلود تھی۔ کہیں کہیں جالے پڑے ہوئے تھے۔ پرانے زمانے کے پتھروں کو تراش کر وہ کمرہ بنایا گیا تھا۔ میز اور کرسیاں بھی پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ سپر ماسٹر کی دستِ راست نے کہا۔" کمرے کو نہ دیکھو۔ بریف کیس کھولو۔ کاغذ اور قلم نکالو۔ چالاکی نہ دِکھانا۔ اس سے پہلے کہ تم بریف کیس سے کوئی ہتھیار نکال کر مجھ پر حملہ کرو، میں اس سے پہلے تمھیں ختم کر دوں گی۔ تم نے اب تک سونیا کے پھرتیلے پن کے قصّے سُنے ہوں گے۔ میری تیزی اور طراری دیکھو گے تو اُسے بھول جاؤ گے۔"

اس نے کاغذ اور قلم نکال کر میز پر رکھا۔ وہ کہنے لگی۔" لکھو۔"

وہ لکھنا نہیں چاہتا تھا۔ موقعے کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح جوابی حملہ کرے۔ اگر وہ میز لکڑی کی ہوتی تو اسے اس ریوالور والی کی طرف الٹ دیتا لیکن جتنی دیر میں وہ موم بتی بجھانے کی یا اُسے گرانے کی کوشش کرتا اتنی دیر میں گولی چل جاتی۔ میں نے اسے لکھنے پر مجبور کیا۔ وہ سر جُھکا کر وہی لکھنے لگا جو وہ لکھا رہی تھی۔

" میرے سامنے موت کھڑی ہے۔ میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں اسے اے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو کہتی ہیں۔"

اتنا لکھ کر اس نے نیچے اپنے دستخط کر دیے۔ سپر ماسٹر کی اس دستِ راست نے کہا۔" اسے کہتے ہیں، ایک تیر سے دو شکار کرنا۔ تمھیں تمہاری غلطیوں کی سزا بھی دی جائے گی۔ اس کا الزام موجودہ سپر ماسٹر پر نہیں آئے گا۔ خواہ مخواہ سارا کریڈٹ سونیا کو جائے گا۔"

اسی وقت سونیا نے دروازے پر پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔" واہ واہ، کیا کمال دِکھا رہی ہو۔ تمھیں سونیا کے خلاف مہم پر بھیجنے سے پہلے نئے سپر ماسٹر کو یہ دیکھ لینا چاہیے تھا کہ تمہارے دودھ کے دانت ٹوٹے ہیں یا نہیں؟"

ریوالور کا رُخ سونیا کی طرف ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔" کیا تم سونیا ہو؟ کیا میک اپ میں ہو؟ میں تمہارا اصلی چہرہ خوب پہچانتی ہوں۔"

" میری پہچان یہ ہے کہ میں نہتّی رہتی ہوں۔ اس وقت تمہارے ہاتھ میں ریوالور ہے اور میں خالی ہاتھ ہوں۔ اس سے بڑی پہچان اور کیا ہو سکتی ہے۔ ابھی تم خود کو مجھ سے برتر کہہ رہی تھیں۔ کیا اس ریوالور کے سہارے برتری قائم رکھو گی؟"

اس نے سُپر ماسٹر کو دیکھا۔ پھر اچانک ہی گولی چلا دی۔ وہ پتھریلی میز پر اوندھے منہ گر پڑا جو تحریر لکھی تھی، اس پر گر کر بے جان ہو گیا۔ پھر ریوالور والی نے سونیا کی طرف رُخ کرتے ہوئے کہا۔" دوسری گولی تمہارا کام تمام کر سکتی ہے۔"

اُس نے باتوں کے دوران اپنے ریوالور سے سائلنسر کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔" میں اچھی طرح جانتی ہوں، تم تنہا اتنی شہ زور یا ناقابلِ شکست نہیں ہو۔ فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی تمھیں سہارا دیا کرتی تھی۔"

اس نے چیمبر سے باقی گولیاں نکالیں اور اُنھیں ایک طرف پھینکتے ہوئے ریوالور کو میز پر رکھ دیا اور کہا۔" آؤ اب ہم دونوں ہی ہتھیار سے خالی ہیں۔"

سونیا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہوئی تھیں۔ سُپر ماسٹر کی دستِ راست نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔" پہلا حملہ تم کرو گی مگر کیسے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سونیا نے ہاتھ کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا مقابلے پر آنے والی پریشان ہو کر ریوالور کو دیکھنے لگی۔ سونیا نے مسکرا کر کہا "میرے ریکارڈ میں یہ ضرور لکھا ہے کہ میں اپنے پاس کوئی ہتھیار نہیں رکھتی لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ میں بلا کی مکار ہوں۔ مقابلے کو خواہ مخواہ طول دے کر وقت ضائع نہیں کرتی۔ آناً فاناً فیصلہ کر دیتی ہوں۔"

"لیکن یہ ریوالور تمھارے مزاج کے خلاف ہے۔"

"ہاں، وہ تو ہے۔ تم ابھی تھوڑی دیر پہلے یقیناً یہ سوچ رہی تھیں کہ سونیا کس انداز سے حملہ کرے گی اور تم کس طرح اپنا بچاؤ کرتے ہوئے جوابی حملہ کرو گی۔ میں تمھیں یہی بتانا چاہتی ہوں کہ میں حملہ کیسے کرتی ہوں۔ اگر میرے پاس ریوالور ہے تو پہلے تم اسے چلاؤ گی۔ اس کے بعد میں۔ یہ لو۔۔۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور اس کی طرف اچھالا۔ اس نے کیچ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر پڑی۔ وہ کراہ کر پیٹ پکڑتے ہوئے ذرا جھکی تو دوسری ٹھوکر اس کے منہ پر لگی۔ وہ پیچھے جا کر دیوار سے لگ گئی۔ ریوالور زمین پر پڑا ہوا تھا۔ سونیا نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ یہاں ہے۔ چاہو تو اب بھی اٹھا سکتی ہو۔ مقابلے کی ضد کرو گی تو میں تمھیں پچھتانے کا موقع نہیں دوں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سپر ماسٹر کی دستِ راست نے جیسے فضا میں پرواز کی۔ واقعی اسے بھی لڑنے کا ہنر آتا تھا سونیا ذرا جھک کر۔ انھاتے ہوئے اسے دیکھنے لگی ۔۔ پرواز کرتے ہوئے اس کے سر پر سے گزرتے ہوئے دوسری طرف گئی۔ پھر چشم زدن میں وہاں بھی نظر نہیں آئی۔ وہاں سے پرواز کرتے ہوئے تیسری طرف گئی۔ پھر وہاں سے چوتھی طرف۔ سونیا گھوم گھوم کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ متواتر لپکتے رہنے کے دوران کس انداز میں حملہ کرے گی؟

میں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا اور سونیا کی رہنمائی کر سکتا تھا لیکن وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی کہ کسی رہنما کی انگلی پکڑ کر چلتی۔ اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ ایسے حملہ آوروں کو بے وقوف بنانا خوب جانتی تھی۔ اچانک ہی حملہ کرنے والی کی پروازیں تھم گئیں۔ وہ فضا میں ادھر سے ادھر جانا بھول گئی کیونکہ سونیا زمین پر لیٹ گئی تھی۔ اب اسے گھوم گھوم کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آرام سے چاروں شانے چت لیٹ کر چاروں سمت اسے دیکھ سکتی تھی۔ یہ الجھن نہیں رہی تھی کہ حملہ کرنے والی کدھر سے آئے گی جہاں سے بھی آتی اسے زمین کے اسی حصے کی طرف آنا پڑتا جہاں وہ لیٹی ہوئی تھی۔

وہ ایک طرف کھڑی ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے سونیا کو غراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی واقعی مکار بھی ہے اور اپنے ہتھکنڈوں سے مقابل کو بے بس بھی کر دیتی ہے۔ سونیا نے پوچھا "اب کیا سوچ رہی ہو۔ دیکھو جو ریوالور میں تمھیں دے رہی تھی وہ مجھ سے بہت دور ہے۔ آگے بڑھ کر اسے ہی اٹھا لو۔ خالی ہاتھوں سے مقابلہ کرنے کی ضد کرو گی تو خالی ہاتھ دنیا سے چلی جاؤ گی۔"

وہ چھلانگ لگا کر ریوالور کے پاس آئی۔ فوراً ہی اسے اٹھا کر بولی "اب اٹھ جاؤ۔ میں نے تمھارا ریکارڈ پڑھ کر یقین نہیں کیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تمھارے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے اور پڑھنے والوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو لیکن واقعی تم کالی بلا ہو۔ جب مقابلے پر آتی ہو تو مقابل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ہر طرف کالی رات نظر آتی ہے!"

اس دوران سونیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "بے وقوف عورت! ریوالور کا چیمبر تو دیکھو"

اس نے چونک کر ریوالور کو دیکھا۔ نظر ذرا ادھر سے ادھر ہوئی۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے دو ٹھوکریں لگیں۔ ایک ٹھوکر سے ریوالور چھوٹ گیا۔ دوسری ٹھوکر پر ناک سے لہو بہنے لگا۔ وہ چاہتی تو اس کے بعد بھی متواتر حملے کر سکتی تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ کر بولی "ابھی تم فضا میں اڑنے والی تیکنیک سے مجھے مرعوب کرنا چاہتی تھیں۔ دو چار اور تیکنیک استعمال کر کے دیکھو۔ میں تمھیں موقع دے رہی ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مقابلہ کرنے والی یوں اچانک پھسل پڑی جیسے کیلے کے چھلکے پر پاؤں پڑ گیا ہو لیکن وہ پھسلتے ہوئے سونیا کی ٹانگوں پر ٹانگ مارنے آئی تھی۔ جب کوئی آرزو پوری نہ ہو تو وہ حسرت میں بدل جاتی ہے۔ اس نے حسرت سے دیکھا۔ سونیا دوسری جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ اب اس نے وہی تکنیک استعمال کی۔ زمین پر لیٹے ہی لیٹے چکراتے ہوئے سونیا کی طرف آئی۔ پہلے فضا میں اڑنے کی تیکنیک تھی۔ اب خشک زمین پر تیرنے والی تیکنیک کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یہ مظاہرہ بھی ناکام رہا کیونکہ سونیا چھلانگ لگا کر میز پر کھڑی ہو گئی تھی اور کہہ رہی تھی "تم یہی جی بھر کر تیرتی رہو تھک جاؤ تو مجھے بتا دینا۔"

مقابلہ کرنے والی الٹی قلابازی کھا کر کھڑی ہو گئی۔ غصے سے ریوالور کی طرف دیکھنے لگی۔ سونیا نے کہا "ارے ہاں، وہ ریوالور تو پھر تمھارے ہاتھ سے نکل گیا۔ دیکھتی کیا ہو۔ اٹھا لو اسے۔ میں تمھیں نہیں روکوں گی۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ ریوالور کی طرف بڑھنے لگی۔ سونیا نے کہا "اس وقت تم دنیا کی بزدل ترین عورت ہو اور میں تم سے لڑنا اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ کہاں تو اتنی ڈینگیں مار رہی تھیں اور کہاں ایک ریوالور کو اٹھانے کے لیے اتنے جتن کر رہی ہو۔"

اس وقت تک وہ ریوالور کے پاس پہنچ کر اسے اٹھا چکی تھی۔ پھر اٹھاتے ہی اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ فوراً ہی نشانہ لے کر ٹریگر دبایا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے ساتھ ریوالور ثابت کر رہا تھا کہ سونیا خالی ہاتھ ہی رہتی ہے۔ ریوالور بھی اس کے ہاتھ میں تھا لیکن خالی تھا۔ اس نے جھنجلا کر ریوالور کو اس طرح کھینچ کر مارا، جیسے پتھر مار رہی ہو۔ سونیا نے اسے کیچ کر لیا۔ پھر ہنستے ہوئے کہا "اگر میں کرکٹ کی کھلاڑی ہوتی تو لیڈی آف دی میچ کہلاتی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مقابلہ کرنے والی کو محسوس ہوا جیسے ٹرانسمیٹر سے کوئی اشارہ موصول ہو رہا ہے۔ یہ بات میں اس کے دماغ میں رہ کر سمجھ رہا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا "اس کے پاس ٹرانسمیٹر ہے اور اسے اشارہ موصول ہو رہا ہے۔ اس کی سوچ بتا رہی ہے کہ پیرس کا ماسٹر اس سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ شاید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ سابقہ سپر ماسٹر کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوئی ہے یا نہیں؟"

سونیا نے سوچ کے ذریعے کہا "اگر اسے بات کرنے کا موقع دیا جائے گا تو پیرس کے ماسٹر کو یہاں کے حالات کا علم ہو جائے گا اور وہ لوگ اس کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔ اسی لیے تو چاہتا ہوں، یہ قصہ فوراً ختم کر دو۔"

سونیا جب کسی خاص مقصد کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو فینسی ڈریس نہیں پہنتی۔ اس کا مخصوص لباس پتلون، بنیان اور جیکٹ ہوتا ہے جو زیادہ تر سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس وقت اس نے جیکٹ کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال کر سائلنسر نکالا۔ اسے میز پر رکھے ہوئے ریوالور کی نال سے لگاتے ہوئے بولی "یہ اس سائلنسر کو تم نے ادھر پھینکا تھا۔ میں نے تمھیں بے وقوف بنانے کے دوران اسے اٹھا لیا تھا۔ اب دیکھو یہ اس سے منسلک ہو رہا ہے۔"

اس نے گھبرا کر پہلے تو ریوالور کو دیکھا۔ پھر اس طرف دیکھا جہاں اس نے ریوالور کی گولیاں پھینک دی تھیں۔ سونیا نے ایک گولی اسے دکھاتے ہوئے کہا "یہ میرے پاس ہے اور یہ اب چیمبر میں جا رہی ہے۔"

اس نے فوراً ہی سونیا پر چھلانگ لگائی لیکن اب وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو چکی تھی کہ سونیا کو شاید ایک ہاتھ بھی نہیں مار سکے گی۔ اور یہی ہو رہا تھا۔ جب وہ ناکام چھلانگ کے بعد زمین پر گر کر اٹھی۔ اس وقت تک سونیا اسے ریوالور کی زد میں لے چکی تھی اور کہہ رہی تھی "مردہ سپر ماسٹر کا کاغذ اور قلم میز پر رکھا ہوا ہے۔ اسے اٹھاؤ اور وہی لکھو جو میں کہہ رہی ہوں۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے کی طرف ہٹتے ہوئے دروازے کی طرف جانے لگی۔ اب اسے فرار ہونے کی سوجھ رہی تھی۔ دروازے پر پہنچتے ہی وہ مجھ سے ٹکرا گئی۔ فوراً ہی اچھل کر دوسری طرف چلی گئی۔ پلٹ کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "میں نے تمھیں ایک ذرا ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ جہاں سونیا موجود ہوتی ہے۔ وہاں میں بیچارہ تماشائی بنا رہتا ہوں۔ کچھ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ چلو اس کی بات مان لو اور جو کہتی ہے اسے لکھو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں نہیں، میں نہیں لکھوں گی۔"

میں دوسرے ہی لمحے اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ آگے بڑھی اور میز پر جھک کر قلم اٹھانے کے بعد لکھنے لگی۔ سونیا کہہ رہی تھی۔ لکھو:

"میرے سامنے موت کھڑی ہے لیکن میں اس کا نام نہیں لے سکتی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں سابقہ سپر ماسٹر کے سامنے موت بن کر کھڑی ہوئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے ہلاک کرنے کے بعد اسی ہستی کو اس قتل کا ذمے دار ٹھہراؤں گی جس نے پچھلی رات بڑی دہشت گردی سے یہودیوں کو قتل کیا تھا لیکن میں یہ بھول گئی کہ وہ کالی بلا میرا پیچھا کرتی یہاں تک بھی آ جائے گی۔

یہ جو میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ یہ اپنے زندہ دشمنوں کو وارننگ دے رہی ہے کہ آئندہ کوئی اس کے نام سے ایسی واردات نہ کرے۔ ورنہ تاریک آسمان سے لپکنے والی بجلی جانتی ہے کہ اسے کس پر گرنا چاہیے۔"

اتنا لکھ کر اس نے نیچے اپنا پورا نام پتا لکھا اور دستخط کر دیے۔ سونیا نے میری ہدایت کے مطابق وہ سائلنسر لگا ہوا ریوالور اس کے سامنے رکھ دیا۔ پھر میرے پاس آ گئی۔ ہم دونوں سکون سے چلتے ہوئے باہر آ گئے لیکن میں اسی عورت کے دماغ کو کنٹرول کیے ہوئے تھا۔ وہ ریوالور سے سائلنسر نکال رہی تھی۔ ہم اپنی موٹر بوٹ میں آ گئے۔ اس وقت وہ اپنے پرس سے رومال نکال کر ریوالور کو صاف کر رہی تھی۔ سونیا کی انگلیوں کے نشانات مٹا رہی تھی۔ پھر اس نے رومال کے ساتھ ریوالور کے دستے

کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ انگلی کو ٹریگر پر رکھا۔ سونیا نے موٹر بوٹ کے انجن کو اسٹارٹ کیا۔ اِدھر انجن کا شور ہوا، اُدھر ٹھائیں سے گولی چلی۔ تیزی سے بھاگنے والی بوٹ کا شور مچاتا ہوا انجن یہ کہہ رہا تھا، آدمی کا انجن بھی جب تک چلتا رہتا ہے، شور مچاتا ہے، تیزی دکھاتا ہے، جہاں انجن بند ہوا، وہاں سب کچھ ختم جاتا ہے۔

آدھے گھنٹے کے بعد ہم اپنی کار میں بیٹھ کر ایک ٹیلیفون بوتھ کے پاس پہنچے۔ پھر وہاں سے سونیا نے پیرس کے ماسٹر سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے پوچھا "ماسٹر! کیا میری آواز پہچان رہے ہو؟"

میں اس کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ آواز سنتے ہی پہلے تو وہ چونکا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا "اوہ مادام سونیا! آپ کی آواز ہم لاکھوں میں پہچان سکتے ہیں۔"

"بالکل اسی طرح جس طرح میں لاکھوں کاروں میں تمہاری کار کو پہچان سکتی ہوں۔"

"جی، میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب سے کچھ دیر پہلے نو بج کر بیس منٹ پر میں نے تمہاری کار کو لے ڈی لا سائیٹ کے پارکنگ ایریا میں دیکھا۔ اس کار میں تم نہیں تھے۔ ایک جوان عورت کسی ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ نظر آئی۔ پارکنگ ایریا میں اس کی کار میری کار کے بالکل برابر آکر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی زبان سے چند فقرے سنے اور چونک گئی۔ کیونکہ وہ فقرے اس کے ساتھی مرد کو سپر ماسٹر ظاہر کر رہے تھے۔"

پیرس کا ماسٹر یہ سن کر چونک گیا۔ اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے بولا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔ ظاہر ہے اس کے بعد میں ان دونوں کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ میں اُن کے تعاقب میں نوٹرے ڈیم تک پہنچ گئی۔ وہاں بات کچھ اور کھل کر سامنے آئی۔ پتا چلا کہ وہ سپر ماسٹر استعفیٰ دے چکا ہے اور اب کوئی نیا سپر ماسٹر آیا ہے اور وہ نیا سپر ماسٹر یہودی ہے۔ اب تم اُس یہودی سے رابطہ قائم کرو اور اُسے میرا پیغام دو۔ میں اُسے سپر ماسٹر کا عہدہ حاصل کرنے پر مبارک باد دیتی ہوں اور تحفہ کے طور پر دو لاشیں اُس کے لیے چھوڑ آئی ہوں۔ اس سے کہنا آئندہ میرے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلانے سے پہلے ایک بار نئے سرے سے میرے ریکارڈ کو توجہ سے پڑھے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں اس کے ساتھ بوتھ کے اندر کھڑا ہوا باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ریسیور رکھنے کے بعد میں نے کہا "اب ریٹھ پادر کے باس اسحاق وال وِچ کے ذریعے سابقہ ماسک مین سے رابطہ قائم کرو۔"

اس نے پھر ریسیور اٹھا کر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے باس اسحاق وال وِچ کی سیکریٹری کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے گھمبیر آواز میں کہا "ماسک مین کا پیغام ہے۔ اپنے باس کو ریسیور دو۔"

ذرا سی دیر میں ہی باس کی آواز سنائی دی "یس، میں [illegible] کر رہا ہوں۔ پیغام سنائیں۔"

"کیا سناؤں، میری آواز سنتے ہی دشمنوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں مسٹر اسحاق وال وِچ! سو گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

"اوہ، مادام سونیا! مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ آپ نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے اور مجھے آپ سے گفتگو [illegible] حاصل ہو رہا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں، یہ شرف تمہارے سابقہ ماسک مین کو بھی حاصل ہو۔ ریسیور اسے دے دو۔"

"جی، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ بھلا ماسک مین ہم سے رو برو کب ملاقات کرتے ہیں اور یہ سابقہ ماسک مین سے [illegible] کی مراد کیا ہے؟"

"مجھ سے بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں وہ جانتی ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یقین نہ آئے تو سنو۔ پیرس کے ماسٹر کی ایک حماقت کے باعث میں سابقہ سپر ماسٹر تک پہنچ گئی۔ اس کے ذریعے پتا چلا کہ صرف وہی سابقہ نہیں رہا، بلکہ تمہارا ماسک مین بھی بدل گیا ہے۔ اب جو سابقہ ماسک مین ہے وہ اس [illegible] تمہارا مہمان بنا ہوا ہے۔"

"کیا، آپ نے سپر ماسٹر سے ملاقات کی ہے؟"

"ہاں، کی تھی۔ اب بے چارہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ [illegible] نے اس کی لاش کا تحفہ نئے سپر ماسٹر کو بھیجا ہے۔ میں توازن رکھنا چاہتی ہوں۔ اپنے مہمان ماسک مین سے پوچھو۔ اس کا [illegible] نئے ماسک مین تک کس وقت پہنچایا جائے؟"

"دیکھیے مادام! آپ ہمیں دوست بنانے کے بجائے دشمنی کی فضا پیدا کر رہی ہیں۔ یہ جو دہشت آپ نے پھیلا رکھی ہے، اتنے قتل ہو رہے ہیں، کیا اس کے نتیجے میں آپ کے دشمنوں کی تعداد نہیں بڑھے گی اور جب بڑھے گی تو آپ کب تک محفوظ رہیں گی، کب تک روپوش رہیں گی؟"

"جب فرہاد میرے ساتھ نہیں رہا تو مجھے یہ زندگی [illegible] ہے۔ میں اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتی۔ تم سے کہہ دیا، میرا پیغام دونوں ماسک مین تک پہنچا دو اور اتنا کہہ دو کہ [illegible] نے پیرس شہر کی ناکہ بندی کر دی ہے۔ تمہارا مہمان ماسک مین یہاں سے باہر نہیں جا سکے گا۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ہم دونوں کار میں آکر بیٹھ گئے۔ جب کار آگے بڑھ گئی تو میں نے باس اسحاق وال وِچ کی خبر لی۔ سابقہ ماسک مین اسی کمرے میں تھا اور پریشانی سے ٹہل رہا تھا۔ بڑبڑا رہا تھا "یہ کیا نئی مصیبت ہے!"

اس وقت اسحاق وال وِچ فون کے ذریعے پیرس کے ماسٹر سے باتیں کر رہا تھا اور اس بات کی تصدیق کر رہا تھا کہ سونیا نے جو کچھ کہا ہے، وہ درست ہے یا نہیں۔ پھر اس نے ریسیور رکھ کر کہا "پیرس کا ماسٹر تصدیق کر رہا ہے۔ تم جس سپر ماسٹر کے ساتھ یہاں پہنچے ہو، وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "آخر سونیا کے ذرائع اتنے وسیع کیسے ہو گئے؟ کیا وہ پورے پیرس کی ناکہ بندی کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ خواہ مخواہ ہمیں دہشت زدہ کر رہی ہے۔ میں ابھی یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"ہو سکتا ہے سونیا نے ہماری اس رہائش گاہ کے قریب ہی کہیں سے فون کیا ہو اور اسی انتظار میں ہو کہ تم گھبرا کر باہر نکلو اور وہ تمہیں ٹھکانے لگا دے۔"

اس نے پریشان ہو کر اسحاق وال وِچ کا منہ دیکھا۔ پھر دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ انکار میں سر ہلا کر کہنے لگا "نہیں، نہیں۔ اب اسے ٹیلی پیتھی کا سہارا نہیں مل سکتا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، پیرس کے ماسٹر کی ایک حماقت سے سونیا سپر ماسٹر تک پہنچ گئی تھی لیکن وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ میں کوئی حماقت نہیں کروں گا۔ تم بھی خاموش رہو۔ میں آج ہی رات کو فرانس کی سرحد سے نکل جاؤں گا لیکن کس طرح نکلوں گا، یہ اپنے سائے کو بھی نہیں بتاؤں گا۔ دیکھتا ہوں۔ وہ میرا پیچھا کیسے کرتی ہے۔"

میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسحاق وال وِچ کے دماغ میں ایک خیال پیدا کیا۔ وہ چونک کر بولا "اوہ، ہم تو ایک بات بھول ہی گئے تھے۔"

"وہ کیا؟"

"شاید سونیا کی سونگھنے کی صلاحیت پھر بحال ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ سونگھنے کی یہ حس جو کسی وجہ سے ختم ہو رہی ہے کسی نامعلوم وجہ سے پھر بحال ہو سکتی ہے۔ شاید اسے تمہاری بُو سونگھنے کا کوئی ذریعہ حاصل ہو گیا ہو گا۔"

"کیسے سونگھ سکتی ہے۔ میں کبھی اس کے سامنے نہیں گیا، کبھی میرا ایک رومال بھی اس کے ہاتھ نہیں لگا۔ پھر وہ کیسے میری بُو تک پہنچ سکتی ہے؟"

"جب وہ پہنچ جائے گی، تب بتائے گی کہ اس نے کس طرح تمہاری بُو کو پالیا تھا۔"

اب سابقہ ماسک مین کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ سونیا واقعی پورے پیرس کی ناکہ بندی کر سکتی ہے۔ وہ جدھر سے گزرے گا، ادھر اس کی بُو کو پالے گی اور موت کی طرح اس کی شہ رگ تک پہنچ جائے گی۔

باس اسحاق وال وِچ خلا میں تک رہا تھا اور آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا "جن لوگوں نے فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے وہ سب کے سب یکے بعد دیگرے اپنی موت کے فیصلے پر بقلم خود دستخط کریں گے۔ سونیا یہی کروا رہی ہے۔"

میں نے سونیا سے کہا "ماسک مین کی حالت غیر ہے۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی ہے کہ اسے کس طرح اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ اسے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ جہاں بھی جائے گا، تم اس کی بُو سونگھ لوگی اور اس سے نمٹ لوگی۔"

"بے چارے کو ذرا گائیڈ کر دو۔ اس کے دماغ میں یہ بات ڈال دو کہ پچھلی رات سے تمام یہودی سونیا کی تلاش میں ہیں۔ جب وہ یہودیوں سے مدد حاصل کرنا چاہے گا تو یقیناً جے پارکر تک پہنچے گا اور اس کے ذریعے خود بخود ہمارے قریب آجائے گا۔"

میں نے محبت سے، فخر سے سونیا کو دیکھا۔ پھر کہا "معلوم ہوتا ہے اس کھوپڑی میں ہمیشہ پکا پکایا منصوبہ موجود رہتا ہے۔"

یہ کہہ کر میں سابقہ ماسک مین کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی سوچ میں یہی بات چھیڑ دی کہ یہودی اس سلسلے میں اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ اس نے صوفے پر سیدھی طرح بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر اسحاق وال وِچ! آپ یہاں کے کسی بڑے یہودی سے رابطہ قائم کریں۔ وہ لوگ سونیا کی تلاش میں ہوں گے اور اپنے بچاؤ کی نہ جانے کیسی کیسی تدابیر کر چکے ہوں گے۔ مجھے ان سے مدد مل سکتی ہے۔"

باس اسحاق وال وِچ اس کی خواہش کے مطابق کسی یہودی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں دماغی طور پر واپس آگیا۔ سونیا نے ایک اسنیک بار کے سامنے گاڑی روک دی تھی اور کافی کا آرڈر دے رہی تھی۔ جب کافی آگئی تو میں نے ایک چسکی لیتے ہوئے پھر سابقہ ماسک مین کی خبر لی۔ وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا اور کوئی اسے سمجھا رہا تھا "مسٹر! آپ اطمینان سے باہر نکلیں اور فٹ پاتھ پر چلیں۔ [illegible] کے ساتھ کہ سونیا آپ کے قریب نہیں آسکے گی۔ آئے گی تو ہم سے بچ کر نہیں جائے گی۔"

ماسک مین نے کہا۔ "آپ یہ بات یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں، میں سونیا کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ قتل کرنے سے پہلے مقتول سے ایک خط لکھواتی ہے اور لکھنے والے کی موت کے فیصلے پر مرنے والے کو خود دستخط کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جب تک یہ تم سے نہیں کرائے گی، اس وقت تک تمھیں قتل بھی نہیں کرے گی۔"

ماسک مین نے قائل ہو کر سوچا۔ "یہ درست ہے۔ اب تک یہی ہوتا آیا ہے۔ سونیا کو ضد ہے، جسے قتل کرتی ہے پہلے اسے اپنی موت کے فیصلے پر بقلم خود دستخط کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گی۔ لہٰذا آزادی سے باہر نکلنا چاہیے۔ جب ایسے بھی مرنا ہے اور ویسے بھی مرنا ہے تو کیوں نہ اسے گرفتار کرانے کی کوشش کرتے ہوئے جان دی جائے۔"

میں نے سونیا کو ماسک مین کے متعلق بتایا۔ وہ کہنے لگی۔

"فی الحال اسے چھوڑ دو۔ کیا ضروری ہے کہ آج ہی اس کا کام تمام کیا جائے۔"

"ضروری ہے۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں تل ابیب میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں اپنے لیے میدان ہموار کر کے رکھنا چاہیے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"گھر چلو۔ وہاں اطمینان سے بیٹھ کر اس سے نمٹ لوں گا۔"

سونیا نے کار کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا۔ میں نے ماسک مین کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہا۔ "ٹھیک ہے کہ مجھے باہر نکلنا چاہیے۔ اپنی جان پر کھیل کر سونیا کو گرفتار کرانا چاہیے لیکن رات کے وقت یہ مناسب نہیں ہے۔ وہ کہیں بھی تاریکی سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ کالی بلا رات کے اندھیرے میں نہ جانے کہاں سامنے آ جائے۔"

یہی بات اس نے باس اسحاق وال وِچ سے کہی۔ اس نے کہا۔ "آپ صبح یہاں سے سیر کے لیے نکلیں۔ ہمارے لوگ آپ کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ کوئی بھی عورت آپ کے قریب آئے گی، تو اس سے نمٹ لیا جائے گا۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ دل میں دہشت تھی۔ وہ اتنی جلدی سو نہیں سکتا تھا۔ اس لیے پینے لگا۔ تاکہ نشے میں موت کو کسی قدر بھول جائے۔ میں نے اسے پینے کا موقع دیا اور اس کے دماغ کو خالی چھوڑ دیا۔ ہم تقریباً گیارہ بجے اپنی رہائش گاہ میں پہنچے۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے صرف تم ہی ان کے پاس جاؤ! ادران سے موت کے کاغذ پر دستخط کراؤ۔ بھئی، یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔"

"تم کر سکتے ہو لیکن میرا نام کیوں آئے۔ جبکہ میں وہاں موجود نہیں ہوں گی۔"

"تم رہو یا نہ رہو، ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمھارے نام سے دہشت طاری رہے۔ فرہاد ان کی نظروں میں ٹیلی پیتھی سے خالی ہو چکا ہے۔ وہ میدانِ عمل میں نہیں آ سکتا۔ ایک تم ہی رہ گئی ہو۔ میں جو کچھ کر سکتا ہوں تمھارے ہی نام سے کر سکتا ہوں۔"

میں نے اسے بہت سمجھایا۔ وہ راضی ہو گئی۔ تب میں نے سابقہ ماسک مین کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک پی رہا تھا اور پریشان ہو رہا تھا۔ نشے کے باوجود سونیا دماغ سے نہیں نکل رہی تھی۔ میری خواہش کے مطابق وہ بستر پر لیٹ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ سونے لگا۔ جب وہ گہری نیند میں ڈوب گیا، تب میں نے اسے تنویمی عمل کے ذریعے ٹریپ کیا اور اسے اٹھا دیا۔ اس نے بستر سے اتر کر پہلے بیڈ روم کے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر ایک میز کے پاس آیا۔ وہاں بیٹھ کر کاغذ اور قلم لے کر لکھنے لگا۔

"میرے سامنے موت کھڑی ہے۔ وہ موت جو ہر ٹھوس دیوار میں دروازہ بنا کر چلی آتی ہے۔ اس وقت وہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود میرے سامنے چلی آئی ہے۔ اس کا حکم ہے کہ میں اسی طرح اپنی موت کے فیصلے پر دستخط کروں جس طرح فرہاد کی موت کے فیصلے پر میں نے دستخط کیے تھے۔

یہ جو میرے سامنے ہے، میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ 'شی از اے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو'۔"

اتنا لکھ کر اس نے دستخط کیے پھر کاغذ اور قلم کو وہیں چھوڑ دیا۔ واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد ہپناٹزم کے ذریعے گہری نیند سو گیا۔

میں نے اسحاق وال وِچ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کی خوابیدہ سوچ نے بتایا کہ اس کے سرھانے والی میز پر نیند کی گولیاں، پانی کا جگ اور گلاس رکھا ہوا ہے۔ اس نے سونے سے پہلے دو گولیاں کھائی ہیں اور گولیاں کھانے سے پہلے اپنے خاص ماتحت کو حکم دیا ہے کہ وہ سامنے والے بنگلے میں محتاط رہے اور رات بھر جاگتا رہے۔ سونیا کسی وقت بھی اپنا چیلنج پورا کرنے کے لیے آ سکتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بنگلے کے احاطے میں دو خونخوار کتوں کو آزاد چھوڑ دیا اور پھر اطمینان سے سو گیا تھا ــــ ان کتوں کی موجودگی میں کوئی نہیں آ سکتا تھا

میں نے اس پر تنویمی عمل شروع کیا۔ خوابیدہ حالت میں وہ جلد ہی میرا معمول بن گیا۔ میں نے اسے ہدایات دیں کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

وہ بستر سے اٹھ کر اپنے اسٹڈی روم میں گیا۔ وہاں بہت سی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ خطرناک قسم کے ہتھیار تھے، کچھ مختلف اقسام کے زہر تھے، جو سفوف اور رقیق مادے کی صورت میں بوتلوں میں بند تھے۔ اس نے ایک زہر کی چھوٹی سی شیشی اٹھائی پھر اسے لے کر کچن میں آیا۔ فریج کو کھول کر اس نے گوشت کے دو بڑے بڑے ٹکڑے اٹھائے ان دونوں ٹکڑوں کو زہر آلود کیا انھیں کاغذ میں لپیٹ کر کچن کے پچھلے دروازے سے باہر آیا۔ احاطے میں دونوں کتے آزادی سے گھوم رہے تھے کسی کی آہٹ پا کر غرانے لگے پھر اپنے مالک کو پہچانتے ہی خاموش ہو گئے۔ اس نے پچکارتے ہوئے انھیں بلایا۔ وہ قریب آئے تو ان کے آگے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا پھینک دیا۔ وہ بڑے شوق سے کھانے لگے۔ کھانے کے دوران ہی دونوں جھجک بھی رہے تھے کبھی گوشت کے ٹکڑے کو چھوڑ رہے تھے کبھی لالچ میں لپک رہے تھے۔ آخر انھوں نے آدھے سے زیادہ کھا لیا۔ پھر کھانے کے نتیجے میں وہی ہوا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔ وہ دونوں غراتے ہوئے، کراہتے ہوئے عجیب عجیب سی آوازیں منہ سے نکالتے ہوئے اپنے جسم کو اینٹھ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ زمین پر ساکت ہو گئے۔

اسحاق وال وِچ نے سگریٹ لائٹر کو آن کیا، جس کاغذ میں گوشت کے ٹکڑے لے کر آیا تھا، اسے جلا ڈالا۔ تاکہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کاغذ اسی کے گھر سے حاصل کیا گیا تھا۔

وہ کچن کے اسی پچھلے دروازے سے اندر آیا۔ دروازے کو اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا۔ پھر وہ وہاں سے چلتا ہوا ماسک مین کی خوابگاہ کے پاس پہنچا۔ اس خوابگاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ماسک مین بے خبر سو رہا تھا۔ اسحاق وال وِچ نے اندر آ کر دروازے کو بند کر دیا۔ باتھ روم میں ماسک مین کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک رومال اور ایک نکٹائی لی۔ پھر بستر کے پاس آ کر رومال کو ماسک مین کے منہ میں ٹھونس دیا۔ وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا تھا لیکن اس کے دماغ پر میرا قبضہ تھا۔ اسحاق وال وِچ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا کیونکہ وہ تنویمی عمل کے زیرِ اثر کام کر رہا تھا۔ جب اس نے رومال ٹھونسنے کے بعد اس کے منہ پر نکٹائی باندھ دی تو میں نے ماسک مین کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چلانا چاہتا تھا لیکن منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اسحاق وال وِچ اسے پے در پے گھونسے مار رہا تھا۔ کبھی ناک پر، کبھی منہ پر اور کبھی بالوں سے پکڑ کر اسے اٹھاتا تھا۔ اسے فرش پر پٹخ دیتا تھا۔ اس بُری طرح پٹائی کر رہا تھا جیسے دو جانی دشمنوں کے درمیان اچھی خاصی جنگ ہو رہی ہو۔ اس دوران اس کی چیزیں بھی منتشر ہوتی رہیں۔ اس بات کا خیال رکھا گیا کہ آواز دور تک نہ جا سکے۔ بہرحال اچھی طرح پٹائی کرنے کے بعد جب ماسک مین بالکل نڈھال ہو گیا تو اس نے اس کے منہ سے نکٹائی کھولی اور اس کے گلے میں باندھ دی۔

میں ایک منٹ کے لیے وہاں سے چلا آیا۔ دو کتوں کی لڑائی کے دوران میری ضرورت نہیں تھی۔ جب میں دوبارہ وہاں پہنچا تو ماسک مین ساکت ہو چکا تھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا کیونکہ منہ سے رومال نکال لیا گیا تھا۔

اسحاق وال وِچ نے میز کے پاس آ کر اس کاغذ کو پیڈ سے الگ کیا جس پر ماسک مین نے اپنی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے پھر اس نے اس کاغذ کو گولائی میں لپیٹا اور اسے ماسک مین کے کھلے ہوئے منہ میں ٹھونس دیا۔

عجیب عبرتناک منظر تھا۔ وہ ماسک مین جو اب تک دوسروں کو موت کا فیصلہ سناتا آیا تھا اور ایک خطرناک تنظیم کا سربراہ رہ کر نہ جانے کتنے قتل کرا چکا تھا۔ آج وہ خود ایک لاش کی صورت میں فرش پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں اپنی ہی موت کے فیصلے کا کاغذ دبا ہوا تھا۔

اسحاق وال وِچ نے رومال لے کر ہر اس جگہ کو صاف کیا جہاں اس کی انگلیوں کے نشانات پائے جانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس نے کچن کے پچھلے دروازے کے ہینڈل کو بھی اسی طرح صاف کیا۔ فریج کے ہینڈل کو بھی صاف کرنے کے بعد واپس بیڈ روم میں آ گیا۔ رومال کو ماسک مین کی لاش کے پاس پھینکا۔ پھر اپنے بیڈ روم میں واپس آیا۔ وہاں اس نے خواب آور دوا کی شیشی میں سے مزید دو گولیاں نکالیں پھر انھیں کھڑکی کے باہر دور پھینک دیا۔ اس کے بعد بستر پر آ کر سو گیا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی کہ اس نے سونے سے پہلے چار خواب آور گولیاں کھائی تھیں۔ یہ بات نقش کرنے کے بعد میں نے اسے سُلا دیا۔

اس کے بعد میں نے جے ہے پار کر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میں احتیاطاً پارکر اور اس کے دستِ راست وین وائز کی خبر لیتا تھا۔ وین وائز شکی طبیعت رکھنے والا آدمی تھا۔ پہلے تو اس نے ہم پر شبہ نہیں کیا تھا لیکن پچھلی رات جب یہودی سونیا کے ہاتھوں مارے گئے اور اس کے بعد سپر ماسٹر کی باری آئی تو اس نے اپنے خاص آدمیوں کو ہمارے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ ہماری نگرانی کریں اور ہماری مصروفیات کی رپورٹ دیتے رہیں۔

یہ بات میرے لیے نئی تھی۔ میں نے وین وائز کے دماغ

کو کریدنا شروع کیا تو اس کے خیالات ظاہر ہوئے۔ وہ سوچ رہا تھا، بعض لوگ اپنی آستین میں سانپ پالتے ہیں لیکن انھیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے نیجے جیسے پارکر اپنی لاعلمی میں سونیا جیسی ناگن کو پناہ دے رہا ہو۔ سلطانہ اور سونیا قد و قامت میں ایک جیسی ہیں۔ جسامت اور عمر بھی تقریباً وہی ہے۔ لہٰذا اپنا شک دور کرنا چاہیے اور اپنے خاص آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دینا چاہیے۔

میں نے اس کے خوابیدہ ذہن سے پوچھا "میرے آدمی کب سے سلطانہ اور اس کے ساتھی ایزل ہارڈی کا تعاقب کررہے ہیں؟"

اس نے بتایا "تقریباً ساڑھے دس بجے رات سے۔"

میں اس کا جواب سن کر مطمئن ہوگیا کیونکہ دس بجے سے پہلے ہی ہم سپر ماسٹر کی موت کے کاغذ پر دستخط کرانے اور اس پر عمل کرانے کے بعد واپس آگئے تھے۔ وین وائز کو ہم پر شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ میں تھے اور باہر نہیں نکلے تھے۔ میں نے پوچھا "اس کے کتنے آدمی سلطانہ اور اس کے ساتھی کی نگرانی کررہے ہیں؟"

وہ جواب دے رہا تھا لیکن میں نے نہیں سنا کیونکہ اس کے ذریعے مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی اور وہ آواز پوچھ رہی تھی "کیا تم سو گئے ہو؟"

وہ بدستور سوتا رہا۔ میں اس سوال کرنے والی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ مسز وائز تھی۔ اپنے شوہر کے پاس آئی تھی۔ جب اسے جواب نہیں ملا تو وہ بھی لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے اسے چھوڑ کر وین وائز سے پوچھا "کتنے آدمی سلطانہ اور اس کے ساتھی کی نگرانی کررہے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "صرف دو آدمی ہیں۔ ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ یعنی ایک وقت میں دو آدمی نگرانی کرتے ہیں۔ اگر انھیں کوئی مشکل پیش آئے گی تو اپنی مدد کے لیے کچھ آدمیوں کو طلب کرلیں گے۔"

پندرہ منٹ کے بعد میں نے مسز وائز کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سو گئی تھی۔ میں نے اس پر تنویمی عمل کیا۔ جب وہ میری معمولہ بن گئی تو میں نے اسے اٹھا دیا۔ وہ بستر پر بیٹھ گئی۔ اس نے سر گھما کر اپنے خوابیدہ شوہر کو دیکھا پھر بستر سے اتر گئی۔ دبے قدموں چلتے ہوئے بیڈ روم سے باہر آئی۔ دروازے کو بند کردیا۔ وہاں سے چلتے ہوئے مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہاں ٹیلیفون کے قریب ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے ذرا دیر کے لیے چھوڑ دیا۔ اگر وہ ٹیلی پیتھی کے زیرِ اثر ہوتی تو فوراً ہی چونک جاتی لیکن ہپناٹزم کے زیرِ اثر تھی جوں کی توں بیٹھی رہی۔

میں نے جے جے پارکر کے دماغ سے کاہال تنظیم کی برانچ کے نئے سربراہ کا نام اور فون نمبر معلوم کیا۔ پھر مسز وائز کے پاس آگیا۔ اب وہ میری ہدایات کے مطابق وہی نمبر ڈائل کررہی تھی۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ کافی رات گزر چکی تھی۔ یقیناً جو بھی وہاں ہوگا گہری نیند میں ہوگا۔ بہرحال ذرا دیر بعد ہی نیند بھری آواز سنائی دی "ہیلو۔"

میں نے مسز وائز کو سونیا کے انداز میں ہنسنے پر مجبور کیا۔ پھر وہ اسی لب و لہجہ میں بولی "تم نئے سربراہ ہو۔ شاید میری آواز نہ پہچان سکو۔ یا تم نے میرا ریکارڈ پڑھنے کے بعد کیسٹ میں میری آواز سنی ہو۔"

دوسری طرف سے بات کرنے والے کی نیند اڑ چکی تھی۔ اب وہ پورے ہوش و حواس میں تھا۔ اس نے چونک کر کہا "کون مادام سونیا؟"

"ہاں، جس سابقہ ماسک مین کو بچانے کے لیے تم لوگوں نے پہرے بٹھائے تھے اور اس کے چاروں طرف آہنی دیواریں چن دی تھیں، وہ اب زندہ نہیں ہے۔ معلوم کرلو۔"

"ہم جانتے ہیں، مادام! آپ جو کہتی ہیں وہ کر گزرتی ہیں۔ ذرا ایک منٹ ریسیور نہ رکھیں۔ ہم آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ عظیم فرہاد علی تیمور زندہ ہیں اور ہم انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔ یقین نہ ہو تو آپ اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرکے معلوم کرسکتی ہیں۔"

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ جن لوگوں نے فرہاد علی تیمور کی موت کے کاغذ پر دستخط کیے تھے، انھیں اپنی اپنی موت کے کاغذات پر ضرور دستخط کرنے ہوں گے اور وہ باری باری کر رہے ہیں۔"

"لیکن آپ نے یہاں کی کاہال تنظیم کے سربراہ اور ان کے ساتھیوں کو کیوں ہلاک کیا۔ انھوں نے تو دستخط نہیں کیے تھے؟"

"انھوں نے تل ابیب جانے کے سلسلے میں میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی تھیں۔ ایک بات اچھی طرح سن لو۔ یہاں میرا کام ختم ہوچکا ہے۔ میں صبح سے پہلے پیرس چھوڑ دوں گی۔ اس کے بعد جہاں بھی جاؤں گی، وہاں کے دشمن اپنی اپنی موت کے فیصلوں پر دستخط کریں گے۔ اس طرح تم لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ میں کس ملک میں اور کس شہر میں ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد مسز وائز نے ریسیور رکھ دیا۔ وہاں سے اٹھ کر اطمینان سے چلتے ہوئے اپنے بیڈ روم کے دروازے پر آئی۔ آہستگی سے اسے کھولا پھر اندر آکر اتنی ہی آہستگی سے اسے بند کردیا۔ دبے قدموں چلتے ہوئے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ میں نے تنویمی عمل کے ذریعے ہدایت دی کہ جب وہ بیدار ہوگی تو یہ تمام باتیں

بھول چکی ہوگی۔ اس کے بعد وہ سو گئی۔ کاہال تنظیم کے سربراہ نے پولیس کے ایک افسر سے رابطہ قائم کرکے کہا "میرے نمبر پر ابھی جو کال آئی ہے، اس کے متعلق پتا چلایا جائے۔ وہ فون کہاں سے کیا گیا ہے؟"

یہ کہنے کے بعد اس نے ریڈ پاور کے باس اسحاق وال ویچ کے نمبر ڈائل کیے۔ پھر انتظار کرنے لگا۔ وہاں فون کی گھنٹی بج رہی تھی لیکن کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا تھا۔ میں نے اسحاق وال ویچ کے پاس جاکر اسے بیدار کیا۔ وہ گھنٹی کی آواز سننے لگا۔ نیند کی حالت میں تھا۔ بڑی مشکل سے اٹھا۔ پھر بستر سے اتر کر غنودگی کی حالت میں چلتا ہوا فون تک آیا۔ ریسیور اٹھا کر بولا "ہیلو۔"

وہ دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا اور اس کی نیند اڑتی رہی۔ اس نے کہا "ہرگز نہیں، سونیا یہاں کیسے آسکتی ہے۔ میں نے تو سامنے والے بنگلے میں اپنے آدمیوں کو محتاط رہنے اور رات بھر جاگنے کے لیے کہا ہے۔ وہ یقیناً ڈیوٹی پر ہوں گے۔ اس کے علاوہ میں نے دو خطرناک قسم کے کتے . . ."

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ سوچنے لگا، کتوں کے بھونکنے کی آواز نہیں آرہی ہے؟ اب سے پہلے وہ جب بھی انھیں کمپاؤنڈ میں چھوڑتا تھا اور سو جاتا تھا تو اکثر نیند کی حالت میں بھی ان کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی لیکن آج سناٹا ہے۔ اس نے کہا "آپ جو اطلاع دے رہے ہیں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ ذرا انتظار کریں۔"

اس نے ریسیور کو ایک طرف رکھ دیا پھر تیزی سے چلتا ہوا سابقہ ماسک مین کے بیڈ روم کی طرف آیا۔ دروازہ کھلا ہوا ملا۔ اندر پہنچتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ دیدے پھیلا کر دہشت زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کا مہمان ماسک مین فرش پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ اس کے کھلے ہوئے منہ میں ایک کاغذ ٹھنسا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کاغذ کو نکال لیا۔ پھر پڑھنے لگا۔ اسی انداز کی تحریر تھی جو دوسرے دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ پائی گئی تھی یعنی سابق ماسک مین نے بھی اپنی موت کے فیصلے پر بقلم خود دستخط کیے تھے۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا کچن کے پاس آیا پھر پچھلے دروازے کو کھلا دیکھ کر ذرا ٹھٹک گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر کمپاؤنڈ میں گیا۔ کتوں کو آواز دی مگر جواب نہیں ملا۔ ذرا آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ مُردہ پڑے ہوئے تھے۔ وہ اسی طرح تیزی سے چلتا ہوا واپس ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "آپ کی اطلاع درست ہے۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "یہ کیسے ہوگیا؟ آپ نے تو بہت سخت پہرے لگائے تھے؟"

"ہاں، اس کے باوجود مجھے حیرانی نہیں ہے۔ وہ کالی بلا ایسی ہی ہے۔ اس بار اس نے کوئی پیچیدہ راستہ اختیار کیا۔ میرے کتوں کو زہریلا گوشت کھلایا۔ پھر آسانی سے میرے بنگلے میں داخل ہوگئی۔"

"آپ کے آدمی کیا کررہے تھے؟"

اس نے جھنجلا کر کہا "کچھ بھی کررہے تھے۔ آپ مجھ سے حساب طلب نہ کریں۔ میں آپ کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔ اپنے طور پر میں نے حفاظتی تدابیر کیں۔ ناکام رہا یہ الگ سی بات ہے۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ پھر اٹھا کر دوسرے نمبر ڈائل کیے۔ سامنے والے بنگلے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کے خاص ماتحت نے ریسیور اٹھایا۔ اس نے پوچھا "کیا تم جاگ رہے ہو؟"

"یس سر! میں ڈیوٹی کے دوران کبھی نہیں سوتا۔ میری نظریں آپ کے بنگلے کی طرف ہیں اور میرے ساتھی بھی جاگ رہے ہیں۔"

"کیا خاک جاگ رہے ہیں۔ سونیا اپنا کام کرکے جاچکی ہے۔"

اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ میں نے جے جے پارکر اور اس کے دستِ راست وین وائز کی خبر لی۔ پتا چلا سبھی ہڑبڑا کر بیدار ہوچکے ہیں۔ سب کو مہمان ماسک مین کی ہلاکت کی اطلاع دی جارہی ہے۔ وین وائز یہ خبر سنتے ہی اپنی الماری کے پاس گیا پھر وہاں سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر رابطہ قائم کرنے لگا۔ اس کا رابطہ ان دو افراد سے ہوا جو ہماری نگرانی پر مامور کیے گئے تھے۔ ایک نے جواباً کہا "جناب! میں یہاں اس بنگلے کے سامنے موجود ہوں۔ میں نے سوا دس بجے سے مس سلطانہ اور ایزل ہارڈی کا تعاقب ایک اسنیک بار سے شروع کیا تھا۔ وہ گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے اس رہائش گاہ میں آئے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک باہر نہیں نکلے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی خوابگاہ میں سو رہے ہیں۔ اندر کی تمام بتیاں بجھی ہوئی ہیں۔ بنگلے کے دوسرے گیٹ پر ہمارا دوسرا ساتھی چوکیدار ہے۔ ہم باری باری اس رہائش گاہ کے چاروں طرف چکر لگاتے رہتے ہیں۔ دونوں یا دونوں میں سے ایک کوئی بھی باہر نکلے گا تو ہم میں سے ایک یا دونوں اس کا تعاقب کرے گا۔"

وین وائز نے ٹرانسمیٹر کو آف کردیا۔ اسے الماری میں رکھنے کے بعد تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر ہماری رہائش گاہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے سونیا سے کہا "فون کی گھنٹی بجنے والی ہے۔ تم ریسیور اٹھا کر نیند کی حالت میں جواب دینا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سونیا نے تھوڑی دیر تک اسے بجنے دیا پھر ریسیور اٹھا کر نیند بھرے لہجہ میں بڑبڑاتے ہوئے کہا "کیا مصیبت ہے۔ اتنی رات کو بھلا مجھے کون فون

کر سکتا ہے۔ یقیناً رانگ نمبر ہو گا۔ پلیز، جواب دیں۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ وین وائز صرف آواز سن رہا تھا۔ میں نے بیزاری کے انداز میں پوچھا "اوہ سلطانہ! میری نیند کا تو خیال کرو۔ کس سے باتیں کر رہی ہو؟"

"پتا نہیں، کس کمبخت نے فون کیا ہے۔ دوسری طرف سے آواز ہی سنائی نہیں دے رہی ہے۔"

اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے وین وائز کو دیکھا وہ ریسیور رکھ کر ہماری طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔ میں نے سونیا کو سابقہ مامک مین کے متعلق مختصر طور پر بتایا۔ پھر کہا "رات بہت ہو چکی ہے۔ اب سو جاؤ۔"

"تمھیں تو راتوں کو جاگنے کی عادت ہو گئی ہے۔ میں سو جاؤں گی مگر تم جاگتے رہو گے۔"

"بھئی کہہ تو رہا ہوں، سو جاؤ۔ کل سے تل ابیب میں میری سرگرمیاں شروع ہوں گی، اس لیے نیند پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ لیٹ گئی۔ میں نے بھی آرام سے لیٹنے کے بعد آنکھیں بند کیں۔ میں نے اپنے اور اس کے دماغ میں صبح سات بجے کا الارم مقرر کیا۔ اس کے بعد گہری نیند میں ڈوب گئے۔

*
* * *
*

مملکتِ اسرائیل کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے یہودیوں کے حق میں ریزولیوشن پاس کیا۔ اس کے مطابق ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو یہودی سرزمینِ اسرائیل کے مالک بن گئے۔ اس دن سے یہ لوگ ۱۴ مئی کو یوم فتح فلسطین مناتے ہیں۔ آج سے تیسرے دن مئی کی چودہ تاریخ تھی اور میں دماغی طور پر تل ابیب پہنچ گیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے گوئیل اور ڈربی فائین کے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ میں وہاں سونیا جیسی قدوقامت والی عورت کے ذریعے کام لینا چاہتا تھا۔ یوں تو میں کسی بھی عورت کو خوابیدہ حالت میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اور تنویمی عمل کے ذریعے اپنے کام میں لا سکتا تھا۔ اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ نیند کی حالت میں ہو اور اُسے میرے تنویمی عمل کا پتا نہ چلے۔

یہ تو مجھے کرنا ہی تھا لیکن میں مجاہدوں کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اگر ان سے دماغی رابطہ قائم ہو جاتا تو میں ان کے علم میں آئے بغیر انھیں اپنے طور پر دشمنوں کے خلاف استعمال کرتا۔ اس طرح مجاہدین کے اپنے مقاصد بھی پورے ہوتے رہتے۔ پتا چلا، اسرائیل کے حکمرانوں کے لیے وہاں کے اندرونی حالات اطمینان بخش نہیں رہتے صرف مجاہدین ہی نہیں وہاں کے قدیم یہودی باشندے ان تمام یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں جو اسرائیل کی آزادی کے بعد وہاں آئے ہیں اور اپنے کاروبار کے ذریعے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رہے

ہیں اور انھیں احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہے ہیں۔

ویسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک یہودی دوسرے یہودی کا خواہ کتنا ہی دشمن ہو، قومی معاملات میں وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ڈربی فائین مغربی ساحل پر کوسٹ گارڈز آفیسر تھا۔ میں اس کے خیالات چپ چاپ پڑھ رہا تھا، اس دن وہ فوجی ہیڈ کوارٹر کے ایک دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک افسر فون کے ذریعے کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ پتا چلا، وہ شہر غزہ کی جیل کے ایک جیلر سے باتیں کر رہا تھا اور انھیں حکم دے رہا تھا کہ خاص طور پر جن قیدیوں کے نام بھیجے گئے ہیں انھیں یوم فتح فلسطین کی خوشی کے موقع پر رہا کر دیا جائے اور رہا ہونے والوں کو ... دے دی جائے۔

یروشلم کے جنوب مغرب میں تقریباً پینسٹھ میل کے فاصلے پر غزہ ہے۔ یہ سمندر کے ساحل پر ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب دیویوں کو پوجا کرتے تھے، ان میں سے ایک دیوی کا نام عزہ تھا۔ وہاں کی جیل میں تقریباً ڈیڑھ سو یا دو سو عرب مسلمان طلبا اور طالبات قیدی بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ ان طلبا و طالبات پر ... ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین چھاپا ماروں کے ساتھ مل کر یا تو ... کارروائیاں کرتے ہیں یا کسی نہ کسی طور ان کی خفیہ مدد کرتے ہیں۔ ویسے اسرائیلی حکومت ایک معاملے میں بڑی نرمی اور فراخدلی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ طلبا اور طالبات جو قیدی بنا کر رکھے جاتے ہیں ان کی تعلیم کو منقطع نہیں ہونے دیتی۔ جیلوں میں ان کے لیے کتابیں فراہم کرتی ہے۔ جیلوں میں ہی ان کے امتحانات ہوتے ہیں۔ حکومتِ اسرائیل کا مقصد یہی ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے یا روزگار کے لیے ملک سے باہر نہ چلے جائیں۔ وہاں رہ کر مجاہدین کی صف میں شامل نہ ہوں۔

میں ڈربی فائین کے ذریعے اس آفیسر کے دماغ میں پہنچا۔ وہ فون کے ذریعے باتیں کر رہا تھا پھر اس کے ذریعے غزہ کی جیل کے جیلر کے پاس پہنچ گیا۔ جیلر کے سامنے باون طلبا اور طالبات قیدی کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں پندرہ طالبات تھیں۔ جیلر نے ایک طالبہ کو دیکھتے ہوئے کہا "ارے یہ تو پاگل ہے۔ میں نے پہلے ہی لکھ کر بھیجا تھا کہ اسے جیل میں رکھنا فضول ہے۔ رہا کر دیا جائے۔"

پھر اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے ناہید! تمھارا نام ناہید ہے، نا؟"

وہ ہنسنے لگی "میرا نام مجاہدہ ہے۔ پگلی مجاہدہ ..."

ایک طالب علم نے کہا "اس کا پورا نام ناہید ہادم ہے۔ ... کے باہر اب اس کا کوئی نہیں رہا۔ اگر آج مجھے بھی رہا کیا جائے تو میں

وہیں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

جیلر نے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام رازق بن زید ہے۔"

جیلر اس کا نام سننے کے بعد کاغذات دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سر ہلا کر کہا "تمھارا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ پچھلے تین برس سے تم امتحانات میں اوّل آ رہے ہو۔ بہت زیادہ مارک حاصل کرتے ہو۔ تم نے اپنا زیادہ وقت تعلیم میں صرف کیا ہے۔ اس لیے تمھیں رہا کیا جاتا ہے۔ یہاں تمھارے شناختی کارڈ، تمھارے کپڑے اور وہ تمام چیزیں موجود ہیں، جو تم لوگوں کی سزا شروع ہونے سے پہلے یہاں رکھوائی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جو سرٹیفکیٹ تم لوگوں نے یہاں حاصل کیے ہیں، وہ بھی تمھیں دیے جائیں گے اور ہر طالبہ اور طالب علم کو دس ڈالر بھی دیے جائیں گے تاکہ تم سب اپنے گھروں اور اپنے شہروں تک بآسانی پہنچ سکو۔"

بیشتر ممالک کی طرح ان دنوں اسرائیل میں بھی ڈالر کو کرنسی کے طور پر قبول کیا جاتا تھا۔ ورنہ اسرائیل کی کرنسی کو شیکل کہتے ہیں۔ یہ شیکل دس لیرا کے برابر ہوتا ہے (عبرانی زبان میں لیرا کو لیرت کہتے ہیں) سترہ شیکل ایک اسٹرلنگ پونڈ کے برابر ہوتے ہیں جبکہ سات شیکل پانچ لیرا ایک ڈالر کے برابر ہوتے ہیں۔ بہرحال میں جیلر کے ذریعے ان طالبات کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا۔ جب اس نے دوسری طالبات کا نام لیا تو کاغذات دیکھنے کے بعد کہنے لگا "تم تل ابیب سے گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ کاغذات کے مطابق حیفہ کی رہنے والی ہو۔ میں تم سب کو وارننگ دے رہا ہوں، اگلے دو دنوں تک تل ابیب میں تمام مسلمانوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ تم میں سے کوئی وہاں پایا گیا تو آئندہ یہاں درسی کتابیں نہیں، قید بامشقت ملے گی۔"

جیلر کی باتیں سن کر یہ سمجھ میں آ گیا کہ ان میں سے کوئی طالبہ ان دنوں تل ابیب میں نہیں آ سکے گی۔ اس لیے میں نے صرف اس پاگل لڑکی ناہید ہادم اور اس طالب علم رازق بن زید پر تکیہ کیا۔ جیلر اپنے کام میں مصروف تھا لیکن میں اس کے دماغ کے چور گوشوں سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کر رہا تھا۔

صبح آٹھ بجے ان طلبا و طالبات کو رہا کیا گیا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے میں نے ناہید کو ایک ٹیلیفون بوتھ میں پہنچا دیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ریسیور اٹھا کر ایک ہوٹل کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے کہا "میں کمرہ نمبر دو سو سترہ کے ایک سرکاری مہمان مسٹر ڈینیل سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ سرکاری مہمان سمجھتے ہو نا۔ ایک تو وہ ہوتا ہے جو ہتھکڑیاں پہن کر جیل میں جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہوتا ہے جو سفارتی سطح پر اپنے ملک سے دوسرے ملک جاتا ہے اور مہمان کہلاتا ہے۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "تم کون ہو؟"

"ظاہر ہے، میں ان کے سفارت خانے سے بول رہی ہوں۔ یہاں کے سفیر صاحب کی سیکرٹری ہوں۔"

"اچھا انتظار کیجیے۔"

تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "ہیلو، سیکرٹری فار مسٹر ڈینیل اسپیکنگ۔"

ایک لمحہ کی خاموشی کے دوران میں نے ڈینیل کی سیکرٹری کے دماغ سے معلوم کر لیا کہ ان کے سفارت خانے میں سیکرٹری کی جاب کرنے والی عورت کا نام کیا ہے۔ پھر میں نے ناہید ہادم کی زبان سے کہا "میں مارتھا بول رہی ہوں۔ مسٹر ریکین، مسٹر ڈینیل سے ضروری گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے رابطہ قائم کرا دیں۔"

"ہولڈ آن۔"

ذرا دیر بعد ہی آواز سنائی دی "ہیلو، ڈینیل اسپیکنگ۔"

ناہید ہادم نے پوچھا "کیا پچھلی دو راتوں سے پیرس میں یہودیوں کے ساتھ جو وارداتیں ہو رہی ہیں، اس کا آپ کو علم ہے؟"

"ہاں، یہاں تو یہ خبر چھپائی گئی ہے لیکن مجھے سفارت خانے کے ذریعے معلوم ہو چکا ہے۔"

"پھر تو یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ ان واردات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

"معلوم تو ہوا ہے لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ویسے تم کون ہو؟ مسٹر ریکین کو ریسیور دو۔"

"معلوم ہوتا ہے میری آواز پہلے تمھیں سنائی نہیں گئی۔ ورنہ اب تک پتا چل جاتا کہ تم اسی موت سے ہمکلام ہو جو پیرس میں تھی اور اب غزہ پہنچ گئی ہے۔"

اس نے گڑبڑا کر پوچھا "کیا مطلب۔ یہ کیا بکواس ہے۔ تم کون ہو؟"

"فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کرنے والوں میں سے ایک تم بھی ہو۔ لہٰذا آج رات بارہ بجے تک ایک سادہ کاغذ اپنی جیب میں رکھ کر گھومتے رہو۔ اس کاغذ پر تم اپنی موت کا فیصلہ لکھو گے اور دستخط کرو گے۔"

اس پگلی نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ ہنسنے لگی۔ پھر خاموش ہو کر کبھی اپنے آپ کو کبھی ٹیلیفون بوتھ کو دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی، وہ کہاں تھی، کہاں آ گئی ہے پھر اس نے قہقہہ لگایا۔ جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، اس پر وہ خوب ہنستی تھی۔ وہ بوتھ سے باہر آ گئی۔

میں نے ڈینیل کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس سے ایک جگہ بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ اِدھر سے اُدھر

ٹہل رہا تھا۔ پھر انٹرکام کے ذریعے لیڈی سیکرٹری نے کہا: "جناب! رابطہ قائم ہوگیا ہے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو مسٹر ریکسن! ابھی ابھی اُس کالی بلا کا فون موصول ہوا تھا۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔ وہ آج بارہ بجے سے پہلے میرا کام کردے گی کیونکہ میں نے بھی فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں ایک سادہ کاغذ اپنی جیب میں لے کر گھومتا رہوں۔ مجھے اس کاغذ پر اپنی موت کا فیصلہ لکھنا ہے اور اس پر دستخط کرنے ہیں۔"

مسٹر ریکسن کی آواز سنائی دی: "تعجب ہے۔ سونیا یہاں کیسے پہنچ گئی؟ دیکھیے، آپ بلڈ پریشر کے مریض ہیں اپنی گھبراہٹ پر قابو پائیے۔ شدید اضطراب میں مبتلا رہیں گے تو آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ میں ابھی یہاں کے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

میں نے مسٹر ڈینیل کی لیڈی سیکرٹری کے پاس پہنچ کر اس کے خیالات پڑھے۔ اس کے خیالات اپنے باس مسٹر ڈینیل کے لیے اچھے نہیں تھے۔ وہ اس کی مخالفت میں کچھ سوچ رہی تھی۔ مجھے حیرانی بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ پتا چلا، ڈینیل نے اسے محبت کے سبز باغ دکھائے تھے۔ اسے ایک برس سے لیڈی سیکرٹری کے طور پر رکھا ہوا تھا لیکن شادی کی بات آنے پر ٹال دیتا تھا۔ آخری بار اس نے بُری طرح جھڑک دیا تھا اور کہہ دیا تھا: "میرا ایک خاندانی بیک گراؤنڈ ہے۔ میں تم سے شادی کرکے اپنا کیریئر اور اپنا مستقبل برباد نہیں کرسکتا۔"

تب سے وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا، باس کا گلا دبوچ لے یا اسے گولی ماردے یا اس کی دواؤں میں زہر ملادے لیکن پکڑے جانے کا اندیشہ رہتا تھا اس لیے وہ اپنے ارادے سے باز رہتی تھی۔

اب اس کا دماغ اُسے سمجھا رہا تھا، اگر سونیا نے مسٹر ڈینیل کو قتل کردیا تو اس کی حسرت دل ہی دل میں رہ جائے گی۔ یہ اچھا موقع ہے، اگر پہلے وہ ڈینیل کو قتل کردے تو الزام سونیا پر آئے گا۔ وہ بار بار مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔ کرسی پر پہلو بدل رہی تھی۔ اس کے سوٹ کیس میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی جس میں زہریلا رقیق مادہ تھا لیکن وہ اسے استعمال کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ اس نے کبھی اتنا بڑا جرم نہیں کیا تھا۔ ایک بات جو اسے ٹھیس پہنچا رہی تھی، وہ یہ تھی کہ ایک مرد نے اس کی معصومیت سے کھیلا ہے اور اسے بے وقوف بنایا ہے۔ اس کا بدلہ وہ لے کر رہے گی۔

میں اس کے دماغ میں رہ کر اس کے اس ارادے کو پختہ کرنے لگا۔ اس ہوٹل میں ان کے لیے تین کمرے ریزرو تھے۔ ایک بڑا سا کمرہ مسٹر ڈینیل کے لیے۔ دوسرا لیڈی سیکرٹری کے لیے تھا اور تیسرا استقبالیہ کمرہ تھا جو خاص لوگ ملنے آتے تھے انھیں وہاں ملاقات کے لیے انتظار کرنا پڑتا تھا۔ وہ اس کمرے سے نکل کر اپنے باس کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ دروازہ کھل گیا۔ ڈینیل بہت پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے کہا: "سر! آپ پریشان ہیں۔ ایسی حالت میں یقیناً بلڈ پریشر بڑھے گا۔ آپ کہیں تو میں انجکشن لگادوں؟"

"ہاں، میں ضرورت محسوس کررہا ہوں۔"

وہ جانے لگی۔ میں نے فوراً ہی ڈینیل کے دماغ پر قابض ہوکر کہا: "سنو! ذرا پانچ منٹ بعد انجکشن لگانا۔ میں تمھیں بلالوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ ڈینیل نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ بریف کیس کو کھول کر کاغذ کا پیڈ اور ایک قلم نکالا۔ پھر بیٹھ کر لکھنے لگا:

"میرے سامنے موت کھڑی ہے۔ اس کا حکم ہے کہ میں اپنی موت کے فیصلے پر اسی طرح دستخط کروں جس طرح میں نے فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے۔

اس کا دوسرا حکم ہے کہ جو لوگ اس کے انتقام سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں اور جنھیں زندگی عزیز ہے وہ کل رات بارہ بجے سے پہلے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو بابا صاحب کے ادارے میں پہنچادیں۔ بارہ بجے کے بعد مئی کی چودہ تاریخ شروع ہوجائے گی لیکن اس کی صبح بڑی بھیانک ہوگی۔ جو لوگ اس جشن میں شریک ہونے کے لیے مختلف ممالک سے آئے ہیں، وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے پچھلے تین دنوں میں ثابت کردیا ہے کہ جو بات کہتی ہوں وہ کرگزرتی ہوں۔

اس کا تیسرا حکم ہے کہ میں اپنے قلم سے کاہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ کو یہ پیغام پہنچاؤں کہ جیسن ہارورڈ نے بھی فرہاد کی موت کے کاغذ پر دستخط کیے تھے لہٰذا وہ کل رات بارہ بجے تک اپنی جیب میں ایک سادہ کاغذ رکھے تاکہ اس کاغذ پر اپنی موت کا پروانہ لکھے اور اپنے قلم سے اس پر دستخط کرے اور وہ ایسا ضرور کرے گا۔

اس کا آخری پیغام یہ ہے کہ میری موت کے بعد باقی تمام لوگوں کی جان بخشی صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو کل رات بارہ بجے سے پہلے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچادیا جائے۔

یہ جو میرے سامنے کھڑی ہوئی احکامات صادر کررہی ہے، میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں اسے تھنڈر فرام دی بلو کہتی ہیں۔"

اتنا لکھنے کے بعد اس نے اپنے دستخط کردیے۔ پیڈ سے وہ کاغذ نکال کر اپنے سرہانے تکیے کے نیچے رکھا۔ قلم کو بریف کیس میں رکھنے کے بعد اسے بند کیا۔ پھر دروازے کو کھول کر سیکرٹری کو آواز دی۔ اس کے بعد بستر پر آکر لیٹ گیا۔ جب وہ کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں سرنج تھی۔ وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں نمایاں ہورہی تھیں۔ میں نے ڈینیل کے منہ سے مسکراتے ہوئے اور اپنے ایک ہاتھ کی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے کہا: "بھئی تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے مجھے پہلی بار

انجکشن لگانے والی ہو۔ دیکھو، میں نے آستین اٹھادی ہے۔ آؤ۔ تم تو پہلے بھی انجکشن لگاتی رہی ہو۔"

وہ قریب آگئی۔ پھر اس نے بڑے ہی اناڑی پن سے سرنج کی سوئی کو اس کے بازو میں پیوست کردیا۔ چند سیکنڈ کے بعد میں نے ڈینیل کا ساتھ چھوڑدیا کیونکہ اب زندگی بھی اس کا ساتھ چھوڑنے والی تھی۔

میں نے اس کے ہاتھ سے سرنج کو ایک طرف رکھوادیا۔ ڈینیل اٹک اٹک کر سانس لے رہا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اٹھنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ لیڈی سیکرٹری نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا۔ پھر اس کے منہ پر ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ اس کے بال بکھیر دیے۔ قمیص پھاڑ دی۔ اسے بستر پر سے کھینچ کر زمین پر گرادیا۔ کمرے کی کچھ چیزوں کو اِدھر اُدھر اُلٹ پلٹ کردیا۔ جیسے انجکشن لگانے کے سلسلے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑی ہو۔ چیزوں کو اُلٹنے پلٹنے کے دوران تکیے کے نیچے سے وہ کاغذ نکل آیا تھا۔ لیڈی سیکرٹری کے دماغ کو اس حد تک میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے قابو میں رکھا تھا کہ وہ اپنی حرکتوں کو سمجھتی رہے۔ میں اس کے دماغ میں یہی بات بٹھا رہا تھا کہ وہ انتقام کے جوش میں جنونی حرکتیں کررہی ہے۔ جب وہ کاغذ سامنے آیا تو وہ پڑھنے لگی۔ پڑھ کر گھبرا گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے باس مسٹر ڈینیل نے خود اپنے ہاتھوں سے کیسے اپنی موت کا فیصلہ لکھا اور اس پر دستخط کیے۔ اس نے گھبرا کر کاغذ کو ڈینیل کی لاش کے پاس چھوڑدیا۔ سرنج کو اپنے رومال سے صاف کیا۔ پھر وہاں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ کرسی پر بیٹھ کر یوں ہانپنے لگی جیسے بہت دور سے دوڑتی آرہی ہو۔

میں اس کے دماغ بیٹھا اس کی سوچ میں تسلیاں دے رہا تھا۔ حوصلہ دے رہا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ اگر وہ اسی طرح گھبراتی رہے گی تو قتل کے الزام میں ملوث ہوجائے گی۔ اسے موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ کاغذ مسٹر ڈینیل نے اپنی مرضی سے کیسے لکھ دیا۔ اگر لکھ بھی دیا ہے تو یہ بات اس کی حمایت میں جاتی ہے الزام سونیا پر ہی آئے گا۔

ذرا سی دیر میں لیڈی سیکرٹری نے اپنی حالت پر قابو پالیا۔ اپنے چہرے کو رومال سے پونچھا۔ آئینے میں دیکھ کر بالوں کو درست کیا۔ چہرے کو پف کرنے کے بعد ہونٹوں کی پھیکی پڑنے والی سرخی کو لپ اسٹک سے تازہ کیا۔ پھر اطمینان سے کرسی پر بیٹھ کر مسٹر ریکسن کے نمبر ڈائل کیے۔ جب رابطہ قائم ہوگیا تو وہ ایک دم سے رونے کے انداز میں دہشت زدہ ہوکر بولی: "مسٹر ریکسن! غضب ہوگیا۔ سونیا آئی تھی۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ انھوں نے مجھے ریوالور کی نوک پر رکھ کر دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہونے کے لیے کہا۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اگر ایسا نہ کرتی تو وہ مجھے مار ڈالتے۔ میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ دوسرے کمرے سے کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے باس سے جھگڑا کیا جارہا ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ دوسری طرف سے مسٹر ریکسن کی آواز سنائی دی: "پلیز، رونے میں وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا؟ پھر مسٹر ڈینیل کو فون دو۔"

وہ روتے ہوئے بولی: "مسٹر ڈینیل اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ جب وہ کالی بلا یہاں پہنچ ہی گئی تھی تو ان کے زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ فوراً آجائیں میں بہت پریشان ہوں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"کیا تم نے ہوٹل والوں کو اس واردات کی اطلاع دی ہے؟"

"نہیں، میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی۔"

"ویری گڈ، حوصلہ رکھو۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

میں نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا۔ ریکسن پولیس افسر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہ لوگ لیڈی سیکرٹری سے طرح طرح کے سوال کرنے لگے۔ اس نے وہی بیان دیا جو فون پر کہہ چکی تھی۔ آخر میں اس نے کہا: "میں دیر تک دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی رہی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اب تب میں گولی چلادیں گے۔ آخر بہت دیر کی خاموشی کے بعد میں نے کہا، 'پلیز مجھے معاف کردو۔ مجھے ایک جگہ بیٹھنے کی اجازت دو۔' مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے بار بار گڑگڑا کر التجا کی پھر بھی جواب نہ ملا تو میں نے آہستگی سے گردن گھما کر دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ کب یہاں سے چلے گئے تھے۔"

اس کی باتیں سن کر میں وہاں سے چلا آیا۔ خیال خوانی ترک کردی۔ وہاں ابھی پولیس والوں کی لمبی چوڑی تفتیش کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں جیسن ہارورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور سونیا ان کی گفتگو کا موضوع بنی ہوئی تھی۔ غزہ سے اطلاع مل گئی تھی کہ سونیا نے مسٹر ڈینیل کو دھمکی دی ہے لیکن اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اسرائیل کیسے پہنچ گئی؟ ایک نے کہا: "ہمارے ملک کے ایک طرف کھلا سمندر ہے باقی تین طرف لبنان، شام، اُردن، سعودی عرب اور مصر وغیرہ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ... ان ہی میں سے کسی ملک کی سرحد پار کرکے آئی ہے۔"

تیسرے نے کہا: "لبنان شمال میں ہے اگر وہ اُدھر سے آتی تو پہلے تل ابیب سے گزرتی بعد میں غزہ پہنچتی۔ وہ پہلے غزہ کیسے پہنچ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مصر کے راستے صحرائے سینا کو پار کرکے آئی ہے۔"

جیسن ہارورڈ نے جھلا کر کہا: "آپ لوگ ایسی باتیں کررہے

ہیں جیسے ہمارے چاروں طرف جو سرحدیں ہیں وہ کھلی پڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے آجائے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم نے کتنا سخت پہرہ لگا رکھا ہے۔ کوئی کھلے سمندر سے بھی یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر صحرائے سینا کو پار کرنا ایک اکیلی عورت کے بس میں نہیں ہے، اس کے علاوہ وہاں فوجیوں کا سخت پہرہ ہے۔"

ایک نے کہا "سر! فوجی بھی انسان ہوتے ہیں۔ ایک عورت کسی بھی فوجی جوان کو بیوقوف بنا سکتی ہے۔ پھر سونیا جیسی عورت کے لیے کون سی چال ناممکن ہے۔"

جیسن ہارورڈ نے ریسیور اٹھا کر کسی سے رابطہ قائم کیا پھر پوچھا "غزہ میں کیا انتظامات ہو رہے ہیں؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "جناب! شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ یہاں سے کسی بھی عورت کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اہم وجوہات کی بنا پر جو عورتیں غزہ سے باہر جانا چاہتی ہیں انھیں اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے گزارا جاتا ہے۔ ٹیلیفون ایکسچینج کے افسران محتاط ہیں۔ تمام کالوں کو ڈیٹیکٹ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں جتنے ٹیلیفون بوتھ ہیں ان کے آس پاس سادہ لباس میں جاسوس گھوم رہے ہیں۔ شہر میں ہر مشکوک عورت کو روک کر سختی سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔"

جیسن ہارورڈ نے کہا "یہ بات ابھی پھیلنے نہ پائے کہ سونیا غزہ میں ہے اور ایسی تمام اہم شخصیتوں کو دھمکیاں دے رہی ہے جنھوں نے فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ایک عہدے دار نے کہا "سونیا نے پیرس میں ڈرامائی انداز اختیار کیے اور ان میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں سب سے پہلے اس نے مسٹر ڈینیل کو موت کی دھمکی دی ہے۔ پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے ایسی حماقتیں کرے گی تو ہماری پولیس اور جاسوسوں سے بچ کر نہیں جا سکے گی۔"

جیسن ہارورڈ نے دل ہی دل میں سوچا "اونہہ، یہ محض دھمکی ہے۔ میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہوں۔ دراصل پیرس میں پچھلی دو راتوں سے ہونے والی وارداتوں نے سونیا کو بہت اہم بنا دیا ہے۔ اس کی اہمیت یہاں نہیں رہے گی۔"

اس کے سوچنے کے دوران فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور کان سے لگا کر پوچھا "ہیلو، کیا بات ہے؟"

"جناب! بُری خبر ہے۔ مسٹر ڈینیل کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"کیا؟" جیسن ہارورڈ نے بے اختیار دہاڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیسے قتل کر دیا گیا۔ اس بھرے پُرے ہوٹل میں کون قاتل آ سکتا ہے؟"

"مسٹر ڈینیل کی لاش کے پاس ایک کاغذ پایا گیا ہے۔ ان کی سیکرٹری اور ان کے سفارت خانے والوں کا کہنا ہے کہ مسٹر ڈینیل نے خود اپنی موت کا فیصلہ لکھا اور اس پر اپنے دستخط کیے ہیں۔ آپ کی اجازت ہو تو تحریر پڑھ کر سنائی جائے؟"

جیسن ہارورڈ گم صم خلا میں تک رہا تھا۔ دوسری طرف وہ تحریر پڑھ کر سنائی جا رہی تھی۔ شروع سے آخر تک سننے کے بعد اس نے کہا "یہ خبر عام نہ کی جائے۔ قتل کو چھپانے کی کوشش کی جائے۔ سونیا کا مقصد یہی ہے کہ جو لوگ فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کر چکے ہیں اور وہ جو اسرائیل کی حدود میں ہیں انھیں جب اس واردات کی اطلاع ملے گی تو سب کے سب دہشت زدہ ہو کر ہم سے فرہاد کی رہائی کا مطالبہ کریں گے۔"

"یس سر! میں ابھی حکم دیتا ہوں، اس قتل کے سلسلے میں تفتیش کو محدود کیا جائے اور مسٹر ڈینیل کے سفارت خانے والوں کو سمجھایا جائے کہ وہ اس بات کو عام نہ کریں۔"

"فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کرنے والے دو چار اہم افراد جو غزہ میں ہیں انھیں کسی تقریب کے بہانے تل ابیب بلا لو۔ اس شہر کی ناکہ بندی کا پھر سے جائزہ لو اور مزید حکم صادر کرو کہ کوئی عورت تل ابیب میں داخل نہ ہو اگر اہم وجوہات کی بنا پر داخل ہونا چاہے تو اسے اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے گزارا جائے۔"

وہ ریسیور رکھ کر سوچنے لگا۔ پھر اس نے ریسیور اٹھایا نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے سجاد کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "مسٹر فرہاد! سونیا یہاں پہنچ گئی ہے۔"

سجاد کی مسرت بھری آواز سنائی دی "کیا واقعی؟ سونیا کہاں ہے؟"

"وہ غزہ میں ہے لیکن ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ آپ کو رہا کیا جائے حالانکہ ہم نے جشنِ آزادی کے سلسلے میں آپ کو مہمان بنا کر رکھا ہے۔ اب ہم اسے کیسے یقین دلائیں کہ آپ ہمارے قیدی نہیں بلکہ دوست ہیں۔"

"سونیا سے میرا رابطہ قائم کرائیں۔ میں اسے یقین دلاؤں گا۔"

"وہ ہم سے بات نہیں کر رہی ہے اس نے ہمارے ایک دوست ملک سے آئے ہوئے اہم شخص کو قتل کر دیا ہے۔ ہم بہت پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا کریں؟"

"آپ نے یہ کہہ کر مجھے بھی اُلجھا دیا ہے۔ ٹھہریے، میں اعلیٰ بی بی سے اس سلسلے میں باتیں کرتا ہوں۔"

"میرا مشورہ ہے، اگر اعلیٰ بی بی ہیلی کاپٹر کے ذریعے غزہ جائیں گی تو شاید سونیا ان سے بات کرنے پر راضی ہو جائے۔"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی ضرور یہاں سے جائیں گی آپ ان کی روانگی کا انتظام کریں۔"

جیسن ہارورڈ نے ریسیور رکھ دیا۔ اپنے آدمی کو بلا کر کہا — "اعلیٰ بی بی کو فوراً ہیلی کاپٹر کے ذریعے غزہ روانہ کرو اور اس شہر میں گشتی جماعتیں بناؤ۔ ہر جماعت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے شاہراہوں اور

گلیوں میں یہ اعلان کرتی پھرے گی کہ سونیا جہاں کہیں ہو وہ اعلیٰ بی بی سے ملاقات کرے۔ اعلیٰ بی بی غزہ کے ریسٹ ہاؤس میں انتظار کر رہی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ریسٹ ہاؤس کا فون نمبر بھی بتایا جائے تاکہ سونیا خود نہ آئے تو فون کے ذریعے رابطہ قائم کرے۔ ٹیلیفون بوتھ وغیرہ کے پاس سے سادے لباس والوں کو ہٹا لو۔ سونیا کو کسی پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

ضروری ہدایت دینے کے بعد اس نے ریسیور کو رکھ دیا پھر اپنے عہدے داروں کو مسٹر ڈینیل کے قتل کے سلسلے میں بتلانے لگا۔ اس کی باتیں سننے کے بعد ایک بڑے افسر نے حیرانی سے پوچھا "یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے والے سونیا کی مرضی کے مطابق وہ خط کیسے لکھ دیتے ہیں اور کس مجبوری سے دستخط کرتے ہیں۔"

دوسرے عہدے دار نے کہا "اگر ریوالور کنپٹی سے لگا دیا جائے یا خنجر کی نوک دل پر رکھ دی جائے تو سبھی لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر سونیا طرح طرح کے ہتھکنڈے جانتی ہے۔ وہ بڑی مکاری سے لکھوا لیتی ہو گی۔"

ایک اور عہدے دار نے کہا "سر! جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، سونیا نے اس خط میں آپ کو بھی دھمکی دی ہے اور کہا ہے، 'کل بارہ بجے رات تک آپ بھی اپنی جیب میں سادہ کاغذ رکھیں۔'"

وہ جھلا کر بولا "وہ کوئی جادوگرنی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بدروح ہے کہ ہم اسے دیکھ نہ سکیں اور وہ ہمارے پاس اتنے سخت پہرے کے باوجود پہنچ جائے وہ مسٹر ڈینیل تک یوں پہنچ گئی کہ ہوٹل والوں کو اس کے متعلق کوئی خبر نہیں دی گئی تھی اور نہ ہی پولیس والے اس وقت تک پہنچ سکے تھے۔ رپورٹ کے مطابق اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے یہاں پہنچ کر کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔"

ایک عہدے دار نے کہا "سر! وہ تل ابیب میں کافی عرصہ گزار چکی ہے۔ یہاں اس نے کچھ لوگوں کو دوست بنایا ہوگا۔ یہاں ہر شخص پر کڑی نظر رکھنا بہت مشکل ہے۔ پھر یہ کہ جشنِ آزادی کا موقع ہے لوگ تفریح کریں گے۔ ناچیں گے۔ گائیں گے۔ خوشیاں منائیں گے۔ اس دوران سونیا کو بہت موقع ملے گا۔ ہمارا مشورہ ہے کل رات بارہ بجے تک آپ اسی بنگلے کی چار دیواری تک محدود رہیں نہ باہر نکلیں، نہ ہمارے علاوہ کسی اور کو یہاں آنے کی اجازت دیں۔ تمام لوگوں سے فون کے ذریعے یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرتے رہیں۔"

اس نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا "مشورہ معقول ہے ہم نے سوچا تھا، رات کو ہماری ایک میٹنگ ہوگی۔ اس کے بعد کل صبح تک آرام کریں گے لیکن سونیا ہمارے لیے پرابلم پیدا کر رہی ہے۔ بہرحال اب لنچ کا وقفہ ہو رہا ہے۔ ٹھیک تین بجے ہم سیکرٹ ہاؤس میں ملیں گے۔ دی ہاؤس آف نو ریٹرن میں ..."

یہ ایک نئی جگہ کا نام میرے علم میں آیا تھا۔ وہ سب لنچ کے لیے اٹھ رہے تھے۔ میں جیسن ہارورڈ کے دماغ میں رہ کر معلوم کرنے لگا۔ 'دی ہاؤس آف نو ریٹرن' کا مقصد کیا ہے؟ پتا چلا معنی وہی ہیں جو الفاظ ظاہر کرتے ہیں یعنی ایسا مکان جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

کسی کے لیے اس مکان میں داخل ہونا بھی تقریباً ناممکن ہے۔ کاہال تنظیم کا سربراہ جیسن ہارورڈ جیسا شخص بھی وہاں اپنی مرضی سے داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ اور اس کے ساتھی اور نائب کسی ضرورت کے تحت وہاں جاتے تو ہاؤس آپریٹر مشینوں کے ذریعے اس مکان کے دروازوں میں تبدیلیاں لاتا تھا۔ جو دروازے پہلے کچھ نظر آتے تھے، بعد میں کچھ نظر آنے لگتے تھے۔ راستے بدلتے رہتے تھے۔ سلائیڈنگ ڈور کی طرح اس مکان کی تمام دیواریں متحرک تھیں۔ آپریٹنگ کے ذریعے اس طرح اپنی جگہ بدلتی تھیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کمروں کا نقشہ بدل جاتا تھا۔ پہلے جو کمرے نظر آتے تھے وہ کوریڈور میں بدل جاتے تھے۔ کوریڈور کمروں کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی کمرے کی دیواریں ایک دوسرے کے اتنے قریب آتی تھیں کہ درمیانی فاصلہ ختم ہو جاتا تھا۔ ان کے درمیان جو بھی ہوتا، وہ جیسے انارکلی کی طرح دیوار میں چُن دیا جاتا تھا۔

'دی ہاؤس آف نو ریٹرن' کے فرش بھی متحرک تھے۔ وہ کبھی زمین کی تہ میں چلے جاتے تھے اور ان کی جگہ دوسرا فرش آ جاتا تھا۔ پُراسرار محلوں اور حویلیوں کی طرح اس مکان میں بھی بڑا سا تہ خانہ تھا اور اس تہ خانے سے ایک سرنگ زمین کی تہ میں جاتے ہوئے اسی جگہ پہنچتی تھی، جہاں سجاد کو پتوں سے ڈھانپ کر آہنی سلاخوں کے درمیان قید کیا گیا تھا۔

'دی ہاؤس آف نو ریٹرن' میں داخل ہو کر کوئی اپنی مرضی سے ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک نہیں جا سکتا تھا نہ ہی کمرے سے باہر قدم نکال سکتا تھا۔ پھر یہ کہ اس کے تہ خانے میں اُترنا اور سرنگ کے ذریعے اسی جگہ پہنچنا جہاں سجاد کو قید کیا گیا تھا تقریباً ناممکن تھا۔ سجاد کو بظاہر دوسرے راستے سے اس تہ خانے میں پہنچایا گیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ سجاد تک پہنچنے کے لیے تہ خانے میں اُترنا ہوگا اور تہ خانے میں اترنے کے لیے اس بھاری چٹان کو ہٹانا ہوگا جو صرف کرین کے ذریعے ہٹائی جا سکتی ہے۔

'دی ہاؤس آف نو ریٹرن' میں خاص موقعوں پر خاص یہودی اکابرین ہی داخل ہوتے تھے یا پھر ان سیاسی مجرموں کو وہاں پہنچایا جاتا تھا جن سے کچھ راز اگلوائے جاتے تھے۔ وہ اس عجائب خانے میں پہنچ کر ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ وہاں کی بدلتی ہوئی

دیواریں، دروازے، فرش اور چھتیں ان کے دماغ کو تھکا ڈالتی تھیں۔ پھر یہ کہ مشینوں کے ذریعے ایسی اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں کہ مضبوط قوت ارادی رکھنے والا سیاسی مجرم یا تو مر جاتا تھا یا پھر راز اگل دیتا تھا۔

ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہر اس جگہ پہنچنا ممکن ہے، جہاں ایک بھی شخص علم کے ذریعے یا ہنر کے ذریعے پہنچنا جانتا ہو۔ اگر دی ہاؤس آف نورپٹرن کو مشینوں کے ذریعے ناقابلِ فہم بنایا گیا تھا اور وہاں جانے کے بعد کوئی اپنی مرضی سے واپس نہیں آسکتا تھا تو یقیناً ان مشینوں کو آپریٹ کرنے والا کوئی ایک شخص ہوگا اور اس شخص کو یہودی اکابرین ذاتی طور پر خوب جانتے ہوں گے۔ ان لوگوں کا رابطہ اس سے قائم رہتا ہوگا۔

میں نے یہی سوچ کر جیبن ہارورڈ کے دماغ سے معلومات حاصل کیں۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی جب اس بات کا پتا چلا کہ کاہال تنظیم کا سربراہ تو کیا مملکتِ اسرائیل کا سربراہ بھی اس شخص کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ دی ہاؤس آف نورپٹرن سے فوج کے اعلیٰ افسران کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں کی مشینوں کو آپریٹ کرنے والا شخص اسرائیل میں صرف ایک ہی عظیم ہستی کا فرمانبردار ہے اور صرف اسی کے احکامات کی تعمیل کرتا ہے اور وہ ہستی ہے ربی اسفندیار۔

ربی اسفندیار جیسے عامل ہپناٹسٹ کے سامنے ٹیلی پیتھی کی پرواز تھم جاتی ہے۔ وہ مذہبی پیشوا تھا۔ کچھ روحانی عمل جانتا تھا۔ اس کی شخصیت اتنی باوقار اور اتنی پُراثر تھی کہ لوگ اس کے سامنے پہنچتے ہی نظریں جھکا لیتے تھے۔ میں نے ہپناٹزم کے علم میں اس کی طرح کا کوئی دوسرا عامل اب تک نہیں دیکھا تھا۔ پھر یہ کہ وہ سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ میں فوراً محسوس کر لیتا تھا۔ لہٰذا میری ٹیلی پیتھی اس کے آگے کام نہیں آسکتی تھی۔ میں اس کے ذریعے ان مشینوں کے آپریٹر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ہاؤس آف دی نورپٹرن میرے اور سونیا کے لیے قبر بن سکتا تھا اور قبر بھی تو ایک ایسا مکان ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

جیبن ہارورڈ کی اطلاع کے مطابق سونیا ایسی جگہ بھی پہنچ گئی تھی، جہاں اس کے پہنچنے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مثلاً اس نے پیرماسٹر اور ماسک مین تک پہنچ کر انھیں ختم کر دیا تھا۔ بھرے پُرے ہوٹل میں مسٹر ڈینیل کو ختم کر دینا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پیرس میں کاہال تنظیم کی برانچ کے سربراہ اور دوسرے یہودی بھی جس طرح ہلاک کیے گئے تھے، اس طرح کوئی چالاک سے چالاک شخص ان کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ سونیا کے ہی ہتھکنڈے تھے۔ یہی سب کچھ سوچ کر جیبن ہارورڈ نے دی ہاؤس آف نورپٹرن کا انتخاب کیا تھا۔ وہ جانتا تھا، سونیا کل بارہ بجے رات تک اسے ہلاک کرنے کی دھمکی پر عمل کرے گی تو ضرور اپنے ذرائع سے دی ہاؤس آف نورپٹرن تک پہنچے گی اور جب اس مکان میں داخل ہوگی تو اسے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

میں سونیا کے چیلنج کے مطابق ٹیلی پیتھی کے ذریعے جیبن ہارورڈ سے اس کی موت کے فیصلے پر دستخط کرا سکتا تھا اور اس پر عمل کرا سکتا تھا لیکن دی ہاؤس آف نورپٹرن میں جب کسی عورت کا داخلہ نہیں ہوتا اور جیبن ہارورڈ میرے ذریعے مارا جاتا تو پھر یہ ثابت ہو جاتا کہ موت کے فیصلوں پر دستخط کرانے والی سونیا نہیں، کوئی اور ہے۔

سونیا یہ کبھی پسند نہ کرتی کہ جو دہشت اس کے نام سے پھیلتی آرہی ہے وہ اب کسی نامعلوم ہستی سے منسوب ہو جائے۔ ابھی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جیبن ہارورڈ کے سلسلے میں کیا کیا جائے اور سونیا کی طرف سے پھیلنے والی دہشت کو کس طرح برقرار رکھا جائے۔ جب کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو میں اس بات کو...... یا اس مسئلے کو وقتی طور پر پس پشت ڈال دیتا ہوں تاکہ اطمینان سے اس پر غور کیا جاسکے۔

میں غزہ میں اس پگلی کے پاس پہنچ گیا۔ اعلیٰ بی بی یقیناً وہاں پہنچ گئی ہوگی۔ میں اس پگلی کے ذریعے کچھ معلومات حاصل کر رہا تھا مثلاً ایک گشتی جماعت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کرتی پھر رہی تھی۔ "سونیا جہاں بھی ہے وہ دوستانہ انداز میں اعلیٰ بی بی سے آکر ملاقات کرے۔ اعلیٰ بی بی اس وقت غزہ کے ریسٹ ہاؤس میں ہیں۔" اس کا فون نمبر بھی بتایا جا رہا تھا اور یہ وعدہ کیا جا رہا تھا کہ سونیا کسی جگہ سے بھی فون کرے گی تو اس جگہ کا سراغ نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا کی جائے گی۔

میں اعلان کرنے والوں کے دماغوں میں باری باری پہنچنے لگا۔ بظاہر ٹیلیفون بوتھ وغیرہ کے پاس سے سادہ لباس والوں کو ہٹا دیا گیا تھا لیکن پولیس اور فوج کے جوانوں نے جگہ جگہ خفیہ مورچے بنائے تھے۔ جیسے ہی انھیں ایکسچینج کی طرف سے اطلاع ملتی... کہ فلاں بوتھ سے یا فلاں مکان کے ٹیلیفون کے ذریعے سونیا اعلیٰ بی بی سے گفتگو کر رہی ہے۔ ویسے ہی وہ اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لیتے.. اور سونیا کو فرار ہونے کا موقع نہیں دیتے

میں نے رازق بن زید کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنے مجاہدوں کے ساتھ ایک مکان میں تھا اور اس پگلی کے متعلق تشویش میں مبتلا تھا۔ کہہ رہا تھا "جیل سے وہ میرے ساتھ باہر نکلی تھی۔ میں ایک جگہ سگریٹ خریدنے کے لیے رکا تو پتا نہیں وہ بھیڑ میں کہاں گم ہو گئی۔"

اسی وقت ایک اور نوجوان اس مکان میں داخل ہوا۔ اس نے کہا "ہر جگہ سونیا کا چرچا ہو رہا ہے۔ ایک مسلمان عورت نے ان یہودیوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ وہ اسے کسی نہ کسی طرح گھیرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اسے آوازیں دیتے پھر رہے ہیں۔"

دوسرے ساتھیوں نے کہا "ہم بھی یہ اعلان سن رہے ہیں۔ کاش سونیا کہیں مل جائے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اسے پناہ دیں گے اور دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے اس کے سامنے ڈھال بن جائیں گے۔"

مجاہدین کی اکثریت عربی زبان میں گفتگو کر رہی تھی۔ میں رازق بن زید کے ذریعے ان کی باتوں کو سمجھ رہا تھا۔ پھر ایک نے کہا "ہمیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے دوسرے ساتھیوں کو سونیا کے متعلق اطلاع دینی چاہیے۔ میرا خیال ہے کسی نہ کسی سے سونیا کی ملاقات ضروری ہوگی۔"

میں نے معلوم کیا کہ وہ غزہ میں کس جگہ ہیں۔ پھر میں پگلی کے پاس پہنچ گیا۔ اسے اسی طرف لے جانے لگا۔ کچھ وہ راستہ جانتی تھی، کچھ میں نے اس کی رہنمائی کی آخر وہ وہاں پہنچ ہی گئی۔ اس مکان کے باہر دو مجاہد پہرے دار کے طور پر کھڑے رہتے تھے تاکہ دور ہی سے یہودی دشمنوں کو دیکھ کر اندر بیٹھے ہوئے ساتھیوں کو اطلاع دے سکیں۔ ایسے وقت وہ پچھلے دروازے سے نکل جاتے تھے اور کہیں نہ کہیں چھپتے پھرتے تھے۔

ایک پہرے دار نے پگلی کو دیکھتے ہی کہا "ارے ناہید آرہی ہے۔"

پھر وہ اسے لے کر مکان کے اندر چلا آیا۔ وہاں کتنے ہی نوجوان اپنی اپنی زبان میں طرح طرح کے سوال کرنے لگے۔ میں ناہید ہادم کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا۔ وہ انگریزی زبان میں بولی "تم لوگ کون سی بولی بول رہے ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم سب کون ہو؟"

رازق بن زید نے اس کے بازو کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "کیا اپنے ساتھیوں کو بھول گئی ہو؟"

وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگی۔ پھر اس نے پوچھا "کیا یہ سب ہمارے ساتھی ہیں۔ کیا یہ مجاہد ہیں؟"

"ہاں یہ سب مجاہد ہیں۔ مجھے پہچانو، میں تمہارا دوست ہوں رازق۔"

تب اچانک ناہید ہادم ایک دم سے سنجیدہ ہو کر تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑے ہی گمبھیر لہجے میں کہا "دوستو! میں یہی معلوم کرنے آئی تھی کہ مجاہدوں کا اڈّہ کہاں ہے۔ میں ناہید ہادم نہیں، سونیا ہوں۔"

وہ سب حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے بے یقینی سے کہا "ناہید تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں عربی زبان نہیں سمجھتی۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

رازق بن زید نے کہا "انھیں یقین نہیں آرہا ہے کہ تم سونیا ہو۔ مجھے بھی یقین نہیں آرہا ہے۔"

"تم لوگوں کو شاید معلوم ہوگا کہ میں میک اپ کی ماہر ہوں۔ چہرہ بدلنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ تمھاری ناہید ہادم کو میرے دو آدمیوں نے اپنے پاس رکھا ہے۔ وہ بخیریت ہے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں پگلی کے روپ میں یہاں آزادانہ گھوم سکتی ہوں۔"

سب نے خوش ہو کر کہا "واہ، بہترین تدبیر ہے واقعی اس طرح آپ پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔"

"میں آپ لوگوں کی مدد چاہتی ہوں۔"

"ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ آپ حکم دیں ہم اپنا لہو گرا کر اس زمین کا رنگ بدل دیں۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ایک ٹرانسمیٹر چاہیے۔"

"آپ کس سے باتیں کرنا چاہتی ہیں؟"

"کسی بڑے یہودی افسر سے رابطہ قائم کروں گی۔"

تھوڑی دیر میں ہی ایک بڑا سا ریڈیو نما ڈبا آگیا۔ وہ کوئی پرانے ماڈل کا ریڈیو تھا۔ ایک مجاہد انجینئر نے اس کے اندر تبدیلیاں کر کے اسے ٹرانسمیٹر بنا دیا تھا۔ اوپر سے وہ ریڈیو نظر آتا تھا تاکہ پولیس والے تلاشی لینے آئیں تو ریڈیو سمجھ کر اسے چھوڑ دیں۔ میں نے اس پگلی کے ذریعے مجاہد انجینئر کو بتایا کہ پولیس کے اعلیٰ افسر سے اسے کیا کہنا ہے۔ اس نے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا "ہم سونیا کے متعلق ایک اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ براہِ راست اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرایا جائے۔ اوور۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ہم رابطہ قائم کرائیں گے۔ ہمیں بتایا جائے، تم کون ہو اور کہاں سے گفتگو کر رہے ہو؟ اوور۔"

"آپ خواہ مخواہ سراغ رساں بن کر وقت ضائع نہ کریں۔ ورنہ سونیا کے متعلق اہم معلومات فراہم نہیں ہو سکیں گی۔ اوور۔"

پولیس کے اعلیٰ افسر نے بتایا کہ کس فریکوئنسی پر اعلیٰ بی بی سے گفتگو ہو سکے گی۔ وہاں سے رابطہ ختم کر کے دوسری فریکوئنسی پر رابطہ قائم کیا گیا۔ وہاں سے بھی کسی مرد کی آواز سنائی دی۔ ناہید ہادم نے مائیک اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "ہیلو! میں سونیا بول رہی ہوں۔ وقت ضائع کیے بغیر اعلیٰ بی بی کو بلایا جائے۔ میں چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ اگر میرا سراغ لگانے کے لیے وقت ضائع کیا گیا تو رابطہ ختم کر دوں گی۔ اوور۔"

"آپ رابطہ ختم نہ کریں۔ میں ریسٹ ہاؤس سے بول رہا ہوں۔ اعلیٰ بی بی دوسرے کمرے میں ہیں۔ ہم ابھی بلاتے ہیں۔"

ایک ذرا دیر خاموشی رہی۔ پھر اعلیٰ بی بی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو، سونیا! کیا تم بول رہی ہو؟ اوور۔"

"میں سونیا بول رہی ہوں۔ پوچھنا چاہتی ہوں، کیا یہودیوں سے اتنا ربط ضبط بڑھ گیا ہے کہ وہ شاہراہوں اور گلیوں میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ہماری ملاقات کے لیے چیختے پھر رہے ہیں؟ اوور۔"

"سونیا! میں تم سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ تمھیں

یقین دلانا چاہتی ہو، تم جہاں بھی ملنا چاہوگی وہاں دوستانہ ماحول ہوگا۔ ہمارے آس پاس یا دور تک کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ جلدی بتاؤ — کہاں ملنا چاہتی ہو؟ اوور۔"

"تم اپنا یقین اپنی ذات تک محدود رکھو۔ کیا جس طرح ان لوگوں نے فرہاد کا دماغ کمزور کرکے اپنی قید میں رکھا ہے اس طرح تمہارے دماغ میں بھی کمزوریاں پیدا کر دی ہیں؟ تم یہودیوں پر کب سے بھروسہ کرنے لگیں؟ کیا سچ مچ تم انھیں اپنا دوست سمجھ رہی ہو؟ اوور۔"

"سونیا! ہم نے یہودیوں کو پہلے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں آکر یقین کرنا پڑا کہ یہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ جس طرح ہم غلطیاں کرتے ہیں یہ بھی کرتے ہیں اور پچھتاتے ہیں اور ان غلطیوں کی تلافی بھی کرتے ہیں۔ ہمیں ایک بار ان سے دوستی کرکے آزمانا چاہیے۔ کیا سپر ماسٹر اور ماسک مین نے بارہا ہم سے دوستی کرنے کے بعد ہمیں دھوکا نہیں دیا؟ اگر ہم ان سے بار بار دھوکا کھا سکتے ہیں تو کیا ایک بار یہودیوں کو آزما نہیں سکتے؟ اوور۔"

"اعلیٰ بی بی! یہ باتیں اگر تم بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ کر کروگی تو وہاں ہم سے زیادہ دانشور اور تجربہ کار بزرگ موجود ہیں۔ جانے وہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ سنائیں گے لیکن میں ابھی سے اپنا فیصلہ سنا دوں۔ بابا فرید واسطی صاحب نے اپنی زندگی میں کبھی یہودیوں کو اپنا دوست نہیں سمجھا۔ لہٰذا میں بھی انھیں دوست نہیں سمجھ سکتی۔ تم کام کی بات کرو اور بتاؤ کہ یہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تم سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کیوں کہا جا رہا ہے؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ اوور۔"

"پہلی بات تو یہی کہ میں یہودیوں کو دوستی کے سلسلے میں عملی ثبوت پیش کرنا چاہتی ہوں۔ تمہاری طرف سے پہنچنے والے ان نقصانات کو یہ فراخدلی سے نظر انداز کریں گے اور تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ ایک بار مجھ سے ملاقات کرو۔ لو لو، ملاقات کر رہی ہو؟ اوور۔"

"میں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔ اگر یہی فیصلہ بابا صاحب کے ادارے میں وہاں کے معززین کے درمیان سناتی اور ان کا بھی فیصلہ یہی ہوتا تو پہلی فرصت میں تمہیں اعلیٰ بی بی کے عہدے سے خارج کر دیا جاتا۔ میں تمہیں اس سے پہلے ہی خارج کر رہی ہوں۔ آج سے تم میرے لیے اعلیٰ بی بی نہیں ہو۔ تمہارا اصلی نام سمیرا تھا لہٰذا کبھی مجھے مخاطب کرنا ہوا تو میں تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کروں گی۔ اپنے یہودی دوستوں سے کہو، سونیا سے صرف ایک شرط پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ کل رات بارہ بجے سے پہلے فرہاد کو بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیا جائے اگر میں ان کی دوست نہ بن سکی تو وعدہ کرتی ہوں، دشمن بھی نہیں بنوں گی لیکن فرہاد کی رہائی شرطِ اول ہے، اوور اینڈ آل۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ مجاہد انجینئر نے اس کے اندر سے مخصوص پرزے نکالتے ہوئے کہا "وہ لوگ اور اس کی سمت معلوم کرکے اِدھر آئیں گے۔ اب ہم لوگ منتشر ہو جانا چاہیے۔"

وہ مخصوص پرزے لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اب ٹوٹا پھوٹا سا پرانا ریڈیو رہ گیا تھا۔ مجاہدین وہاں سے جانے نے پوچھا "مادام سونیا! آپ سے ہمارا مستقل رابطہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟"

"مجھے جب بھی آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت پیش گی میں آپ لوگوں سے خود ہی رابطہ قائم کر لوں گی۔ ویسے ناہید ہادم کے ہی روپ میں رہوں گی، جب دیکھوں گی شبہ کیا جا رہا ہے تو روپوش ہو جاؤں گی اور ناہید ہادم کو گاہ سے باہر بھیج دوں گی۔ لوگ اسے پکڑیں گے۔ اسے چیک کر اور مطمئن ہو جائیں گے۔"

مجاہدین لڑکوں اور لڑکیوں نے سونیا کو تعریفی نظروں سے پھر کہا "واقعی بہت ہی اچھا آئیڈیا ہے۔ اس طرح دشمن یہاں تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

پگلی وہاں سے چلتے ہوئے دروازے تک گئی، پھر وہاں پلٹ کر مسکراتے ہوئے بولی "فی امان اللہ۔"

وہ مکان سے باہر آگئی۔ میں اس کے دماغ میں موجود وہ اسی طرح اپنے مخصوص انداز میں یا یوں کہنا چاہیے کہ پاگل سے انداز میں بے پروائی سے چلی جا رہی تھی۔ ایک سڑک سے دوسری سڑک پر پہنچ رہی تھی۔ جب وہ مکان نظروں سے اوجھل ہو گیا نے اس کے ذریعے دیکھا کہ کوئی اس کی طرف خاص توجہ نہیں رہا ہے تو اسے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی ہاتھوں سے سر کو تھام کر سوچنے لگی۔ وہ کہاں پہنچ گئی ہے۔ کی سمجھ میں نہیں آیا تو وہ ہلنے لگی۔ زور زور سے ہنسنے لگی کر کبھی اِدھر کبھی اُدھر جانے لگی۔ میں نے اسے اس کے حال پر دیا۔ پھر اس آفیسر کے دماغ میں پہنچا جو ریسٹ ہاؤس میں تھا جس نے پہلے ٹرانسمیٹر پر اپنی آواز سنائی تھی۔ میں اس کے اعلیٰ بی بی کو دیکھنے لگا۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے تھی "میں نے اپنی طرف سے بہت کوششیں کیں لیکن میری بات نہیں مانی بلکہ مجھے اعلیٰ بی بی تسلیم کرنے سے کر دیا ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "ہم نے آپ کی اور تمام گفتگو ریکارڈ کی ہے۔ بے شک آپ ہمارے ساتھ حق ادا کر رہی ہیں۔ آپ کو خواہ مخواہ اتنی دور جانے کی زحمت

آپ جب چاہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے فرہاد صاحب کے سکتی ہیں۔"

میں وہاں سے واپس آگیا۔ تین بجنے والے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا، پتا نہیں، اس پگلی نے دوپہر کا کھانا بھی کھایا ہے یا نہیں۔ پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک بیکری سے کھانے کا سامان خرید رہی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اس وقت وہ شاہراہ ہاشم پر تھی۔ سامنے ایک چار دیواری کے اندر زمانہ قدیم کے ہیرو سیمسن کی قبر ہے۔ سیمسن ہے جو بائبل کے مطابق دنیا کا سب سے طاقت ور انسان تھا اور جس نے ڈیلائیلا کی محبت میں جان دی تھی۔ اس پر ایک فلم بھی بڑی کامیاب ہوئی تھی۔ بہرحال شاہراہ ہاشم مسلمانوں کے لیے یادگار ہے کہ قریب ہی ایک مسجد کے صحن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت ہاشم کا مزار ہے۔ انہی حضرت ہاشم کے نام سے ابھی تک وہ شاہراہ موسوم ہے۔

میں نے جیسن ہاورڈ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اور اس کے عہدے دار 'دی ہاؤس آف نورٹیرن' کے بند دروازے کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ پھر وہ دروازہ کھل گیا۔ وہ سب اندر داخل ہو کر ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ ذرا سی دیر میں وہ دروازہ اپنی جگہ سے سرک گیا۔ اب انھیں دروازے کی جگہ دیوار نظر آ رہی تھی۔ وہ دروازہ دیوار کے درمیان کہیں گم ہو گیا تھا۔ ہزار تلاش کے باوجود باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ سب ایک دیوار کی طرف رخ کرکے کھڑے ہو گئے۔ جیسن ہاورڈ نے اونچی آواز میں کہا۔

"محترم ربی کے نام پر ایک آرام دہ سٹنگ روم کھلنا چاہیے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سامنے کی دیوار ایک طرف سرکنے لگی۔ وہ جس فرش پر کھڑے ہوئے تھے، وہ اس دیوار کی مخالف سمت سرک رہی تھی۔ پھر اچانک ٹھہراؤ آگیا۔ سامنے ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر وسیع کمرے میں آرام دہ صوفے، ٹیلی فون، ٹی وی اور دوسری بہت سی ضروریات کی چیزیں قرینے سے رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ سب اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند ہوا، پھر اسی طرح ایک طرف سرک کر دیوار کے اندر گم ہو گیا۔ اب اس کمرے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ سب آرام سے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا "اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سونیا تو کیا، اس کی روح بھی یہاں نہیں پہنچ سکتی۔"

جیسن ہاورڈ نے کہا "میں کل رات تک یہیں رہوں گا۔ میں نے محترم ربی سے کہہ دیا ہے، کھانا پکانے کے لیے ایک ملازمہ اور خدمت کے لیے ایک ملازم چاہیے۔ آپ لوگوں کے جانے کے بعد وہ دونوں یہاں آجائیں گے۔"

پھر وہ سونیا کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ میں اُن کے پاس سے چلا آیا۔ دنیا کی جن مشہور و معروف ہستیوں نے میری موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے، اُن میں گولڈن رکیٹ کے ساتوں گولڈ مین بھی قابلِ ذکر ہیں۔ اُن میں ڈاکٹر ڈی ولسن کے متعلق میں بیان کر چکا ہوں۔ ایزل ہارڈی سے اس کا رابطہ رہتا تھا۔ صرف ایزل ہارڈی ہی نہیں، اس جیسے دوا ساز کمپنیوں کے جتنے مالکان تھے وہ سب ڈاکٹر ڈی ولسن کے دائرہ اختیار میں رہتے تھے۔ اُسی کی پلاننگ کے مطابق لوگوں کو ابتدائی نشے کا عادی بنانے کے لیے نشہ آور دوائیں سپلائی کی جاتی تھیں۔ چند روز پہلے گولڈن رکیٹ کے ساتوں گولڈ مین سجاد کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے آئے تھے کہ واقعی فرہاد علی تیمور یہودیوں کی گرفت میں آگیا ہے اور اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ جب اُنھیں پتا چلا کہ اُسے موت کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ یہودی اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کریں گے تو وہ لوگ کچھ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ ویسے گولڈن رکیٹ کا پہلا ڈاکٹر اور سربراہ واٹسن ہوانا یہودیوں کے اس فیصلے سے متفق تھا۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ فرہاد کے ذریعے ٹیلی پیتھی کا علم دوسروں میں منتقل ہو۔ بہرحال جب اسرائیلی حکام کی طرف سے جشنِ آزادی کے سلسلے میں شرکت کے لیے دعوت نامہ بھیجا گیا تو گولڈن رکیٹ کے سربراہ واٹسن ہوانا نے ڈاکٹر ڈی ولسن کو جشن میں شریک ہونے کے لیے تل ابیب روانہ کر دیا۔ ڈاکٹر ڈی ولسن اس وقت تل ابیب کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل ڈپلومیٹ میں مقیم تھا۔

وہاں جشن منانے کے سلسلے میں بڑے زور و شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تل ابیب میں داخل ہونے کے تمام راستوں پر فوجیوں کا بڑا سخت پہرہ تھا۔ وہ خاص طور پر کسی عورت کو اس وقت تک شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے جب تک اُسے اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے نہیں گزار دیتے تھے۔ رات کے نو بجے میں ڈاکٹر ڈی ولسن کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ہوٹل کے چوتھے فلور پر ایک کمرے میں تھا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں اسے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق زینے چڑھتا ہوا ہوٹل کی چھت پر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ سطح زمین سے کافی بلندی پر تھا لیکن بعض اوقات چوتھے فلور پر سے گرنے والے بھی معجزاتی طور پر بچ جاتے ہیں۔ میں اُسے چھت کے کنارے چاروں طرف گھومنے پر مجبور کرتا رہا اور اُس کے ذریعے دیکھتا رہا کہ کون سی جگہ مناسب ہو سکتی ہے۔ کوئی مناسب جگہ نظر نہیں آئی اسے لے کر پھر اُس کے کمرے میں واپس آگیا۔ اُسے میز کے سامنے کرسی پر بٹھا دیا۔ میز پر کاغذ اور قلم رکھا ہوا تھا۔ وہ قلم اٹھا کر لکھنے لگا۔

"موت میرے سامنے کھڑی ہے۔ اُس کا حکم

ہے کہ جس طرح میں نے فرہاد علی تیمور کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے تھے۔ اُسی طرح اس کاغذ پر اپنی موت کا فیصلہ لکھوں اور دستخط کردوں۔

اس کا حکم ہے کہ میں اپنے اس خط میں کا ہال تنظیم کے سربراہ جیسن ہارورڈ کے نام پیغام لکھوں۔ پیغام یہ ہے کہ سخت پہروں کے باوجود موت کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ موت غزہ سے بذریعہ ٹرین آئی ہے، کس طرح آئی ہے، کیسے ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں، یہ جیسن ہارورڈ سے سامنا ہونے پر بیان کیا جائے گا۔ وہ سمندر کی تہ میں رہے یا پاتال میں جاکر چھپے، اُسے ہر حال میں کل بارہ بجے رات تک اپنے ساتھ ایک سادہ کاغذ رکھنا چاہیے، موت اپنے وعدے کے مطابق اس کی شہ رگ تک ضرور پہنچے گی۔

یہ جو میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی خطرناک تنظیمیں اسے اے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو کہتی ہیں۔"

اتنا لکھنے کے بعد اُس نے دستخط کر دیے۔ قلم رکھ دیا پھر اس تحریر والے کاغذ کو پیڈ سے نکال کر تہہ کیا۔ لمبے کوٹ کی ایک جیب میں رکھ کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ قریب ہی بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ اس نے بریف کیس کو کھول کر اپنا ریوالور نکالا۔ اُس کے چیمبر کو چیک کیا۔ پھر اسے پتلون کی جیب میں رکھ کر کمرے سے نکل گیا۔ وہاں سے چلتا ہوا زینے کے پاس آیا اور اس پر چڑھتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

وہ بوکھلا کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا کہ چھت پر کیسے پہنچ گیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے اُسے مخاطب کیا۔ "ہیلو ڈاکٹر دی ولسن! کیا تم اپنے دماغ میں فرہاد علی تیمور کی آواز سُن رہے ہو؟"

وہ ایک دم سے گھبرا کر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر نہیں، نہیں کے انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر کہنے لگا "نہیں، فرہاد علی تیمور کے دماغ سے ٹیلی پیتھی نکال لی گئی ہے۔ وہ اس علم سے محروم ہوگیا ہے۔"

"... نکل کر چھت پر کیسے آگئے؟"

"... جانے کیسے آگیا۔ میں واپس جارہا ہوں!"

"... واپس نہیں جاسکو گے۔"

اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ زینے تک پہنچا جیسے مشینی انداز میں پلٹ گیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا چھت کے دوسرے ... آکر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے بدحواس ہوگیا۔ اب اس پر دہشت طاری ہوگئی تھی ... نے گھگھیا کر کہا "یہ، یہ تو ٹیلی پیتھی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں، ٹیلی پیتھی۔ تم لوگ انسان نہیں پاگل کتے ہو۔ فرہاد ... تیمور نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ تم چاہتے تھے کہ اس کے دماغ ... ٹیلی پیتھی نکال دینے کے بعد اس کے جسم سے اس کی روح بھی ... دی جائے۔ اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ کیوں؟ تم نے ... کی موت کے فیصلے پر کیوں دستخط کیے؟"

"مم۔ مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔ میں کان پکڑتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں، آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

"جب سزا شروع ہوتی ہے تو ہر مجرم اسی طرح گڑگڑاتا ہے۔ التجا کرتا ہے۔ توبہ کرتا ہے، کان پکڑتا ہے۔ تم کیا کروگے؟"

"تم جو کہو گے وہ کروں گا۔ میں تمہارا غلام بنا رہوں گا۔"

"میں نادان نہیں ہوں۔ اپنی ٹیلی پیتھی کا راز ظاہر کر دینے کے بعد تمہیں یہودیوں کے درمیان رہنے کے لیے چھوڑ نہیں سکتا۔ چلو تمہاری جیب میں ریوالور ہے۔ اُسے نکال کر اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ خود کرو۔"

اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ اس نے ریوالور کو محسوس کیا۔ وہ چیخ کر کہنا چاہتا تھا کہ ریوالور کو ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن میں نے چیخنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ میری مٹھی میں آگیا۔ اُس نے بے چون و چرا جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کو نکال لیا۔ اس سے چلتا ہوا چھت کے سرے پر پہنچا۔ ایسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں ذرا بھی ڈگمگاتا تو بلندی سے پستی کی طرف چلا جاتا۔ میں نے اُسے سنبھال رکھا تھا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر ریوالور کو صاف کیا۔ پھر رومال کے ذریعے دستے کو تھام کر اس رومال کے ایک حصے کو ٹریگر کے پاس لاکر وہاں انگلی رکھی۔ اس کا رُخ اپنے سینے کی طرف کیا۔ میں اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ... کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے آزاد چھوڑ دیا۔

وہ ایک لمحہ جب اس کا ذہن آزاد ہوا اور وہ اپنے ہوش میں آیا تو اُس نے اپنے آپ کو چھت کے سرے پر ایسی جگہ پایا ... اچھے اچھوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ بلندی سے ... گرنے کا خوف، اس پر ریوالور کا رُخ اپنے سینے کی طرف ... بھی ریوالور اپنے ہی ہاتھ میں۔ گویا قاتل بھی وہ، مقتول بھی ... حالات میں بدحواسی نے اس کے قدم ڈگمگا دیے۔ وہ چھت ... سرے سے دوسری طرف ڈھلک گیا۔ ڈھلکنے کے دوران ... ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی دب گئی۔ میں نے آخری بار اس کے ...

سے فائرنگ کی آواز سُنی۔ اُس کے بعد مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ کیا ہوا کیونکہ اب اس کے دماغ میں تاریکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں جیسن ہارورڈ کے دماغ میں پہنچا تو وہ ایک کمرے میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ ایک ملازمہ اور ایک ملازم اس کی خدمت کے لیے آگئے ہیں۔ دی ہاؤس آف نورٹرن میں اس کے لیے ایک بیڈ روم، ایک سٹنگ روم، ایک کچن اور ایک باتھ روم سیٹ کیا گیا ہے۔ جب اُسے کسی اور کمرے کی ضرورت ہوگی یا کسی اور کمرے کی ضرورت نہیں ہوگی تو اس کی مرضی کے مطابق وہاں تبدیلیاں لائی جائیں گی۔ فی الحال وہ سٹنگ روم، بیڈ روم، کچن اور باتھ روم وغیرہ تک محدود رہ سکتا تھا۔ اس کی ملازمہ اور ملازم بھی اتنی ہی جگہ میں محدود تھے۔ وہاں سے نکل کر باہر نہیں جاسکتے تھے۔ جیسن ہارورڈ جب بلند آواز میں حکم دیتا کہ اُسے باہر جانا ہے تو اس کے مطابق کوئی سلائیڈنگ دروازہ ان کے سامنے آسکتا تھا جہاں سے گزر کر وہ باہر جاسکتے تھے۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے شراب کا جام میز پر رکھ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر کہا "ہیلو۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی "جناب! بُری خبر ہے۔ انٹرنیشنل اینٹی نارکوٹک سوسائٹی کے ایک معزز ڈاکٹر دی ولسن کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کی جیب سے وہی موت کا پروانہ برآمد ہوا ہے جو سونیا کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟" وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا "سونیا تل ابیب کیسے پہنچ گئی؟"

"یہی تو ہمیں حیرانی ہے۔ اس نے جو کچھ ڈاکٹر دی ولسن سے لکھایا ہے، وہ میں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔"

وہ خط کا مضمون پڑھ کر سنانے لگا۔ جیسن ہارورڈ دیدے پھیلائے خلا میں تک رہا تھا۔ ریسیور اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سونیا اس کے کان میں کہہ رہی ہو ـــ "سمندر کی تہ میں چھپ جاؤ یا پاتال میں پہنچ جاؤ۔ میں کل بارہ بجے رات سے پہلے تمہاری شہ رگ تک پہنچ جاؤں گی۔ ایک سادہ کاغذ اپنے پاس ضرور رکھنا۔"

وہ ایک بار پھر چیختے ہوئے بولا "وہ تل ابیب کیسے پہنچ گئی؟"

"اس میں تو یہی لکھا ہے کہ غزہ سے ٹرین کے ذریعے آئی ہے۔ میں نے ابھی اسٹیشن ماسٹر سے بات کی ہے۔ پتا چلا ٹرین کے ذریعے بکھ بڑے سائز کی پیٹیاں آئی تھیں۔ ہماری ایک ٹیم خصوصی طور پر اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی ہے۔ خیال ہے کہ وہ ایسی ہی کسی پیٹی میں چھپ کر شہر میں پہنچ گئی ہے۔"

ان باتوں کے دوران جیسن ہارورڈ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک عورت نظر آئی۔ اس نے ایک دم سے دہشت زدہ ہو کر چیختے ہوئے پوچھا "کون ہو تم؟"

وہ سہم کر بولی "سر! میں آپ کی خادمہ ہوں۔ میرا نام ٹریسیا ہے۔"

"آں؟ خادمہ؟ ٹریسیا؟"

دوسری طرف فون کرنے والا پوچھ رہا تھا "جناب! کیا بات ہے کیا آپ خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟"

"آں! نہیں۔ کچھ نہیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ نظریں اٹھا کر خادمہ کو دیکھا۔ پھر کہا "جاؤ، یہاں سے چلی جاؤ۔ جب تک میں آواز نہ دوں، اندر نہ آنا۔"

وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے بلند آواز سے کہا "میں محترم ربی کے نام پر حکم دیتا ہوں میرے بیڈ روم کا دروازہ لاک کر دیا جائے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پھسلتے ہوئے دیواروں کے اندر گم ہوگئے۔ اب اس خواب گاہ کے چاروں طرف دیواریں ہی تھیں۔ نہ کھڑکیاں تھیں نہ دروازے۔ اس کے بعد اس نے پھر بلند آواز سے کہا "میں محترم ربی کے نام پر حکم دیتا ہوں میری خادمہ ٹریسیا کے باہر جانے کے لیے دروازہ کھول دیا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی اُس نے انٹرکام کا بٹن دبا کر کہا "ٹریسیا! تمہارے لیے دروازہ کھولا جارہا ہے۔ تم باہر چلی جاؤ۔"

اس کے بعد اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے رابطہ قائم ہوگیا تو اس نے کہا "میں نے اپنی خادمہ کو اس مکان سے باہر بھیج دیا ہے۔ اُسے چیک کیا جائے۔ آئندہ جب بھی وہ آئے گی اسے اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے گزارنے کے بعد اس مکان میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا لیکن اس کا ہاتھ اسی ریسیور پر رہا اور وہ ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس کے سامنے شراب سے بھرا ہوا جام رکھا ہوا تھا۔ جب اُس نے جام کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس ہاتھ میں جام بھی ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اس نے جلدی سے چند گھونٹ لیے تاکہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاسکے۔

اس کے اندر دہشت کی جو چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی تھی، اس پر وہ شراب کا چھڑکاؤ کر رہا تھا۔ کیسا نادان تھا وہ۔

***

ہم اسرائیلی ائیر لائن کے طیارے "ال آل" میں سفر کر رہے

تھے۔ سونیا طیارے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے دائیں طرف جے، جے پارکر کا دستِ راست وین دائز بیٹھا ہوا تھا۔ جے، جے پارکر ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ ہم صرف تین افراد تل ابیب جا رہے تھے۔ سونیا نے ترکی زبان سیکھنے کے سلسلے میں جو کیسٹ اور کتابیں خریدی تھیں، اُنھیں جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ صرف عبرانی زبان سیکھنے کے لیے کیسٹ اور کتابیں اس لیے رکھی ہوئی تھیں کہ اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ لوگ جس ملک میں جاتے ہیں، وہاں کی زبان کے چند مخصوص فقرے یاد کرنے کے لیے ایسی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

ویسے اب سونیا کو دنیا کی کوئی بھی زبان سیکھنے کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کتابیں کھول کر یا کیسٹ آن کر کے بار بار اُنہیں سُنتی۔ بار بار یاد کرنے کی کوشش کرتی۔ کبھی بھولتی۔ کبھی کچھ یاد آتا اور جو یاد آتا، اسے شاید کچھ عرصے بعد پھر بھول جاتی۔ اب وہ دُنیا کی کوئی زبان ایک بار پڑھنے یا سُننے کے بعد کبھی نہیں بھول سکے گی۔ میں نے زندگی میں پہلی بار اس قسم کے تنویمی عمل کا تجربہ کیا ہے۔

ایک بات میرے دماغ میں آئی، وہ یہ کہ میں نے سونیا پر تنویمی عمل کرنے کے بعد اسے حکم دیا تھا کہ وہ پارس کے متعلق سب کچھ بھول جائے گی اور وہ ابھی تک بھولی ہوئی تھی۔ اس بات نے یہ خیال پیدا کیا کہ جو بات تنویمی عمل کے دوران نقش کرا دی جائے وہ ذہن سے پھر کبھی محو نہیں ہوتی۔ لہٰذا تنویمی عمل کے دوران میں کسی زبان کے فقرے اس کے سامنے پڑھتا رہوں اور حکم دیتا رہوں کہ وہ ان فقروں کو ذہن نشین کرے اور کبھی نہ بھولے تو پھر وہ کبھی نہیں بھول سکے گی۔

پچھلی دو راتوں میں جب بھی خیال خوانی سے فرصت ملی، میں نے سونے سے پہلے سونیا کو تنویمی نیند سُلایا۔ اس کے بعد وہی عمل کیا۔ اس کے دماغ کو ہدایت دی کہ جو کیسٹ آن کیا جا رہا ہے اور اس میں جو سبق پڑھایا جا رہا ہے، وہ اُسے ذہن میں نقش کر لے اور اسے ہمیشہ یاد رکھے۔ اس نے معمولہ کی حیثیت سے حکم کی تعمیل کرنے کا وعدہ کیا۔ میں نے ترکی زبان کا وہ کیسٹ آن کر دیا۔ وہ آواز سونیا کے کانوں تک پہنچتی رہی اور وہ اُسے دہراتی رہی، جب کیسٹ مکمل ہو گیا تو میں نے اسے آف کرنے کے بعد حکم دیا" اب میں اسی زبان کی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اس زبان کی جو گرامر میں سناتا جاؤں تم اسے بھی یاد رکھو گی"۔

اس نے وعدہ کیا اور میں نے وہ قواعد اس کے سامنے بیان کیے۔ وہ اُنھیں دہراتی رہی۔ پہلی رات کے بعد جب وہ تنویمی نیند سے بیدار ہوئی تو میں نے ترکی زبان کی کتاب کھول کر اس سے سوالات کیے۔ اس نے اسی زبان میں جواب دیے۔ پھر میں نے کیسٹ کے مطابق سوالات کیے تو اس نے کیسٹ کے مطابق بھی صحیح جواب دیے۔ مجھے پورا یقین ہے، جس طرح میری معمولہ بننے کے بعد میرے حکم کے مطابق اُس نے پارس کو فراموش کر دیا تھا، اُسی طرح میرے حکم کے مطابق وہ ترکی زبان کا پڑھا ہوا سبق کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ اب یہ آئندہ کے حالات پر ہے۔ اگر اس میں کامیابی ہوئی تو تنویمی عمل واقعی انسان کی تعمیر و ترقی کے لیے نہایت ہی فعال علم ثابت ہوگا۔ میں نے طِب کے شعبہ میں تنویمی عمل سے استفادہ حاصل کرنے کے سلسلے میں بعض ڈاکٹروں کے مضامین پڑھے ہیں اگر سونیا کے سلسلے میں کامیابی ہوئی تو میں کسی مریض پر بھی تنویمی عمل کر کے اس کا علاج کرنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے مجھے خوشی بھی ہو رہی تھی اور اطمینان بھی۔ سونیا نے صرف دو راتوں کے عمل میں ترکی زبان اتنی زیادہ سیکھ لی تھی کہ وہ چار مہینوں میں اتنی نہیں سیکھ سکتی تھی۔ اب کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا وہ بلاشبہ ترکی کی رہنے والی ایک سلطانہ تھی۔

پیرس سے روانہ ہونے سے قبل ایک رات پہلے میں نے بابا صاحب کے ادارے کی خبر لی تھی۔ بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کا اسمِ گرامی شیخ الفارس غلام حسین البرقی ہے۔ یہ اس ادارے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے اُستاد ہیں اور اپنے شعبے کے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اعلیٰ بی بی کی برتری ادارے سے باہر چالیس چوروں پر قائم رہتی ہے لیکن ادارے کے اندر وہ شیخ الفارس غلام حسین البرقی کی پابند رہتی ہے۔ میں نے شیخ الفارس صاحب کے دماغ میں چپکے سے جھانک کر معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا، پچھلی رات نئے سُپر ماسٹر اور نئے ماسک مین کی طرف سے خیر سگالی کے پیغامات آئے ہیں۔ ایک پیغام بابا صاحب کے ادارے کے لیے اور دوسرا سونیا کے لیے ہے۔

میں نے ان پیغامات کو سُننا گوارا نہیں کیا۔ اُن کی طرف سے نفرت اور بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ نئے سُپر ماسٹر اور نئے ماسک مین اپنی اپنی تنظیم کے پچھلے سربراہوں کی طرح اپنی بے لوث دوستی کا یقین دلائیں گے اور بابا صاحب کے ادارے کو اور خصوصاً سونیا کو اپنی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ مجھے اور سونیا کو اتنی فرصت بھی نہیں تھی کہ ہم اُن کے پیغامات سُنتے، اُن پر تبصرہ کرتے یا ان پر غور کرنے کے لیے وقت ضائع کرتے۔

طیارے کا سفر بڑا آرام دہ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مسافروں کو مخاطب کیا گیا" لیڈیز اینڈ جنٹلمین! اب ہمارا طیارہ اسرائیل کی فضاؤں میں پرواز کر رہا ہے۔ ہماری ائیر لائین "ال آل" کا یہ دستور ہے کہ ہم اپنے ملک میں آنے والے معزز مہمانوں کو سرحدی اور ساحلی علاقوں کی سیر کراتے ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچاتے ہیں۔ اس وقت ہمارا طیارہ دریائے اُردن کے مغربی ساحل پر پرواز کر رہا ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد کہا گیا" یہ لیجیے، اب آپ بحرِ مُردار پر سے گزر رہے ہیں۔ بیرونی ممالک سے آنے والے سیاح اِدھر ضرور آتے ہیں۔ یہ دُنیا کا پست ترین علاقہ ہے۔ سطحِ سمندر سے ایک ہزار دو سو اسی فٹ نیچے ہے"۔

اسی سلسلے میں ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ بحرِ مُردار کے آس پاس کے علاقے سطحِ سمندر سے نیچے ہونے کے باعث بہت گرم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اتنی شدید گرمی پڑتی ہے کہ یہاں پیدا ہونے والے استوائی پھل وقت سے پہلے حرارت کے باعث پک جاتے ہیں۔

ہمارا سفر جاری تھا۔ وہ طیارہ ہمیں اسرائیل کی مشرقی سرحدوں پر سے لیتا ہوا صحرائے سینا پر سے گزرتا ہوا مغربی ساحل کی طرف آ گیا۔ اسی ساحل پر ایک علاقہ سیمسن اور ڈیلائیلا کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں کے ایک ساحل کا نام سیمسن اور دوسرے ساحلی علاقے کا نام ڈیلائیلا ہے۔ یہیں وہ بڑی قدیم عبادت گاہ ہے جو بڑی بڑی بھاری چٹانوں اور بھاری پتھروں کے ستونوں پر کھڑی ہوئی تھی۔ سیمسن نے خالی ہاتھوں سے ان چٹانوں اور پتھروں سے بنی ہوئی عمارت کو مسمار کر دیا تھا۔

اس کے بعد ہمارا طیارہ یروشلم کے قریب سے گزرنے لگا۔ اس فصیل بند تاریخی شہر کو مسلمان اور عیسائی بیت المقدس کہتے ہیں اور یہودی اسے بیت اللّٰہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگر میں تاریخِ اسلام کے حوالے سے بیت المقدس کے سلسلے میں روح پرور معلومات لکھوں تو میری داستان کی اس موجودہ قسط کے صفحات ناکافی ہوں گے۔ پھر کبھی اِدھر سے گزر ہوگا تو اپنے قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے بہت کچھ بیان کروں گا۔

ہم دس بج کر بیس منٹ کے بعد لُوڈ ائیرپورٹ پہنچ گئے۔ اسرائیل میں اُن دنوں یہی ایک ائیرپورٹ تھا۔ ویسے ایک نئے ائیرپورٹ بن گورین کی تعمیر ہو رہی تھی جو ان دنوں تل ابیب کے قریب ہے۔ ائیرپورٹ کی عمارت میں مسلح فوجی نظر آ رہے تھے۔ بڑی سخت چیکنگ ہو رہی تھی۔ بین الاقوامی اصولوں کے مطابق پاسپورٹ، ویزا تو لازمی ہوتا ہے۔ کسٹم چیکنگ بھی ضروری ہے۔ ان کے علاوہ وہاں ایک بڑا سا کیمرہ نصب تھا۔ باہر سے آنے والے مسافروں کو اس کیمرے کے سامنے چند سیکنڈ کے لیے کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ وہاں کے افسران ہدایت دیتے تھے۔ سامنے دیکھو، دائیں پھر بائیں طرف دیکھو، یعنی چہرے کو تین زاویوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اطمینان کرنے کے بعد کہ یہ میک اپ میں نہیں ہے۔ اُسے جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا اور ہم پر کسی نے شبہ نہیں کیا۔ تل ابیب وہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں بھی سخت چیکنگ ہو رہی تھی۔ ہمیں ایک بار پھر اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا۔ ہمارے لیے فائیو اسٹار ہوٹل رمادا میں ایک ڈبل بیڈ اور ایک سنگل بیڈ روم مخصوص ہو چکا تھا۔ سنگل بیڈ روم وین دائز کے لیے تھا۔ اگرچہ اس نے ہمارے ساتھ ایک طویل سفر کیا تھا اور اب بھی ہمارے ساتھ رہنے والا تھا۔ اس کے باوجود ہم اس سے زیادہ بے تکلف نہیں تھے۔ اگر وہ بے تکلف دوست بن جاتا تو پھر ہمارے ہی ساتھ لگا رہتا اور ہمیں اس سے الگ رہ کر کچھ کام کرنے کا موقع نہ ملتا۔

جس دن ہم وہاں پہنچے، اس کے دوسرے دن یہودی جشنِ فتح و آزادی منانے والے تھے۔ سونیا کی دھمکی کے مطابق اُنھیں آج رات بارہ بجے سے پہلے تجّادار اعلیٰ بی بی کو بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دینا چاہیے تھا لیکن اُنھوں نے اس سلسلے میں کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ وہ بھی بڑے ضدی اور اپنے ارادے کے پکّے تھے۔ بظاہر نہ ٹوٹنے والی چٹان کا سا رویّہ اختیار کر رکھا تھا لیکن میں تو اندر پہنچ کر اُن کے ٹوٹنے کا منظر دیکھ سکتا تھا۔

پچھلی رات سونیا کی طرف سے جو آخری واردات ہوئی وہ ڈاکٹر روی ولسن کی ہلاکت تھی۔ اس کے بعد میں نے رات کے ساڑھے گیارہ بجے پھر جیسن ہارورڈ کو پریشان کیا تھا۔ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو رکھنے کے لیے خوب پیتا رہا تھا۔ بعد میں گہری نیند سو گیا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کی اسکرین پر خواب کا منظر دیکھا۔ اس منظر میں سونیا نظر آ رہی تھی۔ وہ اُس کے قریب آتی جا رہی تھی۔ بالکل قریب آنے کے بعد اُس نے قہقہہ لگایا اور کہا" فرہاد کو رہا کر دو ورنہ اپنے چاروں طرف آہنی دیواریں اٹھا لو۔ اپنے آپ کو زمین کی تہ میں چھپا لو، تب بھی میں تمھاری شہ رگ تک پہنچ جاؤں گی۔ یہ جو ہاؤس آف نوریٹرن ہے۔ یہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں پھر وارننگ دے رہی ہوں۔ کل رات بارہ بجے سے پہلے فرہاد کو رہا کر دو اور اس کی رہائی

کے سلسلے میں کل شام چھ بجے اعلان کر دو۔ اگر میں نے اس کی ہلاکت کا اعلان نہ سُنا تو بارہ بجے سے بہت پہلے ہی تم یہاں سے اُس ہاؤس آف نورسٹرن میں منتقل ہو جاؤ گے جسے قبر کہتے ہیں۔"

وہ خواب میں سونیا کو دیکھتا رہا، اُس کی باتیں سُنتا رہا، اور نیند کی حالت میں بے چین ہوتا رہا۔ آخر وہ ہڑبڑا کر اُٹھ گیا۔ اس وقت وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ نشہ بڑی حد تک اُتر چکا تھا اور وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ابھی سونیا سامنے تھی یا خواب دیکھ رہا تھا؟

پھر جب اُسے اطمینان ہوا تو وہ بستر سے اتر کر ٹیلیفون کے پاس پہنچا۔ ریسیور اٹھا کر سونیا کی تلاش کے سلسلے میں متعلقہ افسران سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ معلوم کرنے لگا کہ سونیا کا کوئی سراغ مل سکا ہے یا نہیں۔

معلوم ہوا کہ اسے ڈھونڈ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ تل ابیب کی حدود میں جتنی عورتیں ہوٹل میں یا دوسرے مکانوں میں تنہا رہتی ہیں یا پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتی ہیں، اُن کی سختی سے چیکنگ ہو رہی ہے۔ پھر ایسے شادی شدہ جوڑے جن کے ہاں بچے نہیں ہیں، بہت بڑی فیملی نہیں ہے، انھیں بھی چیک کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے سونیا نے کسی مرد کے ساتھ پناہ لے رکھی ہو۔"

جیسن ہارورڈ نے غصے سے کہا "تل ابیب کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے، یہاں ایک ایسی عورت جو اپنی جسامت اور قد و قامت اور اپنے اطوار سے لاکھوں میں پہچانی جا سکتی ہے، اسے ڈھونڈ نکالنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ یہ تم لوگوں کی نااہلی ہے۔"

"لیکن جناب! وہ میک اپ میں ہے۔"

"بکواس نہ کرو۔ جگہ جگہ اینٹی میک اپ کیمرے نصب کیے گئے ہیں۔ پھر وہ کیسے چھپ کر تل ابیب میں داخل ہو گئی۔ وہ اتنے سخت پہرے کے باوجود اس شہر میں آسکتی ہے تو ہاؤس آف نورسٹرن میں داخل ہونا اس کے لیے کون سی بڑی بات ہوگی۔ وہ آئے گی، یہاں اپنا کام کر جائے گی اور تم لوگ اپنی بے بسی ظاہر کرتے رہ جاؤ گے۔ میں صبح تک اس کی گرفتاری کی خبر سُننا چاہتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ پھر آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے ذرا دیر تک انتظار کیا۔ جب وہ گہری نیند میں ڈوب گیا تو میں نے اسے پھر اٹھایا۔ اس بار اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ میز کے پاس آیا، کاغذ اور قلم لے کر میری مرضی کے مطابق لکھنے لگا۔ اب وہ میری ٹیلی پیتھی کے زیر اثر تھا۔ جب تحریر مکمل ہو گئی اور اُس کے نیچے دستخط کر دیے تو اُس نے اس کاغذ کو پیڈ سے نکال کر تہہ کیا اور اُسے اپنے بریف کیس کے ایک چور خانے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آ کر پھر بستر پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں اور سونے لگا۔ تب تھوڑی دیر تک اس کے دماغ میں رہا پھر وہاں سے نکل آیا۔

یہ پچھلی رات کے واقعات تھے۔ دوسرے دن ڈیڑھ بجے ہم اس فائیو اسٹار ہوٹل رمادا میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں ہم نے لنچ کیا۔ پھر وین وائز کی فرمائش پر اس کے ساتھ تل ابیب گھومنے کے لیے نکلے۔ بیرونی ممالک سے آنے والے مہمانوں کو خصوصی اجازت نامے دیے گئے تھے جن کے تحت وہ شہر میں گھوم پھر سکتے تھے اور تفریح گاہوں میں جا کر وقت گزار سکتے تھے لیکن فوجی چھاؤنی، گورنر ہاؤس اور پاور ہاؤس جیسے اہم مقامات کی طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی طرح دی ہاؤس آف نورسٹرن کی طرف بھی کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

وین وائز نے سمندر کے ساحل پر کیسینو کی بہت بڑی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ وہی جگہ ہے جہاں ہمیں کل رات تاش کے پتّوں سے قسمت آزمانا ہے۔"

سونیا اُدھر دیکھ کر مسکرانے لگی۔ وین وائز نے کہا "میں جانتا ہوں کہ تم میں بڑی خود اعتمادی ہے اور مجھے بھی اعتماد ہے کہ کل یہاں سے ہم اتنی دولت سمیٹ کر لے جائیں گے کہ یہاں کے بڑے بڑے سرمایہ دار ہمارا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

میں سونیا اور وین وائز کی گفتگو میں کبھی حصّہ لیتا تھا اور کبھی موقع پا کر اپنے طور پر معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ میں نے جیسن ہارورڈ کی خادمہ ٹریسیا کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ اپنے باس کو دوپہر کا کھانا کھلانے کے بعد دی ہاؤس آف نورسٹرن سے باہر آ گئی تھی اور اب پانچ بجے دوبارہ جانے والی تھی۔ اس وقت تین بج چکے تھے۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "سونیا! سر درد کا بہانہ کرو اور ایک فارمیسی میں جا کر اپنے لیے سر درد کی کوئی گولی خریدو اور اس کے ساتھ ہی کوئی ایسی دوا جو وین وائز کی شام کی چائے میں ملا دی جائے تو وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکل سکے۔"

اسے یہ ہدایت دے کر میں پھر اس خادمہ ٹریسیا کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل کرنے لگا۔ جیسن ہارورڈ کے حکم کے مطابق جب وہ دی ہاؤس آف نورسٹرن میں داخل ہوتی تھی تو اسے اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے سے گزرنا پڑتا تھا۔ ایسے وقت ایک افسر دروازے پر کھڑا رہتا تھا۔ کیمرے کے ویو فائنڈر میں خادمہ ٹریسیا کے چہرے کو تین زاویوں سے دیکھتا تھا۔ پھر اُسے اندر جانے کی اجازت دیتا تھا۔

ہم ہوٹل رمادا ساڑھے تین بجے واپس آ گئے۔ سونیا نے کہا "مسٹر وائز! میں چائے پینا چاہتی ہوں۔ سر کی تکلیف کم ہو گئی کیا آپ میرے ساتھ چائے پینا پسند کریں گے؟"

سونیا کو لُبھانے کا انداز خوب آتا تھا۔ وہ بے چارا اس سے متاثر ہوتا جا رہا تھا۔ بھلا انکار کیسے کر سکتا تھا۔ چائے آئی تو میں نے وین وائز کو شعوری طور پر ہوش مند رکھنے کے باوجود خیال خوانی کے ذریعے اس کی توجہ ذرا بھٹکائی۔ ذرا سی مہلت ملتے ہی سونیا نے اس کی چائے میں وہی دوا ملا دی۔ اس دوا کا اثر پندرہ منٹ کے بعد ظاہر ہوا۔

سونیا نے وین وائز کے کمرے کے سامنے جا کر دروازے پر دستک دی تو اس نے دروازے کو آہستگی سے کھول کر کہا۔ "مس سُلطانہ اندر آ جائیے، میں ابھی آتا ہوں۔ ایکسکیوز می۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا ٹوائلٹ میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ پھر معذرت چاہی۔ اس کے سامنے بیٹھ کر بات کرنے لگا۔ بمشکل چند منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا "میرے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

سونیا نے کہا "کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کریں۔ میں ہارڈی کے ساتھ ذرا باہر جا رہی ہوں۔ ہم دو چار گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔"

وہ ٹوائلٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا "اس اجنبی شہر میں تم دونوں کہاں بھٹکو گے۔"

"ہم نے تمام بڑے بڑے ممالک کی سیر کی ہے۔ یہ شہر کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی دقت پیش آئی تو ہم کہیں سے فون کے ذریعے تم سے رابطہ قائم کر لیں گے۔"

وہ سونیا کی اور بات نہ سُن سکا۔ فوراً ہی ٹوائلٹ کے اندر چلا گیا۔ سونیا کمرے سے باہر آئی۔ وہ اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ہوٹل سے باہر آ گیا۔ وہاں سے ہماری منزل دور نہیں تھی۔ خادمہ ٹریسیا ایک خوب صورت سے پارک کے قریب ہی چھوٹے سے مکان میں اپنے شوہر اور ایک ننھے سے چھ ماہ کے بچے کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے شوہر کا نام جان ہیکر تھا اور وہ پاور اسٹیشن میں ایک معمولی منشی تھا۔ چونکہ دوسرے دن جشن منانے کی رات تھی۔ اس لیے بہت سے سرکاری افسر اوور ٹائم کر رہے تھے۔ جان ہیکر شام پانچ چھ بجے تک ڈیوٹی سے واپس آ جاتا تھا لیکن اس روز اس کی ڈیوٹی رات

گیارہ بجے تک تھی۔ ٹریسیا گھر سنبھالتی تھی۔ اپنے بچے کی پیدائش سے پہلے فوجی بیرک میں ملازم تھی اور وہاں کچن کے انتظامات سنبھالتی تھی۔ آنیبہ اس کے پکوان کی بڑی تعریفیں کرتے تھے۔ جب جیسن ہارورڈ کو ہاؤس آف نوریٹرن میں ایک خادمہ کی ضرورت پیش آئی تو افسروں نے ٹریسیا کو وہاں ڈیوٹی کے لیے بھیج دیا۔ وہ دن کے دس بجے جاتی تھی۔ دو بجے واپس آجاتی تھی۔ پھر پانچ بجے جاتی تھی اور رات کے آٹھ بجے واپس آجاتی تھی۔ اس دوران اس کا چھ ماہ کا بچہ سرکاری طور پر نرسری میں رہتا تھا۔

جب سونیا اس کے مکان میں پہنچی تو ٹریسیا تنہا تھی اور ڈیوٹی پر جانے کے لیے چلنے ہی والی تھی۔ سونیا نے اپنے چہرے کو اسکارف سے ڈھانپ رکھا تھا۔ سر پر بھی کپڑا باندھ رکھا تھا صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ٹریسیا اُسے دیکھتے ہی چیخ کر کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن سونیا نے اُسے قابو میں کر لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کے منہ کو دبا کر دوسرے ہاتھ سے چاقو کی نوک سینے پر رکھتے ہوئے بولی "خبردار، شور مچاؤ گی تو جان سے جاؤ گی۔"

وہ دہشت زدہ سی ہو کر خاموش رہی۔ سونیا نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر ایک رومال اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور کپڑے کی ایک پٹی اس کے منہ پر باندھ دی۔ اس کے بعد اس نے ایک رسی لے کر اس کے ہاتھ پاؤں کرسی سے اس طرح باندھ دیے کہ وہ ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر اس نے کہا "یہ چاقو میں نے تمہارے ہی کچن سے لیا ہے۔ اسے یہیں چھوڑ کر جاتی ہوں لیکن پہلے تمہیں بے ہوش کر دوں۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ سونیا کا ایک ہاتھ دشمنوں کو قبر تک بھی پہنچا دیتا ہے لیکن میرا یہ ہاتھ تمہیں صرف بے ہوش کرے گا۔ اس کے بعد میں یہاں تمہارا میک اپ کروں گی اور تمہارے روپ میں اس ہاؤس آف نوریٹرن کے اندر جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک ہلکا سا گھونسا ٹریسیا کی کنپٹی پر مارا۔ اسی وقت ٹیلی پیتھی نے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ گھونسے کا اثر ہے۔ پھر میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔

پھر چند لمحے کے بعد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں سونیا کو دیکھ کر کہا "اب مجھے کھول دو کام ہو گیا ہے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے اسے رسیوں سے آزاد کر دیا۔ اس کے منہ کو کھول کر ٹھنسا ہوا کپڑا بھی نکال دیا۔ ٹریسیا نے آئینے کے سامنے جا کر اپنا میک اپ دُرست کیا۔ بالوں کو سنوارا۔ اسی دوران سونیا باہر آ کر اس پارک میں پہنچ گئی تھی جہاں میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اس نے مجھے ڈسٹرب نہیں کیا کیونکہ میں خاموش بیٹھا ٹریسیا کے دماغ پر قابض تھا۔ وہ اپنے گھر سے نکل کر دروازے کو باہر سے بند کرنے کے بعد وہی ہاؤس آف نوریٹرن کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن اُسے سب پہچانتے تھے۔ اطمینان سے چلتی ہوئی جب وہ دروازے کے پاس پہنچی تو آفیسر نے کیمرے کے ویو فائنڈر میں اسے تین زاویوں سے دیکھا۔ پھر اندر جانے کی اجازت دے دی۔

جب وہ دروازے سے داخل ہو کر اندر پہنچتی تھی، تو جیسن ہارورڈ کو اطلاع مل جاتی تھی۔ وہ وہاں سے حکم دیتا تھا کہ ٹریسیا کو اندر آنے کی اجازت دی جائے لیکن پہلے وہ معلوم کر لیتا تھا کہ اسے اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے دیکھا گیا ہے یا نہیں۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے ٹریسیا کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اس وقت چھ بج رہے تھے۔ ٹریسیا نے آدھا گھنٹہ کچن میں صرف کیا۔ اس کے بعد جیسن ہارورڈ کے پاس آ کر بولی "جناب! میرا بچہ بیمار ہے۔ میں نے آپ کے لیے ڈنر کو کھانا تیار کر دیا تھا۔ اگر آپ مجھے جلدی چھٹی دے دیں تو آج ملازم آپ کے لیے میز پر کھانا لگا دے گا۔"

جیسن ہارورڈ نے کہا "اچھی بات ہے تم جا سکتی ہو میں ابھی حکم دیتا ہوں۔ تمہارے لیے دروازہ کھل جائے گا۔"

ٹریسیا نے کہا "جناب! آپ کے پاس تو میں بار بار نہیں آسکتی۔ یہاں سے پانچ منٹ کے بعد جاؤں گی۔ کچن میں ذرا سا کام ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ پانچ منٹ کے بعد دروازہ کھول دیا جائے۔"

"تم جاؤ۔ میں ابھی کہہ دیتا ہوں۔"

وہ باہر جانے لگی۔ ہارورڈ نے بلند آواز سے کہا "محترم ملی کے نام پر میں حکم دیتا ہوں کہ ٹھیک پانچ منٹ کے بعد ٹریسیا کے لیے باہر جانے کا دروازہ کھول دیا جائے۔"

بعض اوقات میرے کام بڑی آسانی سے ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ کوئی کام کرنے سے پہلے میں راستے ہموار کر لیتا ہوں۔ کسی مقصد کی تکمیل میں جتنے کردار میرے سامنے آسکتے ہیں۔ ان سب کے دماغوں کو پڑھ لیتا ہوں اور طے کر لیتا ہوں کہ کون کس طرح میرے کام آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کام میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن کبھی کبھی تقدیر کوئی چھوٹی سی رکاوٹ پیدا کر کے پریشان کر دیتی ہے۔ جیسن ہارورڈ نے جیسے ہی حکم دیا، اس کے چند سیکنڈ کے بعد ہی وہاں تاریکی چھا گئی۔ پتا چلا، بجلی چلی گئی ہے۔ اب اس وقت تک نہ تو روشنی ہو سکتی تھی۔ نہ باہر جانے کا راستہ کھل سکتا تھا اور نہ ہی جیسن ہارورڈ کی آواز اس آپریٹر تک پہنچ سکتی تھی جو ہاؤس آف نوریٹرن کی مشینوں کو آپریٹ کرتا تھا۔

میں اس ہرے بھرے پارک میں ایک بینچ پر سونیا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا لیکن خاموش تھا کیونکہ ٹریسیا کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ اب میں ٹریسیا کے دماغ کو چھوڑ کر سونیا کو نہیں بتا سکتا تھا کہ کیسی مشکل پیش آرہی ہے۔ ایک طرح سے وہ تاریکی فائدہ مند تھی۔ اس تاریکی میں ٹریسیا سونیا کے لب و لہجہ میں جیسن ہارورڈ کو مزید دہشت زدہ کر سکتی تھی کہ وہ اس کی شہ رگ تک پہنچ گئی ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتی، آپریٹر تک اس کی آواز نہ جاتی۔ وہ کچن سے چاقو چھپا کر لائی تھی تاریکی میں آسانی سے اسے ہلاک بھی کر سکتی تھی لیکن ایک قباحت تھی۔ اگر بجلی کی سپلائی بحال ہو جاتی، روشنی ہو جاتی اور آپریٹر دروازہ اس لیے نہ کھولتا کہ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ جیسن ہارورڈ کے دوسرے حکم کا منتظر رہتا تو میرے ساتھ دشواری ہو جاتی، کیونکہ میں ہلاک ہونے والے جیسن ہارورڈ کو بولنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں چپ چاپ اسی پارک میں بیٹھا رہا اور ٹریسیا کے دماغ پر قبضہ جمائے رہا۔

وقت گزرنے لگا۔ ایک منٹ، دو منٹ، دس منٹ، بیس منٹ۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا لیکن یہاں وقت ضائع ہو رہا تھا کسی وقت بھی کوئی ہمارے پاس آ کر ہمارا شناختی کارڈ وغیرہ طلب کر سکتا تھا۔ ویسے تو ہم شناختی کارڈ دکھا کر اسے مطمئن کر سکتے تھے لیکن اتنی سی دیر کے لیے مجھے ٹریسیا کے دماغ سے نکلنا پڑتا اور جس طریقہ کار کو میں نے اپنایا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ٹریسیا کے دماغ کو ایک ساعت کے لیے بھی نہ چھوڑا جائے کیونکہ بعد میں اس خادمہ کو یہی تاثر دینا تھا کہ وہ اس دوران کرسی سے بندھی ہوئی بیہوشی کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔

حالات انسان کو آزماتے ہیں کہ اس میں کتنا تحمل اور حوصلہ ہے۔ جو حوصلے اور تحمل سے کام نہیں لیتے وہ ایسے آزمائشی وقت گڑبڑا جاتے ہیں۔ کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں جس کا نتیجہ اُن کی توقع کے خلاف نکلتا ہے۔ بہرحال میرا آزمائشی وقت گزر گیا۔ پچیس منٹ کے بعد بجلی کی سپلائی بحال ہو گئی۔ جیسن ہارورڈ نے کہا "ارے، تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔"

ٹریسیا نے کہا "سر! مجھے اندھیرے میں ڈر لگ رہا تھا میں آگے نہ بڑھ سکی۔"

وہ کمرے سے باہر جانے کے لیے پلٹ گئی۔ دوسرے ہی لمحے گھوم کر بولی "میں اپنے بچے کے لیے بہت پریشان ہوں۔ آپ کے قہر سے بھی ڈرتی ہوں۔ پلیز اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک بار پھر حکم دے دیجیے۔"

جیسن ہارورڈ نے بیزاری سے اُسے دیکھا۔ پھر بلند آواز میں وہی حکم دیا کہ پانچ منٹ کے بعد ٹریسیا کے لیے باہر کا دروازہ کھول دیا جائے۔

اس نے جیسے ہی یہ الفاظ ادا کیے۔ ٹریسیا نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ چاروں شانے چت ہو گیا۔ بستر کی وجہ سے آواز پیدا نہیں ہوئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی آواز نکالتا، ٹریسیا کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر گیا اور دوسرے ہاتھ سے چاقو نکل آیا۔ ظاہر ہے ایک عورت اتنی شہ زور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے اندر جو بھی قوت تھی، وہ ٹیلی پیتھی کی تھی۔

چند لمحوں کے بعد ہی ٹریسیا اپنے گلے سے ایپرن اتار رہی تھی۔ پھر اس نے ایپرن کے ذریعے چاقو کے دستے کو پونچھ کر اسے بستر پر پھینک دیا۔ بریف کیس کو کھول کر اس کے چور خانے سے جیسن ہارورڈ کی وہ تحریر نکالی۔ اس کاغذ کو ہارورڈ کی ایک مٹھی میں رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔ کچن میں جا کر دیکھا۔ ملازم اپنے کام میں مصروف تھا۔ ملازم ہو یا ملازمہ، کوئی

جیسن ہارورڈ کے حکم کے بغیر اس کے کمرے میں نہیں آسکتا تھا اسی لیے ٹریسیا ان مراحل سے بے کھٹکے گزر گئی تھی. پانچ منٹ سے کچھ پہلے ہی وہ کوریڈور سے گزر کر ایک دیوار کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ٹھیک پانچ منٹ کے بعد وہاں ایک سلائیڈنگ دروازہ نمودار ہوا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ ٹریسیا وہاں سے گزر کر ہاؤس آف نورتھرن کے باہر آئی۔ آفیسر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ "اسے تم اتنی جلدی کہاں جا رہی ہو؟"

"میں نے صاحب سے چھٹی لے لی ہے۔ میرے بچے کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

وہ وہاں سے اپنے گھر کی طرف جانے لگی۔ سونیا پارک میں بیٹھی کبھی کبھی پلٹ کر اس پُراسرار گھر کی طرف دیکھتی تھی جب اس نے ٹریسیا کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ اس کے پیچھے چلتے ہوئے اس کے مکان میں داخل ہوئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا۔ ٹریسیا اُسی کمرے میں پہنچی جہاں اُسے کُرسی سے باندھا تھا۔ وہ دوبارہ وہاں بیٹھ گئی۔ سونیا نے اُسے پہلے کی طرح باندھ دیا۔ منہ میں رومال ٹھونس دیا۔ اُوپر سے کپڑا باندھ دیا۔ پھر وہ مکان کے باہر آگئی۔ ٹریسیا نے گردن کو ڈھلکا دیا۔ آنکھیں بند کر دیں۔ اس کے بعد میں آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو ڈھیل دینے لگا۔ آزاد چھوڑنے لگا۔ وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی میں اس کے دماغ میں یہ تاثر پیدا کر رہا تھا کہ وہ تاریکی سے روشنی کی طرف آ رہی ہے۔ پھر اُس کے کان باہر کی آوازیں سُننے لگے۔ کہیں قریب ہی سے کوئی موٹر سائیکل شور مچاتی گزر رہی تھی. پھر اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ جب اُسے یاد آیا کہ اُسے سونیا نے اس طرح باندھ دیا تھا اور اس کے کنپٹی پر گھونسہ رسید کیا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "اُف، کیسی ظالم عورت ہے۔ کیسا گھونسہ تھا۔ میں ایک ہی گھونسے میں بے ہوش ہو گئی تھی لیکن اب اپنے آپ کو کیسے آزاد کروں۔ وہ اِدھر سے اُدھر ہلنے کی کوشش کرنے لگی مگر ہل نہ سکی۔ آواز نکالنے کی کوشش کی مگر اوں، اوں کہہ کر رہ گئی۔

سونیا میرے پاس آگئی تھی۔ ہم دونوں پارک سے نکل کر اطمینان سے ٹہلنے کے انداز میں ہوٹل کی طرف جانے لگے۔ میں سوچ کے ذریعے دی ہاؤس آف نورتھرن کی واردات کے متعلق اسے بتا رہا تھا۔ پندرہ منٹ تک پیدل چلتے رہنے کے بعد ہم ہوٹل میں پہنچ گئے۔ سونیا دین وائز کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اس کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ ارادہ تھا کہ وہاں اطمینان سے بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے ہتھکنڈوں کے ذریعے وہاں کے افسران کو اس واردات کی اطلاع دوں گا لیکن پتا چلا کہ انہیں واردات کا علم پہلے ہی ہو چکا تھا۔ دی ہاؤس آف نورتھرن میں جو دوسرا ملازم تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر وہاں کے حالات دیکھے۔ ہوا یہ تھا کہ ٹریسیا کے جانے کے بیس منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی لیکن ریسیور اٹھانے والا کوئی نہیں تھا ملازم نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا۔ پھر خواب گاہ کے دروازے کے پاس آکر دیکھا تو ایک دم سے چونک گیا۔ وہیں سے چیخنے لگا کہ خون ہو گیا ہے. صاحب کا خون ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ہی وہاں ہلچل مچ گئی تھی. خاص افسران کے لیے دی ہاؤس آف نورتھرن کے دروازے کھول دیے گئے تھے اور جو لوگ وہاں پہنچے انہوں نے جیسن ہارورڈ کی مُردہ مٹھی میں وہ کاغذ دیکھا اور اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

موت میرے سامنے کھڑی ہے۔ اس کا حکم ہے کہ جس طرح میں نے فرہاد کی موت کے فیصلے پر خود دستخط کیے اور دوسروں سے دستخط کرائے۔ اسی طرح آج میں اپنی موت کا فیصلہ لکھوں اور دستخط کروں۔

موت نے حکم دیا تھا کہ آج بارہ رات سے پہلے فرہاد علی تیمور کو رہا کر دیا جائے اور شام چھ بجے سے پہلے اس کی رہائی کا اعلان کر دیا جائے۔ اگر موت اس کی رہائی کا اعلان نہیں سُنے گی تو مجھے کسی وقت بھی آکر دبوچ لے گی اور وہ آگئی ہے۔

اس کا آخری حکم ہے۔ بارہ بجے سے پہلے فرہاد علی تیمور کو رہا کر دیا جائے اور صبح ہونے سے پہلے بابا صاحب کے ادارے میں اسے پہنچا دیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کل جشنِ آزادی کی صبح طلوع نہیں ہوگی۔ سورج نہ نکلے گا۔ پھر تل ابیب میں تباہی کا ایسا دھواں دار اندھیرا ہوگا کہ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا جائے گی۔ سُورج کی روشنی کام نہیں آئے گی۔ ہر طرف تاریکی. سیاہی اور ایسی گہری سیاہی کہ تل ابیب کے باشندے اور غیر ملکی مبصرین کل کے دن کو یومِ سیاہ کہیں گے۔

یہ موت جو میرے سامنے کھڑی ہے۔ میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کی خطرناک تنظیمیں اسے لے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو کہتی ہیں۔"

تحریر ختم ہو گئی تھی۔ اس کے نیچے جیسن ہارورڈ کے دستخط نمایاں تھے۔ میں دماغی طور پر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اور سونیا نے پیرس میں عہد کیا تھا کہ یہودی جشنِ یومِ فتح نہیں بلکہ یومِ سیاہ منائیں گے۔ اب بھی اُن کے لیے وقت تھا۔ یا تو وہ سجاد اور اعلیٰ بی بی کو رہا کر دیتے یا کل صبح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مشرق کی طرف دیکھتے۔

ہاں، کل صبح اسرائیل کے مشرقی اُفق سے کالا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

دُشمنوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ جس پُراسرار مکان میں کوئی اپنی مرضی سے داخل نہیں ہو سکتا تھا اور داخل ہو جائے تو باہر آ نہیں سکتا تھا، پھر سونیا اس مکان میں کیسے گئی؛ وہاں سے اپنا کام کر کے چلی گئی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی؟

انھوں نے سب سے پہلے اس افسر کو حراست میں لیا جو ہاؤس آف نورتھرن کے دروازے پر اینٹی میک اَپ کیمرے کے ساتھ مقرر رہتا تھا اور اس نے ویو فائنڈر میں خادمہ ٹریسیا کو تین زاویوں سے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اندر جانے کی اجازت دی تھی۔ اس نے بڑی بڑی قسمیں کھا کر بیان دیا؛ میں نے اچھی طرح چیک کیا تھا۔ ویو فائنڈر میں تینوں زاویے سے خادمہ ٹریسیا ہی نظر آئی تھی ـــ سونیا نہیں تھی۔"

کوئی اس کی بات کا یقین نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا. "مجھے سزا دینے سے پہلے آپ اس بات پر غور کریں کہ ایک نہیں، سیکڑوں اینٹی میک اَپ کیمرے تل ابیب کی ہر چوکی میں، ہر انٹرنس میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود سونیا کیسے ان کیمروں کے سامنے سے گزر کر چلی آتی ہے؟ اس عورت کی عیاری کو سمجھنے کے لیے ہمارے کیمروں کی کارکردگی اور میک اَپ کے ماہرین سے رائے لینی چاہیے۔ یقیناً سونیا نے کوئی ایسا راستہ نکالا ہے یا وہ کسی ایسی تکنیک پر عمل کرتی ہے، جس سے ہمارے اینٹی میک اَپ کیمرے بے اثر ہو جاتے ہیں۔"

اس کی باتیں غور طلب تھیں، لہٰذا اسے صرف حراست میں رکھا گیا تھا۔ اس معاملے کی ابھی پُوری چھان بین ہونا تھی ـ فوجی جوانوں کی دوسری ٹیم خادمہ ٹریسیا کے مکان پر پہنچی تو وہاں اسے رسیوں سے بندھا ہوا پایا۔ اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھُنسا ہوا تھا اور وہ بولنے کے قابل نہیں تھی. آزاد ہونے کے بعد اس نے بیان دیا کہ سونیا اس کے پاس آئی تھی۔

ایک آفیسر نے پوچھا۔ "اس کا حُلیہ بتاؤ؟"

"میں نہیں بتا سکتی۔ اس نے اپنے مُنہ پر اسکارف باندھ رکھا تھا۔ سر بھی پیشانی تک کپڑے سے چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے مجھے چاقو دکھا کر کرسی سے باندھ دیا۔ کوئی دوسری عورت ہوتی تو میں اس سے مقابلہ کر لیتی۔ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ وہ کتنی شہ زور ہے۔ میں اس کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی تھی پھر اس نے مجھے اس طرح باندھنے اور مُنہ میں کپڑا ٹھونسنے کے بعد میری کنپٹی پر اتنی زور کا گھونسا رسید کیا کہ میں بے ہوش ہو گئی۔"

ایک آفیسر نے سوال کیا۔ "اس نے کچھ کہا تھا؟"

"اس نے گھونسا مارنے سے پہلے کہا تھا کہ مجھے بے ہوش کر دینے کے بعد وہ میرا میک اَپ کرے گی اور میرے رُوپ میں یہاں سے ہاؤس آف نورتھرن میں جائے گی۔"

ٹریسیا کے بیان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شام کو جو عورت ہاؤس آف نورتھرن میں داخل ہوئی تھی، وہ ٹریسیا نہیں تھی بلکہ اس کے میک اَپ میں سونیا تھی۔ اس طرح اس آفیسر پر شبہ پختہ ہو جاتا تھا کہ وہ سونیا سے ملا ہوا تھا۔ تب ہی اس نے اینٹی میک اَپ کیمرے کو استعمال نہیں کیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

دوسری طرف وہ آفیسر اپنے ریکارڈ کے مطابق نہایت وفادار اور محبِّ وطن تھا۔ اس سلسلے میں معلومات فراہم کی جا رہی تھیں کہ کیا اینٹی میک اَپ کیمرے کے سامنے سے گزرنے کے لیے کوئی ایسی تکنیک استعمال کی جا سکتی ہے جس سے میک اَپ ظاہر نہ ہو؟ ایک تکنیک بادی النظر میں یہ سمجھ میں آتی تھی کہ دُہرا میک اَپ کیا جائے' وہ اس طرح کہ سونیا نے پہلے خادمہ ٹریسیا کا ماسک میک اَپ اپنے چہرے پر کیا ہوگا اور اس ماسک میک اَپ پر دوبارہ ٹریسیا کا میک اَپ چڑھایا ہوگا۔ اس طرح کیمرے کے ذریعے ایک میک اَپ کے آر پار جو دوسرا چہرہ نظر آیا ہوگا' وہ بھی ٹریسیا کا ہی چہرہ ہوگا۔

ایک ماہر کا کہنا تھا۔ "ڈبل میک اَپ کے لیے لازمی ہے کہ پہلا میک اَپ ماسک کے ذریعے ہو۔ ماسک کا جوڑ گردن پر بالوں کے نیچے نظر آجاتا ہے۔ ہمارا آفیسر ڈبل میک اَپ سے دھوکا کھا گیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونیا نے ٹریسیا کے ہاں پہنچ کر اسے قابو میں کرنے کے بعد اتنی جلد ڈبل میک اَپ کیسے کر لیا؟ اسے ٹریسیا کے چہرے کے مطابق ماسک کہاں سے دستیاب ہو گیا؟ کیا وہ پہلے سے جانتی تھی کہ ٹریسیا جیسن ہارورڈ کی خدمات کے لیے وقف کی جائے گی؟ ٹریسیا کا بیان ہے کہ وہ پونے پانچ بجے گھر سے نکلنے کی تیاری کر رہی تھی کہ سونیا آگئی۔ اُسے ٹریسیا کو قابو میں کرنے اور باندھنے میں تقریباً دس پندرہ منٹ لگے ہوں گے۔ ڈبل میک اَپ کرنے میں تقریباً دو تین گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ ہر چند کہ سونیا جیسی تجربہ کار عورت ایک گھنٹے میں بھی میک اَپ کر سکتی ہے۔ وہ سوا پانچ بجے ہاؤس آف نورتھرن کے دروازے پر کیسے پہنچ گئی تھی؟ کیا اس نے آدھے گھنٹے کے اندر ٹریسیا کو اپنے قابو میں بھی کیا، ماسک میک اَپ بھی کر لیا اور اس کے بعد اس پر دوسرا میک اَپ بھی چڑھایا؟ کیا عقل تسلیم کرتی ہے کہ اس نے اتنی دیر میں یہ سب کچھ کر لیا ہوگا؟"

ایک پولیس آفیسر نے کہا۔ "اس بات کو اس پہلو سے سوچا جائے کہ مسٹر جیسن ہارورڈ کی ہلاکت سے چوبیس گھنٹے پہلے سونیا تل ابیب پہنچ گئی تھی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ مسٹر ہارورڈ ہاؤس آف نورتھرن میں قیام پذیر ہیں۔ یہ بات اس خط سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو ڈاکٹر دی دلسن نے اپنی ہلاکت سے پہلے لکھا ہے۔ اس خط کا ایک جملہ یہ ہے کہ جیسن ہارورڈ خواہ سمندر کی تہ میں چلا جائے یا پاتال میں چھُپ جائے، موت اس کی شہ رگ تک ضرور پہنچے گی۔"

دوسرے آفیسر نے اس کی تائید کی۔ "ہاں، ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سونیا کو مسٹر ہارورڈ کے چھپنے کا علم ہوگیا تھا۔"

پہلے نے کہا: "پھر آپ یوں سوچیں کہ اس نے مسٹر ہارورڈ کے ساتھ رہنے والوں کے متعلق معلومات حاصل کیں اور اس طرح خادمہ ٹریسیا کو بھی دیکھ لیا۔ اس نے کسی طرح اس کی تصویر حاصل کی ہوگی یا خود اتار لی ہوگی۔ اس تصویر کے مطابق اس نے پہلے ہی ٹریسیا کا ماسک میک اَپ اور اس پر دُہرا میک اَپ کرلیا پھر اپنے چہرے کو اسکارف سے اور سر کو پیشانی تک دوسرے کپڑے سے چھپا کر ٹریسیا کے سامنے پہنچی۔ یہ تاثر دیا کہ ابھی اسے میک اَپ کرنا ہے حالانکہ وہ میک اَپ کر کے آئی تھی۔"

پولیس آفیسر کی ان باتوں نے دوسروں کو بڑی حد تک قائل کردیا کہ وہ آفیسر جو اینٹی میک اَپ کیمرے سے ٹریسیا کو دیکھتا تھا، اس کے ڈبل میک اپ کی وجہ سے دھوکا کھا گیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ماسک میک اَپ ہوگا۔ اگر اسے ذرا بھی شُبہ ہوتا تو وہ اس شام ٹریسیا کو دوسری طرح بھی چیک کرتا اور ماسک میک اَپ کے جوڑ تک پہنچ جاتا۔

پولیس، فوج اور انٹیلی جنس کے مختلف شعبوں میں اسی طرح کی بحث ہورہی تھی۔ آخر کار متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی گئی کہ سونیا اپنی عیّاری سے ہاؤس آف نو ریٹرن میں گئی بھی اور واپس بھی چلی آئی۔ جب سے وہ پُراسرار مکان تعمیر ہوا تھا، سونیا پہلی ہستی تھی، جس نے "ہاؤس آف نو ریٹرن (ناقابلِ واپسی مکان)" کے معنی بدل دیے تھے اور یہ بات تمام دشمنوں کے دلوں میں بٹھا دی تھی کہ وہ جو کہتی ہے، کر گزرتی ہے اور اگر فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو صبح ہونے سے پہلے بابا صاحب کے ادارے میں نہ پہنچایا گیا تو اس نے جو دھمکیاں دی ہیں، انھیں عملی جامہ پہنا کر رہے گی۔

سات بجے یہودی اکابرین کا ایک خفیہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں فوج کے اعلیٰ افسران، انٹیلی جنس کے تجربہ کار سراغ رساں اور کاہال تنظیم کے عہدے دار شریک ہوئے۔ انھوں نے عارضی طور پر کاہال تنظیم کا ایک سربراہ منتخب کیا، اس کا نام ری مونڈیل تھا۔ اس کا تعلق اٹلی سے تھا لیکن وہ یہودی نژاد تھا۔ اجلاس اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے منعقد ہوا تھا کہ سونیا کو کس طرح قتل و غارت گری سے روکا جائے۔ ابھی تک اس نے محض فرداً فرداً اہم لوگوں کو قتل کیا تھا۔ ڈر تھا کہ اس کے بعد وہ اجتماعی غارت گری کی مرتکب ہوسکتی تھی۔

کاہال تنظیم کے ایک عہدے دار نے پوچھا: "اگر ہم آج بارہ بجے تک سونیا کو تلاش نہ کرسکے اور اسے اپنی گرفت میں نہ لے سکے تو کیا وہ اپنے چیلنج کے مطابق ایسی تخریبی کارروائیاں کرے گی کہ جشنِ آزادی دھرا کا دھرا رہ جائے گا؟ کیا یہاں صرف دھوئیں کے بادل نظر آئیں گے اور ہر طرف دن کی روشنی کے باوجود تاریکی ہی تاریکی ہوگی؟ کیا ہم اس کے چیلنج کے مطابق یومِ سیاہ منائیں گے؟"

ایک اور عہدے دار نے کہا: "یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ چیلنج پورا کرتی ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ وہ ہاؤس آف نو ریٹرن میں پہنچ جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اب ہمیں سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہوگا۔"

ایک اور عہدے دار نے کہا: "اگر سونیا ہماری گرفت میں نہ آئی یا ہم نے فرہاد علی تیمور کو بابا صاحب کے ادارے میں نہ بھیجا تو کیا ہوگا، اس کے بعد ہم دُنیا والوں کے سامنے مُنہ نہیں دکھا سکیں گے۔ کیا کہیں گے؟ یہ کہ ایک عورت نے ہماری مضبوط مملکت کو ہلا دیا۔ ہم اگر اس بات کو راز میں رکھنے کی کوشش کریں گے تو یہاں بے شمار غیر ملکی مبصرین، اخباری رپورٹر، فوٹو گرافر اور دُنیا جہان کے لوگ موجود ہیں۔ یہاں جو کچھ ہوگا، وہ راز میں نہیں رہے گا۔ ساری دُنیا میں ہماری رُسوائی ہوگی۔"

ایک سراغ رساں نے کہا: "ہم ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ اسے تلاش کرنے میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ صرف ماسک میک اپ میں ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی آگے کی بات ہے کہ اس نے اپنے چہرے پر پلاسٹک سرجری کرائی ہے۔"

ایک فوجی آفیسر نے کہا: "سونیا بابا صاحب کے ادارے سے ایک رات غائب ہوئی تھی۔ ہمارے آدمیوں نے ڈاکٹر میکی براڈلے (شیفرڈ) کو جا کر چیک کیا۔ اسے دھمکیاں دیں۔ ہر طرف معلومات حاصل کیں، اس کے اسپتال کی بھی نگرانی کی لیکن سونیا سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہوسکا۔ وہ مکار عورت پیرس میں تین دن رہی۔ اس کے بعد یہاں پہنچ گئی ـــ کیا تین دنوں میں چہرے کی پلاسٹک سرجری ہوجاتی ہے؟ جب کہ میکی براڈلے جیسا قابل سرجن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔"

یہودی سراغ رساں نے کہا: "میں آپ کی بات تسلیم کرتا ہوں، لیکن سونیا نے اپنے چہرے کی مکمل سرجری نہیں کرائی ہوگی۔ اپنے چہرے کے ایسے حصّوں کو تبدیل کرایا ہوگا جس کے بعد ہم اسے سونیا کی حیثیت سے نہ پہچان سکیں۔ معمولی سی تبدیلیاں پلاسٹک سرجری کے بغیر ہوتی ہیں اور یہ بہت مختصر وقت میں ہوجاتی ہیں۔ آپ تین دن کی بات کہہ رہے ہیں، میری معلومات کے مطابق تین گھنٹے کی سرجری سے معمولی سی تبدیلیوں کے بعد چہرہ پہچانا نہیں جاتا ہے۔"

ایک نے پوچھا: "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ اینٹی میک اَپ کیمرے ہمارے کام نہیں آسکیں گے۔ وہ پلاسٹک سرجری کے پیچھے سونیا کو بے نقاب نہیں کرسکیں گے۔

سونیا نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اب تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ وہ فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کے سہارے کارنامے دکھاتی ہے لیکن اب ثابت ہو رہا ہے کہ اس کی اپنی صلاحیتیں ہیں۔ اس کی انفارمیشن آف ایکشن ہوتی ہے۔ ہم اسے یقیناً تلاش کرلیں گے لیکن اس میں وقت لگے گا، اور یہ وقت گزر گیا تو وہ اپنی دھمکیوں پر ضرور عمل کرے گی۔ لہٰذا ہمیں اس اجلاس میں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے ڈھونڈ نکالنے تک کس طرح اسے کسی ایک جگہ تک محدود رکھا جائے، ہم کس طرح اپنا بچاؤ کریں یا پھر کوئی سمجھوتے کی ایسی صورت نکالیں کہ وہ اپنے چیلنج سے باز آجائے۔"

بہت دیر بعد کاہال تنظیم کے نئے عارضی سربراہ ری مونڈیل نے کہا: "میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے اور وہ یہ کہ سونیا کی شرط پوری کردی جائے۔"

سب نے اسے چونک کر دیکھا پھر ایک اعلیٰ افسر نے پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"آپ میری بات سُنیں۔ ہم ابھی تل ابیب کی شاہراہوں اور گلیوں میں یہ اعلان کرائیں گے کہ فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو رہا کیا جارہا ہے۔"

"اس کا فائدہ کیا ہوگا؟"

"یہی کہ سونیا کی تخریبی کارروائیاں جو آئندہ ہونے والی ہیں، وہ رُک جائیں گی۔"

"کیا سچ مچ فرہاد کو رہا کیا جائے گا؟"

ری مونڈیل نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا: "اس کی ایک صورت ہے۔ ہمارے ہاں فرہاد سے مشابہت رکھنے والے جوان ہیں۔ ہمارے ایک سراغ رساں نے ابھی کہا ہے کہ تین گھنٹے میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہلکی پھلکی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں، تو ان تبدیلیوں کے ذریعے ہم اپنے کسی جوان کو فرہاد علی تیمور بنا سکتے ہیں۔"

ایک نے اعتراض کیا: "صرف چہرہ فرہاد کا ہونے سے کیا ہوتا ہے، اس کی عادات و اطوار، اس کی دوسری صلاحیتیں اور اس کے اپنے لوگوں سے تعلقات . . . ."

ری مونڈیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔ "آپ پہلے میری باتیں سُن لیں۔ چلیے، میں آپ ہی کی بات کا جواب دیتا ہوں۔ ہم جس نقلی فرہاد کو یہاں سے بابا صاحب کے ادارے میں بھیجیں گے، وہاں جا کر وہ یہی رپورٹ دے گا کہ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ تاثر یہ پیدا ہوگا کہ ہم نے اسے رہا کرنے سے پہلے کوئی ایسا انجکشن لگایا ہے، جس کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت ابتر ہے۔ بہرحال کچھ عرصے تک ہمارا آدمی ان کے درمیان رہے گا اور ان کے ذریعے فرہاد سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں سے ملاقات کرتا رہے گا۔ ہم نے اس قسم کے آدمیوں کو پہلے ہی سے تیار کیا ہوا ہے۔ سب ہی فرہاد کا ریکارڈ پڑھ چکے ہیں۔ کچھ زیادہ دشواری نہیں ہوگی۔ فرض کیجیے، یہ راز فاش ہوجاتا ہے تو اس کے لیے بھی کچھ عرصہ لگے گا۔ کل ہم یومِ آزادی بڑی شان سے منا سکیں گے۔ سونیا کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ راز فاش ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہمارا وہ جوان جو فرہاد علی تیمور کے رُوپ میں ہوگا، دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ایک آدمی کے مرنے سے اگر ہم تل ابیب میں ہونے والی تخریبی کارروائیوں کو روک سکتے ہیں اور جشنِ آزادی منا سکتے ہیں تو ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیے۔"

حاضرینِ مجلس ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔ ری مونڈیل کا یہ مشورہ معقول لگ رہا تھا۔ اسی وقت اطلاع ملی کہ ربی اسفندیار تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سُنتے ہی سب کھڑے ہوگئے۔ دروازے پر قد آور ربی نظر آرہا تھا۔ سب زیرِ لب اس کی شان میں وہی دُعائیہ گیت گانے لگے جو ایسے موقعوں پر اس کے لیے مخصوص تھا۔

ری مونڈیل نے اپنی صدارت کی کُرسی چھوڑ دی اور دوسری کرسی پر چلا گیا۔ ربی اسفندیار اس کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد سب بیٹھ گئے۔ پھر ایک شخص نے ربی کو ری مونڈیل کے مشورے سے آگاہ کیا۔ نہایت سکون سے سب کچھ سُننے کے بعد ربی اسفندیار نے آہستہ آہستہ بات شروع کی۔ اس کی آواز نرم تھی لیکن اس میں چھُپی چھُپی سی گھن گرج بھی تھی جیسے کہیں دُور بادل گرج کر آنے والے طوفان کا پتا دیتے ہیں۔ اس کے لہجے اور آواز سے سُننے والوں کے دِلوں میں کپکپی طاری ہوجاتی تھی اور اس کے مخاطب نگاہیں جُھکا کر اس کی باتیں سُنتے رہتے تھے۔

وہ کہہ رہا تھا: "مَیں نے مسلسل تنویمی عمل کے ذریعے پچھلی کئی راتوں میں فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو اپنا ہم نوا بنالیا ہے۔ وہ مجھ سے متاثر ہیں اور ہماری یہودی قوم سے بھی متاثر ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی فرضی فرہاد یہاں سے بابا صاحب کے ادارے میں بھیجا گیا تو فرہاد جو ہم سے متاثر ہو رہا ہے، بدظن ہوجائے گا لہٰذا جو بھی اقدامات کیے جائیں، ایسے نہ ہوں کہ دوست بننے والا فرہاد ایک دم بھڑک اُٹھے۔ جو کچھ ہو اس کے مزاج کے مطابق ہو۔ ہم اسی طرح اس پر اپنی دوستی ثابت کرسکتے ہیں۔"

ری مونڈیل نے ادب سے کھڑے ہوکر پوچھا: "محترم ربی! کیا تنویمی عمل کا اثر ہمیشہ رہے گا؟"

"جس انداز میں، مَیں عمل کر رہا ہوں، وہ دیرپا ہوگا لیکن مزید ایک ہفتے تک یہ سلسلہ جاری رکھنا ہوگا۔ پھر اگر چار چھ ماہ یا سال بھر کے بعد تنویمی عمل کا اثر ختم ہو بھی گیا تو اس وقت تک فرہاد علی تیمور ہماری دوستی میں اتنا آگے بڑھ چکا ہوگا اور ہم قدم قدم پر اپنی دوستی کے ایسے ثبوت فراہم کر چکے ہوں گے کہ پھر تنویمی عمل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

ایک آفیسر نے اُٹھ کر کہا۔"محترم ربی! آپ کے فرمان کے مطابق ہم فرہاد کو کسی طور پر استعمال نہیں کر سکتے کیوں کہ مزید ایک ہفتے تک آپ اس پر اور اعلیٰ بی بی پر تنویمی عمل کرتے رہیں گے تین سونیا۔۔۔"

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ربی اسفندیار نے ہاتھ اُٹھا کر اسے آگے کہنے سے روکا اور اسی انداز میں ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔" میں فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کے ساتھ تنویمی عمل کے اس مرحلے پر ہوں جہاں عمل کے دوران میں ان کے پاس میرا موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے ان کے دماغوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں گے ہر رات ٹھیک گیارہ بجے اپنے بستر پر جا کر سو جائیں گے۔ شعوری طور پر وہ اس عمل کو نہیں سمجھیں گے لیکن غیر شعوری طور پر سونے کے بعد میرے تنویمی عمل کا انتظار کرتے رہیں گے۔ پھر ان کے دماغ میں میرے وہی الفاظ، وہی فقرے گونجتے رہیں گے جو میں پچھلے عمل کے دوران ان کے سامنے کہتا رہا ہوں۔ وہ ان فقروں کو آپ ہی آپ دُہرائیں گے اور میری طرف سے پیش کی جانے والی دوستی کو اپنے ذہن میں پائیدار بناتے رہیں گے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔"میرا مشورہ ہے کہ فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو رہا کر دو۔ انھیں بڑے دوستانہ انداز میں عزت و احترام کے ساتھ بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں پہنچا دو۔"

"لیکن محترم ربی! ہم نے فرہاد کے ذریعے اپنے ایک خاص نوجوان کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کو منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

"وہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، فرہاد جلد ہی ہمارے پاس واپس آئے گا لیکن اس بار اپنی مرضی سے آئے گا اور دوستانہ فضا میں آئے گا اور ہمارے لیے وہی کرے گا جو ہم چاہیں گے۔"

ایک بڑے عہدے دار نے سوال کیا۔"کیا وہ دونوں یہاں سے جانے کے بعد جہاں بھی ہوں گے، رات گیارہ بجے ضرور سو جائیں گے؟ ان کے سونے کے سلسلے میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہیں ہوگی؟"

ربی اسفندیار نے کہا۔"یہ اچھا سوال ہے۔ میں نے ان کے دماغ میں جو باتیں نقش کی ہیں، ان کے مطابق وہ رات کو ہلکی غذا کھایا کریں گے۔ کسی کے اصرار پر بھی ایسی خوراک قبول نہیں کریں گے جس سے نیند نہ آئے، حتیٰ کہ وہ رات کو کافی بھی نہیں پئیں گے۔"

ایک اور عہدے دار نے سوال کیا۔"فرض کیجیے، سونیا نے ان کے بدلتے ہوئے مزاج کو سمجھ لیا تو وہ کسی طرح کی رُکاوٹ پیدا کر سکتی ہے؟"

"رُکاوٹ پیدا نہیں کی جا سکتی۔ شرط یہ ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں، انھیں آرام سے سونے کا موقع مل جائے۔ تنویمی عمل کے لیے ضروری ہے کہ معمول ایک آرام دہ جگہ پر سوئے۔ اگر آرام دہ بستر ہو تو اچھی بات ہے ورنہ کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں سونے کے دوران بے چینی محسوس ہو۔۔۔۔ بابا صاحب کا ادارہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں وہ آرام سے سویا کریں گے اور فرہاد ہفتے دو ہفتے تک وہاں ضرور قیام کرے گا کیوں کہ وہاں ڈاکٹر اس کی ذہنی صلاحیتیں اور ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بحال کرنے کے لیے اس کا علاج ضرور کریں گے۔"

اپنے ربی کی باتیں سن کر وہ سب خاموش ہو گئے۔ ان میں کسی میں اتنی جُرأت نہیں تھی کہ اس کا مشورہ سُن کر اس پر آپس میں بحث بھی کر سکتے۔ اس نے خود ہی کہا۔"میری شخصیت سے، میری صلاحیتوں سے مرعوب ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لوگوں کے دماغ میں کوئی سوال چُبھ رہا ہو تو اسے زبان پر ضرور آنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے میرے مشورے یا میرے منصوبے میں کوئی کمی رہ گئی ہو، مجھے بھی اپنی غلطی، خامی کا احساس ہونا چاہیے۔"

کئی لوگوں نے بیک زبان کہا۔"محترم ربی! آپ سے کبھی غلطی نہیں ہوئی۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کوئی حکم دیں اور ہم اس پر عمل نہ کریں۔"

"بہر حال یہ میرا حکم نہیں، مشورہ ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم سب میری عدم موجودگی میں ہی کھل کر میرے مشورے پر تبادلۂ خیالات کرو گے اور کسی معقول نتیجے پر پہنچ سکو گے۔"

وہ اُٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس گیا پھر وہاں سے پلٹ کر بولا۔"اگر کوئی بہتر تدبیر ذہن میں آئے تو مجھے اس سے آگاہ کرنا لیکن بارہ بجے سے پہلے کوئی ایسا قدم اُٹھاؤ جس سے تل ابیب میں ہونے والی تخریبی کارروائیاں رُک جائیں اور ہماری قوم سکون سے جشنِ آزادی منا سکے۔"

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ فضا میں یوں بلند کیے جیسے ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے سامنے موجود افسران اور عہدے داران نے اپنے اپنے سر جُھکا لیے۔ جب انھوں نے دوبارہ سر اُٹھا کر دیکھا تو ان کا ربی جا چُکا تھا۔

میں نے نکٹائی کی گرہ دُرست کی۔ ویسٹ کوٹ کے بٹن لگائے۔ پھر کوٹ پہنتے ہوئے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ میں نے غلط کہا۔ اپنے آپ کو نہیں، ایزل ہارڈی کو دیکھنے لگا۔ میں تو ایزل کے اندر چھپا ہوا تھا۔ دُنیا کا کوئی آئینہ میرا وجود مجھے نہیں دکھا سکتا تھا۔ صرف سونیا کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔

میں ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں آیا۔ یہاں چہل پہل تھی۔ جشنِ آزادی منانے کے لیے بیرونی ممالک سے بہت دولت مند یہودی آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے تھے۔ عورتوں کا مطلب یہ ہوا کہ رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک سے ایک رنگا رنگ لباس میں یہودی حسینائیں اپنے جلوے بکھیر رہی تھیں۔ میں ریلنگ کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ نیچے بہت بڑا ڈائننگ ہال تھا۔ یوں ڈائننگ ہال کے دستور کے مطابق وہاں مدھم روشنیاں تھیں لیکن قیمتی ہیرے جواہرات، چمکدار کپڑوں اور طرح طرح کے حُسن کی چکا چُوند نے اچھی خاصی جگمگاہٹ پیدا کر دی تھی۔ جہاں نگاہیں جاتیں پھسل جاتی تھیں۔ میری نگاہیں سونیا پر ختم ہو گئیں۔

اس نے ترکی کا وہی قدیم لباس پہن رکھا تھا جسے پیرس میں خریدا تھا لیکن اس بار نقلی زیورات نہیں تھے۔ اس کے گلے میں اصلی ہیروں کا نیکلس جگمگا رہا تھا۔ کانوں کی بالیاں، کلائی کی گھڑی، اُنگلیوں میں پہنی ہوئی انگوٹھیاں۔ سب کی سب ایسی تھیں جن میں ہیرے اپنی قیمتی جھلک دکھا رہے تھے۔ سر پر بندھا ہوا رومال بھی بیش قیمت تھا۔ پیشانی پر رومال سے منسلک رہنے والے موتی مختلف رنگوں کی نمائش کر رہے تھے اور ظاہر کر رہے تھے کہ وہ نقلی نہیں، اصلی ہیں۔

میرا خیال ہے یہاں دُنیا کے امیر ترین لوگ جمع تھے۔ جہاں نگاہ جاتی تھی صرف دولت کی چکا چوند نظر آتی تھی۔ بڑے ہی مغرور لوگ تھے۔ کوئی خود کو دوسرے سے کمتر نہیں سمجھتا تھا۔ لوگ صرف قیمتی سوٹ میں ملبوس نہیں تھے۔ ان کی جیبوں میں جو چیک بکس تھیں۔ ان کے ایک ایک ورق کے ذریعے وہ تل ابیب کے بنکوں سے لاکھوں ڈالر حاصل کر سکتے تھے۔ کروڑ پتی اور ارب پتی یہودی چھوٹی رقمیں جیب میں رکھنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ہنگامی ضرورت کے لیے ان کے سیکریٹریوں کے پاس کچھ رقمیں ہوتی تھیں یا پھر تمام ہوٹلوں میں اور خاص خاص مقامات پر ٹریولرز چیک اور کریڈٹ کارڈ کے ذریعے لین دین ہوتا تھا۔ ان کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کے جسموں پر جو زیورات تھے، وہ ان سے غریب ممالک کے بنکوں کو کھڑے کھڑے خرید سکتے تھے۔

پیرس میں جے یجے پار کر نے دُرست کہا تھا۔"مس سلطانہ! ہمارا ساتھ دو اور تل ابیب چلو۔ میں سچ کہتا ہوں، تم نے لاکھوں ڈالر جیتے ہوں گے لیکن اتنی دولت تم نے آج تک اپنی زندگی میں نہیں دیکھی ہو گی جو تل ابیب میں نظر آئے گی۔"

واقعی ہم بڑے بڑے سرمایہ داروں کے میلے میں دولت کی چکا چوند دیکھ رہے تھے۔ ایسے میلے میں جہاں کوئی حسینہ کسی سے کم نہ تھی لیکن سونیا ان میں سب سے نمایاں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے توقع کے خلاف ترکی کا قدیم روایتی لباس پہنا تھا۔ اس کی وضع قطع سب سے مختلف تھی، اس لیے وہ سب سے زیادہ توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

وہ ایک چھوٹے ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ کرسی پر بیٹھی تھی۔ ٹیبل کے دوسری طرف ایک ادھیڑ عمر کا یہودی تھا۔ صحت اچھی تھی، خوبرو بھی تھا۔ اپنے قیمتی لباس میں خوب جچ رہا تھا۔ اس کی نکٹائی پر جو پن لگی ہوئی تھی وہ پانچ ہزار ڈالر سے کم کی نہ تھی۔ پاکستانی کرنسی کے مطابق اس وقت اس کے سینے کے اس ننھے سے حصے پر تقریباً ساٹھ ہزار روپے رکھے ہوئے تھے۔ شاید وہ سونیا سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

سونیا نے کہا۔"آپ اسی حد تک مجھ سے فری ہو سکتے ہیں جس حد تک ہمارے درمیان کی یہ میز ہمیں اجازت دے رہی ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔"یعنی ہم ندی کے دو کنارے ہیں۔ کیا آپ کچھ کھانے سے پہلے میرے ساتھ ڈانس فلور پر چلنا پسند کریں گی؟"

"سوری، میں اپنے منگیتر کا انتظار کر رہی ہوں۔" سونیا نے جواب دیا۔

وہ مایوسانہ مسکراہٹ سے بولا۔"اوہ، آپ کے جملہ حقوق محفوظ ہو چکے ہیں۔ کیا وہ بھی آپ کی طرح ترکی کے باشندے ہیں؟"

"ان کا تعلق فرانس سے ہے۔ پہلے وہ عیسائی تھے لیکن میری محبت میں مسلمان ہو گئے ہیں۔"

"تعجب ہے، آپ دونوں کی تہذیب الگ الگ ہے۔ زبان جُدا جُدا ہے۔ ایک کیسے ہو گئے؟"

"محبت خود ایک تہذیب ہے۔ اس کی ایک منفرد زبان ہے جو صرف محبت کرنے والوں کی سمجھ میں آتی ہے۔"

"یہ تو جذباتی اور رومانوی باتیں ہیں۔ آپ ایک دوسرے کی باتیں کیسے سمجھتے ہوں گے۔ آپ ترکی بولتی ہوں گی اور وہ فرانسیسی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک فرانسیسی زبان میں پوچھا۔"آپ اپنے منگیتر کی زبان کیسے سمجھ لیتی ہیں؟"

یکبارگی یہ سوال کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ سونیا بے اختیار فرانسیسی زبان بول پڑے مگر وہ جھانسے میں آنے والی نہیں تھی۔ جھوٹ موٹ چونک کر بولی۔"آپ شاید فرانسیسی میں کچھ کہہ رہے ہیں۔"

"جب تم جانتی ہو کہ میں فرانسیسی بول رہا ہوں تو اسی زبان میں جواب دو۔"

"دیکھیے مسٹر! میں اپنے منگیتر ہارڈی کے ذریعے بھی یہ زبان نہیں سمجھتی کیوں کہ ہارڈی خود اپنی مادری زبان بھول چکے ہیں۔ میں نے انھیں انگریزی زبان سکھائی ہے۔ میں پیرس میں رہ چکی ہوں اس لیے اتنا تو جانتی ہوں کہ جو کچھ ابھی آپ نے کہا، وہ فرانسیسی زبان میں کہا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر مایوسی سے کچھ دیر سوچتا رہا۔ میں اس کی سوچ کے ذریعے سمجھ گیا تھا، وہ جاسوس ہے اور سونیا کو کرید رہا ہے۔ سونیا بھی نادان نہیں تھی کہ کوئی بے تکلفی سے اس کے پاس آ کر بیٹھے اور وہ اس کے فریب میں آ جائے۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے سمجھا دیا۔"تمھارے اجنبی دوست کے بعد کوئی اور بھی تمھارے پاس آنے والا ہے۔ وہ کون ہے، یہ تمھارا اجنبی دوست بھی نہیں جانتا ورنہ میں اس کے ذریعے معلوم کر لیتا۔"

"تم کہاں ہو؟ اب تک کیا کر رہے ہو؟ یہاں کیوں نہیں

آجاتے ہیں؟

"مجھے خیال خوانی سے فرصت مل چکی ہے۔ میں تھوڑی دیر پہلے بالکونی میں آیا ہوں اور ریلنگ کے پاس کھڑا ہوا تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ انٹیلی جنس والے تمھیں گھیر رہے ہیں۔ میں دُور ہی سے تماشا دیکھنا چاہتا ہوں۔ ضرورت سمجھوں گا تو تمھارے پاس چلا آؤں گا۔"

اس اجنبی نے سونیا سے کہا۔ "اچھا تو تمھارے منگیتر کا نام ہارڈی ہے۔ صرف ہارڈی؟"

"میں نے آپ کی ذات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی ابھی تک آپ کا نام پوچھا ہے پھر آپ میرے متعلق اتنے سوالات کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا آپ کو شبہ ہے کہ میں کوئی جاسوس ہوں؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں تو یہ نہیں جانتی کہ آپ جاسوس ہیں یا نہیں لیکن آپ جس بھونڈے انداز میں یہاں آکر بیٹھے ہیں اور بے تکلفی ظاہر کر رہے ہیں، میرے متعلق پے درپے سوالات کر رہے ہیں اس سے شبہ تو یقینی طور پر ہو سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے یہاں کے جاسوس سونیا نامی کسی عورت کو تلاش کر رہے ہیں۔ جہاں کوئی عورت تنہا پائی جاتی ہے، وہ ٹوہ لینے چلے آتے ہیں۔ اس وقت میں بھی تنہا ہوں۔ شاید آپ اسی لیے میرے پاس آئے ہیں اور اگر اس خیال سے آئے ہیں تو آپ کو یقیناً مایوسی ہوگی۔"

میں بالکونی میں اپنے کمرے کے دروازے سے ذرا دُور کھڑا ہوا تھا۔ ہمارے کمرے کے بعد دین وائنر کا کمرہ تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اپنے کمرے سے دو آدمیوں کے ساتھ باہر آرہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "جتنے ضروری کاغذات ہیں، وہ میں نے آپ کو دکھا دیے۔ مس سلطانہ اور ایزل ہارڈی۔ ۔ ۔"

یہ کہتے کہتے وہ رُک گیا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ رہے مسٹر ہارڈی، آپ خود ان سے سوالات کر سکتے ہیں۔"

دین وائنر کے ساتھ دونوں جاسوس میرے قریب آئے۔ وائنر نے ان کا تعارف کرایا اور میں نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ ہم سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے سنا ہے کہ صرف ایک عورت سونیا کی خاطر یہاں کے لوگ پریشان ہیں اور ہر اکیلی عورت کو سونیا سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔"

"آپ نے دُرست سنا ہے۔ ہم آپ کی منگیتر مس سلطانہ کا بھی محاسبہ کر رہے ہیں۔ چونکہ آپ کے بارے میں کچھ عجیب سی معلومات حاصل ہوئی ہیں اس لیے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی آپ اپنی یادداشت کھو چکے ہیں اور اب اپنی زبان تک بھول گئے ہیں؟"

"جی ہاں، میرے ساتھ یہی سانحہ پیش آیا ہے اور جو کچھ پیش آچکا ہے، اس کے متعلق مسٹر دین وائنر نے آپ کو تفصیلاً بتایا ہوگا۔"

"جی ہاں، ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔"

دوسرے سراغ رساں نے پوچھا۔ "مسٹر ہارڈی! اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ واقعی مسٹر ایزل ہارڈی ہیں۔ کیا آپ کی شناخت کرنے والے پیرس یا فرانس کے دوسرے حصوں میں موجود ہیں؟"

"یقیناً موجود ہوں گے۔ میں ان سب کو بھول چکا ہوں لیکن وہ مجھے جانتے ہوں گے۔ میرے پاس ایسے کاغذات ہیں جو مجھے ایزل ہارڈی ثابت کرتے ہیں۔ میں ایک بہت بڑی دوا ساز کمپنی کا مالک بھی ہوں۔ اس سلسلے میں جے، جے پارکر میری مدد کر رہے ہیں۔ انھوں نے مجھے کچھ روز روپوش رہنے کے لیے کہا ہے کیوں کہ جن لوگوں نے مجھے نقصان پہنچایا ہے اور جن کی وجہ سے میری یادداشت گم ہوئی ہے، وہ مجھے پھر اپنے سامنے پاکر مزید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان نقصان پہنچانے والوں میں یقیناً میرے رشتے دار اور دوست احباب ہوں گے۔"

دین وائنر نے میری حمایت میں کہا۔ "جی ہاں، یہ بات تو میں آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں۔ مسٹر پارکر ان کے سلسلے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں اور ان کے حقوق دلانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ یہ جب تک یہاں سے واپس جائیں گے، اس وقت تک مسٹر پارکر اپنے طور پر ان کے دوستوں اور دشمنوں کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔"

ایک جاسوس نے کہا۔ "مسٹر ہارڈی! ہم آپ سے معذرت کے ساتھ کہتے ہیں، کل صبح تک آپ اس ہوٹل سے باہر نہ جائیں۔ آپ نا مس سلطانہ۔ ہم مسٹر جے، جے پارکر سے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے ہمارے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔"

میں نے خوشدلی سے کہا۔ "مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔ میں اور سلطانہ ہوٹل سے باہر نہیں جائیں گے۔"

میں ان کے درمیان سے گزرتا ہوا نیچے ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگا۔ وہ بھی میرے پیچھے آرہے تھے۔ سونیا کے قریب پہنچ کر دین وائنر نے ان کا آپس میں تعارف کرایا۔ اچانک ایک جاسوس نے ترکی زبان میں پوچھا۔ "کیا میں آپ سے اس زبان میں گفتگو کر سکتا ہوں؟"

سونیا نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر جواباً کہا۔ "بیشک مجھے خوشی ہوگی، اگر آپ میری مادری زبان میں گفتگو کریں گے۔"

سونیا کے پاس پہلے سے بیٹھے ہوئے اجنبی نے آنے والے سراغ رساں سے فرانسیسی زبان میں کہا۔ "میں نے مس کو نفسیاتی طور پر بے اختیار فرانسیسی بولنے پر مجبور کیا لیکن یہ واقعی فرانسیسی نہیں جانتی ہے۔"

اس جاسوس نے بھی فرانسیسی زبان میں جواب دیا۔ "ہاں ابھی تم نے سن ہی لیا ہے کہ یہ ترکی زبان جانتی ہے۔ بہرحال ہم اپنے فیصلے کے مطابق جس پر بھی شبہ ہوا ہے اس کے گھر کی چار دیواری

میں پابند کرتے جا رہے ہیں۔ میں نے انھیں بھی حکم دیا ہے کہ یہ ہوٹل سے باہر نہیں جائیں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے پھر ہم سے رخصت ہو کر چلے گئے۔ ہم میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ دین وائنر نے پوچھا۔ "آپ لوگ کیا کھانا پسند کریں گے؟"

سونیا نے کہا۔ "ابھی تو میں غصہ پی رہی ہوں۔"

میں نے سونیا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "غصہ کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ بے چارے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اگر انھوں نے کسی سونیا کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے ہمیں ہوٹل میں ہی رہنے کے لیے کہا ہے تو۔ ۔ ۔"

وہ بگڑ کر بولی۔ "کہا نہیں ہے، حکم دیا ہے۔"

"چلو حکم ہی سہی۔ ہم ان کے ملک میں ہیں۔ ان کے حکم پر تو عمل کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے دین وائنر سے کہا۔ "مسٹر وائنر! آپ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟ میں ایسے ماحول میں کھیل نہیں سکوں گی۔ مجھے آزادانہ ماحول چاہیے۔ میں ہنسنا، بولنا اور کھلی فضاؤں میں خوب گھومنا پھرنا چاہتی ہوں۔"

دین وائنر بولا۔ "آج رات ہی کی بات ہے۔ صبح یہ پابندی اُٹھا لی جائے گی۔ آپ آزادی سے تل ابیب کی سیر کر سکیں گی میں خصوصی اجازت حاصل کر دوں گا۔ ہم صبح یہاں سے یروشلم جائیں گے۔ وہاں تمام دن گھومتے پھرتے رہیں گے۔ تاریخی مقامات دیکھیں گے پھر شام تک واپس آجائیں گے۔ یہاں کے بہت بڑے کیسینو میں جاکر رات کا کھانا کھائیں گے اور وہیں جُوا کھیلنے میں رات گزاریں گے۔ کل شام سے صبح تک یہاں کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی تجوریاں صرف ہمارے لیے کھلی رہیں گی۔"

سونیا نے ناگواری سے اُٹھ کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں صبح تک صبر کر لوں گی۔ چلو ہارڈی! ہم کمرے میں چلیں۔ وہیں کھانا منگوا کر کھائیں گے۔"

ہم اپنے کمرے میں آگئے۔ وہاں فون کے ذریعے کھانے کا آرڈر دیا۔ جب تک کھانا نہیں آیا، سونیا رہ رہ کر اس پابندی پر ناگواری ظاہر کرتی رہی۔ ہم تل ابیب کے حالات کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اتنا تو پہلے سے معلوم تھا کہ وہاں کے تمام ہوٹلوں میں خفیہ مائیک نصب کیے گئے ہیں۔ صرف ہوٹل ہی نہیں، ہوسٹلوں اور ایسے مکانوں میں بھی جہاں لوگ پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے قیام کرتے تھے۔ سب ہی جگہ خفیہ مائیک لگے ہوئے تھے اور وہاں قیام کرنے والے مشکوک لوگوں کی گفتگو کہیں نہ کہیں سُنی جاتی تھی۔

اس فائیو اسٹار ہوٹل کے تمام کمروں میں ٹی وی موجود تھے، جہاں انگریزی فلمیں اور دوسرے دلچسپ پروگرام پیش کیے جاتے تھے۔ جب کھانا آگیا تو ہم نے کھانے کے دوران ٹی وی کو آن کر دیا۔ آواز ذرا اُونچی کر دی اور پھر آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔ یقیناً خفیہ طور سے سننے والے ہمارے کمرے سے ٹی وی کی آواز بہت واضح طور پر سن رہے ہوں گے اور اس آواز کے پیچھے شاید ہماری دھیمی دھیمی آوازیں سُنائی دیتی ہوں گی لیکن گفتگو سمجھ میں نہیں آتی ہوگی۔ یہ محض ہم نے پریشان کرنے کے لیے کیا تھا۔ گفتگو ہم ایسی ہی کر رہے تھے کہ کوئی ہم پر شبہ نہ کرتا۔ کبھی کبھی ہم خاموش ہو جاتے تھے۔ کھانے کے دوران سوچ کے ذریعے اپنے مطلب کی باتیں کرتے تھے پھر بلند آواز میں کوئی بات چھیڑ دیتے تھے۔

اچانک ہمارے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ٹی۔وی سے اُبھرنے والی موسیقی کی بلند آواز تھم گئی۔ اسکرین پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ "مواصلاتی سیارے کے ذریعے فرہاد علی تیمور کے متعلق ایک خصوصی پروگرام۔"

پھر اسکرین پر ایک خاتون نظر آئیں۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ "ناظرین! یہ حقیقت بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ مسٹر فرہاد علی تیمور سے ہمارے نہایت گہرے دوستانہ مراسم ہیں۔ پچھلے دنوں ہماری دوستی کے خلاف غلط خبریں عام ہو گئیں۔ دراصل دشمن ہمارے درمیان نفرت پیدا کرنے کی ناکام کوشش کر چکے ہیں۔ ہم مسٹر فرہاد علی تیمور کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اس دُنیا میں ان کے بظاہر کتنے دوست ہیں اور کتنے چھپے ہوئے دشمن ہیں۔ اس کے لیے ہم نے ایک سوالنامے کا سلسلہ تیار کیا تھا۔ اس میں دُنیا کی بڑی بڑی اہم ہستیوں سے خطرناک تنظیموں کے سربراہوں سے سوال کیا تھا، کیا وہ فرہاد علی تیمور کی زندگی چاہتے ہیں؟ بیشتر افراد نے مسٹر فرہاد کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے۔ بعد میں ہم نے یہ تمام دستخط شدہ سوالنامے مسٹر فرہاد کے سامنے رکھ دیے تاکہ وہ دوست اور دشمن کی تمیز کر سکیں۔ اس سلسلے میں ہم نے فرہاد علی تیمور اور ان کی ساتھی اعلیٰ بی بی سے ایک انٹرویو کا اہتمام کیا ہے جو ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ـــ ناظرین، پہلی بار ہم مسٹر فرہاد علی تیمور کو ٹی وی اسکرین پر پیش کر رہے ہیں۔ ہمارا یہ پروگرام مواصلاتی سیارے کے ذریعے دُنیا کے بہت سے ممالک میں دیکھا جا رہا ہے۔"

اس کے بعد اسکرین پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا نظر آیا۔ "مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی سے ایک یادگار ملاقات۔"

تھوڑی دیر میں اسکرین پر سجاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی نظر آئے۔ ان کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ شخص بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ "ناظرین! یہ فرہاد علی تیمور ہیں۔ ان کا تعارف کرانا گویا کہ آنکھ والوں کو سورج دکھانا ہے۔ مختصر طور پر عرض کر دوں کہ فی زمانہ ٹیلی پیتھی کا علم جن تحقیقاتی مراحل سے گزر رہا ہے، مسٹر فرہاد علی تیمور ان مراحل سے بہت آگے ہیں۔ اتنی بڑی دنیا میں ٹیلی پیتھی کے علم میں مسٹر فرہاد علی تیمور کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی مادام اعلیٰ بی بی ہیں۔ ان کا تعلق بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے سے ہے۔ یہ ادارہ پیرس کے ایک مضافاتی علاقے میں ہے۔ یوں تو محترمہ کا پیدائشی نام سمیرا ہے لیکن عہدے کے اعتبار سے انھیں اعلیٰ بی بی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے چالیس افراد کی سربراہ ہیں جن میں سے ہر فرد علم و ادب، سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرچکا ہے اور ان شعبوں میں غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔"

انٹرویو لینے والے نے سجاد علی تیمور کی طرف رُخ کرتے ہوئے پوچھا۔"ہاں تو مسٹر فرہاد علی تیمور! ان دنوں آپ تل ابیب میں قیام پذیر ہیں؟"

سجاد نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔"جی ہاں، میں اس وقت تل ابیب کی ایک عالیشان سرکاری رہائش گاہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"اس رہائش گاہ میں آپ کی حیثیت کیا ہے؟"

سجاد نے مسکرا کر کہا۔"ظاہر ہے، سرکاری رہائش گاہ میں ہوں تو مہمان بھی سرکاری ہوں۔ یہاں جشنِ آزادی کے سلسلے میں آیا ہوں لیکن اچانک میری طبیعت ناساز ہوگئی، اس لیے یہاں کے اعلیٰ حکام سے معذرت چاہتے ہوئے جانا چاہتا ہوں۔"

"کیا یہاں سے جانے میں آپ کے لیے کوئی رُکاوٹ ہے؟"

"کیسی رُکاوٹ ہوسکتی ہے؟ میں یہاں ایک معزز مہمان سمجھا جا رہا ہوں۔ یہاں کے یہودی حکام نے جس طرح میری پذیرائی کی ہے اور جس طرح میرا خیال رکھا ہے اور مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے، میں اسے کبھی فراموش نہیں کرسکوں گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں جشنِ آزادی میں آپ کی قوم کے ساتھ شریک ہوتا لیکن بحالتِ مجبوری جا رہا ہوں۔"

"آپ یہاں سے کب تک روانہ ہوجائیں گے؟"

"اس انٹرویو کے اختتام کے بعد یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا... میرے لیے ہیلی کاپٹر تیار ہے اور میں اعلیٰ بی بی کے ساتھ پیرس جا رہا ہوں۔"

انٹرویو کرنے والے نے اعلیٰ بی بی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"مادام! مسٹر فرہاد علی تیمور کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کسی طرح کی دشمنی ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں کچھ روشنی ڈالیں گی؟"

اعلیٰ بی بی نے ایک فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"اس فائل میں وہ تمام سوالنامے موجود ہیں، جن میں دُنیا کی بڑی بڑی عظیم ہستیوں نے مسٹر فرہاد علی تیمور کی موت کے فیصلے پر دستخط کیے ہیں۔"

اس نے اپنی گفتگو کے دوران اس فائل کو کھول کر ایک سوالنامہ نکالا اور اسے ناظرین کو دکھایا۔ ٹی وی کا کیمرہ اس سوالنامے کو کلوزاَپ میں وضاحت سے دکھا رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی کہہ رہی تھی۔"یہ کاغذات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اتنی بڑی دُنیا میں فرہاد علی تیمور کے دشمن کون لوگ ہیں اور کس طرح وہ اب تک دل میں دشمنی رکھ کر زبان سے دوستی کے گُن گاتے تھے۔ آج ان کاغذات کے ذریعے ان کے مکروہ چہرے سامنے آگئے ہیں۔ اب یہ لوگ انتقاماً مسٹر فرہاد علی تیمور اور یہودیوں کی دوستی کے خلاف باتیں بنا رہے ہیں۔ یہ افواہ پھیلا رہے ہیں کہ فرہاد علی تیمور کو تل ابیب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔"

انٹرویو کرنے والے نے سوال کیا۔"کیا دشمنوں کے اس طرح افواہ پھیلانے کے باعث آپ یا مسٹر فرہاد کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"جی ہاں، ہمیں سب سے بڑا نقصان تو یہ پہنچ رہا ہے کہ ہمارے دوست بھی آپ جیسے مہمان نواز دوستوں سے بدظن ہوگئے ہیں۔ میں خصوصاً سونیا کا ذکر کروں گی۔ اُسے غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا ہے۔ ہم اس ٹی وی پروگرام کے ذریعے سونیا کو خاص طور پر مخاطب کر رہے ہیں اور اس سے کہنا چاہتے ہیں کہ سانچ کو آنچ نہیں۔ آج تک کوئی سچائی کو بدل نہیں سکا۔ اگر سونیا مسٹر فرہاد اور یہودیوں کی دوستی پر اعتبار نہیں کر رہی ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہم ابھی یہاں سے پیرس کے لیے روانہ ہوجائیں گے۔ بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ کر سونیا کا انتظار کریں گے پھر اس کی موجودگی میں ادارے کے تمام اہم ذمے دار افراد کے ساتھ بیٹھ کر مسٹر فرہاد علی تیمور اور یہودیوں سے دوستی کے موضوع پر کھلے دل سے تبادلۂ خیالات کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ سونیا جہاں بھی ہے اور اگر میری آواز سُن رہی ہے تو وہ جلد از جلد پیرس پہنچنے کی کوشش کرے گی۔"

انٹرویو کرنے والے نے پوچھا۔"مادام! پچھلے دو دنوں سے مادام سونیا نے غزہ اور تل ابیب میں ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے اُن کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ ہم ان نقصانات کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ آپ سے ایک اہم سوال ہے، کیا آپ اور مسٹر فرہاد علی تیمور اس وقت تل ابیب سے پیرس اس لیے جا رہے ہیں کہ آپ لوگوں کے یہاں موجود رہنے سے سونیا کے ذریعے ہمیں مزید نقصانات پہنچنے کا احتمال ہے؟"

اعلیٰ بی بی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ تنہا سونیا کے ذریعے اتنی بڑی مملکت کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا وہ تنہا تل ابیب میں تخریبی کارروائیاں جاری رکھ سکتی ہے۔"

سجاد نے کہا۔"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔ اپنے ناظرین سے یہ کہنا ضروری ہے کہ سونیا میری سب سے اہم ساتھی ہے۔ جتنا میں اسے جانتا ہوں اتنا اور کوئی اسے نہیں جانتا۔ میرے یہودی میزبان میرے اور سونیا کے تعلق کو خوب سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی تخریبی کارروائیوں کے باوجود کئی طرح کے نقصانات اُٹھانے کے باوجود انھوں نے سونیا کے خلاف سخت اقدامات نہیں کیے ہیں۔ نہ ہی اس کے لیے تل ابیب میں آنے یا جانے کے راستے بند کیے ہیں۔ یہ دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کر رہے ہیں اور اگر وہ مل جائے تو اس کے بھی میزبان

ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اسے یہ منظور نہیں ہے تو میں یہ چاہوں گا کہ میرے یہاں سے روانہ ہوتے ہی وہ بھی جلد از جلد پیرس پہنچنے کی کوشش کرے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ سے ملنے اور بات چیت کرنے کے بعد اس کی غلط فہمی دور ہوجائے گی اور وہ میرے یہودی دوستوں کو اپنا دوست تسلیم کرلے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک فوجی افسر اسکرین پر نمودار ہوا۔ وہ کمرے میں داخل ہوکر سجاد کے سامنے الرٹ ہوکر بولا۔"جناب! آپ کی روانگی کے انتظامات ہوچکے ہیں۔"

انٹرویو کرنے والے نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"ناظرین! فرہاد صاحب تل ابیب سے روانہ ہو رہے ہیں۔ اب آپ ان کی روانگی کے مناظر دیکھیں گے۔ اس سے پہلے میں ایک سوال اپنے فوجی افسر سے بھی کروں گا۔"

پھر اس نے افسر کی طرف رُخ کرکے سوال کیا۔"آفیسر! مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی ہمارے نہایت معزز مہمان ہیں۔ آپ انھیں یہاں سے ائیرپورٹ تک کیسے لے جائیں گے؟ پھر وہاں سے پیرس کن ذرائع سے پہنچائیں گے؟"

آفیسر نے کہا۔"ابھی ہمارے ناظرین دیکھیں گے کہ اس عالیشان رہائش گاہ کے باہر ایک ائیرکنڈیشنڈ کار موجود ہے اور ہمارے مسلح محافظ اپنی اپنی گاڑیوں میں چوکس ہیں۔ تاکہ جو دشمن مسٹر فرہاد علی تیمور کے خلاف افواہیں پھیلا رہے ہیں، وہ کسی موقع پر ان کی جان کے دشمن نہ بن جائیں۔ اس لیے ہم انھیں بحفاظت ائیرپورٹ تک لے جا رہے ہیں۔ وہاں سے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے..."

انٹرویو کرنے والے نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ مسٹر تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے پیرس کیوں لے جا رہے ہیں؟"

"اس وقت ہمارا کوئی طیارہ ائیرپورٹ پر موجود نہیں ہے۔ کل صبح تک بھی کوئی طیارہ نہیں آئے گا۔ اس لیے ہم ہیلی کاپٹر کے ذریعے ترکی کے جنوبی ساحلی علاقے اناطولیہ تک جائیں گے۔ ہم نے ترکی کی حکومت سے رابطہ قائم کیا ہے۔ وہ اپنے طیارے کے ذریعے مسٹر تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو اناطولیہ سے پیرس تک لے جائیں گے۔ ہمارے مسلح محافظ اپنے معزز مہمانوں کو بابا صاحب کے ادارے تک پہنچائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے مسلح جوانوں کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔"

ان کی گفتگو کے دوران سجاد اور اعلیٰ بی بی دروازے تک پہنچ گئے تھے پھر آفیسر دروازے تک آیا اور ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اسکرین چند سیکنڈ کے لیے تاریک ہوگئی۔ دوسری بار اسکرین روشن ہوئی تو سجاد اور اعلیٰ بی بی اس رہائش گاہ کے باہر نظر آئے۔ پورچ میں ایک قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آگے پیچھے مختلف گاڑیوں میں مسلح فوجی جوان نظر آ رہے تھے۔ ان کے لیے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ پہلے اعلیٰ بی بی بیٹھی، اس کے بعد سجاد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب کار روانہ ہوئی تو وہاں کھڑے ہوئے ایک فوجی آفیسر نے کہا۔"ناظرین! ہمارے معزز مہمان یہاں سے روانہ ہوچکے ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہ تل ابیب کے اس مضافاتی علاقے میں پہنچیں گے، جسے آپ بن غورین کے نام سے جانتے ہیں۔ وہاں ایک ائیرپورٹ زیرِ تعمیر ہے۔ آیئے ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔"

ذرا سی دیر میں منظر بدل گیا۔ اب ایک شخص کھلی فضا میں نظر آ رہا تھا۔ کسی عمارت کی بالکونی پر کھڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔"ناظرین! میں اس وقت بن غورین کے علاقے سے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ یہ بن غورین کا وہی حصہ ہے جہاں ہمارا ایک نیا ائیرپورٹ زیرِ تعمیر ہے۔ مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ہم آپ کو بتا دیں کہ ہم نے ان کی حفاظت کے لیے کیسے انتظامات کیے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے منظر بدل گیا۔ ایک ہیلی کاپٹر نظر آ رہا تھا۔ اس پر مختلف سمتوں سے سرچ لائٹ پڑ رہی تھی۔ پس منظر میں وہی آواز سُنائی دے رہی تھی۔"ناظرین! یہ وہی ہیلی کاپٹر ہے جس میں ہمارے معزز مہمان سفر کرنے والے ہیں۔ آپ اس وقت ہیلی کاپٹر پر لکھا ہوا نمبر واضح طور سے پڑھ سکتے ہیں۔ آئی، ایچ، سی سیونٹی سکس۔"

وہ ہیلی کاپٹر پر لکھا ہوا نمبر بتا رہا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے کہا۔"ان کمبختوں نے کتنا زبردست جال پھیلایا ہوا ہے۔ دُنیا والوں کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ سونیا سے ایک ذرا خوف زدہ نہیں ہیں بلکہ دوستانہ انداز میں فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو نہایت عزت و احترام سے پیرس پہنچا رہے ہیں۔"

سونیا نے کہا۔"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ اتنی آسانی سے ہاتھ آئے ہوئے فرہاد علی تیمور کو رہا کر رہے ہیں۔"

"ان کی کوئی چال ہوسکتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

سونیا نے مجھے گھور کر دیکھا پھر سوچ کے ذریعے پوچھا۔"چال ہوسکتی ہے۔ کیا مطلب؟ کیا تم دشمنوں کے دماغوں میں جھانک کر ان کی چالوں کو سمجھ نہیں سکتے؟"

"سمجھ سکتا ہوں۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ذرا انتظار کرو۔ ان کے ٹی وی پروگرام سے لُطف اُٹھاؤ۔ ذرا دیکھتی جاؤ کہ یہ فرہاد سے اپنی دوستی ثابت کرنے کے لیے کیسے کیسے جتن کر رہے ہیں۔"

اس وقت تک اسکرین پر منظر بدل گیا تھا۔ اب ترکی کے جنوبی ساحلی علاقے اناطولیہ کے ائیرپورٹ کا منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہاں کے سیکورٹی فورس کا ایک آفیسر کہہ رہا تھا۔"ناظرین! میں اناطولیہ کے

ائرپورٹ سے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ اسرائیلی حکام نے ہم سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ ہم اس کے مطابق مسٹر فرہاد علی تیمور اور ان کی ساتھی مادام اعلیٰ بی بی کا یہاں انتظار کر رہے ہیں۔ مقامی وقت کے مطابق ایک بج کر پندرہ منٹ پر وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچیں گے۔ ہمارا ایک طیارہ یہاں کے وقت کے مطابق دو بج کر تیس منٹ پر یہاں سے پیرس کے لیے روانہ ہوگا۔ اسی طیارے میں مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی اور ان کے چار مسلح محافظوں کے لیے سیٹیں ریزرو کرادی گئی ہیں۔ مسٹر فرہاد علی تیمور کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں۔ ہم ان انتظامات کی جھلکیاں پیش کر رہے ہیں۔"

میں اور سونیا بڑی توجہ سے اسکرین پر بدلتے ہوئے مناظر دیکھ رہے تھے۔ واقعی سجاد اور اعلیٰ بی بی کی حفاظت کے لیے بڑے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ اناطولیہ سے جو مسافر اس طیارے میں سفر کرنے والے تھے ان کے متعلق بھی بڑی توجہ سے چھان بین ہو رہی تھی۔ جب ان حفاظتی انتظامات کی جھلکیاں ختم ہوگئیں تو پھر تل ابیب کے ٹی وی اسٹوڈیو کا منظر سامنے آیا۔ ایک اناؤنسر کہہ رہا تھا "اس پروگرام کو پیش کرنے کا مقصد ہم بیان کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر بیان کر دیں۔ جو لوگ مسٹر فرہاد علی تیمور اور یہودی قوم کے درمیان نفرت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے متعلق غلط افواہیں پھیلا رہے ہیں جھوٹی خبریں شائع کر رہے ہیں ہم اس جھوٹ کا پردہ چاک کر رہے ہیں۔ آج ہم نے آپ کے سامنے ٹیلی ویژن کے ذریعے اپنی پائیدار دوستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ دوستوں اور دشمنوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں بھی ٹی وی کیمرے نصب کیے جا رہے ہیں۔ جس وقت مسٹر فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی وہاں پہنچیں گے ان کے استقبال کے مناظر دکھائے جائیں گے اور ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ ہم نے مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو بخیریت بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیا ہے اور اپنی ذمے داریوں کو نہایت دوستانہ انداز میں پورا کیا ہے۔ ہم اب سے ایک گھنٹے بعد آپ کو بابا صاحب کے ادارے میں لے چلیں گے۔ اس وقت تک کے لیے اجازت دیجیے۔"

ہم نے ٹی وی [illegible] ن رکھا۔ ہوٹل کے ملازم کو بلایا۔ وہ برتن سمیٹ کر چلا گیا۔ سونیا نے د[illegible] رے کو بند کرتے ہوئے مجھے دیکھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "میں اب خیال خوانی شروع کر رہا ہوں۔ دشمنوں کی چالوں کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر کالی تنظیم کے نئے سربراہ ری مو[illegible] کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے دوسرے عہدے داروں کے ساتھ ایک بڑے آرام دہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے کے ایک طرف بڑا سا ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی اسکرین پر سجاد اور اعلیٰ بی بی کی روانگی کے مناظر دیکھ رہے تھے اور اب ایک گھنٹے بعد بابا صاحب کے [illegible] کا منظر دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے حساب سے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کے [illegible] پہنچنے تک صبح ہو جاتی۔ یعنی ان سب لوگوں کو صبح تک جاگنا تھا۔ [illegible] کی فرصت نہیں تھی۔ جب وہ دونوں وہاں پہنچ جاتے تو ان کی [illegible] ختم ہو جاتیں اور وہ آرام سے سو سکتے تھے اور اپنا جشنِ آزادی منا [illegible]

میں ری مونڈیل اور اس کے دوسرے عہدے داروں کے [illegible] کو ٹٹولتا رہا پھر دماغی طور پر حاضر ہو کر سوچ کے ذریعے بولا "سونیا! بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہ کوئی چال نہیں چل رہے ہیں۔ ان دونوں کو [illegible] بابا صاحب کے ادارے میں پہنچانا چاہتے ہیں۔"

سونیا نے میرے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "انھیں [illegible] نے اطمینان دلا دیا ہے کہ اب وہ ان سے دشمنی نہیں کریں گے۔ تنویمی عمل کے پابند رہیں گے۔ اس کی ہدایت کے مطابق وقت مقررہ پر [illegible] کو سو جایا کریں گے۔ اس کا پڑھایا ہوا دوستی کا سبق دہراتے رہیں گے۔ ان کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوتے رہیں گے۔"

"ہاں، ربی اسفندیار کو اپنے تنویمی عمل پر پورا اعتماد ہے۔ [illegible] تنظیم کے عہدے داروں سے کہہ رہا تھا کہ فرہاد کو رہا کر دینے کے بعد [illegible] زیادہ عرصے تک ان سے دور نہیں رہے گا بلکہ دوستانہ انداز میں [illegible] کے پاس آئے گا۔"

"فرہاد! اس کے تنویمی عمل کا توڑ کرنا ہوگا ورنہ سچ مچ اعلیٰ بی بی [illegible] سجاد ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔"

میں اس فوجی افسر کے دماغ میں پہنچ گیا جو ہیلی کاپٹر میں [illegible] تھا۔ اس وقت تک سجاد اور اعلیٰ بی بی وہاں پہنچ گئے تھے لیکن [illegible] ہیلی کاپٹر میں سوار کرانے سے پہلے ایک بار پھر اس ہیلی کاپٹر کی اچھی [illegible] چیکنگ کی جا رہی تھی۔ میں اس آفیسر کے دماغ سے معلومات حا[صل] کر رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں اتنا ایندھن تھا کہ وہ اناطولیہ جا کر وہاں [illegible] واپس آ سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ ایندھن بچ رہتا۔ ہیلی کاپٹر [illegible] پائلٹ کا دماغ بھی مجھے بتا رہا تھا کہ کسی بھی مشین کسی پرزے میں [illegible] خرابی یا نقص نہیں ہے۔ وہ پوری طرح مطمئن تھا۔

سونیا نے پوچھا "تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"سجاد کی روانگی کے سلسلے میں ہر پہلو کا جائزہ لے رہا ہوں۔ [illegible] کا سفر کسی وجہ سے بھی ملتوی ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ محکمۂ موسمیات کی طرف سے کنٹرول ٹاور میں جو رپورٹ پہنچی ہے اس کے مطابق موسم نہایت خوشگوار ہے اور ہوائی سفر کے لیے موافق ہے۔"

سونیا نے پوچھا "یعنی ہم یہ سمجھ لیں کہ ہماری یہ مہم توقع [کے مطابق] کامیاب رہی ہے؟"

"یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ سجاد اور اعلیٰ بی بی وہاں پہنچ جائیں گے [illegible]

[illegible] دردِ سری نہیں رہے گی۔"

[illegible] میں نے کبھی وہ پُرسکون لمحہ نہیں دیکھا جب ہم دونوں ساتھ [ہوں اور کوئی] دردِ سری نہ ہو۔ وقتی طور پر دردِ سری ختم ہوتی ہے تو کوئی اور [illegible] ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو [illegible] بدل لیتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے ہمارے حالات کون سی کروٹ [لیتے] ہیں۔"

میں ذرا سجاد اور اعلیٰ بی بی کی خبر لوں۔ دیکھوں کہ وہ ہیلی کاپٹر میں [پہنچ] چکے ہیں یا نہیں؟

میں سجاد کے پاس پہنچا۔ اعلیٰ بی بی کے دماغ میں جانے کا سوال [ہی پیدا] نہیں ہوتا تھا۔ وہ مجھے محسوس کر لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں اعلیٰ [بی بی] کو سجاد یا کسی اور کے ذریعے دیکھتا اور سمجھتا رہتا تھا اور اس کی [illegible] اس کی حرکتوں سے اس کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا تھا، [illegible] اس کی اپنی ذاتی سوچ کیا ہے؟ وہ اندر ہی اندر کس قسم کے خیالات [illegible] رہی ہے؟ اس کا مجھے علم نہیں تھا۔

بہت سی باتیں جو میں جانتا ہوں، انھیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھول جاتا ہوں پھر اچانک بھولی ہوئی کوئی بات سامنے آ جاتی ہے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ اعلیٰ بی بی اور [سجاد] ایک بند گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف مسلح جوان [illegible] کھڑے تھے۔ پھر اس گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا۔ وہاں ربی اسفندیار [اور کالی] تنظیم کا نیا سربراہ ری مونڈیل اور دو چار اہم یہودی نظر آئے۔ [اعلیٰ] بی بی نے ربی اسفندیار کو دیکھتے ہی سر جھکا کر سلام کیا۔ ربی نے [بڑی] محبت اور شفقت سے ہاتھ اٹھا کر سلام کا جواب دیتے ہوئے [کہا "]بیٹی! باہر آ جاؤ۔ میں تمھیں اپنی شفقت کے سائے میں [ہیلی] کاپٹر تک پہنچاؤں گا۔"

وہ اور سجاد گاڑی سے باہر آئے۔ اعلیٰ بی بی نے کہا "محترم ربی! [میں] اپنے آپ کو خالی محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیا بات ہے بیٹی! مجھے بتاؤ؟"

"جب میں تل ابیب پہنچی تھی تو میری تلاشی لی گئی تھی۔ مجھ سے [کہا] گیا تھا کہ فرہاد سے ملاقات کرنے سے پہلے تلاشی دینا ضروری ہے [تاکہ] کوئی ایسی چیز میرے پاس نہ ہو جس سے میں فرہاد کے محافظوں کو نقصان پہنچا سکوں۔"

"بیٹی! اس بات کو بھول جاؤ۔ اب تو ہم دوست ہیں ... نہ [ہم تمھاری] تلاشی لے سکتے ہیں، نہ تمھیں یہاں سے کچھ لے جانے سے روک [سکتے] ہیں۔"

"میں کچھ لے جانا نہیں چاہتی۔ صرف اپنی چیزیں چاہتی ہوں۔ [تلاشی] لیتے وقت میری کچھ چیزیں آپ کے آدمیوں نے رکھ لی تھیں۔"

[ربی] نے گھوم کر آس پاس افسروں کو دیکھا۔ ایک نے کہا "[illegible]

اس وقت موجود نہیں تھے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "میں بتاتی ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ موتیوں کی مالا تھی۔ وہ موتی کچھ عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ سیاہ ہیں مگر ان سے روشنی پھوٹتی ہے۔ مختلف رنگ جھلکتے ہیں۔"

ربی اسفندیار نے تائید میں سر ہلا کر کہا "بیشک مجھے یاد آ گیا۔ یہ موتیوں کی مالا میں نے بھی دیکھی ہے۔ بڑی حیرت انگیز مالا ہے۔" پھر اس نے حکم دیا "جاؤ معلوم کرو۔ وہ مالا کہاں ہے۔ فوراً اسے لا کر ہماری بیٹی کی خدمت میں پیش کرو۔"

ایک آفیسر وہاں سے چلا گیا۔ ربی اسفندیار نے پوچھا "بیٹی! یہ مالا کس قسم کی ہے؟ کیا تم اسے محض نمائش کی خاطر پہنتی ہو جب کہ تمھارے مزاج میں خودنمائی نہیں ہے؟"

"محترم ربی! یہ مالا مجھے بابا فرید واسطی مرحوم نے دی تھی۔ جب چالیس افراد کا سربراہ بنایا گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے یہ مالا مجھے پہنائی تھی۔"

"انھوں نے اس کی کچھ خوبیاں بتائی ہوں گی۔"

انھوں نے اسے مجھے تحفے کے طور پر یا میری کامیابی پر بطورِ انعام دیا تھا۔ میں نے اس وقت پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ بعد میں میرے اندر بھی تجسس پیدا ہوتا رہا۔ ایک بار میں نے بابا صاحب سے سوال کیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا تھا، جب بھی کسی مہم کے سلسلے میں ادارے سے باہر جاؤ یا ادارے میں رہ کر کسی خاص مسئلے پر اپنے لوگوں سے رائے طلب کرو اور اس کا حل تلاش کرو تو تمھیں ذہنی طور پر بہت ہی سکون محسوس ہوگا۔ تم خود کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرو گی۔ یوں لگے گا جیسے کوئی انجانی قوت تمھیں مشورہ دے رہی ہے، تمھارا ساتھ دے رہی ہے، تمھارے پاس موجود ہے۔ دل کی دھڑکنوں کے رشتے سے دیکھو گی تو یہ مالا تمھیں اپنے قریب محسوس ہوگی۔ تمھیں بڑا حوصلہ دے گی۔ جب کوئی ایسا وقت آئے گا تو میری باتیں تمھاری سمجھ میں آ جائیں گی۔"

ربی اسفندیار نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میرا بھی یہی تو خیال ہے کہ اس مالا کا تعلق روحانیت سے ہے۔"

میں اس آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جو اعلیٰ بی بی کی اس مخصوص مالا کو لینے کہیں گیا تھا۔ وہ اس وقت ایک دفتر میں تھا اور اس مالا کو طلب کر رہا تھا۔ ایک شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر آہنی الماری کی طرف جا رہا تھا اور اسے کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا "و[illegible] سمجھ سے بالاتر مالا ہے۔ ہم نے مختلف مشینوں کے ذر[یعے] [illegible] دیکھا لیکن کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آئی۔ ربی [illegible] موتی توڑنے سے منع کیا تھا ورنہ ہم کسی ایک موتی کو توڑ کر [illegible] کا تجزیہ کرتے۔ بہت سے ماہرین پتھر شناس اور دنیا کے تجربہ کار جوہری اسے دیکھ چکے

میں اور اُسے ایک غیر معمولی مالا قرار دیتے ہیں۔ پتا نہیں بابا فرید واسطی کو یہ موتی کہاں دستیاب ہو گئے تھے کہ انھوں نے اس کی ایک مالا بنا ڈالی ہے۔"

ایک شخص نے کہا: "ایسی نایاب چیزیں واپس نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ ہاتھ آگئی ہے تو اسے واپس کرنا کیا ضروری ہے؟"

آہنی الماری سے موتیوں کی مالا نکال کر ایک خوب صورت سے مخملی ڈبے میں رکھتے ہوئے اس شخص نے کہا: "محترم ربی کا حکم ہے۔ جب وہ لوگ دوست بن رہے ہیں تو ان کی کسی چیز پر بھی قبضہ جما کر غلط تاثرات نہیں دینے چاہئیں۔ وہ دوست بن کر جا رہے ہیں اور جلد ہی اپنے ساتھ بابا صاحب کے سارے ادارے والوں کو ہمارا دوست بنا کر ہمارے ایسے تمام مقاصد پورے کریں گے جو موتیوں کی یہ مالا نہیں کر سکتی۔ لے جاؤ اسے۔"

آفیسر اس ڈبے کو اٹھا کر وہاں سے چل پڑا۔ اس وقت ٹی وی اسکرین پر بن غوریَن کے علاقے کا منظر دکھایا جا رہا تھا، جہاں ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا اور اعلیٰ بی بی اور سجاد کو کچھ اہم لوگ اپنے جلو میں اس کی طرف لے جا رہے تھے۔ ان میں سب سے اہم اور نمایاں شخصیت ربی اسفندیار کی تھی۔

ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ کر اعلیٰ بی بی رُک گئی۔ لیڈیز فرسٹ کے اصول کے مطابق پہلے اسے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اپنی اس مخصوص مالا کا انتظار کر رہی تھی۔ ربی اسفندیار نے کہا: "ہمارا ایک افسر اُسے لے کر آتا ہی ہوگا۔ اس وقت تک کیا تم ہماری قوم کو کوئی پیغام دینا چاہو گی؟"

ایک مائیک اس کے سامنے لایا گیا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا: "میں یہاں سے بہت ہی دوستانہ ماحول میں روانہ ہو رہی ہوں اور آپ کی قوم کی طرف سے بابا صاحب کے ادارے کے لیے خیر سگالی کے جذبات لے کر جا رہی ہوں۔"

اس وقت سجاد علی تیمور ربی اسفندیار سے مصافحہ کر رہا تھا۔ ربی نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ مسٹر فرہاد علی تیمور نے ہماری قوم سے جو دوستانہ مصافحہ کیا ہے، وہ مصافحہ مستحکم ہوگا اور زنجیر کی دو آہنی کڑیوں کی طرح ناقابلِ شکست ہوگا۔"

اس بات پر آس پاس کھڑے ہوئے تمام افسران تالیاں بجانے لگے۔ اس وقت تک وہ افسر موتیوں کی مالا لے کر پہنچ گیا اور اس نے اس مخملی ڈبے کو ربی اسفندیار کے حوالے کیا۔ ربی اسفندیار نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بصد احترام تحفہ پیش کرنے کے انداز میں ذرا جھک کر اعلیٰ بی بی کی طرف بڑھایا۔ اعلیٰ بی بی نے اسے لیا پھر کھول کر موتیوں کی مالا کو دیکھا۔ مالا کو داہنے ہاتھ سے بسم اللہ کہہ کر اٹھایا اور ڈبے کو کسی کی طرف بڑھا دیا۔ کسی نے ڈبا لے لیا۔ وہ مالا کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسے چوم رہی تھی۔ اپنی پیشانی سے لگا رہی تھی پھر اس نے اس مالا کو اپنے دل کی دھڑکنوں سے لگایا اور چند لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ کاش میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی دلی اور دماغی کیفیات کو سمجھ سکتا کہ وہ اس مالا سے کس طرح متعلق ہے؟ اسے پاتے ہی وہ جذب کے عالم میں کیوں نظر آ رہی ہے؟ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے چونکانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے صبر کر رہا تھا۔ اس نے وہ مالا اپنے گلے میں پہن لی اور مسکرا کر اپنے پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔

ربی اسفندیار اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا: "یہ مالا پہنتے ہی آپ کے چہرے پر عجیب سی رونق آگئی ہے۔ ہر انسان کے اندر نیکی اور خداشناسی کا ایک نور ہوتا ہے جو انسان سے بھی چھپا رہتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ مالا پہننے کے بعد وہ نور آپ کے چہرے سے جھلک رہا ہے۔" پھر وہ مایوسی سے کچھ جبراً مسکراتے ہوئے بولا: "مجھ جیسے بوڑھے کے اندر ایک بچکانہ خیال پیدا ہو رہا ہے اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ایک سوال کر دوں؟"

"ضرور۔ آپ محترم ربی ہیں۔ ضرور اپنے دل کی بات پوچھ سکتے ہیں۔"

"کیا یہ ہار پہننے کے بعد آپ اپنے اندر نمایاں تبدیلیاں محسوس کر رہی ہیں؟ کیا ان تبدیلیوں میں ایسی کوئی بات ہے جو ہماری دوستی کے سلسلے میں آڑے آئے؟"

"بالکل نہیں۔ آپ ایسی باتیں کیوں سوچ رہے ہیں؟ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ انسان کے اندر جو نیکی اور خداشناسی کا نور چھپا ہوا ہے وہ نور میرے چہرے پر بھی آگیا ہے۔ اگر میں خداشناس بن سکتی ہوں تو انسان شناس کیوں نہیں بن سکتی؟ پھر آپ میرے دوست ہیں۔ کیا یہ دوستی ایسی ہے کہ میں اسے سمجھنے سے قاصر رہوں گی؟"

ربی اسفندیار نے جلدی سے کہا: "نہیں، ہرگز نہیں۔ ہماری دوستی میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ ہم نے آپ کی عزت کرنے، آپ کے دشمنوں کو بے نقاب کرنے اور آپ کے دوستوں کی حیثیت سے آپ کے قریب تر آنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ہم نے ہر قدم پر اپنا فرض ادا کیا ہے، لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری دوست ہیں۔ فرہاد صاحب بھی ہمارے دوست ہیں۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ پھر دوستوں کے سے انداز میں ہمارے پاس آئیں گے اور ہمیں اپنے پاس بلائیں گے۔"

ہم ٹی وی کے اسکرین کے ذریعے ہیلی کاپٹر میں ان کے بیٹھنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ میں اسکرین پر بھی دیکھ رہا تھا اور بذاتِ خود بھی اُن کے پاس موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ہیلی کاپٹر پرواز کرنے لگا۔ اسکرین پر اس کی پرواز کا منظر اس وقت تک دکھایا جاتا رہا

جب تک کہ وہ کیمرے کی زد میں رہا اور نظر آتا رہا۔ پس منظر سے فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو الوداع کہا جا رہا تھا اور دوستی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے نیک توقعات کا اظہار کیا جا رہا تھا۔

سونیا نے آگے بڑھ کر ٹی وی کو آف کرتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا: "میرا خیال ہے، بابا صاحب کے ادارے میں بھی اسی طرح ٹی وی کیمرے نصب کیے گئے ہوں گے جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے تھے۔ فرہاد وہاں کی بھی خبر لو۔ دیکھتے ہیں، وہ کس انداز میں اعلیٰ بی بی اور سجاد کا استقبال کرتے ہیں۔"

"میں ان کے متعلق بعد میں معلوم کروں گا۔ ذرا دیکھوں تو سہی، اعلیٰ بی بی اور سجاد ہیلی کاپٹر میں کس طرح سفر کر رہے ہیں۔"

میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ ہیلی کاپٹر اسرائیل کے مغربی ساحل سے پرواز کرتا ہوا سمندر پر سے گزر رہا تھا۔ اس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اسی طرف پرواز کرتے ہوئے ترکی کے جنوبی ساحلی علاقے اناطولیہ تک پہنچا جا سکتا تھا لیکن یہ فاصلہ بہت طویل تھا۔ وہ وہاں کے وقت کے مطابق شاید ایک بج کر پندرہ منٹ پر اناطولیہ پہنچتا، یعنی تقریباً دو گھنٹے کا سفر تھا۔

پائلٹ کے پیچھے والی سیٹ پر اعلیٰ بی بی اور سجاد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے دو سیٹوں پر دو مسلح گارڈ موجود تھے۔ وہ کل پانچ افراد تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ پائلٹ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا۔ ونڈ اسکرین کے پار کھلی فضا کو دیکھ رہا تھا۔ پرواز زیادہ بلندی پر نہیں تھی۔ نیچے نظر ڈالنے پر چاند کی ہلکی روشنی میں سمندر نظر آ رہا تھا۔ سجاد، اعلیٰ بی بی کے گلے میں پڑی ہوئی مالا کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ یہ مالا کیا میں نے پہلے کبھی دیکھی ہے؟

یوں تو ہم نے سجاد کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا، سکھایا تھا پھر بھی کچھ باتیں رہ گئی تھیں۔ ان میں اعلیٰ بی بی کا یہ غیر معمولی ہار بھی تھا جسے وہ ہمیشہ اپنے گلے میں نہیں پہنتی تھی۔ شاید اسی لیے اعلیٰ بی بی اور مرجانہ نے بھی کبھی سجاد کو اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی اور تجسس سے اس مالا کو دیکھ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر کا پائلٹ کبھی کبھی وائرلیس کے ذریعے بات کرتا تھا۔ دوسری طرف سے احکامات سنتا تھا اور انھیں یقین دلاتا تھا کہ وہ صحیح سمت میں پرواز کر رہے ہیں۔ آدھا گھنٹہ گزرا تو پھر ٹرانسمیٹر کے ذریعے اشارہ موصول ہوا۔ پائلٹ نے اسے آن کر کے کوڈ ورڈز دہراتے ہوئے کہا: "میں اٹینڈ کر رہا ہوں۔ اوور۔"

دوسری طرف سے کہنے والے نے اپنے کوڈ ورڈز دہرائے پھر گھبراہٹ سے کہا: "بہت بُری خبر ہے۔ اپنا ہیلی کاپٹر اناطولیہ کی طرف مت لے جاؤ۔ وہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہوائی اڈے پر حملہ ہو گیا ہے۔ یہاں ہر ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعے دُنیا والوں کے سامنے اپنی مجبوریوں کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ تمھیں ہدایت دی جاتی ہے کہ ہیلی کاپٹر کو واپس لے آؤ یا اناطولیہ سے آگے ازمیر کی طرف چلے جاؤ۔ کیا وہاں تک جانے کے لیے ایندھن کافی ہے؟ اوور۔"

"ایندھن کافی ہے۔ ہم ازمیر سے بھی آگے نکل سکتے ہیں۔ اوور۔"

"اچھی بات ہے۔ دوسرے احکامات ملنے تک اپنا سفر جاری رکھو۔ میں پھر رابطہ قائم کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے کہا: "اناطولیہ کے ائیرپورٹ پر گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ٹی وی آن کرو۔ ذرا دیکھا جائے۔"

اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی کو آن کیا۔ وہاں کا منظر پیش کیا جا رہا تھا۔ کئی جگہ آگ لگی ہوئی تھی کبھی کبھی فائرنگ کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ میں نے کا حال تنظیم کے سربراہ ری مونڈیل کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ بھی دوسرے یہودی اکابرین کی طرح پریشان تھا اور ٹی وی اسکرین پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ کبھی وہ ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کرتا تھا اور کبھی اسکرین پر وہ مناظر دیکھتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اناطولیہ میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس میں یہودیوں کا ہاتھ نہیں ہے۔

تھوڑی دیر بعد اسکرین پر اناطولیہ کے فوجی افسران نظر آئے۔ ان کے ساتھ اسرائیل کی طرف سے ایک یہودی سفارت کار اور اس کے اسسٹنٹ نظر آ رہے تھے۔ اناطولیہ ٹی وی سے تعلق رکھنے والے ایک افسر نے مائیک ہاتھ میں لے کر کہا: "ہمارے ٹی وی کا عملہ یہاں بہت پہلے آچکا تھا۔ اس نے جہاں کیمرے نصب کیے ہیں، وہ اب بھی وہاں موجود ہیں۔ ہمارے کیمرہ مین ان بدترین حالات میں بھی جان پر کھیل کر تخریبی کارروائیوں کے یہ مناظر فلمبند کر رہے ہیں۔ مقامی آرمی کے افسران نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ جلد ہی حملہ آوروں پر قابو پا لیا جائے گا۔ میں یہاں آرمی کے ایک ذمّے دار افسر سے سوال کرتا ہوں۔" "جناب! یہ حملے کس کی جانب سے ہو رہے ہیں؟ کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے؟"

فوجی افسر نے کہا: "میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ کچھ ایسے دُشمن عناصر ہیں جن کی نظر میں مسٹر فرہاد اور یہودیوں کی دوستی کھٹک رہی ہے۔"

یہودی سفارت کار نے آگے بڑھ کر کہا: "مسٹر فرہاد یہاں پہنچنے والے تھے لیکن اس سے پہلے ہی دُشمنوں نے ہنگامے شروع کر دیے، تاکہ ہم بابا صاحب کے ادارے تک مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو بخیریت پہنچانے میں ناکام رہیں اور ان کے سامنے شرمندہ ہوں۔"

پھر اس نے مائیک کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا: "اس وقت مواصلاتی سیارے کے ذریعے بیشتر ممالک کے ٹی وی اسکرین پر ان مظالم کے جیتے جاگتے مناظر دیکھے جا رہے ہیں جو ہم پر ڈھائے جا رہے ہیں۔ میں اپنے ملک و قوم کی جانب سے دُنیا کے تمام انسان دوست ناظرین سے عرض کرتا ہوں اور اپنے اس حوصلے کا اظہار کرتا ہوں کہ ہم

کمزور اعصاب کے لوگ نہیں ہیں۔ ہم ناگہانی آفات کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔ بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرتے رہنا یہودی قوم کا ایک طرۂ امتیاز رہا ہے اور ہم ہمیشہ سُرخرو رہے ہیں۔ آج بھی ہم بابا صاحب کے ادارے کے تمام عہدے۔ داران کو یقین دلاتے ہیں کہ مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو ہر حال میں صحیح سلامت ان کے ادارے تک پہنچایا جائے گا۔"

سونیا نے میرے پاس آکر مجھے اشارہ کیا پھر سوچ کے ذریعے پوچھا "کیا یہ یہودیوں کی چالیں ہیں؟"

میں نے پورے وثوق سے جواب دیا "نہیں، یہ خود حیران و پریشان ہیں۔ ویسے سب سمجھ رہے ہیں کہ ماسک مین یا سپر ماسٹر کی خطرناک تنظیمیں یہ تخریبی کارروائیاں کر رہی ہیں۔ یہودیوں نے فرہاد علی تیمور سے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے اور اسے اپنے ایک نوجوان کے دماغ میں منتقل کرنے کا جو ایک طویل منصوبہ بنایا ہے اور اس کی ابتدا اس نام نہاد دوستی سے کی ہے اور یہ خطرناک تنظیمیں اس منصوبے کو سبوتاژ کر رہی ہیں۔"

میں سونیا سے ضروری باتیں کرنے کے بعد پھر سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت پائلٹ ٹرانسمیٹر کے ذریعے بات کر رہا تھا اور یقین دلا رہا تھا کہ ان کا ہیلی کاپٹر بالکل صحیح حالت میں ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے اور وہ سب بڑے آرام سے سفر کر رہے ہیں۔ ترکی کے ساحلی علاقے کے قریب پہنچنے کے بعد ہیلی کاپٹر کا راستہ بدل دیا جائے گا۔ لہٰذا اناطولیہ کے کنٹرول ٹاور کو ہدایت کر دی جائے کہ جب بھی ہم ان سے رابطہ قائم کریں وہ ہمیں ازمیر کے لیے گائیڈ کر دیں اور..."

وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن یکلخت خاموش ہوگیا۔ ٹرانسمیٹر کے مائیک والے حصے میں ایک ہلکی سی کھٹ کی آواز سُنائی دی تھی پھر وہ مائیک اپنی اصلی حالت میں نہیں رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے گولی داغ دی ہو۔ پائلٹ نے تعجب سے ٹرانسمیٹر کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس حصے کو چھُوا۔ یقیناً ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی نے فائرنگ کی ہو اور اس حصے کو نقصان پہنچا دیا ہو۔ اب اس کی آواز دوسری طرف سُنی نہیں جاسکتی تھی۔ اس اثنا میں دوسری طرف سے برابر کال ہو رہی تھی۔ بار بار پوچھا جا رہا تھا "تم خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔ اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ اوور۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ پائلٹ نے سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا تو ایک گارڈ نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

پائلٹ نے اپنے مُنہ کے سامنے سے مائیک ہٹاتے ہوئے کہا۔ "کسی نے ٹرانسمیٹر پر فائر کیا ہے۔ اب مَیں یہاں سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔"

گارڈ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اعلیٰ بی بی سے معذرت چاہتے ہوئے ذرا آگے جُھک کر ٹرانسمیٹر کی طرف دیکھ کر کہا "یہ کیسے ممکن ہے؟ یہاں کون فائر کر سکتا ہے؟ فائر کی آواز بھی نہیں آئی۔ اگر سائلنسر بھی لگا ہوتا تو کم از کم کھٹکا سُنائی دیتا پھر ہم میں سے کس کے پاس ہتھیار ہے؟ صرف ہم دو مسلح فوجی ہیں۔ تم تینوں نہتے ہو۔"

واقعی بڑی حیران کُن سچویشن تھی۔ میں سجاد کے دماغ میں بیٹھا ایک ایک کو تک رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت کیا بات کیا ہوگیا ہے۔ اعلیٰ بی بی اپنی جگہ خاموش بیٹھی تھی اور ایک ایک کا مُنہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ بھی اس گتھی کو سلجھانے کے لیے کسی کی طرف سے کوئی معقول بات سُننا چاہتی ہو۔

کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ دوسری طرف ٹرانسمیٹر سے بار بار آوازیں آ رہی تھیں "ہیلو، ہیلو، تم نے رابطہ کیوں ختم کر دیا؟ جواب دو۔ کیا تم راستے سے بھٹک گئے ہو؟ کوئی پرابلم ہو تو فوراً بتاؤ۔ اگر چند منٹ کے اندر جواب نہ ملا تو ہم تمھیں ٹریس آؤٹ کرنے کے لیے یہاں سے کوئی دوسرا ہیلی کاپٹر یا طیارہ روانہ کریں گے۔"

دوسری طرف سے بار بار چیخ کر پائلٹ کو مخاطب کیا جا رہا تھا لیکن ہیلی کاپٹر کے اندر سے پائلٹ تو کیا ہم سب بھی چلّا کر جواب دیتے تب بھی ہماری آواز دوسری طرف نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پائلٹ نے پریشان ہو کر کہا "یہ میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں لیکن یقین نہیں کر سکتا کہ کسی نے گولی چلائی اور ٹرانسمیٹر خراب ہوگیا۔ پلیز، آپ لوگ ایک دوسرے کو چیک کریں۔ بُرا ماننے کی بات نہیں ہے، ہم سب کی زندگی خطرے میں ہے۔ اگر اسی طرح ہیلی کاپٹر کو پھر کوئی نقصان پہنچا تو ہم صحیح سلامت زمین تک نہیں پہنچ سکیں گے، اور یہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم زمین کی بلندی پر بھی نہیں ہیں، سمندر پر پرواز کر رہے ہیں۔ گریں گے تو ہماری لاشوں کا پتا بھی نہیں چلے گا۔"

میں نے سونیا کو ہیلی کاپٹر میں ہونے والے اس عجیب و غریب واقعے کے متعلق بتایا تو وہ بھی بے یقینی سے میرا مُنہ تکنے لگی۔ میں نے کہا "نہ یقین کرنے کے باوجود ایسا ہو رہا ہے۔ ذرا ٹھہرو، میں معلوم کر کے آتا ہوں۔"

میں پھر وہاں پہنچ گیا۔ دونوں گارڈ اعلیٰ بی بی اور سجاد سے معذرت چاہتے ہوئے ان کی تلاشی لے رہے تھے اور تلاشی لینے کے بعد دوبارہ معذرت کر رہے تھے۔ انھوں نے پائلٹ کی بھی تلاشی لی لیکن اس کے پاس سے بھی کوئی ہتھیار نہیں نکلا۔ ایک گارڈ نے بغور اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں ٹرانسمیٹر خراب ہوگیا تھا اور کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ اس نے اس حصے کو چھُو کر کہا "گولی لگنے سے ایسا نشان نہیں پڑتا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی بہت ہی تیز جلتی ہوئی چیز یہاں آکر لگی اور یہ حصہ کچھ پگھل گیا۔"

دوسرے نے کہا "کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ٹرانسمیٹر کاغذ کا نہیں

فولاد کا ہے۔ کیا ہم یقین کر لیں کہ کوئی جلتی ہوئی چیز آئی اور اس نے چشم زدن میں اس حصے کو بالکل موم کی طرح پگھلا دیا؟"

یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا لیکن جواب کی صورت میں وہ ٹرانسمیٹر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ میرے لیے بھی شدید حیرانی کی بات تھی۔ ایک بار جی میں آئی کہ اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچوں۔ اس کے لیے میں نے سونیا سے مشورہ لیا۔ وہ بولی "کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حالات زیادہ ابتر ہو جائیں گے اور اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرنے کی صورت ہی بچاؤ کی واحد صورت ہوگی تو پھر خیال خوانی کا مقصد بھی پورا ہوگا ورنہ کیا فائدہ ہے؟ وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ اس کے پاس بیٹھا ہوا سجاد فرہاد نہیں ہے۔"

مَیں نے اس کی بات مان لی پھر سجاد کے پاس پہنچ کر وہاں کے حالات کا جائزہ لینے لگا۔ ہیلی کاپٹر کے اندر اور کوئی ایسی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی جس سے انھیں نقصان پہنچتا۔ وہ سب بخیریت تھے اور یقین تھا کہ خیریت سے سفر اختتام پذیر ہوگا۔

میں نے کاہال تنظیم کے سربراہ ری مونڈیل کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ اس کے پاس بھی یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ہیلی کاپٹر سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے۔ پائلٹ کی آواز سُنائی نہیں دے رہی ہے۔ فوراً اس ہیلی کاپٹر کو ٹریس کیا جائے۔

اسرائیلیوں کو اطمینان تھا کہ فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو وہاں سے روانہ کرنے کے بعد انھیں سکون نصیب ہوگا اور وہ دو چار گھنٹے آرام سے نیند پوری کرنے کے بعد جشنِ آزادی میں بھرپور حصہ لیں گے لیکن یہ ایک نئی جھنجلا دینے والی اور بے انتہا پریشانی میں مبتلا کرنے والی خبر موصول ہوئی تھی۔ فرہاد کو اوّل تو وہ رہا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن جب رہا کر دیا تو کوئی مقصد حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرح سے بدنام ہونے والے تھے کہ یہ یہودیوں نے کوئی چال چلی ہے۔ فرہاد کو پیرس لے جانے کے بہانے کسی دوسری جگہ لے جا کر چھپا دیا ہے۔

تمام بڑے بڑے افسران اپنے ماتحتوں پر جھنجلا رہے تھے۔ بوکھلائے ہوئے احکامات صادر کر رہے تھے اور اس ہیلی کاپٹر کو ٹریس کرنے کے سلسلے میں ضروری اقدامات کر رہے تھے۔

سونیا نے کہا "تم سجاد اور اعلیٰ بی بی کے ساتھ رہو۔ یہ نہ دیکھو کہ دوسرے لوگ ان کی حفاظت کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس ہیلی کاپٹر کا ٹرانسمیٹر کیسے خراب ہوگیا؟ کیا تم نے ان دو مسلح جوانوں کے دماغوں کو اچھی طرح کُرید کر معلومات حاصل کی ہیں؟"

"اچھی طرح کُریدنے سے کیا مُراد ہے؟ بس اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ یہودی فوجی ہیں اور اپنے ملک کے وفادار ہیں۔"

"وہ کسی خطرناک تنظیم کے وفادار بھی ہو سکتے ہیں۔ دولت وفاداروں کے قدم اُکھاڑ دیتی ہے۔"

میں دوسرے ہی لمحے ایک گارڈ کے دماغ میں پہنچ کر آہستہ آہستہ اس کے چور خیالات پڑھنے لگا پھر میں نے دوسرے گارڈ کے خیالات پڑھے۔ کوئی سازش نظر نہیں آئی۔ وہ دل و جان سے اپنی حکومت کے وفادار تھے اور اس کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتے تھے۔

میں نے ہیلی کاپٹر میں سفر کرنے والے سب لوگوں کے دماغوں کو اچھی طرح ٹٹول لیا تھا۔ سجاد تو میرا دیکھا بھالا تھا۔ صرف اعلیٰ بی بی رہ گئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ نہتی کیا کر سکتی تھی؟ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا پھر ایسا ہتھیار کہاں سے آتا جو کسی کو نظر نہ آتا اور ٹرانسمیٹر کو ناکارہ بنا دیتا۔

میرے سوچنے کے دوران اعلیٰ بی بی نے پائلٹ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "کیا ہم ٹرانسمیٹر کے بغیر صحیح سمت میں سفر کر سکیں گے؟"

"یس مادام! یہ میرے سامنے جو قطب نما نظر آ رہا ہے، اس کے ذریعے ہم صحیح سمت میں سفر کریں گے۔ یہاں ایسے آلات ہیں، جن کے ذریعے مجھے ہیلی کاپٹر کے باہر بدلتے ہوئے موسم اور ہوا کے کم اور زیادہ دباؤ کا اندازہ ہوتا رہے گا۔"

ایک گارڈ پچھلی سیٹ سے اٹھ کر اعلیٰ بی بی کے قریب جھکتے ہوئے ان آلات کو دیکھ رہا تھا جن کا ذکر پائلٹ نے کیا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے ایک طرف سرکتے ہوئے بیزاری سے کہا "مسٹر! اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہاں ہماری سیٹ پر آجائیں۔ میں فرہاد کے ساتھ پچھلی سیٹ پر چلی جاتی ہوں۔ آپ لوگوں کو بار بار اُٹھ کر ہم لوگوں پر جھکنا پڑتا ہے۔"

سجاد نے کہا "ہمیں درمیان میں بٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کوئی قیدی تو نہیں ہیں کہ فرار ہونے کا ڈر ہو۔"

گارڈ نے عاجزی سے مسکراتے ہوئے کہا "جناب! آپ یہ کیا فرماتے ہیں! ہم خادم ہیں۔ آپ واقعی پچھلی سیٹ پر چلے آئیں۔ ہم اُدھر آجاتے ہیں۔"

وہ سیٹ بدلنے لگے۔ پہلے سجاد ایک طرف ہٹ گیا اور گارڈ آگے بڑھ کر اس کی سیٹ پر بیٹھا۔ سجاد پچھلی سیٹ پر آگیا۔ اس کے بعد دوسرا گارڈ اعلیٰ بی بی کی طرف گیا اور اعلیٰ بی بی اس کی سیٹ پر پیچھے آگئی۔ اس کی سیٹ پر بیٹھنے والے گارڈ نے پائلٹ کے قریب جھک کر آلات کو دیکھا۔ اسی وقت شیشہ تڑخنے کی ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ سب نے چونک کر دیکھا۔ قطب نما کا شیشہ تڑخ گیا تھا اور اس کی سوئی ٹیڑھی ہو کر ایک طرف مڑ گئی تھی۔ گارڈ نے ہاتھ بڑھا کر سوئی کو چھُوا اور کہا "او گاڈ! ٹرانسمیٹر کے مائیک کی طرح یہ سوئی بھی ذرا سی پگھل گئی ہے۔ اسے بھی کسی طرح آنچ لگی ہے مگر کیسے؟"

واقعی حیرانی کی اس انتہا کو پہنچنے کا مقام تھا، جہاں انسانی عقل کام نہیں کرتی اور آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ انسانی عمل نہیں بلکہ کوئی روحانی عمل ہے۔ میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے کہا "بھئی حیرت کی انتہا ہو رہی ہے۔ وہاں ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں جنھیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً یہ کہ ابھی قطب نما کا شیشہ آپ ہی آپ تڑخ گیا۔ اس کی سوئی ٹیڑھی ہو گئی۔ یوں پگھل گئی جیسے اُسے آنچ دکھائی گئی ہو۔"

"تعجب ہے، یہ سب کیسے ہو رہا ہے جب کہ ہیلی کاپٹر زمین پر ہے نہ آسمان پر، اس میں صرف پانچ افراد ہیں۔ میرا خیال ہے، اب اعلیٰ بی بی کے دماغ میں جھانک کر دیکھنا ہی ہو گا۔ صرف وہی ایک رہ گئی ہے جس کو تم نے چیک نہیں کیا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ چپکے سے اپنی سوچ کی لہریں وہاں نشر کروں گا۔ اگر وہ محسوس کرے گی، مجھے مخاطب کرے گی، تب بھی میں جواب نہیں دوں گا۔ دیکھتا ہوں، وہ کیا سمجھتی ہے اور اپنے طور پر میرے متعلق کیا فیصلے کرتی ہے۔"

میں صوفے پر پلتھی مار کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ سانس سینے میں روک لی پھر بہت آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے اپنی سوچ کی لہروں کو اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچانے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر میں سفر کرنے والے ساتھیوں کی گفتگو سُن رہی تھی اور اس میں حصہ بھی لے رہی تھی۔ جیسے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچا، وہ ایک ذرا چپ ہوئی، ذرا سنبھلی پھر اسی طرح گفتگو میں حصہ لینے لگی۔ یہ تاثر دینے لگی جیسے وہ اپنے دماغ میں سوچ کی لہریں محسوس نہیں کر رہی ہے۔ میں بھی خاموش رہا۔ دیکھنا چاہتا تھا، وہ کب تک انجان بنی رہ سکتی ہے۔

ذرا دیر بعد ہی وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گئی پھر اپنی مالا کے ایک موتی کو دائیں ہاتھ کی چٹکی سے تھام لیا۔ اب اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"میں اعلیٰ بی بی ہوں۔ اس عہدے کو حاصل کرنے کے لیے ذہانت، چالاکی، معاملہ فہمی اور حاضر دماغی سے فیصلہ کرنے کے امتحانات پاس کرنا لازمی تھے اور میں ہر امتحان میں پاس ہوتی گئی۔ بابا فرید واسطی جیسے عظیم انسان نے مجھے معاملہ فہم اور حاضر دماغ تسلیم کیا ہے پھر میں یہودیوں کے درمیان میں آکر کیسے معاملہ فہمی اور حاضر دماغی سے کام نہ لیتی۔ انھوں نے تنویمی عمل کے ذریعے مجھے دوست بننے کی طرف مائل کیا۔ میں مائل ہونے لگی۔ بابا صاحب نے مجھے یہی سکھایا ہے، دُشمن دوستی کا فریب دے کر ساتھ چلنے کے لیے کہے تو انکار نہ کرو۔ اس کے ساتھ چلو۔ ساتھ چلتی جاؤ۔ کسی نہ کسی مقام پر فریب کھلے گا اور تمھیں اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نظر آجائے گا۔ میں اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے بابا صاحب کے مشورے پر جب بھی عمل کیا ہے ہمیشہ کامیاب رہی ہوں۔ آج مجھے خوشی ہے کہ میں بڑی کامیابی سے سجاد کو یہودیوں کے چنگل سے نکال کر لے جا رہی ہوں۔"

میں نے چونک کر پوچھا "کیا تم سجاد کو سجاد ہی سمجھ رہی ہو؟ کیا تم ....؟"

"بس کرو، فرہاد! تم نے اعلیٰ بی بی کو موم کی مُورت سمجھ لیا تھا۔ میں تمھارے اس رویّے سے ناراض نہیں ہوں کہ تم نے پیرس میں مجھے خوابیدہ حالت میں ہپناٹزم کے ذریعے اپنی معمولہ بنایا اور میں چپ چاپ تمھاری معمول بنتی رہی تمھیں احساس تک نہ ہونے دیا کہ میں ڈھونگ رچا رہی ہوں۔"

"میں حیران ہوں۔ کیا تم اس قدر حیرت انگیز قوتِ ارادی کی مالک ہو کہ میں اور ربی اسفندیار دونوں ہی تم پر تنویمی عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں؟"

"ربی اسفندیار کیا چیز ہے! میں وہ عورت ہوں جس نے بچپن سے جوانی تک کے کتنے ہی قیمتی سال بابا صاحب کے قدموں میں گزارے ہیں۔ ان سے صرف جدید علوم ہی نہیں بلکہ روحانیت کے سلسلے میں بھی بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ میں سانس روک لیتی ہوں اور اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتی ہوں حتیٰ کہ ربی اسفندیار جیسا جہاندیدہ، تجربہ کار ہپناٹزم کے ماہر کا تنویمی عمل بھی مجھ پر اثر نہ کر سکا۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے میری قوتِ ارادی۔ یہ قوت انتہا کو پہنچے تو روحانی قوت میں بدل جاتی ہے۔"

"جب میں پیرس میں تم پر تنویمی عمل کر رہا تھا تو تم نے خود کو مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"تمھارے ارادے ظاہر ہو گئے تھے۔ تم اپنے آپ کو مجھ سے چھُپانا چاہتے تھے تمھیں اندیشہ تھا کہ میں یہودیوں کے جنگل میں پھنس جاؤں گی اور وہ میرے ذریعے تمھاری حقیقت معلوم کر لیں گے کہ تم ان کی گرفت میں نہیں ہو۔ پیرس میں آزادانہ گھوم رہے ہو۔ میں نے تمھاری تسلی کے لیے تمھاری معمول بننا گوارا کر لیا لیکن فرہاد! تم نے میرے اعتماد کو بڑی زبردست ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"تعجب ہے۔ میں نے تمھارے اعتماد کو کب ٹھیس پہنچائی ہے؟"

"میں نے تمھاری معمول بننے کے بعد سوچا تھا، کبھی میری زندگی میں کوئی ایسی گھڑی آئے گی جب مجھے تمھاری معمول بن کر نہیں رہنا ہو گا۔ تم خود ہی مجھے اپنے تنویمی عمل سے آزاد کرو گے اور مجھے کسی خطرے سے آگاہ کرو گے یا مجھے کسی گڑھے میں گرنے سے بچاؤ گے۔"

"ایسا تمھارے ساتھ کب ہوا ہے؟ کیا میں ہمیشہ تمھاری خبر نہیں رکھتا رہا؟"

"بے شک تم نے میری خبر رکھی۔ اس وقت بھی جب میں پہلی بار کاہال تنظیم کے سربراہ اور دوسرے یہودیوں کے ساتھ اس رہائش گاہ میں گئی جہاں سجاد میرا منتظر تھا اور وہ فرہاد کی حیثیت سے مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ جب یہودی اس رہائش گاہ کے برآمدے میں پہنچے تو وہ مجھے کھینچتا ہوا دروازے کے دوسری طرف لے گیا پھر اس نے دروازے کو بند کر دیا اُس وقت میں نے سوچا تھا، ایسا کوئی وقت آیا تو تم فوراً میرا بچاؤ کرو گے۔ میں نے اپنے دماغ میں بار بار تمھیں ڈھونڈا لیکن تمھاری سوچ کی لہر محسوس نہیں ہوئی اور میرا دل ٹوٹ گیا۔ گویا تم نے مجھے سجاد کے حوالے کر دیا تھا۔ بولو، تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں؟ ہرگز نہیں۔ میری زندگی میں اب کوئی نہیں آسکتا اور تم بھی نہیں آسکتے۔ میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ پلیز، میرے دماغ سے چلے جاؤ۔"

"غصہ دکھانے سے پہلے میری بات بھی سُن لو۔"

"میں کچھ نہیں سُنوں گی۔"

"تم یقیناً معاملہ فہم، حاضر دماغ، ذہین، چالاک اور جانے کیا کیا ہو۔ اس کے باوجود ایک عورت ہو۔ جب عورت اپنے کسی ذاتی مسئلے کو اپنی اَنا کا سوال بنا لیتی ہے تو اس کی ساری معاملہ فہمی، حاضر دماغی اور ذہانت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ کیا یہی تمھاری معاملہ فہمی ہے کہ خود تو غصہ دکھاؤ اور مجھے صفائی کا موقع بھی نہ دو؟"

"تم صفائی میں کیا کہو گے؟ کیا میں تمھاری مکاریوں کو نہیں سمجھتی ہوں؟"

"اچھا تو سمجھتی رہو۔ میں جا رہا ہوں لیکن تم سے زیادہ دُور نہیں رہوں گا۔ جب بھی مجھے دیکھنا چاہو، سجاد کو دیکھ لینا۔ جب بھی میرے آنے کی توقع کرو تو اس کی آنکھوں میں جھانک لینا .... خدا حافظ۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ سونیا نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"اعلیٰ بی بی پورے فارم میں ہے۔ ہم اسے غلط سمجھ رہے تھے۔" میں اعلیٰ بی بی کے متعلق بتانے لگا۔

وہ حیرانی سے سُنتی رہی پھر سوچتے ہوئے بولی "واقعی وہ بہت گہری ہے لیکن ہمارے درمیان ہمیشہ ایک معمولی عورت کی طرح رہتی ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے کچھ جانتی نہ ہو۔ ہم جو مشورہ دیتے ہیں اسے قبول کر لیتی ہے۔ جیسے ہم پلاننگ کرتے ہیں، اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔ اب تک تو یہی ہوتا آیا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا، آخر یہ کس لیے اعلیٰ بی بی بنائی گئی ہے؟"

"اصل بات یہ ہے کہ اس نے کبھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بابا صاحب کی سچی شاگرد ہے یعنی دوسرے جب کچھ کرتے ہوں تو وہ اپنی اِنرجی ضائع نہیں کرتی۔ خاموش تماشائی بنی رہتی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی یہ تماشائی بنی رہی۔ اب چونکہ وہ تنہا رہ گئی تھی اور اس کے سوا ہیلی کاپٹر میں کوئی اپنی کارکردگی نہیں دکھا سکتا تھا، لہٰذا وہ دکھا رہی ہے کہ اعلیٰ بی بی کیا چیز ہے اور وقت آنے پر وہ کیا کر سکتی ہے۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا "بے چارے ہیلی کاپٹر میں سفر کرنے والے کبھی ایسی خاموش طبع اور بے ضرر عورت پر شبہ نہیں کریں گے ذرا معلوم تو کرو۔ کیا اس نے اس مالا کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے؟"

"ابھی تو وہ نخرے دکھا رہی ہے۔ مجھ سے ناراضگی ظاہر کر رہی ہے۔ بعد میں معلوم ہو ہی جائے گا کہ اگر وہ مالا کو استعمال کر رہی ہے تو کس طرح!"

میں سوچ کے ذریعے باتیں بھی کر رہا تھا اور سجاد کے پاس پہنچ کر وہاں کے حالات کا بھی جائزہ لیتا جا رہا تھا۔

سونیا نے پوچھا "اگر اعلیٰ بی بی نے ٹرانسمیٹر کے مائیک اور قطب نما کو نقصان پہنچایا ہے تو اس کا مقصد کیا ہے؟ کچھ معلوم تو کرو۔"

"میں فی الحال اعلیٰ بی بی سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ عورت ناراض ہو، زیادہ نخرے دکھا رہی ہو تو اس کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ اسے احساس دلانا چاہیے کہ اگر شکایات جائز ہوں تو مرد روٹھی ہوئی عورت کو بار بار مناتا ہے لیکن وہ خواہ مخواہ ناراض ہوتی رہے تو اُسے لفٹ نہیں دیتا۔ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔"

"ویسے دل کی بات کہتا ہوں۔ میری نظروں میں اس کی توقیر بڑھ گئی تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو دل پر کسی کا نام لکھتی ہیں تو پھر اُس کی جگہ کسی دوسرے کا نام لکھنا گوارا نہیں کرتیں۔ دل مٹ جائے تو مٹ جائے۔ محبوب کا نام وہاں سے نہیں مٹتا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ ہیلی کاپٹر والوں کو ایسی سچویشن میں لے آئی تھی کہ وہ زمین کے رہے تھے نہ آسمان کے۔ اُن کے دوست ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے سامنے بس ایک ہی راستہ تھا کہ قطب نما کے بغیر سفر کرتے رہیں اور ایندھن کا خیال رکھیں۔ جہاں مناسب جگہ دیکھیں، وہاں ہیلی کاپٹر کو اتار دیں۔

میں نے سونیا سے کہا "ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم نہ ہو تب بھی وہ قطب نما کے ذریعے اناطولیہ سے آگے جا کر ازمیر پہنچ سکتا ہے ـــــ شاید اعلیٰ بی بی کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ ازمیر جائے اسی لیے اس نے راستہ بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہیلی کاپٹر اب بھٹک رہا ہو گا۔ کسی مناسب جگہ کی تلاش میں ہو گا لیکن چاند کی روشنی سے ہیلی کاپٹر

کی سرچ لائٹ بھی ہے۔ اس روشنی میں اُسے کہیں بھی خشکی پہ اُتارا جا سکتا تھا۔

میں نے پائلٹ کی سوچ کا جائزہ لیا۔ وہ خوف زدہ تھا۔ سوچ رہا تھا ' ٹرانسمیٹر تباہ ہو گیا۔ قطب نما کام نہیں آ رہا ہے۔ سی طرح اگر کوئی اور خرابی پیدا ہو گئی تو ہم مارے جائیں گے۔ ہمارے نیچے دور تک سمندر ہے۔ ہم ایسے ڈوبیں گے کہ تلاش کرنے والی پارٹیاں بھی ہمارا سراغ نہیں لگا سکیں گی '

ایک مسلح جوان نے جھنجلا کر کہا "سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ اچانک دو دو خرابیاں کیسے پیدا ہو گئیں؟ ہم اپنے لوگوں کو اطلاع بھی نہیں دے سکتے۔"

سجاد نے پوچھا "اگر اطلاع دیتے تو کیا وہ یہاں آ کر یہ خرابیاں دور کر دیتے؟"

وہ مایوس ہو کر بولا "ہاں۔ کوئی یہاں آ کر کچھ نہیں کر سکتا۔"

"میں کر سکتا تھا لیکن تم لوگوں نے یعنی تمہارے بڑوں نے مجھے بےدست و پا بنا دیا ہے۔ اگر میری ٹیلی پیتھی بحال ہوتی تو میں اس ہیلی کاپٹر کے باہر کے متعلقہ لوگوں کو اپنی موجودہ سچویشن سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے کہ ہم کہیں ڈوب مریں، ہیلی کاپٹر کسی چٹان سے ٹکرا جائے، یقیناً ہمارے لیے بیرونی امداد پہنچ جاتی۔"

سب نے اس کی تائید کی، سب سوچ رہے تھے، کاش اس وقت فرہاد علی تیمور کے پاس ٹیلی پیتھی ہوتی۔ واقعی ایسے وقت یہی ایک ہتھیار کام آ سکتا تھا۔

میں نے کاہال تنظیم کے عہدے داروں کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ ان میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ایک تو ان کا ہیلی کاپٹر لاپتا ہو گیا تھا۔ اس پر سب سے اہم بات یہ کہ فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی ہاتھ سے نکل رہے تھے۔ بلکہ اپنی موت کے بعد اُن کے لیے بدنامی وہ جواب وہی کا ایک طویل سلسلہ چھوڑنے والے تھے

اسرائیلی حکام اپنے تمام دوست ممالک سے رابطہ قائم کر رہے تھے اور ان سے درخواست کر رہے تھے کہ وہ اپنے اپنے ملک سے طیارے اور ہیلی کاپٹر ان کے لیے فراہم کریں تاکہ اس گمشدہ ہیلی کاپٹر کو تلاش کیا جا سکے۔ انھیں دوست ممالک سے بھرپور تعاون حاصل ہو سکتا تھا لیکن تعاون حاصل کرنے میں خاصا وقت لگتا ہے۔ رات کا ڈیڑھ بج گیا تھا۔ شیڈول کے مطابق اس ہیلی کاپٹر کو اناطولیہ پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن ہیلی کاپٹر میں موجود لوگوں کو اس کے سائے میں زمین نظر نہیں آ رہی تھی۔ سمندر ہی سمندر دکھائی دے رہا تھا۔ ایک گارڈ نے پائلٹ سے کہا "ذرا ایندھن چیک کرو۔ ہم کتنی دیر تک پرواز کر سکتے ہیں؟"

"تقریباً دو گھنٹے تک کوئی اندیشہ نہیں ہے لیکن یہ پرواز کب تک جاری رہے گی؟ جب خشکی کا کوئی حصہ نظر نہیں آئے گا اور ایندھن ختم ہو جائے گا تب کیا ہو گا؟"

یہ سوال میرے دماغ میں بھی چبھنے لگا۔ میں نے سونیا سے کہا "بڑی سخت تشویشناک سچویشن ہے۔ دو گھنٹے تک خشکی کا کوئی حصہ نظر نہ آیا تو وہ سب سمندر میں جا ڈوبیں گے۔"

"اگر ٹرانسمیٹر اور قطب نما میں خرابی پیدا کرنے کی ذمے دار اعلیٰ بی بی ہے تو اس نے کچھ سوچ کر ہی ایسا کیا ہو گا۔ وہ اتنی نادان نہیں ہو سکتی۔"

میں پھر ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اعلیٰ بی بی پائلٹ سے پوچھ رہی تھی "اس سروس میں تمہارا کتنا تجربہ ہے؟"

"میں دس برس سے ایک قابلِ اعتماد پائلٹ ہوں۔"

"کیسے تجربہ کار پائلٹ ہو؟ کیا یہاں کا جغرافیہ تمہارے ذہن میں نہیں ہے؟ جس سمندر پر ہم پرواز کر رہے ہیں اس کے چاروں طرف اسرائیل، لبنان، ترکی، یونان، اٹلی، سسلی، لیبیا، مصر ساری کی زمینیں ہیں۔ ایک سمت میں سیدھی پرواز جاری رکھی جائے تو دو گھنٹے میں ہم کسی نہ کسی خشکی کے حصے میں پہنچ جائیں گے۔"

"آپ درست کہتی ہیں۔ مجھے ایک ہی سمت میں پرواز کو جاری رکھنا چاہیے۔"

وہ بولی "یہ ایک پائلٹ کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ طیارے یا ہیلی کاپٹر کے بارے میں تکنیکی مہارت رکھتا ہو۔ اسے جغرافیائی محلِ وقوع، موسمیات، ارضی اور بحری نقشوں اور سمتوں کا مکمل علم ہونا چاہیے اور سب سے بنیادی بات یہ کہ ایسے آزمائشی اوقات میں حاضر دماغی سے کام لینا چاہیے۔"

"سوری مادام! میں یہاں پیدا ہونے والی خرابیوں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ یہ میری غلطی تھی۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ تاہم اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ ہمارا ہیلی کاپٹر ایک ہی سمت میں سیدھا جا رہا ہے۔ ہمیں جلد ہی خشکی کا کوئی حصہ نظر آ جائے گا۔"

میں نے گھڑی دیکھی۔ دو بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ ہم نے اپنے کمرے کی لائٹس آف کر دی تھیں۔ صرف زیرو پاور کا ایک بلب روشن تھا۔ میں پھر کاہال تنظیم والوں کے پاس پہنچ گیا۔ تمام اعلیٰ حکام کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ ہیلی کاپٹر کی گمشدگی کو زیادہ سے زیادہ دیر راز میں رکھنا چاہتے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ یہ بات ابھی سونیا کو معلوم نہ ہو۔ معلوم ہو گی تو کل آزادی کا دن بربادی کے دن میں تبدیل ہو جائے گا۔

سونیا نے مجھ سے معلومات حاصل کرنے کے بعد کہا "وہ اپنی پریشانی کو زیادہ دیر نہیں چھپا سکیں گے۔ انھوں نے مواصلاتی سیارے کے ذریعے جو ٹی وی پروگرام پیش کیا ہے اب وہ اس کے پابند ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ بابا صاحب کے ادارے میں بھی ٹی وی کیمرے نصب کیے

جا رہے ہیں تاکہ اعلیٰ بی بی اور فرہاد کے وہاں پہنچنے تک کا منظر دکھایا جا سکے۔ انھیں صبح پانچ بجے وہ منظر دکھانا ہو گا۔ نہیں دکھانے کا مطلب یہی ہو گا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ایسے ہی وقت میں میری طرف سے کوئی جوابی کارروائی ہو سکے گی۔"

میں نے کہا "ابھی تو اعلیٰ بی بی اور سجاد کی طرف سے پریشانی ہے۔ وہ کہیں بخیریت پہنچ جائیں تو ہمیں اطمینان ہو گا۔"

میں پھر ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت پائلٹ کہہ رہا تھا۔ "ہم پہنچ رہے ہیں۔ زمین کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

وہ سرچ لائٹ کو ایک مخصوص زاویے تک لا رہا تھا اور ہیلی کاپٹر کی پرواز کو ذرا نیچے کر رہا تھا۔ سب نے سرچ لائٹ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔ چاندنی رات کے باوجود زمین کا وہ حصہ کچھ زیادہ واضح نہیں تھا۔ پائلٹ نے کہا "یہ اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں۔ خدا کا شکر ہے، فضا کہر آلود نہیں ہے ورنہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے ہیلی کاپٹر کے ٹکرانے کا اندیشہ ہوتا۔"

ایک گارڈ نے مشورہ دیا "اسے جلدی سے کسی مناسب جگہ اتارنے کی کوشش کرو۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ ایندھن بچانا چاہیے تاکہ دن کی روشنی میں یہاں کا جغرافیہ معلوم ہو سکے اور ہم کسی قریبی شہر تک پہنچ سکیں۔"

میں نے سونیا کو بتایا "وہ خشکی کے کسی حصے میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ کون سا ملک اور شہر ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے بہرحال وہ اب محفوظ رہیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد پھر میں نے سجاد کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اب وہ ہیلی کاپٹر کہیں اتر رہا تھا۔ چاروں طرف بلند پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف چٹانوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ جگہ یوں لگ رہی تھی جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں اترتے جا رہے ہوں۔ پائلٹ کی سوچ نے بتایا کہ اسے فی الحال یہی مناسب جگہ نظر آ رہی ہے۔ کسی اور جگہ کی تلاش کے لیے پرواز کو جاری رکھا جاتا تو کسی چٹان سے ٹکرانے کا اندیشہ رہتا۔ اسی لیے اس نے وہیں اترنا مناسب سمجھا تھا۔ بہرحال سجاد نے گھڑی دیکھی۔ وہ تین بجے زمین پر پہنچ گئے تھے۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہے۔ سرچ لائٹ کو چاروں طرف گھما کر دیکھتے رہے۔ کسی سمت پچاس گز، کسی سمت سو گز اور کہیں دو سو گز کے فاصلے پر بلند پہاڑیاں یوں لگ رہی تھیں جیسے ان کے چاروں طرف سخت پتھروں اور چٹانوں کی دیواریں چن دی گئی ہوں۔ آس پاس کھلی فضا نہیں تھی۔ کھلا آسمان بھی تھا یا نہیں یہ دیکھنے کے لیے انھیں ہیلی کاپٹر سے باہر نکلنا پڑتا لیکن ابھی وہ نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ اس علاقے کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے تھے کہ کہاں ہیں؟ باہر نکلنے میں کوئی خطرہ تو پیش نہیں آئے گا

یا اس ویرانے میں وہ محفوظ رہیں گے۔

میری سوچ کی لہریں اعلیٰ بی بی کے دماغ تک پہنچیں۔ اس نے محسوس کیا لیکن میری آمد پر اعتراض نہیں کیا۔ میں نے کہا "میں تمھیں منانے نہیں آیا ہوں۔"

"مجھے منانے جانے کا شوق نہیں ہے۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔ سونیا کو بھی شوق نہیں ہے۔ تم نے بارہا دیکھا ہے کہ میں بلاوجہ سونیا کو نظر انداز کر دیا کرتا ہوں۔ لیکن طویل مدت کے بعد جب ہم ملتے ہیں تو تمام گلے شکوے آپ ہی آپ دور ہو جاتے ہیں......... محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تمھیں محبت کے آداب سمجھ میں آ جائیں گے تمہاری ناراضگی دور... ہو جائے گی۔"

"میں تمہارا لیکچر سننا نہیں چاہتی۔ بولو، کیوں آئے ہو؟"

"تم نے ٹرانسمیٹر اور قطب نما میں خرابی کیوں پیدا کی اور کیسے پیدا کی؟"

اس نے سر جھکا کر اپنی مالا کو دیکھا۔ پھر اس کے ایک موتی کو ایک چٹکی میں تھام لیا۔ اس کے بعد کہنے لگی "میں یہ مالا پہن کر تل ابیب پہنچی تھی۔ وہاں میرے تمام سامان کی تلاشی لی گئی۔ اس مالا کے متعلق کئی طرح کے سوالات کیے گئے۔ میں نے اسے اتار کر ان کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے اسے تین دن تک اپنے پاس رکھا۔ پتا نہیں اسے کتنے ماہرین کو دکھایا ہو گا۔ بہرحال میں جانتی تھی اسے کوئی سمجھ نہیں پائے گا اور کوئی اس مالا کو نقصان بھی نہیں پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ ہم سے دوستی کرنا چاہتے تھے اور جس سے دوستی کرنا ہو، اس کی کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ ہاں اگر وہ نقصان پہنچاتے، اس مالا کے کسی ایک موتی کو بھی توڑ دیتے تو شاید ماہرین اس میں سے کسی راز کو پا لیتے۔"

میں نے پوچھا "میں وہی راز جاننا چاہتا ہوں۔"

وہ چند لمحوں تک چپ رہی۔ پھر اس نے کہا "ان موتیوں میں اٹامک ری ایکٹر کے ذریعے حاصل کی ہوئی شمسی توانائی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شمسی توانائی ہم نے کیسے حاصل کی جبکہ یہ ایک بہت ہی مہنگا پردیس ہے۔ دنیا کی چند بڑی حکومتیں اس سے استفادہ کرتی ہیں ۔۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب بابا فرید واسطی صاحب اٹلی میں تابکاری اثرات کے ایک انسٹی ٹیوٹ کے ریسرچ اسکالر تھے۔ وہاں شمسی توانائی کو بھٹی کی شکل میں محفوظ کر کے اس کے منظم طور پر انخلا کے طریقوں پر تجربات ہو رہے تھے۔ یورینیم اور پلاٹونیم کے وہ اجزا جو قابلِ تقسیم ہوتے ہیں انھیں ایندھن کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ سائنسداں شمسی توانائی کو بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز میں ذخیرہ کرنے کے تجربات کر رہے تھے۔ بابا فرید واسطی صاحب نے ان سائنسدانوں کی لاعلمی میں خفیہ طور پر ان موتیوں میں شمسی توانائی کو محفوظ

کرنے کا تجربہ کیا اور اس میں کامیاب رہے۔"

اعلیٰ بی بی نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا "ان موتیوں میں شمسی توانائی سے حاصل کی ہوئی حرارت محفوظ ہیں۔ یہ حرارت جب ایک موتی سے خارج ہوتی ہے تو کسی کو نظر نہیں آتی لیکن اپنے ہدف پر رسیدگی پہنچ کر اسے پگھلا دیتی ہے اور وہ ناکارہ ہو جاتی ہے۔"

اعلیٰ بی بی کہہ رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔ وہ جس تفصیل سے بیان کر رہی تھی اگر میں وہ تفصیل رقم کروں تو ہمارے بیشتر قارئین کو اس سے دلچسپی نہیں ہوگی۔ صرف وہ حضرات دلچسپی سے پڑھیں گے جو سائنسی معلومات حاصل کرنے پر خاصی توجہ دیتے ہیں۔ میں مختصر طور پر اتنا کہہ دوں کہ ان موتیوں سے جو مختلف رنگ نمایاں ہوتے رہتے تھے ان کی بنیاد سائنس کے اس کلیے یا اصول پر ہے کہ دو آئینے ایک دوسرے کے سامنے ساٹھ درجے کے زاویے پر رکھے جائیں تو ان سے مختلف رنگوں کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔ ان تجربات کے نتیجے میں جو آلہ تیار کیا جاتا ہے، اسے کلائیڈاسکوپ کہتے ہیں۔ وہ موتی بھی کلائیڈاسکوپ کی مانند تھے۔ اگر کسی شیشے کی نلکی میں شیشے کی پٹیوں کو اس طور پر رکھا جائے کہ نلکی کو گھمانے پر شیشے کی وہ پٹیاں ذرا ایک دوسرے سے ہٹ جایا کریں تو اس طرح باہمی انعکاس کی وجہ سے اس کے اندر سے نئے نئے دلکش چمکدار نمونے ظاہر ہوں گے اور وہ رنگوں کی صورت میں ہوں گے۔

مالا کے وہ موتی قدرتی نہیں تھے بلکہ صناعی کا بہترین نمونہ تھے۔ انھیں سائنس کے اسی کلیے کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ جب تک ان موتیوں میں شمسی توانائی سے حاصل کی ہوئی حرارت محفوظ رہتی تھی اس حرارت کے باعث وہ موتی چمکتے دمکتے رہتے تھے اور مختلف رنگوں کی نمائش کرتے رہتے تھے۔ جب ان سے حرارت خارج ہو جاتی تھی تو وہ رنگ ماند پڑ جاتے تھے۔ ابھی اعلیٰ بی بی نے ایک موتی کو استعمال کیا تھا اور اس کے ذریعے ٹرانسمیٹر اور قطب نما کو بیکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے اس موتی میں حرارت کم پڑ گئی تھی۔ اس کی چمک بھی ماند پڑ گئی تھی لیکن دوسرے دن اگر وہ اسے دھوپ میں اس طرح رکھتی کہ دو آئینے ساٹھ درجے کے زاویے پر رکھے جاتے، سورج کی شعاعیں ان آئینوں پر پڑتیں اور ان آئینوں سے منعکس ہونے والی شعاعیں اس موتی تک پہنچتیں تو پھر اتنی ہی حرارت اس موتی میں ذخیرے کی صورت میں محفوظ ہو جاتی۔

میں نے یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ بی بی سے پوچھا "یہ باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ اب یہ بتاؤ کہ ان موتیوں سے حرارت کیسے خارج ہوتی ہے؟ یہودی ماہرین نے انھیں ہر طرح سے پرکھا ہے۔ حرارت کے خارج ہونے کا کوئی تو راستہ انھیں نظر آنا چاہیے تھا۔"

وہ ہار کو اپنی گردن میں گھماتے ہوئے اس حصے پر پہنچی جہاں ہار کو عام طور سے ہک کے ذریعے منسلک کیا جاتا ہے لیکن اس مالا میں ہک نہیں تھا۔ اس کی جگہ مستقل جوائنٹ نظر آتا تھا اور جوائنٹ کے دو سروں کو چٹکیوں سے تھام کر دبایا جائے تو ہلکی سی ٹک کی آواز آتی تھی۔ آواز اتنی ہلکی ہوتی تھی کہ کان کے قریب لانے سے ہی سنائی دیتی تھی۔ اعلیٰ بی بی کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ کان کے قریب لا کر سنتی۔ وہ اس مالا کو آپریٹ کرنا جانتی تھی۔ اندازے سے اس جوائنٹ کو ہولے ہولے دباتی تھی۔ پہلی مرتبہ سات بار دبایا جاتا تھا۔ اس کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ ہوتا تھا۔ پھر آٹھ بار دبایا جاتا تھا۔ پھر چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد چھ بار وہی عمل ہوتا تھا۔ اس طرح بسم اللہ کے اعداد سات سو چھیاسی بن جاتے تھے۔ جب یہ اعداد مکمل ہو جاتے تو اس مالا کا ہر موتی اپنے اندر کی حرارت کو خارج کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اعلیٰ بی بی کسی ایک موتی کو ایک چٹکی میں دبا کر اسے ہونٹوں کے درمیان رکھتی تھی۔ پھر ہولے سے پھونک مارتی تھی۔ دوسری طرف سے حرارت خارج ہو کر ٹھیک اپنے ہدف تک پہنچ جاتی تھی۔

ہیلی کاپٹر کے اندر بہت دیر تک خاموشی رہی۔ وہ وہیں بیٹھے ہوئے چاروں طرف دیکھتے رہے اور اس جگہ کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر پائلٹ نے کہا "کسی ایک گارڈ کو باہر نکلنا چاہیے۔"

ایک گارڈ نے کہا "نکلنے سے پہلے ہلکارنے کا اندازہ اختیار کرنا چاہیے مثلاً دروازے کو ذرا سا ہٹا کر ہوائی فائرنگ کرنی چاہیے۔ اگر جنگلی درندے ہوں گے تو فائرنگ کی آواز سے بھڑک کر دور چلے جائیں گے۔"

سنجاد نے کہا "اگر دشمن ہوں گے تو فائرنگ کی آواز سے محتاط ہو جائیں گے اور وہ ہمیں بڑی ہوشیاری سے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "میرا خیال ہے اس ویرانے میں کوئی انسان نہیں ہے۔ اگر غیر مہذب اور جنگلی لوگ ہوں گے تو ان کے پاس جدید قسم کے ہتھیار نہیں ہوں گے۔ ہمارے جوانوں کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔"

آخر کاک پٹ کو ایک طرف سے ذرا ہٹایا گیا اور ایک گارڈ نے ریوالور نکال کر اس کا رخ آسمان کی طرف کر کے فائر کیا۔ فائر کی آواز دور تک گونجتی گرجتی چلی گئی۔ ویران علاقے میں سناٹا ہو اور وہ جگہ چاروں طرف سے اونچی اونچی پہاڑی چٹانوں سے گھری ہوئی ہو تو آواز بہت دیر تک گونجتی رہتی ہے۔

فائر کے بعد وہ دیر تک چپ چاپ بیٹھے گونجتی ہوئی آواز کی بازگشت سنتے رہے پھر رفتہ رفتہ وہی سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد ایک گارڈ نے کاک پٹ سے باہر سر نکال کر چیختے ہوئے کہا "کوئی یہاں ہے؟ ہم اپنی منزل سے بھٹک گئے ہیں۔ یہاں کسی کی مدد چاہتے ہیں۔ کوئی ہماری رہنمائی کرے۔ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟"

اس کی آواز دور تک گونجتی جا رہی تھی۔ آخری الفاظ "کوئی ہے"

پھر ہے... ہے... ہے کی گونج سنائی دیتی رہی لیکن جواب میں کسی کی آواز سنائی نہیں دی۔ اعلیٰ بی بی نے کہا "ہم خواہ مخواہ سہمے ہوئے ہیں جبکہ ہمارے پاس ہتھیار بھی موجود ہیں۔ ہمیں باہر نکلنا چاہیے۔ ایک جائزہ لینا چاہیے۔"

پائلٹ نے کہا "میں یہیں رہوں گا۔"

دوسرے گارڈ نے کہا "چار بج رہے ہیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ابھی خاصی دن کی روشنی پھیل جائے گی۔ اس وقت ہمارے لیے بہتر نہیں ہوگا۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔"

سب سہمے ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو ایک بڑے سے کنویں کی تہہ میں محسوس کر رہے تھے۔ باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ اعلیٰ بی بی نے کہا "اچھی بات ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک ہم انتظار کرتے ہیں۔"

میں نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ سونیا کے پاس آ کر وہاں کے حالات بھی بتائے اور اس مالا کے متعلق بھی بتایا۔ اس نے تمام باتیں سن کر کہا "اعلیٰ بی بی کو اس مالا کے متعلق پہلے سے بہت کچھ معلوم تھا لیکن وہ ہم سے چھپاتی رہی۔"

"وہ بابا صاحب کی ہدایت پر مجبور رہی ہوگی۔ انھوں نے منع کیا ہوگا کہ یہ راز کسی پر فاش نہ کیا جائے۔ ویسے بھی بابا صاحب اپنی زندگی میں مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔ انھوں نے اعلیٰ بی بی کو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مجھ سے ذرا دور رہا کرے۔ قریب ہونے کی کوشش نہ کرے۔"

سونیا نے طنزیہ انداز میں کہا "کسی کے سمجھانے سے کیا ہوتا ہے۔ بے چاری قریب ہو ہی گئی۔ بے چاری اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس کا قصور نہیں ہوگا، تمھارے ہتھکنڈے ہوں گے۔"

"تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔"

"ہاں بھول جاتی ہوں کہ چکنے گھڑے ہو۔ چلو اب ہمیں اطمینان ہو گیا ہے کہ اعلیٰ بی بی اور سنجاد خیریت سے ہیں۔"

"ٹی وی کے اعلان کے مطابق اب انھیں بتانا چاہیے کہ اعلیٰ بی بی اور سنجاد پیرس میں بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے تک پہنچ گئے ہیں۔"

"اور وہ نہیں بتا سکیں گے لہٰذا انھیں میری طرف سے دھمکی ملنی چاہیے۔"

"سوچ رہا ہوں کسی دوسری عورت کو تمھاری جگہ استعمال کروں۔"

"سوچنے کی کیا بات ہے؟ بڑی دیر سے رسونتی کا خیال آ رہا ہے۔ وہ تل ابیب میں موجود ہے۔ اسے استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

میں نے ناگواری سے کہا "میں اسے طلاق دے چکا ہوں۔ وہ میرے لیے نامحرم ہے۔"

"نامحرم ہی سہی۔ اس سے رشتہ جوڑنے کے لیے تو نہیں کہہ رہی ہوں۔ چپ چاپ اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے آلۂ کار بناؤ۔"

"میں بہت زیادہ دینی معلومات رکھنے والا مسلمان نہیں ہوں لیکن جو اسلامی اصول میرے علم میں ہیں میں ان کی تہہ تک پہنچ کر معلوم کر سکتا ہوں کہ ہمارے اسلام میں ان اصولوں کا پابند کیوں بنایا گیا ہے۔ مثلاً طلاق کے بعد عورت نامحرم ہو جاتی ہے۔ حرام ہو جاتی ہے۔ اس سے کسی طرح کا رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر میں رابطہ قائم کروں، اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی اداؤں کو سمجھوں یا اس کی رس بھری آواز سے متاثر ہو جاؤں یا اس کی کوئی حرکت مجھے اس کی طرف مائل کر دے تو میں کیا کوئی بھی انسان جو اپنی سابقہ بیوی سے الگ ہو چکا ہو، بے اختیار اس کی طرف مائل... ہو جائے گا۔ انسان آخر انسان ہوتا ہے۔ غلطیوں کا پتلا۔ شاید اسی لیے ہمارے ہاں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ جو عورت حرام ہو گئی پھر اس پر ایک نظر بھی نہ ڈالی جائے۔ کوشش کی جائے کہ اس کی آواز بھی ہمارے کانوں تک نہ پہنچے۔ ایسا اکثر نہیں ہوتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر سامنا ہوتا ہے لیکن احتیاط لازمی ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "تمھیں طلاق نہیں دینی چاہیے تھی۔ تم اسے معاف کر سکتے تھے۔ بلا سے کبھی نہ ملتے مگر..."

"آگے نہ بولو۔ میں نے ایک نہیں ہزار بار اس کی غلطیاں معاف کیں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ ان یہودیوں کے درمیان مجھے کس طرح اپنی حماقت سے پھنسانے والی تھی؟ جس طرح یہ آج اعلیٰ بی بی اور سنجاد کے ساتھ دوستی کا ناٹک رچا رہے ہیں، اس طرح کا کھیل رسونتی کے ساتھ کھیل چکے تھے۔ وہ ان کے فریب میں آ گئی تھی۔ اگر میں بھی فریب میں آ جاتا تو آج کہاں ہوتا؟ دوسری بار بھی اس نے اپنی حماقت سے دشمنوں کو مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ اگر میں بروقت ہوشیار نہ ہو جاتا اور وہاں سے فرار نہ ہوتا تو سنگاپور کے اس سمندری ساحل پر میری قبر بن

جاتی۔ تب بھی میں نے اسے معاف کیا۔ اس کے بعد اس نے منجالی کو نقصان پہنچایا۔ اس پر بھی معاف کیا لیکن جب منجالی جان سے گئی اور اس کے بعد میری جان جانے کا پورا یقین ہوگیا تب میں نے اس سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کرلیا۔"

"لیکن طلاق دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے چھوڑ دیتے۔ تم کئی بار مجھے مہینے دو مہینے، سال دو سال کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد ہم پھر ایک دوسرے کے ہوگئے۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتا تھا کہ آئندہ وہ کبھی میری ہو جائے۔"

سونیا نے چند لمحوں تک مجھے غور سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "تم بہت سنگدل ہو۔"

"مٹی کا تودا ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو صدیوں تک گرمی برسات اور سردی کی مار کھاتے کھاتے پتھر بن جاتا ہے۔ مجھے کبھی رسونتی کا غرور مارتا رہا، کبھی اس کی حماقتیں نقصان پہنچاتی رہیں۔ ان حالات نے مجھے سنگدل بنا دیا ہے تو حیرانی کی کیا بات ہے۔ کیا تم موضوع بدلنا پسند نہیں کرو گی؟"

"ہاں ان یہودیوں سے اعلیٰ بی بی اور سجاد کا حساب طلب کرنا ہے۔"

"ذرا سوچنے دو۔ میں اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔"

سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹی وی کو آن کردیا۔ اناطولیہ کے ایئرپورٹ پر جس طرح نامعلوم دشمنوں نے حملہ کیا تھا اور وہاں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تھے، اس کی ریکارڈنگ ٹی وی اسکرین پر پیش کی جارہی تھی۔ پس منظر سے آواز آرہی تھی۔ "ہم ناظرین کو یہ منظر دوبارہ دکھا رہے ہیں تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ دشمن مادام اعلیٰ بی بی اور مسٹر فرہاد علی تیمور کو اغوا کرنے کے لیے کیسی کیسی تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم فرانس کے سفیر کو آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ذرا سنیے، یہ کیا فرماتے ہیں۔"

اسکرین پر منظر بدل گیا۔ ایک خوش پوش ادھیڑ عمر کا شخص نظر آرہا تھا۔ وہ فرانس کا باشندہ تھا۔ انگریزی نہیں بول سکتا تھا لیکن پیچھے سے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جارہا تھا۔ "میں تل ابیب میں فرانس کا سفیر ہوں۔ میری یہ خوش قسمتی ہے کہ میں نے مسٹر فرہاد علی تیمور سے ملاقات کی ہے۔ آپ حضرات نے آج رات اسکرین پر دیکھا ہے۔ مسٹر فرہاد علی تیمور اور ان کی ساتھی مادام اعلیٰ بی بی کو ان کے شایانِ شان مہمان بنا کر رکھا گیا تھا اور اتنے ہی اہتمام سے انھیں روانہ کیا گیا تھا۔ یہودیوں سے اگرچہ مسٹر فرہاد علی تیمور کی دوستی ابھی نئی ہے لیکن پائیدار ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں جب مسٹر فرہاد سے ملاقات کرنے گیا تو انھوں نے کہا، کوئی بھی شخص مجھ سے آکر ملاقات کرسکتا ہے۔ یہودی حکام نے ان سے ملاقات کرنے پر کسی طرح کی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ جب سے ان کے ہیلی کاپٹر کے گم ہو جانے کی تشویشناک خبر موصول ہوئی

ہے یہاں کے حکام اس ہیلی کاپٹر کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح ہمارا ملک فرانس بھی بھرپور تعاون کر رہا ہے۔ ہمارے سراغرساں طیارے بھی اس ہیلی کاپٹر کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اس کی تقریر کے دوران میں میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا کہ واقعی وہ فرانس کا سفیر ہے یا نہیں؟ پتا چلا سفیر تھا لیکن ایک بات وہ ٹی وی کے ناظرین سے چھپا رہا تھا۔ فرانسیسی حکومت کی طرف سے اس سفیر کو یہ پیغام موصول ہوا تھا کہ فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کے ہیلی کاپٹر کو پیرس نہ آنے دیا جائے کیونکہ جہاں بھی مسٹر فرہاد علی تیمور پہنچتے ہیں وہاں ہنگامے ضرور ہوتے ہیں۔ تخریبی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے امن پسند شہریوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

سفیر کا بیان ختم ہوگیا تھا۔ اب اسکرین پر دوسرا منظر پیش کیا جارہا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "صبح ہونے والی ہے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔ ہوسکتا ہے کل تمہاری کوئی مصروفیت نکل آئے۔ جاسوس پھر تمھیں چیک کرنے کے لیے یہاں پہنچ جائیں۔ تمھیں بے وقت نیند کی حالت میں دیکھ کر شبہ کرسکتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم یہاں تفریح کے لیے آئے ہیں۔ کسی وقت بھی جاگ سکتے ہیں۔ کسی وقت بھی سو سکتے ہیں۔"

"لیکن خواہ مخواہ جاگنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اتنی عجیب و غریب سچویشن ہے۔ اعلیٰ بی بی اور سجاد نہ جانے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کسی خطرناک علاقے میں نہیں ہیں تب تک مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔"

"انھیں کچھ ہوگا تو میں تمھیں نیند سے بیدار کرکے ان کے متعلق ضرور بتاؤں گا۔ اگلی رات تمھیں کھیلنا ہے اور جم کر کھیلنا ہے۔ اس لیے اچھی طرح نیند پوری کرلینا چاہیے۔"

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"تم جاکر بستر پر لیٹ جاؤ مجھے سلانا آتا ہے۔"

وہ بستر پر جاکر لیٹ گئی۔ آنکھوں کو بند کرلیا۔ اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کی لوری سنائی۔ وہ ذرا سی دیر میں سو گئی۔ میں بابا صاحب کے ادارے میں شیخ الفارس غلام حسین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں سب لوگ جاگ رہے تھے۔ اعلیٰ بی بی اور سجاد کی گمشدگی نے سب کو پریشان کردیا تھا۔ سب ہی فکرمند تھے اور ہر لمحہ کوئی اچھی خبر سننے کے منتظر تھے۔ فرانسیسی حکام نے شیخ سے رابطہ قائم کیا تھا اور انھیں کہہ دیا تھا کہ اعلیٰ بی بی فرانس کی شہریت رکھتی ہے لہٰذا اس کی آمد پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن فرہاد کو فرانس کی سرحد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

شیخ الفارس نے سوال کیا۔ "آخر مسٹر فرہاد علی تیمور پر اچانک

یہ پابندی کیوں عائد کی جارہی ہے؟"

جواب میں یہی کہا گیا۔ "فرہاد ان دنوں تنازعہ کا سبب بنا ہوا ہے۔ وہ جس ملک میں قدم رکھے گا وہاں تخریبی کارروائیاں ہوں گی اور فرانسیسی حکومت ان تخریبی کارروائیوں کی متحمل نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن اس میں فرہاد صاحب کا کیا قصور ہے؟ بڑی طاقتوں کو ان حرکتوں سے باز رہنا چاہیے۔ آج سے پہلے کبھی فرہاد صاحب پر ایسی پابندیاں عائد نہیں کی گئیں۔"

"پہلے کی بات اور ہے۔ اس کی ٹیلی پیتھی نے تمام ممالک کے حکام کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا، وہاں کے حکام خاموشی اختیار کرلیتے تھے۔ اس کی طرف سے انجان بن جاتے تھے لیکن اب ہمارے ملک میں تو کیا دنیا کے کسی ملک میں بھی اسے قدم رکھنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

شیخ الفارس غلام حسین البرقی نے کہا۔ "یہ تو سراسر ظلم ہے۔ یہودیوں نے مواصلاتی سیارے کے ذریعے اپنی ٹی وی نشریات میں دنیا والوں کو دکھایا ہے کہ وہ کس طرح فرہاد سے قدم قدم پر دوستی کا ثبوت دے رہے ہیں اور کتنی دوستانہ فضا میں اسے تل ابیب سے رخصت کر رہے ہیں لیکن چند گھنٹے بعد ہی یہ خبر پھیلا دی گئی کہ ان کا ہیلی کاپٹر کہیں گم ہوگیا ہے۔ یہ ان کی شرارت ہے۔ ہم انھیں خوب جانتے ہیں۔ انھوں نے اعلیٰ بی بی اور فرہاد کو تل ابیب سے رخصت کیا، ٹی وی کے ذریعے دنیا والوں کو اپنے دوستانہ سلوک کا گواہ بنایا اور اس کے بعد انھیں کہیں دوسری جگہ لے جاکر قید کردیا۔"

فرانسیسی حکام کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ان معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا وہ فضول بحث میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ ان کا حکم اٹل ہے۔ فرہاد کو فرانس کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

میں شیخ الفارس کے پاس سے چلا آیا۔ تل ابیب میں مختلف افسروں کے دماغوں میں باری باری جھانک کر معلوم کرنے لگا کہ ان میں سے کسے اپنا آلۂ کار بنا سکتا ہوں یا ان کے ذریعے کسی مناسب آلۂ کار تک پہنچ سکتا ہوں۔ چند منٹوں کے بعد ہی میں ایک افسر کے ذریعے ایسے فوجی افسران تک پہنچ گیا جو ایک بڑے سے ہال میں مختلف ٹرانسمیٹروں کے پاس کھڑے یا بیٹھے ہوئے تھے اور مختلف سراغرساں طیاروں کے پائلٹوں سے رابطہ قائم کرتے ہوئے معلوم کر رہے تھے کہ اس ہیلی کاپٹر کا کوئی سراغ ملا ہے یا نہیں؟

گفتگو کرنے کے دوران کسی نہ کسی فوجی افسر کے ٹرانسمیٹر میں ریڈیائی لہریں مداخلت کرتی تھیں یا کبھی کسی دوسری فریکوئنسی سے بات کرنے والے کی آوازیں ٹکرانے لگتی تھیں۔ ایسے ہی وقت ایک ٹرانسمیٹر سے اچانک سونیا کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو، ہیلو، میں سونیا بول رہی ہوں اور تم یہودیوں کو مخاطب کر رہی ہوں۔ ہیلو، ہیلو۔"

میں نے چونک کر پلنگ کی طرف دیکھا۔ سونیا میرے سامنے بستر پر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں پھر خیال خوانی کے ذریعے اس آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا جس کے ٹرانسمیٹر سے سونیا کہہ رہی تھی۔ "اس سے پہلے کہ میری آواز ریکارڈ کی جائے میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اس ہیلی کاپٹر کو اغوا کیا ہے۔ اعلیٰ بی بی اور فرہاد بخیریت ہیں۔ کہاں ہیں یہ میں نہیں بتاؤں گی لیکن میں تمہارے ٹی وی اسٹوڈیو میں پہنچ کر مواصلاتی سیارے کے ذریعے دنیا کے تمام ممالک کے ناظرین کے سامنے اعتراف کروں گی کہ میں نے اس طیارے کو اغوا کیا ہے۔"

میں ٹرانسمیٹر کے ذریعے بات کرنے والی سونیا کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب بھی اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لیتا تھا تو مجھے اپنی ہی سونیا کا دماغ ملتا تھا۔ میں نے کوشش ترک نہیں کی۔ جانتا تھا کہ جو عورت بھی سونیا کے لب و لہجے کی نقل کر رہی ہے کہیں نہ کہیں اس سے لغزش ہوگی اور میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔

ابھی میری کوشش جاری تھی اور وہ کہہ رہی تھی۔ "میں دنیا کے سامنے اس وقت تک اعتراف نہیں کروں گی جب تک میری ایک شرط پوری نہیں کی جائے گی۔ مجھے یقین ہے اتنی دیر میں میری آواز کو ریکارڈ کرنے کا اہتمام کیا جاچکا ہوگا۔ بہرحال وہ شرط سن لو۔ میں دو گھنٹے کے اندر رسونتی کو چاہتی ہوں۔ ماسک مین کے ملک کا ایک طیارہ اسرائیلی مملکت میں داخل ہوچکا ہے۔ وہ پندرہ بیس منٹ کے اندر لُود ایئرپورٹ پر پہنچنے والا ہے۔ ایئرپورٹ کنٹرول ٹاور کو اطلاع دی جائے کہ اس طیارے کو وہاں اترنے کا موقع دیا جائے۔ اسی طیارے میں رسونتی یہاں سے جائے گی۔ جب وہ روانہ ہو جائے گی تو میں تمہارے ٹی وی اسٹوڈیو پہنچ کر اپنا بیان دوں گی۔ وہ بیان کیا ہوگا، اس کی تفصیل اس وقت میں اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی۔ میں کہہ چکی ہوں، جو بیان دوں گی، وہ سراسر تم لوگوں کی حمایت میں ہوگا۔ اور تم لوگ بہت بڑی دردسری سے محفوظ رہ سکو گے۔ اب صبح ہونے ہی والی ہے۔ جشنِ آزادی بھی بڑے اطمینان سے اور پُرامن طریقے سے منا سکو گے۔ دیٹس اِز آل۔ میں رابطہ ختم کر رہی ہوں۔ باقی گفتگو ان سے کی جاسکتی ہے جو طیارے میں لُود ایئرپورٹ پہنچ رہے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

آواز آنا بند ہوگئی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا۔ میری کوشش ناکام رہی۔ میں اس بولنے والی کے دماغ تک نہ پہنچ سکا۔ بار بار اپنی ہی سونیا کے خوابیدہ دماغ تک پہنچ جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ جو بھی تھی، ذہین تھی، مستقل مزاج تھی اور نقالی کی بڑی ہی غیر معمولی صلاحیت رکھتی تھی۔ بہرحال وہ زیادہ دیر تک مجھ سے

چھپی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ ان کا طیارہ پہنچنے والا تھا۔ طیارے میں جو لوگ آنے والے تھے، ان سے یہودی حکام بات چیت کرتے۔ ان کے ذریعے اس عورت تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی سکتا تھا۔

وہ جو نقلی سونیا تھی اور غضب کی سونیا بنی ہوئی تھی، اس نے ایک نیا کھیل شروع کر دیا تھا۔ اس کی باتوں سے یہ تو پتا چل گیا کہ وہ ماسک مین کی تنظیم سے تعلق رکھتی ہے۔ نیا ماسک مین اس کہاوت پر یقین رکھتا تھا کہ آم نہ سہی امرود سہی۔ فرہاد ہاتھ نہ آئے مگر، سونتی تو ہاتھ آ سکتی ہے۔ وہ بھی ٹیلی پیتھی جانتی تھی۔ جب فرہاد دماغی طور پر کمزور ہونے کے بعد یہودیوں کے سائے میں رہ کر ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں دوبارہ حاصل کر سکتا تھا اور ان صلاحیتوں کو یہودیوں کے کسی خاص آدمی کے دماغ میں منتقل کر سکتا تھا تو یہی عمل سونتی کے ذریعے بھی ہو سکتا تھا۔ اسی لیے ماسک مین نے یہ کھیل شروع کیا تھا۔

لیکن ایک سوال پیدا ہوتا تھا۔ ریڈ پاور کی تنظیم میں وہ عورت جو سونیا بنی ہوئی تھی، اس نے تل ابیب میں سونیا کی موجودگی کا علم ہونے کے باوجود خود سونیا بننے کی جرأت کیسے کی؟ کیا اُسے اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ وہ سونیا بن کر فراڈ کرے گی تو اصلی سونیا جوابی کارروائی کرے گی؟

ریڈ پاور کے ماسک مین اور اس نقلی سونیا نے جب اتنا بڑا کھیل شروع کیا تھا تو یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ میرے اس سوال کا جواب تھوڑی دیر بعد ملنے والا تھا۔ میں یہودی افسران کے ذریعے لُود ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ وہ طیارہ رن وے پر کھڑا ہوا تھا اور اس میں سے دو آدمی اتر کر تل ابیب کے فوجی افسران سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ ایک فوجی افسر نے کہا "ہم نے مذاکرات کے لیے ایک جگہ مقرر کی ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

آنے والوں میں سے ایک نے کہا "سوری۔ ہم یہیں کھلی فضا میں گفتگو کریں گے لیکن اہم معاملات پر گفتگو اسی وقت ہوگی جب ہم آپ کی تلاشی لیں گے۔ ہمیں یقین ہو جائے گا کہ آپ لوگوں کے پاس خفیہ ٹیپ ریکارڈر نہیں ہے اور ہماری گفتگو ریکارڈ نہیں ہوگی تو ....."

ایک فوجی افسر نے اس کی بات کاٹ کر کہا "واٹ نان سینس! آپ ہمارے ملک میں ہیں او۔ ہماری تلاشی لیں گے؟"

"آپ اگوا۔ کو منظور ہے تو بات آگے بڑھے گی ورنہ آپ ہمیں ...میں ...یں۔ ہمارے طیارے کو ضبط کر لیں۔ جو چاہیں کریں لیکن ہما...ے خلاف جو بھی اقدامات ہوں گے ان کا نتیجہ بہت ہی بھیانک نکلے گا۔"

تمام افسران آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ پھر ایک نے کہا "یہاں کھلی فضا میں کھڑے کھڑے اہم معاملات پر کیسے گفتگو کر سکتے ہیں؟ "اگر یہاں زحمت ہو رہی ہے تو آپ ہمارے ساتھ ... کے اندر اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کر سکتے ہیں۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ واپس طیارے کی طرف جانے لگے۔ فوجی افسر نے انھیں روکا "ذرا ٹھہریے۔ ہم اپنے اعلیٰ حکام سے ... قائم کرنے کے بعد آپ کو مناسب جواب دیں گے۔"

"آپ ضرور رابطہ قائم کریں۔ بات طیارے کے اندر ہی ... اور اس شرط پر کہ آپ کے دو اہم افراد ہم سے گفتگو کرنے کے لیے ... ہیں لیکن تلاشی دینے کے بعد۔"

وہ دونوں طیارے میں چلے گئے۔ ان میں سے ایک ... کارل نوز تھا اور دوسرے کا ہالے وک۔ میں نے کارل نوز کی ... کے ذریعے معلوم کیا کہ اس طیارے میں وہی دو مسافر ... کے طور ... تھے۔ تیسرا ایک پائلٹ تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا مخصوص طیارہ ... کارل نوز کی سوچ نے بتایا کہ ریڈ پاور کے ملک سے ایک بہت ... سرمایہ دار یہاں آیا ہے۔ اسرائیلی تاجروں سے اس کا بڑے ... پر کاروبار تھا۔ یہاں کے تاجروں نے جشنِ آزادی کی خوشیاں ... کے لیے اس سرمایہ دار کو دعوت دی تھی۔ اس کا نام میکی وکزڈوا ... وہ اپنے دو کاروباری مشیروں اور ایک لیڈی سکریٹری کے ساتھ ... دن پہلے ہی یہاں آگیا تھا۔

لیکن میکی وکزڈوا صرف دولت مند تاجر نہیں تھا۔ ... وہ ریڈ پاور کا ایک سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اس کی پلاننگ تھی کہ ... کے سلسلے میں وہاں چار دن ضرور رہے گا۔ ان دنوں میں فرہاد ... کو اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر دونوں ہاتھ نہ آئے تو ان ... کسی ایک کو تو ضرور اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اسے اپنی صلاحیتوں ... پر پورا بھروسہ تھا۔

میکی وکزڈوا جب دو دن پہلے تل ابیب پہنچا تھا تو ... سونیا کی سرگرمیوں کا علم نہیں تھا۔ یہاں آنے کے بعد پتا چلا ... پیرس میں ہنگامے کر رہی ہے۔ پھر پچھلے دن انکشاف ہوا ... حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ غزہ میں کچھ ہنگامے کیے ہیں اور ... تل ابیب میں موجود ہے۔

چونکہ اسے سونیا کی سرگرمیوں کا پہلے سے علم نہیں تھا ... اپنے ساتھ نقل سونیا کی پلاننگ لے کر آیا تھا۔ اس پلاننگ ... کے لیے اس کے پاس دو اہم نسخے تھے۔ پہلا تو یہ کہ اس کے پاس ... کے دو مکمل ماسک تھے۔ وہ ماسک اتنی ہنرمندی سے تیار ... کہ انھیں چہرے پر چڑھانے کے بعد بہت زیادہ فٹنگ کی ... نہیں ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ ڈبل ماسک کے بعد اینٹی میک ... کے ذریعے پکڑے جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔

اس ماسک کو جو عورت استعمال کر رہی تھی، وہ بلا کی ذہین اور چالاک تھی۔ سونیا اور مرجانہ کی طرح غضب کی فائٹر بھی تھی۔ اس کے سامنے دو چار آدمی ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ وہ میکی وکزڈوا کی سکریٹری بن کر آئی تھی۔ ایک تعجب خیز بات یہ تھی کہ میکی وکزڈوا بھی اپنی اس سکریٹری کی اصلیت کو نہیں جانتا تھا۔ یہ تو معلوم تھا کہ وہ بھارت سے سونیا کا رول ادا کرے گی لیکن وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ یہ صرف ریڈ پاور کا ماسک مین جانتا تھا۔ ماسک مین نے میکی وکزڈوا کو مشورہ دیا تھا کہ وہی لیڈی سکریٹری سونیا کا رول ادا کر کے اس کی پلاننگ کو کامیاب کر سکتی ہے۔ دروازے پر سے اس کے ساتھی ہالے وک نے آواز دے کر کہا "کارل! وہ لوگ آرہے ہیں۔"

کارل نوز نے شراب کا ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔ "دو سے زیادہ کو نہ آنے دینا۔"

دو ہی طیارے کے اندر آئے۔ ہالے نے کہا "آئیے، جام حاضر ہے۔"

آنے والے ایک آفیسر نے کہا "ہم کام کے وقت نہیں پیتے۔ کام کی باتیں ہونی چاہئیں۔"

"وہ تو ہو چکی ہیں۔ ہمارا مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ ہماری طرف سے سونیا اعلان کرے گی کہ اعلیٰ بی بی اور فرہاد اس کے پاس ہیں لہٰذا اس سلسلے میں اسرائیلی حکام کو کسی طرح کا الزام نہ دیا جائے۔"

دوسرے آفیسر نے گھور کر کہا "کیا واقعی مادام اعلیٰ بی بی اور مسٹر فرہاد علی تیمور سونیا کے پاس پہنچ گئے ہیں؟ لیکن کیسے پہنچ گئے۔ جبکہ سونیا یہیں موجود ہے؟"

"سونیا تنہا نہیں ہے۔ وہ بہت ہی باصلاحیت لوگوں کی ایک ٹیم کے ساتھ آئی ہے۔ وہ لوگ مادام اعلیٰ بی بی اور مسٹر فرہاد علی تیمور کو حاصل کر چکے ہیں۔ وہ لوگ کہاں ہیں؟ تمھارے سیلی کاپٹر کا کیا حشر ہوا ہے؟ تمھارے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، یہ باتیں بعد میں بتائی جائیں گی۔"

ایک آفیسر نے پوچھا "جب مادام اعلیٰ بی بی اور مسٹر فرہاد علی تیمور سونیا کو یا اس کے آدمیوں کو مل چکے ہیں تو یقیناً وہ کل تک باحفاظت کے ادارے میں پہنچا دیے جائیں گے؟"

کارل نوز نے نفی میں سر ہلا کر کہا "جب تک سونیا اعلان نہیں کرے گی اس وقت تک ان دونوں کو چھپا کر رکھا جائے گا۔"

"ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"ماسک مین اور سونیا کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے ریڈ پاور کے آدمی یہاں سونیا کی مدد کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ فرہاد اور رسونتی کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے ہیں۔ رسونتی فرہاد کی ٹیم میں کبھی شامل نہیں ہوگی۔ سونیا کو بھی رسونتی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا معاہدے کی رُو سے وہ رسونتی کو ہمارے حوالے کرنے کے لیے یہ اقدامات کر رہی ہے۔ ہم زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ بس ہماری شرط پوری کر دی جائے۔"

ایک آفیسر نے ہنستے ہوئے کہا "رسونتی کے دماغ پر زہر کا اثر ہے۔ ہمارے ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ طویل علاج کے بعد اس کی دماغی قوّت بحال ہو سکے گی۔ ادھر فرہاد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تم لوگ کیا سمجھتے ہو؟ اتنے بڑے مُہرے کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہم رسونتی کو بھی کھو دینے کی حماقت کریں گے؟"

"جسے تم حماقت کہہ رہے ہو اسے ہم تمھاری ذہانت کہیں گے۔ رسونتی ہمارے حوالے کر دی جائے ورنہ جانتے ہو، سونیا نے پیرس سے یہاں تک کیسی کیسی تخریبی کارروائیاں کی ہیں؟ جو چیلنج کیا ہے، اسے پورا کیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ جشنِ آزادی کے سلسلے میں بیرونی ممالک کی بڑی بڑی معزز ہستیاں یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ کو بھی نقصان پہنچا تو تمھارے حکمران ان کے لواحقین اور ان کے ممالک کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ پھر جشنِ آزادی کی جگہ جب یومِ سیاہ منایا جائے گا تو دنیا کے تمام اخبارات تمھاری حکومت کا مذاق اڑائیں گے اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ تم لوگ اندر سے کمزور ہو۔ اس قدر کمزور کہ صرف ایک عورت نے تمھارے ملک کے اندرونی امن و امان کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ اب یہ فیصلہ تمھارے بڑوں کے ہاتھ میں ہے۔ جاؤ معلوم کرو، وہ کیا چاہتے ہیں؟ ہم یہاں اس وقت تک بیٹھے رہیں گے، گویا تمھاری حراست میں رہیں گے جب تک رسونتی ہمارے حوالے نہیں کی جائے گی۔"

یہودی حکام ڈپلومیسی کے بہت ہی نازک موڑ پر تھے۔ اگر دوسرے دن جشنِ آزادی منانے کی بات نہ ہوتی تو وہ ان کی بات نہ مانتے بلکہ مزید ٹالنے کی کوشش کرتے۔ اب تو دوسرے دن کی بات بھی نہیں رہی تھی۔ صبح ہو ہی رہی تھی۔ انھوں نے سوالناموں کے ذریعے تمام دنیا کو یہ تاثر دیا تھا کہ فرہاد اب ان کی قید میں ہے اور اس کی زندگی اور موت کا انحصار صرف سوالنامے کے جواب پر ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سپر ماسٹر اور ماسک مین کو بھی پھانس لیا تھا۔ ان دونوں کو سزا مل گئی تھی۔ وہ عہدوں سے برطرف کر دیے گئے تھے لیکن نئے ماسک مین نے آ کر نئی چال چلی تھی۔ وہ الٹا یہودیوں کو پھانس رہا تھا۔ انھیں دنیا والوں کے سامنے جواب دہ ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس جواب دہی سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ رسونتی کو اس کے حوالے کر دیتے۔

آفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "ہمیں تمھاری شرط منظور ہے لیکن ہماری بھی ایک شرط ہے۔ ہم رسونتی کو یہاں پہنچا دیں گے مگر یہ طیارہ اس وقت تک پرواز نہیں کرے گا، جب تک سونیا دنیا والوں کے سامنے اپنا بیان نہیں دے دے گی۔"

"ہمیں یہ شرط منظور نہیں ہے۔ جب طیارہ یہاں سے پرواز کرے گا، ہم اسرائیلی حدود سے نکل جائیں گے تب سونیا بیان دے گی۔ یعنی ہماری روانگی کے کم از کم آدھے گھنٹے کے بعد آپ سونیا سے ملاقات کر سکیں گے۔"

"ہمیں کیسے یقین ہوگا کہ وہ اصلی سونیا ہے؟ اگر وہ نقلی ہوگی تو ایسی نقلی سونیا تو ہم بھی مواصلاتی سیارے کے ذریعے ٹی وی اسکرین پر پیش کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق اس سے بیان دلا سکتے ہیں۔"

"تو پھر یہی کر لیجیے لیکن سونیا تو بہرحال سونیا ہے۔ تم اپنے ہتھکنڈے آزماؤ گے۔ وہ اپنے ہتھکنڈوں سے تمھارے یومِ فتح کو یومِ سیاہ میں بدل دے گی۔"

"ہم کیسے یقین کریں کہ تم لوگوں کے جانے کے بعد ہمارے یہاں تخریبی کارروائیاں نہیں کی جائیں گی؟"

"تل ابیب میں ہماری تنظیم کے صرف چار افراد ہیں اور سونیا کا تعلق ہماری تنظیم سے نہیں ہے۔ اس سے ہمارا وقتی طور پر معاہدہ ہے۔ ہمیں رسونتی مل جائے گی، معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ یہاں رہ جائے گی۔ ہم اپنے ان چاروں افراد کو لے کر چلے جائیں گے۔ جب ہماری تنظیم کا کوئی آدمی نہیں رہے گا تو تمھارے یہاں تخریبی کارروائیوں کی ذمّے داری ہم پر نہیں ہوگی۔"

"تمھاری تنظیم کے وہ چار افراد کون ہیں؟"

"یہ بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ اتنا بتا دیں کہ تین مرد ہیں اور ایک عورت ہے اور وہ باقاعدہ اصلی پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے آئے ہیں۔ آپ ان کی روانگی سے پہلے ان سے مل کر پوری طرح اطمینان کر سکیں گے۔"

ایک آفیسر نے پوچھا: "آپ کے چار تخریب کاروں میں ایک عورت ہے؟"

کارل نوز نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "آپ ہمارے آدمیوں کو تخریب کار نہیں جانباز کہہ سکتے ہیں۔"

"ایک سپاہی جو اپنے ملک کے لیے جانباز ہوتا ہے وہ دوسرے ملک کے لیے تخریب کار کہلاتا ہے۔ ملک بدل جانے سے کردار کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ ہم انھیں کبھی جانباز نہیں کہہ سکتے۔ بہرحال ان میں ایک لیڈی ہے۔ کیا وہ لیڈی سونیا نہیں ہو سکتی؟"

"آپ اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے مطمئن ہو چکے۔ وہ سونیا ہرگز نہیں ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ وہ اتنی بزدل یا کمزور نہیں ہے کہ ہمارے جانے کے بعد خود کو تنہا سمجھ کر آپ لوگوں کی طرف سے اپنی جان کا خوف ہو۔"

"کیا وہ یہ نہیں سوچے گی کہ بیان دینے کے لیے ہمارے پاس آئے گی تو ہمارے شکنجے سے نہیں نکل سکے گی؟"

"ہرگز نہیں۔ رسونتی ہمارے پاس ہوگی۔ فرہاد علی تیمور کے آدمیوں کے پاس ہے۔ سب مہرے تو اس نے جیت لیے، پھر آپ اسے کس طرح کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے سامنے رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر کو اٹھایا اور اسے آن کیا۔ دوسری طرف سے ان کے سیکرٹ ایجنٹ میکی وِک زوڈا کی آواز سنائی دی۔ وہ رابطہ قائم کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اِدھر سے کارل نوز نے کہا: "میں آپ کی آواز سن رہا ہوں لیکن کوڈ ورڈ اس لیے دُہرا نہیں سکتا کہ میرے پاس حکومت اسرائیل کے بڑے افسر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ رابطہ قائم کرنے کی وجہ بتائیں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا: "میں اس وقت بالکونی میں کھڑا ہوا کھلی فضا کو دیکھ رہا ہوں۔ صبح کی روشنی نمودار ہو رہی ہے۔ تم متعلقہ افسران سے معاملات طے کرنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ ان سے کہہ دو، آدھے گھنٹے میں رسونتی جہاز کے اندر نہ پہنچی اور ہم سب اس طیارے سے روانہ نہ ہوئے تو یہاں جو کچھ ہوگا اس کی ذمّے داری ماسک مین پر نہیں صرف سونیا پر ہوگی اور سونیا اپنی ضد کی پکّی ہے۔ اوور اینڈ آل؟"

دونوں یہودی افسران کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا: "ہم نے ٹرانسمیٹر کی گفتگو سن لی ہے۔ آدھے گھنٹے کے اندر یہ شرط پوری ہو جائے گی مگر آپ کے تخریب کاروں کے ساتھ جو عورت ہے اسے ہم پوری طرح چیک کریں گے۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ میں میکی وِک زوڈا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایئرپورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی سوچ کو کریدنے پر معلوم ہوا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے سونیا کی لاش کے ٹکڑے دیکھے ہیں۔ سونیا کا چہرہ بھی دیکھا ہے اور پوری طرح یقین کر لیا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ اس یقین کے بعد تنظیم کی لیڈی سیکریٹری کو سونیا کا رول سونپا گیا ہے۔

میں اس کی سوچ پڑھ کر حیران تھا۔ آخر انھوں نے سونیا کی لاش کہاں دیکھ لی؟ میں نے پھر اس کے دماغ میں سوال کیا: "ہو سکتا ہے وہ سونیا نہ ہو۔ کوئی اس کے میک اپ میں ہو؟"

میکی وک زوڈا کی سوچ نے جواباً کہا: "ہم نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے۔ اس کی گردن تک کٹے ہوئے سر کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا ہے۔ نہ تو وہ میک اپ میں تھی، نہ ماسک میک اپ میں۔ وہ سونیا کا اصلی چہرہ تھا۔"

بڑی حیرانی کی بات تھی۔ آخر اصلی چہرے والی سونیا کی لاش انھیں کہاں مل گئی تھی؟ وہ لاش جو سونیا کی سمجھی جا رہی تھی، آخر وہ کس عورت کی ہوگی؟ سوچو تو واقعی حیرانی کی بات تھی لیکن میری یادداشت کمزور نہیں ہے۔ مجھے فوراً یاد آیا کہ سونیا جب تل ابیب میں قیدی کی حیثیت سے تھی اور میں اس کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا تو یہودیوں نے ایک ڈمی سونیا تیار کی تھی۔ اس پر لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے مکمل سونیا بنایا تھا۔ اسے سونیا کے عادات و اطوار سکھائے تھے۔ سونیا کی ہمزاد کو اس ڈمی سونیا نے اپنایا تھا لیکن اسی دوران میں یہودیوں کو پتا چلا کہ وہ ڈمی سونیا میری شخصیت سے متاثر ہے، لہٰذا اسے سزا دی گئی۔ جب سجاد بحیثیت فرہاد ان کی گرفت میں آیا اور انھوں نے ایک اسٹیج پر اس کی نمائش کی، اس وقت اس کے سامنے ڈمی سونیا کو پیش کیا گیا تھا۔ پھر اس ڈمی کے ایک بازو کو کاٹ دیا گیا تھا۔ میں اس وقت تک یہی سمجھتا رہا کہ میری سونیا کے بازو کو کاٹا گیا ہے۔ بہرحال جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ میری سونیا صحیح سلامت میرے سامنے گہری نیند سو رہی تھی۔

مجھے یہ بھی یاد آیا کہ گوئیل اور ڈربی فائن ماسک مین کے ماتحت ہیں۔ ریڈ پاور سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے ان کے دماغوں میں جھانک کر معلوم کیا۔ گوئیل کے دماغ نے بتایا: "مجھے پچھلی رات کو آٹھ بجے علم ہوا کہ سونیا یہودیوں کی گرفت میں آگئی ہے لیکن اس بات کو راز میں رکھا جا رہا ہے اور سونیا کو ایک بند گاڑی میں بٹھا کر تل ابیب سے یروشلم روانہ کیا جا رہا ہے۔"

دراصل گوئیل کو بھی غلط فہمی ہوئی تھی۔ اس کے یہودی آقا ڈمی سونیا کو تل ابیب سے یروشلم روانہ کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سونیا کو گھر گھر تلاش کیا جا رہا تھا۔ تلاش کرنے والے ڈمی سونیا سے دھوکا کھا سکتے تھے یا پھر اصلی سونیا کو وہ ڈمی ہاتھ آجاتی تو وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکتی تھی اور انھیں کسی معاملے میں الجھا سکتی تھی۔ اس بات کے پیشِ نظر وہ اسے تل ابیب سے باہر بھیج رہے تھے۔ گوئیل غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ اس نے اپنے ریڈ پاور کے سیکرٹ ایجنٹ میکی وِک زوڈا کو اس بات کی اطلاع دی۔ میکی وک زوڈا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس گاڑی کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ انھوں نے تعاقب کرنے کے دوران بھاری طاقت کے دستی بم اس بند گاڑی کی طرف پھینکے۔ مسلسل حملوں سے اس گاڑی کے پرخچے ہو گئے۔ وہاں لاشیں ہی لاشیں نظر آ رہی تھیں لیکن کوئی بھی لاش صحیح سالم نہیں تھی۔ ان کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے سونیا کی لاش کے ٹکڑے بھی دیکھے۔ مسلسل دھماکوں کی آواز دور تک گئی ہوگی۔ انھیں اندیشہ تھا کہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔ انھوں نے فوراً سونیا کی لاش کے ٹکڑے سمیٹے اور اسے ایک تھیلے میں ڈال کر اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئے۔ گوئیل کے آدمیوں نے پہلے ہی ایک جگہ گڑھا کھود رکھا تھا۔ بورے سمیت اس ڈمی سونیا کی لاش کے ٹکڑوں کو اس میں ڈال دیا گیا۔ گڑھے کو برابر کر دیا گیا۔ وہ اتنی عجلت میں تھے کہ اس لاش کے ٹکڑوں کو گن نہیں سکتے تھے۔ انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان ٹکڑوں میں ڈمی سونیا کا دایاں ہاتھ نہیں ہے۔ اس کا دایاں ہاتھ تو بہت پہلے ہی کاٹ دیا گیا تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ میکی وِک زوڈا کا مقصد یہ تھا کہ جہاں اس بند گاڑی کو تباہ کیا گیا تھا وہاں سونیا کی لاش نہ ملے اور یہ تاثر قائم ہو کہ سونیا بچ گئی ہے اور وہاں سے فرار ہو گئی ہے۔ یہی ریڈ پاور کے لوگ سوچ رہے تھے۔

کیا یہودی بھی یہی سوچ رہے ہوں گے؟ میں نے یہ جاننے کے لیے کاہال تنظیم کے سربراہ کے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اس کے دماغ نے بتایا: "ہم نے ڈمی سونیا کو بند گاڑی میں روانہ کیا تھا۔ اس گاڑی پر حملہ ہوا۔ ڈمی سونیا کو لے جانے والے سپاہی سب کے سب ہلاک ہو گئے لیکن ڈمی کی لاش نہیں ملی۔"

ری مونڈیل اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ اس بند گاڑی پر اصلی سونیا نے حملہ کیا تھا اور ڈمی کو نکال کر لے گئی تھی۔ میں نے ری مونڈیل کی سوچ میں سوال کیا: "سونیا اپنی ڈمی کو لے جا کر کیا کرے گی؟ وہ تو خود ہی چھپتی پھر رہی ہوگی۔ اتنی بڑی ڈمی کو کہاں چھپاتی پھرے گی؟"

ری مونڈیل کی سوچ نے جواب دیا: "اسے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو ریڈ پاور والوں کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔ وہ رسونتی کو طیارے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ ان چار تخریب کاروں میں ایک عورت ہے۔ وہ یقیناً اصلی سونیا ہوگی۔ ڈمی کو یہاں چھوڑا جائے گا۔ تاکہ ہم اس سے دھوکا کھا جائیں لیکن ہم بھی انھیں دھوکا دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ جیسے ہی

وہ ایئرپورٹ پہنچیں گے، ہم اصلی سونیا تک پہنچ جائیں گے۔"

خوب تماشا ہو رہا تھا۔ بے چاری اصلی سونیا اپنی نیند پوری کر رہی تھی۔ ہم آرام سے ایک کمرے میں تھے اور دشمن آپس ہی میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے میں مصروف تھے۔ ایک دوسرے کے خلاف چالیں چل رہے تھے اور انھیں یقین تھا کہ وہ دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔ مخالف کی چال کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، میرے لیے ایک تماشا تھا لیکن اس تماشے کا ایک پہلو مجھے پسند نہیں تھا اور طیش دلا رہا تھا۔ وہ یہ کہ ریڈ پاور کا ماسک مین اور اس کا سیکرٹ ایجنٹ میکی وک زوڈا ظالم اور سنگدل تھے۔ انھوں نے بے چاری ڈمی سونیا کو بے دردی سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے ٹکڑے سمیٹ کر دفن کرنے کے بعد خوش فہمی میں مبتلا ہو رہے تھے کہ انھوں نے اصلی سونیا کو مار ڈالا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اصلی سونیا کو مار چکے تھے یعنی جس سونیا کی خدمات اپنی تنظیم کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے، موقع ملنے پر اسی کو ہلاک کر چکے تھے۔ یہ ان کے دوغلے پن کی بدترین مثال تھی۔

آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ اس سے پہلے ہی مسلح فوجیوں نے اس طیارے کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ رسونتی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس کے ساتھ ری مونڈیل بھی تھا۔ دوسری طرف سے سیکرٹ ایجنٹ میکی وک زوڈا اپنی لیڈی سیکرٹری اور دو ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ یہودی حکام کی تسلی کی خاطر لیڈی سیکرٹری کو اینٹی میک اپ کیمرے کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ مختلف زاویوں سے اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھا گیا پھر ایک لیڈی انسپکٹر نے اس کی گردن کو ٹٹولتے ہوئے ماسک میک اپ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ لیکن ماسک میک اپ نہیں تھا۔ وہ اپنے اصلی چہرے کے ساتھ تھی۔

اس لیڈی سیکرٹری سے طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ اور وہ جواب دیتی رہی۔ اس کا نام لیڈی نتاشا تھا اور وہ انگریزی زبان میں جواب دے رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا، وہ بہروپ میں تو نہیں ہے۔ پتا چلا اس کا نام واقعی نتاشا ہے۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اسی نے سونیا بن کر یہودی افسران کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور رسونتی کے لیے سودے بازی کی تھی۔

جب یہودی افسران کو اس کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو ری مونڈیل نے کہا "یہ سونیا نہیں ہے۔ وہ اتنی نادان نہیں ہے کہ ٹی وی اسکرین پر بیان دینے کے لیے ہمارے حصار میں چلی آئے گی۔ ہم تم سے اپنی ڈمی سونیا طلب کر رہے ہیں۔ وہ کہاں ہے؟"

اس سوال نے میکی وک زوڈا اور اس کے تمام ساتھیوں کو چونکا دیا۔ میکی وک زوڈا نے پوچھا "ڈمی سونیا سے کیا مراد ہے؟"

"وہی جسے بند گاڑی سے اغوا کیا گیا۔ تم لوگوں نے گاڑی کو تباہ کر دیا۔ ہمارے بہت سے فوجی جوانوں کو ہلاک کر دیا۔ تم نے یا سونیا نے کیا، ایک ہی بات ہے لیکن ہمیں ڈمی چاہیے۔"

میں میکی وک زوڈا کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ وہ اندر پریشان ہو رہا تھا۔ اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ جس لاش کے ٹکڑے ان لوگوں نے دفن کیے ہیں، وہ اصلی نہیں بلکہ ڈمی کے ٹکڑے تھے۔ اصلی اب بھی تل ابیب میں موجود ہے یا پھر اصلی بی بی یا فرہاد کے ساتھ یا پیچھے یہاں سے جا چکی ہے۔

ری مونڈیل نے پوچھا "مسٹر میکی وک زوڈا! تم تو بہت دولت مند تاجر ہو۔ ہمارے تاجروں سے تمہارے پرانے کاروباری تعلقات ہیں۔ انھوں نے تمہیں دعوت نامہ دے کر یہاں بلایا۔ بے چارے یقیناً یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ تم ریڈ پاور کے لیے کام کرتے ہو۔ بہرحال ہم پھر وہی سوال دہرا رہے ہیں۔ ہماری ڈمی سونیا کہاں ہے؟"

میکی وک زوڈا سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بری طرح پھنس گیا ہے۔ وہاں سے فرار ہونے کی صورت نہ تھی۔ طیارے کو چاروں طرف سے مسلح فوجیوں نے گھیر رکھا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اپنی لیڈی سیکرٹری نتاشا کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں پھر جیسے بجلی لپک گئی ہو۔ نتاشا نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے فوجی جوان کے پیٹ میں زور سے کہنی ماری۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ فوجی جوان اس کے سر سے بلند ہوا اور دور زمین پر جا کر چاروں شانے چت ہو گیا۔

وہ بہت پھرتیلی تھی لیکن فوجی جوان بھی مٹی کے بنے نہیں تھے۔ وہ اس کی طرف دوڑے لیکن اس سے پہلے نتاشا نے رسونتی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا دی اور چیخ کر کہا "اگر کسی نے بھی میری طرف حرکت کی تو میں اسے گولی مار دوں گی۔"

سب اپنی اپنی جگہ رک گئے۔ نتاشا کی پھرتی قابلِ داد تھی۔ لوگوں نے اتنا ہی دیکھا کہ اس نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے جوان پر حملہ کیا لیکن کون سی تکنیک آزمائی کہ اسے اٹھا کر دور پھینک دیا اور اس کے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا۔ اب ریوالور رسونتی کے لیے موت بن گیا تھا۔ نتاشا نے سوچ سمجھ کر رسونتی کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ چاہتی تو ری مونڈیل کو بھی ریوالور کی زد پر رکھ سکتی تھی لیکن وہ بڑی حاضر دماغ تھی۔ یہ سمجھتی تھی کہ [illegible] کا ایک سربراہ اس کے ہاتھوں مارا جائے گا تو دوسرا آجائے گا لیکن دوسری رسونتی انھیں نہیں ملے گی۔ فرہاد کو کھو دینے کے بعد

یہودیوں کے لیے وہ بہت اہم ہو گئی تھی۔

رسونتی سہمی ہوئی تھی۔ اپنے لیے نہیں، اپنے بیٹے پارس کے لیے جو اس کی گود میں تھا۔ نتاشا کہہ رہی تھی "یہ نہ سمجھنا کہ صرف رسونتی میرے ہاتھوں ماری جائے گی۔ پہلے اس کا بچہ اس کی آنکھوں کے سامنے ریوالور کا نشانہ بنے گا۔ ایک بار پھر خبردار کرتی ہوں کہ اگر کسی نے مجھ پر حملہ کیا تو اس کی گرفت میں آنے سے پہلے یہ دونوں ماں بیٹے زندہ نظر نہیں آئیں گے۔ ری مونڈیل! اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ مجھ سے دور رہیں۔"

ری مونڈیل نے پہلے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر کہا۔ "نتاشا! واقعی تم عجلت میں یہی کر سکتی تھیں۔ مادام ہمارے لیے بہت اہم ہیں لیکن یہ تو سوچو، اگر ہم نے مادام کو تمہارے ساتھ جانے دیا تو پھر ہمارے لیے ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوا۔ فرہاد پہلے ہی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی چلی جائیں گی تو پھر ہمارے پاس کیا رہے گا؟ ہم نے اتنی بھاگ دوڑ کی۔ اتنی جانفشانی سے یہ بازی جیتی۔ دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اپنا دوست بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کا نتیجہ ہمیں کیا ملے گا؟ اگر کوئی دوست اپنی صلاحیتوں سے، اپنے ہنر سے، اپنی خوبیوں سے بالکل خالی ہو تو وہ ایک خالی ریوالور کی طرح ہوتا ہے جو کارتوس کے بغیر چل نہیں سکتا۔ مادام رسونتی اور مسٹر فرہاد دونوں ہی ہمارے پاس خالی ریوالور کی طرح تھے۔ ہم ان کے دماغ کے لیے ٹیلی پیتھی کا کارتوس تیار کر سکتے تھے لیکن دونوں ہی ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہم بازی ہارنا پسند کریں گے؟ چلو رسونتی نہ سہی، تم تو ہاتھ آؤ گی۔ تمہارے ساتھی ہاتھ آئیں گے۔ پھر ہم تمہارے ماسک مین سے سمجھ لیں گے۔"

رسونتی نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا "مسٹر مونڈیل! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ میری ہلاکت کو پسند کریں گے؟ میں نے ہر طرح، ہر مرحلے پر دوستی نبھائی ہے۔"

"مادام! آپ یقیناً ہماری بہترین دوست ہیں اور ہم بھی آپ کے دوست ہیں لیکن دوستوں کی زندگی میں آزمائشی مرحلے آتے ہیں۔ ایسے مرحلے پر جان دے کر ہی دوستی کا ثبوت فراہم کیا جا سکتا ہے اور یہ آپ کے لیے ثبوت فراہم کرنے کا موقع ہے۔"

رسونتی چیخ کر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا میرا بچہ میری آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرے گا اور میں دیکھ سکوں گی؟ دوستی مجھ سے ہے، اس معصوم کو کیوں ہلاک کیا جائے گا۔ یہ کیوں ہماری دوستی کی بھینٹ چڑھے گا؟"

"مادام! نتاشا کے چیلنج کے مطابق کوئی اس کے قریب نہیں آ رہا ہے لیکن طیارے کے اندر پہنچنے کا راستہ ہمارے فوجیوں نے روک رکھا ہے۔ ہم حتی الامکان کوشش کریں گے کہ نتاشا ہتھیار ڈال دے۔ اگر یہ راضی نہ ہوئی تو پچھتائے گی۔"

رسونتی بولی "ابھی تو میں پچھتا رہی ہوں۔ اب سے پہلے میں فرہاد کے ساتھ رہی، سونیا کے ساتھ رہی۔ میں نے اس مرنے والی رومانہ کے تیور بھی دیکھے ہیں۔ یہ میرے تینوں ایسے ساتھی تھے جو جان پر کھیل کر میری حفاظت کرتے رہے تھے۔ اس وقت آپ کو دوستی کا ثبوت دینا چاہیے۔ اگر یہ لوگ مجھے لے جانا چاہتے ہیں تو انھیں اجازت دے دیجیے۔ میں جہاں بھی جاؤں گی، آپ کی دوستی کو فراموش نہیں کروں گی۔ یہ مجھے اپنے طور پر کبھی استعمال نہیں کر سکیں گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں، جب بھی میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آئیں گی، میں صرف آپ ہی کے کام کروں گی۔"

"بڑی مشکل ہے مادام! اکثر دوست آزمائش کے ایسے مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں وہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے۔ میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور یہی بات آپ کہہ سکتی ہیں کہ آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"آپ کی دوستی میں کھوٹ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر نہیں ہوا ہے تو مجھے جانے دیجیے۔ میں نے آپ کے لیے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا لیکن اپنے بچے کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کی زندگی مجھے عزیز ہے۔ پلیز مجھے جانے دیجیے۔"

نتاشا نے سخت لہجے میں کہا "تم لوگوں کے یہ ڈرامائی ڈائیلاگ صبح سے شام تک جاری رہیں گے۔ میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتی۔ اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ طیارے کی سیڑھی کے پاس سے ہٹ جائیں۔"

ری مونڈیل نے کہا "تمہارے ریوالور میں چھ گولیاں ہیں ہم میں سے چھ افراد کو منتخب کر لو اور گولیاں چلا دو۔ اس کے بعد کیا ہو گا"

میں نے نتاشا کے دماغ کو کنٹرول کر لیا اور اس بات کا منتظر تھا کہ وہ [illegible] چلانا چاہے تو کسی طرح روک دوں۔ بے شک رسونتی سے میرا دلی تعلق نہیں رہا تھا اور نہ ہی آئندہ تعلق رکھنا چاہتا تھا لیکن ہم انسان ہیں۔ کسی کو بے سبب ہلاک ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ نتاشا ضدی ہے۔ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے سے پہلے اپنی دھمکی پر عمل کرے گی۔ چھ گولیوں سے چھ افراد کو ہلاک کرے گی۔ جن میں رسونتی اور فرضی پارس بھی شامل ہیں۔"

ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔ وہ بھی مصلحتاً ڈھیل دے

رہی تھی۔ تاکہ دشمنوں کو سوچنے کا موقع ملے اور وہ ان کے لیے راہِ فرار کھولنے پر مجبور ہو جائیں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی سونیا سے کہا تھا کہ رسونتی میرے لیے نامحرم ہے۔ اب میں اس سے رابطہ قائم نہیں کروں گا۔ کبھی اس کی آواز نہیں سنوں گا لیکن حالات ایسے موڑ پر لے آتے ہیں، جب انسان اپنے ارادوں پر پوری طرح عمل نہیں کر سکتا۔ مجبور ہو کر رابطہ قائم کرتا ہے۔ میرے دل میں یہی بات آئی کہ رسونتی نے میرے ساتھ بھلائی نہیں کی لیکن میرا انسانی فرض ہے کہ میں اسے دوست اور دشمن کی تمیز کرنا سکھادوں اور یہی بہتر موقع ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”میں یہودیوں کو دوست بنانے کے لیے فرہاد سے لڑتی رہی۔ اسے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور اس کے نقطۂ نظر کو سمجھنے سے انکار کرتی رہی۔ آج سمجھ رہی ہوں۔ آہ، میں وہی عورت ہوں جب میرا سابقہ شوہر سلاخوں کے پیچھے قید تھا اور اسٹیج پر اسے تماشا بنا کر پیش کیا جا رہا تھا تو میں نے نفرت اور حقارت سے کہا تھا کہ اسے نہ مارا جائے۔ یہ فرہاد جو مغرور ہے، میں اسے اپنے قدموں تلے رکھوں گی۔ اپنا غلام بنا کر رکھوں گی۔ یہ سب کچھ میں نے کیوں کیا؟ کن لوگوں کی باتوں میں آکر کیا؟ ان ہی مکار یہودیوں کی باتوں میں آکر۔ افسوس، میں نے کتنی بڑی حماقت کی۔“

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس لمحے میں نے محسوس کیا، وہ موت سے نہیں ڈر رہی ہے۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی ”میری سزا یہی ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بچے کو تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھنا ہوگا۔ یہی میری سزا ہے۔ اس کے بعد پھر مجھے مرنا ہوگا۔ ہاں یہی میری سزا ہے۔ اس سے بھی بھیانک سزا مجھے ملے تو کم ہے۔ دنیا ٹھیک ہی کہتی ہے، عورت خواہ کتنی ہی تعلیم حاصل کر لے، کتنی ہی غیر معمولی صلاحیتوں کی مالکہ بن جائے، وہ عورت ہوتی ہے۔ کہیں نہ کہیں ایسی نادانی اور حماقت کرتی ہے کہ پچھتانے کے بعد بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”بے شک تلافی نہیں ہو سکتی۔ میں نے سنا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ممتا جب شدت اختیار کر لیتی ہے تو اس کی دعائیں عرش تک پہنچتی ہیں۔ ممتا وہ جذبہ ہے جس سے عورت اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو ماں کے شدید جذبوں سے حاصل کر سکتی ہے۔ کیا میں اپنی کھوئی ہوئی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں صرف اپنے بچے کی حفاظت کے لیے، صرف چند لمحوں کے لیے حاصل کر سکتی ہوں؟“

ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ سوچ اس کے دماغ میں پیدا ہوئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے خیالات کو صرف اس بات پر مرکوز کر دیا کہ اب وہ سوچ کی لہروں کو نتاشا کی طرف نشر کرنے والی ہے اور پوری ممتا کی قوت کے ساتھ ایسا کرنے والی ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ میرے زور دینے پر وہ چیخ کر بولی ”مجھے خالی ریوالور نہ سمجھو۔ ابھی میرے دماغ سے ٹیلی پیتھی کا کارتوس چلے گا اور نتاشا تمہارے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ رہا ہے۔“

یہ کہتے ہی اس نے سانس روکی۔ زور سے اپنے دماغ کو یوں جھٹکا دیا، جیسے سوچ کی لہر کو نتاشا کی طرف نشر کر رہی ہو۔ اگلے ہی لمحے نتاشا کے حلق سے چیخ نکلی۔ میں نے ٹیلی پیتھی سے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر دور چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی حالت پر قابو پاتی، اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر ریوالور کو تلاش کرتی، چاروں طرف سے مسلح فوجیوں نے اسے گھیر لیا۔ دوسرے فوجیوں نے رسونتی کو اپنے گھیرے میں رکھ لیا۔ اس کے چاروں طرف دیوار بن گئے تاکہ اب کوئی اسے یرغمال نہ بنا سکے۔

نتاشا جیسی عورتیں اس وقت تک قابو میں نہیں آتیں جب تک بے بس نہ ہو جائیں۔ وہ گرفت میں آنے کے باوجود مچل رہی تھی۔ ایک دو کو اس نے جھٹکے دے کر دور پھینک دیا، پھر سامنے والے کو لات ماری۔ دوسرے نے اسٹین گن کے کندے سے اس کے منہ پر ضرب لگائی اور اس کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا۔ پھر بھی وہ باز نہیں آ رہی تھی۔ نتاشا بہت ہی نڈر اور زبردست قوتِ ارادی کی مالکہ تھی لیکن ان حالات میں اس کی بے خوفی اور قوتِ ارادی بے جا تھی۔ وہ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کر رہی تھی۔ جب کہ بالآخر ایسا کرنا ہی تھا۔ اس لیے میں رسونتی کو دیکھنے لگا۔

پہلے تو وہ پارس کو سینے سے لگا کر بار بار چوم رہی تھی، اسے بھینچ کر شکر ادا کر رہی تھی کہ بچے کی جان بچ گئی ہے۔ پھر اسے ہوش آیا۔ اس نے چونک کر دور نتاشا کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر گر پڑی تھی۔ چاروں طرف سے فوجی اپنے بوٹوں سے ٹھوکریں مار رہے تھے۔ رسونتی سوچنے لگی ”اس کے ہاتھ سے ریوالور کیسے گر گیا؟ میں نے ممتا کے جوش میں آکر کہا تھا کہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بالکل ہی مردہ نہیں ہیں۔ ابھی اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ جائے گا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کی تکنیک پر عمل کیا تھا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا تھا۔ کیا میری صلاحیتیں واپس آگئی ہیں؟“

اتنے میں ری مونڈیل اس کے پاس آگیا۔ عقیدت سے اس کے ہاتھ کو تھام کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے بولا ”مادام! آپ نے تو کمال کر دیا۔ ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ آپ کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں

پس آگئی ہیں۔“

رسونتی نے اسے گھور کر دیکھا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے دماغ پر ذرا سا قابو پا کر اس کی سوچ میں سمجھایا ”ابھی ان سے دشمنی مول لینا نہیں چاہیے۔ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے اسے میری زندگی کی پروا نہیں تھی۔ میرے بچے کی پروا نہیں تھی۔ اب یہ عقیدت سے ہاتھ تھام کر میرے سامنے جھک رہا ہے۔ مجھے سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔ مصلحت اندیشی یہی ہے کہ میں غصہ نہ دکھاؤں اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں رہوں تاکہ ان سے نجات مل جائے۔“

ری مونڈیل کہہ رہا تھا ”مادام! معلوم ہوتا ہے، آپ ہم سے ناراض ہیں۔ دیکھیے، میں نتاشا کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ آپ کو یرغمال بنا کر یا آپ کو ہلاک کر کے بھی وہ زندہ نہیں بچے گی اور اس کے آدمیوں کو بھی فرار کا راستہ نہیں ملے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نتاشا کو باتوں میں الجھا رہا تھا اور میرے آدمیوں نے طیارے کے اندر جانے کا راستہ روک رکھا تھا۔ دراصل میں . . .“

رسونتی نے بات کاٹ کر کہا ”کوئی بات نہیں۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ میں سمجھتی ہوں، آپ اس وقت اپنے طور پر چال رہے تھے۔ جو چال اپنے طور پر چلی جائے، وہ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی لیے میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اب سمجھ گئی ہوں۔ بات ختم کریں اور مجھے جلد سے جلد ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مجھ میں ایک ذرا دیر کے لیے ٹیلی پیتھی کی صلاحیت پیدا ہوئی تھی۔ میرے دماغ میں یقیناً غیر محسوس طریقے سے تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ شاید میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں جلد ہی حاصل کر لوں۔“

ری مونڈیل اور اس کے آس پاس کھڑے ہوئے یہودی بہت خوش ہو رہے تھے۔ انھوں نے رسونتی کو ہاتھوں ہاتھ ایک کار کے پاس پہنچایا۔ اسے پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ ری مونڈیل بھی پاس بیٹھ گیا۔ پھر وہ کار وہاں سے روانہ ہو گئی۔ سامنے بیٹھا ہوا ایک آفیسر وائرلیس کے ذریعے اپنے آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”ملٹری اسپتال کے تمام بڑے ڈاکٹروں کو اطلاع دو، وہ فوراً اسپتال پہنچیں۔ مادام رسونتی کا کیس ہے۔ پندرہ منٹ کے اندر تمام ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں کو وہاں حاضر ہو جانا چاہیے۔“

ری مونڈیل نے رسونتی کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ”آپ ذرا خیال خوانی کی کوشش کریں۔ کسی سے رابطہ قائم کریں۔ ہو سکے تو سونیا کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ پلیز ہمیں بتائیں، وہ تل ابیب میں کہاں چھپی ہوئی ہے؟“

وہ ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اپنے بچے کو گود میں سنبھالتے ہوئے بولی ”مسٹر مونڈیل! آپ نئے سربراہ ہیں۔ اس سے پہلے میں نے کاہال تنظیم کے سربراہ اور تمام اعلیٰ حکام سے کہہ دیا تھا کہ میں فرہاد سے دشمنی کر سکتی ہوں، ایک بار اپنے بچے کی مخالفت کر سکتی ہوں لیکن سونیا کی مخالفت کسی صورت میں نہیں کروں گی، چاہے میری جان چلی جائے۔ میں نے ایسی عظیم عورت اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی اور آپ مجھے اس کا سراغ لگانے کے لیے کہہ رہے ہیں؟“

”کوئی بات نہیں۔ سونیا آپ کے لیے عزیز ہے تو ہمارے لیے بھی عزیز ہے۔ پلیز، آپ فرہاد علی تیمور کے دماغ میں جھانک کر دیکھیے۔ اسے کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟ ہمارے گمشدہ ہیلی کاپٹر کو اغوا کر کے کہاں لے جایا گیا ہے؟“

رسونتی نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ کس فرہاد کے دماغ میں پہنچنا چاہتی تھی؟ آخری بار اس نے سجاد کو فرہاد کے روپ میں سلاخوں کے پیچھے دیکھا تھا۔ بہرحال ٹیلی پیتھی کی پرواز کے لیے ابھی وہ خود پریشان ہوتی رہتی اور ڈاکٹروں کو پریشان کرتی رہتی۔ میرے پاس کبھی نہ پہنچتی۔ میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔

وہاں دن نکل آیا تھا۔ وہ سب ہیلی کاپٹر سے باہر آگئے تھے۔ رات کو چاروں طرف جو اونچے اونچے پہاڑ نظر آ رہے تھے وہ دن میں بدل تو نہیں سکتے تھے۔ وہی اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور بلندی تک جمے ہوئے بے ترتیب وزنی پتھر دکھائی دے رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ذرا بھی کوئی کھانسے گا یا چھینکے گا تو آواز سے پتھر سرک جائیں گے اور اوپر سے گرنا شروع ہو جائیں گے۔ وہ سب کھڑے سر گھما گھما کر دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک گارڈ نے چیخ کر پوچھا ”یہاں کوئی ہے؟“

اس کی آواز دور تک گونجنے لگی ”کوئی ہے۔ ہے، ہے، ہے۔“ وہ سب چوکس ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے ان کی پکار کا جواب مل رہا ہے ”ہاں ہے، ہے، ہے . . .“

میں نے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں یکبارگی کہا ”ہوں ہوں، میں آگیا ہوں۔“

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے محافظوں نے پوچھا ”کیا بات ہے؟“

وہ ذرا سہم کر بولی ”کچھ نہیں، یہاں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔“

میں نے چپکے سے پوچھا ”مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟“

”تم اس طرح اچانک نہ آیا کرو۔ اگر میں سانس روک لوں تو میرے دماغ میں جگہ بھی نہ ملے۔“

”کہو تو چلا جاتا ہوں۔“

"میں گھر آئے ہوئے مہمان کو ناراض نہیں کرتی۔"

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے۔ ہمیں فلائی کرنا چاہیے شاید کسی دوسری جگہ۔۔۔"

اس کی بات کے دوران میں اعلیٰ بی بی نے مجھ سے کہا: "میں نہیں چاہتی کہ کسی دوسری جگہ ہمیں آرام ملے اور سجّاد آرام سے نیند پوری کرے۔"

"تم ایسا کیوں نہیں چاہتیں؟"

"ربی اسفندیار نے میرے اور سجّاد کے دماغ میں تنویمی عمل کے ذریعے یہ بات ٹھونس دی ہے کہ ہم رات کو گیارہ بجے آرام سے سو جایا کریں گے اور نیند میں اس کی دوستی کا سبق دُہراتے رہیں گے۔ پچھلی رات مجبوری تھی۔ ہم سو نہ سکے لیکن جب بھی آرام سے سونے کا موقع ملے گا، ربی اسفندیار کی باتیں دماغ میں تازہ ہو جائیں گی۔ مجھ پر تو اثر نہیں کر سکتیں لیکن سجّاد ان سے متاثر ہوگا۔"

"کیا اسی لیے تم نے ہیلی کاپٹر کا رُخ اِدھر موڑ دیا ہے؟"

"ہاں، اگر ہم باباصاحب کے ادارے میں جاتے تو اسے آرام ملتا۔ میں کچھ روز سجّاد کو بھٹکانا چاہتی ہوں۔ اسے کم از کم ایک ہفتے تک آرام نہیں ملنا چاہیے۔"

"اتنی سی بات کے لیے تم اسے اس ویرانے میں لے آئی ہو؟"

"میں اس ویرانے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ تم سے تو رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔ تم سمجھ رہے تھے، میں فرہاد علی تیمور کو اپنے دماغ میں محسوس کر لوں گی۔ لہٰذا مجھ سے چھپتے رہے۔ میں نے بارہا انتظار کیا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تم کب سجّاد کے دماغ میں رہ کر مجھے دیکھتے ہو۔ میری باتیں سنتے ہو۔ میں نے مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ جب ہیلی کاپٹر کو اغوا کروں گی اور اس کا رخ موڑ دوں گی تو یقیناً تم میرے پاس آنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور دیکھ لو تمہیں آنا ہی پڑا۔"

"سجّاد جب بھی سویا کرے گا، میں اس تنویمی عمل کا توڑ کرتا رہوں گا۔"

"میں یہی چاہتی ہوں۔ اگر میں سجاد کو باباصاحب کے ادارے میں لے جاتی تو کسی نہ کسی ہپناٹزم کے ماہر کی خدمات حاصل ہو سکتی تھیں۔ وہ بھی ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کا توڑ کر لیتا لیکن تم نے سجاد کے دماغ میں نقش کر دیا ہے کہ وہ فرہاد ہے۔ اگر کوئی دوسرا تنویمی عمل کا ماہر ربی اسفندیار کے عمل کو صاف کرتا تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے تنویمی عمل کو بھی صاف کر دیتا اور وہ پھر خود کو سجّاد سمجھنے لگتا۔ اسی خدشے کی بنا پر میں نے یہ چکّر چلایا ہے۔"

"تم نے اچھا کیا۔ اب ان لوگوں کو مشورہ دو کہ صرف پائلٹ ہیلی کاپٹر میں پرواز کرے۔ چاروں طرف پہاڑوں کی بلندی پر جائے اور دور تک ایک چکّر لگا کر دیکھے کہ آس پاس کی جگہ کیسی ہے اور یہ کون سا ملک ہے۔"

"یہ دونوں مسلّح محافظ شاید میرا یہ مشورہ تسلیم نہ کریں۔ لازماً ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر جانا چاہیں گے۔"

"تم سجّاد کے ساتھ جانے سے انکار کر دو۔ بہانہ یہ ہوگا کہ ہیلی کاپٹر میں ایندھن برائے نام رہ گیا ہے۔ لہٰذا تم ڈرتی ہو کہ نہیں پرواز کے دوران کب ایندھن ختم ہو جائے اور تمام زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں۔"

ہم سوچ کے ذریعے گفتگو کر رہے تھے۔ اُدھر وہ لوگ آپس میں مشورے کر رہے تھے۔ اعلیٰ بی بی نے کہا: "میں فرہاد کے ساتھ یہیں رہوں گی۔ آپ دونوں کے پاس ہتھیار ہیں، لہٰذا آپ بھی ہماری حفاظت کے لیے یہیں رہیں۔ صرف پائلٹ کا جانا بہتر ہوگا۔"

ایک گارڈ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اعلیٰ بی بی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے کہا: "میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس میں ایندھن برائے نام رہ گیا ہے۔ لہٰذا میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی۔ فرہاد کے ساتھ یہیں رہوں گی۔"

"لیکن مادام! پرواز کے دوران ایندھن کم پڑنے لگا اور پائلٹ کسی دوسری جگہ اتر گیا تو ہمارا اس سے رابطہ قائم نہیں ہوگا۔"

"پائلٹ یہاں سے پرواز کرنے کے بعد جہاں بھی جائے گا یقیناً کسی آبادی کے قریب ہی اترے گا۔ یہ آپ کے پاس سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ ایک بار ان سے رابطہ قائم ہو جائے تو ہم یہاں سے بآسانی نکل جائیں گے۔"

اعلیٰ بی بی اپنی ضد پر قائم رہی۔ مجبوراً پائلٹ کو وہاں سے جانا پڑا۔ دونوں گارڈ اعلیٰ بی بی اور سجاد کے ساتھ رہ گئے۔ میں پائلٹ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ہیلی کاپٹر اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ چاروں طرف پھیلی پہاڑیوں سے بلند ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پرواز کرتے ہوئے آس پاس کے علاقوں کو دیکھنے لگا۔ ایک طرف سمندر نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف دور تک پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ کہیں کہیں سبزہ زار نظر آتا تھا۔ ایک جگہ برائے نام ایک چھوٹی سی بستی نظر آتی۔ پتا چلا، وہ یونان کے جنوب میں جزیرہ کریٹ ہے اور وہ پہاڑیاں اس جزیرے کے مشرقی حصّے میں ہیں۔ اگر اعلیٰ بی بی سجّاد کے ساتھ پیدل سفر کرے گی اور ان پہاڑیوں کو عبور کرتی جائے گی تو آگے جا کر اسی بستی کے قریب پہنچ جائے گی۔

اب پائلٹ اس ہیلی کاپٹر کو جزیرہ کریٹ کے شہر ہیراکلیون کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی، ایندھن اتنا ہی ہے کہ شاید وہ شہر تک بھی نہ پہنچ سکے کہیں قریب ہی اتر جائے۔ میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے سمندر کی طرف موڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نیچے صرف سمندر نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے تھوڑی دیر پہلے شہر کی طرف پرواز کی تھی۔ یہ کیسے ہو گیا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے پھر ہیلی کاپٹر کا رخ موڑنا چاہا لیکن میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے موڑنے نہیں دیا۔ دور سمندر میں لے جاتا رہا۔ حتّیٰ کہ ایندھن ختم ہونے لگا۔ وہ جزیرہ کریٹ سے دور چلا آیا تھا۔ مشرق کی طرف ایک اور جزیرے کو بھی پار کر گیا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ آس پاس نہ کوئی جزیرہ ہے نہ کسی ملک کا ساحل نظر آتا ہے تو میں نے اسے کاک پٹ ہٹانے پر مجبور کیا۔ اب وہ ہیلی کاپٹر سمندر کی سطح سے چند فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اب تب وہ سمندر کی سطح کو چھو لے گا اور چھونے کے بعد اس میں ڈوبتا چلا جائے گا۔

یہی کچھ ہو رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کبھی سمندر کی سطح سے ٹکراتا تھا اور غضب ناک لہریں چاروں طرف چھینٹوں کی صورت میں اچھلتی تھیں، پھر وہ ذرا بلند ہوتا تھا۔ ایسا ہی ہوتا رہا۔ پھر پائلٹ نے کاک پٹ سے نکل کر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ میں اعلیٰ بی بی کے پاس آ گیا۔ اس نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

میں نے اسے تفصیل سے سمجھا دیا۔ وہ بولی: "میں ان مسلّح محافظوں کو اس بستی تک چلنے پر کیسے مجبور کروں؟"

"ابھی یہ مجبور ہو جائیں گے۔ ذرا تم قہقہے لگاؤ۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ دونوں گارڈ اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔

سجاد نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

وہ چپ ہو گئی۔ پریشان ہو کر بولی: "پتا نہیں۔ کیا بات ہے۔ اچانک میرا دل ہنسنے کو چاہا اور میں بے اختیار ہنسنے لگی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایک گارڈ کو ہنسنے پر مجبور کیا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ہنس رہا تھا اور سہمی ہوئی نظروں سے سر اٹھا کر پہاڑ کی بلندیوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ دوسرے گارڈ نے اسے تھام لیا۔ جھنجھوڑ کر پوچھا: "بھئی کیا ہو گیا؟ یہ کیا پاگل پن ہے؟"

قہقہہ لگانے والے گارڈ نے اچانک خود کو چھڑا کر اپنے ساتھی کے منہ پر زور سے گھونسا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ایک چٹان سے ٹکرا گیا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنے ساتھی کو حملہ کرنے سے روکتا یا جوابی کارروائی کرتا لیکن وہ خود قہقہے لگانے لگا۔ اب وہ پہلا قہقہے لگانے والا گارڈ اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

اور اپنے سر کو تھام کر سوچ رہا تھا، تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ وہ کیوں ایسا کر رہا تھا؟ جو کچھ وہ کر رہا تھا، وہی اپنے ساتھی کو کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے کہا: "معلوم ہوتا ہے، ہم کسی آسیب زدہ علاقے میں آ گئے ہیں۔ میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے اختیار قہقہے لگا رہا ہوں۔"

دوسرے گارڈ نے اس کی تائید کی: "میں بھی بے اختیار کچھ اسی طرح کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

اعلیٰ بی بی نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا: "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔"

"لیکن ہم ہیلی کاپٹر کا تو انتظار کریں۔ پائلٹ آتا ہی ہوگا۔"

"ذرا گھڑی دیکھو۔ اتنی دیر ہو گئی ہے۔ ایندھن ختم ہو گیا ہوگا۔ وہ کہیں اتر گیا ہے۔"

میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا: "اب یہ دونوں گارڈ جدھر جائیں گے، تم اسی طرف سجّاد کے ساتھ چلی جانا۔"

یہ کہتے ہی میں اُن میں سے ایک کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے اسٹین گن کو اپنے ساتھی کی طرف کیا۔ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اس کے ساتھی نے حیران ہو کر کہا: "جوڈی! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اسٹین گن نیچے کرو۔"

"اگر تم میرے آگے آگے نہیں بھاگو گے تو میں فائر کر دوں گا۔"

وہ ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے بولا: "کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"کیا بھول گئے ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اب بھاگنا شروع کرو۔"

یہ کہتے ہی اس نے تڑ تڑ تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ گولیاں اس کے قدموں کی طرف برسائیں۔ قدموں تلے زمین سخت تھی اس کے باوجود گولیاں مٹّی کو اچھالتے ہوئے ذرا دور تک چلی گئیں۔ اس کا ساتھی بوکھلا کر بھاگتے ہوئے بولا: "دیکھو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں جوابی کارروائی کر سکتا ہوں لیکن یہ حماقت ہوگی۔ میں تمہاری طرح پاگل نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اس طرح کیوں بھگا رہے ہو؟"

"بس تم بھاگتے چلو۔"

اب یہ حالت تھی کہ ایک آگے بھاگ رہا تھا اور دوسرا اسٹین گن کی زد میں اسے بھگا رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی اور سجّاد بھی دوڑتے ہوئے ان کے پیچھے جانے لگے۔ سجّاد نے کہا: "آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم دونوں ہمارے محافظ ہو لیکن آپس ہی میں جھگڑا کر رہے ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔" اچھا ہے۔ اسی بہانے ہم اس جگہ سے ذرا دور چلے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ آسیب ہم پر حاوی نہ ہو سکے۔"

میں جدھر انھیں لے جانا چاہتا تھا، وہ اسٹین گن والا اُدھر اپنے ساتھی کو بھگا رہا تھا۔ میں چاہتا تو دونوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر وہیں ختم کر سکتا تھا لیکن ادھر سے سراغ رساں طیارے یا ہیلی کاپٹر گزرتے تو انھیں جوانوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی نظر آجاتیں یا پھر مردار کھانے والے گدھ ادھر آجاتے اور سراغ رسانوں کی رہنمائی کرتے۔ اسی لیے میں انھیں بھگاتا جا رہا تھا۔ بہت دور جانے کے بعد میں نے ایک جگہ انہیں رُکنے پر مجبور کر دیا۔ بائیں طرف ایک غار نظر آ رہا تھا۔ مجھے یاد آیا، جب ہیلی کاپٹر کا پائلٹ پرواز کر رہا تھا تو میں نے اس کے ذریعے مشرق کی طرف ایک پہاڑی دیکھی تھی۔ اس کے دوسری طرف چند میل کے فاصلے پر وہ چھوٹی سی بستی اور سبزہ زار نظر آئے تھے۔ میں نے اسی غار میں انھیں داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔

جو گارڈ آگے آگے بھاگ رہا تھا، وہ اس بات سے مطمئن تھا کہ اس کا ساتھی اس وقت تک فائر نہیں کرے گا جب تک وہ اس کی بات مانتا رہے گا۔ شاید اس علاقے سے نکل جانے کے بعد وہ آسیب اس کے ساتھی کے دماغ سے نکل جائے۔ اس کے بعد وہ اس سے اسٹین گن چھین لے گا۔

اس غار میں نیم تاریکی تھی لیکن راستہ نظر آتا تھا۔ دن کی روشنی اس غار میں دور تک چلی گئی تھی۔ جہاں روشنی کا گزر نہیں ہوتا تھا، وہاں پہاڑی کے اوپر والی چٹانیں کہیں کہیں ہٹ گئی تھیں۔ جیسے قدرتی روشن دان بن گئے ہوں۔ وہ دونوں بہت دور تک آگے پیچھے دوڑتے رہے۔ جب میں نے اندازہ لگایا کہ دونوں اس غار کے درمیانی حصّے میں پہنچ گئے ہیں اور پیچ در پیچ غار کے اس حصّے تک مردار کھانے والے گدھ نہیں پہنچ سکیں گے تو میں نے پیچھے والے کو اسٹین گن سے فائر کرنے پر مجبور کر دیا۔ تڑ تڑا تڑ کی آواز کے ساتھ آگے جانے والا گارڈ لڑکھڑا کر گرا۔ میں اس گرنے والے کے پاس پہنچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے بلٹ اس کے جسم میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود میں نے اسے سنبھالا۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جوابی فائرنگ کی۔ اعلیٰ بی بی اور سجّاد ان سے بہت دور، غار کی ایک دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے تھے تاکہ ان کی فائرنگ سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔

غار کے اندر گولیاں چلنے کی آوازیں دور تک گونج رہی تھیں پھر اچانک فائرنگ تھم گئی۔ اس کی گونج تھوڑی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ آخر سناٹا چھا گیا۔ اعلیٰ بی بی اور سجّاد نے دیوار سے ہٹ کر دیکھا۔ دونوں کی لاشیں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا۔" اب جلدی سے اس غار کو عبور کرو۔ شاید فائرنگ کی آواز دور دور تک گئی ہو۔ وہاں کے لوگ اِدھر آ سکتے ہیں۔"

وہ سجّاد کے ساتھ تیزی سے چلنے لگی۔ وہ غار پیچ در پیچ دور تک چلا گیا تھا۔ وہ دیر تک چلتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد غار کے دوسرے سرے پر پہنچے تو انھیں کھلا آسمان اور دن کا روشن اجالا دکھائی دیا۔ دور تک سبزہ زار نظر آ رہا تھا۔ دور بہت دور، اونچائی پر کچھ مکانات تھے۔ اندازے کے مطابق وہ کم از کم دو اڑھائی میل کے فاصلے پر ہوں گے۔

میں نے کہا۔" تم دونوں وہاں جا سکتے ہو۔ تھوڑی دیر بعد میں تمھاری خیریت معلوم کروں گا۔ اب مجھے بھی نیند پوری کرنی ہے۔"

وہ چلتے چلتے بولی۔" تم نے اپنے متعلق کچھ بتایا نہیں۔"

" بتاؤں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سونیا بستر پر اپنی نیند پوری کر رہی تھی۔ جب تک اعلیٰ بی بی اور سجّاد اس بستی میں پہنچ نہ جاتے، میں مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ تقریباً پینتالیس منٹ کے بعد میں نے پھر ان سے دماغی رابطہ قائم کیا۔ وہ بستی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ وہاں کوئی بیس پچیس مکانات ہوں گے۔ بستی کے کچھ لوگ اس غار کی طرف آ رہے تھے۔ وہ زرد رنگ کے لبادے میں تھے اور سب ہی مرد تھے۔ اعلیٰ بی بی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں تیر کمانیں اور کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں عجیب قسم کے نیزے تھے۔ وہ قدیم یونانی تاریخ کے باشندے لگ رہے تھے۔ ایک کے پاس رائفل بھی تھی۔ اس نے رائفل کا رخ اعلیٰ بی بی کی طرف کرتے ہوئے چیخ کر مقامی زبان میں کچھ کہا۔ وہ دونوں جہاں تھے، وہیں رک گئے۔ پھر سجّاد نے بلند آواز سے کہا۔" ہم تمھاری زبان نہیں جانتے۔ تم میں سے کوئی انگریزی جانتا ہو تو ہم سے بات کرے۔"

رائفل والے نے کہا۔" اس علاقے میں عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ صرف عورتوں کی ہی بات نہیں ہے، ہم اپنی بستی میں کوئی مادہ جانور بھی نہیں پالتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔" یہ تو عجیب سی بات ہے۔ میں یونان کے متعلق کسی حد تک جانتی ہوں۔ ایتھنز سے چھ سو کلو میٹر دور کوہ ایتھوز ہے، وہاں تقریباً نو سو سال سے عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ یونان کے قدامت پسند راہبوں نے کوہِ ایتھوز کو اپنی جاگیر بنا رکھا ہے۔"

رائفل والے نے کہا۔" ہم وہی یونانی راہب ہیں۔"

" لیکن یہ جزیرہ کریٹ ہے۔ یہاں کسی علاقے میں عورتوں کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔ تم لوگوں نے یہ خود ساختہ قانون بنایا ہوا ہے۔"

" ہم سے بحث نہ کرو۔ اپنی زندگی چاہتی ہو تو واپس چلی جاؤ۔ آگے قدم بڑھاؤ گی تو جان سے جاؤ گی۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو سوچ کے ذریعے کہا۔" یہ کیا نئی مصیبت آگئی ہے۔ میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہو کر سونا چاہتا تھا مگر ایسے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

" ان لوگوں نے خواہ مخواہ یہ قانون بنایا ہوا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے، عورتوں کا داخلہ کسی اور جگہ ممنوع نہیں ہے۔"

" ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ میں اگر اس رائفل والے کے دماغ میں پہنچ کر اسے ختم کر دوں، تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دوسرے موجود رہیں گے۔ یہی ایک ایسا ہے جس کے ذریعے میں دوسرے راہبوں کی اجنبی زبان سمجھ سکتا ہوں۔"

سجّاد نے ان سے کہا۔" ہم نہتے ہیں۔ جھگڑا نہیں کریں گے واپس چلے جائیں گے لیکن اتنی تو راہنمائی کرو کہ ہمیں کدھر جانا چاہیے۔ یہاں ایسی کوئی بستی ہے، جہاں ہم دونوں کا گزارہ ہو سکے؟"

" کم از کم پچاس یا پچپن میل مغرب کی طرف جانے سے ایک چھوٹا سا شہر ملے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔" ہم اُدھر جائیں گے لیکن ابھی تھکے ہوئے ہیں۔"

رائفل والے نے ڈانٹ کر کہا۔" تم باتیں نہ کرو۔ ہم عورت کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ تمھارا آدمی بولے گا۔"

سجّاد نے کہا۔" اچھی بات ہے۔ میں ہی کہتا ہوں۔ ہمیں کم از کم دو چار گھنٹے سونے کا موقع ملنا چاہیے۔ ہم بھوکے ہیں۔ کچھ کھانا بھی چاہتے ہیں۔ کیا اتنی سی انسانی ہمدردی نہیں کر سکتے؟"

رائفل والے نے ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اس پہاڑی کے دامن میں جہاں بڑی بڑی چٹانوں کا ایک گھر سا بنا ہوا ہے، وہاں جا کر آرام سے سو جاؤ۔ اپنی عورت سے کہو یہاں سے اور ذرا دور چلی جائے۔ تم جہاں ہو، وہیں کھڑے رہو، ہم کچھ کھانے کی چیزیں تمھیں دیں گے۔"

اعلیٰ بی بی سجّاد کو وہیں چھوڑ کر دور جانے لگی۔ رائفل والے نے پوچھا۔" یہ فائرنگ کی آوازیں کیسی تھیں؟ اُدھر غار کی طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔"

" ہمارے ساتھ دو مسلح جوان تھے وہ آپس میں لڑنے لگے۔"

" کیوں لڑنے لگے؟"

میں نے سجّاد کے دماغ میں جو بات ڈالی، اسی کے مطابق وہ کہنے لگا۔" تم دیکھ رہے ہو، میری عورت بہت خوبصورت ہے۔ وہ اس کے لیے لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپس ہی میں لڑ مرے۔"

سجّاد کی باتوں کے دوران وہ تمام یونانی راہب دور جانے والی اعلیٰ بی بی کو دیکھ رہے تھے۔ ایک راہب ان کے لیے ڈبل روٹی اور فرائی کیا ہوا گوشت لے آیا۔ سجّاد نے پوچھا۔" یہ کس جانور کا گوشت ہے؟"

" ہم مادہ جانور نہ تو پالتے ہیں نہ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ یہ ایک دُنبے کا گوشت ہے۔"

اس نے پانی سے بھرا ہوا ایک جگ اور ایک گلاس لے کر دے دیا۔ وہ یہ چیزیں لے کر اعلیٰ بی بی کی طرف آنے لگا۔ میں نے کہا۔" ذرا تیزی سے اس پہاڑی کی طرف جاؤ، جہاں وہ چٹانیں ہیں۔"

وہ پندرہ منٹ کے بعد وہاں پہنچے۔ ان چٹانوں کے سائے میں زمین پر اتنے بڑے بڑے پتھر تھے کہ ان پر آرام سے سویا نہیں جا سکتا لیکن کسی نہ کسی طرح نیند پوری کی جا سکتی تھی۔ ان لوگوں نے تھوڑا سا کھایا۔ پانی پیا۔ پھر دو مختلف پتھروں کے اوپر چڑھ کر لیٹ گئے۔ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر وہ بستی نظر آ رہی تھی۔ ہرے بھرے درختوں کے درمیان کچھ مکانات دکھائی دیتے تھے۔ باقی بستی کا حصّہ چھپا ہوا تھا۔

اعلیٰ بی بی نے کہا۔" میں اطمینان سے سو نہیں سکتی۔ ان راہبوں سے ڈر لگتا ہے۔"

" سجّاد سے کہو، وہ تین گھنٹے تک جاگتا رہے۔ اس کے بعد تم اپنی نیند پوری کر لو گی تو وہ سو جائے گا۔" میں نے اس سے کہا۔

انھوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ اعلیٰ بی بی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ میں نے اسے ٹیلی پیتھی کی لوری سنا کر سلا دیا۔ اس کے دماغ میں تین گھنٹے بعد بیداری کا وقت مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ مجھے سو جانا چاہیے تھا لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔ جانے کیوں ان راہبوں کی طرف سے اندیشہ تھا۔ جن مذاہب میں نفس کشی کا منتہا یہ ہو کہ عورت شجرِ ممنوعہ سمجھی جائے وہاں گناہ کے لیے چور راستے کھل جاتے ہیں۔ اسی لیے اسلام میں رہبانیت سختی سے منع کی گئی ہے۔ عیسائیوں میں راہب اور راہبائیں کیسے مشترکہ طور پر تبلیغی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن یونان میں کوہِ ایتھوز کے راہبوں نے تو انتہا کر دی تھی۔ نو سو سال سے عورتوں اور مادہ جانوروں کا وجود اپنے علاقے میں ممنوع قرار دے رکھا تھا اور یہی پابندی اس چھوٹی سی بستی میں بھی عائد کی گئی تھی۔ میں ان راہبوں کی طرف سے مطمئن نہیں

رہ سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد سونیا اپنے وقت کے مطابق بیدار ہوگئی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی "تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

اس کی نیند کے دوران میں جو باتیں میں نے معلوم کی تھیں، وہ تمام اسے بتا دیں۔ اس نے سننے کے بعد کہا "واقعی اعلیٰ بی بی ایسی جگہ ہے کہ تم مطمئن ہوکر نیند پوری نہیں کر سکتے۔ ٹھیک ہے، دو گھنٹے اور جاگ لو۔ اس کے بعد سو جانا۔"

"نصیب میں یہی لکھا ہے تو جاگنا ہی پڑے گا۔"

وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی "فرہاد! تم نے کہا تھا رسونتی سے کبھی رابطہ قائم نہیں کرو گے۔ اس کی آواز تک نہیں سنو گے البتہ زندگی کے کسی موڑ پر اچانک سامنا ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے، اور یہ دوسری بات آج ہی ہوگی۔ جب یہ ہو ہی گئی ہے تو پلیز، اس سے میل ملاپ کرلو۔"

"ہرگز نہیں۔"

"یہ ہٹ دھرمی ہے۔"

"تم کیوں اس سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کہہ رہی ہو؟"

"وہ تمھاری دشمن ہونے کے باوجود میری عقیدت مند ہے۔ احسان فراموش نہیں ہے۔ وہ تمھارے احسانات کو کبھی نہیں بھولے گی۔ تمھارے ہی بیان کے مطابق وہ اب تم سے دشمنی کرکے پچھتا رہی ہے۔ جب ٹھوکر لگتی ہے، تب ہی اپنے یاد آتے ہیں اور دشمنوں کے چہرے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ جب وہ راہِ راست پر آرہی ہے تو . . ."

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "وہ اب سے پہلے بھی بارہا راہِ راست پر آتی رہی ہے۔ بارہا اپنی غلطیوں پر پچھتاتی رہی ہے۔ مجھ سے کئی بار معافی مانگ چکی ہے۔ اپنی غلطی کا احساس کرچکی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"جو کچھ بھی ہوا، اس نے جو کچھ بھی کیا، بار بار کیا، تب بھی وہ اپنی ہے۔"

"میرے لیے اپنی نہیں ہے۔ تمھارے لیے ہوسکتی ہے۔"

"چلو میرے لیے سہی۔ کیا میری خاطر اس سے رابطہ قائم نہیں کرو گے؟ کیا یہ نہیں معلوم کرو گے کہ وہ کس حال میں ہے؟ اگر اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آرہی ہیں تو اس کی مدد کرو۔ بے شک تم سے کوئی تعلق نہیں رہا لیکن تم اس کے کام آؤ گے تو وہ تمھاری احسان مند رہے گی۔ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے بعد بھی تم سے دشمنی نہیں کرے گی۔"

"واہ، کیا دانشمندی سکھا رہی ہو۔ میں ایک نہیں کئی بار اس سے دھوکا کھا چکا ہوں۔ تم مجھے پھر وہی غلطی کرنے کے لیے کہہ رہی ہو۔ بابا صاحب نے آخری وقت رسونتی کے متعلق کہا تھا، کیا تمھیں یاد نہیں ہے؟"

"یاد ہے۔ انھوں نے کہا تھا، رسونتی اب کبھی ٹیلی پیتھی کا علم حاصل نہیں کرسکے گی۔"

"کیا انھوں نے غلط کہا تھا؟"

"بابا صاحب کی باتوں کو ہم غلط نہیں کہہ سکتے۔ انھوں نے روحانی عمل سے اس کے دماغ میں کوئی ایسی گرہ لگا دی ہے جس کی وجہ سے وہ یہ علم دوبارہ حاصل نہیں کرسکے گی۔ میں یقین سے کہتی ہوں، اگر بابا صاحب آج زندہ ہوتے، اسے پچھتاتے ہوئے دیکھتے، وہ توبہ کرتی، راہِ راست پر آتی تو بابا صاحب اسے معاف کر دیتے۔ اس کے دماغ سے وہ گرہ کھول دیتے، جو ہمارے لیے ناقابلِ فہم ہے۔"

"بابا صاحب ایسا ضرور کرتے۔ اس لیے کہ انھوں نے روحانی عمل کیا ہے۔ ٹیلی پیتھی کوئی روحانی علم نہیں ہے۔ اس کے اصول اور ضابطے ہیں۔ ایک مخصوص تکنیک ہے۔ روحانی عمل کی کوئی تکنیک نہیں ہوتی۔ ہوتی بھی ہو تو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتی۔ روحانی عمل کے جو نتائج نگاہوں کے سامنے آتے ہیں، ان کا جواز ہمیں نہیں ملتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عمل کیسے ہوگیا؟ میرا خیال ہے اگر رسونتی کے دماغ میں دوبارہ کوئی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت بحال کرسکتا ہے تو روحانی عمل کے ذریعے ہی کرسکتا ہے۔ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

وہ ناراض ہوکر میرے پاس سے اٹھ گئی۔ باہر جانے لگی تو میں نے کہا "تم خواہ مخواہ ناراض ہو جاؤ گی، تو میں تمھیں نہیں مناؤں گا۔"

"میں تمھاری خوشامد بھی نہیں کر رہی ہوں۔"

"یہ تو زبردستی ہے۔ خواہ مخواہ ضد کر رہی ہو۔"

"یہ ضد نہیں ہے۔ تم نے اس سے رابطہ قائم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اسے اغوا کیا جا رہا تھا تو کیا ضرورت تھی کہ اس کے دماغ میں جاتے اور ذرا سی دیر کے لیے ٹیلی پیتھی کے جلوے کرتے؟ ایک بار رابطہ قائم کرچکے ہو تو دوبارہ ابھی کرسکتے ہو۔"

"ایک بار تو مجبوری تھی۔ اس کی اور فرضی پارس کی زندگی خطرے میں تھی۔ اگر میں وہاں نہ پہنچتا تو تاشا اسے اور بچے کو ہلاک کر دیتی۔"

"بہرحال انسانی ہمدردی کے تحت تم اس کے پاس گئے تھے۔ میں اسی انسانیت کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اس سے رابطہ کرو۔ وہ اپنی غلطی کا احساس کر رہی ہے، پچھتا رہی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اسے پوری طرح اپنی غلطی کو محسوس کرنے کا موقع دیں اور اسے راہِ راست پر لے آئیں۔ راہِ راست پر لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دوبارہ اس کی طرف مائل ہو جاؤ، یا اس سے نکاح پڑھوا لو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں صرف انسانیت کی بات کر رہی ہوں۔"

"یہ بتاؤ، تم چاہتی کیا ہو؟"

"وہ میری دوست ہے۔ جب تک دشمن رہی، میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن تمھاری زبان سے یہ سننے کے بعد کہ وہ اپنی غلطی کو محسوس کرسکتی ہے، تو میں اسے محسوس کرانا چاہتی ہوں۔ ان حالات میں وہ دشمنوں کے پاس نہیں رہے گی۔ وہ مجھے مانتی ہے۔ میں اسے مانتی ہوں اور میں اس کے کام آؤں گی۔ تم میری مدد نہیں کرو گے تو میں اپنے لیے کوئی دوسرا راستہ اختیار کروں گی۔"

"تمھاری یہی ضد ہے تو جاؤ، میں اس سے رابطہ قائم کروں گا۔ صرف تمھاری وجہ سے سوچوں گا کہ ہم اس کے ساتھ آئندہ کس طرح نیکیاں کرسکتے ہیں۔"

وہ خوش ہوکر چلی گئی اور میں خیال خوانی کی پرواز میں مصروف ہوگیا۔

جن یونانی راہبوں نے اعلیٰ بی بی کا راستہ روکا تھا، ان میں سے ایک رائفل بردار تھا اور انگریزی بولتا تھا۔ میں اس کے دماغ پر حاوی ہوکر ان کے متعلق بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا، حتیٰ کہ ان کے چور خیالات بھی پڑھ سکتا تھا لیکن مجھ سے چوک ہوگئی تھی۔ میں نے اس انگریزی بولنے والے راہب کے لب و لہجے پر دھیان تو دیا تھا لیکن اسے یاد نہ رکھ سکا تھا۔ اب میں نے یاد کرنے کی کوشش کی تو ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس لیے میں سجاد کے پاس پہنچ کر آس پاس دیکھنے لگا۔ سامنے ہی ایک اونچے سے پتھر پر اعلیٰ بی بی گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ کسی اجنبی جگہ پہنچ کر اطمینان سے سونا تو کجا آرام کرنا بھی نہیں جانتی تھی لیکن میں نے ٹیلی پیتھی کی لوری سنا کر اس کے دماغ کو تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔ اب واقعی میری ٹیلی پیتھی کی لوری کا اس پر اثر ہوا تھا یا نہیں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کتنی گہری ہے، اس کا رفتہ رفتہ انکشاف ہوتا جا رہا تھا۔ تنویمی عمل ہو یا ٹیلی پیتھی کی لہریں ہوں، ایسے تمام علوم اس کے دماغ پر اسی حد تک اثرانداز ہوتے تھے جس حد تک وہ انھیں قبول کرنا پسند کرتی تھی۔

سجاد بڑی دور دور تک ٹہلتا رہا۔ کبھی وہ اعلیٰ بی بی کے پاس آجاتا تھا۔ کبھی کوئی آہٹ سن کر دور تک نظر دوڑاتا۔ کسی پرندے کے اڑنے یا آکر بیٹھنے کی آہٹ سے سناٹا ٹوٹ جاتا تھا۔ اس وقت وہ اس پتھر کے قریب آگیا تھا، جہاں اعلیٰ بی بی بے خبر سو رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک تو وہ یوں بھی حسین تھی، پھر خوابیدہ حسن کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

وہ اسے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک گہری نیند سوتی ہے لیکن اسی وقت چونک کر اپنے سامنے کی ایک چٹان کو دیکھنے لگا۔ کچھ آوازیں سنائی دی تھیں۔

سامنے ایک سیدھی سی چٹان دیوار کی طرح کھڑی تھی۔ آس پاس پتھر تھے اور پھر چٹانیں تھیں۔ چٹانوں اور پتھروں کی بے ترتیبی سے وہ جگہ بلندی پر تھی جہاں اعلیٰ بی بی سو رہی تھی۔ سجاد نے کان لگا کر سنا۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر آوازیں سنائی دیں اور وہ انسانی آوازیں تھیں۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا چٹان کے قریب پہنچا۔ چٹانوں اور پتھروں کی زبانیں نہیں ہوتیں۔ اگر ہوتیں تب بھی وہ انسانوں کی طرح بول نہیں سکتے تھے۔ وہ چٹان سے جاکر لگ گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ سامنے ہی جیسے ایک پتھر بول رہا تھا۔ اس نے چونک کر حیرانی سے اس پتھر کی جانب دیکھا پھر تیزی سے چلتا ہوا اُدھر پہنچا۔ بڑے بڑے بھاری پتھر ایک دوسرے پر بے ترتیبی سے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے دائیں بائیں جاکر دیکھا۔ شاید کسی پتھر میں شگاف نظر آئے یا کوئی ایسا راستہ ہو جہاں سے کسی کے بولنے کی آواز آئی ہو لیکن وہ ایک ٹھوس پہاڑ تھا۔ اندر سے کھوکھلا نہیں تھا کہ وہاں انسان بستے ہوں اور ان کے بولنے کی آواز سنائی دیتی ہو۔

اس نے سر گھما کر اعلیٰ بی بی کو دیکھا۔ جی میں آیا۔ اسے جگائے اور اسے ان آوازوں کے متعلق بتائے لیکن اعلیٰ بی بی نے کہا تھا، کوئی خطرہ ہو تو بیدار کرنا اور خطرہ فی الحال کہیں سے نہیں تھا۔

میری سوچ نے پلٹا کھایا۔

سونیا غسل خانے سے آگئی تھی۔ اس نے ایک قیمتی لباس زیب تن کر رکھا تھا اور آئینے کے سامنے سنگھار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر بولی "کیا اعلیٰ بی بی ابھی تک سو رہی ہے؟"

میں نے اسے وہاں کے حالات بتائے۔ اس نے کہا "آدھے گھنٹے کے بعد اس سے رابطہ قائم کرو۔ کیا رسونتی سے رابطہ قائم کیا تھا؟"

"اب کر رہا ہوں۔ تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو۔"

میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک طبی معائنے سے گزر رہی تھی۔ پتا چلا کتنے ہی ڈاکٹر معائنہ کرچکے ہیں آخری بار

ملٹری اسپتال کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر نے کابال تنظیم کے سربراہ سے کہا "ہمارے یہاں بیرونی ممالک سے جو معزز مہمان آئے ہیں ان میں ایک ڈاکٹر سومر ہیں۔ وہ دماغی امراض کا علاج کرنے میں بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ وہ یقیناً رسونتی کی دماغی کمزوریوں کو معلوم کر کے علاج کر سکتے ہیں "

اس مشورے کے مطابق فوراً ڈاکٹر سومر سے رابطہ قائم کیا گیا۔ اعلیٰ حکام نے اس سے درخواست کی کہ وہ رسونتی کی دماغی توانائی بحال کر دے۔ اس کے عوض اسے منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔ ڈاکٹر نے پہلے تو رسونتی کا معائنہ کیا۔ پھر اسپتال کے وہ تمام آلات اور مشینیں دیکھیں جو دماغ کی اندرونی کیفیات اور کمزوریوں کو ظاہر کرتی تھیں۔ اس کے بعد وہ اس کمرے میں آیا، جہاں اعلیٰ حکام اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے اطمینان سے بیٹھ کر کہا "میں علاج کر سکتا ہوں "

سب خوش ہو گئے۔ کابال تنظیم کے سربراہ نے کہا "اگر مادام رسونتی کی دماغی توانائی اور صلاحیتیں واپس آجائیں گی تو ہم آپ کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیں گے "

ڈاکٹر نے ایک سگار نکالا اور اس کے سرے کو دانتوں سے چبا کر ایک طرف تھوک دیا۔ اعلیٰ حکام نے ناگواری سے اسے دیکھا مگر برداشت کیا پھر اس نے سگار کو سلگایا۔ وہ جواب دینے میں دیر کر رہا تھا اور انتظار کرنے والے اضطراب میں تھے۔ آخر اس نے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور دھواں چھوڑتے ہوئے کہا "دولت کون نہیں چاہتا؟ دنیا کے کتنے ہی ممالک میں میرا بینک بیلنس ہے۔ اس کے باوجود میں اور بینک بیلنس بڑھانا چاہتا ہوں لیکن میں امارت کے اس مرحلے پر ہوں، جہاں مشغلے کے طور پر دولت کو حاصل کیا جاتا ہے۔ میرے متعلق آپ نے سنا ہی ہوگا کہ مجھے تاش کے پتّوں سے بہت دلچسپی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے کیسینو میں اپنی قسمت آزما چکا ہوں۔ کہیں بہت زیادہ ہار چکا ہوں اور کہیں تھوڑی بہت جیت بھی ہوئی ہے۔ یہاں میں کھیلنے آیا ہوں۔ تفریح کے موڈ میں ہوں لیکن آپ لوگ علاج کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ میں ایک شرط پر علاج کر سکتا ہوں "

"وہ کیا ؟"

"اگر میں نے آج شام تک مادام رسونتی کی دماغی توانائی بحال کر دی اور یہ خیال خوانی کے قابل ہو گئیں تو سب سے پہلے میں ان کی خیال خوانی سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ آج ایک رات کے لیے مادام رسونتی کی صلاحیتوں کو میرے نام کر دیں گے "

"ڈاکٹر سومر! آپ اپنی باتوں کی وضاحت فرمائیں :

"بات صاف ہے۔ میں یہاں تمام رات جوا کھیلتا رہوں گا۔ تاش کے پتّے میرے ہاتھ میں رہیں گے اور مادام رسونتی خیال خوانی کے ذریعے مجھے بتاتی رہیں گی کہ میرے مقابل کھلاڑیوں کے ہاتھوں میں کون کون سے پتّے ہیں "

یہودی اکابرین ایک دوسرے سے مشورے کرنے لگے۔ ایک نے کہا "ہمیں اعتراض نہیں ہے لیکن آپ جانتے ہیں، مادام رسونتی کیسینو میں داخل ہوں گی تو انہیں دیکھتے ہی یہاں آنے والے معزز مہمان کھیلنے سے انکار کر دیں گے۔ وہ سمجھ لیں گے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہم تمام لوگوں کی دولت سمیٹ لینا چاہتے ہیں "

"مادام کو وہاں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اپنی رہائش گاہ میں آرام فرماتی رہیں گی اور میرے دماغ میں پہنچ کر میری رہنمائی کرتی رہیں گی "

"یہ ممکن ہے۔ ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ آپ فوراً مادام کو اٹینڈ کریں "

ڈاکٹر سومر نے کہا "میں اپنا کام کر لوں گا لیکن پہلے آپ کے ربی اسفندیار سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے تنویمی عمل کے ذریعے رسونتی کے ایسے خیالات معلوم کیے ہوں گے جو کسی مشین کے ذریعے ممکن نہیں ہے "

فوراً ایک آفیسر نے ٹیلیفون کے ذریعے ربی اسفندیار سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا۔ میں نے سونیا کے پاس آکر کہا "مبارک ہو، تمھاری رسونتی کی دماغی توانائی بحال کرنے کے سلسلے میں بڑے زبردست اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ یہاں بین الاقوامی شہرت کا حامل ڈاکٹر سومر موجود ہے۔ وہ ربی اسفندیار سے رسونتی کے بارے میں تنویمی عمل کے نتائج معلوم کرنے کے بعد اس کا علاج شروع کرے گا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ شام تک رسونتی خیال خوانی کے قابل ہو جائے گی "

سونیا نے میرے پاس آکر کہا "اب سے پہلے بھی بڑے بڑے ڈاکٹروں نے دعوے کیے ہیں لیکن رسونتی کا علاج نہیں کر سکے۔ بات وہی ہے۔ بابا صاحب نے اس کے دماغ میں کوئی گرہ لگا دی ہے۔ یہ گرہ اسی وقت کھل سکتی ہے، جب جواباً روحانی عمل کیا جائے یا رسونتی اپنی غلطیوں پر بُری طرح پچھتاتی رہے۔ توبہ کرے اللہ دشمنوں کو چھوڑ کر دوستوں کا ساتھ دے اور وہ ایسا کرنے لگی ہے؛

"دیکھتے ہیں، ڈاکٹر سومر اور ربی اسفندیار مل کر کیا کرتے ہیں؛

"وہ کچھ بھی کریں، تم رسونتی کے دماغ میں موجود رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تنویمی عمل کے دوران وہ پچھتانا شروع کرے۔ تمھاری حمایت کرے اور ربی اسفندیار محتاط ہو جائے۔ دشمن رسونتی کی زبان سے تمھاری حمایت میں ایک لفظ سننا پسند نہیں کریں گے۔ وہ اس کا علاج نہیں کرائیں گے۔ پہلے اس کے دماغ میں دوبارہ دوستی

کے جراثیم پیدا کریں گے۔ مکمل طور پر اسے اپنی طرف مائل کریں گے۔ پھر ڈاکٹر سومر سے علاج کرائیں گے "

"یہ تم نے پتے کی بات کی ہے۔ رسونتی پچھتا رہی ہے۔ اب میرے متعلق نفرت سے نہیں سوچ رہی ہے۔ یہ بات دشمنوں کو پسند نہیں آئے گی "

تھوڑی دیر بعد جب میں رسونتی کے پاس پہنچا تو اس کے اس پاس ڈاکٹر سومر اور ربی اسفندیار کھڑے ہوئے تھے۔ ربی اسے اپنی معمول بنانے کے سلسلے میں ذہنی طور پر آمادہ کر رہا تھا۔ جب سے اس نے طیارے کے پاس نتاشا کو خیال خوانی سے زیر کیا تھا، تب سے وہ خود چاہتی تھی کہ فوری طور پر اس کا علاج ہو۔ اس کی دماغی کمزوری دور کی جائے اور وہ خیال خوانی کے قابل ہو جائے۔ اس لیے وہ آمادہ ہو گئی تھی۔

تنویمی عمل زیادہ طویل نہیں تھا۔ ربی اسفندیار نے اپنے اطمینان کے لیے پہلے تو یہ معلوم کیا تھا کہ رسونتی بدستور ان کی دوست اور وفادار ہے یا نہیں۔ میں نے اس کی زبان سے وفاداری اور دوستی کا یقین دلایا تھا۔ اس کے بعد اس نے ڈاکٹر سومر سے کہا۔ "میں اب سے پہلے بھی کئی بار تنویمی عمل کے ذریعے مادام کے دماغی حالات کو سمجھتا رہا ہوں۔ یہ جب بھی خیال خوانی کی کوشش کرتی ہیں، ان کے دماغ میں روشنی کا ایک ہالہ سا نظر آتا ہے۔ یہ محسوس کرتی ہیں کہ اُس ہالے کے پار... نہیں جا سکیں گی۔ اگر کسی طرح جانا ممکن ہو جائے تو خیال خوانی بھی ممکن ہو جائے گی "

ڈاکٹر سومر نے پوچھا "روشن ہالے کا مطلب کیا ہوا؟"

"اس کا مطلب ہے روحانی عمل۔ کوئی ایسا روحانی عمل ہے جو مادام کو خیال خوانی سے روکتا ہے۔ میں کئی بار جواباً عمل کر چکا ہوں لیکن کامیابی نہیں ہو رہی ہے "

ڈاکٹر سومر نے کہا "میں روحانیت کو اتنا نہیں مانتا جتنا کہ آپ بیان کر رہے ہیں۔ آپ کی باتوں سے اس کے مادّی اسباب سمجھ میں آ رہے ہیں۔ ایک عام سی بات ہے کہ آنکھوں کے سامنے اس قدر روشنی ہو کہ آنکھیں چکا چوند ہو جائیں تو پھر سامنے کچھ نظر نہیں آتا لیکن تاریک شیشوں کی عینک لگی ہو تو روشنی کچھ دھندلی پڑ جاتی ہے۔ آدمی سامنے راستہ دیکھ کر چل سکتا ہے۔ یہی بات مادام کے ساتھ ہے۔ ان کے آگے جو روشنی کا ہالہ ہے اس کے پار جانے کی ان میں سکت، صلاحیت یا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ حوصلہ پیدا کرنا ہوگا اور یہ حوصلہ دماغی توانائی سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جناب آپ کا شکریہ، اب میں اپنے طور پر علاج کروں گا "

ربی اسفندیار نے تنویمی عمل کے بعد رسونتی کے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ وہ ایک گھنٹے تک سوتی رہے۔ لہٰذا ڈاکٹر سومر ایک گھنٹے بعد اسے اٹینڈ کرنے والا تھا۔ اس وقت میں نے رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "میں اپنی غلطیوں پر پچھتا رہی ہوں۔ بہت پچھتا رہی ہوں۔ مجھے ایک بار اور موقع ملے تو میں ان غلطیوں کی بھرپور تلافی کروں گی۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ میں جانتی ہوں، اب فرہاد ہمیشہ کے لیے غیر ہو گیا ہے لیکن کسی غیر کو اپنا بنانے کی کوشش کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ جب بھی اس سے سامنا ہوگا، میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگوں گی۔ اس کا ساتھ نہ رہے، تب بھی سونیا کے ساتھ ضرور رہوں گی "

میں نے کہا "اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ وہ تمہیں حوصلہ اور دماغی توانائی دے "

"میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی آئی ہوں۔ آج پہلی بار خداوند کریم سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہی ہوں۔ ایک مسلمان شوہر کی شریکِ حیات رہنے کے بعد میں نے کبھی اس کے مذہب کو، اس کے خدا اور رسولؐ کو نہیں اپنایا۔ نہ کبھی ان کا نام زبان پر لائی۔ آج پہلی بار میں صدقِ دل سے اور اپنی روح کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہی ہوں کہ میری دماغی کمزوری دور ہو جائے۔ اگر میں کبھی غلطی کروں تو مجھے اس سے بھی سخت سزا ملے۔ کبھی میری دماغی توانائی بحال نہ ہو لیکن وہ رحم والا جو توبہ کے دروازے کھلے رکھتا ہے، وہ توبہ کرنے والوں کو ضرور آزماتا ہے۔ میں اسی آزمائش سے گزرنا چاہتی ہوں "

وہ بول رہی تھی۔ خاموشی سے اپنے اندر گڑگڑا رہی تھی۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے زندگی میں پہلی بار دل کی گہرائیوں سے ہمارے اللہ اور ہمارے رسولؐ کو یاد کیا تھا اور یاد کر رہی تھی۔ میں اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ سونیا نے پوچھا "کیا ہوا؟" میں نے اسے رسونتی کی بدلی ہوئی سوچ، مزاج، نظریے اور عقیدے کے متعلق بتایا تو وہ خوش ہو گئی۔ کہنے لگی "دیکھو فرہاد! میں نہ کہتی تھی، اگر کوئی دل سے پچھتا رہا ہو تو اسے معاف کر دینا چاہیے۔ اس کے ساتھ ایسی نیکی کرنا چاہیے کہ وہ خود اپنے لیے سیدھا راستہ تلاش کر لے۔ یہ تم نے بہت بڑی نیکی کی ہے۔ مجھے یقین ہے اس کی صلاحیتیں ضرور واپس آئیں گی "

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ کیا تم باہر جانا چاہتی ہو ؟"

"ہاں، جا رہی ہوں۔ تم دروازے کو اندر سے بند کر لو۔ میں وین وائز کے ساتھ تھوڑی دیر تل ابیب کی سیر کروں گی۔ اس وقت تک تم نیند پوری کر لینا "

ہم دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے تک آئے۔

میں نے اسے محبت سے رخصت کیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا اور بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

اعلیٰ بی بی دو گھنٹے سے کچھ زیادہ ہی نیند پوری کر چکی تھی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ نیند کی حالت میں اس نے کچھ بے چینی سی محسوس کی۔ فوراً آنکھ کھل گئی۔ میں نے کہا۔ "میں ہوں۔ ذرا اٹھ جاؤ۔ سجاد کسی کی آوازیں سن رہا ہے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ پتھروں اور چٹانوں کے پیچھے سے آوازیں آ رہی ہیں۔"

وہ چند لمحوں تک سکون سے بیٹھی رہی۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس اجنبی ماحول سے خود کو مانوس کرنے لگی۔ پھر اس نے سجاد کی طرف دیکھا۔ اس نے پھر کہا "میں یہاں کچھ آوازیں سن رہا ہوں۔"

"کہاں سے آ رہی ہیں؟" یہ کہتے ہوئے وہ پتھر سے اُتری۔ سجاد کی رہنمائی میں ان پتھروں کے پاس گئی جو بے ترتیبی سے اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر بلندی تک دیکھا، پھر ان پتھروں سے لگ کر آواز سننے لگی۔

میں نے کہا "میں پچھلی رات سے اب تک جاگ رہا ہوں۔ سوچ رہا تھا، تم بیدار ہو جاؤ گی تو میں نیند پوری کروں گا لیکن یہاں کوئی نئی مصیبت آنے والی ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی پتھروں کے پاس دیوار نما چٹان ایک طرف سرکنے لگی۔ گڑگڑاہٹ کی آواز سن کر اعلیٰ بی بی اور سجاد ایک دم سے اچھل کر دُور ہٹ گئے۔ جدھر چٹان سرک رہی تھی، ادھر ایک خلا سا بنتا جا رہا تھا۔ پھر وہ چٹان اپنی جگہ تھم گئی۔ وہ ایک تنگ دروازے کے برابر راستہ نظر آ رہا تھا۔ اس دروازے سے ایک صحت مند آدمی گزر سکتا تھا۔ دن کی روشنی جہاں تک پہنچ رہی تھی، وہاں اس کے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاریکی ہی تاریکی تھی لیکن وہ آوازیں اب واضح طور سے سنائی دے رہی تھیں۔

اعلیٰ بی بی نے پوچھا "یہاں کون ہے؟"

ایک مرد کی آواز سنائی دی "ہم ہیں۔ آ جاؤ، تمہارے لیے یہ راستہ کھولا گیا ہے۔" اس نے انگریزی میں کہا تھا۔ یہ وہی تھا جس کے پاس رائفل تھی۔

اعلیٰ بی بی اور سجاد ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے آگے بڑھے۔ اچانک دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے چاروں طرف چھ اور راہب جمع ہو گئے۔ وہ اعلیٰ بی بی اور سجاد کو اشارے سے آگے بڑھنے کا حکم دینے لگے۔

سجاد انکار کرنا چاہتا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا "جیسا یہ کہہ رہے ہیں، ویسا ہی کرو۔ آؤ۔"

دونوں آگے بڑھ کر غار کے اندر اس سمت میں جانے لگے، جہاں انھیں جانے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ ان کے آگے پیچھے راہب تھے۔ سجاد نے آہستگی سے بڑبڑانے کے انداز میں کہا "تھوڑی دیر کے لیے میری خیال خوانی کی صلاحیت بحال ہو جائے تو میں ان سے ہتھیاروں کے بغیر نمٹ لوں گا۔"

اعلیٰ بی بی نے آہستگی سے جواب دیا "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے کسی سمت جانا ہی تھا۔ عورت کے لیے راہبوں کی بستی کے پاس سے گزرنا منع ہے اور اب جدھر جا رہے ہیں، وہاں بلیک پورٹ ہے۔ شاید تمھیں نہیں معلوم کہ وہ غلاموں کی تجارت کا مرکز ہے۔ دیکھیں گے، وہاں چل کر کیا کر سکتے ہیں۔"

"اور اگر کچھ نہ کر سکے تو میں غلام بن کر رہ جاؤں گا اور یہ لوگ تمھیں کسی کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے بڑے تحمل اور سکون سے کہا "ہم تقدیر سے نہیں لڑ سکتے مگر ہاں، موقع ملا تو ان سے نمٹ لیں گے۔"

وہ پُراعتماد تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت میں سو رہا ہوں۔ اس کے بلیک پورٹ پہنچنے تک شاید بیدار ہو جاؤں گا اور اس سے رابطہ قائم کروں گا۔ جلد ہی رابطہ قائم نہ کر سکا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بحیثیت اعلیٰ بی بی کتنی ہی جان لیوا آزمائشوں سے تنہا گزر چکی تھی۔ اس ایک آزمائش سے بھی گزر سکتی تھی۔ میرا انتظار تو محض اس لیے تھا کہ وہ اپنی سوچ، اپنی ہمت اور اپنے ذرائع بہت سمجھ بوجھ کر استعمال کرتی تھی۔ ہم میں سے کسی کی موجودگی میں بالکل خاموش رہتی تھی اور تماشا دیکھتی رہتی تھی۔ جب تماشائی بنتے بنتے خود تماشا بن جاتی تھی تو اپنا اصلی روپ دکھاتی تھی۔

میری آنکھ کھل گئی۔ باہر بہت شور سنائی دے رہا تھا۔ باجے گاجے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہلا گلا ایسا تھا جیسے لوگ ناچ رہے ہوں، گا رہے ہوں، اچھل رہے ہوں، کود رہے ہوں۔ میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کی طرف دیکھا، وہ بند تھی۔ اس کے باوجود باہر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تل ابیب کے تمام ہوٹلوں کی ان کھڑکیوں کے پاس جو سڑکوں کی طرف کھلتی تھیں، نوٹس بورڈ لگا رہتا تھا، جس پر لکھا ہوتا تھا "سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی نہ کھولیں۔ باہر خطرہ ہے۔" وجہ یہ تھی کہ چھاپہ مار مجاہدین آئے دن

حملے کرتے رہتے تھے۔ گولیاں چلتی تھیں۔ کوئی بھی گولی کسی بھی ہوٹل کی کھڑکی کی طرف آ سکتی تھی۔ اس لیے ہوٹلوں میں قیام کرنے والے مسافروں کو محتاط رہنے کی تاکید کی جاتی تھی۔

اس وقت باہر سے جو شور سنائی دے رہا تھا، اس میں سراسیمگی یا دہشت نہیں تھی بلکہ خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس آیا مگر دیوار سے لگا رہا اور تھوڑا سا سر آگے بڑھا کر دیکھا۔ باہر کھلی شاہراہوں پر جوان مرد، عورتیں، بچے بوڑھے جلوس کی شکل میں ناچتے گاتے جا رہے تھے۔ خوشیاں منا رہے تھے۔ ان کے آگے پیچھے مختلف قسم کے بینڈ باجے اور آرکسٹرا وغیرہ مختلف دُھن سنا رہے تھے۔ الگ الگ دھُن پر لوگ مختلف طریقوں سے ناچ رہے تھے اور اپنی اپنی مسرّتوں کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے فوجی ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، طرح طرح کی توپیں اور مسلح بحری، بری اور فضائی فوج کے جوان نظر آ رہے تھے۔

۱۹۶۷ء میں دریائے اردن کے مغربی ساحل پر جنگ ہوئی تھی۔ اسرائیلی فوجیوں نے وہاں کے لاکھوں باشندوں کو پسپا کر کے دریا پار جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان فوجیوں سے جو ٹینک اور توپیں چھینی گئی تھیں، ان کی نمائش جشنِ آزادی کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔ ان ٹینکوں اور توپوں پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا "۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیلی جانبازوں نے اپنے دشمنوں سے یہ مال حاصل کیا ہے۔" اس مقبوضہ فوجی مال اور اسباب کے اطراف تل ابیب کے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے خوشی سے رقص کر رہے تھے۔

میں نے سونیا کی طرف سے دھمکی دی تھی کہ اگر اعلیٰ بی بی اور فرہاد کو رہا نہ کیا گیا تو آج کے دن اسرائیل میں کالا سورج طلوع ہوگا۔ ہم نے اس دھمکی پر عمل نہیں کیا کیونکہ انھوں نے ہماری شرط تسلیم کر لی تھی۔ ان دونوں کو رہا کر دیا تھا۔ اس رہائی کے پیچھے ان کی جو بھی چال رہی ہو۔ بہرحال وہ واقعی اعلیٰ بی بی اور سجاد کو باباصاحب کے ادارے تک پہنچانا چاہتے تھے لیکن ناکامی ہوئی اور اس ناکامی کے ذمّے دار وہ لوگ نہیں تھے، اس لیے آج کے دن ہم نے انھیں پریشان نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یوں بھی پریشان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دشمنوں کو ہلاک کیا جائے۔ جشنِ مسرت کے موقع پر بارودی دھماکے کیے جائیں۔ اُن کی خاص خاص عمارتوں کو منہدم کیا جائے۔ پریشان تو وہ بے چارے یوں بھی ہو رہے تھے۔ ان کی قوم بظاہر جشنِ آزادی منا رہی تھی۔ بہ باطن ان کے اعلیٰ حکام اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ سُراغ رساں طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو روانہ کرنے کے باوجود اس گم شدہ ہیلی کاپٹر کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس کے مسافر بھی کہاں گم ہو گئے تھے؟ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ پھر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ جانے سونیا کب انتقامی کارروائی کر بیٹھے اور جشنِ مسرت کو ماتم میں تبدیل کر دے۔

میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ اعلیٰ بی بی اور سجاد ابھی تک دُشمنوں کے نرغے میں تھے۔ اس علاقے میں پہنچ گئے تھے جہاں بلیک پورٹ تھا۔ سمندر کے کنارے ایک بہت بڑی پختہ عمارت تھی۔ اس کے ایک کمرے کے فرش پر اعلیٰ بی بی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے دماغ میں مجھے محسوس کرتے ہی بولی "کیا نیند پوری ہو گئی؟"

"ہاں، آنکھ کھلتے ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں ذرا جا کر سجاد کی خبر لے آتا ہوں۔"

سجاد آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "مجھے باہر جانے دو۔ میری ساتھی کہاں ہے؟ میں اُسے تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

ایک راہب نے ڈانٹ کر کہا "شور نہ مچاؤ، ورنہ تمہارا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے گا۔"

سجاد نے غصّے سے کہا "جانتے ہو تم کس سے بات کر رہے ہو۔ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ مجھ سے دنیا کے بڑے بڑے چور بدمعاش، ڈاکو، قاتل، اسمگلر، سارے خطرناک قسم کے لوگ خوف کھاتے ہیں۔ دُنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں میرے نام سے سہم جاتی ہیں۔ میں جس ملک میں جاتا ہوں، وہاں کے بڑے لوگ میرے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔"

راہبوں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ پاگل کا بچہ کیسی ڈینگیں مار رہا ہے۔ کیا نام بتایا تم نے؟"

وہ جھنجلا کر آہنی سلاخوں کو جھنجوڑتے ہوئے بولا "فرہاد علی تیمور۔ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ کوئی گم نام آدمی نہیں ہوں۔ کیا تم نے میرا نام نہیں سُنا ہے؟" سب قہقہے لگانے لگے۔

اچانک اُسے خیال آیا کہ وہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ اپنے ریکارڈ کے مطابق وہ دُشمنوں کی قید میں بڑے صبر اور ضبط کا مظاہرہ کرتا رہا ہے۔ کبھی جوش میں نہیں آتا تھا۔ آج اُسے کیا ہو گیا ہے؟

ایک انجانی سی سرگوشی اس کے کان میں اُبھری "شاید اُسے اعلیٰ بی بی کی فکر ہے۔ پتا نہیں دشمن اُسے کہاں لے گئے ہیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟"

پھر اُس کے دماغ نے سمجھایا۔ "وہ کوئی بچّی نہیں ہے۔ نادان نہیں ہے۔ اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہے۔ مجھے طیش میں نہیں آنا چاہیے۔ میں دُشمنوں کو اپنا نام بتا کر نہیں، کام دکھا کر دہشت زدہ کر سکتا ہوں۔"

آہنی سلاخوں والا کمرہ عمارت کے اُوپری حصے میں تھا۔ وہاں سے بہت کچھ نظر آتا تھا۔ کچھ نوجوان کبھی کبھی کھانے کی ٹرے لے کر اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس نے سوچا یہ جو باہر کام کرنے والے جوان نظر آ رہے ہیں، یہ بھی قیدی ہیں۔ غلامی کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے اس عمارت میں آزادی سے گھوم رہے ہیں۔

سجاد سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ایک جگہ قید رہنے سے بہتر ہے کہ وقتی طور پر غلامی کے لیے آمادہ ہو جائے۔ باہر نکلنے کے بعد اعلیٰ بی بی کے ساتھ فرار ہونے کا کوئی راستہ نکال لیا جائے گا۔

وہ انتظار کر رہا تھا کہ کوئی آ کر اُس سے کچھ کہے۔ انتظار کرتے کرتے وہیں آہنی سلاخوں کے پیچھے فرش پر لیٹ گیا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آنکھ لگ گئی۔ جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ سو رہا تھا۔ ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کے مطابق گہری نیند میں اُس کا پڑھایا ہوا سبق یاد کرنا چاہیے تھا۔ وہ سبق اُسے یاد آتا تھا مگر بے چینی محسوس ہوتی تھی۔ تنویمی عمل سے متاثر ہونے والے کے لیے آرام دہ بستر کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ننگے کھردرے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اس کے دماغ میں رہا اور اُسے سبق یاد کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک ہی دن کی کوششوں سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے مسلسل چند روز تک عمل کی ضرورت تھی۔ اعلیٰ بی بی نے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا تھا کہ اُسے یہاں لے آئی تھی۔ اس کے اس اقدام سے ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کا توڑ ہو رہا تھا۔

میں نے اعلیٰ بی بی کے پاس آ کر اُسے سجاد کے حالات بتائے پھر پوچھا۔ "اب کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ ہے اِدھر ہی رہ جاؤں۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا کہہ رہی ہو؟ کیا ان لوگوں کے ساتھ مصر جانے کا پروگرام ہے؟"

"ہاں، کچھ دنوں تک سجاد غلاموں کی سی زندگی گزارتا رہے تو بہتر ہے۔ اس سے اُسے آرام اور سکون کی نیند میسر نہیں ہوگی۔"

"کمال ہے! تم اُسے بے آرامی میں مبتلا رکھنے کے لیے غلام بنائے رکھنا چاہتی ہو۔"

"کیا حرج ہے؟ آخر وہ ہماری ٹیم میں رہے گا۔ اُسے نت نئے تجربات سے گزرنا ہی چاہیے۔"

"لیکن ضرورت ہی کیا ہے۔ میں جو موجود ہوں۔ جب بھی وہ سویا کرے گا، میں ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کا توڑ کیا کروں گا۔"

"فرض کرو تمھیں کسی دن وقت نہ ملا۔ تم اس کے دماغ میں نہ پہنچ سکے۔ کوئی مجبوری ہو گئی تب کیا ہوگا؟"

"میں تمھاری بات سے متفق ہوں کہ اُسے تجربات سے گزرنا چاہیے۔ ابھی وہ سلاخوں کے پیچھے جھلاہٹ اور غصے میں مبتلا تھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو پُرسکون رکھنا شروع کیا۔ تجربات ہی سکھاتے ہیں اور اُسے سیکھنا چاہیے۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو رسونتی کے متعلق بتایا۔ تمام باتیں سننے کے بعد اُس نے کہا "میں سونیا کے خیال سے متفق ہوں۔ بے شک وہ نہ تو اب تمھاری شریکِ حیات بن سکتی ہے، نہ دوست بن کر تمھارے ساتھ رہ سکتی ہے لیکن وہ ہمارے ساتھ تو رہ سکتی ہے۔ ہماری دُشمن نہیں ہے۔ ایسی ساتھی ہے جو نادان ہے۔ اُسے اب دوست اور دُشمن کی پہچان ہو چلی ہے۔ ایسے میں ہمارا فرض ہے کہ اُس کا ساتھ دیں۔ اُسے اپنائیں۔ ہم نے ایسا نہ کیا تو وہ نہ اِدھر کی رہے گی نہ اُدھر کی۔ یہودیوں پر تو اب شاید ہی وہ کبھی بھروسہ کر سکے۔ پھر بے چاری کہاں جائے گی؟"

"تم نے بھی اُس کی حمایت میں تقریر شروع کر دی ہے۔ اپنے متعلق بتاؤ۔ یہاں ان لوگوں کے ساتھ کیسے گزارہ کرو گی؟ یہ شیطان صفت لوگ ہیں۔ تم اپنے آپ کو کیسے بچاؤ گی؟"

"کیا میں نادان بچی ہوں؟ میں اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہوں۔ ایسا موقع آئے تو دیکھ لینا میں کیا کرتی ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔ رسونتی کے پاس جاؤ۔ یقیناً وہ علاج کے آخری اسٹیج پر ہوگی۔ وہاں تمھاری ٹیلی پیتھی اس کے کام آ سکتی ہے۔"

میں تھوڑی دیر بعد آنے کا وعدہ کر کے ڈاکٹر سومر کے پاس آ گیا۔ وہ رسونتی کے بستر کے پاس بیٹھا ٹی وی کے اس گراف کو دیکھ رہا تھا جہاں رسونتی کی دماغی حالت کی نشان دہی ہو رہی تھی۔ اُس کی نبض ڈاکٹر کے ہاتھ میں تھی اور وہ آنکھیں کھولے چھت کو تک رہی تھی۔ اس کے سر پر آہنی خول چڑھا ہوا تھا۔ یہ خول سائنسی آلات پر مشتمل تھا جو رسونتی کی دماغی کیفیات اور حالات کو ٹی وی اسکرین کے گراف پر منتقل کر رہے تھے۔

اچانک میں نے اپنے دماغ میں اجنبی سوچ کی ایک لہر محسوس کی۔ فوراً اپنی سانس روک لی۔ دوسرے لمحے رسونتی کے دماغ میں جا کر دیکھا۔ وہ اپنے اندر بڑی توانائی محسوس کر رہی تھی۔ اسے پہلے ہی [illegible] خوانی میں ملکہ حاصل تھا۔ صرف دماغی کمزوری کے باعث [illegible] سوچ کی لہروں کو دوسرے دماغ تک نشر نہیں کر سکتی تھی۔ اب کوشش کرنے پر اس کی سوچ کی لہر میرے دماغ تک پہنچی تھی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اُس نے سب سے پہلے میرے ہی دماغ میں پہنچنے کی خواہش کی تھی۔ میرے سانس روک لینے کے باعث اس کی سوچ کی لہر واپس ہو گئی تھی۔ وہ مایوس ہو رہی تھی اپنی پہلی کوشش میں خود کو ناکام سمجھ رہی تھی۔

دوسری بار اُس نے سونیا کے دماغ تک پہنچنے کے لیے اپنی سوچ کی لہر کو نشر کیا۔ وہ لہر سونیا کے دماغ تک پہنچ رہی تھی لیکن فوراً ہی تحلیل ہو جاتی تھی۔ گویا اتنی دور پہنچنے تک نڈھال ہو کر ختم ہو جاتی تھی۔ دماغ ابھی ذرا کمزور تھا۔ اُسے پوری طرح توانائی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

ڈاکٹر سومر نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

"میں خیال خوانی کی کوشش کرتی ہوں۔ میرے خیالات پر مارتے ہیں، پرواز کرتے ہیں، پھر زخمی پرندے کی طرح گر پڑتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے پھر اُس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں، ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ کوشش کرتی رہو۔ کامیابی ہوگی۔ میں نے تمھیں ایک ایسا انجکشن لگایا ہے جس سے رفتہ رفتہ مکمل طور پر توانائی بحال ہو جائے گی۔ چلو دوبارہ کوشش کرو۔"

رسونتی نے آنکھیں بند کیں اور اپنی سوچ کی لہروں کو سونیا کے دماغ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ میں نے اس بار تعاون کیا۔ اس کی سوچ کی لہروں کو وہاں تک پہنچانے میں ذرا مدد کی تو وہ سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔

اس وقت سونیا دین وائز کے ساتھ ایک سوئمنگ پول کے کنارے ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُن کے درمیان ایک چھوٹی سی میز تھی۔ میز پر دین وائز کے پیے شراب کا جام رکھا ہوا تھا اور سونیا لیمن اسکواش سے شغل کر رہی تھی۔ خواتین تیراکی کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ مردوں میں نوجوان اور بوڑھے بھی سوئمنگ پول میں غوطے لگا رہے تھے۔ سونیا کچھ کہہ رہی تھی۔ جواب میں دین وائز نے بھی کچھ کہا لیکن رسونتی کو ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے اُسے سونیا کا دماغ تو مل گیا تھا۔ اس کے ذریعے منظر بھی دکھائی دے رہا تھا لیکن آواز غائب تھی۔ ساؤنڈ ٹریک بے کار ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی اس کی سوچ کی لہروں میں کمزوری ہے۔ مکمل طور سے خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔

رسونتی نے ایک گہری سانس لی اور دل ہی دل میں کہا۔ "اے فرہاد کے خدا! میں نے زندگی میں پہلی بار تجھے مخاطب کیا۔ تیرے سامنے گڑگڑائی۔ اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ توبہ کے دروازے کھولنے کے لیے کہا۔ تو نے میرے دماغ کی گرہیں کھول دیں۔ میں کسی حد تک خیال خوانی کے قابل ہو رہی ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو میری توبہ قبول کر رہا ہے۔"

وہ اپنی کامیابی پر خوشی سے نہال ہو کر کہہ رہی تھی "ہائے مجھے کیا معلوم تھا، عقیدہ بدلنے سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔ تجھے بھگوان کہلانا پسند نہیں تھا، اسی لیے میری دعا قبول نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے تجھے فرہاد کا خدا کہا۔ اب اپنا بھی خدا تسلیم کر رہی ہوں۔ تو میری دعا قبول ہو رہی ہے۔ میرے مالک! تو مجھ پر کرم کر رہا ہے تو مجھے منزل پر پہنچا دے۔ میں منجدھار میں نہ رہوں۔ مجھے پوری طرح ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے مالا مال کر دے۔"

میں جانتا ہوں، بابا فرید واسطی صاحب نے ایک بھٹکی ہوئی عورت کے دماغ میں گرہ لگائی تھی۔ آج وہ بھٹکی ہوئی عورت نہیں تھی، اس لیے اس کی دعا قبول ہو رہی تھی۔ گرہ کھل رہی تھی۔ دینے والا کتنے ہی وسیلوں سے دیتا ہے۔ دعا کا وسیلہ، دوا کا وسیلہ، پھر کسی انسان کے تعاون کا وسیلہ۔ میں اس سے تعاون کر رہا تھا۔ اس کی سوچ کی لہریں آگے بڑھتے بڑھتے تھک جاتی تھیں تو میری خیال خوانی کے سہارے آگے بڑھ جاتی تھیں۔ اس طرح وہ کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔

ایک بار اس نے ڈاکٹر سومر کے دماغ میں پہنچ کر پتا کیا کہ اس وقت وہ ڈالر کی بے شمار گڈیوں کا تصور کر رہا ہے اور آج رات کیسینو میں جیتنے کے لیے پُرامید ہے۔

ڈاکٹر سومر نے خوش ہو کر کہا "شاباش۔ تم کامیاب ہو رہی ہو۔ یقیناً شام سے پہلے تم بہت اچھی خیال خوانی کر سکو گی۔ کسی کے بھی دماغ میں پہنچ سکو گی۔ کوشش کرو۔ میں دعا کرتا ہوں تم دُعا کرو اور جدوجہد بھی۔ کامیابی یقینی ہے۔"

میں نے رسونتی کو تھوڑی دیر کے لیے اس کے حال پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے طور پر جدوجہد کرتی رہے۔ اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بند کمرے میں نہیں تھی۔ ایک برآمدے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو اعلیٰ بی بی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"دور ہٹ جاؤ۔" اس نے غصے سے کہا "میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں۔"

"تم ہمارے لیے معمولی عورت ہو۔ یہاں آنے والیاں بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں آ کر سب معمولی بن جاتی ہیں۔"

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اعلیٰ بی بی نے میری ہدایت کے مطابق اس کے منہ پر اُلٹا ہاتھ رسید کیا اور میں اسی لمحے اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اعلیٰ بی بی کوئی قابلِ ذکر فائٹر نہیں تھی۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص بہت تگڑا تھا اور حلیے سے چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا لیکن میں نے اعلیٰ بی بی کا ہاتھ پڑتے ہی پوری طاقت سے اُسے دوسری طرف گھما دیا، جیسے ایک طمانچے کا اثر ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں، دوسری طرف گھومتے ہی میں نے اُسے دھکا دیا اور وہ سامنے والے ستون سے جا کر زور سے ٹکرایا۔ پھر وہاں سے بھی گرا اور برآمدے کے زینے سے لڑھکتا ہوا نیچے زمین پر پہنچ گیا۔

جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ستون سے ٹکرانے کے باعث سخت چوٹیں آئی تھیں۔ وہ حیرانی سے اعلیٰ بی بی کو دیکھ رہا تھا اور وہ کمر پر ہاتھ رکھے فخریہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں، میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں۔ اب کوئی مجھے ہاتھ لگائے گا تو جان سے جائے گا۔"

دوسرا شخص للکارنے کے انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ اسی وقت ایک گرج دار، بھاری آواز سنائی دی۔ "رک جاؤ، خبردار کوئی اُسے ہاتھ نہ لگائے۔"

وہ آدمی یک دم رُک گیا۔ چند گز کے فاصلے پر ایک بہت موٹا سا آدمی کھڑا تھا۔ اس نے قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے اعلیٰ بی بی کو چند لمحوں تک غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ "ارے تم تو وہی ہو۔"

اس کی باچھیں خوشی سے کھل گئی تھیں۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ اس کے چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے فٹ بال لڑھک رہی ہو۔ اعلیٰ بی بی سے چند قدم کے فاصلے پر وہ رُک گیا اور کہنے لگا۔ "تم وہی ہو۔ پچھلی رات مواصلاتی سیارے کے ذریعے تمہارا انٹرویو نشر کیا گیا تھا۔ میں نے ایتھنز میں وہ پروگرام دیکھا ہے۔ تمہارا نام؟ ہاں یاد آیا۔ تمہارا نام اعلیٰ بی بی ہے اور تم فرہاد علی تیمور کی ساتھی ہو۔"

ایک آدمی بولا۔ "باس! اس کا ساتھی ہماری قید میں ہے۔ وہ خود کو فرہاد علی تیمور کہتا ہے۔"

باس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ارے بے وقوف کے بچے! اُسے وہاں سے نکال کر لاؤ۔ تم نہیں جانتے قسمت ہم پر کس طرح مہربان ہوئی ہے۔ یہ دونوں ایسے نایاب ہیرے ہیں جن کی قیمت کا اندازہ صرف میں لگا سکتا ہوں۔"

تھوڑی ہی دیر میں سجاد کو بھی وہاں لایا گیا۔ اُسے دیکھ کر باس نے کہا۔ "آہا، مسٹر فرہاد علی تیمور! ایک وقت تھا جب تمہارا نام سنتے ہی دلوں میں دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ لوگوں کو چھپنے کی جگہ نہیں ملتی تھی، لیکن آج تم کچھ بھی نہیں ہو۔ نہیں... نہیں... میرے لیے بہت کچھ ہو۔ میں اسرائیلی حکام سے سودا کروں گا۔ لاکھوں ڈالر میں سودا کروں گا۔" پھر اُس نے باری باری سجاد اور اعلیٰ بی بی کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آج تک میری کاروباری زندگی میں اتنا مہنگا غلام اور اتنی مہنگی کنیز نہیں آئی۔ تم دونوں نے میرے لیے عالمی منڈی میں یہودی سرمایہ داروں کی تجوریوں کے منہ کھول دیے ہیں۔ ہا ہا ہا..."

وہ دیوانہ وار قہقہے لگانے لگا۔ قہقہے لگاتا ہوا کبھی اِدھر جاتا تھا، کبھی اُدھر آتا تھا۔ فٹ بال کی طرح لڑھکتا جاتا تھا۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا۔ "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

جہاں سے تم دونوں بھاگ کر آئے ہو تقدیر پھر وہیں پہنچا...
دھمکی دے رہی ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "یہ شخص صرف یہودی سرمایہ دارو... تجوریوں کے متعلق سوچ رہا ہے۔ اس کا دھیان شیرما... ماسک مین کی تنظیموں کی طرف نہیں گیا ہے۔ ابھی تو پتا نہیں... خطرناک تنظیمیں اور کتنے بڑے بڑے ممالک ہمارا سودا کرنا چا... گے۔ یہ تو ایک نیا کھیل شروع ہو گیا ہے۔"

"اس کھیل میں یوں مزہ آئے گا کہ یہ شخص فوراً ہی تم دو... کو اسرائیل نہیں پہنچا سکے گا۔ ابھی تو تذبذب میں رہے گا کہ کس... سودا کرے۔ ہر طرف سے بڑی بڑی بولیاں دی جائیں گی۔"

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"اعلیٰ بی بی! ہم سب اپنی اپنی جدوجہد میں مصروف رہتے... سونیا کو موقع ملتا ہے، وہ اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ یہاں... تم اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرو۔ ایسی تدبیر سوچو کہ ہر خطرناک تنظیم... اور ہر ملک کی طرف سے بڑھ چڑھ کر سودے بازی ہو۔ تمہارے... چاروں طرف مصر کا بازار لگے۔ چاروں طرف سے رسہ کشی ہو... دونوں کو کون لے جائے گا۔ یہ کھیل اس وقت تک جاری رہنا چاہیے... جب تک سجاد کے دماغ سے ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کا... ختم نہ ہو جائے۔"

میں اس سے رخصت ہو کر رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔... وقت وہ ایک آرام دہ کمرے میں بستر پر نیم دراز تھی۔ اس کے... سامنے کچھ اسرائیلی حکام کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر... ہاتھ نچا کر غصے سے کہہ رہا تھا۔ "میں سمجھ رہا ہوں، یہ آپ لوگ... کی چالبازی ہے۔ آپ نے مادام کو سکھا دیا ہے کہ ٹیلی پیتھی کی... صلاحیتیں حاصل ہونے کے بعد بھی یہ اس کا اظہار نہ کریں۔ اگر... یہ خیال خوانی سے گریز کر رہی ہیں۔"

ایک آفیسر نے کہا۔ "ڈاکٹر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"درست کہہ رہا ہوں۔ آج صبح سویرے یہ ایئرپورٹ میں خیال خوانی کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔ ابھی آدھ گھنٹے پہلے جب میں ان کے علاج میں مصروف تھا، تو یہ میرے دماغ میں بھی آ... چکی تھیں۔ اب انکار کر رہی ہیں۔ کہتی ہیں کہ خیال خوانی ممکن نہیں... ہے۔ یہ سب بہانہ ہے۔ یہ آج رات کیسینو میں میرے لیے جوا... نہیں چاہتی ہیں۔ اسی لیے...۔"

ایک اور آفیسر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "آپ خود... سوچیں کہ اتنی سی بات کے لیے مادام کیوں بہانہ کریں گی؟ آپ... کی توہین کر رہے ہیں۔ آپ کو دولت کی ضرورت ہے۔ آپ ایک... رات میں کتنی دولت جمع کر لیں گے؟ چلیے ہم اتنی ہی رقم... کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "آپ شغل کے طور پر رات بھر کھیلنا چاہتے ہیں اور کھیل کھیل کر جیتنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کا یہ شوق بھی پورا کر دیں گے۔ اس کیسینو میں کھیلنے کے ایسے ہتھکنڈوں کا انکشاف کریں گے کہ آپ سے کوئی بازی نہیں لے جا سکے گا۔"

رسونتی کی سوچ کہہ رہی تھی کہ خیال خوانی کے سلسلے میں کسی حد تک کامیابی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی وہ ناکام ہو جاتی ہے۔ میں سونیا کی خبر لینا چاہتا تھا۔ رسونتی کی سوچ میں کہا۔ "مجھے سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھنا چاہیے کیا میں اس کے دماغ میں پھر پہنچ سکتی ہوں؟"

دوسرے ہی لمحے اس نے آنکھیں بند کیں۔ اُس کی سوچ نے پَر تولے اور وہ پرواز کرتی ہوئی سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ میں بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دین وائز کے ساتھ اب سوئمنگ پول کے پاس نہیں تھی۔ لنچ کا وقت تھا۔ میرے پاس آنے کے لیے ہوٹل کے بار سے گزر رہی تھی۔ اس وقت بار خالی تھا لیکن دوسرے دروازے سے کچھ مسلح فوجی داخل ہو رہے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی سونیا ٹھٹک گئی۔ دین وائز نے بھی آنے والے مسلح فوجیوں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ایک آفیسر نے آگے بڑھ کر سونیا سے کہا۔ "مس! کیا واقعی آپ کا نام سلطانہ ہے اور آپ ترکی کی رہنے والی ہیں؟"

دین وائز نے کہا۔ "جناب! ہم پہلے ہی یہ ثابت کر چکے ہیں۔ ہمارے کاغذات کی نقل بھی آپ لوگوں کے پاس ہے۔ پچھلی رات تین سراغ رساں ہمارے ساتھ کافی وقت گزار چکے ہیں۔ طرح طرح کے سوالات کر چکے ہیں۔ ہم نے انھیں بھی مطمئن کیا ہے۔"

"بے شک آپ نے انھیں مطمئن کیا ہے لیکن ہم ابھی تک مطمئن نہیں ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جشنِ آزادی کے سلسلے میں کھیل تماشا کرنے والوں کو مدعو کیا گیا ہے۔ یروشلم میں ترکی کا وہ سرکس آیا ہوا ہے جس میں مس سلطانہ بازی گری کے کمالات دکھایا کرتی ہیں۔"

یہ سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے سونیا کے دماغ میں چپکے سے کہا۔ "خطرہ ہے۔"

وہ ان حالات میں اپنے آپ پر قابو رکھنا جانتی تھی۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ "میرے کاغذات یہ بھی بتاتے ہیں کہ میں نے پچھلے ڈیڑھ سال سے پیرس میں رہائش اختیار کی ہے۔ تب سے سرکس کا کام چھوڑ رکھا ہے۔"

"آپ کی یہ بات درست ہے تو پھر یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ مس سلطانہ نے ابھی تک سرکس کا کام نہیں چھوڑا۔ وہ اسی سرکس میں بازی گری کے تماشے دکھانے کے لیے یہاں آئی ہیں۔"

یہ کہتے ہی اُس نے تالی بجائی اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تمام فوجی ایک طرف ہٹ گئے۔ کھلے ہوئے دروازے سے سونیا کے قد اور جسامت کی ایک عورت داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک موٹا اور بھدا سا آدمی تھا۔ اس آدمی نے کہا۔ "میں ترکی کے جوبلی سرکس کا مالک ہوں اور میرے سرکس میں بازی گری کے کمالات دکھانے والی مس سلطانہ یہ ہیں۔"

سامنے کھڑی ہوئی نو وارد سلطانہ نے سر کو خفیف سا خم دے کر سلام کیا۔ پھر سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ میرا نام اختیار کر کے یہاں کیا کر رہی ہو؟"

فوجی آفیسر نے ہاتھ اٹھا کر چٹکی بجائی۔ مسلح فوجیوں نے چاروں طرف سے سونیا اور دین وائز کو گھیر کر اسٹین گنیں سیدھی کر لیں۔ آفیسر نے انگلی اٹھا کر سونیا کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں پورا یقین ہے کہ جسے ہم پچھلے تین دنوں سے تلاش کر رہے ہیں وہ اس پلاسٹک زدہ چہرے کے پیچھے ہے۔ اور وہ کون ہے؟ مرنے والوں نے اس کا نام نہیں لیا۔ بی کا زشی اِزائے تھنڈر بولٹ فرام دی بلو۔"

اس نے فاتحانہ انداز میں سونیا کو دیکھا۔ "مادام! اگر تم وہی ہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمہارا وہ ساتھی کون ہے! تمہارے ساتھ ایک ہی ہوٹل میں، ایک ہی کمرے میں رہنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا۔"

میں یک دم اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا وہ کمرہ میرے لیے آہنی قید خانہ بن گیا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں فرسٹ فلور کے کمرے میں تھا اور گراؤنڈ فلور میں وہ لوگ تھے۔ اتنی جلدی میں کوئی دوسرا روپ اختیار نہیں کر سکتا تھا اگر کر بھی لیتا تو گلی گلی، گھر گھر جاسوس لگے ہوئے تھے۔ کسی بھی اجنبی کو حراست میں لے لیتے تھے۔

چشم زدن میں تمام سچویشن سامنے آ گئی تھی۔ یہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ تقدیر نے ہم سے بڑا بھیانک مذاق کیا ہے۔ اس سے زیادہ بھیانک مذاق اور کیا ہو سکتا تھا کہ ہم سرا سر بازی جیت رہے تھے اور تقدیر مذاق اُڑا رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا، یہودیوں نے دل کی گہرائیوں سے کوئی دعا مانگی تھی اور وہ پوری ہو رہی تھی۔

ان کی نیندیں اُڑانے والی اور ہمیشہ کی نیند سُلانے والی سونیا گرفت میں آ رہی تھی۔ ان کی سب سے بڑی اور قابلِ فخر فتح یہ تھی کہ رسونتی کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آ رہی تھیں اور دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد اُن کے ہوٹل کے ایک کمرے میں بے بس کھڑا سوچ رہا تھا۔

سوچنے کے لیے کیا رہ گیا تھا؛ تمام بڑے بڑے مُہرے ...یوں کے ہاتھ لگ رہے تھے۔

رسّہ کشی میں یہی ہوتا ہے۔ کبھی اِدھر والے شہ زور نظر آتے ہیں اور کبھی اُدھر والے بھاری پڑ جاتے ہیں کبھی یہ انھیں کھینچ لیتے ہیں، کبھی وہ انھیں کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ ابھی یہودی بھاری پڑ رہے تھے۔ آئندہ کوئی بھی منحوس گھڑی ہمیں ان کے مضبوط شکنجے میں پہنچانے والی تھی۔

ان فوجیوں نے سونیا کو چاروں طرف سے گھیر کر درست کہا تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ رہنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ پر فرہاد علی تیمور ہونے کا شبہ تو نہیں کر رہے تھے لیکن اتنا سمجھتے تھے کہ سونیا کے ساتھ رہنے والا اس کا کوئی غیر معمولی ساتھی ہوگا۔۔۔۔ مجھے فرہاد اس لیے نہیں سمجھ سکتے تھے کہ سجّاد کو انھوں نے ہر پہلو سے جانچ پرکھ کر دیکھ لیا تھا اور انھیں یقین تھا کہ وہی فرہاد ہے جو اعلیٰ بی بی کے ساتھ یہاں سے جا چکا ہے اور اب کہیں گُم ہو گیا۔

وہ مجھ پر فرہاد ہونے کا شبہ کریں یا نہ کریں لیکن میں گرفتار ہونے والا تھا۔ اب وہ پلاسٹک سرجری کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ میری شخصیت کو بے نقاب کرنے کے لیے، مجھے پہچاننے کے لیے وہ کسی تجربہ کار پلاسٹک سرجری کے ماہر کی خدمات حاصل کر سکتے تھے۔ میرے ساتھ سونیا کے پلاسٹک زدہ چہرے کے پیچھے بھی پہنچنے والے تھے اور ہمیں ایسے دقت سے بچاؤ کی کوشش کرنا تھی۔

پہلے تو میں پریشان ہو کر بے اختیار ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ایک طرف توجہ کو مرکوز نہیں کر سکا تھا۔ کبھی اِس پہلو سے سوچ رہا تھا اور کبھی اُس پہلو سے۔ بچاؤ کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہا تھا مگر جلد ہی عقل آ گئی کہ پریشانی کبھی کسی مسئلے کا حل پیش نہیں کرتی۔ ذہین اور حاضر دماغ وہی ہوتا ہے جو ایسے مرحلے میں پہلے خود کو پُرسکون رکھتا ہے، اس کے بعد کوئی تدبیر سوچتا ہے۔ سونیا کی مثال میرے سامنے تھی۔ وہ فوجیوں کے درمیان گھری ہوئی بڑے سکون سے کھڑی تھی۔ کوئی اور عورت ہوتی تو خوفزدہ ہو جاتی یا پریشانی کی حالت میں اُلٹی سیدھی بات کہنے لگتی لیکن وہ طنزیہ نگاہوں سے آنے والی اصلی سلطانہ کو دیکھ رہی تھی۔

فوجی آفیسر نے سونیا کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "مس نامعلوم! تم اصلی سلطانہ کو یوں طنزیہ انداز میں مسکرا کر دیکھ رہی ہو جیسے یہ اصلی نہ ہو۔"

سونیا نے بدستور طنز بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا "اگر میری ماں نے دو بیٹیوں کو جنم دیا ہوتا تو اپنی دوسری بیٹی کا نام سلطانہ کبھی نہ رکھتی۔ ایک گھر میں دو بیٹیوں کے ایک نام نہیں ہوتے اور قصہ مختصر، میں تو اپنی ماں کے متعلق بھی نہیں جانتی۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو میرا باپ جوبلی سرکس میں مجھے لے کر آیا تھا۔ سرکس کا مالک اس بات کی گواہی دے سکتا ہے۔" اس نے سرکس کے مالک کی طرف دیکھا "کیوں مسٹر! کیا میرے باپ کی کوئی دوسری بیٹی بھی تھی؟"

جوبلی سرکس کا مالک اس کی باتیں سُن کر کچھ حیران ہو رہا تھا۔ اس نے کہا "مس! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بھئی! تمھارا باپ مس سلطانہ کو بچپن میں لے کر آیا تھا، اس کے ساتھ ایک ہی لڑکی تھی۔ وہ میرے ہاں بچی سے جوان ہوئی اور وہ لڑکی یہی ہے جو میرے ساتھ آئی ہے اور اس وقت میرے پاس کھڑی ہے۔"

سونیا نے انکار میں ایک اُنگلی کو اِدھر سے اُدھر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں مسٹر! وہ لڑکی جو ڈیڑھ برس پہلے سرکس چھوڑ کے جمال کے ساتھ چلی گئی تھی، وہ میں ہوں۔ تم مجھے اس لیے پہچاننے سے انکار کر رہے ہو کہ میرا چہرہ بدل گیا ہے۔ میرے سابقہ شوہر نے ایک رات نشے کی حالت میں شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل سے میرے چہرے کو لہولہان کر دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے پلاسٹک سرجری کرانا پڑی جس کی وجہ سے میرا اصلی چہرہ اب وہ نہیں رہا، یہ ہے۔ بھلا ایسے میں تم مجھے کیسے پہچان سکتے ہو؟"

سرکس کا مالک حیرت سے مُنہ کھولے سونیا کو تک رہا تھا کیوں کہ جس سلطانہ کے ساتھ وہ آیا تھا اس کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوا تھا۔ اس سلطانہ کے سابقہ شوہر نے بھی شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل سے اس کے چہرے کو لہولہان کیا تھا۔ بہرحال مجھے سونیا کی بات سے لائن آف ایکشن مل گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر جرابیں اور جوتے پہنتے ہوئے اصلی سلطانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ معلوم کیا کہ اس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کن حصّوں میں ہوئی تھی۔ اسی وقت سرکس کا مالک سونیا سے پوچھ رہا تھا "اچھا یہ تو بتاؤ، تمھاری پلاسٹک سرجری چہرے کے کن حصّوں میں ہوئی تھی؟"

سونیا ایک انگلی سے اپنے چہرے کے ان حصّوں پر ہاتھ پھیرنے لگی جہاں پلاسٹک سرجری ہوئی تھی۔ اصلی سلطانہ نے حیرانی سے چیخ کر کہا "ارے یہ تو وہی حصّے بتا رہی ہے جہاں جہاں واقعی میرے چہرے کی پلاسٹک سرجری کی گئی تھی۔"

سونیا نے کہا "تم بہت اچھی ایکٹنگ کر لیتی ہو۔ میں نے اپنے چہرے کی سرجری کے متعلق بتایا تو تم نے اپنے متعلق بھی وہی بتانا شروع کیا۔ مسٹر آفیسر! کیا آپ نے مس سلطانہ سے تنہائی میں یہ دریافت کیا تھا کہ اس کی سرجری چہرے کے کن حصّوں میں ہوئی تھی؟"

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے تم دونوں کو الگ لے جا کر سوالات کرنے چاہئیں۔ بہرحال مس سلطانہ! آپ اپنے باس کے ساتھ آخری کیبن میں چلی جائیں۔"

ہوٹل کے اس بار میں دور دور کیبن بنے ہوئے تھے تاکہ جوڑے وہاں آ کر بیٹھیں اور سرگوشیوں میں گفتگو کریں تو دوسرے نہ سن سکیں۔ اصلی سلطانہ سرکس کے مالک کے ساتھ وہاں جانے لگی۔ اس دوران میں میں جوبلی سرکس والے کے دماغ میں پہنچ کر معلومات

حاصل کر رہا تھا۔ اس کا نام نادر پاشا تھا۔ وہ کیبن میں پہنچ کر آہستگی سے کہہ رہا تھا "سلطانہ! ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ دوپہر سے ہمارا شو ہے۔ ہر شو کا دوسرا آئیٹم تم پیش کرتی ہو۔ پتا نہیں، یہاں سے کب نجات ملے گی اور ہم کس طرح اتنی جلدی یروشلم پہنچ سکیں گے؟"

وہ باتیں کر رہا تھا اور میں اس کے دماغ سے ضروری معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اُدھر سونیا پر سوالات کی بوچھار ہو رہی ہوگی لیکن میں جانتا ہوں جب وہ مجھے اپنے دماغ میں محسوس نہیں کرے گی تو جن باتوں کا وہ جواب نہیں دے سکتی ہے، انھیں بڑی خوبصورتی سے ٹالتی رہے گی اور میرا انتظار کرتی رہے گی۔

ذرا دیر بعد میں اس کے دماغ میں پہنچا تو اس نے یہی کیا تھا۔ آفیسر کے ایک سوال کو ٹال رہی تھی۔ سوال یہ تھا "تمھارے چہرے کی پلاسٹک سرجری کس ڈاکٹر نے کی تھی اور اس کا ایڈریس کیا ہے؟"

سونیا نے ایک انگلی اپنی پیشانی پر رکھ کر ذہن پر زور دیتے ہوئے کچھ دیر سوچا۔ گویا میرا انتظار کیا۔ جب میری طرف سے سہارا نہ ملا تو وہ بے بسی سے بولی "میری یادداشت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ آپ مجھے ذرا مہلت دیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں سوچ کر ڈاکٹر کا نام اور پتا بتاتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ آدمی کے دماغ میں تمام لوگوں کے نام اور پتے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ تم اچھی طرح یاد کر لو مگر یہ بھی یاد رکھو، ہم اس کا نام اور پتا پوچھے بغیر تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔"

اسی وقت میں نے سونیا کو مخاطب کیا اور مختصر سی معلومات فراہم کر دیں۔ سونیا نے ایک دم سے خوش ہو کر آفیسر کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے کہا "یاد آ گیا۔ جس ڈاکٹر نے میری پلاسٹک سرجری کی تھی، اس کا نام ارلی مارٹین ہے۔ نیوجرسی میں سوزی مارٹین اسپتال کا مالک ہے۔ سوزی اس کی بیوی ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے یورپ آیا تھا۔ وہاں سے ترکی پہنچ گیا۔ وہیں میرے باس نادر پاشا نے اس سے درخواست کی کہ پلاسٹک سرجری کا معمولی سا کام ہے۔ اگر وہ کر دے تو اس کا مناسب معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ وہ شاید راضی نہ ہوتا لیکن میں نے اس کی بیوی سوزی کی خوشامدیں کیں۔ وہ عورت تھی۔ میری التجا پر پگھل گئی۔ اس طرح پلاسٹک سرجری کے ذریعے میرے چہرے کا بگڑا ہوا حصّہ بن گیا۔"

ایک ماتحت سونیا کی خاص خاص باتوں کو نوٹ کر رہا تھا۔ آفیسر نے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔" اس نے ماتحت کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا اس کیبن میں پہنچا جہاں نادر پاشا اور اصلی سلطانہ تھے۔ نادر پاشا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آفیسر نے کہا "بیٹھو، میں مس سلطانہ سے سوال کرتا ہوں۔ جس ڈاکٹر نے ان کی پلاسٹک سرجری کی ہے اس کا نام اور پتا کیا ہے؟"

سلطانہ نے کہنے کے لیے مُنہ کھولا۔ اسی وقت میں نے اس کی زبان سے غلط نام نکلوایا۔ نادر پاشا نے کہا "ارے ارے سلطانہ! یہ نام نہیں ہے۔ اس ڈاکٹر کا نام ارلی مارٹین ہے۔"

وہ اپنے سر کو تھام کر بولی "پتا نہیں کیسے [illegible] گئی۔ غلط نام زبان سے نکل گیا۔"

آفیسر اس پر شک کر رہا تھا۔ اُسے چُبھتی ہوئی [illegible] سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے پوچھا "اچھا اس کا ایڈریس تو بتاؤ۔"

"جی، اس کا ایڈریس۔۔۔۔ وہ امریکہ کا رہنے والا تھا۔ ہمارے یہاں آیا تھا۔"

آفیسر نے پوچھا "امریکہ میں کہاں رہتا تھا؟ اس کا وہاں کا ایڈریس کیا ہے؟"

"جی، وہ ٹیکساس میں۔۔۔۔"

اسی وقت نادر پاشا نے کہا "ارے، تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر پتا یاد نہیں ہے تو مجھ سے پوچھو۔ ٹیکساس میں نہیں، نیوجرسی میں۔ وہ سوزی مارٹین اسپتال کا مالک ہے۔"

فوجی آفیسر نے تنبیہ کے انداز میں اُنگلی اُٹھا کر نادر پاشا سے کہا "مسٹر! اپنی زبان بند رکھو۔ جب تک کوئی سوال نہ کیا جائے، تم ایک لفظ نہیں بولو گے۔"

وہ پھر اصلی سلطانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کی چھلانگ لگائی اور ڈاکٹر شیفرڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولا "فرہاد! خیریت سے تو ہو؟ میں یہاں مواصلاتی سیارے کے ذریعے وہ پروگرام دیکھ رہا تھا۔ آخر یہ اعلیٰ بی بی اور سجّاد کہاں گُم ہو گئے ہیں؟"

"ڈاکٹر! میں ساری باتیں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ اس وقت ضروری کام سے آیا ہوں۔ کیا آپ ارلی مارٹین نامی امریکی ڈاکٹر کو جانتے ہیں جو نیوجرسی میں رہتا ہے؟"

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا اس سے کوئی کام لینا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں، یہاں سونیا کا بھید کُھلنے والا ہے۔ اصلی سلطانہ ٹکرا گئی ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ! وہ مصیبت تم لوگوں کے سامنے کیسے پہنچ گئی؟"

میں نے مختصر طور پر اصلی سلطانہ کے متعلق بتایا۔ ڈاکٹر شیفرڈ نے کہا "میں ابھی ٹیلیفون کے ذریعے ڈاکٹر ارلی مارٹین سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ وہ میری خاطر جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

وہ اسی وقت ٹیلیفون کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور نمبر ملانے لگا۔ میں پھر سونیا کے پاس واپس آ گیا۔ اس وقت فوجی آفیسر اس کے پاس آ کر کہہ رہا تھا "وہ سلطانہ کچھ بدحواس ہو گئی ہے۔ صحیح جواب وہی ہے، جو تم نے دیا ہے لیکن صرف ایک سوال کا جواب صحیح دینے سے

کچھ نہیں ہوتا۔ ہم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گے جب تک کسی پلاسٹک سرجری کے ماہر سے تمھارے چہرے کا معائنہ نہیں کرائیں گے۔"

یہ کہتا ہوا وہ کاؤنٹر کے پاس گیا اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر اسرائیلی انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ وہ اعلیٰ افسر کا ہال تنظیم کے سربراہ ری مونڈیل اور دوسرے یہودی افسروں کے ساتھ اسپتال کے ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سب اس انتظار میں تھے کہ رسونتی کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آجائیں۔ کبھی ان میں سے کوئی اس کمرے سے نکل کر ڈاکٹر سومر کے پاس جاتا تھا کبھی ڈاکٹر سومر ان کے پاس آکر بتاتا تھا کہ وہ کس طرح رسونتی کو ٹریٹ کر رہا ہے اور کامیابی یقینی ہے۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ایک شخص نے ریسیور اٹھا کر کچھ سُنا' پھر ریسیور انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر کی طرف بڑھا دیا۔ اس افسر نے ریسیور کان سے لگا کر اپنے ماتحت آفیسر کی باتیں سُنیں۔ پھر غرّا کر کہا۔" میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ دونوں سلطانہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو حراست میں لے لو۔ ان سے سوالات کرنا، ان کے متعلق تفتیش کرنا ہمارا کام ہے۔"

دوسری طرف سے ماتحت آفیسر نے کہا۔" سر! ہم جوبلی سرکس کے مالک اور سرکس کی مس سلطانہ کو حراست میں لے سکتے ہیں لیکن جو سلطانہ ایزل ہارڈی اور وین وائز کے ساتھ آئی ہے، اسے اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں لینا اور سلاخوں کے پیچھے رکھنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ وہ ہماری ہی قوم کے وفادار اور ایک بڑے سرمایہ دار جے اِجے پارکر کی طرف سے آئے ہیں۔ اگر مسٹر پارکر کا اعتماد حاصل کرنے والی سلطانہ اور ایزل ہارڈی بہروپیے ثابت نہ ہوئے تو ہمارے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر نے کہا۔" ٹھیک ہے' انھیں باقاعدہ حراست میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ہوٹل کے کمرے میں نظر بند کر دو۔ حکم دو کہ جب تک ان کے متعلق تفتیش مکمل نہیں ہوگی، وہ کمرے سے باہر نہیں نکلیں گے۔"

ماتحت آفیسر نے ریسیور رکھ دیا' پھر سونیا اور وین وائز کے ساتھ اوپری منزل کی طرف آنے لگا۔ ابھی وہ ہمارے کمرے کے دروازے پہ پہنچا ہی تھا کہ میں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا۔" مسٹر ہارڈی! آپ وہیں رُک جائیں۔ ہم اپنے فرائض سے مجبور ہیں۔ آپ اور آپکی ساتھی مس سلطانہ اپنے کمرے تک محدود رہیں گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔" آخر بات کیا ہے؟ یہ کل سے آپ لوگ ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟"

سونیا نے کہا۔" یہ لوگ شبہ کر رہے ہیں کہ میں سلطانہ نہیں بلکہ کوئی اور عورت ان سے ٹکرا گئی ہے جو سلطانہ ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے اور یہ شبہ مجھ پر کر رہے ہیں۔ صرف مجھ پر ہی نہیں، میرے حوالے تمھیں بھی شبہے کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔"

میں نے ناگواری سے وین وائز کو دیکھا پھر کہا۔" مسٹر وائز! بہت ہو چکا۔ یہ تفتیش مکمل ہو جائے تو ہم فوراً یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ پہلی فلائیٹ سے ہمارے لیے سیٹ ریزرو کرائیں۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو مسٹر جے' جے پارکر سے ہمارا رابطہ قائم کرائیں۔ ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری بات نہیں مانی تو مس سلطانہ آج رات کیسینو نہیں جائیں گی۔"

وین وائز پریشان ہو گیا۔ وہ سونیا کے ذریعے یہاں سے لاکھوں ڈالر جیت کر لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔" مسٹر ہارڈی! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ابھی مسٹر پارکر سے رابطہ قائم کرتا ہوں اور یہاں کے اعلیٰ حکام کے پاس خود جا کر آپ لوگوں کے متعلق صورتِ حال سے نمٹتا ہوں۔ واقعی اب حد ہو چکی ہے۔ جشن کے سلسلے میں بُلا کر یہاں شریف لوگوں کو پریشان کیا جا رہا ہے۔"

میں سونیا کے ساتھ کمرے میں آگیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ باہر دو مسلح فوجی پہرے دار کھڑے ہو گئے۔ میں نے سونیا سے کہا۔" آخر وہ سلطانہ کون ہے؟"

میں نے اونچی آواز میں اس لیے پوچھا کہ اس کمرے میں خفیہ مائک نصب تھے۔ سونیا نے ذرا چڑچڑے انداز میں کہا۔" پلیز ہارڈی! اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو۔ میں بہت اَپ سیٹ ہوں۔ ان لوگوں نے پریشان کر دیا ہے۔ میں ذرا خاموش رہنا چاہتی ہوں۔"

"تم بہت تنک مزاج ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی ہو۔ ناراض کوئی اور کرتا ہے اور غصہ مجھے دکھاتی ہو۔ بہرحال تم خاموش رہنا چاہتی ہو، رہو۔ میں موسیقی سنوں گا۔"

میں نے ریڈیو کو آن کر دیا۔ ایک آرکسٹرا کی دُھن سنائی دینے لگی۔ میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے کہا۔" ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اصلی سلطانہ ہم سے یہاں ٹکرائے گی۔"

"تم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو؟"

"ابھی کچھ نہیں کرنا ہے۔ جب تفتیش کے دوران میں اصلی سلطانہ سے سوالات کیے جائیں گے تو میں اسے گڑبڑاتا رہوں گا۔"

"رسونتی کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ مجھے یقین ہے، اس نے بڑی حد تک اپنے دماغ میں توانائی محسوس کر لی ہوگی اور وہ خیال خوانی کے قابل ہو رہی ہوگی۔"

"اگر وہ خیال خوانی کے قابل ہوگی تو ہم دونوں میں سے کسی ایک سے ضرور رابطہ قائم کرے گی۔ ابھی اتنا وقت کہاں ہے کہ میں اس کے متعلق معلوم کروں۔ مجھے باری باری سلطانہ، سرکس کے مالک اور یہاں کے مختلف افسروں کے دماغوں میں جھانکتے رہنا ہوگا۔ دیکھنا

ہوگا کہ کون ہمارے متعلق کیا سوچ رہا ہے اور کس طرح اقدامات کرنا چاہتا ہے۔"

اصلی سلطانہ اور نادر پاشا دونوں ہی فوجیوں کی حراست میں تھے۔ ان کا افسر سوال کر رہا تھا۔" یہ جو سلطانہ ہے' کیا یہ اس کا اصلی چہرہ ہے یا پلاسٹک سرجری کے بعد بالکل بدل گیا ہے؟"

نادر پاشا نے کہا۔" چہرہ بدل گیا ہے لیکن اس کے پہلے چہرے کی تصویریں ہمارے پاس موجود ہیں اور ہمارے سرکس کے سب ہی لوگ اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ اصلی سلطانہ یہی ہے۔"

"تصویریں کہاں ہیں؟"

اس نے اپنا چمڑی بیگ کھول کر تصویریں نکالتے ہوئے کہا۔" جب مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کوئی دوسری سلطانہ آئی ہوئی ہے اور میرے سرکس سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے تو احتیاطاً میں نے اصلی سلطانہ کی یہ تصویریں رکھ لی تھیں۔"

اس نے دو تصویریں افسر کی طرف بڑھا دیں۔ افسر نے ان تصویروں کو لے کر دیکھا پھر پوچھا۔" تم تو سلطانہ کے اس اصلی چہرے کی گواہی دے سکتے ہو۔ کیا تمھارے سرکس کے دوسرے لوگ بھی گواہی دے سکتے ہیں؟"

"ہاں، بیشک۔"

"کیا تمھارے سرکس کے اسٹاف کے سامنے سلطانہ کی پلاسٹک سرجری ہوئی تھی؟"

"جی نہیں۔ انھوں نے پلاسٹک سرجری کے بعد اسے دیکھا ہے۔"

"ایزل ہارڈی کے ساتھ جو سلطانہ ہے' وہ بھی یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کی سرجری کے وقت تمھارا اسٹاف موجود نہیں تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔"

نادر پاشا نے کہا۔" جناب! ایک صورت ہے۔ آپ سلطانہ کی ہم عمر اور ایک جیسے قد و قامت والی لڑکیوں کی مختلف تصویریں حاصل کریں پھر انھیں نقلی سلطانہ کے سامنے پیش کریں۔ اس سے پوچھیں کہ پلاسٹک سرجری سے پہلے جو سلطانہ کا چہرہ تھا، وہ ان تصویروں میں سے وہ چہرہ پہچانے۔ یقیناً وہ نہیں پہچان سکے گی۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔"

فوجی افسر نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" ہم ایسا ہی کریں گے۔ تم سرکس کی کچھ ایسی عورتوں اور مردوں کے نام بتاؤ جو آج سے ڈیڑھ برس پہلے سلطانہ کے زیادہ قریب رہے ہوں۔"

وہ سوچ سوچ کر نام بتانے لگا۔ افسر نے ان کے نام لکھے پھر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر یروشلم پولیس کے ایک اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کیا۔ اسے دو عورتوں اور تین مردوں کے نام بتانے کے بعد کہا کہ انھیں فوراً ہیلی کاپٹر کے ذریعے تل ابیب پہنچایا جائے۔

سرکس کے مالک نادر پاشا نے پریشان ہو کر کہا۔" جناب! تو میرے سرکس کا پہلا شو نہیں ہو سکے گا۔ تمام اچھے بازی گر اور دیگر کمالات دکھانے والے یہاں بُلائے جا رہے ہیں۔"

"ہمیں افسوس ہے۔ ہم شام سے پہلے انھیں واپس بھیج دیں گے۔ تم وہاں دو شو کر سکتے ہو۔ ہم نے پانچ دن یروشلم اور پانچ دن تل ابیب میں شو کرنے کی اجازت دی ہے۔ ہم اس کی معیاد بڑھا دیں گے۔ تمھیں نقصان نہیں ہونے دیں گے۔"

میں یروشلم میں پولیس کے اس اعلیٰ افسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سرکس کی دو عورتوں اور تین مردوں کو بُلا کر ان سے سوالات کر رہا تھا اور حکم دے رہا تھا کہ ابھی ہیلی کاپٹر کے ذریعے انھیں تل ابیب جانا ہوگا۔ اس دوران میں، میں ان دو عورتوں اور تین مردوں کے دماغ میں باری باری پہنچتا رہا اور معلوم کرتا رہا کہ ڈیڑھ دو برس پہلے سلطانہ سے ان کی زیادہ قربت رہی تھی تو کس قسم کی خاص باتیں ہوتی رہی تھیں۔ کس قسم کی بے تکلفی تھی۔ ان کی اور سلطانہ کی زندگی میں کون سے خاص خاص واقعات پیش آئے تھے۔

ایسی ہی کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد میں دماغی طور پہ حاضر ہو گیا۔ سونیا ایک صوفے پہ آرام سے بیٹھی سوچ میں گم تھی۔ وہ تدبیریں سوچ رہی تھی کہ اگر ہم سونیا اور فرہاد کی حیثیت سے پھانس لیے جائیں گے تو ان کے شکنجے سے نکلنے کے لیے کیسے کیسے ہتھکنڈے آزمائے جا سکتے ہیں۔

میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ باہر مسلح پہرے داروں کے ہونے کا امکان تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ واقعی موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔" فرمائیے؟"

میں نے کہا۔" ہمیں چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"آپ ٹیلی فون پر بھی روم سروس کو آرڈر دے سکتے ہیں۔ بہرحال آپ اندر تشریف رکھیں۔ چائے آجائے گی۔"

میں نے دروازہ بند کر دیا۔ سونیا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔" ہاں، پوچھو۔ میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔"

"تم کس قسم کی معلومات حاصل کر رہے ہو؟ کوئی تدبیر سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟"

"سونیا! ہم ہمیشہ حالات کے مطابق قدم اُٹھاتے آئے ہیں۔ جب بُری طرح پھنس جائیں گے تو کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ ابھی ہم ان کے شکنجے میں نہیں ہیں۔ ہمارے بچاؤ کی کئی صورتیں ہیں۔"

میں اسے بتانے لگا کہ نادر پاشا، اصلی سلطانہ، سرکس کی دو عورتیں اور تین مردوں کے ذریعے کس قسم کی معلومات حاصل کر رہا ہوں اور ان سے ہمیں کیا فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری ناتواں

کے دوران میں دروازے پر دستک سُنائی دی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ایک خوب صورت ویٹریس اپنے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا پھر سر کو ہلکا سا خم دے کر مسکرائی۔ میں نے دروازے کو پوری طرح کھول کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ آگئی۔ اُسی طرح ٹرے اُٹھائے سونیا کے پاس پہنچی پھر سینٹر ٹیبل پر ٹرے کو رکھ دیا۔ اس کے بعد پوچھا "کیا میں آپ کے لیے چائے بناؤں؟"

سونیا انکار کرنا چاہتی تھی۔ لڑکی نے کہا "میرا نام فرحانہ ہے۔ میں ایک فلسطینی مسلمان لڑکی ہوں۔ آپ بھی مسلمان ہیں۔ اس لیے آپ سے متاثر ہوں۔"

ایسا کہتے ہوئے اس نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور کاغذ کی چھوٹی سی پرچی نکال کر سونیا کی طرف بڑھا دی۔ سونیا نے اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا "اس ہوٹل میں خفیہ مائک نصب ہیں۔ میں یہودیوں کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتی ہوں۔ میری باتوں میں نہ آنا۔ اس پرچی کو پڑھتے ہی ضائع کر دو۔"

سونیا نے اس پرچی کو مُٹھی میں بھینچ لیا پھر دوسرے ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "فرحانہ! تم سے مل کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ اپنے ہم مذہب سے مل کر خوش ہونا ایک فطری امر ہے۔ تاہم میں ابھی اَپ سیٹ ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ انٹیلی جنس والے پریشان کر رہے ہیں لیکن وہ بھی اپنے فرائض سے مجبور ہیں۔ وہ سونیا ان کے لیے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔"

میں نے سونیا کے ہاتھ سے وہ مڑا تڑا سا کاغذ لیا اور پھر اسے گٹر میں بہانے کے لیے باتھ روم میں چلا گیا۔ سونیا کہہ رہی تھی "میں جب سے یہاں آئی ہوں تب سے یہی سُن رہی ہوں۔ یہاں کے انٹیلی جنس والے، پولیس کے لوگ، فوجی جوان سب کے سب گلیوں میں، گھروں میں ہر جگہ سونیا کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مجھ سے کل بھی پوچھ گچھ کی گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر وہ دردِ سر کیوں بنی ہوئی ہے؟ میں نے اب تک کوئی ایسی بات نہیں سُنی جس سے پتا چلے کہ وہ دہشت پسند ہے یا کسی تخریبی کارروائی وغیرہ میں مصروف ہے۔"

فرحانہ نے چائے بناتے ہوئے کہا "سونیا نے وعدہ کیا تھا کہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو رہا کیا جائے گا تو وہ تخریبی کارروائی نہیں کرے گی۔ کل سے وہ اپنے وعدے پر قائم ہے لیکن یہ پتا نہیں چل رہا ہے کہ ابھی تک وہ تل ابیب میں موجود ہے یا جا چکی ہے؟ جب تک اس کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں ہوں گی، اس وقت تک انٹیلی جنس والے ہر ایک تنہا غیر ملکی عورت کا پیچھا کریں گے۔"

"لیکن میں تو تنہا نہیں ہوں۔"

"آپ کے ساتھ کچھ اور بات ہے۔ دیکھیے نا، آپ کی ایک ہم نام یہاں پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مِس سلطانہ ہے اور جو آپ کا ماضی ہے، وہی اس کا ماضی ہے۔ ایسے میں انٹیلی جنس والے یقین کی حد تک آپ دونوں ہی سلطاناؤں پر شُبہ کریں گے۔ کیا آپ کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کر سکتیں، جس سے وہ آپ پر بھروسہ کرنے لگیں؟"

"میں ہر امتحان سے گزرنے کو تیار ہوں۔ میرے پاس ان کے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ میں اصلی سلطانہ ہوں۔ مجھے کسی طرح کی پریشانی نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ اَپ سیٹ کیوں ہیں؟"

"محض اس لیے کہ آج کی رات مجھے کیسینو میں گزارنا ہے۔ اس کے لیے ذہنی یکسوئی بہت ضروری ہے جو مجھے یہاں میسر نہیں ہے۔"

میں ایک صوفے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ فرحانہ میرے سامنے سینٹر ٹیبل کے دوسری طرف والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک سونیا نے تیور بدل کر مجھے گھورتے ہوئے پوچھا "یہ تم ہر حسین لڑکی کو گھور کر کیوں دیکھنے لگتے ہو؟"

میں نے نرمی سے کہا "سلطانہ! تمھارا دماغ اَپ سیٹ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے خواہ مخواہ الزام دو۔"

"سچ بتاؤ۔ کیا تم فرحانہ کو دلچسپی سے نہیں دیکھ رہے ہو؟"

"میں ضرور دیکھ رہا ہوں مگر سوچ رہا ہوں کہ مِس فرحانہ یہاں آکر خواہ مخواہ ہم سے اتنی بے تکلف کیوں ہو رہی ہیں۔ مانا کہ ہم ان کے ہم مذہب ہیں مگر اب اس اجنبی ماحول میں صرف پولیس والوں سے نہیں، یہاں کے شہریوں سے بھی ڈر لگتا ہے۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

سونیا نے شکّی مزاج عورتوں کی طرح منہ بنا کر کہا "تم کیا محتاط رہو گے۔ لڑکیوں کو تم سے محتاط رہنا چاہیے۔"

فرحانہ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا "میں خواہ مخواہ آپ دونوں کے درمیان تنازعہ کا سبب بن رہی ہوں۔ سوری، مجھے اپنی ڈیوٹی پر جانا چاہیے۔"

وہ سُبک خرامی سے چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔ پلٹ کر سونیا کو دیکھا، مسکرائی پھر باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے غصّے سے کہا "سلطانہ! تمھیں شرم آنی چاہیے۔ تم خواہ مخواہ مجھ پر شُبہ کرتی رہتی ہو۔ فرحانہ کے سامنے تم نے میری بے عزتی کی ہے۔"

"بس بس۔ میں خوب جانتی ہوں۔ وہ جب سے آئی تھی تم اسی کو دیکھے جا رہے تھے۔ کیا میں مر گئی ہوں؟"

"تم سلامت رہو۔ ہمیشہ میرے سر پر مسلط رہو۔ میں کان پکڑتا ہوں آئندہ کوئی لڑکی کمرے میں داخل ہو گی تو مَیں باہر چلا جایا کروں گا۔۔۔ فرحانہ کے آنے سے پہلے ہم یہاں کتنے خاموش اور پُرسکون تھے۔

تمھاری خاموشی ہی بہتر ہے۔"

"میں کب تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں؟ میں خود خاموش رہنا چاہتی ہوں۔"

"ارے تو خاموش ہو جاؤ، نا۔ بولے جا رہی ہو اور پھر خاموش رہنے کی دھمکی بھی دے رہی ہو۔"

"اب جو بات کرے گا، اس کی زبان میں کیڑے پڑیں گے۔"

ہم دونوں ہی خاموش ہو کر مسکرانے لگے۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "میں ذرا معلوم کروں، یہ فرحانہ ہے کیا چیز؟"

میں دوسرے لمحے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ فوجی افسر کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی "وہاں تو بات ہی کچھ اور ہو گئی۔ میں دوستی کرنا چاہتی تھی۔ میں نے ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے چپ چاپ ایک پرچی بڑھا دی کہ میں جاسوسہ ہوں اور میری بات پر بھروسہ نہ کیا جائے۔"

"ہاں، ہماری پلاننگ یہی تھی کہ وہ دونوں تم پر اعتماد کرنے لگیں۔"

"اعتماد حاصل کرنے کے بعد میں ان کی اصلیت معلوم کر لیتی لیکن وہ عورت بہت ہی بدمزاج ہے۔ اپنے ساتھی سے خواہ مخواہ لڑنے لگی۔ جو عورت اپنے آدمی کے سامنے کسی عورت کو برداشت نہ کرے، بھلا مجھ سے کیا دوستی کرے گی؟ اور کیا اعتماد کرے گی؟"

"ہوں" افسر نے سوچنے کے انداز میں کہا "تم سرکس والی سُلطانہ سے دوستی کرو۔ شاید اس کی اصلیت تک پہنچ جاؤ۔"

وہاں سے وہ اُٹھ کر جانے لگی۔ میں اس کے پاس موجود رہا۔ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سرکس والی سلطانہ کے ساتھ وہ کس طرح دوستی کرے گی اور کیا معلومات حاصل کرے گی؟ لیکن اس کے دماغ کو کریدنے پر معلوم ہوا کہ وہ جو نظر آتی ہے، اصل میں وہ نہیں ہے، اندر سے بہت گہری ہے۔

جب وہ چائے کی ٹرے لے کر آئی تھی تو ایک ہوٹل کی ویٹریس نظر آئی لیکن باتیں کرنے کے دوران میں اس نے خود کو یہودیوں کی جاسوسہ بتایا اور وہ درحقیقت یہودیوں کے لیے جاسوسی کے فرائض ادا کرتی تھی۔ اس کے باوجود اس کا ایک اور روپ تھا۔ ایک گہرا اور پُراسرار روپ، جسے یہودی نہیں جانتے تھے۔ اسرائیلی حکام نے جن مجاہدین کو زندہ یا مُردہ ڈھونڈ نکالنے کے سلسلے میں بڑے بڑے انعامات رکھے تھے، ان میں ایک مجاہدہ بھی تھی جس کا نام لیلیٰ ثانی تھا۔

اب فرحانہ کے دماغ میں جھانکنے کے بعد پتا چلا کہ نام تھا نہیں، بلکہ ہے۔ جسے ہم فرحانہ سمجھ رہے تھے وہ لیلیٰ ثانی تھی۔ ایک خطرناک فلسطینی مجاہدہ جسے اسرائیلی انٹیلی جنس کے ذہین اور چالاک سراغ رساں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ ان ہی کے سائے میں زندگی گزار رہی تھی۔ پتا نہیں انھیں کس طرح فریب دیتی تھی۔ کس طرح نقصان پہنچاتی رہتی تھی۔ یہ تو آگے چل کر معلوم ہونے والا تھا۔

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "سونیا! تمھیں پتا ہے، یہ فرحانہ کون ہے؟"

"ایک حسین بلا ہے جس کے پیچھے تم پڑ گئے ہو۔"

"یقیناً بلا ہے۔ جس کے پیچھے میں نہیں، یہاں کے انٹیلی جنس والے ہیں۔ اس کا اصل نام لیلیٰ ثانی ہے۔"

سونیا نے چونک کر بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا کر سوچ کے ذریعے کہا "ہاں۔ مجھے بھی اس کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل کرنے کے بعد حیرانی ہوئی۔ کمبخت کتنی بیباک ہے۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کے سائے میں سانس لے رہی ہے۔"

"کیا یہ میک اَپ میں ہے؟"

"بالکل نہیں۔ یہ اس کا اصلی روپ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دشمن اس کا اصلی چہرہ نہیں جانتے ہیں۔ ان پر صرف لیلیٰ ثانی کے نام کی دہشت سوار ہے۔"

"تم اس کے دماغ میں جا کر معلوم تو کرو۔"

"میں معلومات حاصل کر لوں گا لیکن ابھی مناسب نہیں ہے۔ اگر میں اس کے دماغ میں موجود رہوں گا، اس کے مسائل معلوم کروں گا اور پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والا واقعہ شروع ہو چکا ہے اور مَیں اس میں ملوّث ہوتا جا رہا ہوں تو پھر اپنوں کی خبر نہیں رکھ سکوں گا۔"

"فرہاد! فلسطینی مجاہدین بھی ہمارے اپنے ہی ہیں۔"

"وہ تو ہیں۔ وہ پہلے بھی اپنے تھے۔ اب ہم ان کے وطن میں ہیں تو ان سے اور زیادہ اپنائیت ہو گئی ہے۔ ہم انھیں بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی مظلومیت کو سمجھ رہے ہیں۔ یقیناً ہم ان کے کام آئیں گے اور ان سے رابطہ قائم کریں گے لیکن ذرا صبر و تحمل سے۔ پہلے میں اعلیٰ بی بی اور سجّاد کی خبر لے لوں۔"

اعلیٰ بی بی اور سجّاد اس عمارت سے باہر آگئے، جہاں بردہ فروشوں نے لڑکیوں کو اسمگل کرنے کے لیے بڑے عیش و آرام کے ساتھ رکھا تھا اور جو اسمگل ہونے پر آمادہ نہیں تھیں انھیں قید کر رکھا تھا۔ عمارت کے باہر ریتیلے ساحل پر ایک ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ اعلیٰ بی بی اور سجّاد کے ساتھ بردہ فروشوں کا سرغنہ، گول مٹول سافٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کے آس پاس مسلح ماتحت تھے۔

اعلیٰ بی بی نے مجھے محسوس کرتے ہوئے کہا "یہ لوگ مجھے اور سجّاد کو کسی ایسی جگہ پہنچا رہے ہیں، جہاں ہمارا سودا کرنے والے اپنی مرضی سے نہ پہنچ سکیں۔"

"کیا تم دونوں کو اس ہیلی کاپٹر میں لے جایا جائے گا؟"

"ہاں، وہ دیکھو۔ ہیلی کاپٹر سے ایک لحیم شحیم آدمی ہماری طرف آرہا ہے۔"

اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ آنے والا بڑا قد آور پہلوان نُما آدمی ہے۔

اگر دونوں بغلوں میں دو آدمیوں کو دبوچ لے تو وہ شاید اس کی گرفت سے نہ نکل سکیں۔ جب وہ چل رہا تھا تو اس کے پاؤں ٹخنوں تک ریت میں دھنس رہے تھے۔ وہ جسمانی طور پر بھی بہت بھاری بھرکم تھا۔ اس نے آتے ہی سر جھکا کر ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بردہ فروشوں کے سرغنہ کو جیسے سلام کیا۔ پھر یونانی زبان میں کچھ کہنا شروع کیا۔ میں اس سرغنہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بھی یونانی زبان میں جواب دے رہا تھا۔ میں اس کا ترجمہ اس کے دماغ سے سمجھ سکتا تھا۔ وہ آنے والا کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنے فرائض سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ میرا کام ان دونوں کی حفاظت کرنا ہے۔ آپ کا کام اسرائیلی حکومت سے ان کا سودا کرنا ہے لیکن باس کہہ رہے تھے کہ صرف اسرائیلی حکومت سے سودا نہ کیا جائے۔ دنیا کی دو بڑی خطرناک تنظیمیں انھیں حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ سے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی ہیں۔ وہ بھی ہماری توقع سے زیادہ قیمت ادا کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور ممالک اور تنظیمیں بھی ان سے دلچسپی رکھتی ہیں' لہٰذا ان کا سودا سوچ سمجھ کر کیا جائے۔"

اس نے جیب سے کاغذ نکالا اور اسے سرغنہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ کاغذ کھول کر پڑھنے لگا۔ اس میں وہی کچھ لکھا تھا جو وہ پہلوان نما آدمی کہہ چکا تھا۔ مشورہ دیا گیا تھا کہ فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی دونوں ہی بلینک چیک ہیں۔ سر دست کیش ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انھیں کیش کرانے کے سلسلے میں جلدی نہ کی جائے۔ سوچ سمجھ کر سودا کیا جائے' دیکھا جائے کہ کون سب سے زیادہ بولی دیتا ہے۔

اسے پڑھنے کے بعد سرغنہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے مسٹر اپالو! ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے یقین ہے، تمھارے سائے میں رہ کر یہ فرار ہونے کی جرأت نہیں کریں گے اور نہ انھیں فرار کا کوئی راستہ نظر آئے گا۔"

اپالو نے اپنے دانتوں کی نمائش کی۔ گویا کہ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کے آس پاس سرغنہ کے دو مسلح ماتحت کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی بہت صحت مند تھے۔ اپالو نے اچانک دونوں ہاتھوں سے ان دونوں کی گردنیں دبوچ لیں۔ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے انھیں زمین سے اٹھانے لگا۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے۔ اس کی گرفت سے نکل کر زمین تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن بلند ہوتے جا رہے تھے۔ جب وہ اس کے ہاتھوں کی بلندی تک پہنچ گئے تو اپالو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ صرف دو ہیں — ایسے کتنوں ہی کو میں اٹھا کر سمندر میں پھینک سکتا ہوں۔ کیا مسٹر فرہاد کے لیے یہ نمونہ کافی ہے؟"

یہ سوال کرتے ہوئے اس نے دونوں مسلح ماتحتوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اس کے ہاتھوں کی بلندی سے نیچے ریت پر گر پڑے۔ سجاد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں ایسے ایسے شہ زور دیکھے ہیں جو پتھروں کو ٹھوکر مار کر ریت کر دیتے ہیں۔ ان کے سامنے تم کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ نہ بھولو کہ میں اپنی مرضی سے اعلیٰ بی بی کے ساتھ چل رہا ہوں۔ ہم کچھ روز دنیا والوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ اس وقت تک تم جو کرنا چاہو کر لو۔ جب ہمارے کچھ کہنے کی باری آئے گی تو میں دیکھوں گا کہ تمھارے یہ دونوں بازو کتنے مضبوط ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے اعلیٰ بی بی کا ہاتھ تھام لیا پھر اسے ساتھ لے کر ہیلی کاپٹر تک جانے لگا۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا۔ "یہ سجاد بالکل میرے انداز میں بولنے لگا ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "یہ تو جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے سمجھایا ہے۔"

"یہ اپالو نامی شخص میری ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہیں ہے۔ صرف یونانی زبان بول رہا ہے معلوم کرو، انگریزی جانتا ہے یا نہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے بعد پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر اپالو بیٹھا تھا۔ اگلی سیٹ پر ایک پائلٹ تھا۔ ان کے درمیان میں یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اپالو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اپنی مرضی سے تمھارے ساتھ جا رہے ہیں لیکن اجنبیت محسوس کر رہے ہیں۔ کیا تم انگریزی نہیں بول سکتے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر یونانی زبان میں کچھ کہا جو میں سمجھ نہ سکا۔ اس کا ترجمہ کرنے والے سرغنہ کا دماغ اس سے دور تھا۔ ان باتوں کے دوران میں ہیلی کاپٹر کا پنکھا گردش کرنے لگا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساحلی زمین سے بلند ہونے لگا۔ میں اعلیٰ بی بی اور سجاد کے ذریعے دور کھڑے ہوئے بردہ فروشوں کے سرغنہ اور اس کے ماتحتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر بلند ہوتا ہوا اور ایک طرف گھوم کر پرواز کرتا ہوا اجنبی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے سرغنہ کے دماغ کو ٹٹول کر معلوم کیا تو اس کی سوچ نے کہا۔ "ان دونوں کو کوہ ایتھوز کی اس بلند چوٹی پر پہنچایا جائے گا' جہاں ایک راہب کی عبادت گاہ ہے۔ اس عبادت گاہ تک پہنچنے کا کوئی زمینی راستہ نہیں ہے۔ وہاں جانے کے لیے دشوار گزار پہاڑی راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ کئی جگہ گہری کھائیاں اور ایسے شکستہ راستے ہیں جنھیں چھلانگ لگا کر عبور کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ وہ عبادت گاہ اب سے بیس برس پہلے تک ویران پڑی ہوئی تھی پھر بردہ فروشوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسے اپنا ایک خفیہ ٹھکانہ بنا لیا۔ وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ صرف ہیلی کاپٹر تھا۔ وہ اس اڈے میں اپنا ایسا سامان' ایسی دستاویزات اور ایسے لوگوں کو چھپا کر رکھتے تھے جن تک دوسرے لوگ نہ پہنچ سکیں۔ بظاہر یونان کی حکومت بھی اس بلند ترین عبادت گاہ کو راہبوں کی ملکیت ہی سمجھتی تھی اور حکومت کی طرف سے ہی وہاں انھیں ایک ہیلی کاپٹر رکھنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن ان راہبوں کے پیچھے کون لوگ ہیں' یہ یونانی حکومت بھی نہیں جانتی تھی۔

جب میں اس سرغنہ کے دماغ سے معلومات حاصل کر کے اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچا تو پیچھے بیٹھے ہوئے اپالو نے ان دونوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ میں نے کہا۔ "یہ نہیں چاہتے کہ تم دونوں ان راستوں کو یاد رکھ سکو اور کوہ ایتھوز تک کسی طرح دوسروں کی رہنمائی کر سکو۔ بہرحال میں نے ان کا اڈہ معلوم کر لیا ہے۔ تم دونوں اطمینان سے سفر کرو۔ میں پھر رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اسے ان کے حالات بتائے۔ وہ سننے کے بعد بولی۔ "میں یہاں بیٹھے بیٹھے بیزار ہو گئی ہوں۔ اگر شام تک پابندی نہ ہٹائی گئی تو تم کچھ کرو۔ میں ایکشن میں رہنا چاہتی ہوں۔"

"ذرا صبر کرو۔ تمھاری خواہش پوری ہو گی۔ شام کو ہم ضرور کیسینو جائیں گے۔ وین وائنز خود اس سلسلے میں پریشان ہے۔ وہ یہاں سے سارا دولت سمیٹ کر لے جانے کا خواب دیکھتا ہوا آیا ہے' وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔"

"کچھ وین وائنز کے متعلق ہی معلوم کرو۔"

میں نے ذرا آنکھیں بند کیں تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر کہا۔ "وہ اعلیٰ حکام سے ملاقاتیں کر رہا ہے۔ ہم پر سے پابندی ہٹوانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ ابھی کاہال تنظیم کا سربراہ اس سے کہہ رہا تھا کہ تمھارے متعلق کچھ اور تحقیقات ہوں گی۔ اس کے بعد پابندیاں ہٹالی جائیں گی۔"

"جب کاہال تنظیم کے سربراہ تک پہنچ گئے ہو تو رسونتی کے پاس بھی پہنچ کر دیکھو۔ آخر وہاں کیا ہو رہا ہے؟ میں اس کے لیے بے چین ہوں۔"

"انتظار کرو۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے آنکھیں بند کیے ایک آرام دہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں اسرائیلی اکابرین مختلف صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سومر بھی ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا پھر رسونتی نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پلیز، مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ بہت ہو چکا۔ میں اتنی دیر سے کوشش کر رہی ہوں۔ بے شک مجھے کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی مگر اب پھر ناکام ہو رہی ہوں۔"

ایک یہودی افسر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "مادام! ہمیں یقین ہے کہ آپ کوشش جاری رکھیں گی تو . . ."

رسونتی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "کوشش جاری رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقتی طور پر دماغی توانائی حاصل ہو رہی ہے تو ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھی پوری طرح حاصل ہو جائیں۔ یہ رفتہ رفتہ ہوگا۔ آخر جلدی کیا ہے؟ کیا میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بے شک آرام کریں' اب ہم جا رہے ہیں۔"

پھر اس اعلیٰ افسر نے ڈاکٹر سومر سے کہا۔ "ڈاکٹر! بہتر یہی ہے کہ مادام کو آرام کرنے دیا جائے اور مادام! ہماری گزارش ہے کہ جب بھی آپ سکون محسوس کریں اور ڈاکٹر صاحب کی ضرورت محسوس کریں تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔ ڈاکٹر سومر کی خدمات حاصل کرنے کے لیے لوگ دولت پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ یہ ہماری' آپ کی خوش نصیبی ہے کہ یہ ہمارے درمیان ہیں اور دو چار دن یہاں رہیں گے۔ ان کی موجودگی سے آپ کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔"

ایک اور اعلیٰ افسر نے کہا۔ "مادام! ہمیں اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم جو آپ سے بار بار کوشش کرنے کے لیے کہتے ہیں تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ ڈاکٹر سومر کی موجودگی میں آپ کی کوششیں بار آور ہوں۔"

رسونتی نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کچھ دیر تنہا رہوں گی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ضرورت محسوس ہوئی تو ضرور اطلاع دوں گی۔"

وہ سب ایک ایک کر کے وہاں سے جانے لگے۔ رسونتی تنہا رہ گئی۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "وہ کوشش کر رہی ہے۔ کبھی اسے کامیابی ہوتی ہے اور کبھی ناکامی۔ اس وقت وہ تنہا اسی مسئلے پر غور کر رہی ہے۔"

"وہ تنہا ہے تو اسے مخاطب کرو۔ اسے حوصلہ دو۔"

"تم انگلی پکڑ کر پہونچا پکڑنے کی بات کر رہی ہو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ براہِ راست کبھی اس سے گفتگو نہیں کروں گا۔ تمھارے کہنے پر میں نے اس حد تک رابطہ قائم کیا ہے۔ یہی بہت ہے۔"

"دیکھو فرہاد! اس کی دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔ اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھل گیا ہے۔ تمھاری طرف سے حوصلہ ملے گا تو رہی سہی کمی پوری ہو جائے گی اور وہ یقیناً اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے گی۔"

"وہ کہتی ہے' رفتہ رفتہ کامیابی ہو گی۔ وہ جب یہودیوں سے یہ کہہ رہی ہے تو تمھیں بھی یہی سمجھ کر صبر کرنا چاہیے۔ آخر جلدی کیا ہے؟ ایک ہی دن میں دماغی توانائی حاصل ہو جائے اور ایک ہی دن میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل ہو جائیں' یہ تو ممکن نہیں ہے۔"

"جب وہ خیال خوانی کی پرواز کر رہی تھی تو تم نے اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے سہارا دیا تھا۔ وہ خیال خوانی کرنے لگی تھی۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ اس حد تک تو سہارا دے دو۔"

"اچھا، وعدہ کرتا ہوں۔ جب وہ خیال خوانی کی پرواز کرے گی تو میں اسے سہارا دوں گا۔ ابھی تو وہ آرام کر رہی ہے۔"

وہ مطمئن ہو گئی۔ میں لیلیٰ ثانی کے پاس پہنچ کر معلومات حاصل کرنے لگا کہ وہ اصلی سلطانہ کے پاس جا کر کیا گفتگو کر رہی تھی اور

اسے کس طرح ٹٹول رہی تھی۔ اسی دوران دروازے پر دستک سُنائی دی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ باہر وین وائنز ایک فوجی افسر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے مُسکرا کر کہا: "بس آخری تحقیقات رہ گئی ہیں۔ اس کے لیے ہمیں آفیسر کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کے بعد تم دونوں پر سے پابندیاں اُٹھالی جائیں گی۔"

سونیا نے آگے بڑھ کر کہا: "آپ لوگ ذرا انتظار کریں۔ میں ذرا باہر نکلنے کے لیے تیار ہولوں۔"

میں باہر آگیا۔ سونیا نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ میں نے فوجی افسر سے کہا: "آپ ہم جیسے مہمانوں کو پریشان کرتے ہیں۔ لیکن آپ کی انٹیلی جنس اتنی کمزور ہے کہ غدّاروں اور تخریب کاروں کو نظر انداز کردیتی ہے۔"

"مسٹر ایزل ہارڈی! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ ذرا وضاحت کردیں۔"

"آپ کے اس ہوٹل میں ایک ویٹریس ہے جس کا نام فرحانہ ہے اور وہ آپ کے لیے جاسوسہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔"

فوجی افسر نے جان بوجھ کر چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ میں سمجھ رہا تھا مگر انجان بن کر مُسکراتے ہوئے بولا: "یہ بات آپ کے لیے چونکانے والی ہے لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ ویٹریس ہمارے کمرے میں چائے لے کر آئی تھی۔ اس نے چپکے سے ایک پرچی ہمارے ہاتھ میں تھمادی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ وہ آپ لوگوں کے لیے جاسوسہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔ لٰہذا ہم اس پر اعتماد نہ کریں۔"

افسر نے مانگنے کے انداز میں ہاتھ بڑھا کر کہا: "کہاں ہے وہ پرچی؟"

"ہم نے اس جاسوسہ کی تسلّی کے لیے اس کے سامنے اُسے ضائع کردیا تھا۔"

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں سمجھ رہا تھا کہ اس سے مزید معلومات حاصل ہوسکیں گی. اگر مَیں اسے ضائع نہ کرتا تو وہ کُھل کر باتیں نہ کرتی۔"

"اچھا تو اس نے اور کیا کہا؟"

"کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میری منگیتر سلطانہ بہت ہی شکی مزاج عورت ہے۔ اس نے میرے سامنے فرحانہ کو برداشت نہیں کیا۔ آپ نے دیکھا ہی ہے کہ وہ کتنی حسین ہے۔ کوئی عورت اپنے منگیتر کے سامنے ایسی حسین عورت کو برداشت نہیں کرسکتی۔ سلطانہ نے بھی بدمزاجی کا مظاہرہ کیا۔ وہ بے چاری فوراً واپس چلی گئی۔"

افسر نے بظاہر غصّہ دکھاتے ہوئے کہا: "اچھا تو فرحانہ دوہری چالیں چلتی ہے۔ میں ابھی اسے گرفتار کراتا ہوں۔"

اس نے اپنے ایک ماتحت سے کہا: "جاؤ اور سیکنڈ آفیسر کو یہ تمام باتیں بتانے کے بعد کہو کہ فرحانہ کو حراست میں لے لیا جائے۔"

وہ ماتحت چلا گیا۔ یہ سب چالیں چلی جارہی تھیں ... ہوکر آگئی۔ ہوٹل کے باہر ہمارے لیے ایک کار کھڑی تھی۔ میں اور وین وائنز پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ فوجی افسر اپنے ایک فوجی ... کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہمارے پیچھے مسلّح فوجیوں کی ایک ... سی گاڑی تھی پھر یہ قافلہ اس عمارت کی طرف جانے لگا جہاں ... پہلی بار ایک قیدی کی حیثیت سے پہنچائی گئی تھی اور وہاں ایک اسٹیڈیم میں اس نے ڈبل جوئیل سے مقابلہ کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا: "تم وین وائنز سے باتیں کرتی رہو۔ میں سلطانہ کے متعلق ... معلومات حاصل کر رہا ہوں۔"

وہ میری ہدایات پر عمل کرنے لگی اور میں تمام راستے سلطانہ کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔ اتنا معلوم ہوگیا کہ جس عمارت میں ہمیں پہنچایا جارہا ہے اس کی تیسری منزل کے ایک ہال ... میں ... کا ہال تنظیم کے سربراہ اور عہدے دار بیٹھے ہوئے ہیں۔ ... افسران بھی ہیں۔ انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر بھی موجود ہیں۔ نادر یا ... اور سلطانہ اپنے سرکس کے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو یروشلم ... بُلائے گئے ہیں۔ ہمارے وہاں پہنچنے تک ان سے طرح طرح کے سوالات کیے جارہے تھے۔ جو سوالات کیے جارہے تھے ... جو جواب دیے جارہے تھے، میں انھیں ذہن نشین کر رہا تھا ... موقع ملنے پر سونیا کو بتاتا جارہا تھا۔ سونیا باتیں کرنے کے دوران میں کبھی چُپ ہوجاتی تھی اور میری معلومات کو ذہن نشین کرنے لگتی تھی۔

جب ہم اس عمارت کی تیسری منزل پر پہنچے تو مجھے ... ہال میں وہی تمام لوگ نظر آئے۔ میں نے سونیا کو بتادیا تھا کہ ... سرکس کی جو عورتیں یروشلم سے آئی ہیں وہ کس رنگ کا اور کس ... کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں۔ جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو سونیا انجان بنی وہاں موجود لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ دیکھنے کے دوران ایک سرکس والی پر نظر ٹھہر گئی۔ وہ خوش ہوکر بولی:

"اوہ روزی! تم؟ آہا۔ کتنے عرصے بعد مَیں تمھیں دیکھ رہی ہوں۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ دونوں بازو پھیلا کر روزی کی طرف ... لگی۔ وہ بے چاری حیران و پریشان پہلے تو سوالیہ نظروں سے ... دیکھتی رہی، پھر پیچھے ہٹ کر بولی: "کون ہو تم؟"

اس سوال پر سونیا ایک دم ٹھٹک گئی پھر معذرت ... کے انداز میں بولی: "اوہ، میں تو بھول ہی گئی تھی کہ میرا چہرہ ... سرجری کے ذریعے بدل گیا ہے۔ تم مجھے پہچان نہیں سکوگی۔ ... سلطانہ ہوں۔ تمھاری رازدار سہیلی۔"

روزی نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر اپنے قریب کھڑی ہوئی اصلی سلطانہ پر نظر ڈالی۔ اصلی سلطانہ نے کہا: "روزی! اس ... کے فریب میں نہ آنا۔ تمھاری رازدار سہیلی مَیں ہوں۔"

ایک افسر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: "ایک لمحہ رُکو۔ اگر تم دونوں کا یہ دعویٰ ہے کہ روزی کی رازدار ہو تو اس کے کان میں اس کی زندگی کا کوئی راز بیان کرو۔ پھر یہ ہمیں بتائے گی کہ تم دونوں میں سے کون رازدار ہے؟"

سونیا آگے بڑھی۔ اس کے کان کے قریب مُنہ لے جاکر ایک بات کہہ دی۔ وہ بات ایسی تھی کہ سُنتے ہی روزی ایک دم سے زرد پڑ گئی۔ ذرا پیچھے ہٹ کر سونیا کو التجا آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں کہہ رہی تھیں۔ "پلیز، یہ بات کسی سے نہ کہنا۔"

ایک افسر نے پوچھا: "کیا اس نے کوئی راز کی بات کہہ دی ہے تم سے؟"

روزی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "جی ہاں، لیکن راز کو راز ہی رہنا چاہیے۔ آپ نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ یہی اصلی سلطانہ ہے۔"

اصلی سلطانہ نے آگے بڑھ کر کہا: "روزی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں بھی تمھیں ایک راز کی بات کہتی ہوں۔"

وہ روزی کے قریب آئی اور اس کے کان کے پاس مُنہ لے جاکر آہستگی سے کچھ کہا۔ دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ اس نے نہیں کہا۔ میں نے کہلوایا۔ وہ کہہ رہی تھی: "تم شادی سے پہلے جوزف سے محبّت کرتی تھیں۔"

روزی نے ذرا پیچھے ہٹ کر کہا: "یہ تم کون سی انوکھی بات کہہ رہی ہو؟ یہ تو میں اپنے شوہر کو بتا چکی ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ جوزف سے میری دوستی تھی لیکن اس سے شادی نہیں ہوئی۔ تم ایسی بات بتاؤ جس کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہو۔"

اصلی سلطانہ سوچنے لگی لیکن میں اسے سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ پھر بھلا اسے کیسے یاد آتا کہ روزی کی زندگی کا گہرا راز کون سا ہے۔ ایک فوجی افسر نے ذرا انتظار کرنے کے بعد ہاتھ کے اشارے سے اسے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ دوسرے افسر نے کہا: "تم خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کر رہی ہو۔ اس سے پہلے بھی ہوٹل میں مَیں نے سوالات کیے تھے۔ ان کے جوابات صحیح نہیں تھے۔ اس کے برعکس مسٹر ہارڈی کی منگیتر مس سلطانہ کے جوابات بالکل صحیح تھے۔"

پھر اس افسر نے جیب سے چند تصویریں نکال کر سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ان میں سے آپ کا اصلی چہرہ کون سا ہے؟ جس پر پلاسٹک سرجری کے بعد موجودہ چہرہ نظر آرہا ہے؟"

سونیا نے ان تصویروں کو باری باری دیکھا پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ان میں کوئی میری سابقہ تصویر نہیں ہے --- یہ دوسری لڑکیوں کی تصویریں ہیں۔"

اس افسر نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر پھر چند تصویریں نکالیں۔ اسے دکھایا۔ ہم نے پیرس میں ڈھائٹ برد کرکے ذریعے اصلی سلطانہ کا جو پاسپورٹ وغیرہ حاصل کیا تھا، اس میں سے اصلی سلطانہ کی تصویر پہلے ہی نکال لی گئی تھی پھر اس میں سونیا کے موجودہ چہرے کی تصویر لگائی گئی تھی۔ ہم نے اصلی سلطانہ کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود میں نے اس افسر کا دماغ پڑھا تو پتا چل گیا کہ کون سی تصویر اصلی ہے۔ میں نے سونیا کی رہنمائی کی۔ اس نے ان تصویروں میں سے اصلی تصویر نکال کر افسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "یہ میرا اصلی چہرہ تھا۔"

اس افسر نے حیران ہوکر اپنے افسروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بڑی حیرانی کی بات ہے۔ دونوں نے یہی تصویر دکھائی ہے اور یہی ان کا اصلی چہرہ تھا۔ کیا دونوں پلاسٹک سرجری سے پہلے ہم شکل تھیں اور آج ہم شکل نہیں ہیں۔ بس ہم نام رہ گئی ہیں؟"

اصلی سلطانہ نے آگے بڑھ کر کہا: "کسی کی نقالی کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ یہ عورت زبردست نقال ہے۔ اس نے میرے ماضی کے متعلّق اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ بہرحال نقالی کے معاملے میں یہ جس قدر بھی باکمال ہو، لیکن میری طرح بازی گری کے کرتب نہیں دکھا سکے گی۔ میں اسے چیلنج کرتی ہوں۔"

سونیا نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہا: "میں تمھارے چیلنج کو قبول کرتی ہوں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اتنے سارے تماشائی بیٹھے ہیں۔ آؤ ہم اپنے اپنے کمالات دکھائیں۔"

سونیا کی یہ بات سن کر اصلی سلطانہ ذرا ٹھٹک گئی۔ پریشان ہوکر سوچنے لگی: "اگر اس کمبخت نے یہ کمال بھی دکھادیا تو مجھے اپنی پیدائش پر شُبہ ہونے لگے گا۔"

اس کے سوچنے کے دوران ہی سونیا نے "ہاہپ ہپ" کہتے ہوئے ایک قلابازی کھائی پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں کے بل سر نیچے اور دونوں ٹانگیں اوپر کرلیں۔ اس کا جسم بالکل تن گیا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ کمر کی طرف سے خم کھاتی ہوئی پیچھے کی طرف کمان بنتی جارہی تھی۔ اس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے یہودی اکابرین افسران توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

اصلی سلطانہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی: واقعی یہ تو بازی گری کے کمالات بھی دکھانے لگی ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی پھر اس نے بھی قلابازی کھائی اور اسی طرح ... ہاتھوں کے بل سر نیچے، ٹانگیں اُوپر کرلیں۔ اس کا جسم بھی تن گیا اور وہ کمر کی طرف سے خم کھا کر پیچھے کی طرف کمان ہونے لگی۔ سونیا کمان بن چکی تھی پھر اس کے دونوں پاؤں دونوں ہاتھوں کی طرح

زمین پر آ گئے۔ وہ اپنی مقابل کو بدحواس کرنے کے ہتھکنڈے جانتی تھی۔ اس نے اسی طرح خم کھاتے ہوئے دونوں ہاتھ فرش پر اس طرح زور سے مارے جیسے وہ تھک کر گر پڑی ہو۔

اصلی سلطانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایسے میں اپنا توازن قائم رکھنا ذرا بھول گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خم کھاتے کھاتے فرش پر گر پڑی۔

مگر بڑی پھرتیلی تھی۔ گرتے ہی اُلٹی قلا بازی کھا کر کھڑی ہو گئی۔ سونیا نے اس کے ساتھ ہی اُلٹی قلا بازی کھائی اور سینٹر ٹیبل پر پہنچ گئی۔ وہاں بھی وہ نہ ٹھہری، بجلی کی طرح لپکی۔ آخر قلا بازی کھاتے ہوئے ایک دم سے فضا میں بلند ہوئی۔ سب نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اس کے بعد سرکس کے مالک نادر پاشا کی اوپر کی سانس اوپر، نیچے کی نیچے رہ گئی۔ کیوں کہ وہ فضا میں قلا بازی کھاتے ہوئے اس کے دونوں شانوں پر کھڑی ہوگئی تھی۔ یہ ایسا کمال تھا کہ سب کے مُنہ سے واہ واہ نکل گئی۔ بہت سے افسران تالیاں بجانے پر مجبور ہوگئے۔

اصلی سلطانہ گُم صُم کھڑی سر اُٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ فرش پر کھڑا ہوا نادر پاشا "ارے! ارے!" کہتا ہوا اِدھر سے اُدھر ڈگمگا رہا تھا۔ سونیا اوپر کھڑی اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے تھی۔ یہ کمال دیکھ کر مجھے اچانک ثبانہ یاد آ گئی۔ وہ تیز رفتار گھوڑے کی پیٹھ پر ایسے ہی کمالات دکھاتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں لگام نہیں ہوتی تھی۔ کبھی وہ پاؤں کے بل اور کبھی ہاتھوں کے بل گھڑ سواری کے کرتب دکھاتی تھی۔ اصل میں بازی گری کا سارا کمال جسمانی توازن پر ہوتا ہے۔ اصلی سلطانہ بھی اپنا توازن برقرار رکھنا جانتی تھی لیکن ایسا کرنے کے لیے وہ ایک خاص ماحول کی اور خاص جگہ کی پابند تھی۔ وہ سرکس کے اندر اپنے مخصوص لباس میں، مخصوص ترتیب کے ساتھ کمالات دکھاتی تھی لیکن سونیا، مرجانہ اور ثبانہ جیسی فائٹر عورتیں کسی خاص جگہ کی محتاج نہیں ہوتیں۔ جہاں بھی دشمن سے مقابلہ ہو جائے یا جہاں بھی انھیں کوئی چیلنج کرے خواہ وہ جنگل ہو یا جھاڑی، میدان ہو یا پہاڑی، وہ ہر جگہ جسمانی توازن کو برقرار رکھنا جانتی ہیں۔

مَیں مسکرانے لگا۔ وہ ہوٹل کے کمرے میں کہہ رہی تھی، بیٹھے بیٹھے بیزار ہوگئی ہے۔ ایکشن میں آنا چاہتی ہے۔ اب اسے ایکشن میں آنے کا موقع ملا تھا تو بڑی زندہ دلی اور مہارت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نادر پاشا ابھی تک ڈگمگا رہا تھا۔ اس کے بوجھ سے پریشان ہو کر [illegible] بس، میری ماں، بس۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ تم اصا [illegible]

ذرا فاصلے پر کاہل تنظیم کا ایک عہدے دار بیٹھا ہوا سگر[illegible] سلگانے کے لیے لائٹر جلا رہا تھا۔ اسی وقت سونیا نے نادر پاشا کے شانے پر سے چھلانگ لگائی۔ قلا بازی کھاتے ہوئے اس عہدے دار کے پاس پہنچی۔ جیسے ہی اس نے سگریٹ کو مُنہ میں لے جانا چاہا، ویسے ہی پتا چلا کہ سگریٹ اب اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ وہ اس کا سگریٹ لیتے ہوئے اس کے اوپر سے قلا بازی کھاتے ہوئے پیچھے چلی گئی تھی۔ سب نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اُدھر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا اور وہ فخریہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

کمال اسے کہتے ہیں کہ آدمی دیکھے تو بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو جائے۔ اس وقت یہی ہو رہا تھا۔ وہاں بیٹھے سب ہی لوگ بے اختیار تالیاں بجانے پر مجبور ہوگئے تھے۔ کمال یہ بھی ہے کہ مخالف جھنجلا کر اپنے مقابل کا مُنہ نوچنے پر مجبور ہو جائے یا پھر خود ہی سر پیٹ کر رونے لگے۔ اصلی سلطانہ دونوں ہاتھ اپنی پیشانی پر مار کر اچانک رونے لگی پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگی۔

"میں کون ہوں؟ میرے خدا، میری سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا تماشا ہے۔ مَیں بچپن میں کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کس نے مجھے جنم دیا؟ میں نہیں جانتی۔ جب میں نے ذرا ہوش سنبھالا تو پتا چلا، میرا ایک بوڑھا باپ ہے جو مجھے جوبلی سرکس میں لے کر آیا تھا۔ اسی نے بتایا کہ وہ میرا باپ ہے اور میرا نام سلطانہ ہے۔ میری ماں مر چکی ہے۔ تب سے مَیں اپنے متعلق یہی جانتی ہوں لیکن آج ..."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر سونیا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن آج اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ اصلی ہے اور میں نقلی ہوں لیکن اگر نقلی بھی ہوں تو میرا ماضی کیا ہے؟ میں کون ہوں۔ اگر میرا نام سُلطانہ نہیں تو پھر کیا ہے؟"

اس کی باتوں کے دوران کاہل تنظیم کے ایک رُکن نے آکر اپنے سربراہ ری مونڈیل سے کہا "جناب! نیوجرسی کے ڈاکٹر ارلی مارٹین سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ آپ ان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

ری مونڈیل نے ہاتھ اُٹھا کر اصلی سلطانہ کو کچھ کہنے سے روکا، پھر اپنے ساتھیوں سے کہا "ڈاکٹر ارلی مارٹین سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ میں گفتگو کر رہا ہوں۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے قریب رکھے ہوئے ریسیور کو اُٹھا کر کہا۔

"ہیلو، ری مونڈیل دِس اینڈ۔"

دوسری طرف سے ڈاکٹر ارلی مارٹین کی آواز سُنائی دی۔

"ہیلو مسٹر مونڈیل! میری آپ کی تنظیم کے افراد سے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ مجھے آپ کے پرابلم کے متعلق معلوم ہوا۔ یقیناً آپ کے پاس اتفاقاً دو عدد سلطانہ پہنچ گئی ہوں گی۔ میں سمجھتا تھا ایک دن ایسا ہو گا۔ سو آج ہو گیا۔"

ری مونڈیل نے پوچھا "ڈاکٹر! کیا آپ اپنی باتوں کی وضاحت [illegible] گے؟"

"جی ہاں۔ یہ ایک عورت کا مینٹل کیس ہے۔ استنبول میں میرے ایک ایرانی دوست ڈاکٹر آفندی رہتے تھے۔ یہ آج سے تقریباً تین برس پُرانی بات ہے۔ ان کی ایک دوست دماغی مریضہ تھی۔ ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا۔ ابتدا میں یہ مرض اتنا تشویش ناک نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ تشویش بڑھتی گئی۔ وہ ایران میں جمناسٹک کوئین سمجھی جاتی تھی۔ میرے دوست ڈاکٹر آفندی اس پر بُری طرح مرمٹے تھے۔ انھوں نے شادی کا ارادہ کیا۔ ان ہی دنوں اس کے دماغ میں کچھ خلل ہو گیا تھا۔ ایسی کوئی بات تھی جس کا تعلق اس کے ماضی سے اس کے خاندان سے تھا۔ ڈاکٹر نے ایک ماہرِ نفسیات کی خدمات حاصل کیں۔ آخر ماہرِ نفسیات کے مشورے سے اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر اس کی شخصیت تبدیل کر دی جائے تو اس کا دماغی مرض تقریباً ختم ہو جائے گا۔ نہ پہلے والا ماضی رہے گا، نہ پہلے والے خاندانی اثرات رہیں گے اور وہ پرانی یادیں بھی نہیں ستائیں گی۔"

ری مونڈیل نے کہا "مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ جو کہہ رہے ہیں، کیا اس کا تعلق ان دونوں عورتوں سے ہے؟"

"جی ہاں، آپ ذرا تحمل سے سُنیں۔ ان ہی دِنوں میرے پاس جوبلی سرکس کی سلطانہ آئی۔ اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے سابقہ شوہر نے ٹوٹی ہوئی بوتل سے اس کے چہرے پر ضربیں لگائی تھیں۔ وہ پلاسٹک سرجری کرانا چاہتی تھی۔ سرجری کے دوران میں اس نے بتایا کہ اب وہ سرکس لائف نہیں گزارے گی۔ استنبول اور پیرس سے کہیں دور جا کر گمنام زندگی گزارتی رہے گی۔ اس کی باتیں سُننے کے بعد اچانک میرے دماغ میں یہ بات آئی ... کہ اپنے دوست کی منگیتر کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کر دوں۔ جب وہ اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھے گی تو خود کو ایک دوسرے روپ میں پائے گی۔ اسے ذہنی طور پر تبدیل کرنے کے لیے بھی ہم نے بہت پہلے ہی پلاننگ کر لی تھی۔ سوچا تھا، جب اس کی شخصیت کو بدلنا ہو گا تو ہپناٹزم کے کسی ماہر کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ وہ تنویمی عمل کے ذریعے اس کے دماغ کو تبدیل کرے گا خواہ وہ تبدیلی عارضی کیوں نہ ہو۔ اگر اس نے دل اور دماغ سے اس تبدیلی کو قبول کر لیا تو دائمی تبدیلی ہو گی ورنہ کچھ عرصے بعد پھر خود کو ترکی کے بجائے ایرانی خاتون کی حیثیت سے پہچانے گی۔ ویسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس وقت تک اس کے دماغ کی وہ پیچیدگی جو اسے خاندانی ورثے میں ملی ہے، شاید ختم ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا "میں یہ نفسیاتی پیچیدگیاں اس لیے بیان کر رہا ہوں تاکہ آپ دونوں سلطانہ میں سے اس سلطانہ کے بیک گراؤنڈ کو سمجھ لیں، جس کا ذکر میں ابھی کرنے جا رہا ہوں۔"

ری مونڈیل نے دور کھڑی ہوئی دونوں سلطانہ کو دیکھا۔ پوچھا "لیکن ان میں سے وہ سلطانہ کون ہے جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں؟"

"اس وقت آپ کے سامنے دو سلطانہ موجود ہیں۔ ان میں سے کس سلطانہ کا ذکر کر رہا ہوں، یہ مَیں خود نہیں کہہ سکتا کیوں کہ ان کی صورتیں اتنی دور سے نہیں دیکھ سکتا۔ ان کی تصویریں میرے پاس ہیں۔ تب بھی میں یہ تصویریں امتیازی شناخت کے طور پر اتنی جلدی آپ کے پاس روانہ نہیں کر سکتا لیکن میں اصلی سلطانہ کی پہچان بتا دوں گا۔"

ری مونڈیل ماؤتھ پیس میں جو کچھ کہہ رہا تھا، اس سے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ جواباً دوسری طرف کی گفتگو سُنائی نہیں دیتی تھی، اس لیے سب کے سب ہمہ تن گوش تھے۔ صرف میں ہی ایسا تھا جو دوسری طرف کی بھی گفتگو سُن رہا تھا۔

ڈاکٹر ارلی مارٹین کہہ رہا تھا "جب مجھے سلطانہ کی سرجری کے دوران معلوم ہوا کہ وہ گمنام زندگی گزارنا چاہتی ہے اور سرکس سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔ تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس دوسری عورت کو سلطانہ بنا کر سرکس میں پہنچا دوں گا۔ میرے اس منصوبے کی تکمیل میں اس طرح آسانی ہو رہی تھی کہ سلطانہ سرجری کے بعد چپ چاپ میرے اسپتال سے چلے جانا چاہتی تھی۔ جوبلی سرکس کا مالک اکثر آ کر اس کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا اور سرجری کے بعد اسے واپس اپنے سرکس میں لے جانا چاہتا تھا۔"

اس کی گفتگو ذرا دیر کے لیے سُنائی نہیں دی۔ ٹیلیفون کے رابطے میں کوئی تکنیکی خرابی ہو گئی تھی۔ دونوں طرف سے وہ "ہیلو، ہیلو" کہہ کر ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر آواز صاف ہو گئی۔ ڈاکٹر ارلی مارٹین کہہ رہا تھا "میں اسپتال کے دوسرے کمرے میں ڈاکٹر آفندی کی دوست کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کر رہا تھا۔ سرجری کے دوران رات کو اس پر تنویمی عمل ہوتا تھا اور اسے ذہنی طور پر تبدیل کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔ ان دونوں کی سرجری زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے میں مکمل ہو سکتی تھی لیکن میں نے اصلی سلطانہ کی سرجری تو ایک ہفتے میں مکمل کی اور اسے اسپتال سے روانہ کر دیا۔ آفندی کی دوست کو اسپتال میں سرجری کے بہانے روکے رکھا۔ اس دوران ہم نے جوبلی سرکس کے مالک کی مختلف تصویریں اتار لی تھیں اور آفندی کی دوست کو سلطانہ کی حیثیت سے وہ تصویریں دکھائی جاتی تھیں۔ سرکس کے کچھ لوگوں کے متعلق بھی معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ اِدھر ہم نے جوبلی سرکس کے مالک سے کہہ دیا تھا کہ سرجری کے بعد چونکہ چہرہ تبدیل ہو جاتا ہے اور سرجری کروانے والی اپنے پہلے چہرے سے بہت زیادہ مانوس ہوتی ہے، محبت کرتی ہے، نئے چہرے کو جلدی تسلیم نہیں کرتی۔ اس لیے اس کے دماغ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنا ماضی عارضی طور پر بھول جاتی

ہے۔ رفتہ رفتہ اسے یاد آنے لگتا ہے۔ لہٰذا سلطانہ کو اپنا ماضی یاد نہ آئے تو اس کے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالا جائے۔"

ڈاکٹر ارلی مارٹین پھر چند لمحوں کے لیے خاموش رہا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش ہونے کے دوران برانڈی کے دو گھونٹ حلق سے اُتار رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا "قصہ مختصر یہ ہے کہ ہم نے آفندی کی دوست کو چہرے اور.... دماغی اعتبار سے تبدیل کر دیا۔ اس کے دماغ میں بڑی حد تک سرکس والی سلطانہ کے متعلق معلومات فراہم کر دی تھیں۔ اسے نئے چہرے سے مانوس کرایا جا رہا تھا۔ جب وہ چہرہ ہر طرح سے مکمل ہو گیا، تب ہم نے جوبلی سرکس کے مالک سے اس کی ملاقات کرائی لیکن بے چاری سلطانہ تقدیر کی کھوٹی نکلی۔ جس کے لیے اتنا سب کچھ کیا گیا اور جس کی محبت میں آفندی نے اس کی تبدیل شدہ شخصیت کو بھی تسلیم کیا، وہی آفندی اچانک ایک حادثے کا شکار ہو کر اس دُنیا سے چلا گیا۔ وہ اکیلی رہ گئی۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا، میں وہاں مستقل نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے سلطانہ کو جوبلی سرکس کے حوالے کیا اور امریکہ چلا آیا۔ میرے دماغ میں کبھی کبھی یہ بات آتی تھی کہ دونوں سلطانہ کا سامنا ہو جائے یا سلطانہ پر کیا جانے والا تنویمی عمل دھیرے دھیرے ماند پڑ جائے اور وہ اپنی اصلی شخصیت کو پہچاننے لگے تو کیا ہوگا؟ اَب تک میرے پاس ایسی کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی کہ سلطانہ اپنی اصلیت کو پہچان رہی ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ تنویمی عمل دیرپا ہے اور وہ خود کو ابھی تک سلطانہ سمجھے ہوئے ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو مسٹر مونڈیل! مَیں آپ سے درخواست کروں گا کہ اس کے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالا جائے۔ اس کے متعلق زیادہ تفتیش نہ کی جائے۔ اگر وہ آج بھی بضد ہے کہ سلطانہ ہے تو بے چون و چرا آپ اسے سلطانہ تسلیم کر لیں۔"

"ہم تسلیم کر لیں گے لیکن ہمیں اصلی اور نقلی کی پہچان ہونی چاہیے۔"

"میں پہچان بتاتا ہوں۔ ان میں سے جو اصلی ہے وہ تاش کی ایک غیر معمولی حیرت انگیز کھلاڑی ہے۔ اس کے ہاتھ میں باون پتے اس طرح ناچتے ہیں جیسے کٹھ پتلیاں اشاروں پر حرکت کر رہی ہوں۔ باون میں سے ایک ایک پتا اسی جگہ جاتا ہے جہاں وہ چاہتی ہے۔ آپ اسے آزما کر دیکھ لیں۔ دوسری سلطانہ کو نہ آزمائیں۔ صرف سوال کریں کہ وہ تاش کا کھیل جانتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ کھیل میں اناڑی ہوگی تو اسے دوسرے کمرے میں بھیجنے کے بعد اصلی سلطانہ سے رجوع کریں۔ اس سلسلے میں تفتیشی معاملات کو ختم کر دیں۔ اس طرح ایک دماغی مریضہ پر آپ کا احسان ہوگا۔"

"آل رائٹ ڈاکٹر! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اتنی مصروفیات کے باوجود ہمارے لیے وقت نکالا۔"

رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد ری مونڈیل نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم دونوں تاش کھیلنا جانتی ہو؟"

سونیا نے کہا "مَیں تاش کا ہر کھیل کھیل سکتی ہوں۔"

اصلی نے کہا "میں اکثر وقت گزارنے کے لیے تاش کھیلتی ہوں اور اپنے ساتھیوں سے جیت بھی لیتی ہوں اور کبھی ہار بھی جاتی ہوں۔"

ری مونڈیل نے سرکس کے مالک نادر پاشا سے کہا "آپ اپنی سلطانہ کو دوسرے کمرے میں لے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ لوگوں کو طلب کیا جائے گا۔"

وہ اصلی سلطانہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ری مونڈیل نے حکم دیا "تاش کی ایک نئی گڈی لائی جائے۔"

ڈاکٹر ارلی مارٹین نے امریکہ سے جو معلومات فراہم کی تھیں وہ ایک فسانے سے کم نہ تھیں۔ دراصل میں نے ڈاکٹر شیفرڈ کو سمجھایا تھا۔ شیفرڈ نے وہی باتیں ڈاکٹر ارلی مارٹین کو سمجھا دی تھیں.... ارلی مارٹین نے دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ جھوٹی داستان ری مونڈیل کو سُنائی تھی اور اسے مطمئن کر دیا تھا۔ میری کوشش یہی تھی کہ بے چاری اصلی سلطانہ پر کوئی حرف نہ آئے۔ کوئی اسے بہروپ بدلنے والی عورت، کسی ملک یا کسی تنظیم کی جاسوسہ نہ سمجھے۔ اتنی ہیرا پھیری کے بعد بھی وہ اصلی سلطانہ تسلیم کر لی جائے اور یہی ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر ارلی مارٹین کی درخواست کے مطابق اسے دماغی مریضہ سمجھ کر اصلی سلطانہ ہی تسلیم کیا جانے والا تھا۔

تاش کی نئی گڈی آگئی۔ ری مونڈیل نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اس کے ریپر کو کھولا۔ پھر تاش اپنے سامنے والی میز پر رکھ کر سونیا سے کہا "مس سلطانہ! آؤ ایک بازی ہو جائے۔"

میز کے دوسری طرف سونیا کے لیے ایک کرسی رکھ دی گئی۔ وہ وہاں بیٹھ گئی پھر اس نے گڈی کو اٹھا کر اس میں سے دو جوکر الگ کیے۔ باون پتوں کو لے کر دیکھنے لگی۔ اس دوران وہ ان میں تبدیلیاں لا رہی تھی جسے دوسرے نہیں سمجھ رہے تھے۔ پھر اس نے ان پتوں کو پھینٹنا شروع کیا۔ لوگ بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں پتے واقعی ایسے ناچ رہے تھے کہ دیکھنے والے پلک جھپکانا بھول گئے تھے۔ اس کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں وہ پتے اِدھر سے اُدھر ہو رہے تھے۔ کبھی ایک ہتھیلی دوسری ہتھیلی سے دُور اُوپر کی طرف جاتی تو پتے بھی اُچھلتے چلے آتے۔ پھر وہ سارے کے سارے باون پتے اس کی دو ہتھیلیوں کے درمیان دب کر رہ جاتے۔ وہ پھر انھیں پھینٹنے لگتی۔ جو شاطر ہوتے ہیں ان کے ہاتھ چلنے کی رفتار قابل دید ہوتی

ہے۔ ان کا ذہن کمپیوٹر کی طرح ایک ایک پتے کی بدلتی ہوئی پوزیشن سمجھتا ہے اور انھیں ذہن نشین کرتا ہے کہ کون سا پتہ کدھر جا رہا ہے۔"

آخر اس نے وہ گڈی ری مونڈیل کے سامنے رکھی۔ ری مونڈیل نے اسے کاٹا۔ پھر سونیا نے گڈی کے باقی حصے کو اُٹھا کر پتے بانٹنے شروع کیے۔ تین اُدھر اور تین اپنی طرف۔ پھر اس نے گڈی کو ایک طرف رکھ دیا۔ وہاں سے اُٹھ کر اطمینان سے چلتے ہوئے میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ری مونڈیل نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟ تم وہاں کیوں چلی گئیں؟"

"میرا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ آپ اپنے پتے اُٹھائیں۔"

"یہ تو کوئی کھیل نہیں ہوا۔ سامنے بیٹھو۔ ہار جیت کا فیصلہ ہونے دو۔"

"مَیں تاش کے پتوں کو ہاتھ میں لیتے ہی ہار اور جیت کا فیصلہ کر دیتی ہوں، مسٹر مونڈیل! آپ اپنے تینوں پتے اُٹھائیں۔"

ری مونڈیل نے اپنے پتوں کو اُٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی سونیا نے کہا "آپ کے پاس رننگ فلش ہے۔"

ری مونڈیل نے حیرانی سے سونیا کو دیکھا۔ دوسرے حاضرین اپنی جگہ سے اُٹھ کر ری مونڈیل کے پاس آ گئے تھے اور ان پتوں کو دیکھ رہے تھے۔ ری مونڈیل نے کہا "یہ تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جیت گیا ہوں۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "آپ میرے پتے اُٹھا کر دیکھیں (آل تھری ڈائمنڈ ایس ہیں (تین اِکّے)۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کاہال تنظیم کے ایک عہدے دار نے جھپٹ کر اوندھے پڑے ہوئے پتوں کو اُٹھایا اور سب کے سامنے پھیلا کر دکھایا۔ واقعی تین اِکّے تھے۔ وہ سب سونیا کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ وین وائنز نے پریشان ہو کر کہا "مس سلطانہ! یہ آپ نے کیا کیا؟ اب یہ بات راز نہیں رہے گی کہ آپ ایک حیرت انگیز شاطرہ ہیں۔ کیسینو میں آپ کے مقابل کوئی بھی کھیلنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

ری مونڈیل نے کہا "ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یہ بات یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔ ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے تھے، سو اطمینان ہو گیا۔ ہمیں کیسینو میں ہونے والے کھیلوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

وین وائنز نے کہا "آپ کو دلچسپی نہیں ہے لیکن یہاں جتنے حضرات موجود ہیں، ان کے تعلقات کسی نہ کسی دولت مند سے ضرور ہیں اور ان میں بہت سے رئیس ایسے بھی ہیں جو آج رات کیسینو میں آنے والے ہیں۔"

ری مونڈیل نے کہا "میں کہہ چکا ہوں، یہ بات یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

سونیا نے کہا "مسٹر وائنز! آپ ہمیں یہاں لے کر آئے ہیں۔ آپ کا فرض تھا کہ آپ ہماری حفاظت کرتے۔ ہمارا اعتماد اپنے ان یہودی دوستوں پر قائم رکھتے لیکن آپ ناکام رہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں مختلف مسائل اور امتحانات سے گزرنا پڑا۔ اگر میں یہ آخری کھیل نہ دکھاتی تو شاید انھیں یقین نہ آتا۔ مجھے نہ تو کسی کی نظروں میں مشکوک رہنے کا شوق ہے اور نہ میں ایسی پریشانیوں سے دوچار رہنا پسند کرتی ہوں۔ میں ان پابندیوں سے تنگ آ گئی تھی۔ نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا میں نے نجات حاصل کر لی۔" پھر اس نے ری مونڈیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیوں جناب! کیا اب ہم آزاد ہیں؟"

"بے شک۔ تم اپنے ساتھی کے ہمراہ اس شہر میں جہاں چاہو، تفریح کے لیے جا سکتی ہو۔ کوئی پابندی نہیں ہے۔"

میں اور سونیا وہاں سے نکل کر جانے لگے۔ وین وائنز سر جھکائے سوچتا ہوا ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ اسے فکر تھی کہ کیسینو میں لوگ سونیا کی طرف سے ہوشیار ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں کھیلے گا اور جتنی دولت جیتنے کی توقع میں وہ آیا تھا، اب شاید وہ پوری نہ ہو سکے۔

ہم اس عمارت سے باہر آ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ پہلے ہی ہمارے لیے ہوٹل سے کار منگوا دی گئی تھی۔ وین وائنز اسٹیئرنگ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی تو میں نے سوچا، اب اعلیٰ بی بی اور سجاد کی خبر لینا چاہیے۔ پتا نہیں جس اجنبی جگہ وہ پہنچائے گئے ہیں، وہ ان کے مزاج کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

لیکن میں خیال خوانی کی پرواز نہ کر سکا۔ اچانک سونیا کا ہاتھ میرے ہاتھ پر آیا۔ اس نے خاموشی سے اشارہ کیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ خوش نظر آ رہی تھی۔ سوچ کے ذریعے بولی "میں اپنے دماغ میں رسونتی کو محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے مخاطب کر رہی ہے پلیز اس کی خبر لو۔"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے دماغ میں رسونتی کی آواز سُنائی دی "سونیا! میں واقعی بول رہی ہوں جس وقت تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی فرہاد سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ میری خبر لے، مجھے ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں سہارا دے، اس وقت بھی میں تمھارے دماغ میں موجود تھی۔ تمھیں خوشخبری سُنانا چاہتی تھی لیکن میں نے سوچا، ابھی اپنے آپ کو چھپا کر رکھنا چاہیے۔ اگر میں خیال خوانی کی صلاحیتوں کو ظاہر کروں گی تو یہودیوں کے لیے بہت زیادہ اہم ہو جاؤں گی پھر یہاں سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ ابھی تو میں علاج کے بہانے یہاں سے پیرس، سوئٹزرلینڈ یا کسی دوسرے علاقے میں جا سکتی ہوں۔ پھر تم لوگوں سے ملنا نہایت آسان ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر

میں اپنی اس صلاحیت کو چھپا رہی تھی۔"
"ٹھیک ہے کہ تم یہودیوں سے چھپا رہی تھیں۔ مجھ سے چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"صرف اس لیے کہ تمھارے دماغ میں آتی تو تمھارے ذریعے اُن (فرہاد) کو میری خیال خوانی کا علم ہوتا۔ وہ مجھ سے اب بھی اتنی ہی شدید نفرت کر رہے ہیں۔ یہ سوچتی ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ میں ایسے شخص کے سامنے ظاہر ہو کر کیا کروں، جس کی نظروں میں میری کوئی وقعت نہ رہی ہو؟ اسی لیے میں تمھارے پاس آکر بھی خاموش رہی۔ چُپ چاپ اس سنگدل کی آوازیں سنتی رہی۔"

میں نے کہا "سونیا! اپنی چہیتی سے کہو، میں ان آہنی سلاخوں کے پیچھے نہیں تھا، جہاں یہودیوں نے فرہاد سمجھ کر سجاد کو قید کر رکھا تھا۔ یہ بات تمھاری چہیتی سمجھ گئی ہوگی۔ افسوس اس کی حسرت پوری نہ ہوسکی کہ وہ مجھے اپنے قدموں میں رکھے، میرا سر اپنے پیروں سے کچلے اور مجھے گالیاں دیتی رہے۔"

رسونتی نے تڑپ کر کہا "نہیں، نہیں۔ میں نے ایسا غصے میں کہا تھا۔ ایک عورت طلاق کا لفظ برداشت نہیں کرتی۔ یہ توہین برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کا آدمی اسے سزا کے طور پر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ سزا دینا ہو تو اسے قتل کر دے۔ محبت کرنے والی عورتیں اپنے مرد کے ہاتھوں مر جانا پسند کرتی ہیں لیکن طلاق لینا پسند نہیں کرتیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا، میں اس پر شرمندہ ہوں۔ جب میں سوچتی ہوں کہ میں نے انھیں (فرہاد کو) گالیاں دیں اور انھیں اپنے قدموں تلے رکھنے کا عزم کیا تو میں کس قدر شرمندہ ہوتی ہوں۔ اسے صرف میرا خدا جانتا ہے، اور اب مجھے خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں رہا۔ یہ اسی کی ذات ہے جس نے اپنی رحمتوں سے مجھے میری صلاحیتیں واپس کیں۔ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں سونیا۔ میں جلد ہی تمھارے ذریعے اسلام قبول کروں گی۔ میں نے اپنے سابقہ شوہر سے زیادتیاں کیں، اس پر اعتماد نہیں کیا اور اس کے خلاف بڑے بول بولے۔ شاید ان سب کی تلافی اس طرح ہو جائے کہ میں اپنے آپ کو صرف ذہنی طور پر ہی نہیں بلکہ مذہبی طور پر بھی تبدیل کروں اور میں ایسا ہی کروں گی۔"

سونیا نے سوچ کے ذریعے کہا "رسونتی! مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک دن ہمارے راستے پر لائے گا۔ اور وہ دن آگیا ہے۔ میں پہلے بھی تمھاری ہمدرد تھی، آج بھی سب سے زیادہ تمھاری ہمدرد ہوں۔"

"ہاں سونیا! میں جانتی ہوں۔ اسی لیے مصیبت کے وقت خدا کے بعد تمھیں یاد کرتی ہوں اور اب بھی اسی لیے تمھیں یاد کیا ہے۔"

"کیا بات ہے؟ بتاؤ میں تمھارے کام آؤں گی۔"
"میں سوچتی کچھ ہوں، ہوتا کچھ ہے۔ اب میں اپنی ...
کی یہ صلاحیت چھپا نہیں سکوں گی۔ یہ لوگ مشورے کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر سومر کے علاج کے ساتھ ساتھ اگر ربی اسفندیار تنویمی عمل کے ذریعے مجھے سہارا دیں تو میں جلد ہی خیال خوانی کی صلاحیتیں حاصل کرسکتی ہوں۔"

سونیا نے کہا "میں سمجھ گئی۔ ربی اسفندیار تم پر تنویمی عمل کریں گے تو یہ بات کھل جائے گی کہ تم اپنی صلاحیت کو چھپا رہی ہو، ان یہودیوں پر بھروسہ نہیں کرتی ہو بلکہ فرہاد کی طرف دوبارہ مائل ہوگئی ہو اور ہماری دوست بن کر رہنا چاہتی ہو۔"

"ہاں ... ساری باتیں جو میرے دل میں ہیں وہ تنویمی عمل کے دوران میں زبان پر آجائیں گی۔ مجھے اس وقت صرف وہ (فرہاد) ہی بچا سکتے ہیں۔"

میں نے سونیا سے کہا "کیا مصیبت ہے، میں جتنا دور رہنا چاہتا ہوں، حالات مجھے اتنا ہی اس کے قریب لانا چاہتے ہیں۔"

سونیا نے کہا "انسان اپنے حالات سے لڑتا ضرور ہے لیکن تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ جب تقدیر کو یہی منظور ہے تو تمھیں اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ پھر رسونتی ہر حال میں اپنی ہے۔ کل بھی تھی، آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہماری رہے گی۔ اس لیے تم اس کے دماغ میں جاؤ گے اور ربی اسفندیار کے تنویمی عمل سے اسے محفوظ رکھو گے۔"

میں سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ میری محکوم تھی... لیکن میری محبوب بھی تھی۔ کبھی کبھی عورت جو بظاہر محکوم ہوتی ہے، محبت کے رنگ میں حکم دیتی ہے اور وہ حکم بہت پیارا لگتا ہے۔ میں نے کہا "ٹھیک بات ہے۔ اس سے پوچھو، کس وقت عمل کیا جائے گا۔ میں اس وقت پہنچ جاؤں گا۔"

رسونتی نے جواب دیا "آج رات دس بجے۔ ربی اسفندیار کا معمول یہی ہے۔ اس سے پہلے بھی جب کبھی انھوں نے تنویمی عمل کیا تو رات دس بجے ہی شروع کیا۔"

سونیا نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں، میرے ساتھ بھی ربی اسفندیار نے ہمیشہ یہی وقت مقرر کیا تھا۔"
"ٹھیک ہے۔ میں اس وقت وہاں پہنچ جاؤں گا۔"
سونیا نے پوچھا "کہاں پہنچ جاؤں گا؟"
"وہیں، جہاں تم کہہ رہی ہو، یعنی اس کے دماغ میں۔"
"کیا اس کا نام لو گے تو تمھاری زبان جل جائے گی، انا کو ٹھیس پہنچے گی؟"
"فضول باتیں نہ کرو۔ تمھارے کہنے پر میں اس کے دماغ میں پہنچوں گا اور تنویمی عمل سے اُسے محفوظ رکھوں گا۔"
"ابھی دس بجنے میں چھ گھنٹے باقی ہیں۔ پتا نہیں، تم وقت پر ...

... ہوتی کے دماغ میں پہنچ سکو یا نہ پہنچ سکو۔ اس وقت حالات کیا ہوں گے، ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ اُدھر تم اعلیٰ بی بی اور سجاد کے معاملے میں اُلجھے ہوئے ہو۔ اِدھر میں کیسینو میں رہوں گی۔ تم میری طرف بھی توجہ دو گے۔ للٰہذا دانشمندی یہ ہے کہ ابھی اس کے دماغ میں پہنچو۔ اپنے طور پر تنویمی عمل کرو اور اس کے دماغ کے تہ خانے میں یہ بات نقش کردو کہ ربی اسفندیار کے سوالات کے جواب میں وہ ان سے دوستی کا دم بھرتی رہے گی اور یہی ایک جواب دیتی رہے گی کہ اس کے دماغ میں نامعلوم سی گرہ پڑ گئی ہے جس کے باعث وہ خیال خوانی میں ناکام ہو جاتی ہے۔ اگر ربی اسفندیار اسے سہارا دے رہے ہیں تو وہ ضرور خیال خوانی کے لیے کوشش کرتی رہے گی۔"

ہم اس وقت اس انداز میں گفتگو کر رہے تھے کہ اِدھر میں سونیا کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا، اُدھر سے رسونتی پہنچی ہوئی تھی۔ ہم دونوں کے درمیان میں سونیا کا دماغ ایک کڑی بنا ہوا تھا۔ جو مجھے اور رسونتی کو زنجیر کی صورت میں ملا رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے اور رسونتی نے اب تک براہِ راست گفتگو نہیں کی تھی۔ تمام گفتگو سوچ کے ذریعے اور سونیا کی وساطت سے ہو رہی تھی۔

ہم آپس کی گفتگو میں دین دائز کو بھول گئے تھے۔ اچانک اس نے مخاطب کیا "مس سلطانہ! آپ دونوں پچھلی سیٹ پر ایسے خاموش بیٹھے ہیں جیسے سو گئے ہوں۔ بات کیا ہے؟"

میں نے ایک لمحے کے لیے چونک کر دین دائز کو دیکھا۔ ہمارے چاروں طرف تل ابیب شہر کا ایک خوب صورت بازار تھا۔ ہم ایک چوڑی شاہراہ سے گزر رہے تھے۔ میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے مجھ میں اور سلطانہ میں ٹھن گئی تھی۔ اس نے کہا تھا، ہم میں جو پہلے بات کرے گا، اس کی زبان میں کیڑے پڑیں گے۔"

دین دائز نے ہنستے ہوئے کہا "بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ کیا آپ دونوں میں کچھ ناراضگی ہوگئی تھی؟"

"ہاں، بات ہی کچھ ایسی تھی لیکن جب ہم ہوٹل سے روانہ ہوئے اور سلطانہ آزمائشوں سے گزرتی رہی تو اس دوران ہم کس وقت ایک دوسرے سے بولنے لگے، کچھ پتا ہی نہ چلا۔ اب اچانک ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے تو پھر خاموش ہوگئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون بولے گا؟"

سونیا نے مُنہ بنا کر کہا "میں تو نہیں بولوں گی۔"
"مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں کسی کی خوشامد کروں ... میں بھی خاموش رہنا جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔
سونیا نے غصے سے کہا "مسٹر دائز! گاڑی روکیے۔ میں آپ کے پاس آگے بیٹھوں گی۔"
دین دائز اور کیا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا، سونیا اس ت رفتہ رفتہ متاثر ہوگی۔ آج نہیں تو کل محبت اثر کرتی ہی ہے۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ سونیا پچھلی سیٹ سے اُتر کر اگلی سیٹ پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس دوران میں اس نے سوچ کے ذریعے کہا "اب میں دین دائز کو مصروف رکھوں گی۔ تم تنویمی عمل کے ذریعے رسونتی کے کام آتے رہو۔ میں پورے شہر کا چکر لگاتی رہوں گی۔ کہیں گاڑی رکنے نہیں دوں گی۔ اگر یہ ایندھن کے لیے رُکے گی تو ہم مداخلت نہیں کریں گے۔ میں دین دائز کو اس کا موقع ہی نہیں دوں گی۔"

گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر آہستگی سے رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ بہت عرصے بعد پہلی بار میں نے اس کے دماغ میں اپنے لیے جگہ بنائی۔ ویسے جگہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو بھری کائنات کی طرح میرے لیے خالی پڑی تھی۔ میرا انتظار تھا کہ میں آؤں تاکہ اس کی زندگی جو خلاؤں میں بکھر رہی ہے سمٹ جائے۔

وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی آنکھیں پھاڑے دماغ کے اندر مجھے محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس میں اتنی دماغی توانائی نہیں تھی کہ بیرونی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیتی۔ یہی اس کے لیے اطمینان بخش تھا کہ خیال خوانی کی صلاحیتیں واپس آگئی تھیں۔ اس وقت اس کا دل کہہ رہا تھا "کاش میں اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرسکتی۔ وہ چپکے سے آتا تو میں بھی چپکی رہتی۔ نہ وہ بولتا، نہ میں بولتی مگر نہ بولنے کے باوجود ہمارا ایک رابطہ ہوتا۔ دماغی رابطہ اور دماغی رابطہ ہی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔"

میں براہِ راست اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ میری ٹیم کی سونیا اور دوسرے تمام افراد اس کے اپنے ہیں اور ہمیشہ اس کے اپنے رہیں گے۔ صرف فرہاد اس سے دور رہے گا لیکن سونیا نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میں رسونتی کی سوچ میں ہی اس کے دماغ میں بولتا رہوں اور وہ مجھے براہِ راست محسوس نہ کرے۔

لیکن تنویمی عمل کے لیے لازمی ہے کہ معمول بننے والی کے سامنے ایک عامل ہو خواہ جسمانی طور پر نگاہوں کے سامنے ہو یا خیال خوانی کے ذریعے دل و دماغ پر چھایا رہے۔ بہرحال ایک عامل کا لہجہ، اس کا رُعب، دبدبہ اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والے تاثرات لازمی ہوتے ہیں۔

میں نے مجبور ہو کر آہستگی سے کہا "میں آگیا ہوں۔"

وہ ایک دم سے لرز گئی۔ بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر پہنچ گئے۔ وہ خود کو قابو میں رکھنا چاہتی تھی۔ مگر ہولے ہولے کانپ رہی تھی پھر یکبارگی اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ... میں

پریشان ہوگیا۔ سمجھ میں نہیں آیا، کیا کروں؟ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اسے رونے دیا۔ شاید جلد ہی اس کے دل کا غبار نکل جائے۔
ذرا دیر بعد میں نے کہا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے دوسری جگہ بھی مصروف رہنا پڑتا ہے۔ میں زیادہ بولنا نہیں چاہتا۔ خود کو تنویمی عمل کے لیے آمادہ کرو۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر آنکھیں بند کرلو۔ میں عمل کرنا چاہتا ہوں۔"
لیکن وہ روتی رہی۔ بار بار آنسو پونچھتی رہی۔ چپ ہونا چاہتی تھی مگر دل نہیں مانتا تھا۔ میں نے کہا "میں تمھیں تسلیاں نہیں دے سکتا۔ اب میرا آنسو پونچھنے کا رشتہ نہیں رہا۔ خود آنسو پونچھو اور تنویمی عمل کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔"
وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔ میں انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے تھے پھر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "فرہاد! مجھے معاف کردو۔"
کہنے کو یہ ایک مختصر سا فقرہ تھا لیکن جس انداز میں اس نے "فرہاد" کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اس کے لہجے میں جو التجا تھی، اسے میں ہی سمجھ سکتا تھا لیکن سمجھنے کے باوجود میں بے حس بنا خاموش رہا۔ اس نے پھر التجا کی۔ میں نے کہا "جب میرے خدا نے تمھیں معاف کردیا، تمھارے ذہن کی گرہ کھول دی، تمھاری کھوئی ہوئی صلاحیتیں واپس کردیں، تمھاری توبہ قبول کرلی تو میں بندۂ ناچیز کیا ہوں؟ میرے خدا نے معاف کیا۔ میں نے معاف کیا۔"
وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں تیار ہوں۔ تمھارے بس میں ہوں۔ اپنی معمول بنالو۔"
میں اس پر تنویمی عمل کرنے لگا۔ وہ چونکہ خود ہی معمول بننے کے لیے تیار تھی، جلد ہی ٹرانس میں آگئی۔ اب اس کا دماغ اپنے آس پاس کی کوئی بات محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ وہ صرف میری بات سن رہی تھی۔ میں نے حاکمانہ لہجے میں کہا "رسونتی! تم بے وفا ہو۔"
اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی۔ اس نے کہا۔
"میں بے وفا ہوں۔"
"نہیں، تم وفادار ہو۔"
"میں وفادار ہوں۔"
"اب میں جو کہوں گا تم وہی بات نہیں دُہراؤ گی بلکہ سوال میرا ہوگا۔ جواب تمھارا اپنا۔"
"اب میں تمھاری کوئی بات نہیں دُہراؤں گی۔ سوال تمھارا ہوگا۔ جواب میرا اپنا۔"
"اپنے الفاظ میں جواب دو۔ کیا تم فرہاد کی وفادار ہو؟"
"میں اپنی آخری سانس تک فرہاد کی وفادار ہوں۔"
"تم نے فرہاد سے زیادہ دشمنوں پر اعتماد کیا۔ اب دشمنوں سے زیادہ فرہاد پر اعتماد کیسے کروگی؟"
"کبھی ایک معمولی سی ٹھوکر آنکھیں کھول دیتی ہے۔ میں نے اپنی پچھلی غلطیوں کو دل کی گہرائیوں اور تجربے کی شدت سے محسوس کیا ہے۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ اب دشمنوں پر اعتماد نہیں کروں گی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ فرہاد پر اعتماد مستحکم ہوگیا ہے۔"
"میں جو حکم دوں گا تم اس پر عمل کروگی؟"
"تم جو حکم دوگے اس پر آخری سانس تک عمل کرتی رہوں گی۔"
"میرے تنویمی عمل کے بعد تم ایک گھنٹے تک سوتی رہوگی۔ پھر بیدار ہوگی تو تمھارے دماغ سے یہ بات محو ہوچکی ہوگی کہ تم فرہاد پر اعتماد کرتی ہو۔ تم سے کوئی بھی تنویمی عمل کے دوران دریافت کرے گا تو تمھارا جواب ہوگا کہ فرہاد پر اب بھی تمھارا اعتماد نہیں ہے۔ تم صرف اپنے یہودی دوستوں پر مکمل بھروسہ کرتی ہو۔"
"تمھارے تنویمی عمل کے بعد جو بھی مجھ پر عمل کے ذریعے ایسے سوالات کرے گا، میں اسے یہی جواب دوں گی کہ مجھے فرہاد پر آج بھی بھروسہ نہیں ہے اور میں صرف اپنے یہودی دوستوں پر مکمل اعتماد کرتی ہوں۔"
"کیا تم خیال خوانی کے قابل ہوگئی ہو؟"
"میں خیال خوانی کے قابل ہوگئی ہوں۔"
"نہیں۔ تم خیال خوانی کے قابل نہیں ہو۔"
"نہیں۔ میں خیال خوانی کے قابل نہیں ہوں۔"
"آئندہ کوئی بھی تنویمی عمل کے ذریعے خیال خوانی کے متعلق سوال کرے تو تمھارا جواب ہوگا، ذہن میں گرہ پڑ گئی ہے۔ اپنی اولاد کی زندگی خطرے میں دیکھ کر ممتا کی شدت سے خیال خوانی نے کچھ ساتھ دیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے دماغی توانائی حاصل ہوئی تھی پھر جانے کیا ہوا کہ وہ دماغی توانائی حاصل نہ ہوئی جو خیال خوانی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یقیناً دماغ میں کوئی گرہ پڑی ہوئی ہے۔"
رسونتی نے میری ان باتوں کو دہرایا اور وعدہ کیا کہ وہ تنویمی عمل کے دوران میں ایسے سوالات کے جوابات میں اسی بات پر اصرار کرے گی کہ اس کے ذہن میں گرہ پڑ گئی ہے اور وہ خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔ صرف ممتا جیسا کوئی اور شدید جذبہ ہی اسے کبھی کبھی خیال خوانی کے قابل بنا سکتا ہے۔
"تم کسی بھی تنویمی عمل کرنے والے سے وعدہ کروگی کہ اس کے سہارے خیال خوانی کی پوری کوشش کرتی رہوگی لیکن خیال خوانی کا مظاہرہ نہیں کروگی۔ ہمیشہ ناکامی کا اظہار کروگی۔"
"میں کبھی خیال خوانی کا اظہار نہیں کروں گی۔ ہمیشہ ناکامی کا اظہار کرتی رہوں گی اور تنویمی عمل کرنے والے سے جھوٹے وعدے کرتی رہوں گی۔"
میں مختلف پہلوؤں سے اسے سمجھاتا رہا۔ اس کے دماغ میں یہ بات نقش کرتا رہا کہ ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کے دوران وہ

دو باتیں خاص طور پر یاد رکھے گی۔ ایک تو یہ کہ یہودیوں کی دوست ہے اور فرہاد کی دشمن ہے۔ دوسری بات یہ کہ خیال خوانی کے سلسلے میں ناکام ہو رہی ہے۔
جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ کسی بھی تنویمی عمل کے دوران وہی کچھ کہے گی جو میں نے سکھایا ہے، وہ اپنی اصلیت کو چھپائے رکھے گی تو میں نے اسے حکم دیا کہ وہ ایک گھنٹے تک آرام سے سوتی رہے پھر بیدار ہو جائے۔ چند ہی لمحوں میں وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔ میں دماغی طور پر کار کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہوگیا۔ اس وقت کار ایک پٹرول اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس میں پٹرول ڈلوایا جا رہا تھا۔ سونیا کار سے باہر وین وائز کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وین وائز کہہ رہا تھا "یہ آپ کے دوست مسٹر ہارڈی کیا افیون کھاتے ہیں؟"
سونیا نے انجان بن کر پوچھا "آپ نے یہ رائے کیسے قائم کی؟"
"خود ہی دیکھ لو۔ حضرت پچھلی سیٹ پر بیٹھے آنکھیں بند کیے جیسے اونگھ رہے ہیں۔"
سونیا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ پھر سر گھما کر مسکراتے ہوئے بولی "انھیں افیون کا نہیں، میرا نشہ ہے۔ جب میں ناراض ہو جاتی ہوں، ان سے بات نہیں کرتی تو یہ میرے تصور میں گم رہتے ہیں۔"
وین وائز نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "واقعی تم ایسی ہی ہو جس کے تصور میں ساری عمر گزاری جاسکتی ہے۔ مس سلطانہ! کیا تم نے کبھی میرے متعلق غور کیا ہے؟"
"تم میرے سامنے موجود ہو تو غور کرنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟ اگر تم سکڑ کر مختصر ہو جاؤ، اتنے مختصر کہ خوردبین سے دیکھنے کی نوبت آجائے تو اس مقام پر غور کردوں گی۔"
"تم میری باتوں کو مذاق میں اڑا رہی ہو۔"
"میرا خیال ہے، تم اپنے دل کے معاملات کو مذاق کی ہی حد تک رہنے دو۔ اگر اس معاملے میں سنجیدہ ہوتے رہو گے تو مجھے اپنے دل کا روگ بنالو گے۔"
وہ باتیں کرتے ہوئے کار کی اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ اس وقت میں آنکھیں کھولے انھیں دیکھ رہا تھا۔ وین وائز نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر پوچھا "کیا تمھاری نیند پوری ہوگئی؟"
"میں نیند میں نہیں، مراقبے میں تھا اور اس بات پر غور کر رہا تھا کہ عورت ناراض ہو جائے تو مرد پر کتنا بڑا احسان کرتی ہے۔ اب میں آزادی سے گزرنے والی حسین تتلیوں کو بھی دیکھتا رہتا ہوں۔"
سونیا نے منہ بنا کر کہا "اونہہ! مجھ سے باتیں کرنے کے بہانے تلاش کیے جا رہے ہیں۔ مسٹر وائز! میں نے کہا تھا کہ تم صرف مجھ سے باتیں کروگے۔ اگر پچھلی سیٹ والے سے بولو گے تو میں نہیں بولوں گی۔"
وین وائز نے مسکرا کر کہا "بھئی میں تم سے ہی بولوں گا اور پچھلی سیٹ کی طرف گھوم کر بھی نہیں دیکھوں گا۔"
اس نے کار اسٹارٹ کی۔ جب وہ آگے بڑھ گئی تو میں نے سونیا کو رسونتی کے متعلق بتایا۔ وہ خوش ہو کر بولی "تم نے بہت اچھا کیا۔ اب ربی اسفندیار کا تنویمی عمل اس پر اثر نہیں کرے گا۔"
"تم وین وائز کو اچھی طرح باتوں میں لگائے رکھو۔ میں ذرا اعلیٰ بی بی اور سجاد کی بھی خبر لے لوں۔"
"تم چاہو تو اطمینان سے لیلیٰ ثانی کے پاس پہنچ کر اس کی ہسٹری معلوم کرسکتے ہو۔ وین وائز میری مٹھی میں ہے۔"
"ابھی نہیں۔ جب تم کیسینو میں جاؤ گی تو مجھے لیلیٰ ثانی کی ہسٹری معلوم کرنے کا اچھا خاصا وقت ملے گا۔"
یہ کہہ کر میں اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی کہا "فرہاد! دیکھو تو ہم کہاں آکر پھنس گئے ہیں۔"
میں اس کے ذریعے دیکھنے لگا۔ وہ ایک چھوٹے سے دو منزلہ مکان کی چھت پر کھڑی ہوئی تھی۔ دور تک نظریں دوڑا رہی تھی تاکہ میں اس کے ذریعے معلومات حاصل کرسکوں۔ مکان کے سامنے اور پیچھے تقریباً دس ہزار گز کا کھلا ہوا میدانی حصہ تھا۔ وہ میدانی حصہ سرسبز باغات پر مشتمل تھا پھر اس کے اور مکان کے اطراف دائرے کی صورت میں آہنی سلاخوں کی دیواریں نظر آرہی تھیں۔ گویا ایک بہت بڑا پنجرہ تھا۔ دس ہزار گز تک دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اندر اعلیٰ بی بی اور سجاد قیدی کی حیثیت سے رکھے گئے تھے۔ ان آہنی سلاخوں کے پار جانا کوئی زیادہ مشکل نہیں تھا۔ ان کی بلندی زیادہ سے زیادہ بیس فٹ تھی۔ وہ اس پر چڑھ کر سلاخوں کے پار جاسکتے تھے لیکن اس پار خونخوار چیتے ٹہلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ جہاں وہ ٹہل رہے تھے، وہاں سے تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر پھر آہنی سلاخوں کی دیواریں نظر آرہی تھیں۔ اس طرح وہ خونخوار چیتے بھی دو آہنی سلاخوں کی دیواروں کے درمیان میں تھے اور وہ بھی اپنے پنجرے میں تھے۔ اِدھر انسان اور اُدھر درندے۔ دونوں اپنی جگہ قید۔
اعلیٰ بی بی نے کہا "جو ہیلی کاپٹر ہمیں یہاں لا رہا تھا، وہ اس جگہ اترنے سے پہلے ان آہنی پنجروں کے چاروں طرف گول چکر کاٹ رہا تھا تاکہ ہم چاروں طرف کے علاقے کو اچھی طرح دیکھ لیں اور یقین کرلیں کہ ہمارے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"
میں نے پوچھا "آخر یہ جگہ کون سی ہے؟"
"کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔ یہاں قریب پہنچنے کے بعد ہماری آنکھوں سے پٹیاں کھولی گئی تھیں۔ تب ہم نے ان آہنی پنجروں کو دیکھا جو ہزاروں گز تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہم جہاں قید ہیں، اس کے بعد خونخوار چیتوں والا پنجرہ ہے۔ اس پنجرے کے بعد بھی ایک اور پنجرہ ہے جہاں دوسرے جنگلی جانور ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ

لوگ جنگلی جانوروں کی پرورش کرتے ہیں اور ان کا کاروبار کرتے ہیں۔"
"اپالو کہاں ہے؟"
"ہمیں یہاں چھوڑنے کے بعد وہ پائلٹ کے ساتھ واپس چلا گیا ہے۔"
"کیا تم نے اچھی طرح دیکھا ہے؟ ان پنجروں کے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟"
"کوئی راستہ ہوتا تو یہ لوگ ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں نہ آتے۔ ویسے میں نے توجہ سے دیکھا ہے اور راستے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم یہاں سے نکلیں گے تو ان خونخوار چیتوں والے پنجرے میں پہنچ جائیں گے۔ اگر وہاں سے کسی طرح بچ نکلے تو دوسرے جنگلی درندوں والے پنجروں میں پہنچیں گے۔"
"انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر تمھیں اور سجاد کو وہاں رکھا ہے۔ ان کے دماغ میں یہ بات بھی ہوسکتی ہے کہ اگر سجاد بحیثیت فرہاد علی تیمور اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں کسی طرح حاصل کرلے تو انھیں زیر کر کے وہاں سے فرار ہوسکتا ہے لیکن ان جنگلی جانوروں پر ٹیلی پیتھی کا اثر نہیں ہوگا۔ اس طرح فرار کے راستے مسدود کر دیے گئے ہیں۔"
"فی الحال یہاں سے نکلنا ناممکن نظر آرہا ہے۔ اپالو تمھاری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں نہیں آسکے گا۔ ہاں، اگر اس کے علاوہ کوئی اور یہاں آئے تو شاید ہمارا کام بن جائے۔ اب یہ تو آئندہ حالات پر منحصر ہے۔"
"میں نے بردہ فروشوں کے سرغنہ سے معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کے دماغ نے کچھ اور بتایا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، کوہِ ایتھوز کی بلندی پر ایک راہب کی عبادت گاہ ہے۔ تم لوگوں کو پہنچایا جائے گا لیکن یہ وہ جگہ نہیں ہے۔"
"جب ہماری آنکھوں سے پٹیاں کھولی گئیں تو میں نے دیکھا تھا ہم کسی پہاڑ کی بلندی پر نہیں ہیں۔ یعنی یہ کوہِ ایتھوز نہیں ہے۔ بردہ فروشوں کا سرغنہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ یہاں کوئی اور ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ جو لوگ ہمیں لے کر آئے ہیں وہ اس سرغنہ کو بھی فریب دے رہے ہیں۔ اب کیا چالیں چلی جا رہی ہیں یہ تو رفتہ رفتہ ہی معلوم ہوسکتا ہے بشرطیکہ معلومات کے ذرائع پیدا ہوسکیں۔"
"تم اس مکان کی چھت سے اترو اور وہاں کے ہر کمرے کی تلاشی لو۔ شاید کوئی معقول ذریعہ ہاتھ لگ جائے۔"
"میں تمھارے ہی انتظار میں کھڑی ہوئی دور دور تک اس علاقے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اب نیچے جا رہی ہوں۔ یہ سجاد کہاں چلا گیا؟"
میں سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اعلیٰ بی بی سے پہلے ...... ہی نیچے کے ایک کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ سجاد نے اس مکان میں داخل ہونے سے پہلے ہی ادھر دیکھا تو وہ دفتری کمرہ نظر آیا تھا۔ اب اس کمرے میں پہنچ کر وہاں رکھی ہوئی فائلوں اور دیگر کاغذات کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا "سجاد اس مکان کے سید[illegible]
کمرے میں ہے۔ تم کسی اور کمرے کی تلاشی لو۔"
میں پھر سجاد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ جن کاغذات کو پڑھ [illegible] اور جن فائلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، ان سے معلومات [illegible] ہو رہی تھیں۔ اس علاقے کے مالک کا نام یوگو ہنٹر تھا۔ وہ علاقہ [illegible] میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ یعنی یوگو ہنٹر بیس میل کے علاقے کا مالک اور مختار تھا۔ تقریباً پندرہ میل کے علاقے تک شیروں، [illegible] بن مانس، گوریلوں اور خطرناک زہریلے سانپوں کی پرورش کی جا[illegible] تھی۔ اس کی جاگیر کے آخری سرے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ بستی میں یوگو ہنٹر کے تمام آدمی اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہتے [illegible]
میں اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچا۔ وہ ایک ایسے چھوٹے سے [illegible] تھی جو لیبارٹری کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں طبی تجربات کے لیے بہت سے آلات اور دوائیں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ [illegible] بھی تھیں۔ میں نے کہا "سجاد وہاں جن کاغذات کا مطالعہ کر رہا ہے ان سے بہت کچھ معلوم ہو رہا ہے لیکن یہ پتا نہیں چلا کہ یہ علاقہ [illegible] سا ہے۔ تم وہاں جاؤ اور معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"
وہ سجاد کے پاس پہنچ گئی۔ اس کمرے کو دیکھتے ہوئے بولی "یہاں بہت سی فائلیں اور بے شمار کاغذات مختلف ریک [illegible] ہوئے ہیں۔ شام ہو رہی ہے۔ ان سب کا مطالعہ کرتے کرتے [illegible] ہو جائے گی۔ پہلے میں یہ تو معلوم کرلوں کہ رات کو یہاں روشنی [illegible] کے کیا انتظامات ہیں۔ یقیناً بجلی نہیں ہوگی تو پیٹرومیکس یا گیس لیمپس وغیرہ ضرور ہوں گے۔"
"ٹھیک ہے لیکن یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس وقت ہم کس علاقے میں ہو؟ میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"
اسی وقت مجھے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ ہماری کار اچانک [illegible] گئی تھی۔ کیوں کہ ہم سے آگے جانے والی گاڑیاں بھی یک بیک [illegible] تھیں۔ سونیا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا "مجھ سے بات نہیں کرتی ہو پھر میری طرف دیکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"
"میں تمھیں نہیں بلکہ پیچھے رکنے والے ٹریفک کو دیکھ رہی ہوں۔"
"اس طرح تو ہمارے درمیان بات شروع ہوچکی ہے۔"
"بات کرے گی میری جوتی۔ مسٹر وائز! سات بج چکے ہیں۔ ہم کیسینو میں جا کر رات کا کھانا کھائیں گے۔"
میں نے کہا "مسٹر وائز! میں جواریوں کے دھواں دار ماحول میں جانا نہیں چاہتا۔ پلیز مجھے ہوٹل میں ڈراپ کر دیں۔ میں اپنے کمرے میں رہوں گا۔ رات تنہا گزاروں گا۔ آج میرے مقدر میں تنہائی ہی ہے۔"
وین وائز دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ آج کی رات کیسینو میں وہ سونیا کے ساتھ رہے گا۔ اس نے رسمی طور پر مجھے [illegible] نے کی کوشش کی لیکن ہمیں صلح کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ [illegible]

درمیان جھگڑا ہی کون سا تھا؟ میں ہوٹل کے قریب پہنچ کر کار سے اتر گیا۔ جب وہ کار آگے بڑھ گئی تو میں نے سوچ کے ذریعے سونیا کو اعلیٰ بی بی اور سجاد کے حالات بتائے۔ اس وقت میں ڈائننگ ہال میں پہنچ کر ایک میز کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ ویٹر کھانے کا آرڈر لینے میرے پاس آیا اور سامنے مینو رکھ دیا۔ اسی وقت مجھے اپنے پیچھے ایک نہایت ہی دلنشیں نسوانی آواز سنائی دی "میں آج رات میزبانی کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"
میں پلٹ کر دیکھنا چاہتا تھا، وہ خود ہی میرے سامنے آگئی۔ وہ سر سے پاؤں تک شاہکار تھی۔
سونیا نے محض ڈراما کرنے کے لیے ایک شکی عورت کی طرح کہا تھا "تم بار بار فرحانہ کو گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟"
ہاں، واقعی وہ فرحانہ تھی۔
نہیں، وہ لیلیٰ ثانی تھی، مسکرا کر کہہ رہی تھی "کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"
"ضرور" میں نے اٹھ کر اس کے لیے کرسی ذرا سی ہٹائی۔ وہ بیٹھ گئی۔ پھر کہنے لگی "آج رات آپ میری طرف سے ڈنر کریں۔"
"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟"
"بس یوں سمجھ لیں کہ دوستی کا بہانہ تلاش کر رہی ہوں۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا "وہ تو مل گیا۔"
وہ جواباً ہنستے ہوئے بولی "ہماری دوستی اندیشوں میں گھری ہوئی ہے۔ کہیں آپ کی وہ منگیتر پہنچ گئی تو پھر مجھے بھاگنا پڑے گا۔"
"تم جاسوسہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ میری منگیتر کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میرے قریب آئی ہو۔ کیا یہ غلط ہے؟"
"درست ہے۔ میں نے دیکھا تھا، باہر آپ کی وہ منگیتر مسٹر وائز کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔"
"وہ رات بھر کے لیے گئی ہے۔"
اس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا واقعی؟ لیکن آپ نے تمام رات کے لیے اسے کسی کے ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟"
میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں سلطانہ کی طرح شکی نہیں ہوں۔ ویسے وہ رات بھر کیسینو میں کھیلتی رہے گی۔ میں وقتاً فوقتاً فون کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرلیا کروں گا۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ بھی شکی ہیں۔"
"نہیں اس کا شک مٹانے کے لیے، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ میں ہوٹل کے کمرے میں تنہا موجود ہوں اور اس کی یاد میں مصروف ہوں، بے چین ہوں۔ اسی لیے بار بار فون کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ عورت کو [illegible] کیا جا سکتا ہے۔"
وہ زیرلب مسکرانے لگی۔ پھر اس نے مینو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ ڈش آپ کے لیے مناسب ہوگی؟"
"میں تمھارے رحم و کرم پر ہوں۔ چاہو تو زہر کھلا دو۔"
اس نے ہنستے ہوئے ویٹر کو طلب کیا پھر کھانے کا آرڈر دیا۔ ویٹر مینو لے کر چلا گیا۔ وہ فرحانہ کی حیثیت سے میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ کیوں آئی تھی؟ کیا مقصد تھا؟ میں یہ سب کچھ اس کے دماغ کے علاوہ ایک اور دماغ میں پہنچ کر معلوم کر رہا تھا لیکن میں اس سے پہلے اپنے قارئین کے سامنے لیلیٰ ثانی کی ابتدائی ہسٹری پیش کرنا چاہتا ہوں اور اس ہسٹری کو پیش کرنے کے لیے لازمی ہے کہ میں فلسطین کے متعلق بھی کچھ معلوماتی باتیں کہتا چلوں تاکہ لیلیٰ ثانی کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

◎

انسانی تاریخ میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں جو قومیں حالات کی ٹھوکریں نہیں کھاتیں وہ کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ ایسی بیشمار قوموں کی مثالیں ہیں جو کبھی فاتح بن کر ابھریں اور کبھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ گئیں۔ کبھی وہی قومیں ایک بہت بڑی سلطنت کی مالک و مختار رہیں اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہی قومیں اپنی سلطنت میں، اپنے آباؤ اجداد کے ملک میں ملعون ٹھہرائی گئیں اور لعنت و ملامت کے بعد انھیں اس زمین سے نکال دیا گیا۔
تاریخ گواہ ہے کہ قومِ یہود، اپنے آباؤ اجداد کی زمین سے اور دنیا کے بیشتر ممالک سے جتنی بار لعنتی ٹھہرائی گئی اور جتنی بار انھیں ان ممالک سے نکالا گیا، اس کی مثال کسی دوسری قوم میں نہیں ملتی۔
اگر کسی قوم کو ایک آدھ بار ملک بدر کیا جائے تو اس سے انسانی ہمدردی ہوتی ہے۔ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے چاروں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے لیکن جب دنیا کے بڑے ممالک اور دنیا کی بڑی قومیں تاریخ کے ہر دور میں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں تو پھر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس قوم میں آخر خرابی کیا ہے؟ آج اگرچہ بڑی بڑی طاقتیں اسرائیلی یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں لیکن یہی بڑے بڑے ملک اور بڑی بڑی قومیں متفقہ طور پر تاریخی فیصلہ سنا چکی ہیں کہ یہودی اپنی شرارتوں اور سازشوں کی بنا پر ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھے گئے ہیں۔ یہودی اپنے آپ کو ہمیشہ تمام قوموں سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اپنی پوری قوم کے ساتھ ملک بدر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی کچھ مثالیں پیش کر رہا ہوں۔
سن ۶۳۷ء میں یہ یہودی سرزمینِ حجاز سے نکالے گئے۔
سن ۸۹۰ء میں یہودیوں نے ملک شام میں اپنی سازشوں کا جال پھیلایا تو وہاں سے پوری قوم کے ساتھ سرحد سے باہر دھکیل دیے گئے۔
سن ۱۱۱۰ء میں پرتگال اور اسپین کے حکمرانوں نے انھیں ملک سے باہر دھکے دیے۔

سن ۱۳۰۶ء میں فرانس نے بھی انھیں اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔

سن ۱۳۷۰ء میں بلجیم اور یوگوسلاویہ کو انھوں نے اپنی پناہ گاہ بنایا لیکن یہ پناہ گاہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔

سن ۱۴۴۲ء میں یہ یہودی روس میں جا کر آباد ہوئے۔ رفتہ رفتہ اٹھارہویں صدی میں دنیا کے یہودیوں کی دو تہائی آبادی روس میں آباد ہو گئی تھی۔

سن ۱۵۱۰ء میں اٹلی اور سن ۱۵۴۰ء میں جرمنی میں ان یہودیوں نے سکونت اختیار کی لیکن اپنی فطری سازشوں کی وجہ سے ان ممالک میں بھی ٹھہر نہ سکے۔

سن ۱۸۳۸ء میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے یہ معلوم کیا گیا کہ فلسطین میں کتنے یہودی ہیں۔ پتا چلا دس ہزار ایسے یہودی ہیں جو زیادہ تر بوڑھے ہو چکے ہیں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں اور اپنی آخری زندگی سرزمینِ موسیٰؑ میں گزارنے آئے ہیں۔ ان دنوں یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ فلسطین کے عیسائیوں اور مسلمانوں کی خیرات پر زندگی گزارتے تھے۔

انیسویں صدی کے آخر میں ان کی سازشوں کی وجہ سے زارِ روس کو قتل کیا گیا۔ روس کے عوام ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ تاریخ کے مطابق متواتر تین برس تک ہزاروں کی تعداد میں یہودیوں کو قتل کیا گیا یا پھر انھیں ملک بدر کر دیا گیا۔

جب ستر ہزار سے زیادہ یہودی شمالی امریکہ اور انگلستان میں پناہ لینے کے لیے پہنچے تو کلیسائے انگلستان نے انھیں ذلیل کرنے کے لیے ایک خاص قسم کا لباس پہننے کا حکم دیا اور اپنے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ امریکہ میں صدر بنجامن فرینکلین نے بھی اپنی رعایا کو ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی۔

میں جو تاریخ بیان کر رہا ہوں وہ مستند ہے۔ اس سے پہلے بھی حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی وفات کے ستر سال بعد رومن فاتح نے ان یہودیوں کی عبادت گاہ دوئم کو بالکل ہی مسمار کر دیا تھا۔ آگ لگا دی تھی۔ مسجدِ اقصیٰ کے احاطے کی پُشت کے پاس جہاں فصیل گزرتی ہے وہاں یہودیوں کی وہی دیوارِ گریہ ہے جسے رومن فاتح نے منہدم کر دیا تھا۔ اس سانحہ کے غم میں یہودی قوم آج بھی پسِ دیوار آہ و زاری کرتی ہے۔

روم کی ملکہ بیلینا نے وہاں ایسی غارت گری شروع کی تھی کہ یہودی بدحواسی میں وہاں سے بھاگ کر مشرقِ وسطیٰ، مصر اور پھر شمالی افریقہ پار کر کے پرتگال اسپین اور وسط یورپ تک چلے گئے۔ دوسری طرف چین اور ہندوستان تک جہاں بھی سر چھپانے کو جگہ ملی، وہ آباد ہوتے گئے۔ اس طرح انھیں تمام دنیا میں پھیلنے کا موقع مل گیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو ان دنوں ہیکل کا کوئی وجود نہ تھا۔ مسجدِ اقصیٰ کو عرفِ عام میں مسجدِ عمرؓ بھی کہتے ہیں کیوں کہ فتحِ یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ نے یہاں اس تصور کے تحت نماز ادا کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

یہ یہودی اپنی دُھن کے پکے ہیں۔ ضدی ہیں۔ مستقل مزاج ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ مکھیوں کی طرح انھیں جتنا اُڑایا جائے بھگا جائے، اتنا ہی یہ واپس اپنی جگہ آتے ہیں۔ جیسے جیسے صدیاں گزرتی رہیں، یہ آہستہ آہستہ پھر بیت المقدس میں داخل ہونے لگے۔

سن ۱۳۵ء میں شاہ ہیڈرین نے انھیں پھر بیت المقدس سے نکال دیا۔ ان کا شہر میں داخلہ بند کر دیا۔

سن ۴۱۰ء میں عیسائی حکمرانوں نے ان کے رونے، گڑگڑانے اور التجائیں کرنے کے باعث اتنی اجازت دی کہ وہ آس پاس کی پہاڑیوں پر سے بیت المقدس کو دیکھ سکتے ہیں لیکن شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ تمام تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ قومِ یہود نے تاریخ کے ہر اہم موڑ پر کیسی کیسی ذلتیں اُٹھائی ہیں۔ ایک بار نہیں، کئی بار ہجرت کی ہے۔ اپنا گھر بار لٹایا ہے۔ ان کے بیوی بچوں، بھائیوں اور بزرگوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ کبھی ان کے گھر جلائے گئے۔ کبھی انھیں زندہ جلایا گیا لیکن یہ آج بھی زندہ ہیں اور بڑے رُعب اور دبدبے کے ساتھ زندہ ہیں۔ سن ۷۰ء سے لے کر انیسویں صدی کے اوائل تک جن ممالک نے انھیں اپنے ملک سے نکالا تھا، انھیں ذلیل کیا تھا، آج وہ تمام ممالک ان یہودیوں کو اپنے سر پر بٹھاتے ہیں۔ ان کی ہر بات مانتے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ آخر کیوں؟

یہ تمام مسلمانوں کے لیے نہایت غور کرنے کا مقام ہے۔ موجودہ تاریخ اس کے برعکس واقعات دُہرا رہی ہے۔ پہلے قومِ یہود دربدر ہوتی تھی۔ آج مسلمان دربدر ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو فلسطین سے نکالا گیا۔ مسلمانوں نے اپنے بیوی بچوں، بھائیوں اور بزرگوں کی جانی قربانیاں دیں۔ مسلمانوں کے گھر جلائے گئے۔ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ آخر کیوں؟

یہ بھی مقام نہایت قابلِ غور ہے۔ میں اس سے پہلے بھی اپنی اس داستان میں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔ بار بار کہہ چکا ہوں کہ یہودیوں کے پاس صرف ایک طاقت ہے اور وہ طاقت مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ اس مضبوط، مستحکم اور ناقابلِ شکست طاقت کو کہتے ہیں اتحاد۔ یہودیوں میں جو اتحاد ہے، وہ کسی قوم میں نہیں ہے۔ اتحاد کے بعد ان کی دوسری سب سے قابلِ ذکر بات اُن کی ذہانت

ہے۔ ایسی ذہانت جس میں سازشیں اور مکاریاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں کانگریس پارٹی ہمیشہ مسلمانوں کے ووٹ سے کامیابی حاصل کرتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ امریکہ میں یہودیوں کے ساتھ ہے۔ ان کے ووٹوں سے کوئی بھی شخص امریکی صدر بن سکتا ہے۔ اگرچہ یہ امریکی عیسائیوں کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں لیکن ان کے ووٹوں کا پلڑا اسی طرح بھاری ہوتا ہے جس طرح ہندوؤں کی اکثریت میں رہ کر مسلمانوں کے ووٹوں کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا ہے۔

لیکن یہاں مسلمانوں اور یہودیوں کی سازشی سیاست اور ذہانت کا فرق ہے۔ یہودی اپنی دو اہم خوبیوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں جیسے صدر منتخب کرنے میں مدد دیتے ہیں، اس سے اپنا قومی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ یہ کام ہندوستان کے مسلمان نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے، یہ ایک الگ سی بحث ہے۔ افسوس ان اسلامی ممالک پر ہے جو بے حساب دولت کے مالک ہیں، لیکن یہودیوں کی سیاست کے آگے بے دست و پا ہیں اور ہمیشہ بڑی طاقتوں کی طرف یوں نظریں اُٹھا کر دیکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھانا بھول گئے ہوں۔

دراصل یہ قوموں کے ہاتھ میں ہے۔ جب پوری قوم کے ہاتھ اجتماعی طور پر دُعا کے لیے اٹھتے ہیں تو یہی ہاتھ دوا کے لیے ایک دوسرے سے مل کر متحد اور مستحکم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اتحاد عمل میں آتا ہے۔ ابھی تو تاریخ کا پہیہ اُلٹا چل رہا ہے۔ جو ذلت قومِ یہود کے مقدر میں تھی، وہ مسلمانوں کا مقدر بنتی جا رہی ہے۔ یہیں سے فلسطینی مجاہدوں کی جدوجہد کا آغاز ہوا ہے۔ وہ فلسطینی مجاہدین جو دولت مند نہیں ہیں۔ جو انسان ہیں۔ ان سے جب غلطیاں ہوتی ہیں تو مسلمان ہی انھیں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ وہ ہمدردی کے قابل نہیں ہیں۔ غلطیاں کرتے ہیں۔ شکست کھاتے ہیں۔ عیاشی میں مبتلا ہیں اور دُشمنوں کے ہاتھوں بِک جاتے ہیں لیکن ان کے اس طرح بکنے، اس طرح شکست کھانے، اس طرح بار بار جیلوں میں جانے، موت کی سزا پانے کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ اسے سمجھے بغیر ان پر الزامات عائد کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

دُشمنوں کے ہاتھوں بکنے اور عیاشیوں میں مبتلا رہنے والے کبھی جیلوں میں نہیں جاتے۔ کبھی موت کے سامنے سینہ سپر نہیں ہوتے۔ یہ جو آئے دن اپنی جدوجہد کی دھاک بٹھاتے رہتے ہیں، اخبارات کی شہ سُرخیوں میں نمایاں ہوتے رہتے ہیں تو ایسے مجاہدین قابلِ صد احترام ہیں۔

آج سے بہت عرصے پہلے ان مجاہدوں میں ایک مجاہدہ لیلیٰ خالد کا بہت چرچا تھا۔ مشرقِ وسطیٰ بلکہ یورپ میں وہ پہلی عورت تھی جس نے ایک طیارے کو اغوا کیا تھا حالانکہ کسی بھی ملک کے طیارے کو خواہ وہ دوست ممالک یا دشمن ممالک کے ہوں، اغوا کرنا کوئی قابلِ تعریف یا اعزاز حاصل کرنے والی بات نہیں ہے بلکہ یہ عمل قابلِ مذمت ہے۔ میں لیلیٰ خالد کا ذکر محض اس لیے کر رہا ہوں کہ مرتا کیا نہ کرتا، کے مصداق لیلیٰ خالد نے اپنے مجاہدین قیدیوں کو یہودی حکام کے ظلم و ستم سے نجات دلانے، انھیں رہا کرانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ اسرائیلی حکومت اور یہودیوں کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ پہلا اس لیے بھی کہ ایک عورت نے طیارے کو اغوا کیا تھا اور اپنی بات منوالی تھی۔

ان دنوں لیلیٰ خالد کا اتنا شُہرہ تھا کہ اس عشرے میں پیدا ہونے والی لڑکیوں کے والدین نے اپنی اپنی بیٹی کا نام لیلیٰ رکھا تھا۔ لیلیٰ ثانی بھی اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اس نام سے منسوب ہو گئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ لیلیٰ خالد تھی اور یہ لیلیٰ ثانی۔

آج سے اکیس برس پہلے حیفاء اور تل ابیب دونوں الگ الگ شہر تھے۔ دونوں کے درمیان میں ویسے آج بھی ساٹھ میل کا فاصلہ ہے اور بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث تل ابیب اور حیفاء ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔

بہرحال اکیس برس پہلے حیفاء کی ایک گلی میں دو عورتیں رہتی تھیں۔ ایک یہودی، دوسری مسلمان۔ مذاہب میں اختلاف ہونے اور دونوں قوموں میں منافرت پھیلنے کے باوجود ان عورتوں میں بڑی دوستی تھی۔ دونوں کے شوہر ان کی دوستی کے خلاف تھے لیکن کھل کر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ اپنی اپنی بیوی کو سمجھاتے تھے۔ مسلمان کہتا تھا، ”یہودی سانپ ہوتے ہیں۔ اور سانپ سے کبھی دوستی نہیں کی جا سکتی۔“ یہودی اپنی بیوی کو سمجھاتا تھا، ”مسلمان میٹھا زہر ہوتے ہیں۔ منہ میں رکھو تو کڑواہٹ کا پتا نہیں چلتا لیکن زہر بالآخر زہر ہوتا ہے۔ مار ڈالتا ہے۔“

لیکن وہ عورتیں اپنی دوستی سے باز نہیں آتی تھیں۔ شوہر ناراض ہوتے تو وہ اُن کی غیر موجودگی میں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ پڑوسنیں تھیں اس لیے ملنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ اُن کی زندگی میں ایک بار ماں بننے کا وقت آیا۔ وہ دونوں بہت خوش تھیں۔ مسلمان عورت کا نام صدیقہ تھا۔ وہ کہا کرتی تھی، ”میرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔“ اُسے بیٹے کی خواہش تھی۔

یہودی عورت کا نام شیبا تھا۔ وہ ایک بیٹی کی تمنا کرتی تھی۔ صدیقہ نے پوچھا، ”تم بیٹی کی تمنا کیوں کر رہی ہو؟“

شیبا نے ایک سرد آہ بھر کر کہا، ”میں نے بچپن سے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میری سوتیلی ماں تھی۔ مجھے کبھی لاڈ پیار نہیں

ملا۔ میں بچپن ہی سے محرومیوں کا شکار رہی ہوں۔ سوچتی تھی، کوئی مجھے گود میں لے، پیار کرے، اپنے سینے سے لگائے لیکن آج اس عمر کو پہنچ گئی ہوں۔ میری یہ حسرتیں کبھی پوری نہیں ہوئیں۔ سوچتی ہوں بیٹی ہو گی تو اُسے خوب پیار کروں گی۔ گود میں لوں گی۔ سینے سے لگاؤں گی۔ جتنی محرومیاں میری زندگی میں آئی ہیں، اُن سب کا حساب کروں گی اور ساری کمی پوری کروں گی۔"

صدیقہ اور شیبا دونوں کی آنکھوں میں خواب تھے۔ دونوں کے سینے میں ممتا مچل رہی تھی۔ ان دنوں مسلمانوں کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ معاشی طور پر کمزور ہو رہے تھے۔ مملکتِ اسرائیل میں ان کا کاروبار نہیں چلتا تھا۔ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے گٹھ جوڑ سے کاروبار کرتے اور معاشی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرتے رہتے تھے۔ پولیس والے آئے دن مسجدوں، مدرسوں اور دُکانوں پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ کسی نہ کسی الزام میں انھیں گرفتار کرتے تھے۔ مسلمان شہریوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ عدالتی کارروائی کرتے۔ پھر مدعی بھی یہودی تھے اور منصف بھی یہودی تھے۔ انصاف کی توقع بے سود تھی۔

ان ہی حالات میں شیبا زچگی کے لیے ایک بہت بڑے میٹرنٹی ہوم میں چلی گئی۔ اس کا شوہر مالی اعتبار سے بہتر تھا۔ صدیقہ کا شوہر کاروبار چھوڑ کر گھر میں بیٹھ گیا تھا۔ ان کی حالت ابتر تھی، اس لیے زچگی گھر ہی میں ہونے والی تھی۔

جس روز وہ ماں بننے والی تھی، اس سے ایک دن پہلے اطلاع ملی کہ شیبا ایک بیٹی کی ماں بن گئی ہے۔ صدیقہ بہت خوش ہوئی کہ چلو، شیبا کی آرزو پوری ہو گئی لیکن صدیقہ کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ بیٹے کی تمنا تھی، بیٹی پیدا ہوئی، پھر بھی خدا جو دیتا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس نے شکر ادا کیا اور بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ چند دن بعد شیبا اُن کے ہاں آئی۔ اس کی بیٹی کو لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اُسے خوب پیار کرنے لگی۔ صدیقہ نے پوچھا۔ "تمھاری بیٹی کہاں ہے؟"

وہ بچی کو پیار کرتے کرتے ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ اس بچی کو یوں تکنے لگی جیسے اب تک اپنی ہی سمجھ کر پیار کرتی رہی ہو۔ صدیقہ نے پھر سوال کیا۔ وہ دل برداشتہ سی ہو کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر بولی "بیٹی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے بعد مر گئی۔"

دونوں عورتوں کو چپ سی لگ گئی۔ کسی سے کچھ نہ بولا گیا۔ صدیقہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی سہیلی کو کس طرح تسلیاں دے۔ بڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے شیبا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا۔ "یہ بھی تو تمھاری بیٹی ہے۔ اسے پیار کیا کرو۔ تم جب چاہو اسے گود میں لے سکتی ہو۔ میں کبھی اعتراض نہیں کروں گی۔ جب میرا خاوند گھر سے باہر رہے تو تم اس بچی کو اپنے گھر بھی لے جا سکتی ہو۔"

شیبا نے صدیقہ کے ہاتھ کو تھام کر کہا "تمھارے دل میں کتنی محبتیں ہیں۔ بیٹی کے لیے بھی ہے اور اپنی سہیلی کے لیے بھی، اور تم دونوں محبتوں سے انصاف کر رہی ہو، صدیقہ، تم بہت اچھی ہو۔" وہ پھر بچی کو چومنے لگی۔

صدیقہ نے کہا۔ "تم دیوانی ہو گئی ہو؟ کبھی فکر کیوں کرتی ہو؟ اللہ نے چاہا تو اگلے سال پھر ایک خوب صورت سی بچی کی ماں بنو گی۔"

شیبا بچی کو پیار کرتے کرتے رُک گئی۔ اُس نے بڑے دُکھ سے کہا۔ "ڈاکٹر کہتے ہیں، میرے اندر کچھ خرابی ہو گئی ہے، آپریشن ہو گا۔ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟"

صدیقہ اسے تسلیاں دیتی رہی۔ پھر وہ بچی کو واپس لے کر جانے کے لیے اُٹھی۔ صدیقہ نے کہا۔ "اس کے باپ نے اس کا نام لیلیٰ ثانی رکھا ہے۔"

"بہت پیارا نام ہے۔ تم مسلمانوں کے لیے اس نام میں بڑی جرأت مندی ہے۔"

"شیبا! میں یہ نام نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ میں جانتی ہوں، لیلیٰ کا نام یہودیوں کو کھٹکتا ہے لیکن میں اس کے باپ کے سامنے مجبور ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں صرف یہودی نہیں ہوں، ایک مسلمان عورت کی سہیلی بھی ہوں۔ تمھاری بیٹی کو ابھی میں نے سینے سے لگا کر پیار کیا ہے اور پیار کا کوئی بھی نام ہو، بہت پیارا لگتا ہے۔"

اس نے پھر بچی کو جھک کر پیار کیا۔ اس کے بعد گھر آ گئی۔ اس کے خاوند نے پوچھا۔ "تم پھر پڑوسن کے ہاں گئی تھیں؟"

"ہاں، بچی ہوئی ہے۔ دیکھنے گئی تھی۔"

"میں نے تمھیں منع کیا تھا۔ دیکھو، تمھارے دل میں دُکھ ہے۔ اس کی بچی کو دیکھو گی تو یہ دُکھ بڑھے گا۔"

"بڑھے گا نہیں بلکہ تسلی ہو گی، ہائے۔ کتنی پیاری، کتنی [illegible] صورت بچی ہے، جی چاہتا ہے ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھوں۔"

خاوند اُس کی باتوں کو توجہ سے سُن رہا تھا اور اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "اگر وہ بچی ہمیشہ کے لیے تمھاری ہو جائے تو؟"

شیبا نے ایک دم سے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا "وہ میری ہو جائے گی تو میری سہیلی کی گود خالی ہو جائے گی۔ آخر! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"میں منافع کی بات کر رہا ہوں۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ تم اپنی خالی گود کو دیکھو۔ اس کا خیال چھوڑ دو۔"

"ہرگز نہیں۔ میں کبھی اُن سے ناانصافی نہیں کروں گی۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میری سہیلی اور اُس کے خاوند پر کبھی آنچ نہیں آنے دو گے۔"

"اسی لیے تو یہ لوگ ہمارے پڑوس میں ابھی تک سلامت ہیں ورنہ میرے ایک اشارے پر...."

یہ کہہ کر اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شیبا کو پھر ایک بار گہری نظروں سے دیکھا اور بغیر کچھ کہے گھر سے باہر چلا گیا۔ دوسرے دن اُس نے ڈاکٹر سے ملاقات کی۔ اس سے پوچھا۔ "آپ کہتے ہیں، آپریشن ضروری ہے۔ کیا آپریشن کے بعد وہ دوبارہ ماں بننے کے قابل رہے گی؟"

ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلا کے کہا۔ "سوری، ہم آپریشن کے ذریعے اُس کی خرابیوں کو دور تو کر سکتے ہیں لیکن قدرتی تبدیلیوں کو نہیں روک سکتے۔ وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔"

آئزک سوچ میں پڑ گیا، ڈاکٹر نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔ آپ کی وائف کو بہت صدمہ ہو گا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے۔ آپ کسی لاوارث بچے کو گود لے لیجیے۔ آپ کی وائف کا دل بہل جائے گا۔"

"ہوں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ آپ اتنے دولت مند ہیں۔ کوئی بھی یہودی آپ کو اپنا ایک بچہ دے دے گا۔"

اُس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "ڈاکٹر! ہمیں یہ کام بھی ثواب کے طور پر کرنا چاہیے۔ اگر ہم کسی مسلمان کے بچے کو گود لیں تو وہ ہمارے ہاں پرورش پا کر یہودی بنے گا۔"

اُسی شام صدیقہ کا شوہر گھر میں بیٹھا اپنے کاروبار کی گرتی ہوئی حالت پر کُڑھ رہا تھا اور اپنی بیوی کو باتیں سُنا رہا تھا۔ بیوی نے کہا۔ "تم اپنی ناکامی کا غصّہ مجھ پر کیوں اتار رہے ہو؟"

"میں ناکام نہیں ہوں۔ یہ ان یہودیوں کی سازشیں ہیں جو ہمیں پنپنے نہیں دیتیں۔ اس وقت ہمیں بیٹے کی ضرورت تھی، تم نے بیٹی پیدا کی ہے۔"

"میں نے بیٹے کی خواہش کی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا تو میں کیا کروں؟"

"تم دیکھ رہی ہو کہ فلسطین میں ہماری کیا حالت ہے۔ جو لوگ حوصلہ ہار جاتے ہیں، وہ ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ سبھی کی خواہش ہے کہ اس دور میں ہمارے ہاں صرف بیٹے پیدا ہوں جو جوان ہو کر مجاہد بنیں۔"

"فلسطین کے چاروں طرف اسلامی ممالک ہیں۔ کیا وہاں مجاہد نہیں ہیں؟ کیا وہاں فوجیں نہیں ہیں؟ کیا وہاں اسلحہ اور دولت نہیں ہے؟ صرف ہم بیٹے پیدا کر کے کیا کر لیں گے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی باہر سے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کچھ لوگ دروازہ پیٹ رہے ہوں۔ اُس کے بعد ڈانٹ کر کہا گیا۔ "دروازہ کھولو ورنہ اسے توڑ دیں گے۔"

صدیقہ کا شوہر دوڑتا ہوا بیرونی دروازے کے پاس گیا اور اونچی آواز میں کہنے لگا۔ "میں دروازہ کھول رہا ہوں۔ لیکن آپ لوگ کون ہیں؟"

باہر سے پھر ڈانٹ کر کہا گیا۔ "بکواس مت کرو۔ ہمیں باتوں میں اُلجھا کر مجاہدوں کو کسی دوسرے راستے سے بھگانا چاہتے ہو؟ دروازہ کھولتے ہو یا نہیں؟"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دونوں پٹ ایک جھٹکے سے الگ ہوئے۔ باہر سے آنے والے فوجی اُسے دھکا دیتے ہوئے، اکڑاتے ہوئے، روندتے ہوئے سارے گھر میں پھیل گئے۔ کچھ مسلح فوجی صدیقہ کے کمرے میں گھس آئے۔ اس نے فوراً اپنے اوپر چادر ڈال لی۔ وہ پردہ کرنا چاہتی تھی لیکن ایک فوجی نے اس کی چادر چھین لی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ چادر کے نیچے کوئی مجاہد تو چھپا ہوا نہیں ہے؟

کوئی چھپا ہوتا تو نظر آتا۔ پورے مکان کی تلاشی لینے کے بعد فوجی افسر نے صدیقہ کے خاوند کا گریبان پکڑ کر پوچھا۔ "تم یہاں چھاپا ماروں کو پناہ دیتے ہو؟"

"یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی کسی کو پناہ نہیں دی۔"

اس کے منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر گرنے والا تھا کہ پیچھے سے دو فوجیوں نے اُسے پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ اُس کے منہ پر ایک اور گھونسا پڑا۔ اس بار فوجی افسر نے پوچھا۔ "کیا آج سے چھ ماہ پہلے اتوار کی ایک دوپہر کو تمھارے ہاں ایک زخمی مسلمان پناہ لینے نہیں آیا تھا؟"

صدیقہ کے شوہر نے چند لمحوں تک سوچا۔ پھر اُسے یاد آ گیا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "جی ہاں، مگر یہ بات پرانی ہو چکی ہے۔"

"پرانی کے بچے، تم نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی؟ تم نے اُسے پناہ کیوں دی تھی؟"

"جناب! ہم انسان ہیں۔ کسی زخمی کے کام آنا ہمارا فرض ہے۔ پھر وہ میرے دروازے پر آیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کوئی مجاہد ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس کے منہ پر گھونسا پڑا۔ "مجاہد مت

بولو۔ وہ چھاپا مار ہیں۔ حکومت کے باغی ہیں۔"
وہ روتے، گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "وہ جو کوئی بھی ہوں، میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ میں نے کسی کو پناہ نہیں دی۔ وہ میرے ہاں صرف اس وقت تک رہا جب تک اس کے زخموں کی مرہم پٹی ہوتی رہی۔ پھر وہ کچھ کھا پی کر چلا گیا۔"
"اب تم ہمارے ساتھ چلو گے۔ ہم زبان کھلوانا خوب جانتے ہیں۔ تم سے ایک ایک مجاہد کا پتا معلوم کر کے ہی رہیں گے۔ تم بتاؤ گے، یا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاؤ گے۔"
دو فوجیوں نے اُسے باہر کی طرف دھکا دیا۔ آگے کھڑے ہوئے فوجیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اس طرح وہ اُسے کھینچ کر لے جانے لگے۔ وہ تڑپ رہا تھا، چیخ رہا تھا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے کسی کو پناہ نہیں دی۔ میں کسی مجاہد کو نہیں جانتا۔"
اندر کمرے سے صدیقہ آہ و بُکا کر رہی تھی۔ "یہ کیا ظلم ہے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں، میرے خاوند اس معاملے سے بالکل الگ ہیں۔ اُنھوں نے کبھی کسی مجاہد کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم تو انسانیت کے ناتے . . ."
وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ پھر جلدی سے بچّی کو گود میں لے کر دوڑتی ہوئی پچھلے دروازے سے پڑوس میں گئی۔ شیبا اسی کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "خدا کے لیے برادر آٹزک کو بلاؤ۔ یہ لوگ میرے خاوند کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ یہ لوگ جب کسی کو پکڑ کر لے جاتے ہیں تو پھر وہ کبھی واپس نہیں آتا۔ شیبا! میرا سہاگ لُٹنے والا ہے۔ میرا گھر اُجڑنے والا ہے۔ خدا کے لیے اپنے خاوند کو بلاؤ۔"
شیبا نے اُس کی پشت کو تھپک کر کہا۔ "تم گھر میں اطمینان سے رہو۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں، آٹزک کہاں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کر کے تمھارے خاوند کو واپس لے آئیں گے۔"
"میں اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتی۔ جب تک میرے خاوند نہیں آئیں گے، میں اپنے گھر میں نہیں جاؤں گی۔ پتا نہیں وہ فوجی پھر کب آ جائیں۔ تم نے نہیں دیکھا، انھوں نے میری چادر بھی کھینچ لی تھی۔"
صدیقہ یہ کہتے کہتے یکدم رک کر شیبا کو کھوئی کھوئی سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ شیبا نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"
"آج سے چھ ماہ پہلے ایک دوپہر ایک زخمی مسلمان ہمارے گھر آیا تھا۔ اس بات کو کوئی نہیں جانتا۔ صرف ہم میاں بیوی جانتے ہیں یا تم میاں بیوی کو معلوم ہے۔ میں نے تمھیں یہ بات بتائی تھی اور تم نے برادر آٹزک کو بتا دی۔"
"ہاں، تو کیا ہوا؟"
"ہو گا کیا؟ اُسی زخمی مُسلمان کا حوالہ دے کر وہ لوگ میرے خاوند کو لے گئے ہیں۔ پتا نہیں وہ ان پر کتنا ظلم کریں گے۔ ان سے مجاہدین کے ٹھکانے معلوم کرنا چاہیں گے جبکہ ہم کسی مجاہد کو جانتے ہی نہیں ہیں۔"
"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے یا میرے شوہر نے مخبری کی ہے؟"
"شیبا! میں تم پر کبھی شُبہ نہیں کر سکتی، لیکن برادر آٹزک نے شاید باہر کسی سے ذکر کیا ہو اور جس سے ذکر کیا ہو اس نے یہ خبر فوجیوں تک پہنچا دی ہو۔"
"تم اطمینان سے بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔"
وہ اُسے اپنے گھر میں بٹھا کر اپنے خاوند کو تلاش کرنے باہر چلی گئی۔ اُس کا خاوند گھر میں چھُپا ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مکان کی ایک کوٹھری سے نکل آیا۔ صدیقہ اُسے دیکھتے ہی گڑگڑا کر کہنے لگی۔ "برادر! آپ یہاں ہیں اور بہن شیبا آپ کو تلاش کرنے گئی ہیں۔ ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ کیا آپ نے کچھ نہیں سُنا؟ کیا آپ یہاں موجود نہیں تھے؟"
"میں موجود تھا لیکن جان بوجھ کر چھُپا ہوا تھا۔ تم جانتی ہو، یہودی کسی مسلمان کی حمایت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، خواہ اس مسلمان سے اس کے کتنے ہی دوستانہ مراسم کیوں نہ ہوں۔ ہم پر بھی الزام عائد ہوتا ہے کہ ہم باغی مسلمانوں کو پناہ دیتے ہیں۔ اسی لیے میں اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔"
"لیکن برادر، ہم آپ کے دوست ہیں۔ آپ کے پڑوسی ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا مجاہدوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"بے شک میں جانتا ہوں، لیکن اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔ البتہ اور طرح سے مدد کر سکتا ہوں۔ میری طرف سے جتنی رقم چاہو لے جاؤ۔ تم ان فوجی افسروں کو نہیں جانتیں۔ یہ بڑی بھاری رشوت لے کر ایسے مسلمانوں کو رہا کر دیتے ہیں، جن پر کوئی خاص الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ ادھر میری تجوری ہے اس میں زیورات کے کئی سیٹ رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چار سیٹ لے کر چلی جاؤ اور اس افسر کے سامنے رکھ دو۔ اتنے زیورات دیکھتے ہی وہ تمھارے خاوند کو رہا کر دے گا۔" اس نے آگے بڑھ کر تجوری کھول دی۔
صدیقہ بولی۔ "لیکن میں تو شیبا کے ساتھ جاؤں گی۔"
"شیبا کے آنے تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ تمھارے خاوند کو گولی مار دیں۔"

وہ تڑپ کر بولی۔ "نہیں، نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ براہ کرم میری راہنمائی کریں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"
"جو سمجھا رہا ہوں وہی کرو۔ آگے بڑھو اور زیورات اُٹھا لو۔"
"بہتر ہو گا آپ نقد رقم دے دیں۔"
"جو افسر تمھارے خاوند کو پکڑ کر لے گیا ہے، میں اس کے متعلق اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کی بیوی زیورات کے لیے اُسے پریشان کرتی رہتی ہے۔ اگر یہ رشوت کے طور پر مل جائیں گے تو وہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے فوراً تمھارے خاوند کو چھوڑ دے گا۔"
صدیقہ کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر تجوری کے قریب گئی۔ دو چار ڈبّوں کو کھول کر دیکھا۔ وہاں سونے کے ایسے زیورات تھے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ زیورات سمیٹ کر اپنی چادر میں باندھ لیے۔ پھر بچّی کو اچھی طرح چادر میں چھپایا۔ اس کے بعد آٹزک کا شکریہ ادا کر کے پچھلے دروازے سے نکل گئی۔ آٹزک تھوڑی دیر تک تجوری کے پاس کھڑا مسکراتا رہا۔ اس کے بعد وہ بھی پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا کیونکہ اس کی بیوی اگلے دروازے کو باہر سے بند کر کے گئی تھی۔
وہ جانتا تھا کہ شیبا اسے تلاش کرنے کے لیے پہلے دُکان پر جائے گی۔ پھر ٹریڈ یونین کے دفتر پہنچے گی۔ اس سے پہلے ہی وہ وہاں پہنچ گیا۔ اُس کی توقع کے مطابق تھوڑی دیر بعد ہی شیبا اُسے تلاش کرتے ہوئے پریشان حال پہنچی۔ اس نے کہا۔ "میرے ساتھ فوراً چلیے۔ ہمارے پڑوسیوں پر خواہ مخواہ الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ صدیقہ کے خاوند کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔"
وہ اس کے ساتھ ٹریڈ یونین کے دفتر سے باہر آیا۔ پھر اُس نے کہا۔ "اگر فوجیوں نے اُسے پکڑا ہے تو ضرور کوئی بات ہو گی۔"
"بات کیا ہو گی؟ گڑے مُردے اکھاڑے گئے ہیں۔ آج سے چھ ماہ پہلے ان کے ہاں ایک زخمی مسلمان آیا تھا۔ بس اسی بات کو اُنھوں نے پکڑ لیا۔ میں پوچھتی ہوں، اُنھیں یہ بات معلوم کیسے ہوئی؟ یہ تو صرف میں جانتی ہوں یا آپ جانتے ہیں!"
"تمھارا کیا خیال ہے، کیا میں نے مخبری کی ہے؟"
"میں یہ نہیں کہتی۔ اب بحث میں وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ ہم فوجی افسر کے پاس جا کر اس کی رہائی کی درخواست کریں۔"
وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اُس دفتر میں پہنچے جو ایک چھوٹی فوجی عدالت کہلاتی تھی۔ وہ عدالت مجاہدوں کے لیے قائم کی گئی تھی۔ وہاں فوری سماعت ہوتی تھی اور فوراً ہی اُن کے خلاف فیصلہ سُنایا جاتا تھا۔ یا تو اُنھیں موت کی سزا دی جاتی۔ یا پھر جُرم ثابت نہ ہو تو جیل بھیج دیا جاتا۔
جب وہ وہاں پہنچے تو ایک افسر صدیقہ سے سوالات کر رہا تھا۔ اس پر الزام عائد کیا جا رہا تھا کہ وہ زیورات چُرا کر لائی ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی رسید نہیں تھی۔
وہ کہہ رہی تھی۔ "میں گواہی کے طور پر اپنے پڑوسیوں کو یہاں پیش کر سکتی ہوں۔" پھر وہ شیبا اور آٹزک کو دیکھتے ہی بولی۔ "برادر! آپ اچھے وقت پر آئے۔ یہ مجھ پر شُبہ کر رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ یہ زیورات آپ کے سامنے آپ کی تجوری سے نکال کر لائی ہوں۔"
آٹزک نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم میری پڑوسن ہو، میری بیوی کی سہیلی ہو۔ میں تمھاری عزت کرتا ہوں، مگر یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ تم میرے سامنے میری تجوری سے زیورات نکال کر لے آئیں، اور میں کھڑا تماشا دیکھتا رہا؟"
صدیقہ اپنے خاوند کی گرفتاری پر پہلے ہی پریشان اور بدحواس تھی، آٹزک کی باتیں سُن کر کچھ اور بدحواس ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "شیبا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ . . ."
اس کی بات پوری ہونے سے پہلے آٹزک نے کہا۔ "دیکھو کچھ کہنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اگر یہ زیورات میں تمھیں دیتا تو تمھارے ساتھ خود ہی یہاں آتا۔ اور میں زیورات تمھیں کس لیے دوں گا؟ کیا اپنے ایمان دار فوجی افسروں کو رشوت دینے کے لیے؟" پھر اس نے اپنی بیوی کی طرف پلٹ کر کہا۔ "ذرا اپنی سہیلی کو سمجھاؤ۔ تم مجھے تلاش کرتی ہوئی ٹریڈ یونین کے دفتر آئیں۔ میں وہاں مصروف تھا۔ یہ کہہ رہی ہے، میں گھر میں تھا۔ تم میری بیوی ہو، تم ہی بتا سکتی ہو کہ میں کہاں تھا؟"
شیبا نے کہا۔ "صدیقہ! میں تمھیں اپنے گھر میں چھوڑ کر گئی تو آٹزک وہاں نہیں تھے۔ پھر تم کیسے کہتی ہو کہ . . ."
"میں سچ کہتی ہوں۔ تمھارے جانے کے بعد پتا نہیں یہ مکان کے کس حصّے سے نکل کر آئے اور . . ."
آٹزک نے ڈانٹ کر کہا۔ "تم بکواس کیے جاؤ گی مگر اپنے جرم کا اقرار نہیں کرو گی۔ تمھارا خاوند دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اس کا کاروبار نہیں چلتا۔ دُکان بند ہو گئی۔ تم لوگ محتاج ہو گئے ہو۔ اب تمھارے پاس خاوند کی رہائی کے لیے رقم نہیں تھی۔ تم نے سوچا، اچھا موقع ہے۔ میری بیوی تم پر اندھا اعتماد کر کے اپنا گھر تمھارے حوالے کر گئی ہے۔ تم نے موقع سے فائدہ اٹھایا

اور جانے کس طرح تجوری کھول کر زیورات لے آئیں۔"

شیبا نے آگے بڑھ کر کہا "ٹھہریے، میں اپنی سہیلی پر چور ہونے کا شبہ نہیں کر سکتی۔ بھلا یہ زیورات کیوں چرائے گی جبکہ اس کے اپنے زیورات میرے پاس امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔"

آٹزک نے چونک کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جب اس کے خاوند کا کاروبار ڈوبنے لگا تھا تو یہ احتیاطاً اپنے کچھ زیورات میرے پاس رکھنے آئی تھی اور کہا تھا، کبھی ان پر بُرا وقت پڑے گا تو یہ مجھ سے زیورات یا اس کے برابر رقم مانگ کر لے جائے گی۔ آج اس پر بُرا وقت آپڑا تھا۔ یہ مجھ سے زیورات مانگ سکتی تھی یا اس کے برابر رقم لے جا سکتی تھی۔ اسے چوری کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ میں یقین سے کہتی ہوں، اس نے زیورات نہیں چرائے ہیں۔"

آٹزک نے غصّے سے کہا۔ "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں نے یہ زیورات تمھاری سہیلی کو دیے ہیں؟"

"میں یہ بھی نہیں کہتی کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا ہے۔ یہ زیورات میری تجوری سے نکل کر آئے ہیں اور انھیں صدّیقہ لے کر آئی ہے۔ لیکن میں اسے چور نہیں کہوں گی۔"

آٹزک نے گرج کر کہا۔ "لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر چوری ہے۔ تمھاری سہیلی نے خواہ کتنے ہی زیورات تمھارے پاس امانت کے طور پر رکھے ہوں لیکن وہ اتنے قیمتی نہیں ہو سکتے جتنے کہ ہمارے زیورات ہیں۔"

شیبا نے آٹزک کو نظرانداز کرتے ہوئے فوجی افسر سے پوچھا۔ "سر! آپ کو یہ خبر کس نے دی کہ چھ ماہ پہلے میری سہیلی کے ہاں کوئی زخمی مسلمان آیا تھا؟"

فوجی افسر نے کہا۔ "سوری، ہم اپنے مخبروں کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے پرائیویٹ معاملات ہیں۔"

"مگر میں سمجھ گئی ہوں۔ میرے خاوند نے مخبری کی ہے۔"

آٹزک نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے ہوش میں تو ہو؟"

"ہاں، میں اپنے ہوش میں ہوں۔ آپ نے مخبری بھی کی اور آپ نے صدّیقہ کو زیورات بھی دیے اور اُسے یہاں بھیج کر میرے پاس چلے آئے۔ صدّیقہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔"

"تم اپنی سہیلی کے مقابلے میں اپنے خاوند کو جھوٹا کہہ رہی ہو؟"

"اگر میں آپ کو جھوٹا کہوں تو اس میں نہ حیرانی کی بات ہے اور نہ اس سے آپ کی توہین ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ ایک سوداگر ہیں۔ اور سوداگر تو مال خریدنے اور بیچنے کے دوران بار بار جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔"

فوجی افسر نے کہا۔ "آپ میاں بیوی گھر جا کر جھگڑا کریں تو بہتر ہے۔ آپ یہ زیورات اور زیورات لانے والی کو ہم یہاں لے جائیں۔ پہلے فیصلہ کرلیں کہ یہ چوری ہوئے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ہمارے پاس آئیں۔" پھر اُس نے صدّیقہ سے کہا۔ "یہ خیال اپنے دماغ سے نکال دو کہ زیورات یا اتنی رقم لا کر تم اپنے خاوند کو یہاں سے لے جاؤ گی۔ وہ صرف ایک ہی شرط پر رہا کیا جا سکتا ہے کہ مجاہدین کے پتے ٹھکانے بتا دے۔"

صدّیقہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فوجی افسر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "دیٹ از آل۔ یہاں سے چلی جاؤ۔"

شیبا اُسے اپنے ساتھ گھر لے آئی۔ اُسے تسلیاں دیتی رہی۔ آٹزک ان کے بعد گھر میں آیا۔ اُسے دیکھتے ہی شیبا نے پوچھا۔ "آپ ان سے دشمنی کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں نے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ اب بھی میں اس کے خاوند کی رہائی کے سلسلے میں بہت کچھ کر سکتا ہوں بشرطیکہ یہ میرے کہنے پر چلے۔"

صدّیقہ نے کہا۔ "میرے ساتھ آپ نے جو کچھ کیا، میں اُسے فراموش کر دوں گی۔ آپ میرے خاوند کو کسی طرح بھی رہا کرا دیں۔ آپ جو کہیں گے وہ کروں گی۔"

"تم چند مجاہدوں کے پتے ٹھکانے بتا دو۔"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں، ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میرے خاوند بھی کچھ نہیں جانتے۔"

"نہیں جانتے کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمھارے خاوند کو گولی مار دی جائے؟"

وہ نفی کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے پریشان ہو کر بولی۔ "یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں اپنے خاوند کو بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔"

"اگر سب کچھ کر سکتی ہو تو حیفا میں بہت سے مسلمان ہیں۔ تم دو چار لوگوں کے نام اور پتے لکھ دو اور یہ تحریر بیان کرو کہ یہ باغیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور حکومت کے خلاف خفیہ طور پر سرگرم رہتے ہیں۔"

صدّیقہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں، میں بے قصور مسلمانوں کے خلاف ایسا تحریری بیان نہیں دے سکتی۔"

”تو پھر اپنے شوہر کا خیال دل سے نکال دو۔“

شیبا نے کہا۔” آئزک! میں صدیقہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گی۔ کسی پر بے بنیاد الزام عائد نہیں کرے گی۔ تم کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرو۔“

” دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ صدیقہ! تم اپنے گھر جاؤ اور رات بھر آرام سے اس مسئلے پر غور کرو۔ شوہر کی زندگی عزیز ہے تو کل صبح وہی کرنا جو میں نے کہا ہے۔“

وہ اپنی بچی کو سنبھالتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد آئزک نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر دانت پیس کر سخت لہجے میں کہا۔” تمہارے جیسی بے وقوف عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ میں تمہاری گود بھرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔“

”کیا تم سمجھتے ہو میں کسی کی گود اجاڑ کر اپنی ممتا کی تسکین کروں گی؟ ہرگز نہیں۔“

”تم ایسا کرو گی۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ ہم اس طرح ثواب کمائیں گے۔ ایک مسلمان لڑکی ہمارے ہاں پرورش پائے گی تو وہ یہودی بنے گی۔“

” میں آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں۔“

” متفق ہو جاؤ گی۔ تم نہیں جانتیں، تمہارا جو آپریشن ہونے والا ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا، یہ میں جانتا ہوں۔“

” آپ کیا جانتے ہیں؟“

”چونکہ تم میری بات نہیں مان رہی ہو۔ اس لیے تمھیں کھُل کر بتا دینا چاہتا ہوں۔ آئندہ تم کبھی ماں نہیں بن سکو گی یہ ڈاکٹر کی رپورٹ ہے۔“

شیبا گُم صُم بیٹھی اپنے شوہر کا منہ تکنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہاری بھلائی کے لیے کر رہا ہوں۔ تمہاری ممتا کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔ میں ایک ایسی بچی کا انتخاب کر رہا ہوں جسے تمہاری سہیلی نے جنم دیا ہے۔ ایک تو تمھیں اولاد کی ضرورت ہے۔ دوسرے وہ اولاد تمہاری بچپن کی سہیلی کی ہو تو اُسے اور زیادہ دل و جان سے چاہو گی۔ ہر طرح سے تمہاری ضرورت، تمھاری خواہش پوری ہوتی رہے گی۔“

وہ منہ پھُلائے اپنی خواب گاہ میں آئی لیکن وہ غصّے میں نہیں تھی۔ صدمے سے چُور تھی۔ یہ خبر اس کے دل پر بجلی بن کر گری تھی کہ آئندہ ماں نہیں بن سکے گی۔ خواب گاہ میں وہ بستر پر گر کر رونے لگی۔

اس رات وہ سو نہ سکی۔ کبھی بستر پر کروٹیں بدلتی کبھی اُٹھ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلتی۔ رات اسی طرح گزرتی رہی۔ آدھی رات کے بعد اچانک پڑوس کے مکان سے صدیقہ کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے [illegible] آئزک دوسرے کمرے میں سو رہا تھا۔ وہ بھی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ شیبا نے کہا۔” صدیقہ اکیلی ہے۔ میں نے ابھی اس کے چیخنے کی آواز سنی ہے۔“

وہ فوراً کمرے سے نکل کر دوڑتے ہوئے مکان سے باہر آیا۔ اس کے پیچھے شیبا تھی۔ دونوں اُسی طرح بھاگتے ہوئے پڑوس کے مکان میں داخل ہوئے۔ دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ شیبا اُسے آوازیں دیتی ہوئی اس کمرے میں پہنچی۔ وہ لہو میں ڈوبی ہوئی دیوار کے قریب فرش پر نیم دراز تھی۔ سامنے بستر پر اُس کی نوزائیدہ بچی پڑی ہاتھ پاؤں جھٹک جھٹک کر رو رہی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی شیبا نے اُسے جھنجھوڑ کر پوچھا۔”کیا ہوا؟ صدیقہ کیا ہوا؟ یہاں کون آیا تھا؟“

وہ بول نہیں سکتی تھی۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اب تب میں دَم نکلنے والا ہو۔ اُس نے شیبا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ پھر وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔” وہ... وہ پانچ تھے۔ مم... میری بچی کو مجھ سے چھین کر لے جانا چاہتے تھے۔ میں اُن سے لڑتی رہی۔ انھوں نے میرا یہ حال کر دیا۔ تم لوگوں کے قدموں کی آواز سُن کر وہ پچھلے راستے سے بھاگ گئے۔“

شیبا نے کہا۔” آئزک منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ فوراً کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ اسے طبّی امداد کی ضرورت ہے۔“

صدیقہ نے تھرتھراتے ہوئے کہا۔”شش... شیبا! مم... میری بچی... میری بچی...“

یہ کہتے کہتے وہ شیبا کی آغوش میں ڈھلک گئی۔ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئی۔ آئزک ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا مگر رُک گیا۔ کن انکھیوں سے بچی کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی شیبا کی آغوش میں اس کی ماں تھی۔ اس کے بعد وہ بچی اس آغوش میں پرورش پانے والی تھی۔

◎

اس بچی کا نام سارہ آئزک رکھا گیا۔ شیبا نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ نہ کرتی تو اور کیا کرتی؛ صدیقہ مر چکی تھی۔ وہ بچی کو اپنی آغوش میں لے کر اس کی ماں اور اس کے باپ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کر سکتی تھی۔ اس بچی کو زیادہ سے زیادہ محبت اور ممتا دے سکتی تھی اور وہ یہی کر رہی تھی۔

سارہ آئزک تین برس کی عمر میں نرسری جانے لگی۔ وہ بچپن ہی سے ذہین تھی — نہایت پیاری اور بھولی تھی۔ اس کا ناک نقشہ اتنا جاذبِ نظر تھا کہ دوسری جماعت میں ہی وہ حکومت کی نظروں میں چڑھ گئی۔ ہوتا یہ تھا کہ ایسے لڑکے اور لڑکیاں

جو بچپن ہی سے خوب صورت بھی ہوں، ذہین بھی اور حاضر دماغی کے امتحانات میں ہمیشہ اوّل آتے ہوں، انھیں اسرائیلی حکومت اپنی تحویل میں لے لیتی تھی۔ انھیں مخصوص تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ سیکرٹ مشن کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ انھیں دنیا کی بڑی بڑی زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔ چھ برس کی عمر میں حکومت نے سارہ آئزک کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اُسے ایسے ہوسٹل میں داخل کیا گیا جہاں آئزک اور شیبا بھی اس سے نہیں مل سکتے تھے۔ ہفتے میں ایک دن کے لیے چھٹی ملتی تھی۔ وہ ایک دن اپنے والدین کے ساتھ گزارتی تھی۔ وہ بے چاری آئزک اور شیبا کو ہی اپنا ماں باپ سمجھتی تھی۔

اس کا ماحول ایسا تھا جہاں مسلمانوں سے نفرت کی جاتی تھی۔ انھیں نہایت کمتر سمجھا جاتا تھا لیکن شیبا نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ سارہ کے دماغ میں مسلمانوں کے لیے نفرت گہری نہ ہو۔ وہ تنہائی میں جب بھی سارہ کے ساتھ وقت گزارتی تھی تو اپنی سہیلی صدیقہ کے متعلق تفصیل سے ذکر کرتی تھی۔ وہ یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ صدیقہ اُس کی ماں تھی۔ اس کے خیال کے مطابق سارہ ابھی بچی تھی۔ ذہن کچا تھا۔ ہو سکتا تھا وہ اپنے نام نہاد باپ آئزک یا دوسرے یہودیوں کے سامنے اس کا ذکر کرتی، پھر اُسے حکومت کی تحویل میں نہ لیا جاتا۔ اُسے اس ہوسٹل سے بھی نکال دیا جاتا۔ شیبا مناسب وقت کے انتظار میں خاموش تھی لیکن پختہ ارادہ تھا کہ جب سارہ جوان ہوگی اور اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے لگے گی تو اس کے سامنے ساری حقیقت بیان کر دے گی۔

سارہ چھ برس کی عمر سے جمناسٹک کی مشقیں کرنے لگی تھی۔ اُسے جوڈو کراٹے کی ابتدائی تعلیم دی جا رہی تھی۔ دس برس کی عمر سے وہ ریوالور اور رائفل شوٹنگ اور خنجر زنی کی مشقیں کرنے لگی۔ اس دوران میں بنیادی تعلیم کے طور پر مختلف زبانیں سیکھنے اور حاضر دماغی کے امتحانات پاس کرنے کا عمل جاری رہا۔

پندرہ برس کی عمر میں اس نے ایسا قد نکالا تھا اور رنگ و روپ ایسا نکھر آیا تھا کہ بس، ایسے وقت اُسے اسپیشل ٹریننگ کے لیے ایک نئے ادارے میں داخل کرایا گیا۔ میں اپنی داستان میں اس اسپیشل ٹریننگ کے متعلق بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔

یہ وہی اسپیشل ٹریننگ کی کلاسیں تھیں جن میں ثبات معظم کی بیٹی امینہ معظم عرف ایمی ٹریننگ حاصل کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ مزید چوبیس لڑکیاں بھی وہاں ٹریننگ حاصل کرتی تھیں۔ ان چوبیس لڑکیوں میں ایک سارہ آئزک تھی۔ یہ تمام لڑکیاں ہر اعتبار سے دلنواز تھیں۔ اس کے باوجود انھیں سکھایا جاتا تھا کہ کس طرح ناز و انداز سے اپنے حُسن کے خنجر کو دو دھاری تلوار کرنا چاہیے۔ انھیں سکھایا جاتا تھا کہ کسی کے دل کو تسخیر کرنے کے ہُنر کیا ہوتے ہیں۔ یہ پچیس لڑکیاں ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔ اپنا جواب آپ تھیں۔ اگر یہ لڑکیاں مقابلۂ حسن میں شریک ہوتیں تو اُن میں سے ہر لڑکی دنیا کی حسین ترین لڑکی کہلاتی۔ انھیں بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا۔ لیکن اسرائیلی حکومت نے انھیں ان کی توقع سے کہیں زیادہ انعامات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ شرط اتنی سی تھی کہ ان پچیس لڑکیوں میں سے کوئی ایک فرہاد علی تیمور کو تسخیر کر لے۔ یہ ان ہی دنوں کی بات تھی، جب مجھے کسی نہ کسی طرح پھانسنے کے لیے میرے یہودی مہربان ہر طرح کے جال بچھا رہے تھے۔ ان میں سیکرٹ مشن کے لیے تیار ہونے والے لڑکے اور لڑکیاں سبھی تھیں جو بیس اکیس سال کی عمر تک پہنچ کر اپنے ہُنر، علم، اور کمالات میں مہارت حاصل کر لیتی تھیں۔

جب سارہ آئزک بیس برس کی ہوئی تو شیبا سخت بیمار پڑی۔ بچنے کی اُمید نہیں تھی۔ ایک رات اُس نے تنہائی میں سارہ کو بلایا۔ پہلے خواب گاہ کا دروازہ بند کرایا۔ پھر اُسے پاس بٹھا کر اُس کے بچپن سے لے کر اس وقت تک کی داستان سنانی شروع کی جب صدیقہ کو نامعلوم پانچ افراد نے ہلاک کیا تھا اور وہ ننھی سی بچی اس کی گود میں آگئی تھی۔

سارہ بڑی حیرانی سے، بے یقینی سے اپنی ماں کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اُس نے یقین اس طرح کیا کہ کوئی سگی ماں کبھی اپنی اولاد کو پرائی نہیں کہتی۔ چونکہ وہ پرائی ہے، اس لیے شیبا دیانت داری سے حقیقت بیان کر رہی ہے۔ وہ سنجیدگی اور تحمل سے ساری داستان سنتی رہی۔

شیبا نے ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا۔” بیٹی! میں آج بھی تمہاری ماں ہوں تم چند دن کی تھیں جب سے میں نے تمھیں گود میں لیا۔ تمھیں اپنی محبت دی۔ اپنی تمام ممتا تم پر نچھاور کی۔ تم خود اس بات کی گواہ ہو کہ میں نے تمھیں احساس تک نہیں ہونے دیا کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ بیٹی! کیا میں تمہاری ماں ہوں؟“

سارہ نے شیبا کے ہاتھ کو فرطِ عقیدت سے تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا۔” ممی! مجھے آپ پر فخر ہے۔ آج تک آپ نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے اپنے ساتھ یہودی بنائے رکھا لیکن مسلمانوں سے نفرت کرنا نہیں سکھایا — شاید آج ہی کے دن — [illegible] بار میری مرحوم امّی کا ذکر بڑے پیار سے کرتی

تھیں۔ اسے لوں سے اُنسیت ہونے لگتی تھی۔ اس طرح آپ یاں ہی رکھا ہے۔"
"میں نے اپنا فرض پنی سہیلی سے محبت کرنے کا حق ادا کیا ہے۔ اس سے دوستی بھائی ہے۔"
"میرے ڈیڈی کے متعلق کچھ بتیے۔"
"میں کچھ نہیں جانتی۔ جب اُنھیں گرفتار کر کے لے گئے، ب میں وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کے بعد ہم نے تمہارے باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ پتا نہیں اُنھیں گولی ماردی گئی یا عمر قید کی سزا دی گئی۔ ویسے تمہارے باپ کی خواہش تھی کہ تمھیں لیلیٰ ثانی کے نام سے پکارا جائے۔"

"لیلیٰ ثانی" سارہ آٹزک نے زیرلب اس نام کو دہرایا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ یہودی بھی تھی اور مسلمان بھی۔ ایک مسلمان ماں سے اسے جنم یہودی ماں نے اُسے دودھ پلایا تھا اور پالا تھا۔ سے والی قابلِ صد احترام تھی۔ کیونکہ اُس نے بے ایمانی نہیں کی تھی۔ دودھ میں پانی نہیں ملایا تھا۔ جو حقیقت تھی وہ بیان کر چکی تھی۔ اگر اُس کے بس میں ہوتا۔۔۔ تو وہ اُسے سارہ آٹزک کی حیثیت سے نہیں، لیلیٰ ثانی کی حیثیت سے پالتی، اُسے تعلیم دلاتی لیکن وہ اپنے شوہر سے، اور اپنے ماحول سے مجبور تھی۔ جو کچھ اُس کے بس میں تھا اس نے کر دکھایا تھا۔

"ممی! مجھے اتنا بتا دیجیے، وہ پانچ ظالم کون تھے جنھوں نے بیدردی سے میری ماں کو ہلاک کیا تھا؟"

"بیٹی! جب میں تمھاری ماں کے پاس پہنچی تو وہ فرار ہو چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ڈیڈی ان پانچوں کو جانتے ہیں۔ جب وہ تمہارے باپ کو گرفتار کرا سکتے ہیں، تمھاری ماں پر زیورات کی چوری کا الزام لگا سکتے ہیں تو وہ تمھاری ماں کو قتل بھی کرا سکتے ہیں۔ ہو سکے تو میرے شوہر کو معاف کر دینا۔ تم تو بہت ذہین ہو، دوستوں اور دشمنوں سے راز اُگلوانے کے ہنر سیکھتی رہتی ہو۔ تم نے بہت ہی کمال کی تعلیم اور ہنر حاصل کیے ہیں۔ کسی طرح اپنے اس موجودہ باپ سے ان پانچوں کے نام اور پتے معلوم کر لو۔"

وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور آٹزک کی آواز سنائی دی۔ "یہ دروازہ اندر سے بند کیوں ہے؟ میں ڈاکٹر کو ساتھ لایا ہوں دروازہ کھولو۔"

سارہ دروازہ کھولنے کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی نہیں، اب وہ سارہ نہیں تھی۔ اس لمحے سے وہ لیلیٰ ثانی بن گئی تھی۔ اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے دروازے کو دیکھا۔ دروازے کے اس پار کھڑا ہوا آٹزک اُسے نظر آ رہا تھا۔ انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی آنکھیں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ دیوار کے آر پار دشمن کو دیکھ لیتی ہیں۔ اس وقت اُس نے کمال تحمل سے کام لیا۔ اب تک جتنی ٹریننگ حاصل کر چکی تھی، اس میں یہ بات لازمی تھی کہ ہر حال میں دماغ کو پُرسکون رکھا جائے۔

اس نے دروازے کے پاس آ کر چٹخنی گرا دی۔ دروازہ کھول دیا۔ آٹزک ڈاکٹر کو لے کر شیبا کے بیڈ کے پاس پہنچا۔ لیلیٰ ثانی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ آٹزک کا وجود برداشت نہیں کر رہی تھی لیکن صبر سے کام لے رہی تھی۔

پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر چلا گیا۔ وہ بیڈ روم میں ماں کے پاس جانا چاہتی تھی۔ آٹزک نے کہا "بے بی! اپنی ممی کو سونے دو۔ ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن دیا ہے۔ صبح باتیں کر لینا۔"

اب لیلیٰ کو اس کے منہ سے 'بے بی' اور 'بیٹی' کا لفظ گراں گزر رہا تھا، لیکن وہ چُپ چاپ وہاں سے پلٹ کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔ وہ مقررہ وقت پر سونے اور جاگنے کی عادی تھی۔ اپنے وقت پر سو گئی۔ دوسرے دن صبح اپنی ممی کے بیڈ روم میں پہنچی تو آواز دینے کے باوجود شیبا نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس نے قریب جا کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی یہودی ماں نے بھی ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وہ تین دن تک سوگوار رہی۔ اندر سے ایسی سخت چٹان تھی کہ اُسے رونا نہیں آتا تھا۔ یہ مستقل مزاج اور قوتِ ارادی رکھنے والے انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ سخت ہوتے ہیں۔ فولاد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود انسان ہوتے ہیں۔ اس لیے جو صدمہ گزرتا ہے، جو غم پیش آتا ہے اُسے چپ چاپ برداشت کر کے وقت گزار دیتے ہیں۔ لیلیٰ ثانی نے بھی تین دن گزار دیے۔

ان تین دنوں میں کبھی کبھی اس کے دماغ میں سوال پیدا ہوتا تھا "آٹزک کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کیا جائے؟"

اس کی ماں نے مرنے سے پہلے کہا تھا، ہو سکے تو آٹزک کو معاف کر دینا۔ کیا وہ اپنی یہودی ماں سے محبت، خلوص اور دیانت داری کے ناتے ایک ایسے دشمن کو معاف کر سکتی تھی جس نے اس کی سگی ماں کو قتل کرایا تھا اور اس کے باپ کو لاپتا کر دیا تھا؟ پتا نہیں وہ زندہ ہو گا یا اُسے اسی وقت مار ڈالا گیا تھا؟

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ آٹزک سے بعد میں نمٹا جائے گا۔ پہلے ان پانچ آدمیوں کا سراغ لگایا جائے۔ ان پانچوں سے نمٹنے کے دوران میں وہ آٹزک کے متعلق بھی کسی نتیجے پر پہنچ جائے گی۔

اس نے قاتلوں کا سراغ لگانے کے لیے پہلے آٹزک کی ذاتی لائبریری کی تلاشی لی۔ جب بھی وہ گھر میں موجود نہیں ہوتا

تھا وہ لائبریری میں چلی جاتی تھی۔ وہاں ایسی تاریخی کتابیں تھیں جن کا تعلق سوداگری سے تھا کہ زمانۂ قدیم سے اب تک انسانوں نے کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے تجارتیں کی ہیں۔ ان کے علاوہ کاروبار سے تعلق رکھنے والی ضروری فائلیں تھیں۔ ان فائلوں میں ایسے لوگوں کے نام اور پتے تھے جن سے کاروباری لین دین ہوتا تھا۔ وہ ان ناموں اور پتوں کو بھی پڑھتی تھی اور سوچتی تھی، کیا ان میں سے کوئی اس کی ماں کا قاتل ہو سکتا ہے؟ پھر اس لائبریری میں پرانی ڈائریاں ملی ہوئی تھیں۔ وہ ان ڈائریوں کو بھی پڑھتی رہتی تھی، لیکن یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا کہ جتنے نام اور پتے سامنے آ رہے ہیں، ان میں سے کتنے نام قاتلوں کے ہیں؟

وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہ سکی۔ کہیں ایسی تفصیل نہیں تھی، جس کے ذریعے آٹزک سے ذاتی اور سازشی تعلقات رکھنے والوں کے نام مل سکتے۔ آخر اُس نے آٹزک سے ان آدمیوں کے نام اور پتے اگلوانے کی ایک پلاننگ کی۔ پھر اُس پر عمل کرتے ہوئے ایک شام گھر نہیں آئی۔ فون کے ذریعے کہا "ڈیڈی! آج میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ تھیٹر جا رہی ہوں۔ رات گیارہ بجے سے پہلے واپسی نہیں ہوگی۔ آپ میرا انتظار نہ کریں۔ کھانا کھا لیں۔"

اُس رات آٹزک کی کاروباری مصروفیت نہیں تھی۔ اس لیے وہ گھر میں رہا۔ اپنے لیے شراب کے جام بناتا رہا اور ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پیتا رہا۔ نو بجے اُس نے ملازم کو کھانا لگانے کے لیے کہا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہی اُسے احساس ہوا، کمرے میں کوئی موجود ہے۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں کوئی نظر نہیں آیا۔ دروازے سے لگے ہوئے پردے کو ایک طرف ہٹایا تو ایک دم سے گھبرا گیا۔ سامنے ایک نوجوان لڑکی پستول تانے کھڑی تھی۔

اُس نے گھبرا کر پوچھا "تم کون ہو؟"
اجنبی لڑکی نے کہا "پہلے یہ پوچھو کہ یہ ریوالور اصلی ہے یا نقلی؟"

"تت ... تم اس انداز میں میرے کمرے میں آئی ہو تو یہ اصلی ہی ہو گا؟"

"سمجھدار ہو۔ اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں لیلیٰ ثانی ہوں۔"

"کون لیلیٰ ثانی؟"

اُس نے آٹزک کو دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "کمرے کے اُدھر بستر کی طرف چلو اور یاد رکھو، اگر آواز نکالنے کی کوشش کی تو ملازموں کے آنے سے پہلے ہی گولی مار دوں گی۔"

"میں زور سے نہیں بولوں گا مگر تم چاہتی کیا ہو؟ میرے گھر میں اتنی نقدی نہیں ہوتی۔ تھوڑے سے نقد روپے اور زیورات مل جائیں گے۔"

"تم سمجھتے ہو کہ ہم مجاہدین، یہودیوں کو صرف لوٹنے آتے ہیں۔ میں مانتی ہوں، ہم میں سے کچھ اسلحہ حاصل کرنے کے لئے مفلوک الحال مسلمانوں کی مدد کے لیے ایسی حرکت بھی کرتے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف لوٹنا، توڑنا پھوڑنا اور تباہی مچانا نہیں ہے۔ ہماری جدوجہد صرف اپنے حقوق کے لیے ہے۔ ہم دنیا والوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک ہمارے حقوق نہیں ملیں گے اس وقت تک تم لوگوں کو ہم سے نجات نہیں ملے گی۔"

"لیکن اتنی رات کو مجھ سے کیا لینے آئی ہو؟ تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں اپنی ماں کے قتل کا حساب لینے آئی ہوں۔"
"کس کے قتل کا؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"یاد کرو۔ صدیقہ نام کی ایک عورت کبھی تمہارے پڑوس میں رہتی تھی۔ اس سے تمھاری بیوی کی گہری دوستی تھی۔ ایک دن تم نے صدیقہ کی بیٹی کو اس سے چھین کر اپنی بیوی کی گود میں پہنچا دیا۔"

وہ سُن رہا تھا اور تھوک نگل رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میری بیوی نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ سارہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کسی کی گود نہیں اُجاڑی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ شاید تم نہیں جانتے کہ میں صدیقہ کی دوسری بیٹی ہوں۔"

"تم سراسر جھوٹ بول رہی ہو۔ صدیقہ ایک بیٹی کو جنم دینے کے بعد مر گئی تھی۔ دوسری کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اگر صدیقہ کی ایک ہی بیٹی تھی تو وہ میں ہوں۔"

"تم پھر جھوٹ بول رہی ہو۔ اس کی بیٹی ہمارے ہاں..."

وہ کہتے کہتے ایک دم سے رک گیا۔ پریشان ہو کر اُسے دیکھتے ہوئے بولا "میرا مطلب ہے کہ ...."

وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "وہ بیٹی تمھارے ہاں سارہ کے نام سے رہتی ہے۔"

"نن .... نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا۔ میں یہ کہہ رہا تھا ...."

وہ سخت لہجے میں بولی "کیا اب بھی تم یہ سمجھ نہ سکے کہ میں حقیقت اُگلوانا جانتی ہوں۔ کتنی آسانی سے اگلوا لیا کہ وہ لڑکی تمھارے

تھیں۔ اسے ... لوں سے اُنسیت ہونے لگتی تھی۔ اس طرح آپ ... بان ہی رکھا ہے۔"

"میں نے اپنا فرض ... پنی سہیلی سے محبت کرنے کا حق ادا کیا ہے۔ اس سے دوستی بھانی ہے۔"

"میرے ڈیڈی کے متعلق کچھ ... بتایئے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ جب اُنھیں گرفتار کر کے لے گئے، ... میں وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کے بعد ہم نے تمہارے باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ پتا نہیں اُنھیں گولی مار دی گئی یا عمر قید کی سزا دی گئی۔ ویسے تمہارے باپ کی خواہش تھی کہ تمھیں لیلیٰ ثانی کے نام سے پکارا جائے۔"

"لیلیٰ ثانی۔" سارہ آزک نے زیرِ لب اس نام کو دہرایا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ یہودی بھی تھی اور مسلمان بھی۔ ایک مسلمان ماں سے اسے جنم ... یہودی ماں نے اُسے دودھ پلایا تھا اور پالا تھا۔ ... سے والی قابلِ صد احترام تھی۔ کیونکہ اُس نے ... بیانی نہیں کی تھی۔ دودھ میں پانی نہیں ملایا تھا۔ جو حقیقت تھی وہ بیان کر چکی تھی۔ اگر اُس کے بس میں ہوتا ... تو وہ اُسے سارہ آزک کی حیثیت سے نہیں، لیلیٰ ثانی کی حیثیت سے پالتی، اُسے تعلیم دلاتی لیکن وہ اپنے شوہر سے، اور اپنے ماحول سے مجبور تھی۔ جو کچھ اُس کے بس میں تھا اس نے کر دکھایا تھا۔

"ممی! مجھے اتنا بتا دیجیے، وہ پانچ ظالم کون تھے جنھوں نے بیدردی سے میری ماں کو ہلاک کیا تھا؟"

"بیٹی! جب میں تمھاری ماں کے پاس پہنچی تو وہ فرار ہو چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھارے ڈیڈی ان پانچوں کو جانتے ہیں۔ جب وہ تمھارے باپ کو گرفتار کرا سکتے ہیں، تمھاری ماں پر زیورات کی چوری کا الزام لگا سکتے ہیں تو وہ تمھاری ماں کو قتل بھی کرا سکتے ہیں۔ ہو سکے تو میرے شوہر کو معاف کر دینا۔ تم تو بہت ذہین ہو، دوستوں اور دشمنوں سے راز اُگلوانے کے ہُنر سیکھتی رہتی ہو۔ تم نے بہت ہی کمال کی تعلیم اور ہنر حاصل کیے ہیں۔ کسی طرح اپنے اس موجودہ باپ سے ان پانچوں کے نام اور پتے معلوم کر لو۔"

وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی، اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور آزک کی آواز سنائی دی۔ "یہ دروازہ اندر سے بند کیوں ہے؟ میں ڈاکٹر کو ساتھ لایا ہوں دروازہ کھولو۔"

سارہ دروازہ کھولنے کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی نہیں، اب وہ سارہ نہیں تھی۔ اس لمحے سے وہ لیلیٰ ثانی بن گئی تھی۔ اس نے جھبتی ہوئی نظروں سے دروازے کو دیکھا۔ دروازے کے اس پار کھڑا ہوا آزک اُسے نظر آ رہا تھا۔ انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی آنکھیں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ دیوار کے آر پار دشمن کو دیکھ لیتی ہیں۔ اس وقت اُس نے کمال تحمل سے کام لیا۔ اب تک جتنی ٹریننگ حاصل کر چکی تھی، اس میں یہ بات لازمی تھی کہ ہر حال میں دماغ کو پُرسکون رکھا جائے۔

اس نے دروازے کے پاس آ کر چٹخنی گرا دی۔ دروازہ کھول دیا۔ آزک ڈاکٹر کو لے کر شیبا کے بیڈ کے پاس پہنچا۔ لیلیٰ ثانی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ آزک کا وجود برداشت نہیں کر رہی تھی لیکن صبر سے کام لے رہی تھی۔

پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر چلا گیا۔ وہ بیڈ روم میں ماں کے پاس جانا چاہتی تھی۔ آزک نے کہا "بے بی! اپنی ممی کو سونے دو۔ ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن دیا ہے۔ صبح باتیں کر لینا۔"

اب لیلیٰ کو اس کے منہ سے 'بے بی' اور 'بیٹی' کا لفظ گراں گزر رہا تھا، لیکن وہ چُپ چاپ وہاں سے پلٹ کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔ وہ مقررہ وقت پر سونے اور جاگنے کی عادی تھی۔ اپنے وقت پر سو گئی۔ دوسرے دن صبح اپنی ممی کے بیڈ روم میں پہنچی تو آواز دینے کے باوجود شیبا نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس نے قریب جا کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی یہودی ماں نے بھی ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وہ تین دن تک سوگوار رہی۔ اندر سے ایسی سخت چٹان تھی کہ اُسے رونا نہیں آتا تھا۔ یہ مستقل مزاج اور قوتِ ارادی رکھنے والے انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ سخت ہوتے ہیں۔ فولاد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود انسان ہوتے ہیں۔ اس لیے جو صدمہ گزرتا ہے، جو غم پیش آتا ہے اُسے چپ چاپ برداشت کر کے وقت گزار دیتے ہیں۔ لیلیٰ ثانی نے بھی تین دن گزار دیے۔

ان تین دنوں میں کبھی کبھی اس کے دماغ میں سوال پیدا ہوتا تھا "آزک کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کیا جائے؟"

اس کی ماں نے مرنے سے پہلے کہا تھا، ہو سکے تو آزک کو معاف کر دینا۔ کیا وہ اپنی یہودی ماں سے محبت، خلوص اور دیانت داری کے ناتے ایک ایسے دشمن کو معاف کر سکتی تھی جس نے اس کی سگی ماں کو قتل کرایا تھا اور اس کے باپ کو لاپتا کر دیا تھا؟ پتا نہیں وہ زندہ ہوگا یا اُسے اسی وقت ... ڈالا گیا تھا؟

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ آزک سے بعد میں نمٹا جائے گا۔ پہلے ان پانچ آدمیوں کا سراغ لگایا جائے۔ ان پانچوں سے نمٹنے کے دوران میں وہ آزک کے متعلق بھی کسی نتیجے پر پہنچ جائے گی۔

اس نے قاتلوں کا سراغ لگانے کے لیے پہلے آزک کی ذاتی لائبریری کی تلاشی لی۔ جب بھی وہ گھر میں موجود نہیں ہوتا

تھا، وہ لائبریری میں چلی جاتی تھی۔ وہاں ایسی تاریخی کتابیں تھیں جن کا تعلق سوداگری سے تھا کہ زمانۂ قدیم سے اب تک انسانوں نے کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے تجارتیں کی ہیں۔ ان کے علاوہ کاروبار سے تعلق رکھنے والی ضروری فائلیں تھیں۔ ان فائلوں میں ایسے لوگوں کے نام اور پتے تھے جن سے کاروباری لین دین ہوتا تھا۔ وہ ان ناموں اور پتوں کو بھی پڑھتی تھی اور سوچتی تھی، کیا ان میں سے کوئی اس کی ماں کا قاتل ہو سکتا ہے؟ پھر اس لائبریری میں پرانی ڈائریاں ملی تھیں۔ وہ ان ڈائریوں کو بھی پڑھتی رہتی تھی، لیکن یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا کہ جتنے نام اور پتے سامنے آ رہے ہیں، ان میں سے کتنے نام قاتلوں کے ہیں؟

وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہ سکی۔ کہیں ایسی تفصیل نہیں تھی، جس کے ذریعے آزک سے ذاتی اور سازشی تعلقات رکھنے والوں کے نام مل سکتے۔ آخر اُس نے آزک سے ان آدمیوں کے نام اور پتے اگلوانے کی ایک پلاننگ کی۔ پھر اُس پر عمل کرتے ہوئے ایک شام گھر نہیں آئی۔ فون کے ذریعے کہا "ڈیڈی! آج میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ تھیٹر جا رہی ہوں۔ رات گیارہ بجے سے پہلے واپسی نہیں ہوگی۔ آپ میرا انتظار نہ کریں۔ کھانا کھا لیں۔"

اُس رات آزک کی کاروباری مصروفیت نہیں تھی۔ اس لیے وہ گھر میں رہا۔ اپنے لیے شراب کے جام بناتا رہا اور ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پیتا رہا۔ نو بجے اُس نے ملازم کو کھانا لگانے کے لیے کہا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہی اُسے احساس ہوا، کمرے میں کوئی موجود ہے۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں کوئی نظر نہیں آیا۔ دروازے سے لگے ہوئے پردے کو ایک طرف ہٹایا تو ایک دم سے گھبرا گیا۔ سامنے ایک نوجوان لڑکی پستول تانے کھڑی تھی۔

اُس نے گھبرا کر پوچھا "تم کون ہو؟"

اجنبی لڑکی نے کہا "پہلے یہ پوچھو کہ یہ ریوالور اصلی ہے یا نقلی؟"

"تت... تم اس انداز میں میرے کمرے میں آئی ہو تو یہ اصلی ہی ہوگا!"

"سمجھ دار ہو۔ اب میں تمھارے سوال کا جواب دیتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں لیلیٰ ثانی ہوں۔"

"کون لیلیٰ ثانی؟"

اُس نے آزک کو دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "کمرے کے اُدھر بستر کی طرف چلو اور یاد رکھو، اگر آواز نکالنے کی کوشش کی تو ملازموں کے آنے سے پہلے ہی گولی مار دوں گی۔"

"میں زور سے نہیں بولوں گا مگر تم چاہتی کیا ہو؟ میرے گھر میں اتنی نقدی نہیں ہوتی۔ تھوڑے سے نقد روپے اور زیورات مل جائیں گے۔"

"تم سمجھتے ہو کہ ہم مجاہدین، یہودیوں کو صرف لوٹنے آتے ہیں۔ میں مانتی ہوں، ہم میں سے کچھ اسلحہ حاصل کرنے کے لیئے مفلوک الحال مسلمانوں کی مدد کے لیے ایسی حرکت بھی کرتے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف لوٹنا، توڑنا پھوڑنا اور تباہی مچانا نہیں ہے۔ ہماری جدوجہد صرف اپنے حقوق کے لیے ہے۔ ہم دنیا والوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک ہمارے حقوق نہیں ملیں گے اس وقت تک تم لوگوں کو ہم سے نجات نہیں ملے گی۔"

"لیکن اتنی رات کو مجھ سے کیا لینے آئی ہو؟ تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں اپنی ماں کے قتل کا حساب لینے آئی ہوں۔"

"کس کے قتل کا؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"یاد کرو۔ صدیقہ نام کی ایک عورت کبھی تمھارے پڑوس میں رہتی تھی۔ اس سے تمھاری بیوی کی گہری دوستی تھی۔ ایک دن تم نے صدیقہ کی بیٹی کو اس سے چھین کر اپنی بیوی کی گود میں پہنچا دیا۔"

وہ سُن رہا تھا اور تھوک نگل رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میری بیوی نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ سارہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کسی کی گود نہیں اُجاڑی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ شاید تم نہیں جانتے کہ میں صدیقہ کی دوسری بیٹی ہوں۔"

"تم سراسر جھوٹ بول رہی ہو۔ صدیقہ ایک بیٹی کو جنم دینے کے بعد مر گئی تھی۔ دوسری کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اگر صدیقہ کی ایک ہی بیٹی تھی تو وہ میں ہوں۔"

"تم پھر جھوٹ بول رہی ہو۔ اس کی بیٹی ہمارے ہاں..."

وہ کہتے کہتے ایک دم سے رک گیا۔ پریشان ہو کر اُسے دیکھتے ہوئے بولا "میرا مطلب ہے کہ...."

وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "وہ بیٹی تمھارے ہاں سارہ کے نام سے رہتی ہے۔"

"نن.... نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا۔ میں یہ کہہ رہا تھا...."

وہ سخت لہجے میں بولی "کیا اب بھی تم یہ سمجھ نہ سکے کہ میں حقیقت اُگلوانا جانتی ہوں۔ کتنی آسانی سے اگلوا لیا کہ وہ لڑکی تمھارے

ہاں سارہ کے نام سے رہتی ہے۔ تم باتیں بنانے کی جو بھی کوشش کرو گے وہ بے سود ہوگی۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟"

"صدیقہ کے قتل کا حساب چاہتی ہوں۔ اُسے قتل کرنے والے پانچ افراد تھے۔ وہ کون تھے؟"

"میں بالکل نہیں جانتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔"

"میں نے اب تک ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں صنفِ نازک ہوں جب میرا ہاتھ پڑتا ہے تو آنکھوں کے سامنے آدھی رات کو بھی سورج نکل آتا ہے۔"

اس نے گڑگڑا کر کہا۔ "دیکھو لڑکی! تم میری بیٹی کے برابر ہو۔ میں سچ ..."

اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی لیلیٰ ثانی نے ایک اُلٹا ہاتھ اُس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور بستر پر اوندھے منہ گر گیا۔ وہ بھی اُچھل کر بستر پر پہنچ گئی۔ اس کے اُٹھنے سے پہلے ہی پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا اور کہا۔ "آئندہ مجھے اپنی ناپاک زبان سے بیٹی نہ کہنا ورنہ تمھیں اگلی سانس لینے کا موقع نہیں دوں گی۔"

وہ پاؤں تلے اپنی گردن بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ دباؤ اور بڑھ گیا۔ وہ دیکھنے میں حسین اور نازک اندام لگتی تھی لیکن اس کے پاؤں تلے آکر پتا چل رہا تھا کہ وہ کوئی جنگجو عورت ہے۔ پاؤں سے کچلنے کا فن جانتی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "چھینا چاہو گے تو گردن توڑ دوں گی۔ تڑپ کر نکلنا چاہو گے تو گولی مار دوں گی۔"

وہ ایک دم ساکت ہو گیا۔ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ وہ بولی "تمھاری جان چھوٹ سکتی ہے، ان پانچوں قاتلوں کے نام بتا دو۔"

وہ سوچنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد لیلیٰ نے کہا "تمھاری جان نہیں چھوٹے گی۔ اپنے ہتھکنڈے آزما کر دیکھ لو۔"

وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "بتاتا ہوں۔ میری گردن تو چھوڑ دو۔"

وہ اُسے چھوڑ کر فرش پر کود گئی۔ آئزک اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اپنی گردن سہلاتے ہوئے بولا۔ "تم بہت پُرانی بات پوچھ رہی ہو۔ تقریباً بیس برس گزر چکے ہیں۔ میری یادداشت کمزور ہے۔ پھر بھی میں دماغ پر زور دے کر بتاتا ہوں۔ اتنا تو یاد ہے کہ ان میں سے ایک مر چکا ہے۔ اس کا نام میں سوچ کر بتاتا ہوں۔"

"جب وہ مر چکا ہے تو نام بتانے کی ضرورت نہیں، صرف پتا بتاؤ۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "مرنے والے کا پتا کیا بتاؤں؟ وہ تو قبرستان میں ہوگا۔"

"کون سے قبرستان میں؟ قبر کی نشاندہی کرو۔"

وہ بتانے لگا مگر حیرانی سے لیلیٰ کو دیکھتا جا رہا تھا۔ پھر بولی۔ "جو زندہ ہیں اُن کے نام اور پتے بتاؤ۔"

وہ ان کے بھی نام اور پتے سوچ سوچ کر بتانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں بتا رہا ہوں۔ تم نوٹ کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

"میرا دماغ ایک ٹیپ ریکارڈر ہے۔ اس میں تمام باتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں۔ یاد رکھو، میں تمھیں زندہ چھوڑ رہی ہوں۔ اگر تم نے قاتلوں کی نشاندہی غلط کی ہوگی تو ..."

اُس نے بات ادھوری چھوڑ کر ریوالور کی نال کو اس کی کنپٹی سے لگایا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ کن انکھیوں سے ریوالور کو دیکھنے لگا کہ انگلی ٹریگر پر ہے یا نہیں۔ وہ ٹریگر پر ہی تھی۔ وہ ہکلا کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔

"میں تمھیں نہیں ماروں گی۔ جب کہہ دیا ہے کہ زندہ چھوڑ کر جا رہی ہوں تو پھر جا رہی ہوں لیکن اس کمرے کے دروازے سے باہر جانے تک اپنے جھوٹ اور سچ پر اچھی طرح غور کر لو کہ تم مجھے گمراہ تو نہیں کر رہے ہو؟"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ وہاں سے جانے لگی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اُسے کھولنے سے پہلے گھوم کر دیکھا۔ پھر ایک ہاتھ بڑھا کر دروازے کو کھولتے ہوئے بولی۔ "میں جا رہی ہوں۔ تم بعد میں پچھتاؤ گے تو نہیں؟"

وہ گم صم اُس کا منہ تکتا رہا۔ لیلیٰ باہر آئی۔ پھر اُس نے دروازے کو بند کرتے ہوئے باہر سے چٹخنی لگا دی۔ اُس کے بعد وہاں سے چلی گئی۔ کمرے کے اندر وہ گم صم بیٹھا ہوا بند دروازے کو تک رہا تھا۔ اُٹھ کر وہاں تک جانے کی ہمت نہیں تھی۔ سوچ رہا تھا، پتا نہیں وہ گئی ہے یا چھپ کر اُسے کہیں سے دیکھ رہی ہے کہ اگر وہ شور مچائے تو وہ وہیں سے گولی چلا دے۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ سونا چاہتا تھا مگر سو نہیں سکتا تھا۔ اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اپنی بیٹی سارہ کی آواز سُنائی دی۔ اس نے فوراً دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! دروازہ تو باہر سے بند ہے کھول لو۔"

سارہ کی حیرت بھری آواز سُنائی دی "ارے ہاں، یہ تو باہر سے بند ہے۔ میں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

دروازہ کُھل گیا۔ وہ اندر آتے ہوئے بولی "یہ کیا بات ہوئی؟ آپ اندر ہیں اور دروازہ باہر سے بند ہے؟"

اُس نے کھلے ہوئے دروازے سے باہر ذرا دور تک دیکھا پھر پوچھا۔ "سارہ! تمھیں ہماری کوٹھی کے اندر یا باہر کوئی لڑکی نظر آئی تھی؟"

"بھلا کون لڑکی نظر آئے گی؟"

"وہ کوئی مسلمان لڑکی تھی۔ ہماری حکومت کی باغی۔ ریوالور لے کر آئی تھی۔ میں اس کے سامنے بے بس ہو گیا۔"

"وہ یہاں کیا لینے آئی تھی؟"

"میں سمجھا تھا، کچھ رقم لینے آئی ہوگی لیکن وہ اُلٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔"

"یعنی کیسی باتیں؟"

"وہ بیس برس پہلے کی بات پوچھ رہی تھی۔ ہمارے پڑوس میں ایک مسلمان میاں بیوی رہتے تھے۔ اس مسلمان عورت کو چند لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ جانے اُسے کس نے میرا نام بتایا ہے کہ میں ان قاتلوں کو پہچانتا ہوں۔ بس وہ میرے پیچھے پڑ گئی۔ دھمکی دے رہی تھی کہ میں نے ان کے نام اور پتے نہ بتائے تو مجھے گولی مار دے گی۔"

"قاتلوں کی ایسی کی تیسی۔ آپ نے اُن کے نام تو بتا دیے ہیں نا؟"

"اس سے کسی طرح نجات حاصل کرنا ہی تھی۔ اس لیے اپنے چار دُشمنوں کے پتے اُسے بتا دیے ہیں۔"

"چار دُشمنوں کے؟"

"ہاں، میرے منہ سے نکل گیا تھا کہ ایک دُشمن مر چکا ہے۔ واقعی اس کی ماں کا ایک قاتل مر چکا ہے۔ بعد میں مجھے عقل آئی کہ موقع اچھا ہے۔ ایک تیر سے دو شکار کھیلنے چاہئیں۔ میں نے اُسے اپنے چار دُشمنوں کے نام اور پتے بتا دیے۔ ایک تو وہ بلا مجھ پر سے ٹل گئی، دوسرے وہ میرے دُشمنوں کے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"آپ نے دوہری چال چلی۔ بہت اچھا کیا، لیکن ایک بات بھول گئے۔"

"وہ کیا؟"

"جس نے اس لڑکی کو یہ بتایا ہے کہ ان پانچ قاتلوں کے نام اور پتے آپ جانتے ہیں، وہ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ آپ نے اُس کی غلط سمت میں رہنمائی کی ہے۔ اگر ایسا ہوا تب آپ کیا کریں گے؟"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ پھر کسی وقت میری جان کی دُشمن بن کر آجائے گی۔"

"اوہ ڈیڈی! آپ ایسے پریشان ہیں جیسے میں صرف بیٹی ہوں۔ کیا آپ بھول گئے کہ میں نے ایک بیٹے کی طرح جوڈو کراٹے کا فن سیکھا ہے۔ میں اپنے ملک کی سیکرٹ سروس میں نمایاں مقام رکھتی ہوں۔ مجھے سیکرٹ مشن کے لیے بہت جلد منتخب کیا جائے گا اور آپ ہیں کہ ایک معمولی سی لڑکی سے خوف کھا رہے ہیں۔"

"ہاں بیٹا! صرف تم ہی میری حفاظت کر سکتی ہو، کسی طرح اس لڑکی کا پتا چلاؤ۔"

"پہلے تو آپ اس کا حُلیہ بیان کریں۔ پھر مجھے ان پانچوں قاتلوں کے نام بتائیں؟"

"تم ان کے نام معلوم کر کے کیا کرو گی؟"

"ڈیڈی! میں آپ کی حفاظت کروں گی۔ ان پانچوں میں ایک تو مر چکا ہے۔ اگر وہ چاروں آج بھی آپ کے لیے اہمیت رکھتے ہیں تو مجھے اُن کی بھی حفاظت کرنا چاہیے۔ ورنہ کسی طرح وہ ان کی شہ رگ تک پہنچ جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں اُن کے نام اور پتے بتاتا ہوں۔ تم چپ چاپ اُن کی نگرانی کرتی رہو یا کسی کو اُن کی نگرانی پر مامور کر دو۔"

وہ باقی چار قاتلوں کے نام اور پتے بتانے لگا۔ لیلیٰ ثانی اپنی مسکراہٹ چھپائے سُنتی رہی۔ ان قاتلوں کے ناموں کو اپنی یادداشت میں محفوظ کرتی رہی۔

دوسرے دن گیارہ بجے وہ اپنی دُکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ پولیس والے پہنچ گئے۔ اس نے حیرانی سے اُنھیں دیکھا۔ پھر پوچھا "فرمائیے، کیا حکم ہے؟"

"کل رات کسی نے ایک قبر کھود کر ایک مُردے کو نکالا ہے اور اُسی قبر کے سرہانے اُلٹا لٹکا دیا ہے۔ مُردے کے جسم میں اب گوشت پوست نہیں رہا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ اس ڈھانچے کے سینے پر یہ پرچی لگی ہوئی تھی۔"

اس نے پرچی کو دیکھا۔ وہ انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔ اس پر آئزک کا نام اور اس کی دُکان کا پتا درج تھا۔ تحریر یہ تھی:۔

"یہ مُردہ کبھی زندہ تھا۔ آئزک ڈیوڈ اس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آئزک کے پانچ آدمیوں نے میری ماں صدیقہ کو بیس برس پہلے قتل کیا تھا۔ اُن میں سے ایک کو میں نے مرنے کے بعد بھی نہیں چھوڑا۔ قبر سے نکال کر دُنیا والوں کے سامنے اُلٹا لٹکا دیا ہے۔ بہت جلد باقی چار بھی اُلٹے لٹکنے والے ہیں۔"

تحریر کے نیچے لیلیٰ ثانی کا نام لکھا ہوا تھا۔ پولیس افسر نے آئزک سے پوچھا۔ "یہ لیلیٰ ثانی کون ہے؟"

آئزک اُنھیں پچھلی رات کا واقعہ سنانے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "میری بیٹی اس کی گواہ ہے۔ اس کی گواہی معتبر ہے، کیونکہ وہ حکومت کے ایک اہم شعبے سے تعلق رکھتی ہے۔"

لیلیٰ ثانی سیکرٹ سروس کے ٹریننگ سینٹر کی ذہین طالبہ

تھی۔ اگرچہ ابھی وہ سیکرٹ سروس کے ادارے میں عملی طور پر نہیں آئی تھی، تاہم جس شعبے میں بھی تھی، وہاں اُس کا رُعب اور دبدبہ تھا۔ پولیس والے اُسے اپنے دفتر میں طلب نہیں کر سکتے تھے۔ اُنھیں اُس کے پاس جا کر سوالات کرنے پڑے۔ لیلیٰ ثانی نے سارہ کی حیثیت سے آئزک کی تائید کی اور کہا۔ ”میں لیلیٰ ثانی کی تلاش میں ہوں۔ آپ لوگوں نے میرے ڈیڈی سے اس کا حلیہ معلوم کیا ہوگا۔ بہت جلد میں اس کا نام اور ٹھکانہ ہی معلوم نہیں کروں گی بلکہ اُسے ٹھکانے بھی لگا دوں گی۔“

اُسی شام لیلیٰ نے ایک ٹیلی فون بوتھ میں پہنچ کر اپنی ماں کے ایک قاتل سے رابطہ قائم کیا۔ اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”شاید تم میرا نام سُن کر چونک پڑو یا اتنے دہشت زدہ ہو جاؤ کہ تمھارے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ جائے۔ کیا تم نے وہ لاش دیکھی ہے جو اپنی قبر سے نکل کر اُلٹی لٹکی ہوئی تھی؟“

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ ”کون ہو تم؟“

”میں وہی ہوں جس نے قبر سے لاش نکالی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اُسے دنیا والوں کے سامنے اُلٹا لٹکا دیا اور تم ابھی زندہ ہو۔ میری ماں کے دوسرے قاتل۔“

”یہ ... یہ جھوٹ ہے۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ کسی نے تمھیں میرے خلاف بہکایا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں تم کون ہو۔ پولیس والے تمھارا نام لے رہے ہیں اور جگہ جگہ تمھیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“

”وہ سب کے سب تلاش کرتے کرتے اپنی قبروں میں پہنچ جائیں گے۔ تم صرف اپنی فکر کرو۔ میں تم لوگوں تک پہنچنے کے لیے پہلے آئزک کے پاس گئی تھی۔ اس نے مجھے ایسے چار آدمیوں کے نام اور پتے بتائے جو اُس کے بیان کے مطابق میری ماں کے قاتل تھے لیکن وہ تمام نام اور پتے غلط تھے۔ شاید میں دھوکا کھا جاتی۔ لیکن تمھارا دوست خود دھوکا کھا گیا۔ اُس نے ایک قاتل کا نام اور پتا صحیح بتایا۔ میں اس پتے پر پہنچ گئی۔ وہ مر چکا تھا لیکن اُس کی زندگی میں جو سامان اس سے وابستہ رہا تھا، وہ تو موجود تھا۔ میں نے اس کے گھر کی تلاشی لی تو ایک چھوٹی سی ڈائری ہاتھ لگ گئی۔ اس میں باقی چار قاتلوں کے نام اور پتے درج تھے۔ ان سے دوستانہ مراسم کی بہت سی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ بہرحال ان پانچوں قاتلوں میں سے ایک مر چکا ہے۔ دوسرے تم ہو۔ میں تم میں سے کسی قاتل کا نام نہیں لوں گی، کیونکہ نام اُن کے لیے جاتے ہیں جن سے نہ محبت ہو نہ نفرت۔ مجھے تم لوگوں سے شدید نفرت ہے۔ میں تمھارے نام مٹانا چاہتی ہوں اس لیے نام زبان پر نہیں لانا چاہتی۔“

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ لیلیٰ نے ایک بار پھر نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی تھوڑی دیر بعد ریسیور اٹھایا گیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ ”تم نے ریسیور رکھ دیا مگر آخری بات نہیں سنی۔ آج پانچ تاریخ ہے۔ تمھاری زندگی میں چھ تاریخ نہیں آئے گی۔“

یہ کہتے ہی اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ ٹیلیفون بوتھ سے باہر آ گئی۔ جب وہ گھر پہنچی تو آئزک بہت پریشان تھا۔ اُسے دیکھتے ہی بولا۔ ”بے بی! تم ٹھیک کہتی تھیں۔ وہ دُشمن لڑکی میرے ساتھیوں تک پہنچ گئی ہے۔“

لیلیٰ نے انجان بن کر پوچھا۔ ”کون دُشمن لڑکی؟“

”ارے وہی لیلیٰ ثانی۔ ابھی میرے دوست ہارشے کا فون آیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ لیلیٰ کو اُس مُردے کے گھر سے ایک ڈائری مل گئی ہے جس میں ان چاروں کے نام اور پتے درج ہیں جنھیں میں نے لیلیٰ سے چھپائے رکھنے کی کوشش کی تھی۔“

”میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں آپ کے اس دوست کی حفاظت کروں گی۔ ویسے وہ اپنی حفاظت کے لیے کیا کر رہا ہے؟“

”اس نے پولیس والوں سے درخواست کی ہے کہ کل صبح تک اُس کی حفاظت کی جائے۔ اس سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے، وہ ادا کرے گا۔“

لیلیٰ نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے، پھر رابطہ قائم ہونے پر بولی۔ ”میں سارہ آئزک بول رہی ہوں۔ سُنا ہے پولیس والے آپ کی حفاظت کرنے آ رہے ہیں؟“

”ہاں بے بی! وہ یہاں پہنچ چکے ہیں۔“

”کتنے پولیس والے ہیں؟“

”ایک لیڈی انسپکٹر اور دو سپاہی ہیں۔ میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں نے ذاتی طور پر اپنے ایک شناسا پولیس انسپکٹر سے ابھی رابطہ قائم کیا تھا اور اُسے اپنے ہاں رات گزارنے کے لیے کہا تھا۔ وہ راضی ہو گیا ہے۔ اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ یہاں پہنچنے ہی والا ہے۔“

”پھر تو اچھی بات ہے۔ اب آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیے۔“

”نہیں بیٹی، تم میں جو صلاحیت اور ذہانت ہے وہ دوسروں میں نہیں ہو سکتی۔ ہم تم پر فخر کرتے ہیں۔ میں ابھی آئزک کو یہ کہنے ہی والا تھا کہ تمھیں میرے پاس بھیج دے۔ کیا تم اپنے انکل کی حفاظت کے لیے نہیں آؤ گی؟“

”آپ بُلا رہے ہیں، میں انکار کیسے کر سکتی ہوں۔ ابھی آ رہی ہوں۔“

”رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گی۔“

”اچھی بات ہے۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ قاتل نمبر دو کی رہائش گاہ پر پہنچی تو اس کا دوست انسپکٹر اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ لیڈی انسپکٹر ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ ”جب دوسروں کو بلانا ہی تھا تو مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟“

قاتل نمبر دو نے کہا۔ ”آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ کی موجودگی بھی میرے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ آپ سب میرے لیے اہم ہیں۔ وہ دیکھو، میری بیٹی سارہ بھی آ گئی۔“

سارہ کو دیکھتے ہی انسپکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ”بھئی کمال ہے۔ آپ نے صرف پولیس والوں کو نہیں، سیکرٹ سروس والوں کو بھی جمع کر لیا ہے۔ آخر لیلیٰ ثانی سے اس قدر دہشت زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا صرف اس لیے کہ اس نے قبر سے ایک مُردے کو نکال کر اُلٹا لٹکا دیا ہے؟“

لیڈی انسپکٹر نے کہا۔ ”یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ کوئی بھی چوری چھپے قبر کھود کر مُردوں کو نکال سکتا ہے۔“

لیلیٰ ثانی نے کہا۔ ”ایسے کہتے ہیں، گڑے مُردے اکھاڑنا، وہ بیس برس پہلے کے ایک واقعہ کا حوالہ دے رہی ہے۔ اپنی ماں کے قاتلوں سے انتقام لے رہی ہے۔ اس نے میرے انکل پر نفسیاتی اثر ڈالا ہے کہ وہ صرف قبر سے مُردے نہیں نکالتی بلکہ زندوں کو بھی قبر میں پہنچا سکتی ہے۔“

انسپکٹر نے کہا۔ ”اوّل تو وہ یہاں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اگر کر بھی لی تو زندہ واپس نہیں جائے گی۔“

قاتل نمبر دو نے کہا۔ ”مجھے اپنی بیٹی سارہ اور آپ لوگوں کی موجودگی سے بھی یقین ہو گیا ہے کہ اُس کا چیلنج پورا نہیں ہوگا۔“

اس نے ملازم کو بلا کر میز پر کھانا لگانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ ایک طرف قاتل بیٹھا ہوا تھا جو کسی لمحے پر مقتول کہلانے والا تھا۔ دوسری طرف پولیس انسپکٹر تھا۔ اُن کے درمیان میں لیلیٰ ثانی اور لیڈی انسپکٹر تھی۔ اس ترتیب کے ساتھ کہ قاتل نمبر دو کے بائیں طرف لیلیٰ ثانی اور دائیں طرف لیڈی انسپکٹر تھی۔ پولیس انسپکٹر کے زاویے سے دیکھا جاتا تو اس کے بائیں طرف لیڈی انسپکٹر تھی اور دائیں طرف لیلیٰ ثانی۔ کھانے کے دوران وہ زندہ دلی سے گفتگو کر رہے تھے تاکہ قاتل نمبر دو کے دل سے گھبراہٹ دور ہو اور وہ اپنے دل اور دماغ سے لیلیٰ ثانی کا نام کسی حد تک بھول جائے۔

میز کے نیچے ان چاروں کے پاؤں ایک دوسرے کے قریب تھے۔ اگر کوئی اپنا پاؤں بے تکے انداز میں آگے بڑھاتا تو دوسرے کے پاؤں سے ٹکرا جاتا۔ لیلیٰ کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک ڈش اٹھانے کے لیے میز پر جھک گئی۔ لیڈی انسپکٹر نے کہا۔ ”میں دیتی ہوں۔ یہ لیجیے۔“

اس نے ڈش اٹھا کر دی، لیکن لیلیٰ کا مقصد کچھ اور تھا۔ اُٹھنے کے دوران میں اُس نے اپنے جوتے کی ایڑی کو مخصوص انداز میں فرش پر دبایا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی جوتے کے اگلے حصے میں تلے کے نیچے ایک باریک سی سوئی اُبھر آئی، گھڑی کی سوئیاں اپنے وقت کے مطابق فاصلے طے کرتی ہیں۔ وہ سوئی بھی اپنے وقت کا انتظار کرنے لگی۔

کھانے کے دوران وہ وقت آ ہی گیا جب لیڈی انسپکٹر نے اپنی پسند کی ایک ڈش اٹھانے کے لیے میز پر جھکنے کی ضرورت محسوس کی۔ جیسے ہی وہ اُٹھ کر ڈش کی طرف جھکنے لگی، لیلیٰ ثانی نے کہا۔ ”آپ تکلیف نہ کریں۔ میں دے رہی ہوں۔“

اُس کے ساتھ ہی اُس نے چور نظروں سے دیکھا۔ قاتل نمبر دو کا دایاں پاؤں لیڈی انسپکٹر کے قریب تھا۔ وہ چپل پہنے ہوئے تھا۔ لیلیٰ نے دونوں ہاتھوں سے ڈش اٹھا کر لیڈی انسپکٹر کی طرف بڑھائی اور نیچے اپنا پاؤں بڑھا کر وہ سوئی دُشمن کے دائیں پاؤں میں چبھو دی۔

وہ لقمہ نگل رہا تھا۔ اچانک اُسے ٹھسکا لگا۔ وہ کھانستے کھانستے میز پر جھکنے لگا۔ ایک طرف سے لیڈی انسپکٹر اور دوسری طرف سے لیلیٰ نے اُسے تھام کر پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

وہ بیٹھ گیا۔ اپنے سینے کو سہلاتے ہوئے اشارے سے پانی مانگنے لگا۔ لیلیٰ نے اسے دو گھونٹ پانی پلایا۔ پھر وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ آپ نروس تو نہیں ہیں؟“

اُس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہوں۔ آپ لوگ کھاتے رہیں۔“

تقریباً سب ہی کھا چکے تھے اور سوئٹ ڈش پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ قاتل نمبر دو نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میری طبیعت کچھ بگڑتی جا رہی ہے۔ آپ لوگ مائنڈ نہ کریں تو میں بیڈ روم میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔“

لیلیٰ نے کہا۔ ”انکل! چلیے میں آپ کو پہنچا دوں۔“

لیڈی انسپکٹر نے بھی اُسے دوسری طرف سے سہارا دیا۔ وہ دونوں کے سہارے وہاں سے اُٹھ کر بیڈ روم میں آیا اور اپنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پولیس انسپکٹر نے آ کر کہا۔ ”مس سارہ! میں نے دو سپاہیوں کو کھانے کی میز کے پاس موجود رہنے کے لیے کہا ہے۔ وہاں جو کھانے رکھے ہوئے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی ڈش ملازم اٹھا کر نہیں لے جائے گا۔ تمام کھانے موجود رہیں گے۔ مجھے شبہ ہے، کسی ڈش کی وجہ سے ان کے اعصاب پر بُرا اثر پڑا ہے۔“

لیلیٰ نے کہا۔ ”میں ایسا نہیں سمجھتی۔ وہاں جتنی بھی ڈشیں رکھی

ہوئی تھیں، اُنھیں ہم سب نے باری باری چکھا ہے بلکہ اچھی طرح حلق سے اُتارا بھی ہے۔ پھر ان ڈشوں پر شبہ کرنے کے کیا معنی؟"

لیڈی انسپکٹر نے کہا "مس سارہ! یقیناً آپ ذہین ہیں۔ حاضر دماغ ہیں۔ آپ کے دلائل مستحکم ہوتے ہیں۔ پھر بھی ہم اپنے طور پر ان کھانوں کو ضرور چیک کریں گے۔"

انسپکٹر نے قاتل نمبر دو کے قریب آ کر پوچھا "مسٹر! آپ ہمیں بتائیں۔ جس وقت آپ نے گھبراہٹ محسوس کی اور آپ کی طبیعت بگڑنے لگی، اس وقت آپ نے کون سی ڈش چکھی تھی؟"

انسپکٹر جواب سننے کے لیے اُس کا منہ تکنے لگا، لیکن جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ چپ چاپ ایک طرف دیکھ رہا تھا۔ تب اسے شبہ گزرا۔ انسپکٹر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ پھر نبض ٹٹولی۔ نبض چل رہی تھی پھر اُس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دل کی دھڑکن بھی جاری تھی مگر بہت کمزور تھی۔ اُس نے پریشان ہو کر لیڈی انسپکٹر سے کہا "ان کی حالت مایوس کُن ہو رہی ہے۔ آپ فوراً ڈاکٹر کو رِنگ کریں۔"

لیڈی انسپکٹر نے ناگواری سے کہا "میں تم سے عہدے میں کسی طرح کمتر نہیں ہوں۔ تم مجھے حکم نہیں دے سکتے۔"

"سوری، میں خود کسی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بیڈ روم کے باہر چلا گیا۔ لیڈی انسپکٹر نے قاتل نمبر دو کے شانے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا "مسٹر! میری طرف دیکھیں۔ میری بات کا جواب دیں۔"

وہ ایک ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ لیلیٰ نے بھی تشویش کا اظہار کیا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "انکل! پلیز کچھ تو بولیں۔ آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

وہ دوبارہ اس کی نبض کو ٹٹولنے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کرنے لگی۔ پھر اُس نے کہا "آپ خاموش ہیں۔ پریشان بھی نظر نہیں آ رہے ہیں۔ پُرسکون ہیں لیکن آپ کی نبض اور دل کی دھڑکن ذرا سُست ہے۔ کچھ تو بولیں۔ کیا آپ زبان بھی نہیں ہلا سکتے؟"

وہ پھر بھی چپ رہا۔ ایک طرف دیکھتا رہا۔ لیلیٰ نے کہا "ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کو فوراً یہاں آنا چاہیے۔"

لیڈی انسپکٹر نے کہا "میں دیکھتی ہوں کہ انسپکٹر نے کس ڈاکٹر کو بلایا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی باہر گئی۔ اُس کے جاتے ہی لیلیٰ نے اپنے جوتے کی ایڑی پر ذرا سا دباؤ ڈالا۔ سوئی پھر باہر نکل آئی۔ اس نے جلدی سے جوتے کو اُتارا۔ پھر وہ سوئی قاتل نمبر دو کی گردن میں چبھو دی۔ اُس کے بعد جوتا پہن لیا۔ اب وہ ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ لیلیٰ نے کہا "میں تمھیں انکل نہیں کہنا چاہتی۔ تمھارے منہ پر تھوکنا چاہتی ہوں کیونکہ تم میری ماں کے قاتل ہو۔ اب بھی نہیں سمجھے تو سنو، میں ہوں لیلیٰ ثانی۔"

قاتل نمبر دو کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا لیکن وہ جُنبش نہیں کر رہا تھا۔ پتا نہیں اس سوئی میں کس قسم کا زہریلا مادہ تھا، جو اس کے جسم میں پہنچ کر اسے بالکل بے جان بنائے دے رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں لمحہ بہ لمحہ ڈوبتی جا رہی تھیں۔ لیلیٰ نے محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا پھر دشمن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پچکارتے ہوئے کہا "تم مجبور ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمھاری دشمن تمھارے سامنے تمھارے قریب موجود ہے، تم اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکتے۔ تم نے اپنی احتیاطی تدابیر آزمائیں۔ میں جانتی ہوں، تم سُن رہے ہو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو مگر جو دیکھ رہے ہو، جو سن رہے ہو اسے زبان سے ادا نہیں کر سکتے۔ کچھ بولنا چاہتے ہو؟"

وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ لیلیٰ نے کہا "اگر تم احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرتے تو میں تمھیں اس عذاب میں مبتلا نہ کرتی۔ بڑی آسانی سے تمھیں قتل کرنے کے بعد یہاں سے چلی جاتی۔ تم نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے یہ راستہ اختیار کیا۔ میں صبح تک یہاں رہوں گی۔ تم سے ہمدردی کرتی رہوں گی لیکن تم صبح نہیں دیکھ سکو گے۔ میں کہہ چکی تھی آج پانچ تاریخ ہے، تم چھ تاریخ کا سورج نہیں دیکھ سکو گے۔"

یہ کہہ کر وہ بیڈ روم سے باہر جانے لگی۔ اسی وقت لیڈی انسپکٹر اور انسپکٹر دونوں ہی آ گئے۔ لیلیٰ نے پوچھا "کیا ڈاکٹر آ رہا ہے؟"

"ہاں، آنے ہی والا ہے۔"

ڈاکٹر آ گیا۔ صرف وہی ایک ڈاکٹر نہیں بلکہ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ڈاکٹر آئے۔ اس کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ کچھ بول ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ڈوبتی ہوئی نبض بتا رہی تھی کہ وہ اس دُنیا سے رخصت ہونے ہی والا ہے۔ ابھی وہ زندہ تھا۔ کئی ڈاکٹروں کو بلا کر اس کا معائنہ کرایا جا رہا تھا۔ وہ اُسے بچانے اور خصوصاً اس کی زبان سے کچھ کہلوانے کی حتی الامکان کوشش کر رہے تھے۔ لیکن کوششیں ناکام ہوئیں اور صبح ہونے سے پہلے وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

قصہ مختصر دُوسرے دن گیارہ بجے اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے پاؤں اور گردن میں سوئی کا نشان پایا گیا۔ پتا چلا ایک زہریلا مادہ اس کے جسم میں ان ہی راستوں سے داخل ہو گیا تھا۔ اس زہریلے مادّے کی خاصیت یہی تھی کہ پہلے وہ مرنے والے کو کئی گھنٹے سکتے کے عالم میں رکھتا تھا، پھر اسے ختم کر ڈالتا تھا۔

وہ سُوئی اس کے جسم میں دو جگہ کس نے پیوست کی؟ اس کا ثبوت نہ مِل سکا۔ اس وقت تک لیلیٰ ثانی نے اپنے جوتے تبدیل کر دیے تھے۔ یوں بھی کوئی اُس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیڈی انسپکٹر بھی اور دُوسرے پولیس انسپکٹر وغیرہ بھی پُورا اعتماد تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو گیا تھا۔ بہرحال جیسے بھی ہُوا ہو گیا تھا۔ ایک لاش کو قبر سے نکال کر الٹا لٹکانے کے بعد ایک اور شخص کو پُراسرار طریقے سے ہلاک کر دینے کے بعد لیلیٰ ثانی کے نام کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

❂

قاتل نمبر تین زندہ درگور ہو رہا تھا۔ لیلیٰ نے پہلے ہی اسے فون پر اطلاع دے دی تھی "اب تمھاری باری ہے۔"

لیلیٰ کی اپنی ایک سوچ تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ دشمن اب چار پانچ کی حد تک نہیں رہیں گے۔ ان سے انتقام لینے کے دوران مزید دشمن پیدا ہوتے رہیں گے۔ کچھ تو ان دشمنوں کے رشتے دار ہوں گے، کچھ یہودی تنظیمیں ہوں گی جو اپنے یہودی بھائیوں کو کھلے چیلنج کے بعد مرتے دیکھ کر انتقاماً ایک نادیدہ لیلیٰ ثانی کے پیچھے پڑ جائیں گی۔ اس کے علاوہ مملکت اسرائیل کے تمام قانونی ادارے اس کے گرد ایسا گھیرا تنگ کرتے رہیں گے کہ راہِ فرار ممکن نظر نہیں آئے گی۔

ان اندیشوں کے پیشِ نظر لیلیٰ ثانی نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ایک چھوٹی سی مختصر سی ٹیم بنائے گی تاکہ اپنے ساتھیوں کے دشمنوں تک پہنچنے میں آسانی رہے۔ اس کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اپنے دو کارناموں کے باعث دشمنوں میں مشہور ہو گئی تھی اور دوستوں میں شہرت پا چکی تھی۔ مسلمان فلسطینی مجاہدین اُسے تلاش کر رہے تھے، اس کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔ لیلیٰ ثانی بھی خوب سمجھتی تھی کہ ان حالات میں فلسطینی مجاہدین ہی اس کے کام آ سکتے ہیں۔

اُس نے چوری چھپے ان فلسطینی مجاہدین سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا جو خود اس کی تلاش میں تھے۔ اس انداز میں کہ وہ مجاہدین بھی اس کا اصلی رُوپ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کبھی وہ ٹیلی فون کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرتی تھی۔ کبھی میک اپ میں رہ کر ان سے برابر ملاقات کرتی تھی۔ ایک ہفتے کے اندر مجاہدین میں سے دو نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ لیلیٰ ثانی کی جگہ کام کریں گے اور دشمنوں سے انتقام لیں گے۔ اس نے کہا "ابھی نہیں۔ میں نے تم لوگوں سے محض اس لیے رابطہ قائم کیا ہے اور دوستی کی ہے کہ کبھی بہت زیادہ دشواری محسوس ہو، مجھے کہیں سے آگے بڑھنے کا راستہ نہ ملے یا کوئی مسئلہ مجھ سے تنہا حل نہ ہو سکے اور آپ لوگوں میں سے کسی کی ضرورت پیش آئے تو میں آپ سے تعاون کی درخواست کروں گی۔ مگر وہ وقت نہیں آیا ہے۔"

مجاہدین سے دوستی کرنے کے بعد لیلیٰ ثانی نے قاتل نمبر چار سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ وہ پہلے ہی سہما ہوا تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ تین نمبر کے بعد اس کا نمبر آئے گا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تو وہ نمبر تین زندہ ہے، ابھی میری باری تو نہیں ہے؟"

"اس تیسرے کے آس پاس اسی طرح سخت پہرہ لگا رہا تو پہلے تمھارا کام تمام کروں گی۔"

"اس کی طرح میں بھی اپنے گرد سخت پہرہ لگا سکتا ہوں لیکن میں نادان نہیں ہوں۔ کوئی کب تک کسی کی حفاظت کر سکتا ہے۔ میں کب تک رقم خرچ کرتا رہوں گا اور سپاہیوں کو اپنی حفاظت کے لیے ڈیوٹی پر لگائے رکھوں گا؟ ایسا ساری زندگی ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا تم سے سودا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں اپنی ماں کے قاتل سے سودا نہیں کر سکتی۔"

"میں تمھاری ماں کو واپس نہیں لا سکتا۔ جو غلطی میں نے کی ہے اس پر پچھتا رہا ہوں، اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ تم جتنی رقم چاہو مجھ سے لے سکتی ہو۔ میں زندہ رہنے کے لیے تمھاری ہر شرط منظور کر سکتا ہوں۔"

"کیا واقعی میری ہر شرط پوری کر سکتے ہو؟"

"ضرور۔ مجھے ایک بار آزما دیکھو لیکن اپنی زبان پر قائم رہنا۔ تم جو کہو گی وہی کروں گا، اس کے بعد تم مجھ سے دشمنی نہیں کرو گی۔"

"میں تم سے دشمنی نہیں کروں گی۔ شرط یہ ہے کہ تم قاتل نمبر تین کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دو۔"

"مم۔۔۔ میں کیسے ہلاک کر سکتا ہوں؟ اس کے آس پاس سخت پہرہ لگا رہتا ہے۔"

"پہرہ دشمن کی وجہ سے ہے اور تم اس کے دوست ہو۔ تمھیں اس کے قریب آنے جانے سے کوئی نہیں روکے گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، میں اُسے کیسے ہلاک کر سکتا ہوں؟"

"زندہ رہنا چاہتے ہو تو اسے ہلاک کرنے کا کوئی منصوبہ بناؤ۔ میں تمھیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتی ہوں۔ اس مہلت کے بعد وہ زندہ رہا تو تم۔۔۔۔"

اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ دوسری طرف سے نمبر چار نے کہا "تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو نا؟"

"نہیں، میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس مہلت کے بعد اگر وہ زندہ رہا تو تم بھی زندہ رہو گے۔ جانتے ہو کیوں؟"

"کیوں؟"

"تاکہ زندہ رہ کر اپنی بیوی اور پیارے پیارے بچوں کو میرے ہاتھوں ہلاک ہوتے دیکھتے رہو۔"

وہ دوسری طرف سے فون پر چیخ کر بولا "نہیں نہیں!

یہ نہیں ہو سکتا۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں۔"

"میں چوبیس گھنٹے بعد ثابت کر دوں گی کہ میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ تم اس پہلو پر غور کرتے رہو کہ اپنے محبوب رشتوں کے اطراف کتنے دنوں تک پہرہ لگاتے رکھو گے۔ تمھاری بیوی ایک سرکاری ملازم ہے، وہ گھر میں بیٹھی نہیں رہ سکتی۔ تمھارے بچوں کے امتحانات سر پر ہیں۔ وہ کالج اور اسکول ضرور جایا کریں گے۔ اُن کے ساتھ ساتھ کتنے سپاہی کتنے ہتھیار رہیں گے؟ اور کب تک رہیں گے؟"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ چوبیس گھنٹے سے پہلے ہی لیلیٰ ثانی کو سارہ آئزک کی حیثیت سے سرکاری رپورٹ ملی۔ رپورٹ یہ تھی۔

قاتل نمبر چار اپنے دوست قاتل نمبر تین سے ملنے اُس کی رہائش گاہ میں آیا تھا۔ پہرے داروں نے پہلے تو اُسے روکا، پھر شناخت ہونے کے بعد اس سے سوال کیا: "یہ ریوالور اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟"

"لیلیٰ ثانی میری جان کی بھی دشمن ہے۔ تین نمبر کے بعد میری باری آئے گی۔ اس لیے اپنی حفاظت کے لیے اسے ساتھ رکھتا ہوں۔"

اُس کے دوست قاتل نمبر تین نے اس کی تائید کی۔ پہرے داروں سے کہا: "اسے ریوالور کے ساتھ آنے دو۔ یہ میرا دوست ہے دشمن نہیں ہے۔"

اسے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہاں ایک پولیس انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "میں اپنے دوست سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

جب اس کے دوست نے اعتراض نہیں کیا تو انسپکٹر باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر ریوالور نکالتے ہوئے بلند آواز سے کہا: "میری آواز اس کمرے کے باہر پہنچ رہی ہے۔ میں پولیس آفیسر اور سپاہیوں سے کہتا ہوں کہ وہ میری باتیں سنیں لیکن دروازہ توڑ کر اندر آنے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے پہلے ہی میں اپنے دوست کو گولی مار دوں گا۔"

اس کے دوست نے کہا: "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا دماغ چل گیا ہے؟"

"میں ہوش میں ہوں۔ تم نے سپاہیوں سے غلط کہا تھا کہ میں دوست ہوں دشمن نہیں۔ اب یہ ریوالور ثابت کر رہا ہے کہ میں دشمن ہوں دوست نہیں۔"

باہر سے دروازہ پیٹنے کی آواز کے ساتھ ہی پولیس آفیسر کی آواز سنائی دی: "مسٹر! دروازہ کھولو ورنہ تمھارے حق میں بہت بُرا ہو گا۔"

"اگر میں نے دروازہ کھول دیا تو اس سے بھی بُرا ہو گا۔ میں مجبور ہوں میرے دوست! میں نے تمھیں ہلاک نہ کیا تو لیلیٰ ثانی میری بیوی اور میرے بچوں کو ہلاک کر دے گی۔ تم اس دنیا میں تنہا ہو۔ تم نے شادی نہیں کی۔ تم نہیں جانتے کہ بیوی اور بچوں کا پیار کیا ہوتا ہے، وہ پیار ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لیے آدمی ساری عمر محنت کرتا ہے۔ دولت کماتا ہے۔ اپنے اہل و عیال کو زیادہ سے زیادہ خوشحال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ان پر کوئی آنچ آئے تو تڑپ جاتا ہے۔ میں تڑپ گیا ہوں۔ بہت مجبور ہو کر آیا ہوں، اس لیے بڑی معذرت کے ساتھ تمھاری زندگی سے کھیل رہا ہوں۔"

اس وقت تک قاتل نمبر تین نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا تھا۔ اسے دھمکی دے رہا تھا: "اگر یہ مذاق ہے تو اس بھیانک مذاق کو فوراً ختم کرو اور ریوالور کو جیب میں رکھ لو، ورنہ میں تمھیں گولی مار دوں گا۔"

وہ مذاق کرنے نہیں آیا تھا۔ مذاق تو لیلیٰ ثانی کر رہی تھی۔ بھیانک مذاق۔ بند کمرے کے باہر پولیس والے دروازہ پیٹ رہے تھے۔ یوں دھکے مار رہے تھے جیسے اسے توڑ کر اندر چلے آئیں گے۔ اس سے پہلے کہ دروازہ کھلتا یا ٹوٹ جاتا، اندر سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ ایک آدھ سیکنڈ کے وقفے سے دو بار فائرنگ ہوئی تھی پھر تیسری اور چوتھی بار ہوئی اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ پولیس والے باہر سے چیختے ہی رہ گئے تھے۔ مسلسل فائرنگ کی آواز کے بعد وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہے۔ پھر انھوں نے دروازے کو توڑنا شروع کیا۔ جب اسے توڑنے کے بعد وہ کمرے میں پہنچے تو وہاں دونوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے پر فائر کیے تھے اور اپنا اپنا کام تمام کیا تھا۔

پہلے پولیس کو شبہ ہوا کہ لیلیٰ ثانی کسی طرح کمرے میں چلی آئی تھی۔ اور انھیں ہلاک کرنے کے بعد کسی راستے سے فرار ہو گئی ہے۔ چند سپاہیوں نے وہ راستہ تلاش کیا جہاں سے وہ فرار ہو سکتی تھی یا کمرے میں آ سکتی تھی لیکن ان دونوں کے ریوالور ثابت کر رہے تھے کہ لیلیٰ ثانی نے خود انھیں ہلاک نہیں کیا بلکہ ایسا طریقۂ کار اختیار کیا کہ وہ ایک دوسرے کی جان لے کر ہی رہے۔

اچانک فون کی گھنٹی سنائی دی۔ ایک سپاہی نے ریسیور اٹھایا۔ آواز سننے کے بعد فوراً اپنے افسر سے کہا: "سر! لیلیٰ ثانی آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

پولیس افسر دوڑتا ہوا آیا، اس نے ریسیور اٹھا کر دہاڑتے ہوئے کہا: "یُو بلیک وِچ! میرے سامنے آ کر بات کرو۔"

دوسری طرف سے اسے اپنی بیٹی کی آواز سنائی دی: "جانے بابا! میں آپ سے نہیں بولتی۔ آپ نے مجھے چڑیل کیوں کہا؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ پھر جلدی سے بولا: "نہیں نہیں۔ میں نے تمھیں نہیں کہا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ لیلیٰ ثانی ہے۔"

"میں آپ سے نہیں بولوں گی، پہلے آپ بولیے کہ میں چڑیل نہیں۔"

"ہاں میری بیٹی چڑیل نہیں ہے۔"

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ لیلیٰ ثانی چڑیل ہے۔"

"او بیٹے! میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ تم نے کہاں بحث چھیڑ دی ہے! میں پھر تم سے بات کروں گا۔"

"نہیں آپ بتائیے، آپ نے لیلیٰ ثانی کو چڑیل کیوں کہا؟"

"بیٹے، وہ جادو جانتی ہے، اُس نے کوئی ایسا عمل کیا ہے، جس کے اثر سے اپنے دشمنوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں مرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"او ڈیڈی! ہم میں سے کوئی یہ عمل کرتا اور فلسطینی چھاپا ماروں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں مرنے پر مجبور کر دیتا تو اسے بہت بڑا کارنامہ کہا جاتا۔ کوئی دشمن ایسا کرے تو وہ چڑیل یا شیطان کہلاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟"

"تم نے پھر بحث شروع کر دی۔"

"آپ پہلے کہیے کہ لیلیٰ ثانی چڑیل نہیں ہے۔"

"کیا وہ تمھاری آئیڈیل ہے یا تمھاری دوست ہے؟"

"وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔"

"کیا؟" پولیس آفیسر نے حیرانی سے پوچھا: "مجھے بتاؤ۔ اس سے تمھاری دوستی کیسے ہوئی؟"

"پہلے آپ اقرار کریں لیلیٰ ثانی چڑیل نہیں ہے۔"

"اچھا بھئی! اقرار کرتا ہوں، مجھ سے بھول ہو گئی۔ میں کبھی اسے چڑیل نہیں کہوں گا۔"

"پرامس؟"

"ہاں بھئی، پرامس۔"

معاً اسے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ اب وہ آواز بدل گئی تھی، وہ کہہ رہی تھی: "میں چڑیل ہوں۔ تمھاری بیٹی کی آواز میں بول سکتی ہوں تو تمھاری بیٹی کے جسم میں دھواں بن کر بھی داخل ہو سکتی ہوں، پھر کیا ہو گا آفیسر؟"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر اس نے سہمے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا: "کون ہو تم؟"

"وہی جو چند لمحوں میں تمھاری بیٹی اور تمھاری بیوی کی زندگی کو موت میں بدل دے گی۔ جب تک تم یہاں پہنچو گے انھیں زندہ نظر نہیں آئیں گی۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتیں، آخر مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

"تم جانتے ہو کہ مجھے جس سے دشمنی ہوتی ہے صرف اُسے ہلاک کرتی ہوں؟"

"میں مانتا ہوں تم نے دشمنی کی بنا پر ایسا کیا ہے۔ ہم اپنی ڈیوٹی سے مجبور ہیں اس لیے یہاں پہرہ دینے چلے آئے۔"

"میں سنگدل نہیں ہوں، ایک عورت ہوں، کسی عورت کی جان نہیں لے سکتی، خصوصاً جب وہ بے گناہ ہو۔ میں نے تم سے یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ قاتل نمبر چار کے بیوی بچے میری طرف سے کوئی نقصان نہیں اٹھائیں گے۔ مجھے کسی کے گھر کو یوں تباہ نہیں کرنا ہے جیسے میرا گھر تباہ کیا گیا۔ جنھوں نے تباہ کیا وہ انجام کو پہنچ گئے۔ پانچواں قاتل چالاک نکلا۔ وہ یہ ملک چھوڑ کر جانے کہاں چلا گیا ہے۔ صرف آئزک رہ گیا ہے، مجھے اس کا نام اور پتا اچھی طرح یاد ہے۔"

۞

لیلیٰ ثانی کی پسند کا کھانا میرے سامنے میز پر آ گیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد میں نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر کہا: "تمھارے چہرے کے میک اپ میں ایک ذرا کمی رہ گئی ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی، ذرا پریشان ہوئی۔ پھر سنبھل کر بولی: "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس فرحانہ کو میں نے ہوٹل کے کمرے میں دیکھا تھا اس کی ناک کے بائیں جانب ایک ہلکا سا تل تھا۔ وہ تل تمھارے چہرے پر نظر نہیں آ رہا۔"

اس نے بے اختیار اپنی ناک کے بائیں حصے پر ہاتھ رکھا پھر سنبھل کر بولی: "وہ میں نے مصنوعی تل بنایا تھا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں عورتیں کتنی ہی زیادہ حسین کیوں نہ ہوں وہ مزید حسین بننے کے لیے سنگھار کے ذریعے کوئی نہ کوئی اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ ذرا پُرکشش نظر آنے کے لیے ہلکا سا تل بھی چہرے پر بنا لیتی ہیں۔ ہماری دنیا میں ایسے عاشق بھی ہیں جو پوری کی پوری عورت کو نظرانداز کر کے محض ایک تل پر عاشق ہو جاتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی پھر اس نے مجھ سے پوچھا: "کھانے کے بعد کیا پروگرام ہے؟"

"جب کھانے کا پروگرام تمھاری طرف سے ہے تو اگلے پروگرام بھی تم ترتیب دے سکتی ہو۔"

"تم بہت اسمارٹ ہو۔ بظاہر حسین لڑکیوں کے اشاروں پر چلتے ہو تاکہ بدھو بن کر قریب تر رہ سکو۔"

"تم خود ہی میرے قریب آئی ہو، اب مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اس قربت کو برقرار رکھوں۔ بائی دی وے تمھارا لہجہ کیوں بدل گیا ہے؟"

وہ پھر چونک پڑی: "میرا لہجہ؟ بدل گیا؟"

"جب تم ہوٹل کے کمرے میں آئی تھیں تو کچھ اور لہجہ تھا۔ جب میرے پاس آ کر یہاں بیٹھیں، اس وقت بھی وہی لہجہ تھا۔ اب اچانک بدل گیا ہے۔ آواز میں بھی تبدیلی ہے۔ یوں لگتا ہے گویا تم اپنی آواز اور لہجے پر مسلسل قابو نہیں پا سکتیں۔ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

وہ پریشان ہو گئی تھی اور اسے پریشان ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ فرحانہ یا لیلیٰ ثانی نہیں تھی۔ ایک فلسطینی مجاہدہ تھی۔ لیلیٰ ثانی نے اس پر اپنا میک اپ کیا تھا اور بڑی خوبصورتی سے کیا تھا ـــــ کہیں کوئی کمی نہیں رہی تھی ـــــ میں نے جھوٹ کہا تھا کہ فرحانہ کی ناک کے بائیں طرف ایک ہلکا سا تل تھا۔ وہ تو میں اسے گڑبڑانا چاہتا تھا اور وہ بے چاری گڑبڑا رہی تھی۔ اس کا لہجہ اور آواز بھی ویسی ہی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں لیلیٰ ثانی کی نقل کر رہی تھی لیکن میں نے ایک اعتراض کیا تھا، چونکہ اس کے دل میں چور تھا، وہ لیلیٰ ثانی نہیں تھی اس لیے پریشان ہو گئی تھی۔

میں نے کہا: "تم جس کے روپ میں آئی ہو اس کے تین نام ہیں۔ ہوٹل میں وہ فرحانہ کے نام سے آئی۔ یہودی لڑکی کی حیثیت سے اس کا نام سارہ آزک ہے اور تیسرا اصلی اور پیدائشی نام لیلیٰ ثانی ہے۔ تمھارا نام کیا ہے؟"

وہ ڈھٹائی سے بولی: "تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میرا نام صرف فرحانہ ہے۔ میں کسی سارہ آزک اور لیلیٰ ثانی کو نہیں جانتی۔"

میں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا: "بحث کی کیا ضرورت ہے، کھاتی رہو اور اپنا کام نکالتی رہو۔"

وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ اس نے پوچھا: "کیسا کام؟"

"یہی کہ لیلیٰ ثانی اس وقت آزک کی رہائش گاہ میں گئی ہے، تمھیں اپنے میک اپ میں یہاں بھیج دیا ہے تاکہ یہاں کی پولیس اور انٹیلی جنس والے تمھیں سارہ آزک کے روپ میں دیکھتے رہیں، اور یہ سمجھتے رہیں کہ تم اس ہوٹل میں فرحانہ کا رول ادا کر رہی ہو۔ اس وقت لیلیٰ ثانی بیک وقت چار رول ادا کر رہی ہے۔ ایک تو وہ تمھارا رول ادا کر رہی ہے یا تم اس کا رول ادا کر رہی ہو۔ دوسرے تم یہاں انٹیلی جنس والوں کی اور سیکرٹ سروس والوں کی نظروں میں سارہ آزک ہو۔ ڈیوٹی کے لحاظ سے تم فرحانہ کا رول ادا کر رہی ہو اور یہی ایک شخصیت آزک کی رہائش گاہ میں لیلیٰ ثانی کا رول ادا کرنے گئی ہے۔"

وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ چور نظروں سے آس پاس دیکھ رہی تھی کہ کوئی ہماری گفتگو سن تو نہیں رہا ہے۔ پھر اس نے آہستگی سے پوچھا: "تم کون ہو؟ لیلیٰ ثانی کے متعلق کیسے جانتے ہو؟"

"پہلے تم بتاؤ۔ لیلیٰ ثانی اپنی اصلیت کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔ فلسطینی مجاہدین بھی صرف اس لیلیٰ ثانی کو جانتے ہیں جس کا اصلی چہرہ ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے فلسطینی مجاہدین میں سے کوئی نہیں جانتا کہ لیلیٰ ثانی ہی اصل میں سارہ آزک ہے تم کیسے جانتی ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی: "میری سمجھ میں نہیں آتا، تم کون ہو؟ اور ہمارے متعلق اتنی باتیں کیسے جانتے ہو؟"

"میں جو کوئی بھی ہوں دشمن نہیں ہوں دوست ہوں مسلمان ہوں اس لیے فلسطینی مجاہدین سے میری ہمدردیاں اپنی آخری سانس تک ہیں۔ میں لیلیٰ کا دشمن تو ہو ہی نہیں سکتا، اب تم اطمینان سے میری باتوں کا جواب دو۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولی: "لیلیٰ صرف مجھ پر بھروسا کرتی ہے میں یہ جانتی ہوں کہ فلسطینی مجاہدین میں کوئی بھی لیلیٰ کو سارہ آزک کی حیثیت سے نہیں جانتا ہے صرف میں جانتی ہوں دوسرے لفظوں میں لیلیٰ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے میں قد و قامت اور جسامت کے لحاظ سے بالکل اس کی طرح ہوں۔ دوسری بات یہ کہ مجھے نقالی کا شوق بچپن سے رہا ہے میں اس کی آواز اور لہجے کی نقل کامیابی سے کرتی ہوں لیکن تم نے مجھے بدحواس کر دیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے میرے لب و لہجے میں کوئی خامی پیدا ہو گئی تھی؟"

"کوئی خامی نہیں تھی میں نے تو بس یونہی جھوٹ کہہ دیا تھا۔"

وہ فوراً گھور کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر جلدی سے سنبھل کر بولی۔ "میں تمھیں غصہ بھی نہیں دکھا سکتی۔ پلیز، مجھے یقین دلاؤ۔ میں کس حد تک تم پر بھروسا کر سکتی ہوں۔"

"کیا یقین کرنے کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ تم لوگوں کے متعلق سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوں اور تم لوگوں کے خلاف مخبری نہیں کر رہا ہوں۔"

وہ قائل ہو کر سر ہلانے لگی۔ میں نے کہا: "کھاتی بھی رہو۔"

وہ دوبارہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولی: "تم ہمارے متعلق کیسے جانتے ہو؟"

"میں اب تک اپنے مزاج کے خلاف کھانے کے دوران باتیں کرتا رہا۔ اب کھانا ختم ہونے تک گفتگو نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جب کافی کا دور چلے گا تو باتیں ہوں گی اس وقت تک کے لیے میں بالکل خاموشی چاہتا ہوں۔"

وہ چپ چاپ کھانے لگی۔ میں لیلیٰ ثانی کے پاس پہنچ گیا۔

وہ آزک کی کوٹھی کے پچھلے حصے میں تھی چپ چاپ دبے قدموں چلتے ہوئے اس کوٹھی میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ پچھلے حصے میں دو مسلح سپاہی موجود تھے۔ ان کی موجودگی کے باعث وہ ایک جھاڑی کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ بوگن ویلیا کی پھولوں بھری جھاڑی بڑی خوبصورتی سے تراشی گئی تھی۔ جھاڑی کے دوسری طرف ایک سپاہی دوسرے سے باتیں کر رہا تھا۔ میں اس کے ذریعے ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر میں نے سپاہی کی زبان سے کہا: "چلو ذرا ہم اس طرف چل کر دیکھتے ہیں۔ اگر ایک ہی جگہ کھڑے رہیں گے تو افسر کی ڈانٹ پڑے گی۔"

وہ دونوں دوسری طرف جانے لگے۔ لیلیٰ کو موقع مل گیا۔ وہ

ہاتھ پاؤں سے گھاس پر رینگتی ہوئی کچن کے پچھلے دروازے تک آئی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ آج خوشی کی رات ہے۔ لوگ جشن منا رہے ہیں۔ تفریحات میں مشغول ہیں لیکن آزک دہشت زدہ ہے۔ اپنے گھر سے نکلنا نہیں چاہتا۔ اپنی کوٹھی کے چاروں طرف پہرے داروں کو ڈیوٹی پر لگا کر اس بلا سے محفوظ رہنا چاہتا ہے جو اب تک اصلی روپ میں کسی کو نظر نہیں آئی تھی۔ صرف اس کے سامنے پہلی بار آئی تھی۔ وہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ لیلیٰ ثانی کا اصلی روپ ہو گا۔

لیلیٰ کے پاس کوٹھی کی دوسری چابیاں تھیں۔ وہ کسی بھی دروازے کو کھول کر داخل ہو سکتی تھی اور وہ داخل ہو گئی تھی۔ کچن کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا تھا، اتنی دیر میں میں نے اس سپاہی اور اس کے ساتھی کے ذریعے معلومات حاصل کیں کہ وہاں کس طرح پہرہ لگایا گیا ہے، کیسے کیسے انتظامات کیے گئے ہیں۔ پتا چلا کوئی خاص انتظام نہیں ہے جشنِ آزادی کے سلسلے میں بھی اس اضافی ڈیوٹی پر ناراض تھے لیکن لیلیٰ ثانی کو گرفتار کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے وہ ناگواری سے یہ فرض انجام دے رہے تھے۔ آزک نے انھیں خوش رکھنے کے لیے شراب کی بوتلیں فراہم کی تھیں وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پی رہے تھے۔ چونکہ آزک انھیں اپنا ہم رتبہ یا ہم پلہ نہیں سمجھتا تھا اس لیے تنہا اپنی خواب گاہ میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ جشنِ آزادی کی خوشی میں آزک یقیناً پہرہ دینے والے سپاہیوں کو اور ان کے افسران کو کھلانے اور پلانے کا اہتمام کرے گا اسی لیے اس نے پہلے ہی وسکی کی تمام بوتلوں میں بے ہوشی کی دوا انجیکٹ کر دی تھی۔ بیئر کے ڈبوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا موسم کی مناسبت سے آزک بیئر سے شغل کیا کرتا تھا۔ جب وہ کوٹھی کے اندر پہنچی تو ڈرائنگ روم میں پینے والے دو افسران صوفوں کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی آمد سے بے خبر بیٹھے تھے ـــــ اور ان کے باخبر ہونے کا امکان بھی نہ تھا ـــــ باہر جو مسلح سپاہی تھے، وہ اپنے افسروں کی اجازت یا ان کے بلاوے کے بغیر اندر نہیں آ سکتے تھے۔ لیلیٰ نے خواب گاہ میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ آزک نے اسے دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا: "تم یہاں کیسے؟ تمھاری ڈیوٹی ....." لیلیٰ نے بات کاٹ کر کہا: "موت کی ڈیوٹی ہر لمحہ، ہر پل، ہر ساعت میں بدلتی ہے۔ کیا تمھیں علم نہیں ہے کہ موت ایک سانس میں ہزاروں لاکھوں میل دور ہوتی ہے دوسری سانس میں شہ رگ کے قریب پہنچ جاتی ہے۔"

"بے بی، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں سارہ نہیں لیلیٰ ثانی ہوں تو؟"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "کیا باپ سے مذاق کرنے آئی ہو؟"

"بدنصیبی کبھی چپکے چپکے مذاق کرتی ہے۔ آدمی کو پتا ہی نہیں چلتا جب پتا چلتا ہے تو اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ آزک تم نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ تمھاری پڑوسن صدیقہ نے صرف ایک بیٹی کو جنم دیا تھا، اس کی کوئی دوسری بیٹی نہیں ہے۔"

"بے بی یہ کیا بدتمیزی ہے، تم مجھے آزک کہہ کر کیوں مخاطب کر رہی ہو؟"

اس نے اچانک ہی ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا، وہ بولی: "کوئی تمھارے جیسے کتے کو اپنا باپ نہیں کہہ سکتا میں صرف اپنی ممی شیبا کے رشتے سے اور اس کے احسانات سے مجبور ہو کر تمھارا نام اپنے نام کے ساتھ برداشت کر رہی ہوں۔ بہت جلد سارہ آزک کا یہ نام مٹا دوں گی۔"

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تک رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا: "کیا تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ تم صدیقہ کی بیٹی ہو؟"

"کیا ایک طمانچہ کھانے کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آیا؟"

وہ فرش پر سے اٹھتے ہوئے بولا: "بیٹی! مجھے معاف کر دو۔ میں جیسا بھی ہوں میں نے تمھیں پالا پوسا ہے تمھیں جوان کیا ہے تمھیں اعلیٰ تعلیم دلائی ہے میرے ان احسانات کو تو یاد رکھو۔"

"تمھارے کن کن احسانات کو یاد رکھوں؟ تم نے میرے باپ کو گرفتار کرایا تھا۔ اور میری ماں کو بے موت مارا تھا۔ مجھ پر جو احسانات کیے، وہ محض ایک مسلمان لڑکی کو یہودی بنائے رکھنے کے لیے کیے تھے۔"

"کیا یہودی بن کر تم خوش نہیں رہیں؟ کیا ہمارا مذہب تمھارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے؟"

"یہودی بن کر رہنے پر یہ معلوم ہوا کہ دنیا کے تمام مذاہب انسان کو مہذب بناتے ہیں۔ مذہب کوئی سا ہو بات صرف ایمان کی پختگی کی ہوتی ہے اور تم ایمان کے معنی بھی نہیں جانتے ہو۔"

"سارہ! میری بچی! میں جیسا بھی ہوں تمھارا باپ ہوں۔ تہذیب یہ اجازت نہیں دیتی کہ ایک بیٹی باپ کی دشمن بن جائے اور اسے ہلاک کرنے کے درپے ہو۔"

"میں تمھیں ہلاک نہیں کروں گی اگر تم میری ایک بات کا جواب دو گے۔"

"کون سی بات؟"

"پہلے اسٹور رُوم تک چلو۔"

اُس نے ریوالور نکال لیا پھر اشارے سے آگے چلنے کا حکم دیا۔ وہ بے چون و چرا اس کے آگے چلتا ہُوا اسی کمرے کے دُوسرے دروازے سے نکل کر اسٹور رُوم میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ لیلیٰ کو دیکھ کر بولا "یہ کیا ہے؟"

اس اسٹور روم کی چھت سے پھانسی کا ایک پھندا لٹک رہا تھا۔ لیلیٰ نے کہا "میں نے پچھلی رات ہی اس پھندے کو یہاں لگا دیا تھا۔ میں نے سوچا تھا، اگر اسے کھول کر دیکھو گے تو لیلیٰ ثانی کی دہشت طاری ہو گی نہیں دیکھو گے تو یہ پھندا اسی جگہ موجود رہے گا اور اس وقت تمھارے کام آئے گا۔"

"مم... مگر تم نے کہا تھا کہ میں تمھاری ایک بات کا جواب دوں گا تو تم مجھے معاف کر دو گی۔"

"ہاں، میں ایک سوال کرنا چاہتی ہُوں کہ تمھیں کیوں معاف کروں؟ جب میرے اصلی ماں باپ کو تم قتل کر سکتے ہو تو اُن ماں باپ کی ایک سگی بیٹی تمھیں کیوں قتل نہیں کر سکتی؟ باپ وہ بھی تھا۔ باپ تم بھی ہو جب ایک قتل ہو سکتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

وہ دہشت زدہ تھا جواب سوچ رہا تھا مگر جواب نہیں مل رہا تھا۔ لیلیٰ نے کہا "میری بات کا معقول جواب دو۔ تمھیں معاف کر دوں گی۔"

وہ گڑگڑا کر بولا "مجھے معاف کر دو۔ تمھاری ماں کے دُودھ کا واسطہ مجھے معاف کر دو۔ آئندہ میں کسی مسلمان پر ظلم نہیں کروں گا۔"

"میں کہہ چکی ہوں میری بات کا جواب دو گے تو زندہ رہو گے۔"

"اس کا جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ میں نے تمھارے باپ کو گرفتار کرایا، وہ مارا گیا میں نے غلطی کی لیکن یہ غلطی تم نہ کرو۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ غلطیاں دہرائی جائیں۔"

"جب اپنی ذات پر ظلم ہوتا ہے تو ایسی ہی نصیحتیں کی جاتی ہیں لیکن قانون تو معاف نہیں کرتا۔ قاتل کو سزائے موت ضرور دیتا ہے کیا تم قانون کو اس طرح نصیحتیں کر سکتے ہو؟"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے قدموں کی طرف جھکنے لگا۔ وہ [illegible] بولی۔ "اگر رحم کی بھیک مانگنے کے لیے میرے [illegible] گے تو ٹھوکر ماروں گی۔ جاؤ کرسی پر چڑھو اور اس پھندے تک پہنچ جاؤ۔ پہلے میں تمھارے دونوں ہاتھوں کو پیچھے باندھوں گی اس کے بعد پھندا تمھارے گلے میں ڈال دوں گی۔"

وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ بھلا کون موت کو پھندے کی طرح پہنتا ہے میں نے سوچا زیادہ دیر تک خاموش رہ کر کھانے میں مصروف نہیں رہ سکوں گا۔ کھانا ختم ہونے والا تھا میں اس سے پہلے وہاں کا قصہ تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کا آسان طریقہ یہی تھا کہ میں آرزک سے لیلیٰ کی مرضی کے مطابق عمل کرا دوں۔

دُوسرے ہی لمحے میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ بولا "تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ کیا مجھے بُزدل سمجھتی ہو؟ میں ہنستے ہوئے موت کو گلے لگا سکتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ کُرسی پر چڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ لیلیٰ اس کے دونوں ہاتھ باندھتی اس نے پھندے کو گلے میں ڈال لیا۔ پھر اس پھندے کے دائرے کو اپنی گردن کے اطراف تنگ کرنے کے بعد کرسی کو ٹھوکر ماری۔ کرسی ایک طرف گری اور وہ یکبارگی تڑپا۔ اذیت ناک موت ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ گردن سے اوپر رسّی کو تھامنا چاہتا تھا مگر میں اسے اجازت نہیں دے رہا تھا۔ لیلیٰ حیرانی سے اسے پھندے سے جھولتے ہُوئے دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی "یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ کہاں تو یہ اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور کہاں یہ کہ فوراً ہی کرسی پر چڑھ کر موت کو گلے لگا رہا ہے بلکہ گلے لگا چکا ہے۔"

میں نے لیلیٰ کی سوچ میں کہا "مجھے یہاں وقت ضائع نہیں کرنا ہے اس کا تو کام تمام ہو چکا ہے۔ یہاں سے اب نکل جانا چاہیے۔"

وہ دوسرے ہی لمحے اسٹور رُوم سے باہر آئی تیزی سے چلتے ہُوئے کچن میں پہنچی پھر اُس نے دروازے کو آہستگی سے کھول کر دیکھا۔ اس وقت میں اُن سپاہیوں کے پاس پہنچ چکا تھا جو کوٹھی کے پچھلے حصے میں پہرہ دے رہے تھے وہ لیلیٰ کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے دروازے کو بند کیا پھر وہاں سے چلتے ہوئے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہُوئے وہ اُس احاطے سے باہر جانا چاہتی تھی، اچانک ہی دونوں سپاہی اس کے سامنے آ گئے۔

وہ ٹھٹک گئی لیکن بلا کی پھرتیلی تھی۔ پلک جھپکتے ہی اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں بھی ریوالور تھے۔ اب دو طرفہ محاذ سے فائرنگ ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ لیلیٰ فائر کرتی سپاہی نے اپنے ساتھی کو گولی مار دی یہ ایسی حیرت انگیز بات تھی جو لیلیٰ کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ اُس نے حیرانی سے اس سپاہی کو دیکھا جس نے اپنے ساتھی کو گولی ماری تھی۔ پھر وہ سرِ تسلیم خم کرتا ہوا بولا "مس لیلیٰ ثانی! میں حاضر ہوں مجھے گولی مارو اور فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ ذرا بھی دیر کرو گی

فائرنگ کی آواز سُن کر کوٹھی کے اگلے حصے سے سپاہی آ جائیں گے ملازمانے ہی والے ہوں گے۔"

لیلیٰ نے اُس کی بات ختم ہوتے ہی اسے گولی کا نشانہ بنایا پھر وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ کوٹھی سے ذرا دُور اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے کے بعد تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنے لگی لیکن اُس کا ذہن اُلجھا ہوا تھا اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک آرزک نے اپنے آپ کو پھندے پر کیوں لٹکایا؟ پھر اس کے سامنے آنے والے دونوں سپاہیوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو گولی کا نشانہ کیوں بنایا؟ یہ کیا طلسم ہے؟ پھر یہ کہ دُوسرے سپاہی نے اس کے ہاتھوں قتل ہونے کے لیے خود کو پیش کیا۔ یہ ایسی چکرا دینے والی بات تھی جو سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی وہ جتنا سوچتی اتنا ہی اُلجھ جاتی میں نے اسے اُلجھنے کے لیے چھوڑ دیا اور کھانے کی میز پر اپنی میزبان کے سامنے حاضر ہو گیا۔ میری میزبان نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن اُس کے دماغ نے بتا دیا تھا۔ اس کا نام حبیبہ الخیری تھا۔ میں نے جب سویٹ ڈش کو ہاتھ لگایا تو حبیبہ نے مسکرا کر کہا "اب میں کچھ کہہ سکتی ہوں؟"

میں نے جواباً مسکرا کر کہا "ضرور۔"

"تم ایسے دُلھن کی طرح سجا ہوا ہے کیا میرے ساتھ باہر چلو گے؟"

"ہاں ضرور۔ ویٹر کو بل ادا کر دو پھر چلتے ہیں۔"

وہ ویٹر کو بلانا چاہتی تھی وہ خود ہی آ گیا۔ اس نے کہا۔ "مس! آپ کا فون ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹر کے پاس گئی، اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کسی کی آواز سنائی دی "مس سالمہ! میں بڑے افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں لیلیٰ ثانی نے آپ کے ڈیڈی کو قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ نو... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ڈیڈی کہاں تھے؟"

"وہ اپنے کمرے میں تھے ان کی حفاظت کرنے والے پولیس کے عملے نے غیر ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ شراب پی کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ یقیناً شراب میں پہلے سے کچھ ملایا ہوا تھا۔ یہاں آنے پر آپ کو تفصیل معلوم ہو جائے گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر لپکتی ہوئی میرے پاس آئی۔ وہ ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے بہت بڑا صدمہ گزر رہا ہو۔ اس نے میرے قریب جھکتے ہُوئے کہا "گھر سے اطلاع آئی ہے مجھے فوراً ہی جانا ہے۔ سوری میں آپ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکی۔ یہ ڈنر میرے حساب میں تھا۔ ہوٹل والے آپ سے بل نہیں لیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے ہوٹل کے باہر چلی گئی۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ کہاں جا رہی ہے۔ باہر لیلیٰ ثانی یا سارہ آرزک کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے مختلف راستوں سے گزرنے لگی۔ ہر طرف جشن کا سماں تھا۔ مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی بھیڑ نظر آ رہی تھی سب ہنستے بولتے جشن مناتے نظر آ رہے تھے۔ اس کی کار ایسے راستوں سے بھی گزرنے لگی جہاں بھیڑ قدرے کم تھی۔ پھر وہ ایک گلی میں داخل ہوئی۔ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے اس نے کار روک دی کار سے اُتر کر اس مکان کے دروازے پر پہنچی۔ اس نے پرس میں سے چابی نکالی لیکن پتا چلا دروازہ پہلے سے کھلا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لیلیٰ ثانی وہاں پہنچ گئی تھی جب وہ اندر داخل ہُوئی تو لیلیٰ سے سامنا ہو گیا، اس نے پوچھا "حبیبہ! تم وقت سے پہلے [illegible] ہو؟"

"ہاں، [illegible] آپ بھول گئی تھیں آرزک کے قتل ہونے کے بعد یقیناً فون کے ذریعے مجھے ہوٹل میں اطلاع دی جاتی۔ میں انٹیلی جنس والوں کی نظروں میں ... رہنے کے لیے وہاں موجود تھی۔"

"میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ بہرحال اچھا ہُوا کہ تم آ گئیں۔ وہاں کے متعلق بتاؤ۔ کیا اینل ہارڈی کے ساتھ تھیں؟"

حبیبہ آئینے کے سامنے بیٹھ گئی پھر میک اپ اُتارتے ہوئے بولی "وہ تو ایک عجیب و غریب شخص ہے۔ غیر معمولی یادداشت کا مالک ہے کہتا تھا فرحانہ کی ناک کے ایک طرف تل ہے اور وہ تل میرے چہرے پر نہیں ہے۔"

"وہ جھوٹ کہتا ہے دیکھ لو میرے چہرے پر کہیں تل نہیں ہے۔"

"اس نے مجھے بدحواس کر دیا تھا پھر اس نے کہا کہ میرا لب و لہجہ فرحانہ سے ذرا مختلف ہے۔"

"کیا تمھارا لب و لہجہ مجھ سے مختلف [illegible] تھا؟"

"میں سمجھ نہیں سکی۔ اس کی اس قسم کی باتو[illegible] پریشان ہو گئی تھی۔"

"اس نے نفسیاتی چال چلی ہے یقیناً وہ تم پر شبہ کر رہا تھا۔"

"شبہ نہیں اُسے پُورا یقین ہے کہ میں سارہ آرزک نہیں ہوں۔"

"اوہ حبیبہ! اس طرح کام خراب ہو جائے گا مجھے پہلی فرصت میں اینل ہارڈی کو ٹھکانے لگانا چاہیے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے اس نے یقین دلایا ہے کہ وہ ہمارا دوست ہے۔ اگر دشمن ہوتا تو اب تک اطمینان سے بیٹھا نہ [illegible] ہمارے خلاف رپورٹ درج کرا چکا ہوتا یا ہمیں کسی نہ کسی طرح بلیک میل کرتا۔"

لیلیٰ نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن اُس نے کیسے پہچان لیا؟ میرے چہرے پر تل نظر آنے والی بات جھوٹی تھی اور یہ بھی سراسر جھوٹ ہوگا کہ تمہارا لب و لہجہ بدل گیا تھا۔ یقیناً اسے تم پر شبہ ہو گیا تھا۔ کیسے شبہ ہوا تھا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ کالا علم جانتا ہے۔"

"وہ کیا جانتا ہے یہ ... ضروری ہے تم میک اَپ اتارنے کے بعد فوراً ہوٹل جاؤ اور ... الخیری کی حیثیت سے اس سے دوستی کرو یا اس کے آس پاس رہو۔ دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ تم کل صبح مجھے اس کے متعلق پوری رپورٹ دو گی۔"

"وہ کالا عمل جانتا ہو یا کسی طور ہمارے لیے خطرہ بن جائے تو میں کس طرح اطلاع دوں؟"

"تم ہر گھنٹے بعد فون پر رابطہ قائم کرنا۔ میں گھر پر ہی رہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ مکان سے باہر آئی۔ باہر حبیبہ الخیری نے جو کار چھوڑی تھی اس کار میں بیٹھ کر وہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب اسے سارہ آئزک کی حیثیت سے اپنے باپ کی موت پر ماتم کرنا تھا۔ ادھر میں کھانے کے بعد چائے کی چسکیاں لے رہا تھا، تاکہ وقت وہیں گزارتا رہوں۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وین وائٹ اس سے کہہ رہا تھا۔ "مس سلطانہ! بہت وقت ہو چکا ہے۔ اب آپ کھیلنے کے لیے چلیں۔ آخر وقت کیوں ضائع کر رہی ہیں؟"

وہ محض مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے وقت ضائع کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں آگیا ہوں تم اب کھیلنے کے لیے جا سکتی ہو۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر وین وائٹ کے ساتھ چلتے ہوئے کیسینو کے اُس حصے میں پہنچی جہاں تاش کا کھیل ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے بوڑھے اور جوان دولت مند نظر آ رہے تھے۔ اُن میں عورتیں بھی تھیں۔ وین وائٹ پچیس ہزار ڈالر کے ٹوکن لے آیا۔ وہ ایک میز کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس کے آنے پر ایک کھلاڑی نے کہا۔ "ہمیں کھیل شروع کرنا چاہیے۔"

سونیا نے کہا۔ "شروع کرنے سے پہلے ہم ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔ اس طرح اجنبیت نہیں رہے گی۔ اپنوں کا سا ماحول پیدا ہو جائے گا۔"

ایک مالدار عورت نے منہ بنا کر کہا۔ "متعارف ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔"

"آپ نہ سہی، میرے اور دوست متعارف ہونا پسند کریں گے۔"

باقی سب لوگوں نے خوش دلی سے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ میں ... کر کے مجھے اپنے اپنے دماغ میں جگہ دی۔ میں نے سونیا کو بتایا۔ "میں ... سب کے لب و لہجے کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر چکا ہوں۔ تم کھیل شروع کر سکتی ہو۔"

میرے سامنے رکھی ہوئی ایک پیالی چائے ختم ہو چکی تھی۔ میں نے دوسری پیالی بنائی، پھر اُسے پینے کے دوران سونیا کا کھیل دیکھتا رہا اور اُس کی رہنمائی کرتا رہا۔ میرے ذریعے اُسے معلوم ہوتا رہا کہ اس کے مقابل کھلاڑیوں کے پاس کون کون سے پتے ہیں۔ وہ بڑے اطمینان سے کھیل رہی تھی۔ ابتدا ہی سے بازی جیتنے لگی تھی۔

میں پینتالیس منٹ تک اُس کے ساتھ رہا۔ پھر اچانک ہی میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں اتنی دیر میں بھول گیا تھا کہ ہوٹل کے ڈائننگ روم میں بیٹھا ہوا ہوں۔ کوئی ویٹر آ کر مداخلت کر سکتا ہے لیکن حبیبہ الخیری پہنچ گئی تھی اور مجھے مخاطب کر کے پوچھ رہی تھی۔ "مسٹر! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

میں نے اُسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "تعجب ہے۔ ابھی تو میرے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔"

وہ ایک دم سے بوکھلا گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ چوری پکڑی جائے گی۔ لیکن دوسرے لمحے اُس نے ڈھٹائی سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں تو ابھی ہوٹل میں داخل ہوئی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "حبیبہ الخیری! کرسی پر بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے باتیں کرو۔"

وہ دھپ سے بیٹھ گئی۔ اُس نے مجھے نام نہیں بتایا تھا۔ میں اس کا نام لے رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شدید حیرانی کے باعث کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ وہ مجھے جادوگر سمجھ رہی ہے۔ اس نے سیدھی طرح کرسی پر بیٹھتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"ایزل ہارڈی۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں۔ کیا تم کوئی غیر معمولی علم جانتے ہو؟"

"کالا عمل جانتا ہوں۔ میرے قبضے میں کچھ بد روحیں ہیں۔ جب کوئی مجھ سے جھوٹ بولتا ہے یا فریب دیتا ہے یا مختلف روپ میں آ کر کوئی چال چلنا چاہتا ہے تو وہ بد روحیں مجھے اس کی اصلیت سے آگاہ کر دیتی ہیں۔ میں تمہیں بہت پہلے ہی جان گیا تھا۔ تمہارا نام بھی بد روح نے مجھے بتایا ہے۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے میری باتیں سُن رہی تھی۔ پھر اس نے سوال کیا۔ "لیکن تم نے عمل کب کیا تھا؟ میرے آنے

سے پہلے تو تم مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر ہم نے کھانا شروع کر دیا تھا۔"

"تم بھول رہی ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ کھانے کے دوران گفتگو نہیں کرتا ہوں۔ خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ جتنی دیر میں خاموش رہا اتنی دیر میں بد روحوں سے ہمکلام رہا۔ وہ مجھے تمہارے اور لیلیٰ ثانی کے متعلق بتاتی رہیں۔"

وہ کرسی پر بے چینی سے پہلو بدل کر ... میں نے بد روحوں کے متعلق سنا ہے لیکن کبھی یقین نہیں کیا۔ کیا تمہاری بد روحیں بتا سکتی ہیں کہ میرے پرس میں کیا ہے؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ ہپناٹزم کے عمل کے وقت اور آنکھوں کے رستے دماغ میں پہنچنے کے دوران عامل کی آنکھیں انگارہ ہو جاتی ہیں۔ اس کی نظریں تیز خنجر کی طرح دل میں اُتر جاتی ہیں۔ معمول، اُن کی آنکھیں بے اختیار جھک جاتی ہیں۔ میں نے سختی سے کہا۔ "بس اسی طرح نظریں جھکائے ذرا دیر خاموش رہو۔ میری بد روح مجھ سے ہمکلام ہے۔"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی، تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔ "حبیبہ! تمہارے پرس کے اندر کیا ہے، میں کیا بتاؤں جبکہ تمہارے پاس تمہارا پرس ہی نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر پہلے تو مجھے دیکھا۔ پھر اپنے پرس کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ "تم نے اور لیلیٰ ثانی نے ایک جیسا لباس پہنا تھا۔ ایک جیسا پرس رکھا تھا تاکہ انٹیلی جنس والے تمہیں جس لباس اور جس پرس کے ساتھ دیکھیں، لیلیٰ اسی پرس کے ساتھ اُسی لباس میں اپنے مقتول باپ کا ماتم کرنے کوٹھی میں پہنچے۔ وہ ٹھیک اسی لباس میں وہاں پہنچ چکی ہے، لیکن جس مکان میں تم لوگوں نے میک اپ کیا، وہاں نادانستگی میں تمہارا پرس بھی تبدیل ہو گیا۔ تمہارا پرس وہ لے گئی ہے اور تم اس کا پرس لے آئی ہو۔"

میری باتوں کے دوران وہ اس پرس کو کھول کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی چیزوں کو ٹٹول رہی تھی اور حیرانی سے مجھے دیکھتی بھی جا رہی تھی۔ اب وہ مجھ سے خوف زدہ بھی تھی۔ اُس نے پوچھا۔ "تم کالا علم جانتے ہو اور یہ علم ایسا ہے جو اکثر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تم نے ہمیں نقصان کیوں نہیں پہنچایا؟"

"تم دونوں نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ تمہیں نقصان پہنچاتا۔"

"پھر بھی کالا علم جاننے والے کسی کی بھی کمزوری معلوم کرنے کے بعد اُسے بلیک میل کرتے ہیں۔"

"میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں اخلاقی ضابطوں کا پابند ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے فلسطینی مجاہدین سے بے پناہ ہمدردی ہے۔ تمہاری سوچ کے برعکس میں نے تم لوگوں کی مدد کی ہے۔ جب لیلیٰ، آئزک کو پھانسی کے پھندے سے لٹکنے کے لیے کہہ رہی تھی تو وہ اتنی جلدی کبھی تیار نہ ہو جاتا۔ وہ روحیں جو میری تابعِ فرمان ہیں، اُنھوں نے اُسے پھندے سے لٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر لیلیٰ اس کوٹھی سے باہر جانے لگی تو دو مسلح پہرے داروں نے اس کا راستہ روکا۔ وہاں بھی میری تابعِ فرمان روحوں نے اُنھیں ہلاک کر دیا۔ لیلیٰ سے ملاقات ہوگی تو یقیناً وہ ایسے واقعات کا ذکر تم سے کرے گی جو ابھی تک اُس کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔"

"میں اس سے ضرور پوچھوں گی کہ آئزک اور دو پہرے دار کن حالات میں ہلاک ہوئے تھے۔ میں اب جانا چاہتی ہوں۔"

"ہاں، میری روحیں مجھے بتا چکی ہیں کہ تم مجھ سے خوف زدہ ہو۔ تمہارا یہاں سے جانا بہتر ہے لیکن یاد رکھو لیلیٰ کے علاوہ کسی سے بھی تم نے میرا ذکر کیا تو میری روحیں تم سے انتقام لیں گی۔"

"میں کبھی کسی سے تمہارا ذکر نہیں کروں گی۔ خدا حافظ!"

وہ میرے پاس سے اُٹھ کر جانے لگی۔ میں نے اُسے نہیں روکا۔ وہ ایک مجاہدہ تھی۔ مسلسل جہاد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف تھی۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی میں اُسے دیکھتا رہا۔ جب وہ ڈائننگ ہال کے دروازے پر پہنچی تو مجھے احساس ہوا کہ اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ دروازے کے پاس کھڑا ہوا ایک خوش پوش نوجوان اُسے تک رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے باہر گئی وہ بھی اس کے پیچھے جانے لگا۔ میں سونیا کی رہنمائی کے لیے کیسینو پہنچنا چاہتا تھا۔ پھر ارادہ ترک کر دیا۔

وہاں سے اُٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں بالکونی تک گیا۔ وہ دونوں نظر نہیں آرہے تھے لیکن میں حبیبہ کے دماغ میں تھا۔ اس کا تعاقب کرنے والا جب بھی اُسے مخاطب کرتا تو میں اس کے دماغ میں پہنچ جاتا۔

حبیبہ نے جس مکان میں پہنچ کر لیلیٰ کا میک اپ اتارا تھا، وہاں سے وہ دوبارہ ہوٹل مین ٹیکسی کے ذریعے آنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس اپنی کار نہیں تھی، لیکن اُسے ایک کار والے نے یہاں تک لفٹ دی تھی۔ اس وقت بھی وہ ہوٹل سے باہر جا کر کسی ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اتنے میں تعاقب کرنے والا اس کے قریب پہنچ گیا۔ "کیا میں تمھیں لفٹ دے سکتا ہوں؟ میرے پاس کار ہے۔"

حبیبہ نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا "بے چاری بوڑھی عورتیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر ٹیکسی والوں کو آوازیں دیتی ہیں لیکن وہ نہیں سنتے۔ بڑی بڑی کاروں والے بھی قریب سے گزر جاتے ہیں۔ ہاں کوئی جوان لڑکی ہو تو لفٹ مانگے بغیر ہی مل جاتی ہے۔"

"حسن کی قدر کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔ ہماری اور تمھاری عمر کا تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کے ذریعے ایک دوسرے کو لفٹ ملتی رہے۔ کیا خیال ہے؟"

حبیبہ اُس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ اُسے اپنے آپ پر اعتماد تھا۔ جب وہ کار میں اُس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "کہاں جاؤ گی؟"

حبیبہ نے اپنی رہائش گاہ کا پتا بتایا۔ اس نے ہوٹل کے احاطے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا "یہ جو تمھارا پرس ہے، یہ کہاں سے آیا ہے؟"

اس بات نے حبیبہ کو چونکا دیا۔ اس نے تیور بدل کر پوچھا "تم میرے پرس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"حبیبہ الخیری! میں تمھیں جانتا ہوں۔ تم چھاپا ماروں کی ٹولی میں ہو لیکن اب تک تمھارے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ ایک بار ہم نے تمھارے اڈے پر چھاپا مارا تھا۔ تم وہاں سے فرار ہوگئی تھیں۔ ایک بار پھر تمھیں گرفتار کیا گیا۔ تم پر کسی طرح کا شبہ تھا لیکن پھر ثبوت نہ مل سکا۔ آج میرا خیال ہے تمھیں ثبوت کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچا سکتا ہوں۔ کیا خیال ہے، پولیس اسٹیشن جانا پسند کرو گی یا میرے ساتھ جہاں میں کہوں وہاں چلو گی؟"

"میں کہیں بھی چل سکتی ہوں۔ یہ میری مرضی پر ہے، لیکن تم کون ہو؟"

"کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا؟ اتنی نادان تو نہیں ہو۔ چلو بتا دیتا ہوں۔ میں خفیہ پولیس کا ایک افسر ہوں۔"

"میں افسر کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"مجھے مارٹن کہتے ہیں۔"

"مسٹر مارٹن! آپ نے مجھ پر حبیبہ الخیری ہونے کا شبہ کیا ہے کیا اس پرس کی وجہ سے؟"

"جو چاہو سمجھ لو۔"

"ایسے پرس تو بازار میں بہتیرے ملتے ہیں۔"

"ضرور ملتے ہیں لیکن سارہ آئزک کے پرس کے بٹن کے پاس ایس ڈبلیو کا مونوگرام لگا ہوا ہے۔ وہ مونوگرام اس پرس پر نظر آرہا ہے۔ یہ یقیناً ہمارے شعبے سے تعلق رکھنے والی سارہ آئزک کا پرس ہو سکتا ہے۔"

وہ بُری پھنسی تھی لیکن بڑی حوصلہ مند تھی۔ چہرے سے پریشانی ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ خود پر بھرپور اعتماد رکھتی ہے اور بُرے سے بُرے حالات سے نمٹنا جانتی ہے تو میں نے اس وقت تک کے لیے اُسے چھوڑ دیا، جب تک وہ مارٹن کے فلیٹ میں نہ پہنچتی۔ میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اُس کے کھیل کا جائزہ لیا۔ اس دوران اُس نے دو بازیاں جیت لی تھیں۔ تیسری بازی جان بوجھ کر ہار گئی تھی۔ میں نے چوتھی بازی میں کھیلے جانے والے پتوں کا جائزہ لیا۔ پھر سونیا کو ان کے متعلق بتا دیا۔ اس کے بعد دوبارہ حبیبہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ مارٹن کے فلیٹ میں پہنچ رہی تھی۔

مارٹن نے فلیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "اندر آجاؤ۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے حبیبہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اگر عقل سے کام لو گی تو زندہ بھی رہو گی اور خوش بھی رہو گی۔"

حبیبہ نے ایک ادائے ناز سے مسکراتے ہوئے پوچھا "بھلا خوش کیوں اور کیسے رہوں گی؟"

"آج تم اس فلیٹ میں رہو گی۔ ہم جشنِ آزادی منائیں گے۔ ہم گہرے دوست بن جائیں گے۔ میں تمھیں قانون کے ہاتھوں سے بچاؤں گا۔ تم مجھے بتاؤ گی کہ سارہ آئزک کا پرس تم نے کس طرح حاصل کیا ہے اور کیوں کیا ہے۔ جب ہمارے درمیان دوستی ہو جائے گی تو تم میرے لیے مخبری کرو گی۔ مسلمان چھاپا ماروں کے ایک ایک پروگرام سے مجھے آگاہ کرو گی۔ کیوں، ٹھیک ہے!"

اس نے اپنے شانے سے مارٹن کا ہاتھ ہٹا کر ایک طرف جاتے ہوئے کہا "میں کسی مسلمان چھاپا مار کو نہیں جانتی۔ اگرچہ تم نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا ہے مگر میں بے بس نہیں ہوں۔ تم میرے قریب آؤ گے۔ میری مرضی کے خلاف ہاتھ لگاؤ گے تو میں چیخنا شروع کر دوں گی۔ بیشک تم یہودی ہو، میں مسلمان ہوں۔ یہاں تمھاری سُنی جاتی ہے۔ ہماری نہیں سُنی جاتی پھر بھی مذہب کوئی سا ہو، حکومت کوئی سی ہو، کم از کم قانون کے نام پر، انسانیت کے نام پر فریادی کی آواز

ضرور سُنی جاتی ہے۔ یہاں آس پاس کے فلیٹوں میں جو لوگ ہیں، وہ بنیادی طور پر انسان ہیں۔ ان میں عورتیں بھی ہیں اور وہ میری چیخ سن کر ضرور میری مدد کو پہنچیں گی۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کے برعکس سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ جب بھی کوئی مجاہد یا مجاہدہ قانون کی گرفت میں آتے ہیں تو ان کے آس پاس رہنے والے مجاہدین ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ حبیبہ کو پورا یقین تھا کہ اس افسر کے ساتھ یہاں آتے وقت چند مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا ہوگا۔ جب وہ چیخے گی، چلائے گی تو سب اس کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔

میں اس کے یقین کے مطابق مجاہدین کی آمد کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وہ حبیبہ جیسی مجاہدہ کو اس کی مرضی کے خلاف ہاتھ بھی لگائے۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھا ویسے ہی ٹھٹک گیا۔ اس کا بڑھنے والا ایک ہاتھ جتنی دُور تک بڑھ چکا تھا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ پھر اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی "نہیں، ایزل ہارڈی! میں بدرُوح ہوں۔ میں نیک کام نہیں کروں گی۔ میں کسی لڑکی کی عزت نہیں بچاؤں گی۔ میرا کام بدی کو فروغ دینا ہے اور تم مجھے نیک کاموں میں لگائے رکھتے ہو۔ میں آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں تمھارے قبضے میں نہیں رہنا چاہتی۔"

حبیبہ جہاں تھی، وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے منہ کھولے مارٹن کو دیکھ رہی تھی جس کے حلق سے نسوانی آواز نکل رہی تھی۔ جیسے کوئی رُوح بول رہی ہو۔

دوسرے ہی لمحے مردانہ آواز نکلنے لگی۔ وہ آواز اور لب و لہجہ بُرا تھا۔ میں اس کی زبان سے کہہ رہا تھا "میں تمھارا عامل ہوں۔ میں جو حکم دوں گا، تم وہی کرو گی اور حبیبہ کو عزت آبرو کے ساتھ یہاں سے نکلنے کا موقع دو گی۔"

حبیبہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گئی تھی۔ اگر وہ دیوار کا سہارا نہ لیتی تو شاید فرش پر گر پڑتی یا بیٹھ جاتی۔ اس کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ وہ حیرانی سے مارٹن کو دیکھے جا رہی تھی۔ ایسے کالے عمل کا تماشہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ پہلی بار عامل ایزل ہارڈی، اور معمولہ بدرُوح کے ڈائیلاگ سن رہی تھی۔

پھر مارٹن کی سانسیں رُکنے لگیں۔ وہ اٹک اٹک کر سانسیں لیتے ہوئے میرے لب و لہجہ میں بولا "حبیبہ! فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ یہ بدرُوح میرے حکم پر عمل کرنے والی ہے۔"

وہ دیوار سے لگی لگی باہر جانے لگی۔ دروازے کے قریب پہنچتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اسے کھولا۔ ایک نظر مارٹن پر ڈال کر فوراً باہر نکل گئی۔ دروازے کو بند کر دیا۔

میں مارٹن کے دماغ میں تھا۔ حبیبہ کے متعلق نہیں جان سکتا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ کیا سوچ رہی ہے۔ ویسے زندگی میں پہلی بار اسے کالے عمل پر یقین آگیا تھا۔ یقیناً وہ مجھ سے دہشت زدہ رہے گی یا پھر میری دوستی اور تعاون کا یقین ہوگا۔ تب بھی وہ مجھ سے دور رہے گی۔ نیکی کر دریا میں ڈال۔ یعنی نیکی کرنے کے بعد بھول جانا چاہیے۔ میں نے جو نیکی حبیبہ اور لیلیٰ ثانی کے ساتھ کی تھی، اسے بھول جانے کا یہی طریقہ مناسب تھا کہ کام کے وقت ان کے کام آتا۔ اس کے بعد انھیں اپنے سے دور رہنے پر مجبور کر دیتا۔

مارٹن کی سانس رُک گئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی تھیں۔ میں اسے چھوڑ کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اس بالکونی سے نکل کر ڈائننگ ہال سے گزرتا ہوا زینے پر چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ تاش کی بازی پوری طرح جم گئی تھی۔ لوگ میز کے چاروں طرف کھڑے ہو کر سونیا کا کھیل دیکھ رہے تھے۔ یہ بات کیسینو میں پھیل گئی تھی کہ سلطانہ نامی ایک عورت بڑی ہوشیاری سے، بڑی مہارت سے کھیل رہی ہے اور بازی پہ بازی جیت رہی ہے۔

جب میں پہنچا تو سونیا کے مقابل کھیلنے والے ذرا بدل گئے تھے۔ پہلے دو کھلاڑیوں کی جگہ دوسرے دو کھلاڑی آگئے تھے۔ اس وقت ایک نیا کھلاڑی بازی لے جا رہا تھا۔ سونیا ہار رہی تھی۔ میں نے پوچھا "کتنی بازیاں تمھارے خلاف جا چکی ہیں؟"

"دو بازیاں جان بوجھ کر ہار چکی ہوں، یہ تیسری بازی میری مرضی کے خلاف ہے۔ میرے مقابل کھیلنے والا بڑی مہارت رکھتا ہے اور تاش کے پتوں کو اپنے ہاتھوں میں نچاتا اور اپنی مرضی کے مطابق، مقابل کھلاڑیوں میں تقسیم کرنا جانتا ہے۔"

"ٹھیک ہے اسے مخاطب کرو۔"

سونیا نے تاش کے پتے اٹھا کر مسکراتے ہوئے اپنے مقابل کو دیکھا۔ پھر کہا "تم بہت اسمارٹ ہو۔ بہت اچھا کھیلتے ہو۔"

اس نے مسکرا کر کہا "شکریہ۔"

اس کے شکریہ کہنے کے ساتھ ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے پتے دیکھے۔ پھر سونیا کو بتا دیا۔ سونیا نے کسی بہانے سے دوسرے نئے کھلاڑی کو بھی مخاطب کیا پھر میں نے اس کے بھی پتے دیکھ لیے۔ اس طرح اس کے مقابل نئے کھیلنے والوں کے پتوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا اور اسے بتاتا رہا۔ پتا چلا کہ چھ کھلاڑیوں میں سے چار کے پاس بڑے بڑے پتے ہیں لیکن ان سے بڑے پتے سونیا کے پاس تھے۔ یہ بازی وہ جیتنے والی تھی اور تاش کی گڈی پھر اس کے ہاتھوں میں آنے والی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گڈی آنے کا فائدہ یہ ہوتا کہ اسے شارپنگ کا موقع ملتا اور وہ اپنے مطلب

کے پتے کھلاڑیوں میں تقسیم کرتی۔ ابھی بڑی دیر تک اس کے جیتنے کے امکانات تھے۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ واپس آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے رسونتی کے دماغ میں چپکے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا: "کیا ربی اسفندیار سونے سے پہلے آیا تھا؟"

"ہاں، آیا تھا۔"

"کیا اس نے تنویمی عمل کیا تھا؟"

"ہاں، کیا تھا۔"

"اس نے تم سے کیا سوالات کیے؟"

وہ مجھے بتانے لگی۔ میرے اندیشے کے مطابق ربی اسفندیار نے وہی سوالات کیے تھے کہ وہ صحیح معنوں میں خیال خوانی کے قابل ہو گئی ہے اور اپنی اس صلاحیت کو چھپا رہی ہے یا واقعی اس سلسلے میں دشواری محسوس کر رہی ہے۔

اس نے جواب دیا تھا کہ ممتا کے شدید جذبے سے خیال خوانی کی صلاحیت واپس آئی تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹر سومر کے تعاون سے اس نے تھوڑی سی خیال خوانی کی تھی۔ اب پھر وہی گرہ پڑ گئی ہے۔ وہ فی الحال خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔

وہ مجھے تنویمی عمل کے متعلق رپورٹ سُنا رہی تھی۔ میں نے پوچھا: "کیا تم نے ربی اسفندیار کو یہ بتا دیا ہے کہ تم یہودیوں سے نفرت کرنے لگی ہو اور ہماری طرف مائل ہونے لگی ہو؟"

اس کے خوابیدہ دماغ نے جواب دیا: "میں نے ایسی کوئی بات ربی اسفندیار کو نہیں بتائی ہے۔ مجھے یہ باتیں یاد نہیں رہی تھیں۔"

"تم ان باتوں کو یاد نہیں رکھو گی۔ تنویمی عمل کے دوران بھول جایا کرو گی اور جب نیند سے بیدار ہو گی تو پھر ہماری وفاداریوں کو اور یہودیوں کی چالبازیوں کو یاد رکھو گی۔"

میں اسے ہدایت دینے کے بعد اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی سامنے دیوار گھڑی کو دیکھا۔ وہاں رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے اپنے کمرے میں ایک کیروسین لیمپ جلایا ہوا تھا۔ سجاد اس کی روشنی میں ایک نقشے کو دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "یہ کسی جزیرے کا نقشہ معلوم ہوتا ہے۔ شاید ہمیں اسی جزیرے میں قید کیا گیا ہے۔"

اعلیٰ بی بی جھک کر اس نقشے کو دیکھ رہی تھی تاکہ میں اس کے ذریعے اس نقشے کو سمجھ سکوں۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا: "نقشہ تو ہے لیکن اس میں کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ نہ تو جزیرے کا نام ہے اور نہ ہی جزیرے کے مختلف علاقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ نقشہ بنایا جا رہا تھا مگر ادھورا چھوڑ دیا گیا۔"

"وہاں دفتری کمرے میں تم فائلوں کو پڑھ رہی تھیں... کچھ معلومات حاصل ہوئیں؟"

"ہاں، ان سے پتا چلتا ہے کہ یہاں جنگلی جانوروں کی پرورش کی جاتی ہے پھر انھیں دوسرے ممالک کے چڑیا گھروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔"

میں اس کے ذریعے دور شیروں کے دہاڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ دونوں رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ اعلیٰ بی بی نے بتایا کہ کچن میں کھانے کا بہت سا سامان ہے۔ میں نے اسے خوشخبری سُنائی: "رسونتی ہماری طرف مائل ہو گئی ہے اور اب دشمنوں کی چالبازیوں کو اچھی طرح سمجھ رہی ہے۔ سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھی واپس آگئی ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے خوش ہو کر کہا: "یہ تو کمال ہو گیا۔ فرہاد! کیا ہم کبھی سوچ بھی سکتے تھے کہ وہ عورت جو صرف اپنے دھرم کو اہمیت دیتی رہی۔ تمھاری شریکِ حیات بننے کے باوجود دل سے مسلمان نہ ہوئی اور ہمیشہ یہودیوں کو دوست سمجھتی رہی۔ وہ اچانک یوں بدل جائے گی۔ کیا کبھی ہم سوچ سکتے تھے؟"

"یہ ہماری توقع کے بالکل خلاف ہے۔"

"ہم نہیں جانتے کہ تقدیر کیا گُل کھلانے والی ہے؟ قدرت کو کیا منظور ہوتا ہے؟ اس خالقِ کائنات کو منظور ہو تو بنجر زمین سے بھی فصل اُگنے لگتی ہے اور سدا گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے اچانک راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے اسے طلاق دینے میں بڑی جلدی کی۔"

"تم مجھے نصیحت نہ کرنا۔ میں نے جو کیا اس پر پچھتانے کی مجھے فرصت نہیں ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی سجاد نے اعلیٰ بی بی سے پوچھا: "تم یک بیک خاموش کیوں ہو گئی ہو؟"

وہ چونک کر بولی: "کچھ نہیں۔ میں موجودہ ماحول کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ ہم آہنی پنجرے کے بیچ ایک مکان کے اندر کب تک رہ سکتے ہیں۔ ہمیں یہاں چھوڑنے والوں نے واپس آکر ہماری خیریت بھی نہیں پوچھی۔ پتا نہیں پھر وہ دوبارہ کب آئیں گے۔"

سجاد نے کہا: "وہ جب بھی آئیں بہت رات ہو گئی ہے۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ سونا چاہتا ہوں۔"

"تم رات دس بجے سے سونے کے لیے کہہ رہے ہو اور میں تمھیں جاگنے پر مجبور کر رہی ہوں۔"

"یہی تو بار بار پوچھ رہا ہوں، کیوں جاگنے پر مجبور کر رہی ہو؟ میں تمھارے پاس آنا چاہتا ہوں۔ تم دور ہو جاتی ہو۔ کہتی ہو، ہمارے درمیان فاصلہ رہنا چاہیے۔ پھر جاگنے کا فائدہ؟"

اس نے سجاد کو فرہاد کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کہا: "دیکھو فرہاد! تمھیں رات کے دس بجے کبھی نہیں سونا چاہیے۔ ربی اسفندیار نے تم پر تنویمی عمل کیا ہے۔ اس کے مطابق تم صحیح وقت پر سونے کے بعد یہودیوں کی دوستی کا سبق یاد کرتے رہو گے۔"

"میں یاد نہیں کرتا ہوں۔ بھلا یاد کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ ہمارے دوست ہیں۔ اگر ہم دشمنی بھول جائیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔"

"یہی تو ان سے دوستی کا سبق دُہرانا ہُوا۔ میں تمھیں کبھی دس بجے سونے نہیں دوں گی۔"

"یہ کوئی زبردستی ہے۔ تم چاہتی ہو میں تمام رات جاگتا رہوں؟"

"نہیں۔ بارہ بجے کے بعد سو جانا۔"

"اچھی بات ہے۔ تو پھر آدھے گھنٹے تک ہم باتیں کریں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر کہا: "بہتر ہے تم سو ہی جاؤ۔"

میں نے کہا: "اسے سونے دو۔ میں تنویمی عمل کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ میں آہستہ آہستہ اسے ٹیلی پیتھی کی لوریاں سُنانے لگا۔ جب وہ سو گیا تو میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو اپنے قابو میں کرتے ہوئے تنویمی عمل کا آغاز کیا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہی وہ بالکل ٹرانس میں آگیا۔ میرا معمول بن گیا۔ پہلے تو میں نے اس سے یہ معلومات حاصل کیں کہ ربی اسفندیار نے تنویمی عمل کے دوران اسے دوستی کا کون سا سبق پڑھایا ہے اور اسے کس طرح یاد کرنا چاہیے۔

جواباً وہ سبق یاد کرنے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا پھر کہا: "اب میں جو سبق سِکھاؤں، تم اسے یاد رکھو گے اور پہلا تنویمی عمل والا سبق بھول جاؤ گے۔"

اس نے ایک معمول کی حیثیت سے کہا: "میں وہی سبق یاد رکھوں گا جو تم سِکھاؤ گے اور پہلا تنویمی عمل والا سبق بھول جاؤں گا۔"

میں اس کے دماغ کو ہدایات دینے لگا۔ اسے سمجھایا کہ یہودیوں کی دوستی پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی سازشوں کو سمجھنا چاہیے۔ وہ جو بھی مشورہ دیں، اس کے برعکس عمل کرنا چاہیے۔

بہرحال اب ہم سجاد کو یہودیوں کے جنگل میں جانے کا موقع نہیں دیتے اور نہ ہی یہودیوں کو کبھی اتنا موقع ملتا کہ وہ سجاد کو آئندہ کوئی مشورہ دے سکیں یا تنویمی عمل کے ذریعے اسے دوستی کا سبق یاد کرا سکیں۔ میں نے سجاد کو اچھی طرح سمجھانے کے بعد... صبح تک سونے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اعلیٰ بی بی کے پاس آکر اسے سجاد پر کیے جانے والے تنویمی عمل اور ردِ عمل کے متعلق تفصیل سے بتایا پھر مشورہ دیا کہ وہ بھی آرام سے سو جائے۔ جو لوگ انھیں چھوڑ کر گئے تھے، وہ دوسرے دن آسکتے تھے۔ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ لہٰذا آرام سے سو جانا ہی بہتر تھا۔

اسے مشورہ دینے کے بعد میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے مقابل کھیلنے والوں کے چھکے چھڑا رہی تھی۔ وین وائز خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے صبح تک جتنی دولت سمیٹنے کی توقع کی تھی، اتنی دولت وہ رات کے دو بجے تک حاصل کر چکا تھا ——

اس میز پر سونیا کے مقابل آنے والا نیا کھلاڑی بھی زبردست شاطر تھا۔ جنوبی امریکہ میں فلیش کا بادشاہ کہلاتا تھا۔ اس نے کھیل کے دوران سونیا سے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم ہمارے ہاتھ کے پتوں کو کس طرح پہچان لیتی ہو؟"

سونیا نے حیرانی سے پوچھا: "میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی؟"

"میں کیا سمجھاؤں۔ جب تم پتے شفل کرتی ہو۔ اس کے بعد تقسیم کرتی ہو تو تمھاری مرضی کے مطابق تمھارے پاس بڑے پتے آتے ہیں لیکن جب تم شفل نہیں کرتی ہو۔ کوئی دوسرا پتے بانٹنے لگتا ہے، تب بھی تم سمجھ لیتی ہو کہ کس کے پاس کون سا پتہ آیا ہے۔ آخر تم کس طرح سمجھ لیتی ہو؟"

"میں تمھاری بے تکی باتوں کا کیا جواب دوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں یہاں بیٹھی رہوں اور اُدھر اتنی دور بیٹھے ہوئے مقابل کھلاڑیوں کے ایک ایک پتے کو یہاں سے پہچان لوں۔ کیا عقل اسے تسلیم کرتی ہے؟"

"عقل تسلیم نہیں کرتی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم ہمارے پتوں کو پڑھ رہی ہو۔"

"پھر تو میں کالا جادو جانتی ہوں گی۔"

آس پاس کے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اس دوران میں نے بتایا کہ اس کے مقابل کھلاڑیوں کے ہاتھوں میں کون کون سے پتے ہیں۔ میری طرف سے معلومات حاصل ہوتے ہی اس نے ایک ہزار ڈالر کی چال چل دی۔ سب نے اسے چونک کر دیکھا پھر اپنے اپنے ہاتھوں کے پتے دیکھنے لگے۔ ان میں سے تین کھلاڑیوں کے پتے اچھے خاصے تھے۔ وہ جیت سکتے تھے لیکن سونیا کے سامنے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ پہلی ہی چال ایک ہزار ڈالر کی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سونیا کے ہاتھ میں بہت بڑے پتے آئے ہیں۔ دو کھلاڑیوں نے فوراً ہی کھیل سے ہاتھ کھینچ لیا۔ باقی تین کھلاڑی میدان سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ انھیں اپنے پتوں پر بھروسہ تھا۔ وہ سونیا کو دیکھتے جاتے تھے اور چالیں چلتے جاتے تھے۔ جب سونیا نے پانچ ہزار ڈالر کی چال چلی تو باقی دو نے بھی پتے رکھ دیے۔ اب وہی ایک شاطر اس کے مقابلے پر رہ گیا تھا۔ اس نے سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا: "یقیناً تمھارے پاس بڑے پتے آئے ہیں یا تم اپنے مقابل کے پتوں کو پڑھ لیتی ہو۔ تم

نے معلوم کر لیا ہے کہ میرے پاس تمھارے مقابلے میں چھوٹے پتّے ہیں۔ میں ثابت کر دوں گی کہ مجھے کوئی جادو نہیں آتا۔ آپ اپنی چال چلیں۔"

اس نے بھی جواباً پانچ ہزار ڈالر کی چال چلی۔ سونیا نے یکلخت پچیس ہزار ڈالر کے ٹوکن آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میری چال پچیس ہزار کی ہے۔"

مقابل کھلاڑی نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "یہ کیا تُک ہے، آہستہ آہستہ چال چلو۔ یکلخت پچیس ہزار کیوں؟"

"میں اسی طرح کھیلتی ہوں۔ دولت کو ہاتھ کا میل سمجھتی ہوں۔ میں پچیس ہزار کے علاوہ وہ رقم بھی ہار جاؤں گی جو اس سے پہلے کی چالوں میں جیت چکی ہوں، فکر مجھے ہونی چاہیے۔ تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ چال چلو۔"

"میں شو کرانا چاہتا ہوں مگر مجھے پچیس کے ڈبل پچاس ہزار دینے ہوں گے۔"

"یہ تو کھیل کا دستور ہے۔ شو کراؤ گے تو ڈبل رقم دینا ہوگی۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کبھی میز پر رکھے ہوئے ٹوکنوں کو دیکھنے لگتا۔ وہاں تقریباً پچپن ہزار ڈالر کے ٹوکن رکھے ہوئے تھے۔ اگر وہ شو کراتا تو اسے مزید پچاس ہزار ڈالر کے ٹوکن سامنے رکھنے ہوتے اور اگر سونیا کے پتّے بڑے ہوتے تو وہ ایک ہی بازی میں ایک لاکھ پانچ ہزار ڈالر جیت کر لے جاتی۔ اس کے مقابل کھلاڑی نے کہا "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ پچاس ہزار ڈالر دے کر شو کراؤں۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ تم ہمارے پتّے پڑھ لیتی ہو۔"

"تم اگر شو نہیں کرانا چاہتے تو اپنے پتّے گڈی میں رکھ دو میں اپنے پتّے دکھا کر یہ رقم لے جاؤں گی۔"

اس نے اپنے پتّے گڈی میں رکھ دیے۔ سونیا نے قہقہہ لگا کر پچپن ہزار ڈالر کے ٹوکنوں کو اپنی طرف سمیٹتے ہوئے کہا "اب میں ثابت کرتی ہوں کہ میں پتّے نہیں پڑھتی۔ صرف اپنی ذہانت سے کھیلتی ہوں۔"

اس نے اپنے تینوں پتّے دکھائے۔ وہ نہایت ہی چھوٹے پتّے تھے۔ اس کے مقابل کھیلنے والے پانچوں کھلاڑیوں میں سے کوئی بھی اس سے جیت سکتا تھا لیکن اس نے نفسیاتی چال چلی تھی۔ ایک ہزار ڈالر سے چال شروع کر کے پانچ ہزار اور پھر پچیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس چال نے یہ تاثر پیدا کیا تھا کہ اس کے پاس سب سے بڑے پتّے ہیں اور چونکہ یہ رائے پہلے سے قائم کی گئی تھی کہ وہ کسی طرح پتّے پڑھ لیتی ہے تو وہ سبھی اندیشوں میں گھر گئے تھے۔ اب اس کے ہاتھ میں نہایت ہی کمتر پتّے دیکھ کر سب کو اپنی غلطی... اور حماقت کا احساس ہونے لگا۔

ڈین وائز کا بڑا سا تھیلا ٹوکنوں سے بھر گیا تھا۔ اس کے علاوہ سونیا کے سامنے میز پر پچپن ہزار ڈالر کے ٹوکن اور رکھے ہوئے تھے۔ وائز نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا "میں ان ٹوکنوں کو کاؤنٹر پر دے کر رسید لے آتا ہوں۔ تم اس وقت تک اپنے سامنے رکھے ہوئے ٹوکنوں سے کھیلتی رہو۔"

وہ چلا گیا۔ کھیل پھر شروع ہوا۔ سبھی جوش اور جذبے میں تھے۔ سونیا سے اپنی ہار کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس نے جب پتّوں کو پھینٹنا شروع کیا تو ہر کھلاڑی اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا مگر اس میں بلا کی پھرتی تھی۔ آنکھیں ٹھہرتی نہیں تھیں۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ کون سا پتّہ کدھر گیا ہے۔ اس کے مقابل بیٹھا ہوا شارپر سمجھ رہا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ شفل کرنے سے پہلے سونیا نے کون سے پتّے کہاں رکھے ہیں۔ جب اس نے اپنے سامنے کے پانچوں کھلاڑیوں میں پتّے تقسیم کر دیے، اپنے حصّے کے بھی پتّے رکھ لیے تو ایک نے کہا۔ "مادام سلطانہ! چونکہ تم نے پتّے پھینٹے اور بانٹے ہیں، لہٰذا تمھارے ہی پاس بڑے پتّے آئے ہوں گے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے والی بازی کی طرح میرے پاس نہایت ہی کمتر پتّے آئے ہوں۔"

اس کے مقابل کھلاڑیوں نے کہا "ہم مان نہیں سکتے۔"

سونیا نے کہا "چلو ایسا کرتے ہیں کہ اس بار ہم اپنے پتّوں کے مطابق چال نہیں چلیں گے۔ میں پچپن ہزار ڈالر تم لوگوں کے سامنے رکھتی ہوں۔ اگر تم سب کے کہنے کے مطابق میرے پاس بڑے پتّے آئے ہوں گے تو یہ تمام رقم تم لوگوں کی۔ اور اگر چھوٹے پتّے آئے ہوں گے تو تم سب کو پچپن ہزار ڈالر ادا کرنے ہوں گے۔ بولو منظور ہے؟"

سارے جواری ذہنی طور پر اُلجھ گئے۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "تم علم نفسیات کو خوب سمجھتی ہو اور انسانی نفسیات سے کھیلنا بھی جانتی ہو۔ ہم فیصلہ ہی نہیں کر سکتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

دوسرے نے کہا "بھئی ہم اپنے پتّوں کے مطابق کھیلنے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا کھیل کے دستور کے مطابق کھیلنا چاہیے۔"

وہ سب اپنے اپنے پتّے اُٹھا کر دیکھنے لگے۔ اس بار سب چونک رہے تھے کیوں کہ سبھی کے پاس بڑے بڑے پتّے تھے۔ ایسے پتّے جو اس جیتنے والی کو مات دے سکتے تھے۔ سونیا نے ایک بار پھر ایک ہزار ڈالر سے چال شروع کی۔ اس کے مطابق دوسروں نے بھی ہزار ہزار ڈالر کے ٹوکن دینے شروع کیے۔ مگر وہ احتیاطاً اپنے

پتّے دیکھتے جا رہے تھے۔ ایک نے کہا "تم نے ہمیں اُلجھا دیا ہے۔ ہم سب جواری ہیں۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ زندگی میں پہلی بار تمھارے سامنے اندیشوں میں گھر کر کھیلنے میں مزہ آ رہا ہے۔ جُوا ہو تو ایسا کہ جہاں دماغ لڑانا پڑے۔ سمجھنا پڑے کہ مقابل کیسی چالیں چل رہا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں، تمھاری چالوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کو اُلجھانا نہیں چاہتی۔ آرام سے کھیلو۔ ابھی میں دس پندرہ منٹ آرام کرنا چاہتی ہوں۔ خاموشی سے کھیل دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لیے اپنے پتّے گڈی میں واپس رکھ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے گڈی کے درمیان اپنے تینوں پتّے رکھ دیے۔ کوئی نہ دیکھ سکا کہ اس کے پاس کون سے پتّے آئے تھے۔ لیکن مقابل کھلاڑیوں میں اطمینان پیدا ہوا کہ جس سے سخت مقابلہ ہوتا آ رہا تھا، وہ دس پندرہ منٹ کے لیے تماشائی بن گئی ہے۔ وہ آرام سے کھیلنے لگے۔ میں نے کہا "سونیا! تم نے جان بوجھ کر اپنے پاس کمتر پتّے رکھے تھے۔ اب آئندہ بازی تک مجھے تمھارے پاس رہنا ہوگا تاکہ کوئی دوسرا شفل کرے اور پتّے تقسیم کرے تو مجھے پھر نہیں بتانا پڑے۔"

"کیا حرج ہے۔ دس منٹ آرام کرو۔ میرے پاس دوبارہ آ کر بتا دینا۔ اس کے بعد چلے جانا۔"

میں نے یہی کیا۔ جب دوسری بار اس کے پاس پہنچا تو دوسری بازی شروع ہو چکی تھی۔ پتّے بھی تقسیم ہو گئے تھے۔ میں نے سونیا کو تمام پتّوں کے متعلق بتایا پھر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے بعد کاہل تنظیم کے سربراہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سجاد اور اعلیٰ بی بی کے متعلق یہودیوں کو کوئی اطلاع دی گئی ہے یا نہیں؟

اطلاع مل گئی تھی۔ بردہ فروشوں کے سرغنہ نے رابطہ قائم کر کے یہ سودے بازی شروع کر دی تھی کہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی اس کے قبضے میں ہیں اور ایسی جگہ چھپائے گئے ہیں جہاں کوئی ان کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا وہ فرہاد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بڑی سے بڑی بولی لگائیں۔

کاہل تنظیم کے سربراہ کے دماغ نے جب مجھے یہ بتایا تو میں نئے سپر ماسٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ نیا سپر ماسٹر یہودی تھا۔ اس کے دماغ نے بھی بتایا کہ ایسی ہی اطلاع اس کے پاس بھی پہنچی ہے۔ اسے بھی فرہاد کو حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی بولی لگانے کا موقع دیا گیا ہے۔

یقیناً یہ موقع نئے ماسک مین کو بھی دیا گیا ہوگا۔ میں اس ماسک مین کے دماغ تک نہیں پہنچ سکا تھا لیکن اندازہ کر سکتا تھا۔ دوسری صبح ہونے تک بڑی بڑی خطرناک تنظیموں اور بڑے بڑے ممالک کے درمیان فرہاد کو حاصل کرنے کے سلسلے میں رسہ کشی شروع ہونے والی تھی۔

صبح چار بجے میں نے سونیا سے کہا "اب تمھارا کھیل ختم ہونے والا ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔"

"میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے سُلاؤ گے۔ میں نے کھیلنے کے دوران اتنی زیادہ کافی پی لی ہے کہ ٹیلی پیتھی کی لوری کے بغیر نیند نہیں آئے گی۔ میں آ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈین وائز سے بولی "میں تھک گئی ہوں اور نہیں کھیلوں گی۔"

ڈین وائز نے خوشامدانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا...

"بیشک بیشک اب تمھیں آرام کرنا چاہیے۔ چلو میں ان ٹوکنوں کی رسید لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم ہوٹل چلیں گے۔"

وہ رسید لینے کے لیے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ میں اپنی جگہ دماغی طور پر واپس آ گیا۔ سونیا نے رات بھر کیسے کھیلا، کتنی رقم جیتی، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ ڈین وائز نے اپنی اور اپنے باس جے جے پارکر کی توقع سے بہت زیادہ دولت حاصل کی تھی۔

تقریباً پینتالیس منٹ کے بعد سونیا میرے پاس آ گئی... دروازے کو بند کرنے کے بعد تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گرتے ہوئے بولی "اب تو لباس تبدیل کرنے کی بھی سکت نہ رہی۔"

میں نے اسے ٹیلی پیتھی کی لوری سُنائی۔ اسے سلانے کے بعد میں اپنے دماغ کو ہدایات دے کر خود بھی سو گیا۔

ہم دوسرے دن صبح دس بجے تک سوتے رہے۔ بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے میں نے اعلیٰ بی بی اور سجاد کی خبر لی۔ انھیں وہاں لا کر چھوڑنے والا اپالو ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ مکان کے باہر ٹہل رہی تھی۔ چاروں طرف آہنی سلاخوں کو دیکھ رہی تھی، جن کے پیچھے خونخوار شیر ٹہل رہے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "فرہاد! کیا ہمارے سلسلے میں سودے بازی کی ابتدا ہو چکی ہے؟"

"سپر ماسٹر، ماسک مین اور یہودی اکابرین کو آفر دی گئی ہے۔ جو سب سے بڑی بولی دے گا سجاد کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور سجاد کے ساتھ تمھیں بھی۔"

"تم میری فکر نہ کرو بلکہ ہمیں سب سے پہلے رسونتی کی فکر کرنا چاہیے۔ اسے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس مل گئی ہیں۔ لہٰذا جلد سے جلد اسے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچانا چاہیے تاکہ یہودی اس کے سائے تک بھی نہ پہنچ سکیں۔"

"تم درست کہتی ہو۔ ہماری ٹیم میں اب رسونتی بہت اہم

ہے۔ اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ سونیا بھی یہی ضد کرے گی کہ رسونتی کو کسی طرح اسرائیلی حدود سے باہر لے جاکر اس کی حفاظت کی جائے اور اسے اپنی پناہ میں رکھا جائے۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم اور سونیا تل ابیب چھوڑنے سے پہلے رسونتی کو وہاں سے نکالو۔ کوئی مناسب تدبیر سوچو۔"

ہماری گفتگو کے دوران سونیا نیند سے بیدار ہوگئی تھی۔ بستر سے اُٹھ کر باتھ روم کی طرف جارہی تھی۔ وہ میرے انداز سے سمجھ لیتی تھی کہ خیال خوانی میں مصروف ہوں اس لیے مداخلت نہیں کرتی تھی۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا "سونیا ابھی بیدار ہوئی ہے۔ میں اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

اسی وقت مجھے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں رسونتی کی آواز سُنائی دی۔ وہ پوچھ رہی تھی "اعلیٰ بی بی! کیا تم مجھے میرے لب و لہجے سے پہچان سکتی ہو؟"

وہ خوش ہوکر بولی "آہا، رسونتی! تم میرے دماغ میں آئی ہو۔ میں تمھیں لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں۔ کیا ہوا کہ فرہاد سے رشتہ نہیں رہا لیکن تم پارس کی ماں ہو۔ ہمارے لیے معزز ہو۔ تم ہمارے دماغ اور ہمارے دل میں جھانک کر معلوم کرسکتی ہو کہ ہم تمھیں کتنا چاہتے ہیں۔ اب جب کہ تم ہماری طرف واپس آچکی ہو تو ہماری چاہت میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ تم خود ہی ہمارے خیالات پڑھ کر معلوم کرتی رہوگی۔"

"میں جانتی ہوں اور تم سب کی محبتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتی۔ واقعی میں خوش نصیب ہوں کہ تم جیسی چاہنے والیاں اور چاہنے والا . . ."

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر سنبھل کر بولی "مم . . میرا مطلب ہے کہ تم سب مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہو۔ ابھی میرے متعلق مشورے کررہے ہو۔ مجھے یہودیوں کے سائے سے نکال کرلے جانا چاہتے ہو۔ پلیز، میرے لیے جلد سے جلد کوشش کرو۔ میں یہاں گھٹن محسوس کررہی ہوں۔ میں اپنے بیٹے کو اس ماحول میں نہیں رکھوں گی"

"تم اطمینان رکھو۔ ہم آج ہی کوئی تدبیر سوچتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں"۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرہاد! تم خاموش کیوں ہو؟"

میں نے کہا "شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی نہیں پیتے، اس لیے میں جارہا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے فوراً ہی کہا "ٹھہر جاؤ، ابھی نہ جانا۔ میرا دماغ کوئی گھاٹ نہیں ہے۔ ویسے تم شیر ہو تو رسونتی ٹیلی پیتھی . . . کی شیرنی ہے۔ جب دشمنوں کو اس کی خیال خوانی کا علم ہوگا تو ان کے ہوش اُڑ جائیں گے۔"

ہماری باتوں کے دوران سونیا باتھ روم سے آگئی۔ میں نے کہا "میں ذرا سونیا سے گفتگو کررہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچا۔ وہاں بھی رسونتی کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "سونیا! میں تمھارے پاس آگئی ہوں۔"

میں سمجھ رہا تھا، وہ سونیا کے بہانے مجھے سمجھا رہی تھی کہ میں جہاں جاؤں گا، وہ سایہ بن کر آتی رہے گی۔ یہ اس کے لیے بہت بڑا المیہ تھا، پہلے وہ میرے آگے ایک مکمل وجود تھی، اب محض سایہ بن کر رہ گئی تھی۔ سونیا نے کہا "رسونتی! جب سے مجھے تمھاری خیال خوانی کا علم ہوا ہے، میں تمھارے لیے کوئی تدبیر سوچ رہی ہوں۔ تمھیں کسی دوسرے ملک میں پہنچا کر وہاں آزادانہ تمھیں اپنی پناہ میں لے کر تمھاری حفاظت کرسکتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں، سب سے زیادہ تمھیں میری فکر ہے۔ پلیز، کوئی تدبیر سوچو۔"

"میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے۔ میں فرہاد سے گفتگو کررہی ہوں۔ تم سنتی رہو۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ تاکہ میں خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کروں۔ ہوٹل میں خفیہ مائک لگا ہوا تھا۔ وہ بلند آواز سے بول نہیں سکتی تھی۔ میں نے پُوچھا "کیا بات ہے؟"

"کیا رسونتی اِن یہودیوں میں رہے گی؟"

میں نے جواباً پوچھا "کیا تم اس سلسلے میں کوئی نیا مشورہ دینے والی ہو؟"

"ہاں، ہم رسونتی کو یہاں سے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

تمھارا دماغ تو دُرست ہے؟ ہم دین وائز کے ساتھ ایزل ہارڈی اور سلطانہ کی حیثیت سے آئے ہیں۔ تم نے کیسینو میں پچھلی رات خوب کھیل دکھایا۔ جے جے پارکر کی توقع سے زیادہ دولت حاصل کرچکی ہو۔ شاید آج شام تک ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں پھر اتنی جلدی تمھاری چہیتی کو یہاں سے کیسے لے جا سکتے ہیں؟"

"اپنے ساتھ نہ سہی۔ اسے کسی دوسرے طیارے سے کسی دوسرے ملک میں پہنچا سکتے ہیں۔"

"وہ بھلا کس طرح؟"

"تم اپنی ٹیلی پیتھی یہودیوں پر ظاہر کردو۔"

میں نے چونک کر پوچھا "کیا کہہ رہی ہو؟ میں دُنیا والوں کے سامنے سجاد کو پیش کررہا ہوں۔ خود روپوش ہوں۔ اپنی ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ جب سے میں نے یہ طریقہ کار اختیار کیا

ہے، بڑے اطمینان اور آرام سے روپوش رہ کر اپنا کام کررہا ہوں۔ اگر تم یہ کہو گی کہ رسونتی کی وجہ سے میں خود کو ظاہر کردوں تو یہ کبھی نہیں کروں گا۔"

"اپنی ہی سُنائے چلے جاتے ہو۔ دوسروں کی بھی سُنا کرو۔ تم خیال خوانی کے ذریعے یہودیوں سے رابطہ قائم کرو گے تو وہ سجاد کے متعلق ہی سوچیں گے کہ دماغ کو کمزور کرنے کے باوجود بھی وہ خیال خوانی کے قابل ہوگیا ہے۔ یعنی، وہ سجاد کو فرہاد سمجھ رہے ہیں اور تم تو اپنی جگہ روپوش ہو۔ روپوش ہی رہو گے۔"

میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "ٹھہرو، تمھاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے۔ یہ واقعی اچھی تدبیر ہے۔ انھوں نے تنویمی عمل کے ذریعے سجاد کو دوستی کا سبق پڑھایا ہے۔ میں دوست بن کر انھیں مخاطب کروں اور دوست بن کر مشورہ دوں کہ رسونتی کو بھی خیال خوانی کے قابل بنانے کے لیے مملکتِ اسرائیل کے باہر کسی ایسے ملک میں بھیجنا چاہیے، جہاں کی آب و ہوا اس کے دماغ میں تازگی اور توانائی پیدا کرے۔"

"میں یہی چاہتی ہوں۔ انھوں نے تنویمی عمل کے ذریعے سجاد اور اعلیٰ بی بی کو دوست بنانے میں کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ وہ مکاری دکھا رہے ہیں تو ہم بھی دوست بن کر مکاری سے جواب دیں گے۔"

"مکاری میں تو تمھارا جواب نہیں ہے۔"

رسونتی نے سونیا سے کہا "ایک اور پہلو پر غور کرلو۔ سجاد جہاں بھی ہے، اگر وہ یہودیوں کے نقطۂ نظر سے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کررہا ہے تو اسے بتانا ہوگا کہ وہ کس ملک میں ہے پھر یہودیوں نے اس ملک میں پہنچ کر اسے پکڑ لیا تو وہ دوبارہ یہودیوں کے چنگل میں پھنس جائے گا۔"

سونیا نے کہا "میں نے ہر پہلو سے غور کیا ہے۔ جب یہودی سجاد کے قریب پہنچیں گے تو ہم اپنی بازی پلٹ دیں گے۔ فی الحال یہی طریقہ کار ہے۔ فرہاد خیال خوانی کے ذریعے یہودی اکابرین سے رابطہ قائم کرے اور تمھارے سلسلے میں ہماری مرضی کے مطابق ہی مشورہ دے۔ جب وہ دوست بن کر تجویز پیش کرے گا تو یہودی ضرور اسے تسلیم کریں گے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا "یہودی مکاریاں دکھانے اور سازشیں کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ کہیں تم یہودی تو نہیں ہو؟"

"ایک کہاوت کے مطابق ہر فرعون کے لیے موسیٰ پیدا ہوتا ہے۔ میں ان کے جواب میں پیدا ہوئی ہوں۔ بہرحال میرا مشورہ قبول ہے تو اس پر عمل کرو۔ رسونتی کو جلد سے جلد یہاں سے نکالنا ہے۔"

میں کچھ دیر تک سونیا کے مشورے پر ہر پہلو سے غور کرتا رہا اس کے بعد اچانک ہی میں نے ربی اسفندیار کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پہلے تو سانس روک لی پھر حیرانی سے پوچھا "کیا میں سوچ کی لہروں کو محسوس کررہا ہوں؟"

"ہاں محترم ربی! میرے لب و لہجے سے مجھے پہچان لیں میں آپ کا عقیدت مند فرہاد علی تیمور ہوں۔"

اس نے ایک دم سے خوش ہوکر پوچھا "واقعی؟ کیا میں اپنے فرہاد کی آواز سُن رہا ہوں؟ کیا تم خیال خوانی کے قابل ہوگئے ہو؟"

"جی ہاں، آپ سے اس قدر متاثر ہوں کہ دماغ میں توانائی محسوس ہوتے ہی خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پہلے آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

اس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "فرہاد! جلدی بتاؤ، تم کہاں ہو؟ کس حال میں ہو؟ میں ہر حال میں تمھیں اپنے پاس بلاؤں گا۔"

"آپ اسرائیلی اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کریں۔ انھیں میرے متعلق بتائیں تاکہ جو کچھ میں آپ کو بتاتا رہوں وہ سنتے رہیں اور مجھے یہاں سے نکال لے جانے کی تدبیریں کرتے رہیں۔"

اسفندیار جیسا یہودیوں کا عظیم المرتبت ربی میرے سامنے یوں اظہار کررہا تھا گویا میرا ادنیٰ خادم ہو۔ اس نے فوراً ہی کاہل تنظیم کے سربراہ سے رابطہ قائم کیا۔ سربراہ نے دوسروں سے رابطہ قائم کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام اعلیٰ حکام تک یہ بات پہنچ گئی کہ فرہاد علی تیمور خیال خوانی کے ذریعے ربی اسفندیار سے رابطہ قائم کررہا ہے اور ان کا ربی اس کی تمام باتیں ان حکام تک پہنچانے والا ہے۔ بڑے بڑے یہودی اکابرین یا تو ربی اسفندیار کے پاس دوڑے چلے آرہے تھے یا پھر ایک بڑے ٹرانسمیٹر کے سامنے آکر بیٹھ گئے تھے جہاں سے ربی کی آواز نشر ہورہی تھی۔ میری باتوں کے دوران وہ سوالات بھی کر رہے تھے۔ ایک اعلیٰ افسر نے سوال کیا "جناب! اس وقت آپ کہاں ہیں؟"

"میں ایسی جگہ ہوں جہاں کی نشاندہی نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے مجھے اور اعلیٰ بی بی کو یہاں پہنچایا ہے وہ اب تک واپس نہیں آئے ہیں۔ ہم ایک ایسے مکان میں ہیں جس کے چاروں طرف سرسبز باغات ہیں۔ ان باغات کے اطراف دائرے کی صورت میں آہنی سلاخیں تقریباً بیس فٹ کی اونچائی تک ہیں —— ان سلاخوں کے دوسری طرف خونخوار چیتے اور ببر شیر ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح آہنی پنجرے میں ہیں۔ جب ہم ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچ رہے تھے تو ہم نے دیکھا تھا، ہمارے پنجرے کے

بعد خونخوار جنگلی جانوروں کا پنجرہ ہے۔ یہاں ایک دفتری کمرہ ہے جہاں بے شمار فائلیں اور دوسرے کاغذات ہیں۔ ان کی اسٹڈی سے پتا چلا کہ اس علاقے کا مالک جو کوئی ہے، وہ جنگلی جانوروں کی پرورش کرتا ہے اور انھیں مختلف ممالک میں اچھے داموں فروخت کرتا ہے۔"

ایک اور اعلیٰ افسر نے کہا "فرہاد صاحب! جو معلومات فراہم کر رہے ہیں، اس کی روشنی میں ہم اس شخص تک پہنچ سکتے ہیں جو ہم سے اور دوسری خطرناک تنظیموں سے فرہاد صاحب اور مادام اعلیٰ بی بی کا سودا کر رہا ہے۔"

ربی اسفندیار نے کہا "ہم ہر قیمت پر آپ کو نجات دلائیں گے۔"

میں نے کہا "میرے لیے کوئی قیمت ادا نہ کی جائے۔ میں آپ کا عقیدت مند ہوں اور یہودی قوم کو اپنا دوست سمجھتا ہوں لہٰذا کسی خرید و فروخت کے بغیر آپ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ جلد بازی نہ کریں۔ یہ دیکھتے رہیں کہ میرا سودا کون لوگ کرتے ہیں اور مجھے یہاں سے کس طرح نکال کر کس جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ جب بھی مجھے یہاں سے نکالا جائے گا، میں آپ لوگوں سے رابطہ قائم کروں گا اور اس کے مطابق آپ کے انٹیلی جنس والے اور میری ٹیم کے اہم افراد میری مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اس طرح میں آپ کے پاس چلا آؤں گا۔"

ربی اسفندیار نے کہا "فرہاد! یہ تمھاری محبت ہے اور تمھاری محبت پر میں فخر کرتا ہوں۔"

ہمارے درمیان یوں گفتگو ہو رہی تھی کہ میں ربی سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ میں جو کچھ کہتا تھا وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے بلند آواز سے دُہراتا تھا۔ اس کی باتیں سُن کر دوسرے حکام سوالات کرتے تھے پھر میں جواب دیتا تھا۔ ربی ان جوابات کو پھر ان کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس طرح ہماری گفتگو کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ ایک اعلیٰ حاکم نے پوچھا "فرہاد صاحب! جب آپ ہمارے ربی کے اس قدر عقیدت مند ہیں۔ ہماری دوستی کو آپ نے قبول کیا ہے تو ہم سونیا کے متعلق بھی معلوم کرنا چاہیں گے۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ اب سونیا کو ہماری ذات سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ یہاں ہوگی تو ہم اس کے شایانِ شان میزبانی کا شرف حاصل کریں گے۔"

"میں نے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہی سب سے پہلے محترم ربی سے رابطہ قائم کیا ہے اور اب سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھ رہا ہوں کہ وہ کہاں ہے اور اسے میں آپ لوگوں کے سلسلے میں کس حد تک نرم کر سکتا ہوں۔ کیا میرے محترم ربی میرا انتظار فرمائیں گے؟"

"فرہاد! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم کہو تو ہم جہاں ہیں وہیں پڑے رہیں۔ اپنے تمام اہم معاملات کو پسِ پشت ڈال دیں اور ہم نے یہی کیا ہے۔ ہم تمھارا انتظار کرتے رہیں گے۔"

میں نے سونیا کو ان کے متعلق بتایا۔ رسونتی اس کے دماغ میں موجود تھی اور میری باتیں سن رہی تھی۔ سونیا نے پوچھا "تم ان کے متعلق کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم اسرائیلی حدود سے باہر کسی ملک میں ہو۔"

"ہاں یہی مناسب ہے۔ انھیں کسی طرح باتوں میں لگا کر رسونتی کے موضوع پر لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد میں نے ربی اسفندیار کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "میں تمھاری سوچ کی لہروں کو محسوس کر رہا ہوں۔ کیا سونیا سے رابطہ قائم ہو گیا؟"

"جی ہاں، وہ اس وقت پیرس میں ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میری دماغی توانائی بحال ہو گئی ہے اور میں خیال خوانی کے قابل ہو گیا ہوں تو بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔"

ربی نے کہا "یقیناً یہ ایسی خوشی ہے کہ ہم اس خوشی کا اظہار کرنے کے لیے سرکاری طور پر تعطیل کا اعلان کریں گے اور تمھارے نام پر ایک ہفتے تک جشنِ دوستی منائیں گے۔"

کابل تنظیم کے ایک عہدے دار نے پوچھا "کیا مادام سونیا آپ کی طرح ہماری دوستی قبول کر لیں گی؟"

"جب میں قبول کروں گا تو میری ٹیم کے سارے افراد اس دوستی کو راضی خوشی قبول کریں گے۔ ہم آئے دن کے اختلافات سے پریشان ہیں۔ سکون سے نہ ہم رہ سکتے ہیں نہ آپ رہ سکتے ہیں۔ یہ باتیں سبھی جانتے ہیں لیکن میں نے سونیا سے دوستی کے موضوع پر گفتگو نہیں کی ہے۔ میں اس سے جب بھی کوئی بات کرتا ہوں تو پہلے وہ رسونتی کی بات چھیڑتی ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے، وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتی ہیں۔ ابھی میں نے اس سے رابطہ قائم کیا تو اس نے ضد شروع کر دی کہ پہلے میں رسونتی کی خیریت معلوم کروں۔"

ربی اسفندیار نے کہا "مادام رسونتی کی دماغی توانائی بھی بحال ہو رہی ہے۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ ڈاکٹر سومر نے مادام رسونتی کا علاج کیا ہے۔ مادام کئی بار خیال خوانی میں کامیاب رہیں لیکن پھر کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ میں نے تنویمی عمل کے ذریعے معلوم کیا، ان کے دماغ میں کوئی گرہ پڑ گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے، تم خیال خوانی کے ذریعے ان کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر ان کی گرہ کو کھول سکو اور انھیں خیال خوانی کے قابل بنا سکو تو۔۔۔؟"

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میں معذرت چاہتا

ہوں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں۔ وہ میرے لیے نامحرم ہے۔ میں اس سے کسی طرح کا رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ ورنہ آپ کے کام آنے کے لیے میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"تم سب کچھ کر سکتے ہو تو پلیز یہ بھی کرو۔ بے شک وہ نامحرم ہے لیکن انسانیت کے ناتے، نیکی کرنے کی خاطر کسی نامحرم سے بھی رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ اس کے کام آ سکتے ہو۔"

میں نے تذبذب کا اظہار کیا۔ ربی اسفندیار مجھے نصیحتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے یہ تاثر دیا کہ اس کی نصیحتوں نے مجھ پر خاطر خواہ اثر کیا ہے۔ میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ آپ کہتے ہیں تو ضرور ایسا کروں گا لیکن آپ رسونتی کو میرے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ میں چپ چاپ اس کے دماغ میں جھانک کر اس کی دماغی حالت معلوم کروں گا پھر آپ کو بتاؤں گا۔ آپ انتظار فرمائیں۔"

میں پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ میں نے سونیا کو تمام باتیں بتائیں۔ رسونتی نے کہا "سونیا! میں کبھی یہودیوں پر ظاہر نہیں کروں گی کہ یہ میرے دماغ میں آ چکے ہیں۔"

وہ کسی نہ کسی بہانے میری بات کرتی تھی تاکہ میں اس سے بات کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ میں نے اسے نظرانداز کیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے ربی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے رسونتی کی سوچ کو اس کے دماغ کی تہ تک پڑھا ہے۔ وہ یقیناً خیال خوانی کر سکتی ہے لیکن۔۔۔"

میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ سسپنس پیدا کیا۔ ربی نے بیتابی سے پوچھا "لیکن کیا؟"

"یہاں کا ماحول خیال خوانی کے لیے سازگار نہیں ہے۔ دماغی توانائی بحال ہو چکی ہے لیکن اسے اس کا اپنا ماحول ملنا چاہیے۔ اس نے بچپن سے جوانی تک جہاں اپنی عمر گزاری ہے، وہ اس ماحول میں رہے گی۔ اپنے لوگوں سے ملتی رہے گی۔ مندروں میں دیوی دیوتاؤں کا ماحول ہوگا تو اس کے دماغ کی گرہ آپ ہی آپ کھل جائے گی۔ یہ ایک نفسیاتی طریقۂ علاج ہے۔"

ربی نے کہا "اوہ گاڈ! ہم نے نفسیاتی علاج کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ دوسرے تمام طریقوں سے علاج کرتے رہے۔ واقعی رسونتی کو اپنے دھرم اور اپنی قومیت کی مناسبت سے وہ ماحول ملنا چاہیے جہاں اس نے پیدائش سے لے کر اب تک اپنی زندگی گزاری ہے۔"

رسونتی میرے دماغ میں آ کر ہماری باتیں سُن رہی تھی۔ وہ ربی اسفندیار کے دماغ میں نہیں جانا چاہتی تھی۔ سمجھتی تھی کہ وہ دوسری سوچ کی لہروں کو محسوس کرے گا۔ اسی لیے میں نے اسے اپنے دماغ میں آنے سے نہیں روکا۔

میں ربی کو شیشے میں اتار رہا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ اس بات پر مائل کر رہا تھا کہ رسونتی کو اسرائیلی حدود سے باہر بھیج دیا جائے اور وہ اسے برصغیر بھیجنے پر آمادہ ہو گیا تھا خصوصاً نیپال کے علاقے میں۔

دوسرے اعلیٰ حکام یہ باتیں سُن رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "ہم موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ فرہاد صاحب اور مادام اعلیٰ بی بی کو کہاں لے جا کر رکھا گیا ہے؟"

ربی اسفندیار نے کہا "یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔ آپ فوراً اپنے اپنے شعبوں کے باصلاحیت لوگوں کو سراغ رسانی کے لیے، جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے لیے اور خصوصاً ایسے لوگوں کا ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے کہیں ۔۔۔۔۔ جو جنگلی جانوروں کی پرورش کرتے ہیں اور انھیں دوسرے ممالک میں فروخت کرتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کی فہرست ہمارے سامنے ہوگی تو ہم فرہاد صاحب کے قریب تر ہوتے جائیں گے۔"

ان کی گفتگو کے دوران میں نے آہستگی سے رسونتی کو مخاطب کیا پھر پوچھا "تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "میں اپنے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ لوگ کیا فیصلہ کر رہے ہیں؟"

"جو بھی فیصلہ ہوگا وہ سونیا کے ذریعے معلوم ہو جائے گا۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ تم میرے دماغ سے چلی جاؤ۔"

اس نے بڑی عاجزی سے التجا کی "فرہاد! ایسے سنگدل تو نہ بنو۔"

"میں سنگدل نہیں ہوں۔ مجھے اس وقت معاملات طے کرنے دو۔ اگر تم نے ذہنی طور پر مجھے الجھا دیا تو بات بگڑ جائے گی۔"

"اچھا میں جا رہی ہوں۔" اس نے بڑی مایوسی سے یوں شکستہ لہجے میں کہا جیسے دل کے ٹکڑے ہو رہے ہوں پھر وہ چلی گئی۔ میں ربی اسفندیار کو مخاطب کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی سُنائی دی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر ریسیور کو اٹھایا۔ ہوٹل کے ایکسچینج سے کہا جا رہا تھا "ہولڈ آن کریں۔"

پھر دوسرے ہی لمحے حبیبہ کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں حبیبہ ہوں۔"

سونیا نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "کہہ دو۔ رانگ نمبر۔"

"رانگ نمبر۔ ہم کسی حبیبہ کو نہیں جانتے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے فوراً ہی حبیبہ کے دماغ

میں چھلانگ لگائی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ہوٹل کے ایکسچینج سے صحیح کمرے میں فون کی گھنٹی بجی تھی۔ وہ ایزل ہارڈی کا کمرہ ہے جواب میں اس کی منگیتر سلطانہ کی آواز سُنائی دی پھر رانگ نمبر کیوں کہا گیا؟

میں نے جیبہ کی سوچ میں کہا "شاید اس لیے کہ سلطانہ مجھے نہیں جانتی ہے۔ ایزل ہارڈی نے اسے میرے متعلق نہیں بتایا۔ اسی لیے اس نے رانگ نمبر کہہ دیا ہے"

جیبہ کی اپنی سوچ نے کہا "اگر ایزل ہارڈی کو معلوم ہو گا کہ میں نے فون کیا ہے تو کیا اس کی بدرُوح پھر میرے پاس آئے گی؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر مجھے روحوں سے ایسا ہی ڈر لگتا ہے تو میں نے کیوں اسے فون کیا؟"

اس کی سوچ نے کہا "لیلیٰ ثانی نے مجبور کیا تھا کہ میں فون کروں اور ایزل ہارڈی کو لیلیٰ سے کسی طرح رابطہ قائم کرنے پر آمادہ کروں"

اس کی سوچ پڑھتے ہی میں لیلیٰ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی "اگر جیبہ کا بیان دُرست ہے اور کوئی بدرُوح مارٹن کے جسم میں پہنچ کر اسے سزا دے رہی تھی اور جیبہ کو اس سے نجات دِلا رہی تھی تو یقیناً ایزل ہارڈی کسی بدرُوح کو میرے پاس بھی بھیج سکتا ہے اور مجھ سے رابطہ قائم کر سکتا ہے"

اپنی اصلیت کو چھپا کر لیلیٰ ثانی سے رابطہ قائم کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ بعض اوقات میرے سامنے اتنے مسائل آ جاتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا، پہلے کس مسئلے پر توجہ دی جائے۔ ایک طرف میں نے ظاہر کر دیا تھا کہ فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آ گئی ہیں۔

دوسری طرف سونیا میرے پاس بیٹھی رسونتی کا معاملہ طے کرنا چاہتی تھی۔ اسے جلد سے جلد اسرائیلی حدود سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔

تیسری طرف ربی اسفندیار اور اسرائیلی اعلیٰ حکام سے میرے مذاکرات جاری تھے۔ ان سے بھی گفتگو جاری رکھنا ضروری تھا۔

اور اِدھر لیلیٰ ثانی تھی جو اپنے بیڈ روم میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ کوٹھی میں آٹزک کے قتل کے سلسلے میں تفتیش ہو رہی تھی۔ ابھی اس کی آخری رسومات بھی باقی تھیں۔ لیلیٰ نے غم سے نڈھال ہو کر تفتیش کرنے والے افراد اور افسران سے معذرت چاہی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر تنہا بیٹھ گئی تھی۔ مقصد صرف یہی تھا کہ میں اس سے رابطہ قائم کروں اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

لیلیٰ ثانی، روحانی عمل کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اس کی معلومات کے مطابق ایک نوری عمل ہوتا ہے جو انسانیت کی بھلائی کے لیے مخصوص ہے، مثلاً کوئی ذہنی مریض ہو تو نوری عمل کے ذریعے اس کی ذہنی حالت کو متوازن کیا جا سکتا ہے یا کسی دائمی مرض کو دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کالا عمل سراسر شیطانی عمل ہے اور اس سے انسانوں کو صرف نقصان پہنچتا ہے۔

لیلیٰ سوچ رہی تھی "کیا ایزل ہارڈی 'وِچ ڈاکٹر' ہے؟ کیا وہ بدرُوحوں کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے؟ لیکن اس نے ہمارے ساتھ بھلائی کی۔ حالانکہ وہ ہمیں بلیک میل کر سکتا تھا۔ ہم سے اچھی خاصی رقم اینٹھ سکتا تھا"

وہ سوچ رہی تھی۔ میں زیادہ دیر اس کے پاس نہیں رہ سکتا تھا۔ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے رابطہ کیوں قائم کرنا چاہتی ہے اور یہ معلوم ہو گیا تھا۔ وہ محض اپنی اُلجھن دور کرنا چاہتی تھی کہ آخر میں کیا ہوں؟ کیا واقعی وِچ ڈاکٹر ہوں اور ان کے راز کو بہت گہرائی تک سمجھتا ہوں؟

لیلیٰ کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ میں اسے صرف ہوٹل کی ملازمہ فرحانہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ سارہ آٹزک اور لیلیٰ ثانی کی حیثیت سے بھی جانتا ہوں۔ میرے علاوہ ان کی اصلیت صرف جیبہ جانتی ہے۔ مختصر یہ کہ لیلیٰ ثانی کو میری ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ دلچسپی دوستی یا دشمنی میں تبدیل ہو سکتی تھی لیکن پہلے وہ میرے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ابھی میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ میں اس سے بعد میں کسی نہ کسی ذریعے سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ لہٰذا پھر ربی اسفندیار کے پاس پہنچ گیا۔ ربی نے مجھے اپنے دماغ میں محسوس کرتے ہی پوچھا "تم کہاں چلے گئے تھے؟ ہم سب انتظار کر رہے ہیں"

"مجھے اچانک ہیلی کاپٹر کی آواز سُنائی دی تھی۔ میں سب کچھ بھول کر اس مکان سے باہر آ گیا تھا۔ ہم دیر تک ہیلی کاپٹر کی آواز سُنتے رہے پھر وہ ہمیں نظر آیا۔ ہمارے آہنی پنجرے کے چاروں طرف وہ چکر لگاتا رہا۔ ہم سمجھ رہے تھے، وہ یہاں اُترے گا لیکن واپس چلا گیا"

ربی اسفندیار میری باتیں اعلیٰ حکام تک پہنچا رہا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا "جو لوگ فرہاد صاحب اور مادام اعلیٰ بی بی کو وہاں لے گئے ہیں وہ بے حد محتاط ہیں۔ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتے۔ پہلے کسی سے ان کا سودا کر لینا چاہتے ہیں"

میں نے کہا "ابھی یہ حقیقت عام نہ ہونے پائے کہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آ گئی ہیں۔ اگر یہ بات میرے ان دشمنوں

معلوم ہو گئی جنھوں نے ہمیں یہاں لا کر پھینک دیا ہے تو پھر وہ ...ے قریب نہیں آئیں گے۔ میری ٹیلی پیتھی سے خوفزدہ رہیں گے۔ ...کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمیں اسی حال میں ان آہنی پنجروں کے درمیان ...وں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ آپ کبھی معلوم نہیں کر سکیں ...کہ یہ کون سی جگہ ہے اور ہمارے پاس کس طرح پہنچا جا سکتا ہے"

وہاں موجود تمام اعلیٰ حکام نے باری باری یقین دلایا کہ یہ ...بھی پر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ وہاں ربی اسفندیار کے علاوہ چند ...ی حکام، انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران اور فوج سے متعلق چند افسران ...ود تھے۔ ربی نے کہا "یہ بات ہمارے حق میں ہے کہ تمھاری ٹیلی ...ھی کو راز میں رکھا جائے۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین تمھارا سودا ایک ...ن کی حیثیت سے کریں گے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ٹیلی پیتھی کی ...احیتیں واپس آ گئی ہیں تو وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر دوست ...بن جائیں گے اور یہی تاثر دیں گے کہ وہ دوست کی حیثیت سے ...بردہ فروشوں سے سودا طے کر رہے ہیں تاکہ تمھیں ان سے رہائی ...دی جا سکے"

"میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں۔ اسی لیے تو میں نے سپر ماسٹر اور ...ماسک مین سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ میرے محترم ربی! مجھے آپ کے ...کسی پر اعتماد نہیں ہے"

"فرہاد! یہ میرے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ تم مجھ پر اعتماد ...کرنے لگے ہو اور میرے حوالے سے میری قوم کو دوست سمجھ ...رہے ہو"

"ایک بات اور۔ رسونتی کو بھی میری ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں ...نہیں معلوم ہونا چاہیے"

"ہم مادام رسونتی سے بھی یہ بات راز میں رکھیں گے"

میں نے چند لمحے کے لیے دماغی طور پر حاضر ہو کر سونیا کو ...بتایا اور سوچ کے ذریعے کہا "تمھاری وہ چہیتی تمھارے دماغ ...میں موجود ہو گی۔ اس سے کہو، ابھی ربی اسفندیار یا کاہال تنظیم ...کے سربراہ سے رابطہ قائم کرے اور انھیں یہ تاثر دے کہ اس کے ...دماغ میں ایک تحریک پیدا ہو رہی ہے جیسے اس کی سوچ کی لہریں ...پرواز کرنا چاہتی ہوں لیکن پرواز کے سلسلے میں کوئی رُکاوٹ پیدا ...ہو رہی ہے"

رسونتی کی آواز سُنائی دی "سونیا! یہ جو کہہ رہے ہیں، ...وہی کہنے جا رہی ہوں"

میں نے پھر ربی اسفندیار کے پاس پہنچ کر کہا "سوری! ...ربی نے مخاطب کیا تھا اس لیے تھوڑی دیر کے لیے غیر ...حاضر ہو گیا"

"کوئی بات نہیں"

ایک اعلیٰ افسر نے پوچھا "فرہاد صاحب! کیا آپ نے اس ہیلی کاپٹر پر لکھے ہوئے نمبر اور حروف پڑھے تھے؟"

"وہ ہم سے دور تھا۔ یہاں کوئی دُوربین نہیں ہے ورنہ سب سے پہلے میں ہیلی کاپٹر کے حروف اور نمبر ضرور پڑھتا۔ ویسے وہ گرے اور گرین کلر کا ہے جیسے عام طور پر فوجی ہیلی کاپٹر ہوا کرتے ہیں"

اس خفیہ اجلاس کے دوران کبھی کبھی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگتی تھی۔ کوئی اہم بات، کسی اہم شعبہ سے متعلق ہوتی تھی۔ پھر ریسیور رکھ دیا جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک افسر نے ریسیور اُٹھا کر "ہیلو" کہا۔ پھر رسونتی کی آواز سنتے ہی اس نے کاہال تنظیم کے سربراہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مادام رسونتی آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر فوراً ٹیلیفون کے پاس آیا اور ریسیور کو کان سے لگا کر بولا "ہیلو مادام! میں حاضر ہوں۔ فرمایئے"

رسونتی نے جواباً کہا "میں خود کو بہت تازہ دم محسوس کر رہی ہوں۔ میرے اندر ایک تحریک پیدا ہو رہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے سوچ کی لہریں پرواز کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں لیکن کوشش کے باوجود کوئی انجانی سی رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے"

"مادام! آپ کوشش کریں۔ ہمیں یقین ہے، آپ کامیاب ہو جائیں گی"

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ کوشش کر کے تھک گئی ہوں تو پھر آپ مزید کوششیں کرنے کی نصیحت کیوں کر رہے ہیں؟ آپ میرے اضطراب کو کیوں نہیں سمجھتے؟ جب میرے اندر یہ تحریک پیدا ہوتی ہے اور میں خیال خوانی کرنا چاہتی ہوں اور وہ رکاوٹ سامنے آتی ہے تو میں بے چین ہو جاتی ہوں، پریشان ہو جاتی ہوں کہ کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟"

اس کے یہ الفاظ "کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟" کے ساتھ ہی کاہال تنظیم کے سربراہ نے چونک کر کہا "ہاں، ہاں۔ ہم آپ کے متعلق ابھی فیصلہ کر رہے ہیں۔ آپ کو نیپال پہنچانے کی بات ہو رہی ہے۔ آپ نے بچپن سے جوانی تک وہاں اپنی زندگی گزاری ہے۔ اس ماحول میں رہیں گی تو یقیناً آپ کے دماغ میں پڑی ہوئی وہ انجانی گرہ کھل جائے گی"

رسونتی نے خوش ہو کر کہا "مجھے آپ کے اس فیصلے سے بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ میں یقیناً اپنے دیس میں جا کر ان تمام مقامات کی یاترا کروں گی۔ اس ماحول میں رہوں گی جہاں میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی اور اہم حصہ گزارا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بحال ہو جائیں گی"

"مادام! اس وقت آپ ہی ہماری گفتگو کا موضوع ہیں۔

ہم تھوڑی دیر بعد آپ کو ضرور اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں انتظار کروں گی۔"

رسونتی نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ میں نے کہا۔"میں ساری باتیں سُن چکا ہوں۔ پھر ربی اسفند یار کے پاس جا رہا ہوں۔"

اس وقت ربی اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ میں وہاں پہنچنے ہی والا ہوں۔ میں نے پہنچتے ہی کہا۔"میں آگیا ہوں۔ دراصل یہاں اعلیٰ بی بی مجھ سے پوچھتی رہتی ہے کہ آپ لوگوں سے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ جس طرح آپ اعلیٰ حکام کو وہاں میری باتیں بتا رہے ہیں، اسی طرح میں اعلیٰ بی بی کو بتاتا رہتا ہوں۔"

ربی نے کہا۔"ابھی ابھی مادام رسونتی کا فون آیا تھا۔ ان کی گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی توانائی محسوس کر رہی ہیں جو خیال خوانی کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ وہ نیپال جانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ بہت خوش ہو رہی ہیں۔"

"میرا بھی یہی مشورہ ہے۔ آپ اسے جلد سے جلد روانہ کر دیں۔ یہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔ آپ ذرا سوچیں کہ آپ کی طاقت کس طرح دوچند ہوگی۔ ایک طرف میں خیال خوانی کا ماہر، دوسری طرف وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی، جب ہم دونوں آپ کے ساتھ رہیں گے تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں آپ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی۔"

وہ سن رہا تھا، خوش ہو رہا تھا اور اپنے ساتھیوں تک میری باتیں پہنچا رہا تھا۔ ان سب نے اُسی وقت متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ رسونتی کو چوبیس گھنٹے کے اندر نیپال روانہ کر دیا جائے گا۔ اور اس سلسلے میں فوراً ہی بھارتی حکام اور نیپالی سرکار سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔

میں سونیا کے پاس آگیا۔ وہ میری باتیں سُنتی رہی پھر اس نے رسونتی کو مخاطب کیا۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے پوچھا۔"فرہاد! یہ رسونتی کہاں چلی گئی؟"

"میں کیا جانوں؟ میں کوئی اس کا پہرے دار لگا ہوں؟"

"تم اس کے ذکر پر جلتے کیوں ہو؟"

"تم اس کا ذکر کرتی کیوں ہو؟"

"ایک نہیں، ہزار بار کروں گی۔ ابھی جا کر معلوم کرو، وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ ہمارے دماغ میں اب تک موجود تھی۔ اب کیوں نہیں ہے؟"

"میری دوسری مصروفیات بھی ہیں۔ مجھے ابھی اعلیٰ بی بی کے پاس بھی پہنچنا ہے۔"

"میں کہتی ہوں، پہلے رسونتی کی خیریت معلوم کرو۔"

"سونیا! تم نہیں سمجھ رہی ہو۔ اس نے جان بوجھ کر تم سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے تاکہ تم مجھے مجبور کرو اور میں اس کے دماغ میں پہنچوں پھر وہ تنہائی میں مجھ سے کھُل کر گفتگو کرے۔"

"تمھیں اپنے متعلق بڑی خوش فہمی ہے۔ وہ تم سے تنہائی میں بھی زیادہ باتیں کرنا پسند نہیں کرے گی۔"

اسی وقت رسونتی کی آواز سُنائی دی۔"سونیا! تم میری خاطر جھگڑا نہ کرو۔ جو میرے مقدر میں ہے، میں اسے بھگت رہی ہوں۔"

"تم اتنی دیر تک کہاں رہیں؟"

"میں ان اعلیٰ افسران کی گفتگو سُن رہی تھی۔ انھوں نے مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر یہاں سے روانہ کرنے کا فیصلہ تو کر لیا ہے لیکن سوچ رہے ہیں کہ میری نگرانی کے لیے کن لوگوں کو نیپال جانا چاہیے۔ اُن کی متفقہ رائے یہ ہے کہ سیکرٹ سروس کے ذہین ترین افراد کو میرے ساتھ کر دیا جائے کیوں کہ میں عورت ہوں لہٰذا میرے ساتھ سیکرٹ سروس کی ایک یا دو عورتوں کو بھی رہنا چاہیے۔"

"سونیا! اس سے پوچھو، کیا انھوں نے سیکرٹ سروس کی ان عورتوں اور مردوں کے نام بتائے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔"اس ٹیم میں دو عورتیں اور دو مرد ہوں گے۔ ان میں ایک نوجوان لڑکی اور ایک نوجوان لڑکا ہوگا۔ تیسری ایک بڑی عمر کی تجربہ کار اور ذہین عورت ہوگی۔ اس طرح مرد بھی ہر لحاظ سے تجربہ کار ہوگا۔ یعنی وہ کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے اب تک مختلف ایشیائی ممالک میں سراغ رسانی کے فرائض انجام دیے ہیں اور وہی اس سیکرٹ سروس کی ٹیم کا لیڈر بھی ہوگا۔"

"میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں لیلیٰ ثانی کا تصور تھا پھر میں نے سونیا سے کہا۔"میں کوشش کروں گا کہ سیکرٹ سروس کی ٹیم میں جو نئی لڑکی منتخب کی جائے وہ لیلیٰ ثانی ہو۔"

سونیا نے کہا۔"وہ فلسطینی مجاہدہ ہے۔ اسے یہیں جدوجہد کرنے دو۔ یہاں سے باہر کیوں لے جانا چاہتے ہو؟"

"محض اس لیے کہ وہ سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر ٹریننگ حاصل کر رہی ہے۔ ابھی اسے عملی تجربہ نہیں ہے۔ وہ غیر ملک میں جا کر نئے نئے تجربات حاصل کرے گی۔ بے شمار فلسطینی مجاہدین اسرائیل سے باہر جا کر بھی اپنے وطن کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ ہم لیلیٰ ثانی کو بھی ایسے ہی مواقع فراہم کریں گے۔"

رسونتی نے کہا۔"سونیا! میرے آس پاس سیکرٹ سروس کے لوگ رہیں گے۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں رہو گی؟"

"ضرور رہوں گی۔ ابھی تو ہمیں یہاں سے پیرس جانا ہوگا۔ میں وعدہ کرتی ہوں، وہاں پہنچتے ہی کسی دوسری فلائٹ سے تمھاری طرف آؤں گی اور نیپال پہنچوں گی۔"

"کیا ایسی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ تم یہیں سے میرے ساتھ چل سکو؟"

"بڑی مشکل ہے۔ اگر ہم یہاں سے نیپال کے لیے اجازت نامہ حاصل کریں گے اور تمھاری فلائٹ سے جائیں گے تو دشمنوں کو شُبہ ہو سکتا ہے۔ یہاں کے حکام جانتے ہیں کہ میں جے جے پارکر کے ذریعے پیرس سے آئی ہوں اور مجھے وہیں واپس جانا ہے۔ تم ڈرتی کیوں ہو؟ اوّل تو سیکرٹ سروس والے تمھارے ساتھ ہوں گے۔ ان کی حیثیت دشمنوں کی سی نہیں ہوگی۔ وہ سب تمھارے دوست باڈی گارڈز ہوں گے پھر تمھارے پاس ٹیلی پیتھی کا ہتھیار ہے تمھیں بھلا کسی سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ میں جلد ہی آؤں گی۔"

میں ان کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ سونیا نے پوچھا۔"کیا تم ہماری باتیں سُن رہے ہو؟"

میں اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ بھلا کیا سنتا! اس نے مجھے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ میرے بازو پر ہاتھ رکھا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔"میں اعلیٰ بی بی اور سجاد کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ انھیں جنگلی جانوروں کے درمیان سے نکالنے کی تدبیر کرنا ہوگی۔"

"ابھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پہلے وہاں کسی تیسرے کو پہنچنے دو۔"

"وہاں جو تیسرا پہنچے گا، وہ اپالو ہوگا۔ اس کی زبان نہ تو میری سمجھ میں آئے گی اور نہ ہی رسونتی سمجھ سکے گی۔ وہ ہماری ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہیں آئے گا۔ اب رہا اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا سوال تو سجاد ابھی اتنا تیز طرار اور تجربہ کار فائٹر نہیں ہے۔ کسی طرح وہاں مرجانہ اور ٹارزر بلبا پہنچ جائیں تو اپالو کو زندہ دفن کر دینگے۔"

سونیا نے کہا۔"تم نے ان یہودیوں کو بتا دیا ہے کہ تم اعلیٰ بی بی کے ساتھ کہاں قید کیے گئے ہو۔ ہیلی کاپٹر کے متعلق بھی ذکر کیا ہے۔ شاید وہ کسی طرح وہاں تک پہنچ سکیں۔"

"ہاں، اعلیٰ بی بی کی ذہانت سے بھی توقع ہے، وہ کسی طرح اس علاقے کے متعلق معلومات حاصل کر لے گی۔ میرا خیال ہے ہم مرجانہ اور ٹارزر بلبا کو ان کے متعلق بتائیں اور انھیں تیار رہنے کے لیے کہیں۔ جب بھی اس جگہ کا نام معلوم ہوگا، وہ کسی بھی فلائٹ سے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا تم اپنی خیال خوانی مرجانہ پر ظاہر کرو گے؟"

"میری خیال خوانی کا راز کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔ ابھی جو خیال خوانی کر رہا ہوں، مستقبل میں یہودیوں کے لیے اسے ایک فریب بنا دوں گا۔"

"پھر مرجانہ سے کس طرح رابطہ قائم کرو گے؟"

"رسونتی بن کر۔"

سونیا نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ میں دوسرے ہی لمحے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ٹھیک اسی لمحے میرے منہ پر جیسے ایک زبردست گھونسا پڑا۔ میں ایک دم سے اچھل کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ آنکھیں کھُل گئیں۔ سونیا میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ دروازہ کھول کر دین وائنز سے ملنے جا رہی تھی۔ دراصل وہ گھونسا میرے منہ پر نہیں، مرجانہ کے مُنہ پر پڑا تھا۔ چونکہ میں اس کے دماغ میں تھا، اس لیے اس کی تکلیف میری تکلیف تھی۔ اس کے احساسات، میرے احساسات تھے۔ اس نے اپنے مُنہ پر گھونسے کی ضرب محسوس کی تو وہ ضرب میں نے بھی محسوس کی تھی۔ اس لیے یکبارگی چونک پڑا تھا۔ بہرحال میں دوبارہ اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

گھونسا پڑنے کے بعد وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ایسی کمزور تو نہیں تھی کہ ایک گھونسا اس پر اثر کرتا۔ وہ جان بوجھ کر لڑکھڑا گئی تھی۔ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ ایک نازک عورت ہے کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی ہاتھ اُٹھائے تو وہ مار کھا سکتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ایک نازک عورت ثابت نہ کر سکی، کیوں کہ جس نے گھونسا مارا تھا وہ اب اپنی مٹھی کو اور ہاتھ کی ہڈیوں کو بڑی بے چینی سے سہلا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مٹھی اب نہیں کھلے گی۔ ہڈیاں ایک دم سے چٹخ گئی تھیں۔ گھونسا مارتے ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے کسی فولادی مجسمے پر حملہ کیا ہو۔ وہ حیرانی سے مرجانہ کو گھور رہا تھا۔

وہ اپنے اصلی رُوپ میں نہیں تھی۔ مرجانہ کی حیثیت سے پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔ اب سے بہت پہلے اسے پیرس سے اغوا کیا گیا تھا۔ یہودیوں کی پلاننگ یہ تھی کہ مرجانہ کو اسرائیلی حدود میں پہنچایا جائے لیکن ٹارزر بلبا نے اسے اغوا کرنے کے بعد اپنے علاقے میں پہنچا دیا تھا۔ اب وہ بلبا کے ساتھ پیرس میں اپنی والدہ سے ملاقات کرنے آئی تھی۔ میک اپ کے ذریعے خود کو اور بلبا کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا تھا تاکہ دشمن پہچان نہ سکیں۔

دشمن اب پہچان رہے تھے۔ اسی لیے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس کے ساتھ قصہ کیا تھا، یہ ابھی معلوم ہونے والا تھا۔ فی الحال اس نے مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر لیا تھا لیکن مخاطب نہیں کر رہی تھی کیوں کہ گھونسا مارنے والا سامنے تھا اور وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔"میں پہچان گیا ہوں۔ تم مرجانہ ہو۔ دوستو! یہ مرجانہ ہے۔"

"دوستو" کہنے کا مطلب یہی تھا کہ اس کے آس پاس کچھ لوگ چھُپے ہوئے تھے۔ یقیناً اس کے اطراف گھیرا ڈالے ہوئے کچھ لوگ

موجود تھے جو اَب ظاہر ہو رہے تھے۔ مختلف درختوں کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ وہ سب ہٹے کٹے باڈی بلڈرز اور فائٹر قسم کے لوگ تھے۔

اس وقت وہ پیرس شہر سے تقریباً تیس میل دور ایک ویران علاقے میں تھی۔ جان بوجھ کر وہاں آئی تھی تاکہ دشمن اس کے اطراف گھیرا ڈالیں لیکن وہ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی ذرا اُلجھن میں پڑ گئی تھی۔ چاروں طرف سے لوگ گھیر رہے تھے۔ اس نے کہا "فرہاد! تم نے آنے میں دیر کر دی۔ تم کہو تو میں مقابلہ کرتی ہوں ورنہ میں جان بوجھ کر ان کی گرفت میں آنا چاہتی ہوں۔"

میں نے رسونتی کے لب و لہجے میں کہا "میں رسونتی ہوں۔"

مرجانہ نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "تم کیا مدد کر سکو گی۔ اب مجھے اپنے ہی منصوبے کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔"

اس وقت تک خطرناک قسم کے غنڈوں نے اپنا گھیرا تنگ کر لیا تھا۔ وہ چہرے سے ہی سفاک قاتل نظر آتے تھے جس نے گھونسا مارا تھا، وہ کہہ رہا تھا "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، یہ مرجانہ ہے۔ دیکھو، میرے ہاتھ کی یہ ہڈیاں ایسی لگ رہی ہیں جیسے تڑخ گئی ہوں۔ میں اچھی طرح اپنی ہتھیلی نہیں کھول سکتا۔"

اس کی بات سُن کر دو پہلوان نما آدمی اس کے قریب آئے اور اسے چھُو کر دیکھنے لگے۔ مرجانہ نے کسمساتے ہوئے پیچھے ہٹ کر کہا "مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ تم لوگ آخر ایک کمزور عورت کو کیوں پریشان کر رہے ہو؟"

ایک بدمعاش نے اس کے ہاتھ کی سختی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "ہمارا ساتھی دُرست کہہ رہا ہے۔ تمھارے ہاتھ کی سختی بھی بتا رہی ہے کہ تم کوئی نازک عورت نہیں ہو۔"

دوسرے نے کہا "بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمھارا میک اَپ اُتاریں گے تو اصلی چہرہ سامنے آ جائے گا۔"

مرجانہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا "تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم ہی لوگوں نے میرے ساتھی کو اغوا کیا ہے؟"

"صرف ساتھی کیوں کہہ رہی ہو؟ ٹارزر بلبا کیوں نہیں کہتیں؟ ہم نے اس کا میک اَپ اُتار دیا ہے۔"

"اسے کہاں لے گئے ہو تم لوگ؟"

"فکر نہ کرو تمھیں بھی وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ اب سیدھی طرح چلو گی یا کھینچتے ہوئے لے چلیں؟"

"جب میرا راز کھل ہی چکا ہے تو سیدھی طرح چلوں گی۔"

وہ ان کے درمیان چلتے ہوئے اپنی کار کی طرف جانے لگی۔ ایک نے کہا "ہماری گاڑی میں بیٹھو۔"

اسے ایک دوسری ویگن میں بٹھایا گیا۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں جتنی سیٹیں تھیں، ان پر وہ فائٹر غنڈے بیٹھ گئے۔ یقیناً انھیں بتایا گیا ہوگا کہ مرجانہ کتنی خطرناک عورت ہے۔ اس لیے وہ محتاط تھے۔ جب ویگن اِسٹارٹ ہو کر انجانی منزل کی طرف بڑھنے لگی تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے بیزاری سے پوچھا "تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟"

"کیا میں تمھارے پاس نہیں آ سکتی؟"

"اب ہمارا تمھارا رشتہ کیا رہا؟ فرہاد نے تمھیں طلاق دے دی۔ تم نے ہمارے خلاف جو کچھ کیا، اس کے بعد کیا تم سمجھتی ہو کہ میں خوش دلی سے تمھارا استقبال کروں گی؟"

"تم مجھ سے بدظن ہو لیکن میں دوست کی حیثیت سے ہی آئی ہوں۔"

"مجھے فضول باتیں پسند نہیں ہیں۔ میں یہودیوں کی چالوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ انھوں نے تمھیں میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ اگر یہ غنڈے مجھے مرجانہ کی حیثیت سے نہ پہچانتے تو تم میرے دماغ میں پہنچ کر پہچان لیتیں اور ان کی رہنمائی کرتیں۔"

"کیا تم سمجھ رہی ہو، میں ان غنڈوں کے ساتھ ہوں اور ان کا تعلق یہودیوں سے ہے؟ یقین جانو مجھے نہیں معلوم اور اگر ہے بھی تو میرا تعلق یہودیوں سے نہیں رہا۔"

مرجانہ نے ناگواری سے کہا "رسونتی! تم وہ عورت ہو جو ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اور یہودی قوم سے متاثر ہوتی رہیں کتنی حیرانی کی بات ہے کہ ایک مسلمان تمھارا شوہر رہا مگر تم اس سے متاثر نہ ہو سکیں۔ یا تو بنیادی طور پر ہندو رہیں یا پھر یہودیوں کو قبول کیا۔ تم ہرگز یہ اُمید نہ رکھنا کہ فرہاد کا کوئی بھی ساتھی تم پر اعتماد کرے گا۔"

میں مرجانہ کی باتیں سُن کر اپنا سر کھجانے لگا۔ یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ رسونتی کی خیال خوانی پر نہ تو خوش ہوگی اور نہ ہی اسے خوش آمدید کہے گی۔ سونیا اور مرجانہ میں یہی فرق تھا سونیا جتنی شدت سے رسونتی کو چاہتی تھی، مرجانہ اسے اتنی ہی شدت سے ناقابلِ اعتماد سمجھتی تھی۔ میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ تم مجھ پر اعتماد نہ کرو لیکن میری ایک بات مان لو۔ جب تک تمھیں مجھ پر اعتماد نہ ہو، اس وقت تک کسی سے یہ نہ کہنا کہ مجھے دماغی توانائی حاصل ہو چکی ہے اور میں خیال خوانی کرنے لگی ہوں۔"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمھاری خیال خوانی کے ڈنکے بجاتی پھروں۔ اب تم جاؤ۔"

"میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ اس وقت تمھارے آس پاس جو دشمن بیٹھے ہیں، ان سے میرا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ میں تمھارے پاس رہ کر دیکھنا چاہتی ہوں، یہ آخر کیا چاہتے ہیں۔ ٹارزر بلبا کو یہ لوگ کہاں لے گئے ہیں؟

معلوم کرنا ہے تو بلبا کے دماغ میں جاؤ۔"

"میں نے اب تک بلبا کی آواز اور اس کا لب و لہجہ نہیں سنا ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟ میرا پیچھا تو چھوڑو۔ یہاں آس پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔ تم ان کے دماغوں میں جگہ بنا سکتی ہو۔"

میں ٹارزر بلبا کے دماغ میں پہنچنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ رسونتی نے اس کی آواز نہیں سُنی تھی۔ میں نے سنی تھی اور میں پہنچ سکتا تھا لیکن جب کبھی مرجانہ اور بلبا کی ملاقات ہوتی اور بلبا میری خیال خوانی کا ذکر کرتا تو دونوں میں بحث چھڑ جاتی۔ یہ کہتی، رسونتی نے خیال خوانی کی۔ وہ کہتا۔ فرہاد نے خیال خوانی کی۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچتے کہ خیال خوانی کرنے والا فرہاد ہے اور خود کو چھپا رہا ہے۔

اب ویگن مین روڈ سے ہٹ کر ایک ایسی چھوٹی سی سڑک سے گزر رہی تھی جس کے اطراف میں کوئی مضافاتی بستی تھی۔ پھر وہ بستی بھی گزر گئی۔ ان کے چاروں طرف وہی ویرانی نظر آنے لگی۔ دور تک درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ ویگن اس راستے سے بھی مُڑ کر کسی اور راستے پر چل پڑی۔ وہ راستہ گھنے درختوں کے سائے سے گزر رہا تھا۔ مَیں ان میں سے کسی ایک شخص کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بلبا کو اغوا کر کے کہاں لے گئے ہیں، اور اب مرجانہ کو کہاں پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ معلوم کرتا، ویگن اچانک ایک جھٹکے سے رُک گئی۔

پیچھے بیٹھنے والوں میں سے ایک نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

ڈرائیور نے کہا "سامنے سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ راستہ رُکا ہوا ہے۔"

اس کی بات سُنتے ہی سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر دیکھنے لگے سامنے بیٹھا ہوا ایک شخص فوراً ہی دروازہ کھول کر دوڑتا ہوا لاش کے پاس گیا اور اسے دیکھتے ہی چیخ کر بولا "یہ تو اپنا آدمی ہے۔"

اور دو آدمی ویگن سے اُتر گئے۔ انھوں نے لاش کے پاس جا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں خطرہ ہے۔ ہمارا یہ آدمی ٹارزر بلبا کی نگرانی کرنے والوں میں سے ایک تھا۔ باقی دوسرے وہیں ہوں گے جہاں بلبا کو باندھ کر رکھا گیا ہے۔"

انھوں نے لاش کو سڑک سے اُٹھا کر گھاس پر ڈال دیا۔ ایک نے کہا "ہم ابھی اسے اٹھا کر نہیں لے جائیں گے۔ پہلے دوسرے ساتھیوں کی خبر لینی چاہیے۔ کیا انھیں اپنے اس ساتھی کے انجام کی کوئی خبر نہیں ہے؟"

اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تینوں تیزی سے چلتے ہوئے ویگن کے پاس آئے پھر دروازے کھول کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے ویگن اسٹارٹ کی۔ وہ راستہ آگے جا کر ایک طرف مُڑ گیا تھا۔ ایک شخص کے دماغ نے بتایا، آگے ایک میل کے فاصلے پر لکڑیوں کے شہتیروں سے بنا ہوا ایک مکان ہے۔ اسی مکان میں بلبا کو قید کیا گیا ہے۔

مرجانہ کے اطراف میں بیٹھنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم جس کی لاش سڑک کے کنارے چھوڑ کر آئے ہیں شاید وہ غدار ثابت ہوا ہوگا۔ اسی لیے ہمارے دوسرے ساتھیوں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

دوسرے نے کہا "تمھاری بات میں وزن نہیں ہے۔ ہمارے دوسرے ساتھیوں نے اسے ہلاک کرنے کے بعد ایک یا ڈیڑھ میل دور سڑک پر لا کر کیوں چھوڑ دیا؟ کیا وہ بلبا کو چھوڑ کر لاش کو اتنی دور چھوڑنے آئے ہوں گے؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

وہ باتوں کے دوران اس مکان کے قریب پہنچ گئے۔ باہر ہی سے پتا چل رہا تھا کہ وہاں ویرانی ہے۔ کوئی بھی ساتھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے ویگن کا ہارن زور سے بجایا۔ بار بار بجایا لیکن ان کے کسی ساتھی نے اس مکان سے نکل کر اپنی شکل نہیں دکھائی۔

انھوں نے ویگن کو اس مکان سے سو گز کے فاصلے پر روک دیا۔ قریب جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "کیا ہیلی کاپٹر آ گیا تھا؟ وہ لوگ بلبا کو لے گئے ہیں؟"

ڈرائیو کرنے والے نے ویگن دوبارہ اسٹارٹ کی۔ پھر آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ہم اس میدان میں جا کر دیکھیں گے۔ ہیلی کاپٹر آیا ہوگا تو اس کے آثار ضرور ملیں گے۔"

ڈرائیو کرنے والا ویگن کو مکان سے دور رکھتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹ کر اس میدان کی طرف جا رہا تھا جو مکان کے پیچھے کچھ فاصلے پر تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد وہ سب ویگن سے اُتر گئے۔ اس کے دروازے بند کر دیے۔ دروازے کے اطراف میں دو شخص کھڑے رہے تاکہ مرجانہ فرار نہ ہو سکے۔ باقی تین اس میدان میں جا کر دور دور تک دیکھنے لگے۔ ہیلی کاپٹر کے آنے یا وہاں سے کچھ لوگوں کے جانے کے قدموں کے نشانات نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ قیدی نے خود رہائی حاصل کی ہے اور رہائی حاصل کرنے کی کوشش میں ان کے تمام آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔

ایک نے پریشان ہو کر دور ویگن کی طرف دیکھا پھر کہا "گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی عورت بلبا سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہمیں سمجھایا گیا تھا کہ ہم نے بلبا پر پوری طرح قابو پا لیا اور اسے نکلنے کا موقع نہیں دیا تو مرجانہ بھی ہماری مٹھی میں رہے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ویگن کے پاس خطرے کی گھنٹی

ہم تھوڑی دیر بعد آپ کو ضرور اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں انتظار کروں گی۔"

رسونتی نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ میں نے کہا "میں ساری باتیں سن چکا ہوں۔ پھر ربی اسفندیار کے پاس جا رہا ہوں۔"

اس وقت ربی اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ میں وہاں پہنچنے ہی والا ہوں۔ میں نے پہنچتے ہی کہا "میں آگیا ہوں۔ دراصل یہاں اعلیٰ بی بی مجھ سے پوچھتی رہتی ہے کہ آپ لوگوں سے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ جس طرح آپ اعلیٰ حکام کو وہاں میری باتیں بتا رہے ہیں، اسی طرح میں اعلیٰ بی بی کو بتاتا رہتا ہوں۔"

ربی نے کہا "ابھی ابھی مادام رسونتی کا فون آیا تھا۔ ان کی گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی توانائی محسوس کر رہی ہیں جو خیال خوانی کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ وہ نیپال جانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ بہت خوش ہو رہی ہیں۔"

"میرا بھی یہی مشورہ ہے۔ آپ اسے جلد سے جلد روانہ کر دیں۔ یہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔ آپ ذرا سوچیں کہ آپ کی طاقت کس طرح دوچند ہو گی۔ ایک طرف میں خیال خوانی کا ماہر، دوسری طرف وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی، جب ہم دونوں آپ کے ساتھ رہیں گے تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں آپ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی۔"

وہ سن رہا تھا، خوش ہو رہا تھا اور اپنے ساتھیوں تک میری باتیں پہنچا رہا تھا۔ ان سب نے اسی وقت متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ رسونتی کو چوبیس گھنٹے کے اندر نیپال روانہ کر دیا جائے گا۔ اور اس سلسلے میں فوراً ہی بھارتی حکام اور نیپالی سرکار سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔

میں سونیا کے پاس آگیا۔ وہ میری باتیں سنتی رہی پھر اس نے رسونتی کو مخاطب کیا۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے پوچھا "فرہاد! یہ رسونتی کہاں چلی گئی؟"

"میں کیا جانوں؟ میں کوئی اس کا پہرے دار لگا ہوں؟"

"تم اس کے ذکر پر جلتے کیوں ہو؟"

"تم اس کا ذکر کرتی کیوں ہو؟"

"ایک نہیں، ہزار بار کروں گی۔ ابھی جا کر معلوم کرو، وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ ہمارے دماغ میں اب تک موجود تھی۔ اب کیوں نہیں ہے؟"

"میری دوسری مصروفیات بھی ہیں۔ مجھے ابھی اعلیٰ بی بی کے پاس بھی پہنچنا ہے۔"

"میں کہتی ہوں، پہلے رسونتی کی خیریت معلوم کرو۔"

"سونیا! تم نہیں سمجھ رہی ہو۔ اس نے جان بوجھ کر تم سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے تاکہ تم مجھے مجبور کرو اور میں اس کے دماغ میں پہنچوں پھر وہ تنہائی میں مجھ سے کھل کر گفتگو کرے۔"

"تمھیں اپنے متعلق بڑی خوش فہمی ہے۔ وہ تم سے تنہائی میں بھی زیادہ باتیں کرنا پسند نہیں کرے گی۔"

اسی وقت رسونتی کی آواز سنائی دی "سونیا! تم میری خاطر جھگڑا نہ کرو۔ جو میرے مقدر میں ہے، میں اسے بھگت رہی ہوں!"

"تم اتنی دیر تک کہاں رہیں؟"

"میں ان اعلیٰ افسران کی گفتگو سن رہی تھی۔ انھوں نے مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر یہاں سے روانہ کرنے کا فیصلہ تو کر لیا ہے لیکن سوچ رہے ہیں کہ میری نگرانی کے لیے کن لوگوں کو نیپال جانا چاہیے۔ اُن کی متفقہ رائے یہ ہے کہ سیکرٹ سروس کے ذہین ترین افراد کو میرے ساتھ کر دیا جائے کیوں کہ میں عورت ہوں لہٰذا میرے ساتھ سیکرٹ سروس کی ایک یا دو عورتوں کو بھی رہنا چاہیے۔"

"سونیا! اس سے پوچھو، کیا انھوں نے سیکرٹ سروس کی ان عورتوں اور مردوں کے نام بتائے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "اس ٹیم میں دو عورتیں اور دو مرد ہوں گے۔ ان میں ایک نوجوان لڑکی اور ایک نوجوان لڑکا ہوگا۔ تیسری ایک بڑی عمر کی تجربہ کار اور ذہین عورت ہو گی۔ اس طرح مرد بھی ہر لحاظ سے تجربہ کار ہوگا یعنی وہ کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے اب تک مختلف ایشیائی ممالک میں سراغ رسانی کے فرائض انجام دیے ہیں اور وہی اس سیکرٹ سروس کی ٹیم کا لیڈر بھی ہوگا۔"

"میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں لیلیٰ ثانی کا تصور تھا پھر میں نے سونیا سے کہا "میں کوشش کروں گا کہ سیکرٹ سروس کی ٹیم میں جو نئی لڑکی منتخب کی جائے وہ لیلیٰ ثانی ہو۔"

سونیا نے کہا "وہ فلسطینی مجاہدہ ہے۔ اسے یہیں جدوجہد کرنے دو۔ یہاں سے باہر کیوں لے جانا چاہتے ہو؟"

"محض اس لیے کہ وہ سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر ٹریننگ حاصل کر رہی ہے۔ ابھی اسے عملی تجربہ نہیں ہے۔ وہ غیر ملک میں جا کر نئے نئے تجربات حاصل کرے گی۔ بے شمار فلسطینی مجاہدین اسرائیل سے باہر جا کر بھی اپنے وطن کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ ہم لیلیٰ ثانی کو بھی ایسے ہی مواقع فراہم کریں گے۔"

رسونتی نے کہا "سونیا! میرے آس پاس سیکرٹ سروس کے لوگ رہیں گے۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں رہو گی؟"

"ضرور رہوں گی۔ ابھی تو ہمیں یہاں سے پیرس جانا ہوگا۔ میں وعدہ کرتی ہوں، وہاں پہنچتے ہی کسی دوسری فلائٹ سے

تمہاری طرف آؤں گی اور نیپال پہنچوں گی۔"

"کیا ایسی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ تم یہیں سے میرے ساتھ چل سکو؟"

"بڑی مشکل ہے۔ اگر ہم یہاں سے نیپال کے لیے اجازت نامہ حاصل کریں گے اور تمھاری فلائٹ سے جائیں گے تو دشمنوں کو شبہ ہوسکتا ہے۔ یہاں کے حکام جانتے ہیں کہ میں جے جے بار کر کے ذریعے پیرس سے آئی ہوں اور مجھے وہیں واپس جانا ہے۔ تم ڈرتی کیوں ہو؟ اوّل تو سیکرٹ سروس والے تمھارے ساتھ ہوں گے۔ ان کی حیثیت دشمنوں کی سی نہیں ہو گی۔ وہ سب تمہارے دوست باڈی گارڈز ہوں گے پھر تمھارے پاس ٹیلی پیتھی کا ہتھیار ہے تمھیں بھلا کسی سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ میں جلد ہی آؤں گی۔"

میں ان کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ سونیا نے پوچھا "کیا تم ہماری باتیں سن رہے ہو؟"

میں اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ بھلا کیا سنتا! اس نے مجھے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ میرے بازو پر ہاتھ رکھا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "میں اعلیٰ بی بی اور سجاد کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ انھیں جنگلی جانوروں کے درمیان سے نکالنے کی تدبیر کرنا ہو گی۔"

"ابھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پہلے وہاں کسی تیسرے کو پہنچنے دو۔"

"وہاں جو تیسرا پہنچے گا، وہ اپالو ہوگا۔ اس کی زبان نہ تو میری سمجھ میں آئے گی اور نہ ہی رسونتی سمجھ سکے گی۔ وہ ہماری ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہیں آئے گا۔ اب رہا اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا سوال تو سجاد ابھی اتنا تیز طرار اور تجربہ کار فائٹر نہیں ہے۔ کسی طرح وہاں مرجانہ اور ٹارزبلبا پہنچ جائیں تو اپالو کو زندہ دفن کر دینگے۔"

سونیا نے کہا "تم نے ان یہودیوں کو بتا دیا ہے کہ تم اعلیٰ بی بی کے ساتھ کہاں قید کیے گئے ہو۔ ہیلی کاپٹر کے متعلق بھی ذکر کیا ہے۔ شاید وہ کسی طرح وہاں تک پہنچ سکیں۔"

"ہاں، اعلیٰ بی بی کی ذہانت سے بھی توقع ہے، وہ کسی طرح اس علاقے کے متعلق معلومات حاصل کر لے گی۔ میرا خیال ہے ہم مرجانہ اور ٹارزبلبا کو ان کے متعلق بتائیں اور انھیں تیار رہنے کے لیے کہیں۔ جب بھی اس جگہ کا نام معلوم ہوگا، وہ کسی بھی فلائٹ سے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا تم اپنی خیال خوانی مرجانہ پر ظاہر کرو گے؟"

"میری خیال خوانی کا راز کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔ ابھی جو خیال خوانی کر رہا ہوں، مستقبل میں یہودیوں کے لیے اسے ایک فریب بنا دوں گا۔"

"پھر مرجانہ سے کس طرح رابطہ قائم کرو گے؟"

"رسونتی بن کر۔"

سونیا نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ میں دوسرے ہی لمحے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ٹھیک اسی لمحے میرے منہ پر جیسے ایک زبردست گھونسا پڑا۔ میں ایک دم سے اچھل کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ آنکھیں کھل گئیں۔ سونیا میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ دروازہ کھول کر دین وائنز سے ملنے جا رہی تھی۔ دراصل وہ گھونسا میرے منہ پر نہیں، مرجانہ کے منہ پر پڑا تھا۔ چونکہ میں اس کے دماغ میں تھا، اس لیے اس کی تکلیف میری تکلیف تھی۔ اس کے احساسات، میرے احساسات تھے۔ اس نے اپنے منہ پر گھونسے کی ضرب محسوس کی تو وہ ضرب میں نے بھی محسوس کی تھی۔ اس لیے یکبارگی چونک پڑا تھا۔ بہرحال میں دوبارہ اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

گھونسا پڑنے کے بعد وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ایسی کمزور تو نہیں تھی کہ ایک گھونسا اس پر اثر کرتا۔ وہ جان بوجھ کر لڑکھڑا گئی تھی۔ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ ایک نازک عورت ہے کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی ہاتھ اٹھائے تو وہ مار کھا سکتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ایک نازک عورت ثابت نہ کر سکی، کیوں کہ جس نے گھونسا مارا تھا وہ اب اپنی مٹھی کو اور ہاتھ کی ہڈیوں کو بڑی بے چینی سے سہلا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مٹھی اب نہیں کھلے گی۔ ہڈیاں ایک دم سے چٹخ گئی تھیں۔ گھونسا مارتے ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے کسی فولادی مجسمے پر حملہ کیا ہو۔ وہ حیرانی سے مرجانہ کو گھور رہا تھا۔

وہ اپنے اصلی روپ میں نہیں تھی۔ مرجانہ کی حیثیت سے پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔ اب سے بہت پہلے اسے پیرس سے اغوا کیا گیا تھا۔ یہودیوں کی پلاننگ یہ تھی کہ مرجانہ کو اسرائیلی حدود میں پہنچایا جائے لیکن ٹارزبلبا نے اسے اغوا کرنے کے بعد اپنے علاقے میں پہنچا دیا تھا۔ اب وہ بلبا کے ساتھ پیرس میں اپنی والدہ سے ملاقات کرنے آئی تھی۔ میک اپ کے ذریعے خود کو اور بلبا کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا تھا تاکہ دشمن پہچان نہ سکیں۔

دشمن اب پہچان رہے تھے۔ اسی لیے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس کے ساتھ قصہ کیا تھا، یہ ابھی معلوم ہونے والا تھا۔ فی الحال اس نے مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر لیا تھا لیکن مخاطب نہیں کر رہی تھی کیوں کہ گھونسا مارنے والا سامنے تھا اور وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا "میں پہچان گیا ہوں۔ تم مرجانہ ہو۔ دوستو! یہ مرجانہ ہے۔"

"دوستو" کہنے کا مطلب یہی تھا کہ اس کے آس پاس کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ یقیناً اس کے اطراف گھیرا ڈالے ہوئے کچھ لوگ

موجود تھے جو اَب ظاہر ہو رہے تھے۔ مختلف درختوں کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ وہ سب ہٹے کٹے باڈی بلڈرز اور فائٹر قسم کے لوگ تھے۔

اس وقت وہ پیرس شہر سے تقریباً تیس میل دور ایک ویران علاقے میں تھی۔ جان بوجھ کر وہاں آئی تھی تاکہ دشمن اس کے اطراف گھیرا ڈالیں لیکن وہ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی ذرا اُلجھن میں پڑ گئی تھی۔ چاروں طرف سے لوگ گھیر رہے تھے۔ اس نے کہا "فرہاد! تم نے آنے میں دیر کر دی۔ تم کہو تو میں مقابلہ کرتی ہوں ورنہ میں جان بوجھ کر ان کی گرفت میں آنا چاہتی ہوں۔"

میں نے رسونتی کے لب و لہجے میں کہا "میں رسونتی ہوں۔"

مرجانہ نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "تم کیا مدد کر سکو گی۔ اب مجھے اپنے ہی منصوبے کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔"

اس وقت تک خطرناک قسم کے غنڈوں نے اپنا گھیرا تنگ کر لیا تھا۔ وہ چہرے سے ہی سفاک قاتل نظر آتے تھے۔ جس نے گھونسا مارا تھا، وہ کہہ رہا تھا "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، یہ مرجانہ ہے۔ دیکھو، میرے ہاتھ کی یہ ہڈیاں ایسی لگ رہی ہیں جیسے تڑخ گئی ہوں۔ میں اچھی طرح اپنی ہتھیلی نہیں کھول سکتا۔"

اس کی بات سُن کر دو پہلوان نما آدمی اس کے قریب آئے اور اسے چھُو کر دیکھنے لگے۔ مرجانہ نے کسمساتے ہوئے پیچھے ہٹ کر کہا "مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ تم لوگ آخر ایک کمزور عورت کو کیوں پریشان کر رہے ہو؟"

ایک بدمعاش نے اس کے ہاتھ کی سختی کو محسوس کرتے ہوئے کہا "ہمارا ساتھی دُرست کہہ رہا ہے۔ تمھارے ہاتھ کی سختی بھی بتا رہی ہے کہ تم کوئی نازک عورت نہیں ہو۔"

دوسرے نے کہا "بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمھارا میک اَپ اُتاریں گے تو اصلی چہرہ سامنے آ جائے گا۔"

مرجانہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا "تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم ہی لوگوں نے میرے ساتھی کو اغوا کیا ہے؟"

"صرف ساتھی کیوں کہہ رہی ہو؟ ٹارزر بلبا کیوں نہیں کہتیں؟ ہم نے اس کا میک اَپ اُتار دیا ہے۔"

"اسے کہاں لے گئے ہو تم لوگ؟"

"فکر نہ کرو تمھیں بھی وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ اب سیدھی طرح چلو گی یا کھینچتے ہوئے لے چلیں؟"

"جب میرا راز کھل ہی چکا ہے تو سیدھی طرح چلوں گی۔"

وہ ان کے درمیان چلتے ہوئے اپنی کار کی طرف جانے لگی۔ ایک نے کہا "ہماری گاڑی میں بیٹھو۔"

اسے ایک دوسری ویگن میں بٹھایا گیا۔ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں جتنی سیٹیں تھیں، ان پر وہ فائٹر غنڈے بیٹھ گئے۔ یقیناً انھیں بتایا گیا ہو گا کہ مرجانہ کتنی خطرناک عورت ہے۔ اس لیے وہ محتاط تھے۔ جب ویگن اسٹارٹ ہو کر انجانی منزل کی طرف بڑھنے لگی تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے بیزاری سے پوچھا "تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟"

"کیا میں تمھارے پاس نہیں آ سکتی؟"

"اب ہمارا تمھارا رشتہ کیا رہا؟ فرہاد نے تمھیں طلاق دے دی۔ تم نے ہمارے خلاف جو کچھ کیا، اس کے بعد کیا تم سمجھتی ہو کہ میں خوش دلی سے تمھارا استقبال کروں گی؟"

"تم مجھ سے بدظن ہو لیکن میں دوست کی حیثیت سے ہی آئی ہوں۔"

"مجھے فضول باتیں پسند نہیں ہیں۔ میں یہودیوں کی چالوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ انھوں نے تمھیں میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ اگر یہ غنڈے مجھے مرجانہ کی حیثیت سے نہ پہچانتے تو تم میرے دماغ میں پہنچ کر پہچان لیتیں اور ان کی رہنمائی کرتیں۔"

"کیا تم سمجھ رہی ہو، میں ان غنڈوں کے ساتھ ہوں اور ان کا تعلق یہودیوں سے ہے؟ یقین جانو مجھے نہیں معلوم اور اگر ہے بھی تو میرا تعلق یہودیوں سے نہیں رہا۔"

مرجانہ نے ناگواری سے کہا "رسونتی! تم وہ عورت ہو جو ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اور یہودی قوم سے متاثر ہوتی رہیں کتنی حیرانی کی بات ہے کہ ایک مسلمان تمھارا شوہر رہا مگر تم اس سے متاثر نہ ہو سکیں۔ یا تو بنیادی طور پر ہندو رہیں یا پھر یہودیوں کو قبول کیا۔ تم ہرگز یہ اُمید نہ رکھنا کہ فرہاد کا کوئی بھی ساتھی تم پر اعتماد کرے گا۔"

میں مرجانہ کی باتیں سُن کر اپنا سر کھجانے لگا۔ یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ رسونتی کی خیال خوانی پر نہ تو خوش ہو گی اور نہ ہی اسے خوش آمدید کہے گی۔ سونیا اور مرجانہ میں یہی فرق تھا سونیا جتنی شدت سے رسونتی کو چاہتی تھی، مرجانہ اسے اتنی ہی شدت سے ناقابلِ اعتماد سمجھتی تھی۔ میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ تم مجھ پر اعتماد نہ کرو لیکن میری ایک بات مان لو۔ جب تک تمھیں مجھ پر اعتماد نہ ہو، اس وقت تک کسی سے یہ نہ کہنا کہ مجھے دماغی توانائی حاصل ہو چکی ہے اور میں خیال خوانی کرنے لگی ہوں۔"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمھاری خیال خوانی کے ڈنکے بجاتی پھروں۔ اب تم جاؤ۔"

"میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ اس وقت تمھارے آس پاس جو دشمن بیٹھے ہیں، ان سے میرا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ میں تمھارے پاس رہ کر دیکھنا چاہتی ہوں، یہ آخر کیا چاہتے ہیں۔ ٹارزر بلبا کو یہ لوگ کہاں لے گئے ہیں؟"

"معلوم کرنا ہے تو بلبا کے دماغ میں جاؤ۔"

"میں نے اب تک بلبا کی آواز اور اس کا لب و لہجہ نہیں سُنا ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟ میرا پیچھا تو چھوڑو۔ یہاں آس پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔ تم ان کے دماغوں میں جگہ بنا سکتی ہو۔"

میں ٹارزر بلبا کے دماغ میں پہنچنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ رسونتی نے اس کی آواز نہیں سُنی تھی۔ میں نے سنی تھی اور میں پہنچ سکتا تھا لیکن جب کبھی مرجانہ اور بلبا کی ملاقات ہوتی اور بلبا میری خیال خوانی کا ذکر کرتا تو دونوں میں بحث چھڑ جاتی۔ یہ کہتی، رسونتی نے خیال خوانی کی۔ وہ کہتا۔ فرہاد نے خیال خوانی کی۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچتے کہ خیال خوانی کرنے والا فرہاد ہے اور خود کو چھپا رہا ہے۔

اب ویگن مین روڈ سے ہٹ کر ایک ایسی چھوٹی سی سڑک سے گزر رہی تھی جس کے اطراف میں کوئی مضافاتی بستی تھی۔ پھر وہ بستی بھی گزر گئی۔ ان کے چاروں طرف وہی ویرانی نظر آنے لگی۔ دور تک درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ ویگن اس راستے سے بھی مڑ کر کسی اور راستے پر چل پڑی۔ وہ راستہ گھنے درختوں کے سائے سے گزر رہا تھا۔ میں ان میں سے کسی ایک شخص کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بلبا کو اغوا کر کے کہاں لے گئے ہیں، اور اب مرجانہ کو کہاں پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ معلوم کرتا، ویگن اچانک ایک جھٹکے سے رُک گئی۔

پیچھے بیٹھنے والوں میں سے ایک نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

ڈرائیور نے کہا "سامنے سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ راستہ رُکا ہوا ہے۔"

اس کی بات سُنتے ہی سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر دیکھنے لگے سامنے بیٹھا ہوا ایک شخص فوراً ہی دروازہ کھول کر دوڑتا ہوا لاش کے پاس گیا اور اسے دیکھتے ہی چیخ کر بولا "یہ تو اپنا آدمی ہے۔"

اور دو آدمی ویگن سے اُتر گئے۔ انھوں نے لاش کے پاس جا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں خطرہ ہے۔ ہمارا یہ آدمی ٹارزر بلبا کی نگرانی کرنے والوں میں سے ایک تھا۔ باقی دوسرے وہیں ہوں گے جہاں بلبا کو باندھ کر رکھا گیا ہے۔"

انھوں نے لاش کو سڑک سے اُٹھا کر گھاس پر ڈال دیا۔ ایک نے کہا "ہم ابھی اسے اٹھا کر نہیں لے جائیں گے۔ پہلے دوسرے ساتھیوں کی خبر لینی چاہیے۔ کیا انھیں اپنے اس ساتھی کے انجام کی کوئی خبر نہیں ہے؟"

اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تینوں تیزی سے چلتے ہوئے ویگن کے پاس آئے پھر دروازے کھول کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے ویگن اسٹارٹ کی۔ وہ راستہ آگے جا کر ایک طرف مڑ گیا تھا۔ ایک شخص کے دماغ نے بتایا، آگے ایک میل کے فاصلے پر لکڑیوں کے شہتیروں سے بنا ہوا ایک مکان ہے۔ اسی مکان میں بلبا کو قید کیا گیا ہے۔

مرجانہ کے اطراف میں بیٹھنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم جس کی لاش سڑک کے کنارے چھوڑ کر آئے ہیں شاید وہ غدار ثابت ہوا ہو گا۔ اسی لیے ہمارے دوسرے ساتھیوں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

دوسرے نے کہا "تمھاری بات میں وزن نہیں ہے۔ ہمارے دوسرے ساتھیوں نے اسے ہلاک کرنے کے بعد ایک یا ڈیڑھ میل دور سڑک پر لا کر کیوں چھوڑ دیا؟ کیا وہ بلبا کو چھوڑ کر لاش کو اتنی دور چھوڑنے آئے ہوں گے؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

وہ باتوں کے دوران اس مکان کے قریب پہنچ گئے۔ باہر ہی سے پتا چل رہا تھا کہ وہاں ویرانی ہے۔ کوئی بھی ساتھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے ویگن کا ہارن زور سے بجایا۔ بار بار بجایا لیکن ان کے کسی ساتھی نے اس مکان سے نکل کر اپنی شکل نہیں دکھائی۔

انھوں نے ویگن کو اس مکان سے سو گز کے فاصلے پر روک دیا۔ قریب جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "کیا ہیلی کاپٹر آ گیا تھا؟ وہ لوگ بلبا کو لے گئے ہیں؟"

ڈرائیو کرنے والے نے ویگن دوبارہ اسٹارٹ کی۔ پھر آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ہم اس میدان میں جا کر دیکھیں گے۔ ہیلی کاپٹر آیا ہو گا تو اس کے آثار ضرور ملیں گے۔"

ڈرائیو کرنے والا ویگن کو مکان سے دور رکھتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹ کر اس میدان کی طرف جا رہا تھا جو مکان کے پیچھے کچھ فاصلے پر تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد وہ سب ویگن سے اُتر گئے۔ اس کے دروازے بند کر دیے۔ دروازے کے اطراف میں دو شخص کھڑے رہے تاکہ مرجانہ فرار نہ ہو سکے۔ باقی تین اس میدان میں جا کر دور دور تک دیکھنے لگے۔ ہیلی کاپٹر کے آنے یا وہاں سے کچھ لوگوں کے جانے کے قدموں کے نشانات نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ قیدی نے خود رہائی حاصل کی ہے اور رہائی حاصل کرنے کی کوشش میں ان کے تمام آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔

ایک نے پریشان ہو کر دور ویگن کی طرف دیکھا پھر کہا "گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی عورت بلبا سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہمیں سمجھایا گیا تھا کہ ہم نے بلبا پر پوری طرح قابو پا لیا اور اسے نکلنے کا موقع نہیں دیا تو مرجانہ بھی ہماری مٹھی میں رہے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ویگن کے پاس خطرے کی گھنٹی

بچ گئی۔ ویگن ان سے کافی فاصلے پر تھی۔ اس کے دوطرفہ دروازے بیک وقت جھٹکے سے کھلے۔ باہر کھڑے ہوئے دونوں محافظ دروازوں سے ٹکرا کر لڑکھڑاتے ہوئے دور جا گرے پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے! مرجانہ ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچ چکی تھی۔ ویسے ویگن اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھنے میں ذرا وقت لگ گیا۔ اتنی دیر میں دونوں گرنے والے ویگن تک پہنچ گئے تھے۔ وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ اسی وقت ویگن یکبارگی آگے بڑھ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں سے ایک جھٹکا کھاتے ہی باہر گر گیا۔ دوسرا دوسیٹوں کے درمیان گر پڑا۔ ویگن تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ مرجانہ نے عقب نما آئینے کا رُخ اپنی طرف کرلیا تھا۔ تاکہ پچھلی سیٹوں کے درمیان گرنے والا جب اُٹھ کر حملہ کرے تو آئینے میں صاف طور سے نظر آسکے۔

اس دوران میں دور کھڑے ہوئے لوگ ویگن کی طرف دوڑنے لگے تھے۔ دوڑنے والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ "یہ کیا حماقت ہے؟ کیا اس طرح ہم گاڑی تک پہنچ سکتے ہیں؟ میرے پاس ریوالور نہیں ہے۔ تم لوگوں کے پاس ہے۔ گاڑی کے پہیّوں پر فائر کرو۔"

دوسیٹوں کے درمیان گرنے والا اُٹھ چکا تھا۔ وہ حملہ کرنے ہی والا تھا۔ مرجانہ کے لیے اس حملے کو روکنا اور ڈرائیو کرنے کے دوران میں جوابی کارروائی کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اسے آسانی سے ہینڈل کرسکتی تھی لیکن حملہ کرنے والا اچانک ہی رُک گیا۔ اطمینان سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر بولا۔ "مرجانہ! میں آگئی ہوں۔ تم نے اپنے پاس آنے سے منع کیا تھا اس لیے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی رہونگی۔"

مرجانہ نے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی پھر کہا۔ "مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمھیں ضرورت نہ سہی عقب نما آئینے کو دُرست کرو تاکہ پیچھے سے فائر کرنے والے نظر آتے رہیں۔"

دو بدمعاش اس راستے پر کھڑے ہوگئے تھے جہاں سے مرجانہ ڈرائیو کرتے ہوئے آگے بڑھ سکتی تھی اور اس میدان سے باہر نکل سکتی تھی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ وہ ویگن کے قریب آنے کا انتظار کررہے تھے تاکہ ٹائروں پر فائرنگ کرسکیں۔

مرجانہ نے ویگن کو دوسری طرف گھما لیا۔ دوسری طرف تین آدمی تین سمت میں پھیلے ہوئے تھے جن میں سے دو کے پاس ریوالور تھے۔ ایک نہتا تھا۔ وہ سب فائرنگ کررہے تھے۔ مرجانہ نے عقب نما آئینے کو دُرست کرلیا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں لڑنے کا ہنر جانتی تھی۔ اس نے فائرنگ کرنے والوں کے درمیان خود کو گھرا ہوا پایا تو ویگن کا رُخ اس شخص کی طرف کیا، جو نہتا تھا۔

وہ ویگن کو اپنی طرف آتے دیکھ کر بھاگنے لگا۔ یہ فطری بات ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے آدمی اپنے لوگوں کی طرف پناہ کے لیے بھاگتا ہے اور اس کے اپنے لوگ ویگن کی طرف فائرنگ کررہے تھے۔ وہ فائرنگ اب رُک گئی تھی۔ اگر وہ فائرنگ جاری رکھتے تو آگے بھاگنے والا گولیوں کا نشانہ بن سکتا تھا۔ یہ مرجانہ کی ذہانت تھی کہ اس نے دونوں کو تھوڑی دیر کے لیے فائرنگ سے باز رہنے پر مجبور کردیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ ریوالور والے دو مختلف سمتوں میں دوڑتے ہوئے پھر گولیاں چلانے لگے۔ مرجانہ نے پچھلی سیٹ سے آواز سنی۔ "مرجانہ! میں فائر کرنے والے کے پاس جارہی ہوں۔ تم پیچھے والے کے حملے سے بچو۔"

میں یہ کہتے ہی ایک ریوالور والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ویگن کے ٹائر کا نشانہ لے رہا تھا۔ اس کا نشانہ دوسری طرف بہک گیا۔ اس نے اپنے ریوالور والے ساتھی پر گولی چلادی تھی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ اُچھل کر زمین پر گر پڑا۔ گولی چلانے والے نے حیرانی اور گھبراہٹ سے اپنے ساتھی کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے ویگن کی طرف توجہ دی۔ ویگن کے اندر وہ شخص پیچھے سے مرجانہ پر حملے کررہا تھا اور یوں محسوس کررہا تھا جیسے کوئی فولادی مجسمے پر ہاتھ ماررہا ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ گھونسوں کا اور کراٹے کا کوئی اثر نہیں ہورہا ہے تو اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اس کے بالوں کو جکڑ لیا پھر انھیں کھینچنے لگا۔ مرجانہ قہقہے لگارہی تھی۔ اسی وقت میں نے بال کھینچنے والے کو یکبارگی پچھلی سیٹ پر گرادیا۔ اس نے ایک طرف کا دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگادی۔ وہ شخص جو اپنے ریوالور والے ساتھی کو ہلاک کرنے کے بعد ویگن کے کسی ایک ٹائر کا نشانہ لینا چاہتا تھا، ایک بار پھر بوکھلا گیا۔ اس کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ کوئی ٹائر ضرور پھٹ جاتا لیکن میں نے ریوالور کا رُخ اس کی طرف کردیا تھا جو ویگن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی گولی سے اپنا ایک اور ساتھی ختم ہوگیا۔ مرجانہ اسٹیئرنگ گھما کر اس طرف جانا چاہتی تھی جہاں راستے پر دو غنڈے ریوالور تانے اس کے انتظار میں تھے اور اسے اس میدان سے باہر جانے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "اُدھر گاڑی نہ لے جاؤ۔ وہ جو ریوالور لیے کھڑے ہیں، میں ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ انھوں نے گفتگو کی ہوگی لیکن میں نے ان کے لب ولہجے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ تم اپنی گاڑی ایک ریوالور والے کی طرف رکھو۔ میں اسے کنٹرول کررہی ہوں۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ وہ ریوالور والا اب میرے قابو میں تھا۔ وہ میری مرضی کے مطابق اُدھر بھاگنے لگا، جدھر اس کے دو ریوالور والے ساتھی راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہوئے

تھے۔ اسی وقت ہیلی کاپٹر کی آواز سُنائی دینے لگی۔ میں نے اس کے ذریعے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ بہت دور سے پرواز کرتا ہوا اسی میدان کی طرف آرہا تھا۔ میں نے ریوالور والے کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے بوکھلا کر اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا، ابھی تو وہ میدان کے دوسرے حصے میں تھا، یہاں کیسے پہنچ گیا؟

میں اسے یوں سوچنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اگر وہ زندہ رہ جاتا تو میری ٹیلی پیتھی کا راز فاش ہوجاتا۔ میں نے اس کے ذریعے دوساتھیوں کو مخاطب کیا۔ جواباً اس کے ایک ساتھی نے کچھ کہا اور میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا پھر میں نے اس کے ذریعے ان کے تیسرے ریوالور والے ساتھی کی آواز سنی۔ اس کا لب ولہجہ ذہن نشین کیا پھر اطمینان ہوگیا۔ دو ریوالور والے میری ٹیلی پیتھی کی گرفت میں تھے لیکن انھیں ٹیلی پیتھی کا احساس نہیں تھا۔ ابھی میں نے انھیں اپنا معمول نہیں بنایا تھا۔ البتہ وہ تیسرا ریوالور والا جسے میں میدان کے دوسری طرف سے بھگاتا ہُوا لایا تھا، وہ کسی وقت بھی ٹیلی پیتھی کے ہتھکنڈے کو سمجھ سکتا تھا۔

میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر کہا۔ "فوراً گاڑی سے نکلو۔ ایک ریوالور والا زمین پر مُردہ پڑا ہے۔ اس کا ریوالور لے کر اس شخص کو ختم کرو، جو ابھی تمھاری طرف آنے والا ہے۔ اس نے میری ٹیلی پیتھی کے راز کو سمجھ لیا ہے اور یہ راز میں کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔"

اسے یہ سمجھا کر میں اس آدمی کے پاس آگیا۔ اس کی زبان سے اس کے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "تم دونوں اس کا راستہ روکے رہو۔ ہیلی کاپٹر آگیا ہے۔ اب وہ ہم سے بچ کر نہیں جاسکے گی۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے مرجانہ کی طرف دوڑ لگائی۔ دوسری طرف مرجانہ نے اس کے مُردہ ساتھی کا ریوالور زمین پر سے اُٹھا لیا تھا۔ جیسے ہی وہ دوڑتے ہوئے قریب آنے لگا، اس نے گولی چلادی۔ وہ لڑکھڑا کر گرگیا۔ اس کے بعد اُٹھ نہ سکا۔ مرجانہ کا نشانہ کبھی نہیں چُوکتا تھا۔

ہیلی کاپٹر میدان کے قریب آچکا تھا اور اب اس میدان کے چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی پرواز نیچی ہوگئی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر سے کہا جارہا تھا۔ "مس مرجانہ! ہم دوست بن کر آئے ہیں۔ تمھارے لیے فرہاد علی تیمور کا پیغام لائے ہیں۔ پلیز، ریوالور استعمال نہ کرو۔ ہمارے ساتھیوں سے بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ہم اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہتھیار پھینک دیں۔"

ہیلی کاپٹر نیچے اُتر رہا تھا۔ مرجانہ دور چلی گئی تھی۔ گردش کرنے والے پنکھے سے طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ دُور تک جھاڑیاں اور درختوں کے پتّے شور مچارہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے بعد پنکھے کی گردش تھمنے لگی۔ جھاڑیاں اور درختوں کے پتّے خاموش ہونے لگے۔ ہیلی کاپٹر سے آنے والے اب تک اسپیکر کے ذریعے کہہ رہے تھے۔ "مس مرجانہ! ہم دوست بن کر آئے ہیں۔ وہ دیکھیے، ہمارے ساتھیوں نے ہتھیار پھینک دیے ہیں۔ آپ کو ہم پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

مرجانہ میدان کے ایک سرے پر جاکر ایک درخت کے پیچھے کھڑی ہوگئی تھی۔ ہیلی کاپٹر کا کاک پٹ اُٹھ گیا تھا۔ وہاں سے دو مسلح جوان باہر نکل رہے تھے پھر ایک نے دور اس درخت کے پیچھے کھڑی ہوئی مرجانہ کو دیکھا اور اپنا ریوالور ہولسٹر سے نکال کر ایک طرف پھینکتے ہوئے، دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ہتھیار پھینک دیا ہے۔ دونوں ہاتھ اُٹھائے آپ کے پاس آرہا ہوں۔"

اس نے جیسا کہا، ویسا ہی کیا۔ تیزی سے چلتے ہوئے مرجانہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے کہا۔ "جہاں ہو، وہیں رُک جاؤ۔ زیادہ قریب آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے رُک کر کہا۔ "مس مرجانہ! ہم بڑی غلط فہمیوں کا شکار تھے۔"

مرجانہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "کیا اب غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں؟"

"جی ہاں، آپ یقین کریں۔ ہمارے بڑوں نے حکم دیا ہے کہ ہم آپ کو اور ٹارزن بلیا کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور ہم سے جو غلطیاں ہوگئی ہیں، اس کی معافی مانگیں۔"

"آخر اچانک ایسا انقلاب کیوں آگیا؟"

"آپ کو معلوم نہیں ہے، اور بھلا کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ فرہاد صاحب ٹیلی پیتھی سے محروم ہوگئے ہیں ورنہ خیال خوانی کے ذریعے آپ کو یقین دلاتے کہ وہ ہم یہودیوں کے دوست بن گئے ہیں۔ ہمارے درمیان ہمیشہ دوست بن کر رہنے کا معاہدہ ہورہا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر حال میں فرہاد سے اور ان کے دوستوں سے دوستی نبھاتے رہیں۔ آپ سے بھی ہم دوستانہ تعاون کی توقع کرتے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر سے آنے والا میری ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں لاعلمی ظاہر کررہا تھا۔ یقیناً ربی اسفند یار اور "کاہل تنظیم" کے سربراہ کی جانب سے میری خیال خوانی کو راز میں رکھا جارہا تھا۔ انھوں نے اپنے خاص آدمیوں کو بھی میری ٹیلی پیتھی کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا "سانس نہ روکنا۔ مجھے آنے دو۔ ابھی اپنے مقابل کی گفتگو سے یہ سمجھ سکتی ہو یہودی اکابرین کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ رسونتی خیال خوانی کرنے لگی ہے۔ میں نے تمھیں اپنا سمجھ کر مخاطب کیا تھا لیکن تم مجھ پر بھروسہ نہیں کر رہی ہو۔ بہرحال انھیں میری خیال خوانی کے متعلق کچھ نہ بتانا۔ میرا مشورہ ہے، ان کی دوستی پر بھروسہ کرو۔ آسانی سے نکل جانے کا یہی ایک راستہ ہے ورنہ . . . "

مرجانہ نے حقارت سے کہا "تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا مَیں تمھاری باتوں میں آکر ان یہودیوں کی دوستی پر بھروسہ کر لوں گی؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ دوست ہیں تو میرے راستے کی رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ میں ابھی آزماتی ہوں۔"

یہ کہہ کر مرجانہ نے آنے والے کو مخاطب کیا "مسٹر! میں جب تک فرہاد علی تیمور سے بات چیت نہیں کروں گی، اس وقت تک تم لوگوں کی دوستی پر اعتماد نہیں کروں گی۔ اگر تم دوست ہو تو ایک طرف ہو جاؤ۔ مجھے اس گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے جانے کا موقع دو۔ کسی نے رُکاوٹ پیدا کی تو اس کا انجام کیا ہو گا، یہ یہاں پڑی ہوئی لاشیں بتا سکتی ہیں۔"

"میڈم! یقیناً ہم آپ کی دلیری کے معترف ہیں لیکن آپ فرہاد صاحب سے کس طرح باتیں کرنے کے بعد ہم پر بھروسہ کریں گی؟ آپ تو جانتی ہوں گی، ان کی خیال خوانی کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔"

"اس صلاحیت کو ختم کرنے میں تم لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"جو ماضی میں ہو گیا، ہم نے اس پر مٹی ڈال دی ہے۔ فرہاد صاحب بھی اسے بھول گئے۔ اس لیے ہم سے دوستی کر رہے ہیں۔"

"تم لوگ دوستی کر رہے ہو یا بڑی گہری چالیں چل رہے ہو؟ پہلے تو اعلان کیا کہ اعلیٰ بی بی اور فرہاد کو رہا کیا جا رہا ہے۔ انھیں پیرس پہنچایا جا رہا ہے۔ پھر اعلان کیا گیا کہ ان کا ہیلی کاپٹر کہیں راستے میں گم ہو گیا ہے۔ کیا اسے عقل تسلیم کرتی ہے؟ بے شک تمھارے دوست ممالک اس بات کو تسلیم کر لیں لیکن ہم تمھاری چالوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ انھیں ایسی جگہ قید کیا گیا ہے جہاں ہم نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ہی ان سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اگر تم دوست ہو تو پہلے فرہاد علی تیمور سے رابطہ قائم کراؤ۔"

اجنبی نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا "اب سے پینتالیس منٹ پہلے ہم خود نہیں جانتے تھے کہ فرہاد صاحب اور مادام اعلیٰ بی بی کہاں گم ہو گئے ہیں۔ آپ کے پاس آنے سے پہلے ہمیں بتایا گیا کہ وہ ایک ایسی جگہ قید ہیں جہاں کی وہ خود نشان دہی نہیں کر سکتے۔ انھیں قید کرنے والے بردہ فروش ہیں۔ وہ بھاری رقم لے کر کسی بھی خطرناک تنظیم یا کسی بھی ملک کے ہاتھوں ان دونوں کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "بڑی مختصر سی کہانی ہے مگر نہایت ہی دلچسپ ہے۔"

"ہم جانتے ہیں، آپ یقین نہیں کریں گی۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "مرجانہ! یہ درست کہہ رہا ہے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے فرہاد سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ مجھ سے باتیں نہیں کرنا چاہتے کیوں کہ میں ان کے لیے نامحرم ہوں۔ لہٰذا میں نے اعلیٰ بی بی کے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسے مکان میں ہیں جس کے اطراف ہزاروں گز کا ایک سرسبز باغ ہے پھر اس باغیچے کے اطراف آہنی سلاخوں والا پنجرہ ہے۔ اس پنجرے کے دوسری طرف خونخوار چیتے اور ببر شیر نظر آتے ہیں۔ وہ بھی آہنی سلاخوں کے درمیان ہیں۔ پھر ان سلاخوں کے پیچھے دوسرے جنگلی جانور ہیں۔ یعنی وہ دونوں جس کی قید میں ہیں، وہ جنگلی جانوروں کا کاروبار کرتا ہے۔ ان کی پرورش کرتا ہے اور انھیں دوسرے ممالک میں فروخت کرتا ہے۔"

"یہودی جو کہہ رہے ہیں، تم بھی وہی کہو گی۔ تم ان سے الگ تو نہیں ہو۔"

بڑی مشکل تھی۔ وہ رسونتی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب اگر میں اسے یقین دلانے کے لیے فرہاد بن کر گفتگو کرتا تو وہ پھر بھی یقین نہ کرتی۔ یہی کہتی کہ رسونتی لہجہ بدل کر بول رہی ہے۔ یوں بھی مجھے اپنے آپ کو منکشف نہیں کرنا تھا۔ میں اپنی ٹیلی پیتھی کو راز میں ہی رکھنا چاہتا تھا۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سونیا مجھ سے کہہ رہی تھی "تم مراقبے میں جاتے ہو تو واپس آنے کا نام نہیں لیتے۔ مسلسل خیال خوانی کیا ضروری ہے؟ کبھی دماغی طور پر اپنی جگہ آجایا کرو۔"

میں نے اسے مرجانہ کے حالات بتاتے ہوئے کہا "اس وقت اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ دشمن دوست بن گئے ہیں۔ وہ یقیناً وہاں سے بآسانی چلی جائے گی۔"

"چلو، اچھا ہوا کہ وہ تمھیں رسونتی سمجھ رہی ہے۔ ویسے تم عورتوں کی طرح بہت اچھا بول لیتے ہو۔"

"پھر بھی بولنے میں ان سے بازی نہیں لے جا سکتا۔ بھلا عورتیں کب اپنا ریکارڈ کسی کو توڑنے دیتی ہیں۔"

وہ مسکرانے لگی۔

میں نے کہا "تمھاری اطلاع کے لیے یہ بتا دوں کہ سوچ کی لہریں جب دماغ میں پہنچتی ہیں تو لب ولہجہ تو صاف سُنائی

دیتا ہے لیکن آواز صاف طور سے پہچانی نہیں جا سکتی۔ مثال کے طور پر ٹیلیفون کے ذریعے اکثر دوسری طرف سے گفتگو کرنے والے کی آواز واضح طور پر پہچانی نہیں جاتی یا تو اسے اس کے لب ولہجے سے پہچانا جاتا ہے یا پھر اپنائیت کے باعث پہچان ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر کہا جاتا ہے کہ فون پر آواز بدلی ہوئی سی لگتی ہے۔ بالکل اسی طرح میں کسی عورت کی آواز کی نقل ہو بہو نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرجانہ کو یقین کرنا پڑا کہ رسونتی بول رہی ہے۔ دشمنوں نے مجھے ٹیلی پیتھی سے محروم کر دیا ہے۔ یہ بات وہ جانتی ہے۔ پھر رسونتی کی خیال خوانی پر کیوں یقین نہیں کرے گی؟"

"مرجانہ جیسی فولادی عورت بلبا سے متاثر ہو رہی ہے، لہٰذا بلبا کی خبر بھی رکھنا چاہیے۔"

"میں مجبور ہوں۔ رسونتی کی حیثیت سے اس کے دماغ میں نہیں جا سکتا۔ ویسے جب وہ دُشمنوں کی قید سے نکل کر گیا ہے تو یقیناً پیرس شہر میں مرجانہ کی امّی کے پاس ہو گا۔ وہیں اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد میں اس کے ذریعے معلوم کروں گا۔"

سونیا نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "وین دائٹز نے ہماری روانگی کا انتظام کر دیا ہے۔ ہم آج رات کی فلائٹ سے پیرس جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر مَیں مرجانہ سے ملاقات کروں گی۔ تم ذرا معلوم کرو، رسونتی کی روانگی کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟"

"انھوں نے جب وعدہ کیا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اسے یہاں سے نیپال پہنچا دیں گے تو پھر معلوم کرنا کیا ضروری ہے؟"

"یہ تو پتا چلے کہ اس کی نگرانی کے لیے کون لوگ اس کے ساتھ جا رہے ہیں؟"

میں 'کاہال تنظیم' کے سربراہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے سامنے انٹیلی جنس کا چیف آفیسر بیٹھا کہہ رہا تھا "ہم نے ان تمام افراد کی فہرست مرتب کر لی ہے جو بڑے پیمانے پر جنگلی جانوروں کی پرورش کرتے ہیں اور انھیں دوسرے ممالک کے چڑیا گھروں میں فروخت کرتے ہیں۔"

"کاہال تنظیم" کے سربراہ نے کہا "یونان کے بردہ فروش، فرہاد صاحب اور اعلیٰ بی بی کا سودا کر رہے ہیں۔ ان بردہ فروشوں کے سرغنہ کا نام جیسکو کورو ہے۔ یہ اس کی تصویر ہے۔"

اس نے ایک تصویر انٹیلی جنس کے چیف آفیسر کی طرف بڑھا دی۔ جیسکو کورو وہی گول مٹول سا شخص تھا جس نے اعلیٰ بی بی اور سجاد کو اپالو کے حوالے کیا تھا۔ تصویر دیکھنے کے بعد چیف آفیسر نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا "میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ جیسکو کورو کا تعلق کن لوگوں سے ہے۔ اگر اس کا کاروبار جنگلی درندوں کے کسی سوداگر سے ہو گا تو ہم بہت جلد اس سوداگر تک پہنچ جائیں گے۔"

"یونان کا ایک بردہ فروش ہم سے فرہاد صاحب کا سودا کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ فرہاد صاحب اور اعلیٰ بی بی کو یونان کے کسی ملک میں یا یونان کے آس پاس کے کسی جزیرے میں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ آپ لوگوں کی سراغرسانی کا دائرہ پہلے یونان اور آس پاس کے جزیروں تک محدود رہنا چاہیے۔ شاید ہم جلد ہی فرہاد تک پہنچ جائیں۔"

چیف آفیسر چلا گیا۔ یقیناً وہ لوگ جس طرح جدوجہد میں مصروف تھے، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جلد ہی سجاد اور اعلیٰ بی بی تک پہنچ جائیں گے۔ میں چُپ چاپ 'کاہال تنظیم' کے سربراہ کے دماغ کو ٹٹولتا رہا۔ ان افراد کے نام اور پتے معلوم کرتا رہا جو رسونتی کے ساتھ نگراں کی حیثیت سے جانے والے تھے۔ میری خواہش تھی کہ اس نگراں ٹیم میں لیلیٰ ثانی شامل ہو جائے۔ اس کا مجھے موقع نہ ملا۔ میں مرجانہ کی طرف مصروف رہا لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں میں کچھ کر نہیں پاتا، وہاں کبھی کبھی تقدیر ساتھ دیتی ہے۔ اس نگراں ٹیم میں لیلیٰ ثانی کا نام شامل ہو چکا تھا۔

میں لیلیٰ ثانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ قبرستان سے واپس آرہی تھی۔ اس کے اردگرد اس کے یہودی دوست اور دوسرے شناسا موجود تھے۔ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ اس کے یہودی باپ کی آخری رسومات ادا ہو چکی تھیں۔ ایک چیف آفیسر اس کے ساتھ چلتا ہوا تعزیتی انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ اسے تسلیاں دے رہا تھا "مس سائرہ آٹزک! اب تم اس دُنیا میں تنہا رہ گئی ہو۔ ایک دن سب کو مرنا ہے۔ تمھارے باپ کی موت آج نہ ہوتی تو آئندہ کسی دن ہو جاتی لیکن آٹزک کی موت کے بعد تم بالکل آزاد اور تن تنہا ہو۔ ایک سیکرٹ ایجنٹ بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنہا ہو۔ کسی طرح کی گھریلو ذمے داریاں اور قریبی رشتہ داروں کے سلسلے میں پریشانیاں نہ ہوں۔ تم اب آزادانہ اس فیلڈ میں کام کر سکتی ہو۔ کوئی دُشمن تمھارے کسی رشتے کو تمھاری کمزوری نہیں بنا سکے گا۔ بائی دی وے میں اس سوگوار ماحول میں ایک خوشخبری سُنانا چاہتا ہوں۔"

لیلیٰ اپنی گاڑی کے پاس رُک گئی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ آس پاس دیکھتے ہوئے بڑی رازداری سے دھیمے لہجے میں بولا "تمھیں ایک بہت ہی اہم مشن پر ملک سے باہر بھیجا جا رہا ہے۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ چیف آفیسر نے آہستہ سے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا "میں دُرست کہہ رہا ہوں۔ اٹھارہ گھنٹے کے بعد تم یہاں سے رسونتی کے ساتھ نیپال جاؤ گی۔ تمھاری رہنمائی اور مزید ٹریننگ کے لیے ہمارے

سنیئر اسٹاف کے تین افراد ساتھ ہوں گے۔ تم ابھی سے خود کو ذہنی طور پر ایک نئے مشن کے لیے تیار کرو۔"

وہ باہر جانے کے لیے کبھی خوش نہ ہوتی۔ اپنے ہی ملک میں رہ کر مجاہدین سے چوری چھپے رابطہ قائم رکھنا چاہتی تھی اور ایک دوسرے کے تعاون سے دشمنوں کو نقصان پہنچانا چاہتی تھی لیکن رسونتی کا نام سن کر وہ آمادہ ہوگئی۔ اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کسی طرح رسونتی کو اپنے بس میں کرلے۔ اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھائے۔ اگر وہ کسی طرح خیال خوانی کے قابل ہو جائے تو اس کی ٹیلی پیتھی مجاہدین کے لیے ایسا ہتھیار بن جائے گی، جس کا جواب دشمن کبھی نہیں دے سکیں گے۔

وہ بڑی اداسی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ نے اس سوگوار ماحول میں واقعی خوشخبری سنائی ہے۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ مجھے کسی بیرونی ملک میں ٹریننگ کے لیے ایک اہم مشن پر بھیجا جا رہا ہے۔ میں خود کو اس انتخاب کی اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ اپنے آفیسر سے مصافحہ کرنے کے بعد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر وہ وہاں سے جانے لگی۔ میں اس کے ساتھ رہا۔ اب وہ سوچ رہی تھی، مجھے جو اطلاع ملی ہے اس کے مطابق وین وائٹ سلطانہ کو یہاں جوا کھیلنے کے لیے لایا تھا۔ ان کے ساتھ ایزل ہارڈی بھی تفریحاً چلا آیا۔ اب تازہ ترین اطلاع کے مطابق وہ سلطانہ کے ساتھ آج رات کی فلائٹ سے پیرس چلا جائے گا۔ اگر یہ چلا گیا تو میں اس سے ملاقات نہیں کر سکوں گی۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ بدروحیں کس طرح اس کے قابو میں رہتی ہیں جب کہ وہ کسی پہلو سے وِچ ڈاکٹر نظر نہیں آتا ہے۔

سوچنے کے دوران میں ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ کیوں نہ موجودہ مشن کے سلسلے میں اس کی بدروحوں سے معلومات حاصل کی جائیں اور خاطر خواہ فائدے اٹھائے جائیں۔ بشرطیکہ ایزل ہارڈی مجھ سے تعاون پر آمادہ ہو جائے۔ مگر ہاں، وہ انکار نہیں کرے گا۔ اس نے تو حبیبہ سے کہا تھا کہ وہ مجاہدین کی مدد کر رہا ہے۔ آئندہ بھی ان کے کام آنا چاہتا ہے۔ میں مجاہدین کے حوالے سے اس سے ملاقات کروں گی۔

وہ سوچ رہی تھی اور کھڑکی کے باہر گزرتے ہوئے مناظر دیکھ رہی تھی۔ اچانک اسے حبیبہ نظر آئی۔ وہ کار کی ہی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

لیلیٰ نے ڈرائیور سے کہا۔ "المقصود اسٹور کے سامنے گاڑی روک دو۔"

گاڑی رک گئی۔ وہ پچھلی سیٹ سے نکل کر اسٹور میں گئی۔ وہ ایک بہت بڑا جنرل اسٹور تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کچھ خریدنے کے بعد واپس آئی تو پچھلی سیٹ پر ایک لفافہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"

گاڑی پھر اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ لیلیٰ نے چور نظروں سے ڈرائیور کو دیکھا۔ وہ اس سے بے خبر تھا۔ حبیبہ بھی کوئی نادان نہیں تھی۔ اس نے سوچ سمجھ کر اس لفافے کو پچھلی سیٹ پر پھینکا ہوگا۔ اگر ڈرائیور دیکھ لیتا تو اسے ٹوک دیتا یا پھر اس لفافے کو اٹھا کر ضرور دیکھتا۔

اس نے چپ چاپ لفافے کو کھولا۔ اس کے اندر سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکلا۔ کاغذ کے ساتھ دو تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ایک شخص کے ہاتھوں میں اسٹین گن نظر آرہی تھی۔ وہ اس اسٹین گن کو کسی عرب مسلمان کے حوالے کر رہا تھا۔ تصویر ایسے ہی وقت اتاری گئی تھی جب وہ اسٹین گن اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ دوسری تصویر میں وہی شخص اسی عرب مسلمان سے نوٹوں کی گڈیاں لے رہا تھا۔ وہ تصویر بھی ایسے ہی وقت اتاری گئی تھی جب وہ نوٹ دیے جا رہے تھے۔ دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، لینے والے کا نیچے۔ تصویر سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ لین دین کس طرح ہو رہا ہے۔

وہ کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا تھا:

"اس تصویر میں جو شخص اسٹین گن دے رہا ہے اور دوسری تصویر میں رقم لے رہا ہے، اس کا نام ڈیوڈ ہے۔ یہ ایک نہایت لالچی اور مکار یہودی ہے۔ یہ جانتا ہے کہ جدید ترین اسلحہ ترکی سے کس طرح اسمگل ہو کر یہاں آتا ہے۔ یہ ہتھیار خفیہ ہاتھوں سے ڈیوڈ کے پاس پہنچتے ہیں۔ ڈیوڈ انھیں مجاہدین کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے۔ اگر یہ بات اسرائیلی حکومت کو معلوم ہو جائے تو ڈیوڈ یہودی حکام کے ہاتھوں کتے کی موت مرے گا۔

تم چاہو تو اس مکار کو یہودی حکام کے حوالے کر سکتی ہو۔ اب یہ ہمارے کام کا نہیں رہا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا ایجنٹ آگیا ہے۔ وہ ہمیں ہتھیار سپلائی کرتا ہے اور منہ مانگی قیمت وصول کرتا ہے۔ میں اس کا نام اور پتا بھی لکھ رہی ہوں۔ تم بہتر فیصلہ کر سکتی ہو کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا رابطہ براہ راست ان اسمگلروں سے ہو جائے جو ہتھیاروں کو ترکی سے

لا کر یہاں فروخت کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ڈیوڈ کے ذریعے سراغ لگاتے ہوئے ان اسمگلروں تک پہنچ جاؤ گی۔ اس طرح ہمیں وہ ہتھیار نسبتاً سستے ملنے لگیں گے۔

موجودہ ایجنٹ کا نام جوزف ہے۔ وہ اسی اسٹریٹ میں رہتا ہے جہاں کل تمھارے انٹیلی جنس کے ایک افسر مارٹن نے مجھے ٹریپ کرنا چاہا تھا۔ اس کے بنگلے کا نمبر ایک سو چھتیس ہے۔

فقط تمھاری ایچ۔ کے"

اس نے حبیبہ الخیری کا مخفف کر کے 'ایچ کے' لکھا تھا۔ لیلیٰ نے اس کاغذ کو تہہ کر کے چھپا لیا پھر وہ تصویر اپنے پرس میں رکھتے ہوئے ڈرائیور سے بولی۔ "اولڈ مارکیٹ چلو۔"

پرانے بازار میں ڈیوڈ کباڑیہ سیکنڈ ہینڈ مال کی خرید فروخت کرتا تھا۔ اس نے لیلیٰ کو دیکھ کر پوچھا۔ "فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

لیلیٰ نے اپنے پرس میں سے شناختی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "خدمت تو میں کرنے آئی ہوں۔"

اس کارڈ کو دیکھتے ہی ڈیوڈ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "مس سارہ! میں بالکل سیدھا سادا کاروبار کرتا ہوں۔ کوئی ہیرا پھیری نہیں ہے پھر آپ میرے پاس کیا لینے آئی ہیں؟"

"میں تم سے وہ ہتھیار خریدنا چاہتی ہوں جو تم مجاہدین کو بھی سپلائی کرتے ہو؟"

وہ کھڑا تھا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا۔ اس کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ کسی سہارے کے بغیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ لیلیٰ نے اس کے کالر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا پھر اسے دوسرے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اس کمرے میں چلو۔"

ادھر گاہک نہیں آتے تھے۔ ڈیوڈ نے گڑگڑا کر کہا۔ "میں تو سیدھا سادا کاروبار کرتا ہوں۔ جس نے بھی میرے خلاف رپورٹ دی ہے، وہ میرا دشمن ہے۔ میں ہتھیاروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

لیلیٰ نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتی۔ سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دو۔"

اس نے پرس میں سے وہ دونوں تصویریں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیں۔ تصویر دیکھتے ہی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میرے سامنے کھڑے رہو۔"

"میں ذرا کمزور دل کا آدمی ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ بیٹھنے کی اجازت دے دو۔"

"تم کھڑے رہو گے تو مجھے معلوم ہوتا رہے گا کہ میری کون سی بات تمھیں بیٹھنے یا چاروں شانے چت ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ کم آن، اسٹینڈ اپ۔"

وہ ایک پرانی ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ میرے خلاف سازش ہے۔ آج سے دو برس پہلے چند چھاپا مار مسلمان آئے تھے۔ انھوں نے مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر ایسی تصویریں اتروانے پر مجبور کر دیا۔ وہ مجھے بلیک میل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، اگر میں ان کے مطالبات پورے نہیں کروں گا تو یہ تصویریں اسرائیلی حکام تک پہنچا دیں گے اور یہ ثابت کر دیں گے کہ میں یہودی ہو کر اپنی یہودی حکومت کے خلاف مسلمانوں کو ہتھیار سپلائی کرتا ہوں۔"

"وہ تو تم کرتے ہو، بلکہ کرتے تھے۔ اب ایک نیا ایجنٹ آگیا ہے۔ تم سے یہ ایجنسی چھین لی گئی ہے اور جو نیا ایجنٹ ہے اس کا نام جوزف ہے۔ مجھے اس کا بھی پتا معلوم ہے۔ تمھارے بعد میں اس سے بھی نمٹ لوں گی۔ کیا تم چاہو گے کہ میں تمھاری یہ دو تصویریں اپنے افسران کے سامنے پیش کر دوں؟" وہ 'نہیں، نہیں' کے انداز میں سر ہلانے لگا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ کر چلی جاؤں، تمھیں معاف کر دوں؟" وہ 'ہاں ہاں' کے انداز میں سر ہلانے لگا۔

"میں یقیناً تمھیں معاف کر دوں گی، بشرطیکہ تم مجھے اُن اسمگلروں کے متعلق پوری معلومات فراہم کر دو۔"

پہلے تو وہ پریشان ہوا پھر سنبھل کر بولا۔ "اسمگلر نادان نہیں ہوتے۔ جن سے میرا لین دین رہا، وہ بہت ہی چالاک تھے۔ کبھی میرے سامنے نہیں آتے تھے۔ ایک ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم ہوتا تھا۔ پہلے سے پروگرام طے ہو جاتا تھا۔ اس پروگرام کے مطابق ہتھیار میرے پاس پہنچ جاتے تھے۔"

میں ان کے سوال و جواب کے دوران میں ڈیوڈ کے دماغ میں پہنچ کر حقیقت معلوم کرنے لگا۔ وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ اسمگلر کو خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا نام اور پتا میں نے اس کے دماغ سے معلوم کر لیا۔

وہ دونوں جس کمرے میں تھے، اس کے بعد ایک اور اسٹور روم تھا، جہاں اس نے بہت سے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ ایک اس کا ذاتی ریوالور بھی تھا، جو اسٹور روم میں تھا۔ ڈیوڈ سوچ رہا تھا کہ وہ کسی طرح اسٹور روم میں جائے اور وہاں سے ریوالور نکال کر لیلیٰ کا کام تمام کر دے۔

لیکن اس کا دماغ یہ بھی سمجھا رہا تھا کہ ایسا کرنا خطرے سے

خالی نہیں ہوگا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر دُکان پر آئی ہے۔ ڈرائیور وہاں موجود ہے۔ بہت سے لوگ اس بات کے چشمِ دید گواہ ہوں گے کہ سارہ آئزک اس کباڑیے کی دُکان میں آئی تھی پھر واپس نہیں گئی۔

لیلیٰ نے اس سے سوال کیا: "اسمگلر تم پر کس طرح اعتماد کرتے ہیں کہ تم کبھی ان کا راز فاش نہیں کرو گے؟"

"راز فاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب میں انھیں ان کے ناموں سے اور چہروں سے پہچانتا نہیں ہوں تو میں ان کے خلاف بھلا کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم نہایت کمینے اور مکار ہو۔ یہ نہ سوچنا کہ میں تمھاری باتوں پر یقین کر رہی ہوں۔"

اس کی باتوں کے دوران میں ڈیوڈ کے دماغ پر قابض ہوگیا تھا۔ اب وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی آواز بدل گئی۔ وہ نسوانی آواز میں پریشان ہو کر کہہ رہا تھا: "نہیں نہیں۔ اینزل ہارڈی! میں نیکی نہیں کروں گی۔ میں سارہ آئزک کے کام نہیں آؤں گی۔ میں بدرُوح ہوں۔ مجھے بدی کے لیے استعمال کرو۔"

لیلیٰ ثانی شدید حیرانی سے ڈیوڈ کو دیکھ رہی تھی۔ اب ڈیوڈ کی آواز بدل گئی تھی۔ میں اپنی آواز اور لب و لہجے میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا: "نیک روحوں سے نیکی کرانا تو سب ہی عامل جانتے ہیں۔ بدرُوح سے نیکی کرانا صرف اینزل ہارڈی جانتا ہے۔ تم اس وقت لیلیٰ ثانی عرف سارہ آئزک کے کام آؤ گی۔ انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ تم میری مٹھی میں ہو۔"

ڈیوڈ کی آواز پھر بدل گئی۔ وہ اب نسوانی آواز میں بدرُوح کی حیثیت سے بول رہا تھا: "اینزل ہارڈی! تم ظالم ہو۔ جس دن میں تمھارے شکنجے سے آزاد ہو جاؤں گی، اس روز تمھاری موت بن جاؤں گی۔ ابھی تو میں مجبور ہوں۔ تمھارے حکم کی تعمیل کر رہی ہوں۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ڈیوڈ سے حقیقت اُگلواؤ۔ یہ کس اسمگلر کے لیے کام کر رہا ہے؟ اُس سے ڈیوڈ کی براہِ راست ملاقات ہوتی رہی ہے یا نہیں؟ وہ ہتھیار کس طرح حاصل کرتا رہا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ اپنی ذاتی آواز میں گھگھیانے لگا۔ یوں تھر تھر کانپنے لگا جیسے تیز بخار چڑھ رہا ہو یا شدید اذیت میں مبتلا ہو۔ پھر وہ اپنی آواز میں کہنے لگا: "میں بتا رہا ہوں۔ میں بتا رہا ہوں۔ مس سارہ! تم اس کا نام معلوم کرنے کے بعد بھی اس کے سائے تک نہیں پہنچ سکو گی۔ وہ بدنامِ زمانہ اسمگلر کرسٹوفر میکی ہے۔ بیروت میں اس کی رہائش ہے لیکن دنیا کے ہر ملک اور ہر بڑے شہر میں اس کا نام یوں لیا جاتا ہے جیسے وہ آس پاس وہیں کہیں موجود ہو۔"

لیلیٰ ثانی کی حیرانی کسی حد تک دور ہوگئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "مسٹر اینزل ہارڈی! مجھے اس بدنامِ زمانہ اسمگلر سے زیادہ تم سے دلچسپی ہے۔ لہٰذا ڈیوڈ سے معلومات فراہم کرنے کے بعد تم مجھ سے گفتگو کرو گے۔"

میں نے گمبھیر لہجے میں کہا: "اے نیکی سے دور بھاگنے والی اور بدی کی پوجا کرنے والی بدرُوح! سارہ آئزک سے کہہ دے کہ میں براہِ راست اس سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ گفتگو کرنے کے لیے بدروح کو واسطہ بنانا ضروری ہے۔"

لیلیٰ نے کہا: "میں بدرُوح سے کہتی ہوں، وہ میرا پیغام اینزل ہارڈی تک پہنچائے۔ میں شام کو چھ بجے رایان پارک میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی جیسے بدروح اس کا پیغام مجھ تک پہنچا رہی ہو پھر میں نے کہا: "سارہ آئزک سے کہہ دو، آج رات نو بجے کی فلائٹ سے میں پیرس واپس جا رہا ہوں۔ میری مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ چھ بجے کسی پارک میں اس سے ملاقات نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر اب سے ڈیڑھ گھنٹے بعد یعنی ٹھیک پانچ بجے میں میک اپ کے ذریعے خود کو تبدیل کر کے اسی ہوٹل میں آؤں گی اور لابی والی میز پر انتظار کروں گی۔ اگر کسی اور میز پر رہی، تب بھی اینزل ہارڈی کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہو سکتی۔ تم اس کی بدرُوح ہو۔ اسے میرے پاس پہنچا سکتی ہو۔"

میں نے بدروح کے ذریعے کہا: "ہم موضوع سے بھٹک گئے ہیں۔ ابھی ڈیوڈ کے ذریعے کرسٹوفر میکی کے متعلق معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔"

لیلیٰ نے کہا: "ڈیوڈ سے پوچھا جائے کہ اس سے کرسٹوفر میکی کی ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔"

چند لمحوں بعد ڈیوڈ نے کانپتے ہوئے، کراہتے ہوئے کہا: "اب سے دو برس پہلے میں بیروت گیا تھا۔ وہاں کرسٹوفر میکی سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد سے میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ آج کل وہ کہاں ہے۔"

"تمھارے پاس ہتھیار کن ذرائع سے پہنچتے ہیں؟"

وہ ان ذرائع کے متعلق بتانے لگا۔ لیلیٰ ثانی توجہ سے سُنتی رہی۔ اس کے بعد اس نے کہا: "اینزل ہارڈی! میں یہ چاہوں گی کہ کسی طرح کرسٹوفر میکی تک پہنچ کر فلسطینی مجاہدین کے لیے مفت ہتھیار حاصل کروں۔ وہ اسمگلر بے چارے مجاہدین کو لوٹ رہا ہے۔ انھیں ہتھیاروں کی شدید ضرورت ہے۔ اسی لیے وہ مُنہ

مانگی قیمت ادا کرتے رہتے ہیں۔"

ڈیوڈ نے کہا: "تم سیکرٹ سروس میں ہو۔ یقیناً تم نے کرسٹوفر میکی کا نام سُنا ہوگا اور تمھارے ہاں ریکارڈ میں اس کی تصویریں وغیرہ بھی ہوں گی۔"

وہ بولی: "ٹریننگ کے دوران میں ہم تمام بین الاقوامی سطح کے مجرموں کے ریکارڈ پڑھتے رہتے ہیں۔ اور انھیں اپنی یادداشت میں محفوظ رکھتے ہیں۔ میں کرسٹوفر میکی کے متعلق بہت کچھ جانتی ہوں۔ لیکن ریکارڈ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مختلف ممالک میں اس کی مختلف تصویریں پائی گئی ہیں۔ اس کی اصلی تصویر کون سی ہے، یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے جتنی تصویریں ہمارے ریکارڈ میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی اصلی تصویر نہ ہو اور اصلی کرسٹوفر میکی کوئی اور ہو۔"

میں نے بدروح کی آواز میں ڈیوڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "کیوں ڈیوڈ! دو برس پہلے تم جس کرسٹوفر میکی سے ملاقات کر چکے ہو، وہ اصلی تھا یا نہیں، تم کیسے یقین سے کہہ سکتے ہو؟"

اس نے جواباً کہا: "میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میری ملاقات کرسٹوفر میکی سے ہو رہی ہے، اس لیے میں اب تک یہی سمجھ رہا ہوں۔"

پھر ڈیوڈ کی آواز بدل گئی۔ اب بدروح کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "ڈیوڈ اب کسی کام کا نہیں رہا۔ اسے ختم کر دینا ضروری ہے۔"

لیلیٰ نے کہا: "نہیں، میں اسے زندہ رکھنا چاہوں گی۔ قانون کے حوالے کروں گی تو میرے ریکارڈ میں نمایاں کارکردگی کا اضافہ ہوگا۔ مجھے ایک اور اعزاز حاصل ہوگا کہ میں نے فلسطینی مجاہدوں کو ہتھیار سپلائی کرنے والے غدّار تک رسائی حاصل کی اور اسے قانون کے حوالے کیا۔"

بدروح نے کہا: "نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ مرے گا اور ابھی مرے گا۔ اگر یہ زندہ رہا تو اینزل ہارڈی کے کالے عمل کا راز فاش ہو جائے گا۔ یہ قانونی محاسبے کے دوران میں ضرور کہے گا کہ اس پر کالا عمل کیا گیا تھا۔ اس طرح دو باتیں ہمارے خلاف ثابت ہوں گی۔ ایک تو اینزل ہارڈی کا راز فاش ہوگا۔ دوسرا سارہ آئزک کے خلاف، کہ اس کی اپنی کوئی کارکردگی نہیں ہے۔ وہ کالے عمل کے ذریعے ایک غدار یہودی تک پہنچی تھی۔"

لیلیٰ نے کہا: "لیکن میں کسی معقول جواز کے بغیر اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔"

بدروح نے کہا: "ابھی معقول جواز پیدا ہوگا۔ یہ دیکھو۔"

اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ اس کی طرف سے پلٹ کر اس کمرے میں گیا جو اسٹور روم تھا اور وہاں ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ وہ وہاں سے ایک ریوالور اٹھا کر لے آیا پھر اکڑتے ہوئے اور للکارتے ہوئے کہا: "مس سارہ آئزک! اب تم میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتیں۔ میں تمھیں گولی مار دوں گا۔ یہ دیکھو۔"

یہ کہتے ہی اس نے فائر کیا۔ لیلیٰ کاٹھ کی پتلی نہیں تھی کہ گولی کھانے کے لیے ایک جگہ کھڑی رہتی۔ آخر ٹریننگ کس دن کے لیے حاصل کی تھی۔ گولی چلنے سے پہلے ہی وہ پینترا بدل کر بڑی پھرتی سے دوسری طرف چلی گئی تھی۔ وہ دوسری طرف نہ بھی جاتی تب بھی ڈیوڈ کا نشانہ صحیح نہ لگتا۔ میں جو اس کی کھوپڑی میں سمایا ہوا تھا۔

ڈیوڈ فاتح کے انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا: "تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکو گی۔ اب دوسری گولی سے بچو۔"

دوسرا فائر ہونے سے پہلے ہی لیلیٰ ثانی نے اپنے دائیں ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آستین سے ایک چاقو نکل آیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چاقو تیر کی طرح آیا اور ڈیوڈ کے سینے میں ترازو ہوگیا۔ لیلیٰ ثانی کی پھرتی قابلِ دید تھی۔ صرف چند سیکنڈ میں اس نے چاقو نکالا تھا اور وہ چاقو ڈیوڈ کے سینے میں پیوست ہوگیا تھا۔ یوں لگتا تھا، اس کے بدن میں بجلی بھری ہے۔ جیسے وہ ایک ساعت میں سوئچ کی طرح آن ہوتی ہے اور دوسری ساعت میں موت کی تاریکی کی طرح چھا جاتی ہے۔

وہ دکان سے باہر آئی۔ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈیش بورڈ کو کھولا۔ اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر کے سیکرٹ سروس کے چیف آفیسر کو صورتِ حال بتائی۔ چیف آفیسر نے تل ابیب انٹیلی جنس کے شعبے سے رابطہ قائم کیا۔ دس منٹ کے بعد ہی انٹیلی جنس کے دو افسران اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

لیلیٰ نے بیان دیا: "میں کار میں یہاں سے گزر رہی تھی کہ دکان میں ایک فلسطینی مسلمان کو دیکھا۔ وہ مشکوک نظر آتا تھا۔۔۔ دکان دار ڈیوڈ کے ساتھ دکان کے اندرونی حصے میں جا رہا تھا۔ جب میں کار سے اُتر کر دکان کے اندر پہنچی تو وہ مسلمان وہاں نظر نہیں آیا۔ میری آہٹ سُن کر دکان کے اسٹور روم کا دروازہ کھُلا۔ ڈیوڈ مجھے دیکھتے ہی گھبرا گیا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے جاسوسہ کی حیثیت سے جانتا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ نوجوان کہاں ہے جو ابھی یہاں نظر آیا تھا؟

وہ پریشان ہو کر بولا: یہاں تو کوئی مسلمان نہیں آیا تھا۔ تب میں اسے دھکا دے کر اسٹور روم کے اندر گئی۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یقیناً وہ فلسطینی غدار وہاں سے فرار ہو گیا تھا لیکن اسٹور روم میں مجھے ایسے ہتھیار نظر آئے جو فلسطینی چھاپا مار استعمال کرتے ہیں۔"

انٹیلی جنس کے افسر نے پوچھا: "لیکن آپ نے اسے ہلاک کیوں کر دیا؟ وہ زندہ رہتا تو ہمارے بہت کام آتا۔ دوسرے

فلسطینی چھاپا ماروں کی نشاندہی کرتا۔"

لیلیٰ نے ناگواری سے کہا۔ "مسٹر! اتنی عقل مجھ میں بھی ہے۔ میں ایسے مجرموں اور غدّاروں کو ہر حال میں زندہ رکھتی ہوں لیکن اس نے اچانک ریوالور نکال لیا تھا۔ وہ دیکھو، دیوار میں گولی کا نشان بنا ہوا ہے۔ ایک گولی سے بچ گئی۔ کیا ضمانت تھی کہ دوسری گولی سے بھی بچ جاتی۔ لہٰذا مجھے جوابی کارروائی کرنا پڑی۔"

لیلیٰ نے مجھ سے کہا تھا کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد یعنی پانچ بجے ہوٹل میں آ کر مجھ سے ملاقات کرے گی اور اس وقت وہ کسی دوسری لڑکی کے میک اپ میں ہو گی لیکن وہ پانچ بجے نہ آ سکی۔ فلسطینی مجاہدوں کو ہتھیار سپلائی کرنے والا کیس ایسا تھا، جسے اسرائیلی حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ معاملہ سیکرٹ سروس کے اہم افسران کے درمیان زیرِ بحث رہا اور اس نشست میں لیلیٰ ثانی کو بھی شریک کیا گیا۔

ان افسروں کے درمیان میز پر لیلیٰ ثانی کا ریکارڈ فائل رکھا ہوا تھا اور وہ اس پر بحث کر رہے تھے۔ ایک افسر نے کہا۔ "مس سارہ آٹزک نے ٹریننگ کے دوران ایسے ایسے دلیرانہ کارنامے انجام دیے ہیں جن کی توقع ہم طلبا اور طالبات سے ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد بھی مشکل سے کرتے ہیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "مس سارہ آٹزک نے ابتدا ہی سے قوتِ ارادی اور حاضر دماغی کا بے مثال ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اب یہی دیکھ لیں کہ گاڑی سے گزرتے ہوئے صرف ایک فلسطینی مسلمان پر اس کی نظر پڑی اور اس کے ذہن نے فوراً اسے چوکنا کر دیا۔ یہ فوراً ڈیوڈ جیسے غدّار تک پہنچ گئی۔ اگر وہ فائر نہ کرتا تو سارہ اسے ہمارے پاس زندہ لے آتی۔"

لیلیٰ ثانی نے ادب سے کہا۔ "آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی نے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، میں اپنے باپ کی آخری رسومات میں شریک ہونے گئی تھی۔ اس لیے میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ تو ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ ہر حال میں ہمارے پاس کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے اس لیے میں آستین میں ایک خنجر چھپا کر رکھتی ہوں۔ وہی خنجر میرے کام آ گیا۔ وہ نہ ہوتا تو شاید اس وقت میں آپ لوگوں کے سامنے زندہ سلامت نظر نہ آتی۔"

ایک افسر نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "بے شک، ہم مانتے ہیں کہ بڑی مجبوری کی حالت میں تم نے اسے ہلاک کیا ہے۔ بہرحال ہم مایوس نہیں ہیں۔ ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جو ہتھیار سپلائی کرتے ہیں یا ڈیوڈ ان سے ہتھیار حاصل کر کے فلسطینی چھاپا ماروں تک پہنچایا کرتا تھا۔ تم نے اس مسلمان مجاہد کو دیکھا ہے۔ تم اسے ہزاروں لاکھوں میں پہچان سکتی ہو۔ ہم نے تل ابیب اور حیفا کی تمام پولیس چوکیوں تک یہ اطلاع پہنچا دی ہے کہ یہاں سے جو بھی مسلمان باہر جائے، اس کا سختی سے محاسبہ کیا جائے۔ کوئی مشکوک ہو تو اسے روک لیا جائے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "یقیناً وہ فلسطینی چھاپا مار شہر سے باہر جانا چاہے گا۔ اگر وہ گرفتار کر لیا گیا یا شک و شبہے کی بنا پر حراست میں رکھا گیا تو میں اسے پہچان لوں گی لیکن اس کے لیے وقت چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آج شہر سے نہ نکلے۔ کل یا کسی اور دن نکلے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "ہم نے اس پہلو پر غور کیا ہے۔ ہمارے فیصلے کے مطابق چودہ گھنٹے کے بعد تمھیں رسونتی کے ساتھ نیپال جانا تھا لیکن ہم نے فیصلہ بدل دیا ہے۔"

لیلیٰ ثانی نے چونک کر اس افسر کو دیکھا۔ ویسے میں بھی چونک گیا تھا۔ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے اہم افسران لیلیٰ ثانی کو مزید ٹریننگ کے لیے بیرونی ملک بھیجنا چاہتے تھے اور میں بھی یہی چاہتا تھا لیکن حالات نے اچانک ہی پلٹا کھایا تھا۔ اس افسر نے کہا۔ "اگر تم نیپال جاؤ گی تو یہاں کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا اور ہمارے لیے یہاں کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ ہم وہ راستہ بند کر دینا چاہتے ہیں جہاں سے فلسطینی چھاپا ماروں کو ہتھیار حاصل ہوتے ہیں۔ یہ راستہ تمھارے ذریعے بند ہو سکتا ہے۔ تمھیں یہاں رہ کر اس مسلمان نوجوان کو تلاش کرنا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ تم اس کے علاوہ دوسرے چھاپا ماروں کا بھی سختی سے محاسبہ کرو گی اور کسی نہ کسی طرح اس بدمعاش تک پہنچو گی جو ہمارے خلاف دشمنوں کو ہتھیار سپلائی کر رہا ہے۔"

لیلیٰ ثانی ذہنی طور پر رسونتی کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ اس کی ٹیلی پیتھی کو اپنے لیے زبردست ہتھیار بنانا چاہتی تھی۔ اس نے عاجزی سے کہا۔ "آپ لوگ میرے بڑے ہیں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ میری ڈیوٹی جہاں لگائیں گے وہاں میں اپنا فرض پورا کروں گی لیکن میری بڑی خواہش تھی کہ بیرونِ ملک جاؤں اور وہاں اپنی صلاحیتوں کو آزماؤں۔"

"تمھیں آئندہ اس کا موقع دیا جائے گا۔"

"لیکن جناب! کسی بھی مسلمان چھاپا مار کو حراست میں لے کر اس سے اگلوایا جا سکتا ہے کہ وہ ہتھیار کہاں سے حاصل کرتا ہے؟"

"یہ ڈیوٹی تم بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہو۔"

"جناب! دوسرے طلبا و طالبات بھی میری طرح ذہین اور باصلاحیت ہیں۔ انھوں نے بھی بیشتر معاملات میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"سوری مس سارہ آٹزک! ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ تم باہر نہیں جاؤ گی۔ یہیں اپنے فرائض انجام دو گی۔ ہمیں یقین ہے کہ تم بہت جلد ہتھیار سپلائی کرنے والوں تک پہنچ جاؤ گی۔"

لیلیٰ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ چیف آفیسر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نو مور آرگومینٹس۔ دیٹس آل۔"

میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ مجبوری تھی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں سیکرٹ سروس کے ایک ایک آفیسر کے دماغ میں پہنچ کر انھیں اس بات پر آمادہ کرتا کہ وہ لیلیٰ کو رسونتی کے ساتھ نیپال بھیج دیں۔ اس وقت چھ بج چکے تھے۔ تین گھنٹے بعد ہمیں تل ابیب چھوڑ دینا تھا۔ سونیا شاپنگ کے لیے ضد کر رہی تھی، لہٰذا میں اس کے ساتھ ہوٹل سے باہر آ گیا۔

شاپنگ کے دوران وین وائز بھی ہمارے ساتھ رہا۔ ایک بہت بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹور میں مجھے ایک سوٹ کیس پسند آ گیا۔ سونیا اور میں نے ایک ہی سوٹ کیس میں اپنی چیزیں اور کپڑے رکھ چھوڑے تھے۔ وہ گہرے نیلے رنگ کا سوٹ کیس مجھے پسند آ گیا۔ میں نے اسے خرید لیا۔ ہوٹل میں آ کر سونیا کے سوٹ کیس سے اپنی چیزیں اور کپڑے نکالے۔ اس میں رکھنے لگا تو سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے تم جھگڑا کر کے اپنا سامان علیحدہ کر رہے ہو اور مجھ سے الگ کہیں جانے والے ہو۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ کہتے ہیں کبھی کبھی منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو جاتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سونیا کے ساتھ پیرس جانا چاہوں گا لیکن اس سے پہلے ہی میرا راستہ اچانک بدل جائے گا۔

ہوا یوں کہ ہم وقت پر ہوٹل سے نکلے۔ ہوٹل کے ملازم نے ہمارا سامان باہر کار میں لے جا کر رکھا۔ وین وائز نے ہوٹل کا بل پہلے ہی ادا کر دیا تھا۔ ہم کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ ائیرپورٹ ایسے وقت پہنچے جب طیارے کی پرواز میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ اس پندرہ منٹ میں ہم نے بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ اپنے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات چیک کرائے، اسی وقت لیلیٰ ثانی پولیس والوں کے ساتھ ہمارے سامنے آ موجود ہوئی۔ اس نے مسکرا کر سونیا کو دیکھا پھر مجھ سے کہا۔ "ہیلو مسٹر ایزل ہارڈی! یاد ہے، میں اس دن میک اپ میں فرحانہ بن کر آئی تھی؟ ایک ویٹریس کا رول ادا کیا تھا اور آپ نے چپ چاپ ایک پرچی لکھ کر دی تھی؟ بھلا اس پرچی میں کیا لکھا تھا؟"

میں نے سونیا کو مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ہی بتا دو۔ میں تو بھول گیا ہوں۔"

"نہیں نہیں، تمھاری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔ بہرحال تمھاری منگیتر مس سلطانہ کو تو یاد ہو گا؟"

سونیا نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "نادان لڑکی! کیا تم کوئی ڈراما پلے کرنے آئی ہو؟"

"ہاں، زبردست ڈراما۔ اس روز ہوٹل میں تم نے میری توہین کی تھی۔ اپنے منگیتر سے کہا تھا کہ یہ مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تم میری موجودگی برداشت نہیں کر رہی تھیں۔ مجھے کمرے سے جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ اس وقت تو میں چلی گئی کیوں کہ میں ایک ویٹریس تھی لیکن آج کچھ اور ہوں۔ تمھیں بتانے آئی ہوں کہ جس منگیتر کو تم نے اپنے اسکارف سے باندھ رکھا ہے، اسے میں کھول کر لے جا رہی ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکو گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے پولیس افسر سے کہا۔ "میری معلومات کے مطابق اس گہرے نیلے رنگ کے سوٹ کیس میں وہ سب کچھ ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

پولیس افسر سوٹ کیس کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا۔ "یہ سوٹ کیس کس کا ہے؟ مس سلطانہ آپ کا یا مسٹر ایزل ہارڈی کا...؟"

میں نے فوراً کہا۔ "یہ میرا سوٹ کیس ہے۔ اس میں میرا سامان ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو یہاں کے قانون کے خلاف ہو۔"

وین وائز نے کہا۔ "سانچ کو آنچ کیا! آپ ابھی یہ سوٹ کیس کھول کر دیکھ لیں۔ دیکھیے، اناؤنس ہو رہا ہے۔ جہاز پرواز کرنے والا ہے۔ ہمیں بلایا جا رہا ہے۔"

لیلیٰ ثانی نے کہا۔ "مسٹر وین وائز! آپ چاہیں تو مس سلطانہ کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ مسٹر ہارڈی کو تلاشی مکمل ہونے تک یہاں رکنا پڑے گا۔"

سونیا اور میں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس کے دماغ میں رسونتی پہنچی ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "سونیا، یہ کون سی بلا پیچھے پڑ گئی ہے۔ کہو تو میں ابھی اس سے..."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے میں نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ لیلیٰ کو بالکل نہ چھیڑنا ورنہ بات بگڑ جائے گی۔ میں نے باتوں کے دوران لیلیٰ کے ذہن کو پڑھ لیا ہے۔ یہ گہرے نیلے رنگ کا سوٹ کیس میرے سوٹ کیس جیسا ہے لیکن یہ میرا نہیں ہے اور اس میں کوکین کے پیکٹ رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ لوگ آسانی سے نہیں جانے دیں گے۔"

رسونتی نے پریشان ہو کر کہا۔ "سونیا! میرا کیا ہو گا؟ تم بھی یہاں رک جاؤ گی تو میرے پیچھے نیپال تک کیسے آ سکو گی؟"

میں نے کہا۔ "سونیا! تم وین وائز کے ساتھ جاؤ اور پیرس

وجوہات کی بنا پر اس نے انھیں روک لیا ہے۔"

سونیا نے جواب دیا "لیلیٰ نے واقعی اپنی ضرورت کے تحت فرہاد کو روکا ہوگا لیکن فرہاد صاحب کو تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ ایک دن روکے گی' یہ حضرت ایک صدی کے لیے رُک کر رہ جائیں گے۔"

میں نے فوراً کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک عرصہ گزر گیا میری زندگی میں کوئی عورت نہیں آئی۔ یوں تو آئے دن ایک سے ایک طرح دار نازنینوں سے ملاقات ہوتی ہے لیکن میں نے کبھی کسی میں دلچسپی نہیں لی۔"

"زیادہ پارسا بننے کی کوشش مت کرو۔ میں کسی وقت بھی تمھاری پارسائی کا بھانڈا پھوڑ سکتی ہوں۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"رسونتی خیال خوانی کرنے لگی ہے۔ میں تم سے دور رہ کر تمھاری حرکتوں کو نہیں دیکھ سکتی لیکن رسونتی دیکھ سکتی ہے اور مجھے تمھارا کچا چٹھا سُنا سکتی ہے۔"

رسونتی نے فوراً ہی کہا "نہیں، نہیں سونیا! مجھ سے یہ کام نہ لینا۔ میں نے ماضی میں فرہاد سے اسی بنا پر اختلافات مول لیے۔ ہمیشہ شبہ کرتی رہی ۔ کبھی عقل نہیں آئی کہ جب مرد کو بہت بڑی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، وہ کسی غیر معمولی عہدے کا مالک بن جاتا ہے تو پھر اسے من مانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ شادی ایک کرتا ہے مگر حرم سرا بہت بڑی رکھتا ہے پھر بھی وہ جو ایک منکوحہ ہوتی ہے' اس کے بچوں کی ماں ہوتی ہے، وہی ملکہ کہلاتی ہے۔ وہی قانونی طور پر شریکِ حیات بھی ہوتی ہے اور اس کی دولت جائداد اور اس کے رُتبے اور شان کی حصہ دار ہوتی ہے۔ آتنی سی بات میری سمجھ میں نہیں آئی اور فرہاد سے لڑتی جھگڑتی رہی۔ اب میں توبہ کرتی ہوں۔ حالانکہ توبہ کا وقت گزر چکا ہے مگر میں تمھیں مشورہ دے سکتی ہوں کہ محبت کرو تو اپنے محبوب کی خطاؤں کو درگزر کرو یہی محبت کرنے والے صرف اپنے محبوب کی اچھائیوں سے ہی نہیں، اس کی برائیوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔"

سونیا نے کہا "برائیوں سے محبت نہیں کی جاتی بلکہ ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر عورت کا فرض ہے۔"

"یقیناً فرض ہے لیکن عقل یہ بھی سمجھاتی ہے کہ مرد کی جو بُرائی دُور نہ ہو سکے [illegible] سے سمجھوتہ کر لیا جائے سمجھوتہ نہ کرنے کا نتیجہ [illegible] ۔ اسی روشنی میں تمھیں سمجھا رہی ہوں۔ حالانکہ میں آزاد ہوں [illegible] خود مختار ہوں۔ غیر معمولی صلاحیت کی مالک ہوں۔ میں چاہوں تو دوسری شادی کر سکتی ہوں لیکن نہیں، عورت جب کسی ایک کو اپنا بنا لیتی ہے تو اس کی نفرتوں کے باوجود اسے اپنا ہی سمجھتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتی ہے اور میں بھی یہی کروں گی۔"

میں نے لیلیٰ کے دماغ میں ایک ذرا جھانک کر دیکھا پھر سونیا سے کہا "عورتوں کا درمیان میں آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کی باتیں نہیں ہوتیں۔ فضول باتوں میں وقت گزر جاتا ہے۔ اب لیلیٰ میرے پاس آ رہی ہے۔ مَیں بعد میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

سونیا نے پوچھا "لیلیٰ نے تمھیں روکنے کے لیے جو چال چلی ہے، اس سے تمھیں زیادہ پریشانی تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں، اس نے خود ہی اس کیس کو ختم کر دیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم جلد یہاں سے نہیں نکلو گے۔"

"میں نکل کے کروں گا کیا؟ تم پیرس سے نکل کر نیپال جاؤ گی، میں تو نیپال نہیں جاؤں گا۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ تمھاری چہیتی کے لیے ہزاروں میل کا سفر کروں۔ مجھے اور بھی بہت سے کام پڑے ہیں۔ تم اسے یہودیوں کے چنگل سے نکال لانے کے لیے نیپال جاؤ گی۔ میں سجاد اور اعلیٰ بی بی کو بردہ فروشوں سے نجات دلانے کی کوشش کروں گا۔ دوسری طرف لیلیٰ ثانی کے ذریعے فلسطینی مجاہدوں کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔ ان کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ انھیں سستے سے سستا ہتھیار ملنے لگے۔ اگر ہو سکا تو کرسٹوفر میکی کے ذریعے مَیں انھیں مفت ہتھیار سپلائی کراؤں گا۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ لیلیٰ ثانی کمرے میں آ چکی تھی۔ میں نے سونیا سے کہا "میں جا رہا ہوں۔ پھر ملاقات کروں گا۔"

لیلیٰ نے پوچھا "کیا بدروحوں کے ذریعے پیغام رسانی ہو گئی؟"

اس کے جواب میں مَیں نے ایک سرد آہ بھری۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "اس سرد آہ کا مطلب کیا ہوا؟"

میں نے کہا "انسان، انسان کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ جو تمھاری ہماری زبان پر ہوتا ہے' وہ تمھارے ہمارے دل میں نہیں ہوتا۔ ہم اوپر سے کچھ ہوتے ہیں۔ اندر سے کچھ۔"

"یہ فلسفہ بیان کر رہے ہو۔ حقیقت کیا ہے؟"

"فلسفہ حقیقت سے جُدا نہیں ہوتا۔ میں سلطانہ کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔"

لیلیٰ نے حیرانی سے پوچھا "کرتی تھی کا مطلب یہ ہوا کہ اب نہیں کرتی؟"

"ہاں، بات کچھ ایسی ہی ہوئی ہے۔ میری ایک بدروح نے مجھے بتایا ہے کہ سلطانہ اندر ہی اندر چپ چاپ وین واٹز سے متاثر ہوتی جا رہی ہے۔"

میں نے یہ بات سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر بے اختیار کہہ دی تھی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا تو ہیرا پھیری میری فطرت میں ہے۔ میں نے صرف

[لیل]یٰ ثانی کی ہمدردی اور اس کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرنے [کے] لیے اپنے آپ کو ایک نامراد عاشق کے طور پر پیش کیا تھا کہ وہ [جو] دوائے دل دیتی تھی، اب اس نے کسی اور کی دکان آباد کر دی تھی۔

لیلیٰ نے مذاق اڑانے کے انداز میں ہنستے ہوئے کہا "پھر تو [ک]ہیں کے نہ رہے۔ یہ تو میں نے اچھا کیا کہ تمھیں سلطانہ سے پہلے ہی [جد]ا کر دیا۔ بعد میں جُدائی ہوتی۔ وہ تمھارے سامنے کسی دوسرے کا [ہا]تھ تھام کر چلی جاتی تو تمھارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اسے [س]ینے والا کوئی نہ ہوتا۔"

"کیا تم نے میرے دل کے ٹکڑوں کو سمیٹنے کے لیے مجھے اپنے [پا]س روک رکھا ہے؟"

وہ ایک دم سے جھینپ گئی۔ ذرا گڑبڑائی پھر سنبھل کر بولی۔ "[د]یکھو مسٹر! تم مجھے کوئی فلرٹ کرنے والی لڑکی نہ سمجھنا میں دوستانہ [اند]از میں جتنی دوستی کرتی ہوں، دشمن بن کر اتنی ہی نفرت بھی [کر]تی ہوں۔"

"یہ بات میں نے پہلی مرتبہ نہیں سُنی۔"

"وہ جو تمھاری زندگی میں آ چکی ہیں۔ میں ان جیسی نہیں ہوں۔ [یہ ب]ات تو اپنے دماغ سے نکال ہی دو کہ میں کسی وِچ ڈاکٹر کو اپنا [آئ]یڈیل بناؤں گی۔ مجھے کالا علم کرنے والوں سے سخت نفرت ہے [م]جبوری ہے۔ ہزار نفرت کے باوجود تمھارے کالے علم کے [ذ]ریعے میں مجاہدین کو کچھ فائدے پہنچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا ہم یہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے؟"

"ہمیں باہر جانے سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ افسران نے [تمھ]ارے متعلق سوالات کیے تو میں کیا جواب دوں گی۔ وہی جواب [تمھ]ارا بھی ہونا چاہیے۔"

"تمھاری تجویز کے مطابق میں وِچ ڈاکٹر ہوں۔ تمھارے اور [ا]ن افسران کے درمیان جو سوال جواب ہوں گے، میری بدروحیں [مج]ھے ان کی تمام تفصیلات بتا دیں گی۔ اس کی طرف سے بالکل ہی [بے ف]کر رہو۔ یہ بتاؤ ہمیں کب تک یہاں رہوں گا اور کہاں قیام [کر]وں گا؟"

"کب تک کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ تمھاری رہائش [ک]ے لیے میرا گھر حاضر ہے۔ میں اب اس [بنگل]ے میں تنہا ہوں۔ تم میرے [اس] بنگلے میں آرام سے رہ سکتے ہو۔"

"تم لفظ آرام کو اس طرح کھینچ کر بول رہی ہو جیسے مجھے تمھارے گھر میں آرام کرنا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی . . . . ہم وہاں سے اُٹھ کر باہر آئے۔ اس کی [کار با]ہر کھڑی تھی۔ ایک شخص نے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں کہا۔ "[مس] سارہ! اسے میسیج فار یو۔"

میں آگے بڑھ کر کار کے پاس پہنچ گیا۔ وہ شخص لیلیٰ سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا "ہمارا چیف معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم ایزل ہارڈی میں دلچسپی کیوں لے رہی ہو؟ ایک بار فرحانہ بن کر ریڈ[؟]یس کی حیثیت سے اس کے کمرے میں گئیں۔ دوسری بار تم اس کے ساتھ رات کا کھانا کھاتی رہیں اور اس کے ساتھ ہنستی بولتی رہیں۔ آج تم نے اسے پیرس جانے سے روک دیا۔ چیف بڑے اعتماد سے کہتا ہے کہ تم کوئی گہری چال چل رہی ہو۔ کیا یہ دُرست ہے؟"

لیلیٰ نے ناگواری سے کہا "یہ دُرست ہے یا نہیں، اس کا جواب مَیں چیف کو دوں گی۔ تم نے پیغام پہنچا دیا، تمھارا شکریہ۔ اب جا سکتے ہو۔"

وہ میرے پاس آ گئی۔ اس وقت اس کا ڈرائیور ساتھ نہیں تھا۔ ہم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کہنے لگی "میں تمھیں اپنے بنگلے میں چھوڑ کر اپنے چیف سے ملنے جاؤں گی۔ تم اپنی بدروحوں کے ذریعے معلوم کرتے رہنا کہ ہمارے درمیان کیا گفتگو ہو رہی ہے۔"

اس نے مجھے اپنے بنگلے پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد اپنے چیف سے ملاقات کرنے چلی گئی۔ بہت دیر سے میں نے اعلیٰ بی بی اور سجاد کی خبر نہیں لی تھی۔ مرجانہ کے متعلق بھی اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ بخیریت دشمنوں کے گھیرے سے نکل گئی ہے۔ اسے نکلنا ہی تھا۔ خواہ دوست بن کر یا دشمن بن کر۔ دشمنوں نے اچانک گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا تھا۔ میری دوستی کو پائیدار بنانے کے لیے وہ مرجانہ یا میرے کسی بھی ساتھی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے میرے اندازے کے مطابق مرجانہ بخیریت تھی۔ ابھی میں اس کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ٹیلی پیتھی کی لہروں کو محسوس کرتے ہی پوچھا "رسونتی! کیا تم ہو؟"

"نہیں، میں ہوں۔"

"اوہ' فرہاد! شکریہ۔ بڑی دیر بعد ہماری یاد آئی؟"

"میں بہت مصروف تھا۔"

"ایسی بھی کیا مصروفیت۔ رسونتی تم سے زیادہ دوستی کا حق ادا کر رہی ہے۔ بار بار آتی ہے اور ہماری خیریت معلوم کرتی رہتی ہے۔ کم از کم اس کی موجودگی سے ہمیں بے یار و مددگار ہونے کا احساس تو نہیں ہوتا ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اعلیٰ بی بی! تم اور خود کو کبھی بے یار و مددگار سمجھو؟ تمھیں اس کے ذریعے ہمارے حالات کا علم ہو رہا ہے۔"

"ہاں، ابھی رسونتی میرے پاس سے گئی ہے۔ بتا رہی تھی کہ سونیا پیرس جا رہی ہے اور تمھیں لیلیٰ ثانی نے روک رکھا ہے۔"

"تم اپنے حالات بتاؤ۔ کیا وہاں کوئی آیا تھا؟"

"نہیں، ہم اسی طرح اس مکان میں ہیں اور چاروں طرف جنگلی جانور ہیں۔ کچن میں اب بھی ایک ہفتے کا راشن ہے۔ دوسری کھانے پینے کی چیزیں بھی وافر مقدار میں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ایک ہفتے تک یہاں نہیں آئیں گے۔ ان کی آمد اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے سلسلے میں سودا طے پائے گا اور کوئی ہماری بڑی قیمت دے کر ہمیں یہاں سے لے جانا چاہے گا۔"

"اس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ کیوں کہ اسرائیلی انٹیلی جنس کے افراد اپنی پوری ذہانت سے کام لیتے ہوئے یونان کے بردہ فروشوں تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کے سرغنہ کا نام بھی معلوم کرلیا ہے۔ ایسے لوگوں کی فہرست بھی تیار کرلی ہے جو جنگلی جانوروں کا کاروبار کرتے ہیں۔ اب وہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ بردہ فروشوں کے سرغنہ جیسکو کورو کا تعلق کسی جنگلی جانوروں کے سوداگر سے ہے یا نہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "سپر ماسٹر اور ماسک مین بھی خاموش نہیں ہوں گے۔ دوسری طرف وہ ہمارے لیے بڑی سے بڑی بولیاں دے رہے ہوں گے اور۔۔۔۔۔۔ اپنی انٹیلی جنس کے ذریعے ہمارا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ تم ذرا یہ تو معلوم کرو کہ اب تک کتنی تنظیموں اور کتنے ممالک نے ہمارے لیے بولیاں دی ہیں؟"

میں سپر ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ کرید کر معلومات حاصل کرنے لگا۔ پتا چلا کہ بردہ فروشوں کے سرغنہ جیسکو کورو نے ہی اس سے بھی سودا کیا تھا۔ اب تک سپر ماسٹر اپنی تنظیم کی طرف سے ستر لاکھ ڈالر فرہاد کے لیے اور تیس لاکھ ڈالر اعلیٰ بی بی کے لیے ادا کرنے کو تیار تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا تھا کہ کوئی اس سے بڑھ کر بولی دے تو وہ اپنی پیش کش میں مزید اضافہ کرسکتا ہے۔

جیسکو کورو نے طنزیہ انداز میں جواب دیا تھا: "دُنیا کی بڑی طاقتیں ایٹم بم بنانے یا ہائیڈروجن بم تیار کرنے کے لیے اربوں ڈالر خرچ کرتی ہیں۔ فرہاد علی تیمور تو دُنیا کا خطرناک ترین ہتھیار ہے۔ آئندہ بھی کوئی سائنس دان، کوئی موجد ایسا خطرناک ہتھیار ایجاد نہیں کرسکے گا۔ نہ ہی کوئی ماں دوسرا فرہاد علی تیمور پیدا کرسکے گی۔ لہٰذا اس کے لیے اربوں ڈالر سے اوپر کی بولی دی جائے۔"

اس نے ماسک مین کو بھی یہی جواب دیا تھا۔ جواباً ماسک مین نے کہا تھا: "ہم دو ارب ڈالر دینے کو تیار ہیں۔ پہلے طریقۂ کار طے کرلیا جائے کہ فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو کس طرح تمہارے ہاتھوں سے ہمارے ہاتھوں تک پہنچایا جائے گا کیوں کہ اس لین دین کے درمیان بڑی طاقتیں اور خطرناک تنظیمیں سازشیں کریں گی۔ ان کی کوشش یہی ہوگی کہ فرہاد کو بیچ ہی سے اغوا کرلیا جائے۔ یہ معاملہ نہایت سنگین ہے اور بڑی احتیاط سے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کی منتقلی ہونی چاہیے۔"

جیسکو کورو نے جواب دیا: "ابھی تو ہم بولی دینے والوں کا حوصلہ دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ میں سے کسی کی بولی ہماری توقع سے کچھ زیادہ ہوگی تو ہم اسی پارٹی کو فرہاد کی منتقلی کا طریقۂ کار بتائیں گے۔"

میں اس کے دماغ سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں جو سب سے اہم اور چونکا دینے والی بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک نامعلوم شخص بڑے سازشی انداز میں میرا سودا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جیسکو کورو سے کہا: "فرہاد علی تیمور بار بار تمہاری گرفت میں نہیں آئے گا۔ ایک بار سودا کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔ میرے منصوبے پر عمل کرو گے تو ہمیشہ منافع حاصل ہوتا رہے گا۔"

جیسکو کورو نے کہا: "اس دوران میں فرہاد کی ٹیلی پیتھی واپس آجائے تو زندگی بھر کا کمایا ہوا تمام منافع صرف ایک موت کے نقصان میں بدل جائے گا۔"

"اگر ہم فرہاد کو دوست بنا کر رکھیں اور اس کا سودا بھی کریں تب بھی وہ کبھی ہمارا دشمن نہیں بنے گا۔"

"تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یوں سمجھو کہ اس وقت جتنی بھی بڑی تنظیمیں فرہاد کو منہ مانگی قیمتوں پر حاصل کرنا چاہتی ہیں ——— وہ ساری کی ساری فرہاد کی دشمن ہیں ——— اگر ہم سپر ماسٹر، ماسک مین اور۔۔۔۔ دوسرے ملکوں سے الگ الگ سودا کریں اور ہر ایک کو اس کی جگہ یہ یقین دلائیں کہ اپنے طریقۂ کار سے فرہاد کو ان کے پاس پہنچا رہے ہیں تو اندازہ کرو، ایک ایک گاہک سے اگر دو، دو ارب ڈالر وصول ہوتے ہیں تو ہمارے پاس کتنی دولت ہوگی۔ اب رہی فرہاد کو پہنچانے کی بات، تو تم اپنے وعدے کے مطابق فرہاد کی منتقلی ایمان داری سے کرنا۔ سب ہی کو الگ الگ یہ تاثر دینا کہ فرہاد کو ان کے پاس پہنچایا جا رہا ہے، اور جب پہنچایا جائے گا تو میں راستے ہی میں اسے اغوا کرلوں گا۔ تمہاری ذمّے داری ختم ہوجائے گی۔"

"یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ میں نے بیک وقت مختلف ملکوں اور مختلف تنظیموں سے فرہاد کا سودا کیا ہے اور ان سب کو فریب دیا ہے۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں کہ تم بیک وقت سب ہی سے سودا کرو۔ پہلے ایک سے ہی ہوگا پھر فرہاد کی منتقلی اس کی طرف ہوگی۔ جب وہ تمہارے ہاتھوں سے نکل کر دوسری طرف جائے گا تو تمہاری ذمّے داریاں ختم ہوجائیں گی۔ وہ دوسری پارٹی فرہاد کے اطراف جتنا بھی مضبوط حصار بنائے گی، وہ سب توڑ کر تمام پہرہ دں

کر کے میں اسے اغوا کرلوں گا۔"

"جب تم اتنے چالاک ہو۔ اتنے وسیع ذرائع کے مالک ہو بڑے ممالک اور خطرناک تنظیموں سے ٹکر لے سکتے ہو تو اپنے اس معاملے میں مجھے کیوں شریک کر رہے ہو؟ یہ کام تو تم اکیلے بھی کرسکتے ہو۔"

"بیشک میں کبھی کسی پر انحصار نہیں کرتا لیکن اسے اپنے لیے ایک ذریعہ ضرور بناتا ہوں۔ تم سے اس لیے تعاون چاہتا ہوں کہ تمہارے اور خریدنے والی پارٹی کے درمیان جو طریقۂ کار طے ہوا اس کی ایک ایک تفصیل سے تم واقف رہو گے۔ اور یہ واقفیت تمہارے ذریعے مجھے ہوگی تو میں بآسانی لائن آف ایکشن بنا کر اپنا کام کر گزروں گا۔ اس کے لیے میں اپنے منافع سے تمہیں اچھا خاصا حصہ دوں گا۔"

"تمہاری یہ بات سمجھ میں آگئی کہ میں کسی ایک پارٹی سے سودا کروں گا اور تم بیچ میں گھپلا کر دو گے لیکن میں۔۔۔ مال کو ایک پارٹی کے ہاتھ فروخت کرنے کے بعد پھر اسی مال کو کسی دوسری پارٹی کے ہاتھ کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟ اس طرح میرا فریب کھل جائے گا۔"

"میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ دوسری پارٹی سے جب سودا ہوگا تو تمہارا نام جیسکو کورو نہیں ہوگا۔ تمہاری شخصیت بدل جائے گی۔ تمہارا مقام بدل جائے گا۔ تمہارا انداز بدل جائے گا اور یہ سب کچھ میں کروں گا۔ یاد رکھو، ایک بار سودا کرنے کے بعد دوسری تیسری بار جتنے بھی سودے ہوں گے، وہ میں تنہا کرسکتا ہوں۔ تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کہ پہلا سودا کر رہے ہو۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ اگر مان لو تو بردہ فروشی کے مذموم دھندے سے نجات حاصل کرکے ایک عزت دار کی، دولت مند کی حیثیت سے زندگی گزارو گے اور مزے کرو گے۔"

میں جیسکو کورو کے ذہن کو پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر اس نامعلوم شخص کی تجویز پر عمل کرے تو سراسر منافع حاصل کرتا رہے گا اور بردہ فروشی کی لعنت سے بھی چھٹکارا حاصل کرلے گا۔

لیکن جیسکو کورو اس بات سے پریشان تھا کہ وہ نامعلوم شخص اس کے سامنے نہیں آرہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ آج تک کسی نے اسے نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی اس کی اصلی آواز سنی ہے۔ وہ اس قدر محتاط ہے کہ آئندہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے بھی محفوظ رہے۔

اس نے نامعلوم شخص کا نام پوچھا تھا۔ جواب میں کہا گیا: "مجھ سے معاملات طے کرنے والی مختلف پارٹیاں مجھے مختلف ناموں سے جانتی ہیں اور صرف ایک نام سے بھی جانتی ہیں۔ مجھے عرفِ عام میں بلیک شیڈو (کالا سایہ) کہا جاتا ہے۔"

جیسکو کورو کی سوچ بتا رہی تھی کہ واقعی جب نامعلوم شخص اس کے روبرو گفتگو کرنے آیا تھا تو ایک سائے کی طرح نظر آرہا تھا۔ اس نے ملاقات کے لیے رات کا وقت مقرر کیا تھا۔

جیسکو کورو نے کہا: "تم اتنے محتاط ہو، فرض کرو، فرہاد خیال خوانی کر رہا ہو اور میرے ذریعے تمہاری آواز اور لب و لہجے کو سن رہا ہو پھر کیا ہوگا؟"

"پھر یہ کہ مسٹر فرہاد کو مایوسی ہوگی۔ ٹیلی پیتھی کی پہنچ انسان کے دماغ تک ہے۔ انسان کے سائے تک نہیں ہے اور میں کالا سایہ ہوں۔ بلیک شیڈو۔"

میں نے اعلیٰ بی بی اور سونیا کے پاس باری باری پہنچ کر انھیں 'بلیک شیڈو' کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا: "ہماری مصروفیات روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایک تو رسوتی کا مسئلہ۔ نیپال پہنچنے کے بعد اسے وہاں سے اغوا کرنا ہے۔ پتا نہیں حالات کیا ہوں گے؟ دوسرے تم لیلیٰ ثانی کے ساتھ شاید بنفسِ نفیس وہاں موجود رہو گے۔ فلسطینی مجاہدین کو مفت ہتھیار سپلائی کروانا بھی لازمی ہے۔ ہم اس اہم مسئلے کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ تیسری طرف میں اور سجاد ان جنگلی جانوروں کے درمیان سے نکلنے کے بعد بھی شاید بابا صاحب کے ادارے میں نہ پہنچ سکیں۔ وہ بلیک شیڈو کون ہے؟ کسی طرح اس کی پوری ہسٹری معلوم کرنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ہمارے لیے ایک چیلنج بن جائے گا۔ یقیناً ہمیں یہاں سے منتقل کرنے کے دوران میں اگر وہ اپنی چال میں کامیاب ہوگیا تو پھر ہمارا معاملہ بھی طول پکڑ لے گا۔ پتا نہیں، ہم کب تک بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ سکیں گے؟"

میں نے کہا: "مجھے جیسے ہی اس مقام کا جغرافیہ معلوم ہوگا، جہاں تم لوگ قید ہو، میں فوراً مرجانہ اور ٹارزبیا کو تمہاری طرف روانہ کردوں گا۔ تم اپنی ذہانت سے اور وہ دونوں اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں سے اس بلیک شیڈو کی سات پشتوں تک پہنچ جائیں گے اور جو کھیل اب ہونے والا ہے، اسے طویل کرنا ہے یا مختصر، اس کا حالات کے مطابق فیصلہ کرلیا جائے گا۔"

میں سونیا کے پاس پہنچا۔ وہ طیارے میں سیٹ کو پھیلائے سفر کر رہی تھی۔ اس نے کہا: "بلیک شیڈو اگر یہ کہتا ہے کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے انسان تک پہنچ سکتے ہو اس کے سائے تک نہیں پہنچ سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کالا سایہ ایک دلچسپ کردار ہے۔ یقیناً ہمارے لیے نئی دلچسپیوں کا باعث بنے گا۔ یوں تو چھوٹے بڑے سب ہی مجرم ہمارے لیے چیلنج بنتے ہیں۔ اگر بلیک شیڈو بھی بن رہا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ وقت آنے دو۔ اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔"

کافی وقت گزر گیا تھا۔ لیلیٰ ثانی اپنے چیف آفیسر سے گفتگو کر رہی ہوگی۔ مجھے بہت پہلے ہی اس کے پاس پہنچنا چاہیے تھا،

لیکن خیال خوانی کا سلسلہ طویل ہو گیا تھا۔ میں فوراً ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔

چیف آفیسر سے اس کی گفتگو جاری تھی۔ اس نے میرے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اور جو کچھ بتایا تھا، اس پر تبصرے ہو رہے تھے۔ میرے متعلق ہر پہلو سے غور کیا جا رہا تھا۔ اس لیے میں دیر سے پہنچنے کے باوجود سمجھ گیا کہ وہ دونوں میرے متعلق کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں اور کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔

چیف آفیسر نے کہا: "اگر وہ ایسا وِچ ڈاکٹر ہے جو ایک جگہ بیٹھے بیٹھے ہمارے کسی دشمن تک پہنچ سکتا ہے یا اس کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا ہے تو یقیناً وہ بڑے کام کا ہے۔ میں اس سے ابھی ملنا چاہوں گا۔"

لیلیٰ نے ایک بٹن کو دباتے ہوئے کہا: "میں اسے ابھی بلاتی ہوں۔"

چیف آفیسر کا ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "میرے ڈرائیور سے کہو، میرے بنگلے میں جو مہمان ٹھہرا ہوا ہے، اسے یہاں لے آئے۔"

ملازم چلا گیا۔ سونیا چاہتی تھی کہ لیلیٰ ثانی کے موجودہ اقدامات کے متعلق میں اسے باخبر رکھوں۔ لہٰذا میں نے اسے ساری بات بتائی۔ سب کچھ سننے کے بعد سونیا نے کہا: "مجھے ڈر ہے کہ تم فلسطینی مجاہدین کے معاملات میں دور تک ملوث ہوتے چلے جاؤ گے اور وہاں تمہارا کافی وقت گزرے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ جب فلسطینی مجاہدین کو ہتھیار مفت ملنے لگیں گے یا بآسانی دستیاب ہونے لگیں گے تو میں چلا آؤں گا۔"

"فلسطینی مجاہدین کا ایک مسئلہ نہیں ہے، کئی ہیں۔ تم ایک کے بعد دوسرے مسئلے میں اُلجھتے جاؤ گے۔ پھر یہ تو معلوم کرو کہ لیلیٰ کی پلاننگ کیا ہے؟ ایک طرف تو وہ اس اسمگلر کرسٹوفر میکی تک پہنچنا چاہتی ہے تاکہ مجاہدین کی بھلائی ہو، دوسری طرف وہ یہودی افسران کے سامنے تمہیں پیش کر رہی ہے تاکہ تم ان ہتھیار سپلائی کرنے والوں کی نشاندہی کر سکو۔ اب یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک طرف ہتھیار سپلائی کرنے والوں کا رازداری میں رہنا مجاہدین کے لیے لازمی ہے۔ دوسری طرف ان کی سلامتی یہودیوں کے لیے خطرہ ہے۔"

"دونوں ہی باتیں اپنی جگہ قائم رہیں گی۔ کیا تم آئے دن اخبارات میں یہ نہیں پڑھتی ہو یا اپنے آئے دن کے تجربات سے نہیں سمجھ سکتی ہو کہ اصل مجرم کبھی پکڑے نہیں جاتے؟ ان کے چمچے حراست میں لیے جاتے ہیں اور قانونی طور پر ان کی خانہ پُری کی جاتی ہے۔ اسی طرح میں ایسے فلسطینی مجاہدین کا محاسبہ کروں گا جو لالچی ہیں۔ غدار ہیں اور دوسرے مجاہدین کو بدنام کرتے ہیں۔ پہلے تو میں انھیں وارننگ دوں گا۔ اگر وہ راہِ راست پر نہ آئے تو لیلیٰ ثانی یہودی حکمرانوں کی وفادار بن کر ان گمراہ مجاہدین کو ان کے حوالے کر دے گی۔ اس طرح ہماری کارکردگی کا ریکارڈ قائم ہوتا رہے گا۔"

"اور ہتھیار سپلائی کرنے والے کرسٹوفر میکی سے کیا سلوک کرو گے؟"

"اس کے پاس پہلے پہنچنے تو دو۔ وہ کام کا آدمی ثابت ہوتا رہا تو میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس کی جگہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کو موردِ الزام ٹھہراؤں گا اور ثابت کروں گا کہ وہ فلسطینی مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں، جس سے اسرائیل کی بین الاقوامی بدنامی ہوتی ہے۔"

سونیا نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا: "ہمارا طیارہ پیرس کی فضاؤں میں پرواز کر رہا ہے۔"

"تم پیرس پہنچتے ہی نیپال جانے کے لیے کسی طیارے میں سیٹ ریزرو کرا دُگی۔ ڈین وائز اور جے، جے پارکر کو شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ سکتے ہیں کہ تم تل ابیب سے یہاں پہنچتے ہی نیپال کیوں گئی ہو؟"

"مجھے بچی سمجھ کر سبق نہ پڑھاؤ۔ میں بحیثیت سلطانہ ترکی سے تعلق رکھتی ہوں۔ لہٰذا استنبول جانے کے لیے سیٹ ریزرو کراؤں گی۔ بھلا کون اعتراض کر سکتا ہے؟"

"اے دانش مند بچّی! ڈین وائز تم پر مرمٹا ہے۔ وہ بھی تمہارے ساتھ جانا چاہے گا۔ تم بہلنے کرو گی تو وہ مجنوں کی طرح تمہارے پیچھے پیچھے آئے گا۔ لیلیٰ کو محمل کے پیچھے پیچھے آنے والے کا علم یوں ہوا تھا کہ آنے والے پر پتھر برس رہے تھے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی: "میرے پیچھے آنے والے پر ٹیلی پیتھی کے پتھر برسیں گے۔ اور کوئی اعتراض ہے؟"

"میں تمہیں کیا سمجھاؤں گا! تم سمجھی سمجھائی پیدا ہوئی ہو۔ بہرحال وہاں پہنچتے ہی مرجانہ سے ملاقات کر سکو تو بہتر ہے ورنہ میں خیال خوانی کے ذریعے جلد ہی وہاں پہنچوں گا۔ یہ لو لیلیٰ ثانی کا ڈرائیور آ گیا۔ مجھے وہاں جانا ہے پھر ملاقات ہو گی۔"

بیس منٹ کے بعد میں چیف آفیسر کے بہت ہی خوبصورت سے ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہاں لیلیٰ ثانی بھی موجود تھی۔ مجھے آفیسر نے بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر سوال کیا: "کیا تم وِچ ڈاکٹر ہو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "مس سارہ آئزک نے میرے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ درست ہے۔"

"تم کوئی حیرت انگیز کمال دکھا سکتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلایا: "میں کسی معقول وجہ کے بغیر ان بدروحوں کو اپنے حکم کی تعمیل پر مجبور نہیں کرتا جو میرے قابو میں ہیں۔"

"کیا تم کسی چھپے ہوئے مجرم کا ٹھکانہ بتا سکتے ہو؟"

"جی ہاں، اگر مجھے اس کا نام بتایا جائے، اس کی تصویر دکھائی ئے، اس کی ہسٹری پیش کی جائے تو میری بدروحیں اس کی شہ رگ پہنچ جائیں گی۔"

چیف آفیسر نے ذرا سنبھل کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ یک قاتلہ ہمارے لیے چیلنج بن رہی ہے۔ ہمیں اس کا نام معلوم ہے لیکن نہ تو اس کی کوئی تصویر ہمارے پاس ہے اور نہ ہی ہم ں کے متعلق زیادہ کچھ جانتے ہیں۔"

"پھر تو مجبوری ہے۔ میں صرف نام سے اس ہستی تک نہیں نچ سکتا کیوں کہ ایک ہی نام کی بے شمار ہستیاں ہوتی ہیں۔ بائی دی ے، اس کا نام کیا ہے؟"

چیف آفیسر نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا: "لیلیٰ ثانی۔"

لیلیٰ اپنے صوفے پر پہلو بدل کر مجھے دیکھنے لگی۔ وہ سوچ بھی ں سکتی تھی کہ چیف آفیسر پہلی ہی ملاقات میں میرے کالے عمل کو ی کے خلاف استعمال کرنے کے لیے کہے گا۔ میں نے گہری سنجیدگی ے آفیسر کو دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ جانتے ہیں کہ مذہب کے تبار سے میں کون ہوں؟"

"میں نے سنا ہے، پہلے تم عیسائی تھے پھر سلطانہ کے عشق ں مسلمان بن گئے ہو۔"

"پھر آپ کیسے توقع کرتے ہیں کہ میں مسلمان ہو کر لیلیٰ ثانی کے ملاف کالا عمل کروں گا؟ اگر مجھے اس کی تصویر دکھائی جاتی، اس ی ہسٹری سنائی جاتی تب بھی میں اس کے خلاف آپ کا ساتھ نہ دیتا ررنہ ہی دوں گا۔"

چیف آفیسر کے تیور بدل گئے۔ اس نے غصے سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا: "جانتے ہو، تم کس کے سامنے باتیں کر رہے ہو؟"

"زیادہ نہیں جانتا لیکن کالے عمل کے ذریعے بہت کچھ جان سکتا ہوں اور آپ کو جاننے پر مجبور بھی کر سکتا ہوں۔"

وہ ذرا اکڑ بڑا گیا۔ کالے عمل کی دھونس میں آ گیا۔ اس کے باوجود اس نے ڈھٹائی سے کہا: "تم مجھ پر کالا عمل کرو گے تو دوسرے ہی لمحے تمہیں گولی مار دی جائے گی۔"

"نہ میں کالا عمل کروں گا اور نہ ہی آپ کو گولی مارنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ معاملہ ختم کر دیجیے۔ مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔"

"تم اسرائیل کی سرزمین پر ہو اور فلسطینی مسلمانوں کی حمایت میں بول رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کالے عمل کے ذریعے ان کی مدد کرتے ہو۔"

"آپ کے پاس ایسا کوئی ثبوت ہے تو ضرور فراہم کریں ورنہ سمجھ لیں کہ میں جے، جے پارکر کے ذریعے یہاں آیا ہوں۔ میرے پاس پاسپورٹ اور دیگر قانونی کاغذات ہیں۔ آپ مجھے جانے سے وقتی طور پر روک سکتے ہیں لیکن میں جا کر دکھاؤں گا۔"

لیلیٰ ثانی نے فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر کہا: "مسٹر ہارڈی! آپ غصے میں نہ آئیں۔" پھر اس نے چیف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "سر! آپ چھاپا ماروں کے سلسلے میں مسٹر ہارڈی سے باتیں نہ کریں۔ ہمارے اور بھی پرابلمز ہیں جو ان کے ذریعے حل کیے جا سکتے ہیں۔ مسٹر ہارڈی نے ہمارے کام آنے کا وعدہ کیا ہے۔ جو دوست بن سکتے ہیں انھیں دوست بنا کر رکھنا چاہیے۔"

میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی اور چیف آفیسر کی سوچ میں کہا: "سارہ آئزک درست کہتی ہے۔ جس طرح ہم فرہاد کو دوست بنا رہے ہیں اسی طرح ایزل ہارڈی کو دوست بنا لیا جائے تو اس کا کالا علم ہمارے بہت کام آ سکتا ہے۔"

اس کی اپنی سوچ نے کہا: "ہاں مجھے نرم رویّہ اختیار کرنا چاہیے لیکن ہارڈی پر بھروسہ کرنے سے پہلے میں اپنے ہاں کے وِچ ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ وہ ایزل ہارڈی کو آزمائیں۔"

اس کی سوچ ختم ہوتے ہی انٹر کام سے اشارہ موصول ہوا۔ اس نے سوئچ آن کرتے ہوئے پوچھا: "یس؟"

"سر! مسٹر ری مونڈیل (کالا ہل تنظیم کے سربراہ) آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

چیف نے انٹر کام کو آف کیا پھر ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھا کر کہا: "یس، چیف آف سیکرٹ سروس۔"

دوسری طرف سے ری مونڈیل کی آواز سنائی دی: "چیف! میں نے آپ کی رپورٹ ابھی پڑھی ہے۔ اس کے مطابق بردہ فروشوں کا سرغنہ جیسکو کورو اپنے دھندے کے اعتبار سے وسیع کاروباری تعلقات رکھتا ہے، لیکن چند خاص لوگ ایسے ہیں جو اس کے کاروبار سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان میں سے ایک یونان کا اپالو ہے۔ اپالو فری اسٹائل رسیلر ہے۔ اسے کئی بار جیسکو کورو کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ یہ اپالو وہ شخص ہے جو یوگو ہنٹر کے ساتھ جنگلی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ انھیں زندہ پکڑ کر لاتا ہے۔ ان کی پرورش کرتا ہے۔ یوگو ہنٹر ان جانوروں کو دوسرے ممالک میں فروخت کرتا ہے۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسکو کورو کا تعلق اپالو کے ذریعے یوگو ہنٹر سے ہے۔ یوگو ہنٹر یونان کے مشرقی ساحل کے ایک چھوٹے سے جزیرے کا مالک ہے۔ اس جزیرے کا نام یونائی سس ہے۔ اپالو اسی جزیرہ یونائی سس میں رہتا ہے۔ یوگو ہنٹر کبھی یونان کے شہر ایتھنز میں اور کبھی اس جزیرے میں دیکھا جاتا ہے۔ بہرحال وہاں جنگلی جانوروں کی پرورش ہوتی ہے۔ ہم مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کے قریب پہنچتے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین

ہے کہ وہ دونوں اسی جزیرے میں قید کیے گئے ہیں۔"

چیف آفیسر، مونڈیل کی باتیں سُن رہا تھا اور بار بار میری طرف دیکھتا جا رہا تھا پھر اس نے کہا "مسٹر مونڈیل! ہماری ایک نہایت ہی ذہین طالبہ مس سارہ آٹزک نے ایک شخص کو دریافت کیا ہے جو وِچ ڈاکٹر ہے۔ اس کا نام ایزل ہارڈی ہے۔ یہ وہی ایزل ہارڈی ہے جو ایک بار مس سلطانہ کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ آنے والی سلطانہ نے ثابت کیا تھا کہ وہی اصلی سلطانہ ہے اور دوسری نقلی۔ بہرحال ہم نے مسٹر ہارڈی کو پیرس جانے سے روک لیا ہے۔ مس سلطانہ 'دین داؤز' کے ساتھ جا چکی ہیں۔"

ری مونڈیل نے پوچھا "مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کے موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے، اس سے ایزل ہارڈی کا کیا تعلق ہے؟ آپ یہ بحث کیوں چھیڑ رہے ہیں؟"

"ہم مسٹر ہارڈی کے کالے علم کے ذریعے یوگو ہنٹر اور اپالو کے متعلق بہتیری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

مونڈیل نے حیرانی سے کہا "تعجب ہے چیف! آپ ایک پریکٹیکل انسان ہیں اور کالے جادو پر بھروسہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

"مسٹر مونڈیل! آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی تمام صلاحیتیں استعمال کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آتنی جلدی جزیرہ یونائی سِس پہنچ رہے ہیں ـــــ بہت جلد یوگو ہنٹر تک بھی پہنچ جائیں گے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ دوا کے ساتھ دعا بھی لازمی ہے۔ لہٰذا ہم عملی جدوجہد کر ہی رہے ہیں۔ کیا ہرج ہے اگر کالے علم کو بھی آزما لیا جائے۔"

"آپ اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں لیکن جلد سے جلد معلوم کریں کہ مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی اسی جزیرہ یونائی سِس میں ہیں یا نہیں؟"

رابطہ ختم ہو گیا۔ چیف آفیسر نے ریسیور رکھتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر ہارڈی! آپ ہماری بات سمجھ گئے ہوں گے۔"

"کچھ سمجھ چکا ہوں پھر بھی سمجھنے کے لیے بہت کچھ باقی ہے۔ پتا نہیں آپ دوسری طرف کس سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ آپ نے جواباً جو کچھ کہا، وہ باتیں میرے لیے ادھوری ہیں۔"

چیف نے سیدھی طرح صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "ابھی آپ نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ہماری کوئی مدد نہیں کریں گے لیکن ہم کسی مسلمان کی مدد کرنا چاہیں تو یقیناً آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔"

میں نے پوچھا "وہ مسلمان کون ہے؟"

چیف آفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا "فرہاد علی تیمور۔"

میں نے ذرا پریشان ہو کر کہا "مگر فرہاد صاحب تو ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ وہ بھلا میری مدد کے کیوں محتاج ہوں گے؟"

"وہ ٹیلی پیتھی جاننے کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انھیں کس طرح قید کیا گیا ہے۔ ہم ان کی تصویر آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ اس سلسلے میں آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

"جب فرہاد صاحب اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کہاں قید کیے گئے ہیں تو میں بھلا ان کے پاس کیسے پہنچ سکتا ہوں! ہاں، اس جزیرے کا جو مالک ہے یا جن لوگوں نے انھیں قید کیا ہے، ان میں سے مجھے کسی کی تصویر دکھائی جائے۔ کسی کے متعلق مجھے تفصیل سے بتایا جائے تو میں وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔"

آفیسر نے چٹکی بجا کر خوشی کا اظہار کیا پھر انٹر کام کا بٹن دبانے کے بعد کہا "جنگلی جانوروں کے سوداگر، جزیرہ یونائی سِس کے مالک یوگو ہنٹر کی فائل فوراً پیش کرو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ وہ فائل پیش کر دی گئی۔ چیف آفیسر نے اس فائل کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اس میں یوگو ہنٹر کی تین زاویوں سے کھینچی ہوئی تین مختلف تصویریں ہیں۔ اس کی ہسٹری بھی تفصیل سے موجود ہے۔ اس کی اسٹڈی کرو۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی اسی یوگو ہنٹر کی قید میں ہیں یا وہ اس معاملے سے بالکل انجان ہے؟"

میں نے فائل کو کھول کر دیکھا۔ اس کی بڑی سی تصویر تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ان آنکھوں میں ڈوبنے لگا۔ وہ آنکھیں میرے لیے زندہ ہو رہی تھیں۔ تصویر میں آنکھوں کے ذریعے جن تاثرات کا اظہار ہو رہا تھا، میں ان تاثرات کے ذریعے یوگو ہنٹر کی جیتی جاگتی آنکھوں تک پہنچ گیا پھر ان آنکھوں کے ذریعے اس کے دماغ میں جگہ بنا لی۔

اس وقت یوگو ہنٹر اور اپالو ایک بڑے سے آہنی پنجرے کے اندر تھے۔ پنجرے میں آدمی نہیں ہوتے، جانور ہوتے ہیں لہٰذا وہاں ایک خونخوار شیر بھی تھا۔ جس سے اپالو لڑ رہا تھا اور اسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یوگو ہنٹر ایک ہاتھ میں چاقو، دوسرے ہاتھ میں ریوالور لیے بے اختیار انگریزی زبان میں کہہ رہا تھا "یہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا تو مجھے گولی مارنا پڑے گی اور اتنے قیمتی جانور کو مارتے ہوئے مجھے بہت افسوس ہوگا۔"

وہ کہتے کہتے رُک گیا۔ اسے خیال آیا کہ اپالو انگریزی نہیں جانتا۔ وہ پھر یونانی زبان میں وہی باتیں دُہرانے لگا۔ اس کی سوچ

ہی تھی کہ اس نے بارہا اپالو کو خونخوار شیروں سے اور جنگلی درندوں سے خالی ہاتھوں لڑتے دیکھا ہے اور ہمیشہ اپالو نے ان درندوں کو زیر کیا ہے۔ یوگو ہنٹر بھی بڑا جی دار تھا۔ جنگلی جانوروں کا کاروبار کرتا تھا۔ بزدل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے بھی بارہا جنگلی جانوروں سے مقابلہ کیا تھا لیکن ہاتھ میں چاقو لے کر۔ اس میں اور اپالو میں بس یہی ایک فرق تھا۔ دونوں ہی دلیر تھے مگر ایک چاقو ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرتا تھا۔ دوسرا نہتا رہ کر شیر، ریچھ جیسے درندوں کو قابو میں کر لیتا تھا۔

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ چیف آفیسر پوچھ رہا تھا "مسٹر ہارڈی! آپ پڑھ رہے ہیں یا صرف تصویریں دیکھ رہے ہیں؟"

میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا "میں اپنا طریقۂ کار سوچ رہا ہوں۔ مجھے بدروحوں سے کام لینے کے لیے ایک ایسا کمرہ چاہیے جہاں تاریکی ہو۔"

"کیا تم اکیلے کمرے میں عمل کرو گے؟"

"آپ چاہیں تو وہاں آ سکتے ہیں لیکن وہاں تاریکی ہوگی۔ صرف میری یا میری بدروحوں کی آوازیں سُنائی دیں گی۔"

اس نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا "تو پھر میرے بیڈ روم میں چلو۔ وہاں تاریکی رہے گی۔ میں تمام بتیاں بجھا دوں گا۔"

لیلیٰ ثانی بھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں ان کے ساتھ ایک بہت ہی خوب صورت سے سجے سجائے بیڈ روم میں داخل ہوا۔ وہاں ایک عورت بستر پر نیم دراز تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ چیف نے کہا "تم باہر جاؤ۔ جب تک آواز نہ دوں، ادھر نہ آنا۔"

وہ اپنے سینڈل پہن کر وہاں سے چلی گئی۔ چیف نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ لیلیٰ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ چیف نے وہاں کی تمام بتیاں بجھا دیں پھر اندھیرے میں چلتا ہوا اسی صوفے پر آ کر بیٹھ گیا جہاں لیلیٰ بیٹھی تھی۔

اس دوران میں نے یوگو ہنٹر کے دماغ میں جھانک کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ اعلیٰ بی بی اور سجاد اسی جزیرہ یونائی سِس میں موجود ہیں۔ وہ آہنی پنجرے وہیں ہیں جہاں وہ ایک پنجرے میں بند ہو کر شیر کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

میں نے چیف آفیسر سے کہا "میں تھوڑی دیر تک خاموش رہوں گا۔ اس دوران آپ لوگوں کو کوئی بھی آواز سُنائی دے، آپ جواباً کچھ نہیں کہیں گے، خاموشی سے سنتے رہیں گے۔ اگر کسی نے مداخلت کی تو میرا عمل ادھورا رہ جائے گا۔"

چیف آفیسر اور لیلیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ مداخلت نہیں کریں گے۔ میں خاموش ہو کر یوگو ہنٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اپالو نے شیر کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ فری اسٹائل پہلوانوں کی طرح شیر کی گردن کو دونوں ٹانگوں کے درمیان جکڑ لیا تھا۔ اس کا اگلا ایک پنجہ بھی گردن کے ساتھ اپالو کی دونوں ٹانگوں کی گرفت میں آ گیا تھا۔ گویا اپالو نے کشتی کے داؤ کے مطابق خونخوار اور طاقت ور شیر کو نیک لاک اور آرم لاک بیک وقت لگائے ہوئے تھے اور باقی دونوں ہاتھوں سے اس کے اگلے دوسرے پنجے کو تھام کر یونانی زبان میں کہہ رہا تھا "باس! آ جاؤ۔ فوراً اس کے ناخن کاٹنا شروع کر دو۔"

میں اس کی باتوں کو یوگو ہنٹر کے ذریعے سمجھ رہا تھا۔ ہنٹر نے آگے بڑھ کر اس پنجے کو پکڑ لیا جسے اپالو نے پہلے ہی دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا پھر وہ اس کے ناخنوں کو چاقو سے تراشنے لگا۔ وہ شیر حال ہی میں افریقہ کے جنگل سے لایا گیا تھا۔ ایسے جنگلی جانوروں کو قابو میں کرنے کے کئی جدید طریقے ہیں۔ مثلاً پنجرے کو اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ شیر اس میں جکڑ جاتا ہے۔ اِدھر اُدھر حرکت نہیں کر سکتا۔ بڑی آسانی سے اس کے دانت نکالے جا سکتے ہیں اور ناخنوں کو تراشا جا سکتا ہے لیکن اپالو اور یوگو ہنٹر جنگلی جانوروں کے ساتھ رہ کر خود بھی جنگلی بن گئے تھے اور ہمیشہ اپنی جسمانی قوتوں اور صلاحیتوں کو آزمانے کے لیے ایسے جانوروں سے لڑتے تھے۔ انھیں قابو میں کرنے کا سہرا اکثر اپالو کے سر ہوتا تھا اور یوگو ہنٹر ایسے وقت ان کے ناخن تراشتا تھا اور دانت نکال لیتا تھا۔

میں تاریک کمرے میں بیٹھا آنکھیں کھولے اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں لیلیٰ اور چیف آفیسر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اندھیرے میں سائے کی طرح نظر آ رہے تھے سو وہاں مکمل تاریکی نہیں تھی۔ کمرے کے باہر کوریڈور کی روشنی، کھڑکیوں کے ذریعے اندر آنا چاہتی تھی مگر پردے حائل تھے، اس کے باوجود ہلکی ہلکی روشنی کھڑکیوں کے پاس جھلک رہی تھی۔ اس کے باعث وہ دونوں سائے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ آخر میں نے اپنے حلق سے ایسی آواز نکالی جیسے کوئی بدروح بول رہی ہو "نہیں نہیں، میں نیکی نہیں کروں گی۔ میں بدروح ہوں۔ مجھ سے کوئی بدی کا کام لو۔ میں فرہاد کے کام نہیں آؤں گی۔ میں یوگو ہنٹر کے پاس جا کر معلومات حاصل نہیں کروں گی۔"

پھر میں نے اپنی آواز میں تحکمانہ انداز میں کہا "تم جاؤ گی۔ ضرور جاؤ گی۔ یہ میرا حکم ہے۔ فوراً یوگو ہنٹر کے پاس جاؤ۔ معلوم کرو، کیا اس نے کسی کو قید کر رکھا ہے؟"

تھوڑی دیر تک میرے اور فرضی بدروحوں کے درمیان ڈائیلاگ ہوتے رہے پھر ایک بدروح کی آواز میں کہا "میں جا رہی ہوں۔ میں جا رہی ہوں۔ ابھی معلومات فراہم کروں گی۔"

اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔ لیلیٰ ثانی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں اسے ایک

سائے کی طرح نظر آ رہا تھا لیکن اس کے احساسات بتا رہے تھے جیسے میرے پاس کوئی بدروح ہو اور وہ بڑی دیر تک مجھ سے لڑتی رہی ہو۔

یہی حال چیف آفیسر کا تھا۔ اس کے احساسات بھی یہی تھے۔ اس نے بھی کسی بدروح کو وہاں سے جیسے جاتے دیکھا ہو اور پورے یقین سے انتظار کر رہا ہو کہ وہ جلد ہی واپس آ کر... خاطر خواہ معلومات فراہم کرے گی۔

انتظار طویل ہو گیا کیوں کہ میں انھیں منتظر چھوڑ کر اعلیٰ بی بی سے باتیں کرنے لگا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ وہ جزیرہ یونائی سِس میں ہے۔ ان کا سراغ مل گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے یہودی جاسوس انھیں وہاں سے نکال لانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

اعلیٰ بی بی نے کہا "انھیں سمجھا دینا، وہ ایسے اقدامات نہ کریں جن کے باعث یہ لوگ پہلے ہی محتاط ہو جائیں اور ہمیں اس جگہ سے کسی دوسری جگہ پہنچا دیں جہاں ہمیں پھر قیدی بن کر رہنا پڑے اور فرار کا راستہ نہ ملے۔"

"میں انھیں ایسے اقدامات سے باز رکھوں گا۔"

میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کیسینو کے مالک ارب پتی یہودی، جے، جے پارکر کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ وہاں پر وین وائز بھی موجود تھا۔ جے، جے پارکر رہ رہ کر سونیا کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا اور شدید حیرانی کا اظہار کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ آج تک اس نے قمار بازی کی دنیا میں ایسا حیرت انگیز جواری نہیں دیکھا جو ایک رات میں جوئے خانے میں لگائی جانے والی نصف سے زیادہ دولت سمیٹ کر لے آئے۔

سونیا نے کہا "مسٹر پارکر! میری تعریفیں کرنے سے میرا ساتھی ایزل ہارڈی وہاں سے واپس نہیں آ سکے گا۔ پہلے آپ اس کے لیے کچھ کریں۔"

پارکر نے کہا "تم بے فکر رہو۔ وہ ایزل ہارڈی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔ میں کل شام تک اسے یہاں بلا لوں گا۔ میں دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہوں۔ سلطانہ! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اپنے آخری سانس تک تم سے دوستی نباہتا رہوں گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمھارے وہاں جاتے ہی میں نے ایزل ہارڈی کے متعلق پوری تفصیل سے معلومات حاصل کی ہیں۔ تمھیں پہلی بار ایزل ہارڈی زخموں سے چُور ملا تھا۔ اس کی وجہ صرف اس کی بیوی مورینا ہے۔"

سونیا نے انجان بن کر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں، تمھیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ جس سے تم شادی کرنے جا رہی ہو اس کی ایک بیوی ہے، اس کا نام مورینا ہے۔ بیشک اب وہ بیوی نہیں رہے گی۔ اسی کی سازش کی وجہ سے تمھارا ہارڈی اس حال کو پہنچا ہے۔ اس کے خلاف سازش کرنے والا دوسرا شخص جو زندہ ہے اس کا نام ڈینی ہے۔ وہ بہت بڑا نقال ہے۔ اس نے ایزل ہارڈی بن کر مورینا کے ساتھ تمام جائداد پر قابض ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ان دو کے علاوہ کچھ اور سازشی لوگ تھے جو مر چکے ہیں۔ زندوں میں صرف ڈینی اور مورینا رہ گئے ہیں۔"

میں نے سونیا کے دماغ میں چپکے سے کہا "اگر ہم ایزل ہارڈی کی دوا ساز کمپنی کے مالک بننے اور اس کی تمام دولت اور جائداد پر قابض ہونے کے چکر میں پڑیں گے تو تم پیرس سے نکل نہیں سکو گی۔ میں وہاں پہنچوں گا تو مورینا اور ڈینی وغیرہ سے نمٹنے، ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے اور قانونی طور پر وہاں کی دولت اور جائداد کا مالک بننے کے سلسلے میں اتنا عرصہ لگے گا کہ ہم کسی دوسری طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکیں گے۔"

"میں یہاں زیادہ دیر سلطانہ بن کر نہیں رہ سکتی۔ تم نے وہاں خواہ مخواہ وِچ ڈاکٹر کا رول ادا کیا ہے۔ اگر جے، جے پارکر کو معلوم ہو گا تو وہ تمھارے اس نئے روپ پر حیران رہ جائے گا۔ وہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ایک وِچ ڈاکٹر نے ایزل ہارڈی کا رُوپ اختیار کیا ہے اور کسی سلطانہ کے ساتھ مل کر یہاں ایزل ہارڈی کی دولت اور جائداد پر قابض ہونا چاہتا ہے۔"

"وہ ایسا سوچ سکتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ میرے یہاں وِچ ڈاکٹر بننے کی بات جے، جے پارکر تک نہ پہنچے۔ میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔"

سونیا نے کہا "کیا میں اپنے اصلی رُوپ میں آ جاؤں؟"

"تمھیں رسونتی کے پیچھے نیپال جانا ہے۔ ہندوستان کی انٹیلی جنس والے اور سیکرٹ سروس کے لوگ تمھیں سونیا کی حیثیت سے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم کسی دوسرے روپ میں وہاں جا سکتی ہو۔ میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ کمرے میں اسی طرح تاریکی تھی۔ لیلیٰ ثانی اور چیف آفیسر اپنی جگہ گُم صُم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ میرے عمل کے دوران خواہ کتنی ہی دیر ہو جائے وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ اس لیے بے چارے خاموش تھے۔

چیف آفیسر کی سوچ نے بتایا کہ میرے خاموش رہنے کے دوران وہ ایک بار چپکے سے اُٹھا تھا اور دبے قدموں چلتا ہُوا ایک گوشے میں جا کر وہاں سے ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا تھا۔ اب اسے اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ارادہ تھا کہ آئندہ بدروح کی آواز کمرے میں ابھرے گی تو وہ ان آوازوں کو ریکارڈ کرے گا۔

اچانک میں نے خاموشی کو توڑ دیا۔ دھیرے دھیرے غرّانے لگا۔

اسی وقت آفیسر نے ریکارڈر کو آن کر دیا۔ اس کے آن ہوتے ہی وہ خود بوکھلا کر صوفے پر ذرا پیچھے سرک گیا کیوں کہ لیلیٰ ثانی قہقہے لگانے لگی تھی۔ اور بدرُوح کے انداز میں کہہ رہی تھی "میں آ گئی۔ میں آ گئی ہوں۔"

چیف آفیسر نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا "مس سارہ! یہ کیا حرکت ہے؟"

وہ پھر قہقہے لگانے لگی "یہ وہی حرکت ہے جو تم چاہتے ہو۔ میں معلومات حاصل کر کے آئی ہوں۔ جو پوچھو گے جواب دوں گی۔"

وہ پریشان ہو کر نیم تاریکی میں میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "آفیسر! سوال کرو تمھیں جواب ملے گا۔ اس وقت میری وہ بدرُوح تمھاری سارہ آئزک کے جسم میں سمائی ہوئی ہے۔ وہی جواب دے گی۔"

چیف نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "کیا تم یوگو ہنٹر کے پاس گئی تھیں؟"

"ہاں، گئی تھی۔"

"کیا جزیرہ یونائی سِس میں مسٹر فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو قید کیا گیا ہے؟"

"ہاں، ان دونوں کو اس جزیرے میں جانوروں کے پنجروں کے درمیان ایک مکان میں قید کیا گیا ہے۔"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم جو کہہ رہی ہو وہ سچ ہے؟"

"میں اس مکان کے متعلق پوری تفصیل سے بتا سکتی ہوں۔ اس کے چار کمرے اوپر اور چار کمرے نیچے ہیں۔ سب سے پہلا کمرہ دفتر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس مکان کے اطراف ہزاروں گز کے رقبے میں خوب صورت باغیچہ ہے۔ اس باغیچے کے اطراف آہنی پنجرے دائرے کی صورت میں ہیں۔ پنجروں میں خونخوار شیر اور چیتے ہیں۔ ان شیروں اور چیتوں کے پنجروں کے بعد دوسرے جنگلی جانوروں کے بھی پنجرے ہیں۔ جزیرہ یونائی سِس میں جو لوگ آباد ہیں وہ سب کے سب یوگو ہنٹر کے ملازم ہیں۔ مرد ہوں، عورتیں ہوں، بوڑھے ہوں یا بچے ہوں، وہ سب کے سب اس کے وفادار ہیں اور سب ہی اپالو سے بے حد خوف زدہ رہتے ہیں۔"

چیف آفیسر نے بے چینی سے پہلو بدل کر تقریباً خوش ہوتے ہوئے کہا "یہ تمام معلومات درست ہیں۔ مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی جہاں قید کیے گئے ہیں وہاں کا ماحول وہی ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے۔ کیا تمھاری بدروح فرہاد علی تیمور کے متعلق معلومات فراہم کر سکتی ہے؟"

دوسرے ہی لمحے میں نے لیلیٰ ثانی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا اور چیف آفیسر کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اسی لمحے نسوانی آواز میں بولنے لگا۔ گویا بدرُوح بول رہی تھی "میں فرہاد علی تیمور کے متعلق بہت کچھ بتا سکتی ہوں۔ بشرطیکہ ابتدائی معلومات تم خود فراہم کرو۔ وہ خیال خوانی کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟"

بدرُوح کے اس سوال کے ساتھ ہی میں نے چیف کے دماغ کو ذرا آزاد چھوڑا۔ وہ پریشان ہو کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر دیدے پھیلائے ہوئے نیم تاریکی میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا واقعی بدرُوح اس پر قابض ہو گئی تھی؟

اس کی سوچ کے دوران بدرُوح پھر اس پر قابض ہو گئی۔ اس نے پھر وہی سوال دُہرایا "کیا فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت واپس آ گئی ہے؟"

اس بار میں نے چیف کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس نے نہیں، نہیں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں کچھ نہیں جانتا۔ میں فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس بار وہ کہنے لگا "ہاں ہاں، جانتا ہوں۔ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ ایک راز ہے۔ کسی کو بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ فرہاد کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آ گئی ہیں۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے ہمارے ربی اسفندیار سے رابطہ قائم کر چکا ہے اور ربی کے ذریعے ہم سے بھی گفتگو ہو چکی ہے لیکن یہ بہت اہم راز ہے۔ ہم میں سے کوئی یہ بات زبان پر لائے گا تو وہ سیکرٹ سروس سے خارج کر دیا جائے گا اور سزا کا مستحق ہو گا۔"

لیلیٰ ثانی کا دماغ آزاد تھا۔ وہ حیرانی سے اپنے چیف کی باتیں سن رہی تھی اور یہی سمجھ رہی تھی کہ میری طرف سے بھیجی ہوئی بدروح یہ باتیں اگلوا رہی ہے اور بدروح کس طرح کسی کے جسم پر قبضہ کر لیتی ہے اور اس سے خاطر خواہ معلومات حاصل کر لیتی ہے؟ اس کا اس نے ذاتی تجربہ ابھی کیا تھا۔ بدروح نے اسے بھی نہیں چھوڑا تھا۔

چیف آفیسر خاموش ہو گیا تھا۔ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی میری طرف نیم تاریکی میں دیکھتا تھا اور کبھی کیسٹ ریکارڈر کی طرف۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "ابھی مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں کچھ کہہ رہا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ارے یہ تو کیسٹ ریکارڈر آن ہے۔ یقیناً جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ باتیں اس میں ریکارڈ ہو چکی ہیں، مجھے سننا چاہیے۔"

میری اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے ریکارڈر کو آف کیا۔ ریوائنڈ کیا۔ اس کے بعد پھر اسے آن کیا۔ کمرے کی گہری خاموشی میں پہلے تو لیلیٰ ثانی کی آواز ابھرتی رہی لیکن وہ آواز قدرے بدلی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی بدروح بول رہی ہو۔ اس نے چیف کے سامنے جو سوالات کیے تھے اور معلومات فراہم کی تھیں، وہ سب کچھ ریکارڈ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد چیف آفیسر کی آواز سنائی دی۔ وہ تھوڑی دیر تک پریشان ہو کر سنتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ریکارڈر کو آف کرتے ہوئے مجھ سے کہا "کیا تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔ تم نے میری باتیں اس میں ریکارڈ کی ہیں۔ اگر یہ کیسٹ اعلیٰ حکام تک پہنچ جائے تو مجھے اس عہدے سے خارج کر دیا جائے گا۔ شاید مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا جائے۔ پتا نہیں، میرے خلاف کیا فیصلہ سنایا جائے۔ میں اس کیسٹ کو ضائع کر دوں گا۔"

اس کے دماغ پر پھر بدروح قابض ہو گئی۔ کہنے لگی "تم کیسٹ کو ضائع نہیں کر سکتے۔ میں کیسٹ کو ابھی لے جا رہی ہوں۔ ایسی جگہ لے جا کر رکھ دوں گی جہاں کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔"

اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے ریکارڈر سے کیسٹ کو نکالا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ دوسرے کمرے میں وہی عورت بیٹھی ہوئی تھی جسے میں نے بیڈروم میں دیکھا تھا۔ اس نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

"میرے کاموں میں مداخلت نہ کیا کرو۔ میری خواب گاہ میں ابھی نہ جانا۔ وہاں ملکی معاملات پر اہم گفتگو ہو رہی ہے۔"

یہ کہتا ہوا وہ اس کمرے سے بھی گزر گیا۔ دوسرے ڈرائنگ روم میں اس کے دو ماتحت کھڑے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر اٹینشن ہو گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا بنگلے کے باہر آیا۔ باہر لیلیٰ ثانی کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نہیں تھا۔ اس نے کھڑکی کے اندر سر ڈال کر ڈیش بورڈ کو کھولا۔ پھر کیسٹ کو اس میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہاں سے واپس آ کر بیڈروم میں ہمارے سامنے اسی صوفے پر بیٹھ گیا، جہاں لیلیٰ ثانی پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی۔ تب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

اب وہ پریشان تھا۔ ذرا دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ اتنی دیر تک وہ کس عالم میں تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے نیم تاریکی میں میری جانب دیکھا۔ میں نے کہا "آفیسر! وہ کیسٹ میری بدروح لے گئی ہے۔"

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا "یہ نہیں ہو سکتا۔ تم اسے واپس کر دو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔"

"تم مجھے کس وجہ سے ہلاک کرو گے؟ میرا قصور کیا ہے؟ میں یہاں جے، بے پارکر کے حوالے سے آیا ہوں۔ میرے پاس پاسپورٹ اور قانونی کاغذات ہیں۔ یہ باتیں میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ آفیسر! نادان بچوں کی طرح باتیں نہ کرو، ورنہ ابھی میں بدروح کو حکم دوں گا۔ وہ پھر تمھارے جسم پر قابض ہو جائے گی اور تم سے دوسرے وہ تمام راز بھی اگلوائے گی جو تمھاری سیکرٹ سروس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔"

لیلیٰ ثانی نے بحیثیت سارہ آٹزک اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "مسٹر ہارڈی! کیا تم میرے چیف کو بلیک میل کر رہے ہو؟ میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ سیدھی طرح وہ کیسٹ واپس کر دو۔"

میں نے کہا "مس سارہ آٹزک! تم اپنے چیف کی اور اپنے ملک کی وفادار ہو۔ جس طرح تم نے میرا سوٹ کیس بدلوایا اور مجھ بے قصور کو قصوروار ٹھہرایا، اسی طرح تمھارا چیف مجھ پر کوئی بھی الزام عائد کر کے مجھے سلاخوں کے پیچھے بھیج سکتا تھا۔ مجھے غیر ملکی جاسوس ثابت کر کے سزائے موت بھی دلا سکتا تھا لیکن میں نادان نہیں ہوں۔ میں نے اپنی سلامتی کے لیے وہ کیسٹ اپنی بدروح کے حوالے کر دیا ہے۔ اپنی سلامتی کے لیے میں دوسرے بہت سے اہم راز بھی اگلوا سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں سمجھوتے کی راہ نکال رہا ہوں۔ لہٰذا میری چند شرائط پر عمل کیا جائے۔ انکار کی صورت میں، وہی کروں گا جس کے لیے چیلنج دے چکا ہوں۔"

لیلیٰ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ سوالیہ نظروں سے چیف کو دیکھنے لگی۔ چیف نے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، میرے وچ ڈاکٹر ہونے کا علم کسی کو نہ ہو۔ میں محض ایزل ہارڈی رہوں۔ پیرس میں دواساز کمپنی کا مالک اور سلطانہ کا عاشق —— اس سے زیادہ میرے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔"

"یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ تم وچ ڈاکٹر کی حیثیت سے ہماری حکومت کی نظروں میں نہیں آنا چاہتے۔ کیا تم ہمارا کام بھی نہیں کرو گے؟"

"میں کہہ چکا ہوں، فلسطینی مجاہدین کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا۔ ہاں، کوئی مسلمان مصیبت میں مبتلا ہو اور اسے آپ مصیبت سے نجات دلانا چاہتے ہوں جیسا کہ فرہاد علی تیمور اپنی کسی ساتھی کے ساتھ اس جزیرہ یونانی مس میں ہے، تو اس سلسلے میں جو معلومات چاہیں فراہم کر سکتا ہوں۔"

"مسٹر ہارڈی! ہم تمھاری شرط کے مطابق کسی کے سامنے تمھیں وچ ڈاکٹر ظاہر نہیں کریں گے لیکن فرہاد اپنی خیال خوانی کے ذریعے تمھاری حقیقت معلوم کر لے گا۔ ہو سکتا ہے، وہ ہمارے اعلیٰ حکام کو تمھاری اصلیت بتا دے۔"

"میں جانتا ہوں، مسٹر فرہاد علی تیمور ایسا نہیں کریں گے۔ جب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کی مدد کر رہا ہوں، ان کے متعلق معلومات فراہم کر رہا ہوں تو وہ میرے راز کو بھی راز ہی رکھیں گے۔"

چیف آفیسر نے کہا "ہم تمھیں ہر حال میں دوست بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ جو بھی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہو، ہم اس سے کسی صورت میں بھی دشمنی مول لینا حماقت سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرہاد علی تیمور ہمارے دوست ہیں۔ دوستی کی ایک حد مقرر ہے جیسا کہ ابھی تم نے بیان کیا، فلسطینی مجاہدین کے خلاف اقدام نہیں کرو گے اور جو معاملہ مسلمانوں کے خلاف نہ ہو، اس میں یہودیوں کا ساتھ دو گے۔ ٹھیک اسی طرح فرہاد صاحب سے بھی ہمارے دوستانہ مراسم ہیں۔ ان کی ٹیلی پیتھی کا راز صرف یہودی حکام جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر تم پسند کرو تو تمھارے وچ ڈاکٹر ہونے کا راز صرف ہمارے چند اعلیٰ حکام تک محفوظ رہے گا۔ یہ بات باہر نہیں جائے گی۔"

"میں کہہ چکا ہوں، خود کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں یہاں کی حکومت کے لیے بڑے کام کا آدمی ثابت ہوا تو پھر تم لوگ مجھے یہاں سے جانے نہیں دو گے۔ کسی نہ کسی بہانے روکتے رہو گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں، تمھارے لیے کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ تم ابھی جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ صرف ہم سے رابطہ قائم کرتے رہو گے۔"

"دوسری بات یہ کہ میں سلطانہ کو بہت چاہتا ہوں۔ اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا۔ اگر یہ راز ظاہر ہو گیا کہ میرے کالے علم کے باعث وہ تاش کی بازی جیت لیا کرتی ہے، تو وہ ناراض ہو جائے گی اور میں اسے کسی قیمت پر ناراض نہیں کرنا چاہتا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، تمھاری اصلیت کسی پر ظاہر نہیں کروں گا۔ میرا کیسٹ واپس کر دو۔"

"میں بھی وعدہ کرتا ہوں، تمھارا کیسٹ کسی کے ہاتھ لگنے نہیں دوں گا۔ وہ میرے پاس تمھاری امانت ہے۔"

وہ بے بسی سے گھور کر دیکھنے لگا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "اتنی اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں، اگر میں اپنے اعلیٰ حکام تک یہ بات پہنچا دوں کہ فرہاد جزیرہ یونانی مس میں ہے۔ اسے اور اعلیٰ بی بی کو لیوگو ہنٹر اور اپالو نے چھپا رکھا ہے، تو میرے شعبے میں میرا سروس ریکارڈ سب سے بہتر ہو گا۔ میری ترقی بھی ہو گی لیکن مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں۔ تب میں جواب نہیں دے سکوں گا کیونکہ ایزل ہارڈی مجھ پر پابندی عائد کر رہا ہے۔ میں اس کا راز اعلیٰ حکام کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتا۔"

اسی وقت میں نے سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو چیف! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سے صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار لیلیٰ کی طرف، دوسری بار میری طرف دیکھا پھر سوچ کے ذریعے پوچھا "آپ؟ فرہاد صاحب آپ ہیں؟"

"ہاں، میں آپ لوگوں کی دوستی کو آزمانے کے لیے چپ چاپ دماغوں میں آتا رہتا ہوں۔ ایک ربی اسفندیار ایسے ہیں، جن کے دماغ میں ان کی مرضی کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ میں ابھی کا ہال تنظیم کے سربراہ ربی مونڈیل کے پاس تھا مگر انھیں اس بات کی خبر نہیں ہے۔ شاید آپ کو بھی میں اپنی موجودگی کا احساس نہ دلاتا لیکن آپ نے اپنے سامنے ایک نہایت ہی دلچسپ شخص کو بٹھا رکھا ہے۔ وہ وچ ڈاکٹر ہمارے بڑے کام کا آدمی ہے۔"

چیف نے پوچھا "آپ سفارش کرتے ہیں کہ اس سے دوستی رکھنی چاہیے؟"

"بے شک، وچ ڈاکٹر کو اپنا مخالف نہ بنایا جائے۔ اس کی شرط مان لی جائے۔ یہ آپ کے اعلیٰ حکام کے سامنے وچ ڈاکٹر کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہونا چاہتا۔ میں بھی یہی مشورہ دیتا ہوں۔ اسے جانے کی اجازت دیں۔ اب تو میں اس کے دماغ

میں پہنچ گیا ہوں۔ جب چاہوں گا اسے مجبور کر دوں گا کہ یہ اپنی بدروحوں کے ذریعے ہمارے لیے معلومات فراہم کرے۔ ویسے اس نے جزیرہ یونانی سِس کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، اتنا ہی کافی ہے۔"

چیف آفیسر نے پوچھا "کیا آپ ہمارے ربی کو بتائیں گے کہ کس طرح آپ کو جزیرہ یونانی سِس کے متعلق علم ہوا ہے؟"

"میں یہ معلومات حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ بیان کروں گا۔ وِچ ڈاکٹر کا ذکر نہیں کروں گا۔"

"فرہاد صاحب! آپ نے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے۔ میں جلد سے جلد آپ کے بارے میں اپنے حکام کو بتانا چاہتا تھا۔ اب آپ ہی بتا دیں۔ تاکہ آپ کو وہاں سے فوراً نکال لانے کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔"

"میں ربی سے رابطہ قائم کرنے جا رہا ہوں۔ آپ اس وِچ ڈاکٹر کو جانے دیں۔"

چیف آفیسر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر ہارڈی! آپ کا مسئلہ حل ہوگیا۔ ابھی فرہاد صاحب ہمارے درمیان موجود تھے۔ انھوں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ وہ اعلیٰ حکام کے سامنے آپ کا ذکر کیے بغیر جزیرہ یونانی سِس کے متعلق انھیں بتا دیں گے۔"

لیلیٰ ثانی نے حیرانی اور قدرے بے یقینی سے پوچھا۔ "سر! کیا فرہاد علی تیمور صاحب واقعی آپ سے گفتگو کر رہے ہیں؟ کیا آپ کے پاس موجود ہیں؟"

"موجود تھے۔ اب مجھے مخاطب نہیں کر رہے ہیں۔"

"اوہ، سر! میری بڑی خواہش ہے کہ ایک بار فرہاد صاحب مجھے مخاطب کریں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، اپنے دماغ میں ان کی آواز اور لب و لہجہ کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

چیف آفیسر نے کہا "یہ کوئی دوربین تو نہیں ہے کہ ہر ایک کی آنکھ سے لگا کر دکھائی جائے اور بتایا جائے، وہ دیکھو! دور بہت دور مسٹر فرہاد نظر آرہے ہیں۔ فرہاد صاحب کب دماغ میں آتے ہیں اور کب چلے جاتے ہیں، یہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ ہمیں مخاطب کرتے ہیں تو ان کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ اگر وہ موجود ہیں اور انھوں نے تمھاری یہ خواہش سن لی ہوگی تو شاید تمھارے دماغ میں چلے آئیں یا آنا پسند نہ کریں۔ بہرحال مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تم اتنی ذمے دار طالبہ ہو کر ڈیوٹی کے وقت اپنے آفیسر سے اپنی ذاتی خواہش کا اظہار کر رہی ہو جو سراسر اصول کے خلاف ہے۔"

"سوری سر! یہ میری دیرینہ آرزو تھی۔ بے اختیار زبان پر آگئی۔ آئندہ مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوگی۔"

اس نے فرض کے مطابق زبان بند کرلی مگر دماغ سوچ رہا تھا۔ کاش فرہاد صاحب سن رہے ہوں تو ایک بار اسے مخاطب کریں۔ میں اس کی دیرینہ آرزو پوری نہیں کرسکتا تھا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں کوئی پابندی نہیں تھی۔ تاہم میں خیال خوانی کے لیے ایک اور کھوپڑی کا اضافہ کرکے اپنی مصروفیات حد سے زیادہ نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔ ابھی مجھے ربی اسفندیار کے پاس پہنچ کر جزیرہ یونانی سِس کے متعلق انھیں بتانا تھا۔ میں نے پوچھا "آفیسر! کیا مجھے جانے کی اجازت ہے؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "بے شک تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جاسکتے ہو لیکن ایک گزارش ہے کہ کچھ روز یہاں قیام کرو۔ ہمارا ساتھ دو۔ فرہاد صاحب بھی ہمارے ساتھ ہیں۔"

میں نے طنزیہ انداز میں کہا "فرہاد صاحب آپ کے ساتھ ضرور ہیں لیکن میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو کم از کم مجھے مخاطب تو کرتے۔"

"یقیناً وہ تمھیں مخاطب کریں گے۔ وہ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والوں کو دوست بناتے ہیں۔ تمھیں بھی دوست بنائیں گے۔ شاید وہ بے حد مصروف ہیں یا پہلی فرصت میں ہمارے ربی اسفندیار کو جزیرہ یونانی سِس کے متعلق بتانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے فوراً چلے گئے ہیں۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے رخصتی مصافحہ کیا۔ پھر لیلیٰ کے ساتھ اس کے بنگلے سے باہر آگیا۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جب کار اسٹارٹ ہوکر بنگلے کے احاطے سے نکل گئی اور سڑک پر دوڑنے لگی تو میں نے ڈیش بورڈ کو کھولا پھر اس میں سے کیسٹ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ لیلیٰ نے ڈرائیو کرتے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھا اور حیرانی سے بولی "یہ تو وہی کیسٹ ہے۔"

"ہاں، وہی کیسٹ ہے۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر تمھاری کسی بدروح نے اس کیسٹ کو ڈیش بورڈ تک پہنچایا ہے تو میرا چیف کمرے سے باہر کیوں گیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بدروح نے اس کے جسم پر قبضہ جمالیا تھا اور اسے گاڑی تک لاکر کیسٹ کو ڈیش بورڈ میں رکھنے پر مجبور کیا تھا۔"

"یہی بات ہے۔"

"ایسا تو میں نے دیکھا، نہ سنا، نہ کتابوں میں پڑھا کہ بدروحیں کسی شخص کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرتی

ہیں۔ ایسا تو صرف ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کے عمل سے ہوتا ہے۔"

ٹیلی پیتھی کی باتیں کرتے ہوئے وہ پھر فرہاد علی تیمور کے متعلق سوچنے لگی۔ میں نے پوچھا "میں کیسا لگتا ہوں؟"

اس نے چونک کر میری جانب دیکھا، پھر پوچھا "اس سوال کا مطلب کیا ہے؟"

"یونہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے متعلق کچھ سوچتی ہو؟"

"میں بھلا کیوں سوچوں؟ تمھارے دماغ میں یہ سوال پیدا کیوں ہوا؟"

"اس لیے کہ تم فرہاد کو اپنے دماغ میں محسوس کرنے کی خواہش کا اظہار بڑی شدت سے کر رہی تھیں۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ پلیز آئندہ اس قسم کی گفتگو نہ کرنا۔ تم ایک وِچ ڈاکٹر ہو اور فلسطینی مجاہدین کے ہمدرد ہو۔ میں اس سلسلے میں تم سے کام لینا چاہتی ہوں۔ اس سے آگے کچھ سوچو گے تو میرے ہاتھوں نقصان اٹھاؤ گے۔"

میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے سوچا، کبھی حالات عجب تماشا دکھاتے ہیں۔ وہ میرے متعلق سوچتی تھی۔ مجھے اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی لیکن اس سلسلے میں گفتگو کرنا گوارا نہ تھا۔ کیا خوب بزدلی تھی اور مجھ سے دو باتیں کرنے کی بے قراری بھی تھی۔

بہرحال میں ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا مگر لیلیٰ نے موقع نہ دیا۔ اس نے پوچھا "تم نے میری بات کا موضوع کیوں بدل دیا؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ وہ کیسٹ یہاں کیسے پہنچ گیا تھا؟"

"کیا تم سمجھتی ہو، میں تنویمی عمل یا ٹیلی پیتھی جانتا ہوں؟"

"ٹیلی پیتھی صرف ایک ہی شخص جانتا ہے۔"

وہ وِنڈ اسکرین کے پار اس شخص کے تصور میں گم ہوگئی۔ میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ربی اسفندیار کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی پوچھا "اوہ فرہاد! تم اب تک کہاں گم رہے؟ میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے رہے۔"

"کیسے خیالات؟"

"یہی کہ کہیں تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت عارضی طور پر تمھیں ملی ہو۔ اس کے بعد تم پھر بے بس ہوگئے ہو یا پھر ہم سے کسی بات پر ناراض ہوگئے ہو۔"

"دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میں پچھلی رات سے جاگ رہا تھا۔ تھکن کے باعث نیند آئی تو سوگیا۔ اچانک اعلیٰ بی بی نے بیدار کیا اور مجھے خوشخبری سنائی کہ یہاں دفتر والے کمرے کی ایک الماری کے نیچے سے ایک لفافہ برآمد ہوا ہے۔ اس جگہ ہماری نظر کبھی نہ جاتی۔ یہ قدرت کی طرف سے ایک مدد حاصل ہوئی ہے۔ ایک چوہا لفافے کو کترتا ہوا الماری کے نیچے سے نکال لایا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے اسے کھول کر دیکھا تو ایک حسین عورت کی تصویر نظر آئی ——— اس تصویر کو میں نے دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ ربی نے بے چینی سے پوچھا "کون تھی؟"

"تھی نہیں بلکہ ہے۔ وہ لوگو ہنٹر کی دوست ہے۔"

ربی نے کہا "لوگو ہنٹر کا نام ہماری فہرست میں ہے۔ کیا تم اس عورت کے ذریعے اس شخص کے دماغ میں پہنچ سکتے ہو؟"

"میرے محترم ربی! میں اس کے دماغ میں پہنچ چکا ہوں۔ میں نے اسے اپنی آمد کی اطلاع دیے بغیر چپ چاپ جو معلومات حاصل کیں، وہ یہ ہیں کہ وہ جزیرہ یونانی سِس کا مالک ہے۔ جنگلی جانوروں کا کاروبار کرتا ہے۔ اسی نے اس جزیرے میں ہمیں قید کر رکھا ہے۔ یہ جزیرہ یونان کے مشرقی حصے میں ہے۔ کیا آپ کے لیے اتنی معلومات کافی ہیں؟"

"بہت ہیں، یہ معلومات بہت ہیں۔ میں ابھی ذمے دار افسران سے رابطہ قائم کرکے اس سلسلے میں گفتگو کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ تمھیں نکال لانے کے سلسلے میں کیا کرسکتے ہیں۔"

"محترم ربی! بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ لوگ اس سے رابطہ قائم کریں۔ میرا مطالبہ کریں اور وہ محتاط ہوکر ہمیں کسی دوسری جگہ پہنچا دے۔ اگر آپ نے جبراً اپنے فوجیوں کو پیراشوٹ کے ذریعے اس جزیرے میں اتارنا چاہا تو گھمسان کی لڑائی ہوگی۔ شاید نتیجہ ہمارے حق میں نہ نکلے۔"

"تم درست کہتے ہو۔ جب تمھارا صحیح ٹھکانہ معلوم ہوگیا ہے تو ہم جلد بازی سے کام نہیں لیں گے۔ نہایت سوچ سمجھ کر ایسے اقدامات کریں گے کہ دشمن ہمارے فریب میں آجائیں گے اور تم اعلیٰ بی بی کے ساتھ باآسانی ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

میں لیلیٰ ثانی کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اس نے کار سے اتر کر کوٹھی میں میرے ساتھ داخل ہوتے ہوئے کہا "میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

میں جانتا تھا۔ وہ ہتھیار سپلائی کرنے والوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "رات بہت ہوچکی ہے۔ مجھے نیند آرہی ہے۔"

"تعجب ہے! ابھی تو گیارہ بجے ہیں۔"

"تم سیکرٹ سروس والوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ دس بجے سو جایا کرو اور صبح چار بجے بستر چھوڑ دیا کرو۔"

"ہم سونا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی اہم معاملہ ہو۔"

"اگر کوئی اہم معاملہ ہو تو ہمارے بزرگوں کو طے کرنا چاہیے۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ چلتے چلتے رک گئی۔ اس کے بعد سرد لہجے میں بولی: "میں آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ صرف فلسطینی مجاہدین کی بھلائی کے لیے سوچو۔ میرے بارے میں سوچو گے تو ابھی چاروں شانے چت نظر آؤ گے۔ تم میں اتنی سکت بھی نہ ہوگی کہ خود زمین پر سے اٹھ سکو۔"

میں نے ایک ذرا پیچھے ہٹ کر کہا: "اسے، ہاتھا پائی کی دھمکی نہ دو۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں۔ میری بدروحوں نے تمہارے متعلق بتا دیا ہے کہ تم زبردست فائٹر ہو۔ عجیب بات ہے۔ عورت خود لڑائی کرے تو جھگڑالو کہلاتی ہے اور اسے باقاعدہ لڑنے کی تربیت دی جائے تو فائٹر کہلانے لگتی ہے۔ تمہارا دماغ تو آسمان پر ہے اپنے گھر میں مہمان رکھ کر مارنے کی دھمکی دیتی ہو۔ یہ شرافت ہے؟"

"یہ تمہاری شرافت ہے کہ اپنی میزبان سے خواہ مخواہ بے تکلف ہونا چاہتے ہو؟"

"اپنے الفاظ واپس لو۔ کیا تم مجھے مارو گی؟ کیا مجھے چاروں شانے چت کر دو گی؟"

"تم حد سے بڑھو گے تو تمہارا انجام اس سے بھی بُرا ہوگا۔"

میں نے پاؤں پٹخ کر کہا: "میں ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ لعنت ہے تمہاری میزبانی پر اور میری مہمانی پر۔ میں یہاں ایک منٹ نہیں رہ سکتا۔ میرا سامان لاؤ۔"

"تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"تمہاری کیا مجال ہے! تمہارا چیف آفیسر مجھے نہیں روک سکتا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کس طرح اسے بلیک میل کیا ہے۔"

اس نے انگلی اٹھا کر میری جیب کی طرف اشارہ کیا: "میں ابھی چٹکی بجا کر وہ کیسٹ تمہاری جیب سے نکال لوں گی۔ پھر تم میرے چیف کو بلیک میل نہیں کر سکو گے۔"

"اور میں پلک جھپکتے ہی اپنی بدروح کے ذریعے اس کیسٹ کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی غائب کر دوں گا۔"

یہ چیلنج کرتے ہی میں زور زور سے پاؤں پٹختا ہوا بیڈ روم میں گیا۔ وہاں میرا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ میں اسے اٹھا کر جانے لگا۔ لیلیٰ دروازے میں کھڑی ہو گئی۔ دونوں بازو پھیلا کر راستہ روکتے ہوئے بولی: "تم ایسے نہیں جا سکتے۔"

"تم بانہیں پھیلا کر کہہ رہی ہو ایسے نہیں جا سکتا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

یکلخت اس کے دونوں بازو ڈھلک گئے۔ اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر مجھے دیکھا۔ پھر بولی: "جی چاہتا ہے تمہارا سر توڑ دوں۔"

"اور تم توڑ نہیں سکو گی۔ تم نے اپنے چیف کے سامنے مجھے بہت اہمیت دی ہے۔ کچھ اہمیت میں نے اپنے طور پر حاصل کی ہے۔ پھر میں جے جے پارکر کے حوالے سے یہاں آیا ہوں۔ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گی۔ نادان بچیوں کی طرح دھمکیاں نہ دو۔"

"کیا تم سیدھے سادے انداز میں میرے مہمان بن کر نہیں رہ سکتے؟"

"میں تو نہایت ہی سیدھا سادا سا آدمی ہوں۔ بس ایک کمزوری ہے کہ وچ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ تھوڑا شاعر بھی ہوں۔ نگاہوں کے سامنے پھول کھلے اور خوشبو لٹائے تو شعر کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"میں صبح مالی سے کہوں گی کہ وہ باغیچے سے ڈھیر سارے پھول لا کر تم پر چڑھائے اور تمہارے اشعار سنتا رہے۔ کیا تم سنجیدگی سے فلسطینی مجاہدین کے سلسلے میں گفتگو کرنا پسند کرو گے؟"

"میں نے کہا نا! مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم سامنے رہو گی تو نیند اُڑ جائے گی اور شاعری گدگدانے لگے گی۔ بہتر ہے ہم اس موضوع پر کل صبح گفتگو کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ اپنا سامان رکھ دو۔ بھوک لگی ہو تو کچن میں کھانے کے لیے بہت کچھ ہے۔ میں تمہارے سامنے آنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ کل تم سے باتیں ہوں گی۔"

وہ غصے سے چلی گئی۔ وہ بے شک ذہین تھی۔ جب کوئی بات بگڑتی ہو تو اسے بنانے کی تدبیر کرتی تھی۔ اس وقت سوچ رہی تھی، کس طرح میری کوئی کمزوری اس کے ہاتھ آ جائے یا وہ کس طرح میری نظروں میں اتنی اہم ہو جائے کہ میں اس کے اشارے پر ناچنے لگوں۔ ایک ہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ میں شاعر ہوں۔ لہٰذا وہ شاعرانہ انداز میں ہی مجھے بہلائے پھسلائے اور اپنا کام نکالتی رہے لیکن عشق و محبت جیسی باتیں اس کے مزاج کے خلاف تھیں۔ وہ کوئی اور تدبیر سوچ رہی تھی۔ میں نے اسے سوچنے کے لیے چھوڑ دیا۔ بیڈ روم کے دروازے کو بند کیا۔ پھر آرام سے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

میرے آرام کرنے کے دوران یہودی جاسوس عملی میدان میں اتر آئے تھے۔ سیکرٹ سروس کے وہ تمام افراد جو بیرونی ممالک میں اپنی کارگزاری دکھاتے رہتے ہیں، وہ یونان کی مشرقی اور ترکی کی مغربی بندرگاہوں میں بڑے محتاط ہو کر ڈیوٹی دینے لگے تھے۔ ہر آنے جانے والے بحری جہاز پر کڑی نظر رکھتے تھے — اتنی احتیاط کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ انھیں یقین تھا کہ جب بھی

فرہاد علی تیمور کا سودا ہوگا اور اسے اعلیٰ بی بی کے ساتھ کسی بولی دینے والے کے حوالے کیا جائے گا تو فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہودی حکام کو اطلاع دے گا اور وہ راستے بتا دے گا جہاں سے انھیں لے جایا جائے گا۔ اس کے باوجود آس پاس کے جتنے ملک تھے، وہاں کے تمام ائیرپورٹ پر یہودی جاسوس چھا گئے تھے۔

اسرائیلی افسران نے یوگو ہنٹر سے کاروباری رابطہ بھی قائم کیا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ مملکتِ اسرائیل کے چار بڑے شہروں میں چڑیا گھر کی توسیع کے لیے مزید جنگلی جانوروں کی فوری ضرورت ہے۔ اس کے لیے اسرائیلی افسران کی ایک ٹیم جانوروں کا انتخاب کرنے کے لیے جزیرہ یونائی سس آنا چاہتی ہے۔ یہ ٹیم کل صبح یونان کے شہر ایتھنز پہنچ جائے گی۔ اگر کاروبار منظور ہو تو یونان میں اسرائیلی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا جائے اور اس ٹیم کو جزیرہ یونائی سس آنے کی اجازت دی جائے۔

ان کے اس طریقۂ کار سے صاف ظاہر تھا کہ جزیرہ یونائی سس جا کر جانوروں کا سودا کرنے والی ٹیم میں ... سیکرٹ سروس کے اہم جاسوس شامل ہوں گے۔ ایک خفیہ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا جا رہا تھا کہ اس ٹیم میں جو لوگ جائیں گے ان سے فرہاد علی تیمور کا دماغی رابطہ رہنا چاہیے تاکہ وہ خیال خوانی کے ذریعے دشمنوں کو آسانی سے ٹریپ کر سکیں۔

میں ربی اسفندیار کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا: "فرہاد! تم اچھے وقت پر آئے ہو۔ ہم سیکرٹ سروس کے چند اہم افراد کو جزیرہ یونائی سس بھیج رہے ہیں۔ تم ان سے دماغی رابطہ قائم رکھو گے۔ انھیں اپنا آلۂ کار بنا کر دشمنوں سے نمٹ سکو گے۔"

"میں یوگو ہنٹر کے دماغ میں پہنچ چکا ہوں۔ میں اسے بھی اپنا آلۂ کار بنا سکتا ہوں لیکن میرے سابقہ تجربات سمجھاتے ہیں کہ میں ایک کو ٹریپ کرتا ہوں تو دوسرے دس انجانے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں۔ یوگو ہنٹر کے پیچھے بھی کوئی ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو میری خیال خوانی کی زد میں نہ ہو۔"

"ہم ان باتوں کو سمجھ رہے ہیں۔ تم سے وعدہ کرتے ہیں یہاں سے جو ٹیم جائے گی، وہ تمہارے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گی۔"

"آپ ان لوگوں کی آوازیں مجھے سنائیں۔ میں ان کا انتخاب کروں گا۔ ان کے دماغوں میں جھانک کر معلوم کروں گا کہ وہ کتنے باصلاحیت ہیں اور کس طرح میرے کام آ سکتے ہیں۔"

یہودی یقیناً مجھے دوست بنائے رکھنا چاہتے تھے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ مجھ پر سیکرٹ سروس کی حد تک بھروسا کریں اور اپنے تمام اہم سراغ رسانوں کے دماغوں تک مجھے پہنچا دیں۔ وہ صرف دو سراغ رسانوں کو اس ٹیم میں رکھنا چاہتے تھے۔ باقی افراد بھی اہم اور جنگجو ہوتے لیکن سیکرٹ سروس کے صرف دو ہوتے۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "محترم ربی! آپ اپنے حکام سے کہہ دیں کہ کسی بھی ملک کی سیکرٹ سروس تک پہنچنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں اپنے طریقۂ کار کے مطابق کسی ایک کے دماغ میں جگہ بناتا ہوں پھر اس کے ذریعے دوسرے تمام اہم دماغوں تک پہنچتا چلا جاتا ہوں۔ خواہ وہ سیکرٹ سروس کے دماغ ہی کیوں نہ ہوں۔"

ربی اسفندیار نے کہا: "بے شک، مجھے یقین ہے، تم ہمارے سیکرٹ سروس کے اہم دماغوں تک پہنچ چکے ہو۔ تم سے کوئی پردہ ہو نہیں سکتا۔ بہرحال ہم جن لوگوں کا انتخاب کر رہے ہیں تم ان کے دماغوں تک پہنچ ہی جاؤ گے۔"

"اسی لیے اب سونا چاہتا ہوں۔ رات زیادہ ہو گئی ہے۔ کل صبح جو ٹیم آپ کے ہاں سے روانہ ہو کر یونان کے شہر ایتھنز پہنچے گی، میں ان سے رابطہ قائم کروں گا۔"

اس کے بعد میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ڈاکٹر شیفرڈ کے پاس پہنچی ہوئی تھی اور اپنے چہرے پر تبدیلیاں کروا رہی تھی۔ میں نے پوچھا: "یہ کیا؟"

اس نے جواب دیا: "میں ایک کیسٹ جے جے پارکر کے نام چھوڑ کر آئی ہوں۔ ذرا دیکھو تو سہی، وہ کیسٹ اسے ملا ہے یا نہیں؟"

میں پارکر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک بڑے سے کیسٹ ریکارڈر کے سامنے بیٹھا سونیا کی آواز سن رہا تھا۔ وہ ریکارڈر کے ذریعے کہہ رہی تھی: "مسٹر وین وائٹز! یہ کیا حرکت ہے؟"

ریکارڈر سے وین وائٹز کی آواز ابھرنے لگی: "جانِ عزیز! یہ عاشقوں کی حرکت ہے۔ میں نے پیرس سے تل ابیب جانے اور وہاں سے واپس آنے کے دوران بارہا اپنی محبت کا اظہار کیا۔ کتنی ہی بار تم سے محبت کی بھیک مانگی لیکن سچ کہتے ہیں، مانگنے سے کچھ نہیں ملتا۔ کبھی کبھی چھین لینا پڑتا ہے۔"

وین وائٹز کی آواز بھاری تھی۔ پتا چل رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ پیے ہوئے ہے۔ سونیا نے کہا: "مسٹر وائٹز! اس وقت آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ بہتر ہے، چلے جائیں۔ ورنہ میں مسٹر پارکر سے شکایت کروں گی۔"

"اب یہاں کوئی نہیں آئے گا .... کوئی تمہاری شکایت نہیں سنے گا۔ سلطانہ! میری بات مان لو تم بہت ذہین

شاطر ہو۔ تاش کی غیر معمولی کھلاڑی ہو۔ میں مسٹر پارکر کا دستِ راست ہوں۔ ہم دونوں مسٹر پارکر کے دو ہاتھ بن کے رہیں گے تو دنیا کا کوئی جواری ہمیں شکست نہیں دے سکے گا۔"

اس کے ساتھ ہی کچھ چیزوں کے گرنے اور ان کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بچنا چاہتی ہو۔ وہ پکڑنا چاہتا ہو اور اسی چوہے بلّی کے کھیل میں چیزیں گرتی پڑتی جا رہی ہوں۔ پھر سونیا کی آواز سنائی دی "مسٹر وائنز! تم یہ بھول رہے ہو کہ میں سرکس میں بازی گر رہ چکی ہوں۔ ابھی کرتب دکھاؤں گی تو تمھارے چھکّے چھوٹ جائیں گے۔ میں تمھیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔ ہوش میں آؤ۔"

"میں ہوش میں ہوں۔ یہ نہ سمجھو کہ زیادہ پی لی ہے تمھارے لیے پی ہے۔ میں اور پیوں گا اور پیتے پیتے تمھاری خاطر جان دے دوں گا۔"

سونیا نے کہا "اب میں سمجھی تم نے جان بوجھ کر ایزل ہارڈی کو مجھ سے الگ کیا ہے ——— شاید تم ہی نے سازش کی اور اس کے سوٹ کیس میں کوئی ایسی چیز رکھوا دی جس کی وجہ سے وہ اسرائیلی قانون کی گرفت میں آگیا۔ میں جے جے پارکر سے تمھاری شکایت کروں گی۔"

"میں تمھیں زندہ ہی نہیں رہنے دوں گا کہ تم مسٹر پارکر سے میری شکایت کر سکو۔"

اس کے بعد پھر چیزوں کے گرنے پڑنے کی آواز سنائی دی اسی دوران وین وائنز کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں کے بعد سونیا کی آواز ابھرنے لگی "مسٹر جے جے پارکر! جس وقت وین وائنز میرے کمرے میں آیا اسی وقت میں نے بھانپ لیا کہ اس کی نیّت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نشے میں چُور تھا اور مجھے بڑی خطرناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کیسٹ کو ریکارڈر میں لگا کر آن کر دیا۔ اب تک آپ وین وائنز کی باتیں بھی سن چکے ہیں اور اس کی حرکتوں کو سمجھ بھی چکے ہیں۔ اس کے بعد کیا توقع کرتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گی؟ ہرگز نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ میں نے وین وائنز کو معمولی سا نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے سر پر ضرب لگائی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ اس کے بعد ہوش میں آ جائے گا لیکن میں کبھی نہیں آؤں گی۔ سو فار، مسٹر جے جے پارکر، سو فار۔"

خاموشی چھا گئی۔ کیسٹ ریکارڈر آن تھا لیکن اب آواز نہیں آ رہی تھی جے جے پارکر نے اسے آف کر دیا۔ وہ غصّے سے جھنجلا رہا تھا اور وین وائنز کے خلاف غصّے سے کھول رہا تھا، جس کی حماقت سے سونیا جیسی سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ پھر مختلف نمبر ڈائل کر کے مختلف لوگوں سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ ان سب کو ہدایات دینے لگا کہ وہ سلطانہ کو تلاش کریں۔ پیرس کے تمام چھوٹے بڑے ہوٹلوں میں اور ایسے مکانوں میں جہاں پے اِنگ گیسٹ رہتے ہیں۔ جو شخص صبح ہونے سے پہلے سلطانہ کو ڈھونڈ نکالے گا، اسے دس ہزار ڈالر انعام دیے جائیں گے۔

ان کے فرشتے بھی سلطانہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ وہ ختم ہو چکی تھی اور سونیا کے چہرے پر ایک نئی عورت طلوع ہو رہی تھی۔ وہ جن دنوں سپر ماسٹر کی تنظیم میں شامل تھی، برسوں پیرس میں رہ کر وہاں کے تمام جرائم پیشہ گروہوں سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ خفیہ سنڈیکیٹ کے افراد کو خوب جانتی اور پہچانتی تھی۔ وہاں کا ایک ایک اسمگلر اس کی یادداشت میں محفوظ تھا۔

ایسے ہی اسمگلروں کا ایک گروہ نیپال جاتا تھا اور وہاں سے چرس لے کر یورپ آتا تھا۔ سونیا کے لیے یہ بہتر موقع تھا کہ وہ اس گروہ میں شامل ہو اور چرس کی اسمگلر بن کر نیپال پہنچ جائے۔ ظاہر ہے مقصد اسمگلنگ نہیں تھا۔ محض چند سہولتیں حاصل کرنے کے لیے اس نے ایک اسمگلر سے رابطہ قائم کیا تھا اور اس سے یہ طے پایا تھا کہ وہ ایک حسین اور ذہین لڑکی انامیریا کے روپ میں اس گروہ کے ساتھ نیپال جائے گی۔ وہ اسمگلر سونیا کی اصلیت کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔ اس اسمگلر کے لیے یہ بڑے فخر اور بڑے اطمینان کی بات تھی کہ سونیا جیسی ہستی ان کی گینگ لیڈر بن کر جا رہی تھی۔

سونیا بڑی تیزی دکھا رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ تم نے کیا چال چلی ہے۔ وین وائنز یقیناً تمھارا دیوانہ تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ خواہ مخواہ تمھارے کمرے میں گھس آتا اور تم وہ ڈراما کرتیں جو کیسٹ کے ذریعے ظاہر ہو رہا ہے۔"

وہ مسکرانے لگی۔ ڈاکٹر شیفرڈ نے کہا "مادام! آپ ذرا بھی نہ مسکرائیں۔ میں اس وقت آخری ٹچنگ کر رہا ہوں۔ چہرے کو بالکل سنجیدہ رکھیں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "سن لیا تم نے؟ ڈاکٹر شیفرڈ مسکرانے سے بھی منع کر رہا ہے۔ یعنی میں اپنی جیت پر خوش بھی نہیں ہو سکتی۔ چلو کوئی بات نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ میں نے جان بوجھ کر وین وائنز کو خوب پلائی تھی اور اسے اپنی طرف یوں مائل کیا تھا کہ وہ دیوانہ وار چلا آیا تھا۔ .... میں

نے پہلے ہی کیسٹ ریکارڈڈ تیار رکھا تھا۔ وہ سارا ڈراما تیار کر لیا اور اس طرح جے جے پارکر کو یہ سمجھا دیا ہے کہ سلطانہ کہیں گم نہیں ہوئی ہے، نہ ہی اس نے جان بوجھ کر اس کا ساتھ چھوڑا ہے۔ بلکہ اس کے دستِ راست وین وائنز کی حماقتوں کے باعث ان سے دور ہو گئی ہے۔ اب جو دور ہو گئی ہے، اسے وہ تلاش کرتے رہیں گے۔"

"تم نے بڑی تیزی سے نیپال جانے کا راستہ بنا لیا ہے۔ اب میری ضرورت تو نہیں رہی؟"

"ایک ضرورت ہے۔ رسونتی سے کہو کہ مجھ سے رابطہ قائم کرے میں جس انامیریا کے روپ میں جا رہی ہوں، وہ کسی حد تک ہندی زبان بولتی ہے۔ میں اردو زبان بول لیتی ہوں۔ ہندی سیکھنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ رسونتی کے ذریعے سیکھ سکتی ہوں بشرطیکہ تم ہماری مدد کرو۔"

"تم چاہتی ہو، میں تمھیں ہپناٹائز کروں۔ جب تم معمول بن جاؤ تو رسونتی تمھارے دماغ میں پہنچ کر ہندی کے اہم الفاظ اور اہم فقرے ذہن نشین کرا دے۔"

"میں یہی چاہتی ہوں۔"

"کیا تم نے مرجانہ سے ملاقات کی؟"

"مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ تم اس سے رابطہ قائم کرو۔"

"بڑی مشکل ہے۔ میں رسونتی بن کر اس کے پاس جاتا ہوں اور وہ نفرت کرنے لگتی ہے۔ بہرحال دیکھا جائے گا۔"

میں رسونتی کے دماغ میں چپکے سے پہنچ گیا۔ وہ فرضی پارس کے پاس لیٹی ہوئی میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی سوچ نے چغلی کھائی کہ وہ ابھی سونیا کے دماغ میں تھی اور ہماری باتیں سن رہی تھی اس سے پہلے بھی وہ دوسرے یہودیوں کے دماغ میں رہ کر، کبھی لیلیٰ کے دماغ میں پہنچ کر میری باتیں سنتی رہی تھی۔ میری مصروفیات کو سمجھتی رہی تھی۔ ابھی اسے معلوم ہوا کہ میں سونیا کو تنویمی عمل کے ذریعے ہندی زبان سکھانا چاہتا ہوں اور اس کے ذریعے رسونتی کا تعاون ضروری ہے تو وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گئی تھی اور میرا انتظار کر رہی تھی۔

میں نے آہستگی سے کہا "تم زیادہ بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ تم سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی ہو۔ ابھی تم سونیا کے پاس تھیں۔ وہاں تم نے اسے مخاطب کیوں نہیں کیا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "فرہاد! لوگ مرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ میں تمھاری ازدواجی زندگی سے مر چکی ہوں۔ میری خطائیں معاف کر دو۔"

"میں کہہ چکا ہوں، میں نے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا۔ اب کیا چاہتی ہو؟"

"تمام ناراضگی دور کر دو۔ کبھی مجھ سے دو باتیں کر لیا کرو۔"

"دو باتیں ہی کر رہا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ آدھے گھنٹے بعد سونیا کا نیا میک اپ مکمل ہو جائے گا۔ وہ سونے جائے گی۔ تم اس کے دماغ میں پہنچ جانا۔ میں تنویمی عمل کروں گا اور تمھاری آواز اسے سناؤں گا۔ وہ معمول بن کر تمھارے احکامات کی پابند رہے گی۔ تم حاکمانہ انداز میں اسے ہندی زبان کے جو فقرے یاد کراؤ گی، وہ انھیں ذہن نشین کر لے گی۔ میں آدھے گھنٹے بعد سونیا کے پاس پہنچوں گا۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ سونیا آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی، لیکن دراصل خود کو نہیں، انامیریا کو دیکھ رہی تھی۔ شیفرڈ اس کے چہرے پر جھکا ہوا محدّب شیشے کے ذریعے چہرے کی ایک ایک تفصیل کو بغور دیکھ رہا تھا۔ کوئی خامی تلاش کر رہا تھا۔ انسان میں کتنی ہی خامیاں ہوتی ہیں۔ عادتاً بھی ہوتی ہیں اور جسمانی طور پر بھی۔ کچھ خامیاں اسے نظر نہیں آتیں اور جو نظر آتی ہیں، وہ سمجھ میں نہیں آتیں۔ سمجھ میں آتی بھی ہیں تو آدمی ان خامیوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ اپنی شخصیت کا ایک بہترین حصہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔

بہرحال انامیریا کے چہرے پر کچھ خامیاں رہ گئی ہوں، تب بھی سمجھ میں نہیں آئیں۔ ویسے وہ چہرہ بظاہر مکمل ہو چکا تھا۔ میں ذرا دیر کے لیے مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی پوچھا "رسونتی! تم پھر آگئیں؟"

اس وقت وہ اپنی امی سائرہ بانو کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ حالانکہ رات زیادہ ہو گئی تھی لیکن مرجانہ کے مستقبل کا مسئلہ تھا۔ بلبا کا انتخاب ہو چکا تھا اور یہی موضوع زیرِ بحث تھا کہ اس کی زندگی بلبا کے ساتھ کس طرح گزر سکتی ہے۔

میں نے کہا "میں تمھاری خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔"

"میں بخیریت ہوں اور اپنے ذاتی مسئلے پر امی سے گفتگو کر رہی ہوں۔ پلیز چلی جاؤ۔"

"تم نے اپنی امی کو میری خیال خوانی کے متعلق بتا دیا ہے؟"

"جب تک تمھاری دوستی یا دشمنی کا مکمل یقین نہیں ہوگا، اس وقت تک یہ بات راز میں رکھوں گی۔ صرف سونیا کو بتاؤں گی۔ اب جاؤ۔"

میں اس کے دماغ سے نکل کر سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت سائرہ بانو کہہ رہی تھیں "بیٹی! میں چاہتی تھی، تمھارا جیون ساتھی سپاہیوں جیسا دلیر اور جواں مرد ہو۔

قدم قدم پر تمہاری حفاظت کر سکے۔ ویسے تم کسی سے کم نہیں ہو۔ بلبا کو دیکھ کر یقین ہو چلا ہے کہ وہ تمہیں دشمنوں کے سائے سے محفوظ رکھ سکے گا لیکن پتا نہیں کیوں، اس میں وہ بات نہیں ہے جو میں چاہتی ہوں۔"

"امی آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں، کیا چاہتی ہیں کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو؟"

"کیا بتاؤں وہ ہر اعتبار سے اچھا ہے لیکن مہذب نہیں ہے۔ تم اسے مہذب بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس میں ایک عرصہ لگے گا۔ پتا نہیں، تب تک میں زندہ رہوں گی یا نہیں؟"

"اللہ تعالیٰ آپ کو میرے سر پر سلامت رکھے۔ آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں؟ آپ صرف بلبا پر تبصرہ کریں۔"

"پہلے تم بتاؤ۔ اپنے آپ کو اچھی طرح ٹٹول کر جواب دو۔ کیا تم پورے یقین کے ساتھ بلبا سے متاثر ہو؟"

وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی پھر اس نے جواب دیا۔ "میں اب تک دو ہی شخصیتوں سے متاثر ہو سکی۔ پہلا فرہاد ہے جس کی صلاحیتوں نے مجھے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ عورت خواہ کتنی ہی شہ زور کیوں نہ ہو کسی نہ کسی مرحلے میں اسے مرد کے آگے جھکنا پڑتا ہے۔"

"کیا بلبا نے تمہیں یہی ثابت کیا ہے؟"

"ثابت تو نہیں کیا۔ البتہ اس کی جنگجو طبیعت نے متاثر کیا ہے۔ میں نے اس مسئلے پر غور کیا تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ ہر شخص فرہاد نہیں ہو سکتا۔ بلبا سے زیادہ جنگجو طبیعت والا کوئی دوسرا جانے کب میری زندگی میں آئے۔ کیوں نہ میں اسے قبول کر لوں۔ بس یہ سوچ کر آپ سے مشورہ کرنے چلی آئی۔"

"تمہاری یہ بات درست ہے، ہر شخص فرہاد نہیں ہو سکتا اسی طرح ہر عورت سونیا اور مرجانہ نہیں ہو سکتی۔ تم دونوں کو فرہاد جیسا ساتھی نہیں مل سکتا اور فرہاد کو تمہاری جیسی دلیر ساتھی نہیں مل سکتی۔ قدرت جس طرح یہ کھیل کھیل رہی ہے، اس کے پیش نظر میں آس لگائے بیٹھی ہوں۔ میں نے بارہا تمہیں فرہاد کے ساتھ دیکھا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی تمہارے ساتھ نہیں جچتا۔ کچھ خیال نہ کرنا۔ میں اپنے دل کی بات کہہ رہی ہوں۔"

مرجانہ نے نظریں جھکا لی تھیں۔ سائرہ بانو کی سوچ کے ذریعے پتا چل رہا تھا کہ اس کا چہرہ تمتمانے لگا ہے۔ جانے وہ کیا سوچ رہی تھی۔ کاش میں اس کے دماغ میں پہنچ سکتا۔ یوں تو پہنچنا مشکل نہ تھا لیکن جو بھی سوچ ہوتی وہ اسے چھپا لیتی۔ اور رسونتی سمجھ کر پھر مجھے دھتکار دیتی۔ عجیب تماشا تھا۔ میں چاہا بھی جاتا تھا اور بھگایا بھی جاتا تھا۔

میں سونیا کے پاس آ گیا۔ وہ اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئی تھی۔ میں نے تنویمی عمل سے پہلے پوچھا: "کیا تمہارے پاس رسونتی موجود ہے؟"

رسونتی کی آواز سنائی دی: "موجود ہوں۔"

میں نے سونیا سے کہا: "تنویمی عمل کے بعد جب تمہاری نیند پوری ہو جائے تو پہلی فرصت میں مرجانہ سے ملاقات کرنا۔ میں اس کے دماغ میں رسونتی بن کر جاتا ہوں تو وہ مجھے قبول نہیں کرتی۔ میں جو بھی مشورہ دوں گا وہ اس پر عمل نہیں کرے گی۔ تمہاری بات مان سکتی ہے۔"

"تم اس سے کیا چاہتے ہو؟"

"اسے ٹارزن بلبا کے ساتھ یونان پہنچنا چاہیے۔ اسے سمجھاؤ کہ رسونتی جو بھی مشورہ دے، وہ اسے قبول کر لے۔ اب وہ ہماری دشمن نہیں ہے۔"

"میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گی۔"

"جب وہ مجھے رسونتی کی حیثیت سے دماغ میں آنے کی اجازت دے گی تو میں خیال خوانی کے ذریعے اسے اور بلبا کو جیسکو رونک پہنچا دوں گا۔ اسے اچھی طرح سمجھا دینا کہ ایک گمنام شخص بہت ہی پراسرار بن کر ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔ وہ خود کو بلیک شیڈ کہتا ہے۔ موجودہ مہم میں مرجانہ کی صرف جنگجویانہ صلاحیتوں کی ہی نہیں بلکہ ذہنی صلاحیتوں کی بھی آزمائش ہے اسے کسی نہ کسی طرح بلیک شیڈ تک پہنچنا ہے۔ میں اس سلسلے میں اس کی مدد کرتا رہوں گا کبھی جسمانی قوتوں کا مظاہرہ کرنا پڑا یا اپالو سے ٹکر ہوئی تو بلبا کو استعمال کیا جائے گا۔ اسے ہر بات اچھی طرح سمجھا دینا۔"

"میں سمجھا دوں گی۔"

اس کے بعد میں نے سونیا پر تنویمی عمل کیا۔ اسے معمول بنانے کے دوران اس طرح ٹرانس میں لاتا رہا کہ وہ رسونتی کی آواز سے متاثر ہوتی رہے۔ رسونتی سوچ کے ذریعے اپنا لب ولہجہ اور اپنی آواز سناتی رہی۔ جب وہ پوری طرح ٹرانس میں آ گئی تو وہ اسے ہندی کے الفاظ اور اہم فقرے ذہن نشین کرانے لگی۔

انامیریا ایک اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ ماں انگریز تھی، باپ ہندوستانی تھا۔ اس رشتے سے وہ ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانی زبان کو کسی حد تک سمجھتی تھی۔ اسی حد تک رسونتی اسے سمجھاتی رہی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد اس نے مجھ سے کہا: "میں نے اپنا کام کر لیا ہے اس سے زیادہ اور کیا بتاؤں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"جو کچھ ذہن نشین کرا چکی ہو، اتنا ہی کافی ہے۔ مزید کچھ سمجھانے کی ضرورت پیش آئے گی تو خیال خوانی کے ذریعے اسے سمجھا سکتی ہو۔"

رسونتی خوش ہو رہی تھی کیونکہ میں براہ راست اس سے گفتگو کر رہا تھا۔۔۔ میں نے سونیا کے دماغ کو ہدایت دی کہ وہ صبح پانچ بجے تک سوتی رہے۔ اس کے بعد بیدار ہو جائے۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ میں بھی سونا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے میں نے اعلیٰ بی بی اور سجاد کی خبر لی۔ وہ دونوں سو رہے تھے۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اپنے دماغ کو سونے اور جاگنے کے متعلق ہدایات دینا چاہتا تھا، اسی وقت رسونتی نے کہا: "تم تھک گئے ہو۔ مجھے اجازت دو، میں تمہارے ذہن کو تھپکتی ہوں۔ بڑے آرام سے سلا دوں گی اور تمہارے جاگنے کا وقت بھی مقرر کر دوں گی۔"

"تم جاؤ اور فوراً ہی سونے کی کوشش کرو۔ کل تمہیں ہزاروں میل کا سفر کرنا ہے۔ بہت محتاط اور حاضر دماغ رہنا ہے۔ میرے پیچھے نہ پڑو۔ پلیز چلی جاؤ۔ میں سو رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے سونے کی کوشش کی۔ اس دوران محسوس کر رہا تھا کہ وہ موجود ہے۔ میں نے کہا: "تم میرے پاس رہو گی تو دماغی طور پر بوجھ محسوس کروں گا اور سو نہ سکوں گا۔"

"اچھا، جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے اپنے بیدار ہونے کا وقت مقرر کیا۔ اور گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

سونیا دوسری صبح چھ بجے مرجانہ کے بنگلے پر پہنچ گئی۔ چوکیدار اسے انامیریا کے روپ میں پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس نے گیٹ پر رکھے ہوئے فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ سائرہ بانو کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے کہا: "میں انامیریا ہوں اور مرجانہ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

مرجانہ بنگلے کی چھت پر یوگا کی مشقیں کر رہی تھی۔ اسے اطلاع ملی تو اس نے وہیں چھت پر رکھے ہوئے ریسیور کو اٹھا کر پوچھا: "تم کون ہو؟ میں کسی انامیریا کو نہیں جانتی۔"

سونیا نے جاپانی زبان میں کہا: "میں سونیا ہوں اور نئے روپ میں آئی ہوں۔"

"کیا واقعی؟ ارے تم سونیا ہو تو وہاں کیا کر رہی ہو؟ اندر چلی آؤ۔"

"تمہارا چوکیدار مجھے اس روپ میں اندر نہیں آنے دے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور چوکیدار کو دیا۔ مرجانہ نے اسے حکم دیا اور اس نے سونیا کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ سائرہ بانو اسے پہچان نہ سکیں۔ اس نے مسکرا کر کہا: "میں سونیا ہوں۔" اس کے باوجود وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ مرجانہ کی آواز سنائی دی: "میں کیسے یقین کروں کہ تم سونیا ہو؟" وہ چھت سے اتر کر کمرے میں آ رہی تھی۔

سونیا نے کہا: "یقین کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ میں نے جاپانی زبان میں تم سے گفتگو کی ہے؟"

"کوئی انامیریا بھی جاپانی زبان بول سکتی ہے اور سونیا کے لہجے کی نقل بھی کر سکتی ہے۔"

"جس طرح یقین کرنا چاہتی ہو کر لو۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"سونیا کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ میرے حملوں کے جواب میں حملے نہیں کرتی ہے۔ بڑی چالاکیوں اور مکاریوں سے اپنا بچاؤ کرتی ہے۔ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی: "اگر میں سونیا ہوں تو ایسا کر سکوں گی۔"

"میں آخری بار تمہیں سمجھاتی ہوں۔ تم انامیریا یا کوئی اور ہو تو میرا ایک ہاتھ برداشت نہیں کر سکو گی۔ وہاں دیکھو، پھلوں کے پاس چاقو رکھا ہوا ہے۔ اپنے بچاؤ کے لیے وہ ہتھیار استعمال کر سکتی ہو۔"

سونیا نے چاقو کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھ کر پھلوں میں سے ایک کیلے کا انتخاب کیا۔ اسے چھیل کر کھاتے ہوئے بولی۔ "میں ہتھیار استعمال نہیں کرتی، شروع ہو جاؤ۔"

مرجانہ تیار ہو گئی۔ دنیا کا کوئی فائٹر ہو، حملہ کرنے سے پہلے پینترا بدلتا ہے۔ مدمقابل تجربہ کار ہو تو وہ پینترا بدلنے والے کے تیور کو سمجھتا ہے کہ وہ کس انداز میں حملہ کرے گا اور اس کے قدم کہاں پڑیں گے۔ ٹھیک اس کے قدم جہاں پڑنے والے تھے، وہاں سونیا نے کیلے کا چھلکا پھینک دیا۔ دوسرے ہی لمحے مرجانہ پھسل کر گرتی ہوئی فرش پر دور تک چلی گئی۔

ٹارزن بلبا چھت سے اتر کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے تالی بجاتے ہوئے کہا: "ایکسیلنٹ! کیا حاضر دماغی ہے۔ اسے کہتے ہیں لڑنے کا فن، حملہ بھی نہیں کیا اور چاروں شانے چت بھی کر دیا۔"

مرجانہ فرش پر چاروں شانے چت پڑی مسکرا رہی تھی اور تعریفی نظروں سے سونیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "میں تسلیم کرتی ہوں، تم میری سونیا ہو۔ آؤ مجھے اٹھاؤ۔"

سونیا ایک قدم ذرا آگے بڑھی۔ پھر یکبارگی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی: "سانپ، سانپ۔۔۔"

وہ مرجانہ کے سر کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ سائرہ بانو نے ممتا کے جذبے سے تڑپ کر چیخ ماری: "میری بچی!"

وہ اگر نہ چیختیں اور اسے جلدی اٹھنے کے لیے نہ کہتیں تب بھی سانپ ایک ایسا موذی دشمن ہے جس پر جوڈو کراٹے کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ تو سیدھا آ کر ڈس لیتا ہے۔ اگر اپنا بچاؤ نہ کیا جائے۔

مجھے کانٹے نظر نہیں آرہے ہیں۔"

"پلیز، مسٹر ہارڈی! کیا تم سنجیدگی سے گفتگو نہیں کر سکتے؟ اب میری سمجھ میں آرہا ہے کہ سلطانہ تمھیں کیوں ٹھوکر مار کر چلی گئی۔ تمھارے ساتھ کوئی عورت خوش نہیں رہ سکتی۔"

"آزمائش شرط ہے۔ میں اپنی تمام بدروحوں کے ساتھ مل کر وعدہ کرتا ہوں، تمھیں خوش رکھوں گا۔"

وہ غصّے سے ناشتا کرنے لگی۔ اب میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے تصویر کی طرف دیکھا۔ لیلیٰ کے دماغ میں جھانک کر اس کا نام معلوم کیا۔ پھر لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، یہ ہتھیاروں کے اسمگلر کرسٹو فریکی کی تصویر ہے۔"

اس نے چونک کر دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا تم کرسٹو فریکی کو جانتے ہو؟"

"نہیں، بس یونہی خیال سا آگیا۔"

"دیکھو! مجھ سے نہ چھپاؤ۔ سچ سچ بتاؤ، اسے کس طرح جانتے ہو؟"

"یہ بڑا مشہور اسمگلر ہے۔ پیرس میں دیکھا گیا ہے۔"

لیلیٰ نے اس فائل سے ایک اور تصویر نکال کر میرے آگے رکھ دی۔ اس وقت تک میں اس کا خیال پڑھ چکا تھا۔ وہ بولی "اب بتاؤ، یہ تصویر کس کی ہے؟"

میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر جواب دیا "یہ کرسٹو فریکی ہے۔ ہتھیاروں کا بہت بڑا اسمگلر۔"

وہ حیرانی سے بولی "کیا تمھارا دماغ خراب ہے؟ یہ تصویر بھی کرسٹو فرکی ہے اور وہ تصویر بھی کرسٹو فرکی، حالانکہ دونوں چہرے مختلف ہیں۔ دونوں کا قد ایک جیسا نہیں ہے۔ جسامت بھی مختلف ہے۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ مختلف نہیں ہیں۔ ایسی درجنوں تصویریں ہیں۔ درجنوں افراد ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن سب کے سب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کرسٹو فریکی ہیں بالکل تمھاری طرح جیسے تم دعویٰ کرتی ہو کہ لیلیٰ ثانی ہو اور اس وقت سارہ آئزک کے روپ میں میرے سامنے بیٹھی ہو۔"

اس نے جلدی سے آس پاس دیکھا، پھر آہستگی سے کہا۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ کسی ملازم نے سن لیا تو؟"

"میں نے آس پاس اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اس لیے راز کی بات زبان پر لا رہا ہوں۔ کہو تو کچھ اور راز و نیاز کی باتیں کروں؟"

وہ سیدھی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ بیزار ہو کر بولی "میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ سنجیدگی سے باتیں کرو۔ مجھے بتاؤ، تم اتنے سارے لوگوں کو کیسے جانتے ہو کہ یہ سب کرسٹو فریکی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟"

"کل رات جب تم مجھے میری خوابگاہ میں چھوڑ کر گئیں اور میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا تو اپنی ایک بدروح کو تمھارے پاس چھوڑ دیا تاکہ وہ تمھاری مصروفیات کے بارے میں مجھے بتاتی رہے۔ تم نے اپنے ہیڈ آفس سے کرسٹو فریکی کی یہ فائل منگوائی تاکہ اس وقت میرے سامنے اس کی تصویریں اور اس کا ریکارڈ رکھ دو۔ جب یہ فائل رات کو تمھارے پاس آئی تو تم نے اس کا مطالعہ کیا۔ یہ تصویریں دیکھیں۔ میری بدروح نے تمھارے اس مطالعے اور تمام تصویروں کے متعلق مجھے پہلے ہی بتا دیا۔ اب یہی باتیں میں تمھیں بتا رہا ہوں۔"

"کیا تمھاری بدروحیں یہ نہیں بتا سکتیں کہ ان میں سے اصلی کون ہے؟"

"میں عمل کروں گا۔ نتیجہ تمھارے سامنے آجائے گا۔"

"کب تک عمل کرو گے؟"

"ایک کپ چائے پینے کے بعد۔"

اس نے ایک پیالی میں چائے انڈیلی اور اسے میری طرف بڑھا دیا۔ میں ہولے ہولے چائے کی چسکی لینے لگا۔ اس نے کہا۔ "جوزف ان دنوں مجاہدین کو ہتھیار سپلائی کر رہا ہے۔ اگر میں اسے قانون کے حوالے کروں گی تو ہتھیاروں کی سپلائی رک جائے گی۔ خواہ مہنگے داموں ہی وہ ہتھیار کیوں نہ مل رہے ہوں، مل تو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، ابھی جوزف کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم چھیڑتی بھی ہو؟"

وہ بے بسی سے ایک گہری سانس لے کر بولی "تم خاموشی سے چائے پیتے ہوئے اچھے لگ رہے ہو۔"

میں چائے پینے لگا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی۔ میں نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ سیکرٹ سروس میں تم لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ دشمن تمھارے مزاج کے خلاف ہو تو اسے کس طرح برداشت کرنا چاہیے۔ کس طرح ہنستے بولتے ہوئے اس سے نمٹنے کی کوشش کرنا چاہیے جبکہ میں دشمن نہیں ہوں۔ تمھارے کام آنے والا ایک مہرہ ہوں۔ میں اتنی دیر سے تمھیں آزما رہا ہوں۔ تم اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ مجھے گہری سنجیدگی سے دیکھنے لگی۔ اس وقت سوچ رہی تھی "واقعی مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں ایزل ہارڈی کو کیوں برداشت نہیں کر رہی ہوں جبکہ مجھے خوش مزاجی سے اس کی ہر بات کو برداشت کرتے ہوئے اپنا کام نکالنا چاہیے۔"

میں نے چائے ختم کی۔ میز پر پڑی ہوئی تمام تصویروں

کو اٹھایا۔ پھر لیلیٰ کو سوچتا ہوا چھوڑ کر خوابگاہ میں آگیا۔ دروازے کو بند کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے ایک تصویر کو اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے وہ تصویر رکھ دی۔ پھر دوسرے شخص کی تصویر اٹھائی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ بھی کرسٹو فریکی ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کچھ معلومات حاصل کیں۔ اس طرح میں یکے بعد دیگرے دس کرسٹو فریکی کے دماغوں میں پہنچ گیا۔ سب کے دماغ نے یہی بتایا کہ وہ اصلی نہیں ہیں، کسی نادیدہ کرسٹو فریکی کے ماتحت ہیں۔ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ جس ملک میں رہ کر کام کریں، وہاں خود کو کرسٹو فریکی کے نام سے متعارف کرایا کریں اور اسی نام سے اپنے شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات بنا کر رکھیں۔ اپنا پیدائشی نام ہمیشہ کے لیے بھول جائیں۔

ان دسوں کرسٹو فریکی نے جو باتیں بتائیں، ان میں سے دو اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ اصل کرسٹو فریکی جس سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے، وہ بیروت کا رہنے والا ہے۔ ان کا ہیڈ آفس بھی وہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ ان دسوں کرسٹو فریکی سے کسی بلیک شیڈو نے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔

بلیک شیڈو کی بات آئی تو میری دلچسپی بڑھ گئی۔ کرسٹو فریکی کے متعلق مشہور تھا کہ وہ مختلف ممالک کے لیے ان کی ضروریات کے مطابق چیزیں اسمگل کرتا ہے یا پھر کوئی خاص معاہدہ کرے اور مال پہنچانے کے سلسلے میں اچھا خاصا معاوضہ ادا کرے تو وہ اسمگلنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ بلیک شیڈو نے ان دسوں کرسٹو فریکی سے معاہدہ کیا تھا اور طے ہوا تھا، اگر وہ فرہاد علی تیمور کے ہمشکل تلاش کریں گے تو وہ فی ہمشکل پچاس ہزار ڈالر ادا کرے گا۔

یہ چونکا دینے والی بات تھی۔ بلیک شیڈو میرے ہمشکل کیوں تلاش کر رہا تھا۔ میری سمجھ میں یہی بات آرہی تھی کہ اُدھر اعلیٰ بی بی اور سجاد کا جو سودا ہو رہا ہے، اس سلسلے میں جب انھیں بولی دینے والوں کے حوالے کیا جائے گا تو بلیک شیڈو سجاد کو غائب کر دے گا اور اس کی جگہ میرے ہمشکل کو پہنچا دے گا۔

عجیب تماشا ہو رہا تھا۔ بلیک شیڈو سجاد کو فرہاد علی تیمور سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی جگہ فرہاد کے کسی ہمشکل کو بولی دینے والوں کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا، اس نے پہلے سے ہی دو چار ہمشکل جمع کر رکھے ہوں اور اب مناسب موقع کا انتظار کر رہا ہو۔

اتنی معلومات حاصل کرنے کے بعد بلیک شیڈو اور دسوں کرسٹو فریکی کے درمیان ہونے والا معاہدہ یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ کیا کرسٹو فریکی اور بلیک شیڈو ایک ہی شخص کے دو نام ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ بلیک شیڈو اپنے ہی ماتحتوں کو کرسٹو فریکی بنا کر انھیں فرہاد علی تیمور کے ہمشکل تلاش کرنے پر آمادہ کر رہا ہو۔ ہر ایک کے لیے فی ہمشکل پچاس ہزار ڈالر کا لالچ دے رہا ہو۔ حقیقت جو کچھ بھی ہو، اب میں کرسٹو فریکی کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے اسی نظریے پر قائم رہنا چاہتا تھا کہ کرسٹو فریکی اور بلیک شیڈو دو مختلف نام ہیں مگر وجود ایک ہے۔

میں تھوڑی دیر تک ان دسوں کرسٹو فریکی کو باری باری ٹٹولتا رہا۔ مزید معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد میں نے جوزف کی تصویر اٹھائی۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے متعلق بھی تفصیلات حاصل کرتا رہا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ لیلیٰ بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی اپنی خوابگاہ میں جا رہی تھی، کبھی میری خوابگاہ کے دروازے کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔ دروازے پر دستک دینا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا، شاید میں پھر سو گیا ہوں۔

آخر اس نے بیزار ہو کر دستک دی۔ میں نے جیسے نیند کے خمار میں ڈوب کر آواز دی "بھئی کون ہے؟ یہاں تو اچھی طرح سونے بھی نہیں دیا جاتا۔"

وہ غصّے سے بولی "لعنت ہے تم پر۔ میں پونے تین گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں اور تم گہری نیند سو رہے ہو۔"

میں نے زوردار آواز میں جماہی لی۔ پھر اٹھ کر دروازے کو کھول دیا۔ وہ مجھے پیچھے کی طرف دھکا دیتے ہوئے کمرے میں آئی۔ میرے بستر کی طرف دیکھا۔ وہاں تصویریں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے تصویروں کو اٹھاتے ہوئے کہا "تم جھوٹے اور دھوکے باز ہو۔ مجھ سے کہا کہ بدروحوں کے ذریعے معلومات حاصل کرو گے اور یہاں آکر سو رہے تھے۔"

"تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہو۔ کیا مرچیں زیادہ کھاتی ہو؟"

"بکواس مت کرو۔"

"بکواس تم کر رہی ہو۔ میں جب سوتا ہوں تو میری بدروحیں اپنا کام دکھاتی ہیں۔ ساری معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔"

وہ ایک دم سے ٹھنڈی پڑ گئی۔ اس نے پوچھا "کیا واقعی؟"

"جاؤ، ہم نہیں بولتے۔"

میں منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ وہ یک بیک ہنسنے لگی "تم کمال کے آدمی ہو۔ غصّہ بھی دلاتے ہو اور ہنساتے بھی ہو۔"

یہ کہتے ہی اس نے چونک کر میرے سوٹ کو بغور دیکھا۔ اس میں کہیں شکن نہیں تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا، میں اب تک بیٹھا ہوا تھا۔ نیند میں نہیں تھا۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے

پوچھا "عقل آگئی؟ یہودیوں کی سیکرٹ سروس میں تمھارے جیسی بے وقوف لڑکیاں ہوتی ہیں۔ کوئی کہہ دے کہ کوّا کان لے گیا ہے تو اپنے کان کو بھول کر کوّے کو دیکھا جاتا ہے۔ تم سے کہا گیا کہ میں سو رہا ہوں، تم نے یقین کر لیا۔ اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو میرے سوٹ کو اور میرے حلیے کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتیں "۔

وہ ندامت سے بولی "سوری، میں دراصل ایسی نہیں ہوں۔ تم یہاں خوابگاہ میں آئے تو میں وہاں بیٹھ کر اپنا تجزیہ کرتی رہی۔ مجھ میں چڑچڑا پن کیوں پیدا ہو گیا ہے۔ تب ایک بات سمجھ میں آئی۔ آج تک مجھ سے کسی نے عشق کا اظہار نہیں کیا، زندگی میں پہلی بار تم نے ایسی باتیں کہہ دیں جو سراسر میرے مزاج کے خلاف تھیں۔ میں کبھی کسی کو آئیڈیل بنانے کے متعلق سوچ ہی نہیں سکتی۔ اگر میں فرہاد کو آئیڈیل کہتی ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں "۔

"لیلیٰ! میں تمھیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں۔ جو بات تمھارے مزاج کے بالکل خلاف ہو، اسے برداشت کرنا سیکھ لو تو ایک کامیاب سیکرٹ ایجنٹ بن سکتی ہو، ورنہ میں تو دوست ہوں۔ مجھ جیسے بہتیرے چالاک دشمن اور دوست تمھاری زندگی میں آئیں گے جو تمھارے مزاج کے خلاف تمھیں بھڑکائیں گے اور تم غصے کی حالت میں اپنی حاضر دماغی بھول جایا کرو گی۔ زندگی کے ہر مرحلے پر اور خصوصاً اپنے مقابل کے سامنے حاضر دماغ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھا جائے۔ ہر وہ بات برداشت کی جائے جو برداشت نہ ہو سکے۔ آؤ ہم ڈرائنگ روم میں چل کر باتیں کریں۔ وہاں میں تمھیں جوزف وغیرہ کے متعلق بتاؤں گا "۔

وہ چپ چاپ میرے پیچھے چلی آئی۔ میں ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ کھڑی رہی۔ میں نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ "۔

وہ ایک صوفے کے ہتھے پر بیٹھتے ہوئے بولی "مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم مجھے میرے دماغ کی اور میری نفسیات کی گہرائیوں تک جانتے اور سمجھتے ہو اور مذاق ہی مذاق میں مجھے بہت کچھ سمجھا رہے ہو۔ بھلا تمھیں مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ تم مجھے ایک مکمل سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے دیکھو، لیکن تمھاری دلچسپی میں خلوص ہے، ایسی محبت ہے جو ایک استاد کو اپنے شاگرد سے ہوتی ہے۔ تم مجھے کچھ بنانا اور سنوارنا چاہتے ہو۔ کیا میں غلط سمجھ رہی ہوں؟"

"تم سمجھ دار ہو۔ بھلا غلط کیسے سمجھ سکتی ہو؟ اب جوزف کے متعلق سنو۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے، جہاں وہ تمام ہتھیار چھپا کر رکھتا ہے "۔

"یعنی ہم جب چاہیں وہاں سے تمام ہتھیار سمیٹ کر مجاہدین تک پہنچا سکتے ہیں یا مجاہدین کو ہی اس جگہ کا پتا بتا کر تمام ہتھیار غائب کر سکتے ہیں "۔

"یہ کام تو بہت آسان ہے۔ تم بتاؤ کیا ہونا چاہیے؟"

میرے سوال پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا "میں سمجھ گئی، تم میری ذہانت کا امتحان لے رہے ہو۔ ذرا ایک منٹ "۔

اس نے چند لمحوں تک سوچا۔ پھر کہا "جہاں ہتھیار چھپا کر رکھے گئے ہیں، انھیں وہیں رہنا چاہیے۔ ہم وہ سب کچھ ایک بار سمیٹ کر لے جا سکتے ہیں۔ دوسری بار وہ جگہ بدل دے گا۔ تم ساتھ رہو گے تو ہمیں دوسری جگہ کا بھی علم ہو جائے گا لیکن ہمیشہ تمھارا ساتھ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ایسا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے، جس کے ذریعے آئندہ بھی جوزف کو کمزور بنا کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے "۔

"شاباش۔ اسی لائن پر سوچو "۔

وہ چٹکی بجا کر بولی "سوچنے کے لیے رہ کیا گیا ہے؟ کوئی گمنام ہستی جوزف کے دماغ میں یہ بات بٹھا دے کہ وہ اس کے اس راز سے واقف ہے، اس کا مال کہاں چھپایا جاتا ہے، وہ کس طرح مال لاتا ہے اور سپلائی کرتا ہے۔ یہ سارے طریقے اس گمنام ہستی کو معلوم ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی آمدنی کا نصف حصہ اسے دے دیا کرے۔ انکار کی صورت میں دستاویزی اور تصویری ثبوت حکومت کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے اور غدار کی موت کتنی عبرت ناک ہوتی ہے، وہ یہودی خوب سمجھتا ہے "۔

میں نے لیلیٰ کی تائید کی اور اسے جوزف کے متعلق تفصیل سے بتایا کہ کس طرح مال لبنان کی سرحدوں سے آتا ہے اور جوزف انھیں کہاں چھپا کر رکھتا ہے پھر کس طرح وہ ہتھیار وہاں سے نکال کر فروخت کرتا ہے اور ان کی چار گنا قیمت وصول کرتا ہے۔

لیلیٰ نے تمام باتیں اچھی طرح سننے کے بعد ریسیور کو اٹھایا اور نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد جوزف سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا "ہیلو جوزف! کیا تم مجھے آواز سے پہچان سکتے ہو؟"

"سوری مس یا مادام! پہیلی نہ بجھوائیں۔ اپنا نام اور کام بتائیں۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں "۔

"لیلیٰ ثانی کا نام سن کر تمھاری ساری مصروفیات ختم ہو جائیں گی"۔

دوسری طرف ذرا چپ لگ گئی۔ میں جوزف کے دماغ میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے اور وہ گم صم ہو کر سوچ رہا تھا یہ بلا اس کے پیچھے کیسے پڑ گئی۔ پھر اس نے ذرا ڈھیٹ بن کر پوچھا "کون لیلیٰ ثانی؟ تم کون ہو؟ کیا کہہ رہی ہو؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ سیدھی طرح کام کی بات کرو۔ ورنہ میں ریسیور رکھتا ہوں "۔

"جس ہاتھ سے ریسیور رکھو گے، اس ہاتھ میں قانون کی ہتھکڑی پڑ جائے گی۔ میں تمھارے وہ سارے خفیہ اڈے جانتی ہوں، جہاں تم ہتھیار چھپا کر رکھتے ہو۔ میں وہ راستے بھی جانتی ہوں، جہاں سے وہ ہتھیار آتے ہیں اور مجاہدین تک پہنچائے جاتے ہیں "۔

لیلیٰ ان جگہوں کے نام بتانے لگی، جہاں ہتھیار چھپا کر رکھے گئے تھے اور اسمگلنگ کا طریقۂ کار بھی بتانے لگی۔ جوزف سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریسیور کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں نے تمھارا نام سنا ہے۔ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟"

"جو مجاہدین کا خون چوستے ہیں، میں ان کا لہو نچوڑنے کے لیے پہنچ جاتی ہوں "۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں دشمنوں کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلتی ہوں۔ جب معلوم کر لیتی ہوں تو اچھی خاصی قیمت وصول کرتی ہوں "۔

"میں کوئی سرمایہ دار نہیں ہوں۔ محنت سے کماتا ہوں "۔

"بکواس مت کرو۔ مجھے معلوم ہے، اس وقت تمھارے ملکی بنک اکاؤنٹ میں بائیس ہزار ڈالر جمع ہیں۔ بیروت کے ایک بنک میں تمھارے ایک لاکھ پچیس ہزار ڈالر ہیں اور یہاں تم نے کالے دھن کے طور پر تقریباً ستّر ہزار ڈالر چھپا رکھے ہیں۔ جو کالا دھن تم نے سرکار سے چھپا رکھا ہے، وہ مجھے دے دو۔ باقی تمھارا "۔

وہ جیسے چیخ پڑا "نہیں، نہیں، ستّر ہزار ڈالر بہت ہوتے ہیں۔ میں مر جاؤں گا۔ میں اتنی رقم نہیں دے سکتا "۔

"نہیں دو گے تو تمھاری ساری رقم، جو بنکوں میں ہے، وہ ڈوب جائے گی۔ تم سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے۔ وہاں غداروں کو کیسی کیسی اذیتیں دی جاتی ہیں، تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اتنا سمجھ لو کہ تمھیں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ زندہ رکھا جائے گا۔ جب تم ہوش میں آؤ گے پھر اذیتیں دی جائیں گی۔ تم نیم مُردہ ہو جاؤ گے، پھر تمھیں ہوش میں لایا جائے گا۔ دوائیں دی جائیں گی۔ تمھارا علاج کرایا جائے گا اور پھر تمھیں اذیتیں دی جائیں گی۔ سوچو کہ وہ کیسی زندگی ہو گی۔ تم موت کی تمنا کرتے رہو گے، مگر موت نہیں ملے گی اور تمھاری جمع کی ہوئی ساری دولت حکومت کی تحویل میں چلی جائے گی۔ بیروت میں جو کثیر رقم جمع کر رکھی ہے وہ بھی تمھارے کسی کام نہیں آئے گی۔ سوچ لو اچھی طرح سوچ لو "۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا تمھیں میرے ملکی اور غیر ملکی بنک اکاؤنٹ کا حساب کیسے معلوم ہو گیا؟ میری خفیہ دولت کے متعلق میری گھر والی بھی نہیں جانتی، تم کیسے جان گئیں؟"

"میں فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد تمھارا جواب سنوں گی۔ میرے فون کا انتظار کرتے رہنا۔ اگر تم نے ستّر ہزار ڈالر ادا نہ کیے تو آج شام تک تمھارا جو حشر ہو گا اسے دیکھ کر دوسرے غدار کان پکڑیں گے۔ توبہ کریں گے اور ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں گے "۔

لیلیٰ نے ریسیور رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں جوزف کا ردِ عمل معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے سامنے خیال خوانی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا "تم نے پہلی ہی بار بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا ہے۔ بہرحال اسے ادا کرنا ہی ہو گا۔ اس کے سامنے کوئی راہِ فرار نہیں ہے "۔

پندرہ منٹ کے بعد اس نے ریسیور اٹھا کر جوزف کے نمبر ڈائل کیے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بے چینی سے ٹیلیفون کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی اٹھ رہا تھا، کبھی بیٹھ رہا تھا، کبھی ٹہل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ستّر ہزار ڈالر یکمشت اس کے ہاتھ سے نکلنے والے تھے۔ اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اب تب میں گر پڑے گا اور ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو جائے گا۔

لیکن وہ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا "نہیں، میں زندہ رہوں گا۔ میں لیلیٰ ثانی کو سمجھ لوں گا لیکن ابھی تو اس کا مطالبہ پورا کرنا ہو گا ورنہ شام تک وہ مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گی "۔

ایسا سوچنے کے دوران ہی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی۔ وہ ایک دم سے اچھل پڑا۔ جیسے کسی نے موت کا الارم سنا دیا ہو۔ وہ ذرا دیر فون کو وحشت زدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ کانپتے ہوئے لہجے میں پوچھا "کون ہے؟"

"تمھاری موت "۔

"دیکھو، تم مجھ پر زیادتی کر رہی ہو۔ ستّر ہزار ڈالر بہت ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ تم میرا کیا بگاڑ لو گی؟ کیا ثبوت ہے تمھارے پاس؟"

"تم انتظار کرو۔ ابھی یہاں کے انٹیلی جنس والے تمھارے خفیہ اڈوں پر پہنچ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم دکان سے نکل کر اپنے گھر جاؤ اور اپنی تجوری سے وہ خفیہ کاغذات کہیں دوسری جگہ لے جا کر چھپاؤ، جن کے ذریعے تمھارے بیروت کا بنک اکاؤنٹ ظاہر ہوتا ہے اور ۔ ۔ ۔ "۔

وہ آگے نہ بول سکی۔ جوزف نے گڑگڑا کر کہا "بس کرو۔

میں سمجھ گیا۔ تم چڑیل ہو۔ تم میری تجوری کے اندر تک پہنچ جاتی ہو۔ تم میرے دماغ کے اندر پہنچ کر میرا وہ راز معلوم کرلیتی ہو جو میں نے سگی اولاد کو بھی نہیں بتایا۔ اپنی شریکِ حیات کو بھی نہیں بتایا۔ میرا بس چلے تو میں اپنا راز اپنے آپ سے بھی چھپاؤں لیکن تم کون ہو؟ کیسے یہ تمام راز معلوم کرلیتی ہو؟"

"یہ غیر ضروری سوالات ہیں۔ میرا مطالبہ؟"

"میں پورا کروں گا۔ بولو، وہ رقم کیسے ادا کروں؟ کہاں ادا کروں؟"

"جیبہ الخیری کو سب جانتے ہیں۔ تم بھی جانتے ہو، تم امریکی ڈالر کی صورت میں رقم اس کے حوالے کرو گے۔ وہ رقم گننے کے لیے وہاں نہیں بیٹھے گی، اپنے ساتھ لے جائے گی۔ اگر اس میں کمی ہوئی یا جعلی نوٹ ہوئے تو تم اپنا انجام نہ بھولنا۔ اب بتاؤ، جیبہ الخیری کو تمہارے پاس کس وقت پہنچنا چاہیے؟"

اس نے ایک ذرا تامّل کے بعد کہا "ایک گھنٹے بعد۔"

لیلیٰ نے ریسیور رکھ دیا۔ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ٹھٹک گئی۔ کیونکہ میں صوفے پر پلتھی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ میرے دیدے پھیل گئے تھے اور میں خلا میں تک رہا تھا۔ اس کی سوچ نے کہا "شاید مسٹر ہارڈی، کالا عمل کر رہے ہیں۔ جوزف کے متعلق مزید معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ مجھے مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

میں یہی چاہتا تھا۔ اس وقت جوزف کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ دکان اپنے ملازم کے حوالے کرکے کار میں تیزی سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ لگا رہا۔ گھر پہنچ کر اس نے بیڈروم کا دروازہ بند کیا۔ پھر اپنی تجوری کھولی۔ اس میں سے وہ کاغذات نکالے جن کے ذریعے بیروت کا بنک اکاؤنٹ ظاہر ہو سکتا تھا۔ اس نے تجوری کو بند کیا۔ اس کے بعد اپنے پلنگ کے پاس آکر فرش پر بیٹھ گیا۔ سرہانے، جہاں تکیہ رہتا تھا، ٹھیک اس کے نیچے ایک بٹن تھا۔ اس نے بٹن کو دبایا۔ پلنگ کے نیچے سے ایک چھوٹی سی دراز سرکتی ہوئی یوں باہر نکلی جیسے الماری کی کسی دراز کو کھولا گیا ہو۔ اس کے اندر بہت سے کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

اس کی سوچ نے بتایا کہ وہاں کاغذات اور کچھ ایسی تصویریں رکھی ہیں، جو اس کی ملک دشمنی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ماضی میں بھی اس نے حکومت کے خلاف ایسے کام کیے تھے، جن کا ثبوت کرسٹوفر میکی کے پاس تھا۔ اس کی چند کاپیاں اس نے پلنگ کے نیچے چھپا رکھی تھیں۔ کرسٹوفر میکی نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ ان چیزوں کو تباہ نہ کرے۔ اگر تباہ کرے گا تو کرسٹوفر کے پاس جو اصلی دستاویزات اور تصویروں کے نگیٹو ہیں، وہ ان کے ذریعے اس کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔

جوزف نے بنک اکاؤنٹ کے کاغذات اسی دراز میں رکھ دیے۔ پھر اسے پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ لیلیٰ ثانی نے فون کے ذریعے اس کی جتنی خفیہ باتوں کو ظاہر کیا تھا، ان میں اس بات کا ذکر نہیں تھا کہ اس نے پلنگ کے نیچے بھی کچھ دستاویزات اور کچھ تصویریں چھپا رکھی ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے معلومات حاصل کرنے کے دوران کچھ باتیں رہ جاتی ہیں۔ جو بات رہ گئی تھی، وہ اب معلوم ہو چکی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا، جیبہ الخیری آئے گی تو اسے پانچ ہزار ڈالر دے کر رخصت کرے گا اور لیلیٰ ثانی کے نام پیغام بھیجے گا کہ یہ پانچ ہزار محض دوستی اور سمجھوتے کے طور پر دیے جا رہے ہیں ورنہ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ زیادہ سے زیادہ ان اڈّوں پر چھاپا مار سکتی ہے، جہاں وہ ہتھیار چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ ہتھیار جوزف کی تحویل میں رہتے ہیں۔ کسی غدّار کے ہو سکتے ہیں اور جوزف غدّار نہیں ہے۔

میں نے یہ تمام باتیں لیلیٰ کو بتائیں۔ اس نے ریسیور اٹھا کر اس کے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ میں جوزف کے دماغ میں پہنچ گیا۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کی بیوی نے ریسیور اٹھایا پھر آواز دی "جوزف! تمہارے لیے فون ہے۔"

وہ اپنے کمرے سے باہر آیا۔ پھر فون کے پاس پہنچ کر اس نے ریسیور کو ہاتھ میں لیا۔ کان سے لگا کر آواز سنی تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لیلیٰ ثانی اسے وہاں فون کرے گی۔ اس نے ناگواری سے کہا "میں کاروباری باتیں اپنے گھر پر نہیں کرتا۔ پھر ہمارے درمیان معاملات طے ہو چکے ہیں۔ جب جیبہ آئے گی تو میں اسے پانچ ہزار دے دوں گا۔"

"یہودی بنیے! میں تجھے اچھی طرح جانتی ہوں۔ اب سچ مچ تیری شامت آگئی ہے۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ صرف میرے دو اڈّوں پر چھاپے مار کر ہتھیار حاصل کر سکتی ہو۔ میرا تھوڑا نقصان ہوگا لیکن میں ستّر ہزار ڈالر کے نقصان سے بچ جاؤں گا۔ وہ ہتھیار جو تمہیں حاصل ہوں گے، ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"مکّار یہودی! تو سمجھتا ہے، تجوری سے ایک بنک اکاؤنٹ کے کاغذات نکال کر پلنگ کے نیچے خفیہ خانے میں رکھ دے گا تو لیلیٰ وہاں تک نہیں پہنچ سکے گی؟ میں ان تمام تصاویر اور دستاویزات تک پہنچ گئی ہوں، جو تیری بنیادی کمزوری ہیں اور

جن کے ذریعے کرسٹوفر میکی تجھے بلیک میل کرتا ہے۔"

یکلخت جوزف کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ اس کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی لیلیٰ اس خفیہ مقام اور اس میں محفوظ رازوں سے واقف ہو جائے گی۔ ابھی اسے کاغذات خفیہ دراز میں منتقل کیے دیر ہی کتنی ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی آ سکتی تھی۔

ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹنے کے بعد میز پر سے نیچے جھول رہا تھا اور لیلیٰ کی آواز سنائی دے رہی تھی "ہیلو جوزف ہیلو۔"

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور کو تھام لیا۔ اسے کان سے لگا کر بولا "تم کوئی زندہ ہستی نہیں ہو۔ میں یقین سے کہتا ہوں، تم کوئی بدروح ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ اب بتاؤ کیا کہتے ہو؟"

"میں زندوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں، کسی بدروح سے نہیں کر سکتا۔ جیبہ کو بھیج دو۔ میں دکان پر جا رہا ہوں۔ وہاں اسے رقم دے دوں گا۔"

لیلیٰ نے رابطہ ختم کرنے کے بعد دوسرے نمبر ڈائل کیے۔ اس نمبر کے ذریعے وہ مجاہدین سے رابطہ قائم کرتی تھی۔ فون کے ذریعے اسرائیلی انٹیلی جنس والے خفیہ گفتگو سن سکتے تھے۔ لہٰذا اس نے کوڈ ورڈز کے ذریعے پیغام ارسال کیا کہ جیبہ کو جوزف کی دکان پر بھیجا جائے۔ وہاں سے مجاہدین کو بہت کچھ حاصل ہوگا۔

انھیں پیغام دینے کے بعد لیلیٰ نے مجھ سے کہا "جوزف کا معاملہ طے ہو گیا۔ اب وہ ہماری مٹھی سے نہیں نکل سکے گا۔ اس کے بعد دو اہم باتیں رہ گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم کس طرح اصلی کرسٹوفر میکی تک پہنچ سکتے ہیں؟ دوسرے، میں یہودی حکام کو کس طرح مطمئن کر سکتی ہوں کہ ان کے مفاد کے لیے کام کر رہی ہوں، کاہدین کا محاسبہ کر رہی ہوں اور اس اسمگلر تک پہنچ رہی ہوں جو ہتھیار سپلائی کر رہا ہے۔"

دس کرسٹوفر میکی کی تصویریں دیکھنے اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اصل کرسٹوفر میکی کوئی بھی ہے، وہ بیروت میں رہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بیروت جانا چاہیے۔ رہ گئی یہ بات کہ تم اپنے یہودی حکام کو کس طرح مطمئن کرو گی، اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو ہمارے دشمن ہیں، انھیں ایسے الزامات میں ملوث کرو کہ وہ حکومت کے غدّار ثابت ہوں۔ جوزف تمہارا مطالبہ پورا کر رہا ہے، لہٰذا اس کی حفاظت کی جائے۔ اس طرح ابتدائی طور پر سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے تم اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کر سکو گی۔ جوزف کا کوئی ماتحت ہی نہیں، کچھ اور لوگوں کو بھی ہم گرفتار کرائیں گے۔ آج رات تک تمہارے تمام اعلیٰ افسران ... بات، حاضر دماغی اور تیز رفتاری کو تسلیم کریں گے کہ تم دیکھتے ہی دیکھتے دشمنوں کی شہ رگ تک پہنچ جاتی ہو۔ جب وہ تسلیم کریں گے تو تمہیں بیروت جانے کی بھی اجازت دے دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "میری بڑی تمنّا ہے کہ میں اس ملک سے باہر نکلوں۔ بیرونی ملکوں میں جا کر تجربات بھی حاصل کروں اور اپنا کوئی کارنامہ بھی انجام دوں۔"

"انشاءاللہ، ہم کل تک بیروت جائیں گے۔ تمہاری خواہش پوری ہوگی۔ اب میں ذرا آرام کرنے جا رہا ہوں۔ کچھ ضروری معلومات حاصل کروں گا، پھر تم سے لنچ کے وقت ملاقات کروں گا۔"

میں اپنی خوابگاہ میں آگیا۔ سب سے پہلے میں نے کابال تنظیم کے سربراہ ری مونڈیل کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ پتا چلا، جسے پار کرنے میرا مطالبہ کیا ہے۔ ری مونڈیل نے متعلقہ افسران سے میرے سلسلے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ پھر حکم دیا تھا کہ ایزل ہارڈی کو فوراً اپنے وطن جانے کی اجازت دی جائے۔

میں نے سیکرٹ سروس کے چیف کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ پریشان تھا۔ یہ بتا نہیں سکتا تھا کہ ایزل ہارڈی ان کے لیے کتنا مفید ہے۔ اسے روکنا ضروری ہے لیکن وہ روک نہیں سکتا تھا۔ میں نے خیال خوانی ذرا دیر کے لیے ختم کی۔ پھر اپنے کمرے سے نکل کر لیلیٰ کے پاس پہنچا۔ اسے بتایا کہ میرے متعلق یہاں کس قسم کے فیصلے ہو رہے ہیں۔ وہ پریشان ہو کر بولی "کیا ایسے وقت تم ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"تمہارے اعلیٰ حکام نے اجازت دے دی ہے۔ میرے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ویسے میں تمہارے کام آؤں گا۔ یہاں سے دور جانے کے باوجود میری بدروحیں تم سے دور نہیں رہیں گی۔ میں جب چاہوں گا، تمہیں ان کے ذریعے معلومات فراہم کرتا رہوں گا اور تمہاری رہنمائی بھی کرتا رہوں گا۔"

پھر میں نے اسے بتایا کہ وہ کس طرح چیف سے ابھی فون کے ذریعے رابطہ قائم کرکے گفتگو کر سکتی ہے اور خود اپنے لیے بیروت جانے کی راہ ہموار کر سکتی ہے۔ میری ہدایت کے مطابق اس نے ریسیور اٹھا کر چیف کے نمبر ڈائل کیے۔ پھر رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا "سر! ابھی ہارڈی نے بتایا ہے کہ اس کی بدروحیں آپ کے پاس تھیں اور انھوں نے وہ تمام معلومات حاصل کی ہیں جو ایزل ہارڈی کو یہاں سے جانے کی اجازت دینے کے سلسلے میں ہیں۔"

"مس سارہ! کیا تم کسی طرح اسے جانے سے نہیں روک سکتیں؟"

"روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ

سیدھا پیرس نہیں جائے گا بلکہ بیروت پہنچ کر اپنا سفر ملتوی کر دے گا۔ سر! وہاں میں پہنچ جاؤں تو ایزل ہارڈی کے ساتھ مل کر اصلی کرسٹوفر میکی کو بے نقاب کر سکتی ہوں۔ کیا مجھے بیروت جانے کی اجازت مل جائے گی؟"

چیف نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "تم ابھی طالبہ ہو۔ تنہا جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ البتہ میں کسی تجربہ کار ایجنٹ کے ساتھ تمھیں بھیجنے کی اجازت حاصل کر سکتا ہوں۔"

"سر! یہی سہی۔ کسی کے ساتھ بھی چلی جاؤں گی لیکن میرا بیروت پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔ مسٹر ہارڈی سے کہہ دو، آج ہی ان کے لیے کسی طیارے میں سیٹ ریزرو کر دی جائے گی۔"

"سر! کسی ایسے طیارے میں انھیں روانہ کیا جائے جو بیروت ہو کر پیرس جاتا ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

لیلیٰ نے ریسیور رکھ کر مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا پھر کہا۔ "حالات ہمارے موافق ہیں۔"

"کچھ اور موافق کرنا ہوگا۔ آج رات تک تم چھوٹے بڑے کارنامے انجام دیتی رہو گی۔ اپنے افسران کو متاثر کرتی رہو گی۔ مجھے اس کرسٹوفر کی تصویر دو، جو ان دنوں بیروت میں رہتا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گئی۔ سیکرٹ سروس کی جو فائل اپنے گھر لائی تھی، اس میں دس کرسٹوفر کی تصویریں تھیں اور ہر کرسٹوفر کی تصویریں تین مختلف زاویوں سے کھینچی گئی تھیں تاکہ ان چہروں کو مختلف زاویوں سے دیکھا اور پرکھا جا سکے۔

اس نے تین زاویوں سے کھینچی ہوئی میری مطلوبہ تصویریں لا کر سامنے رکھ دیں۔ میں نے انھیں دیکھا۔ پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ان کی دوسری کاپیاں بنوا دو۔ مجھے ضرورت ہے۔"

"آدھے گھنٹے میں یہ تصویریں مل جائیں گی۔"

میں پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ دروازے کو بند کرنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر شیفرڈ کے پاس پہنچ گیا۔ میرے مخاطب کرتے ہی اس نے خوش ہو کر کہا "فرہاد! تم ایسے غائب ہوتے ہو کہ جھوٹے منہ پوچھتے بھی نہیں۔"

"کیا کروں، بہت مصروف رہتا ہوں۔ جب ضرورت ہوتی ہے، تب ہی یاد کرتا ہوں۔ چاہے اس سلسلے میں آپ مجھے خود غرض کہہ لیں۔"

"میں تمھیں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ تم خود غرض نہیں ہو سکتے۔ بہر حال کام بتاؤ۔"

"آپ نے سونیا کو انا میریا بنا دیا ہے۔ اب مجھے بھی کچھ بنانا ہے۔"

"اچھا تو ایزل ہارڈی کو ختم کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں، لیکن میں پیرس نہیں آنا چاہتا۔"

"پھر؟"

"کیا آج رات آپ بیروت آ سکتے ہیں؟"

وہ سوچنے لگا۔ دوسرے دن وہ کسی شخص کی سرجری کرنے والا تھا۔ میں نے کہا "میں آپ کی سوچ پڑھ رہا ہوں۔ آپ کل مصروف ہوں گے۔"

"میں کل کے بجائے پرسوں اس کی سرجری کر سکتا ہوں۔ بہر حال آج رات بیروت پہنچ جاؤں گا۔ نہ پہنچ سکا تو صبح ضرور آؤں گا اور سرجری کے سازوسامان کے ساتھ آؤں گا۔ بائی دی وے، تمھارے ذہن میں کوئی نیا چہرہ ہے؟"

"چہرہ نیا تو نہیں پرانا ہے۔ ایک بہت ہی پُراسرار مجرم ہے میں عارضی طور پر اس کا چہرہ اپنانا چاہتا ہوں۔"

"اس کا نام؟"

"کرسٹوفر میکی۔ گیارھواں کرسٹوفر میکی۔"

❋

طیارے کی محدود فضا یوڈی کلون کی خوشبو سے بسی ہوئی تھی۔ ماحول بڑا ہی پُرسکون تھا۔ ایئر ہوسٹس مسافروں کی خدمت کر رہی تھی اور ان کی ضرورت کے مطابق پوچھتی جا رہی تھی۔ ایک ایئر ہوسٹس نے رسونتی سے پوچھا "کیا میں بچے کے لیے دودھ لے آؤں۔ یہ رو رہا ہے۔"

رسونتی نے فرضی پارس کو تھپکتے ہوئے کہا "شکریہ، یہ صرف ماں کا دودھ پیتا ہے۔"

ایئر ہوسٹس چلی گئی۔ رسونتی نے پارس کو چپ کرا لیا۔ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ باہر بادل ہی بادل نظر آ رہے تھے۔ اس کے پاس والی سیٹ پر ایک بوڑھی انگریز عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلی دو سیٹوں پر ایک ادھیڑ عمر کا مرد اور ادھیڑ عمر کی عورت، میاں بیوی کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں سیکرٹ سروس کے ایجنٹ تھے۔ رسونتی کی نگرانی اور حفاظت پر مامور کیے گئے تھے۔ اگلی دو سیٹوں پر ایک نوجوان مرد، ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کزن کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ بھی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتے تھے۔

رسونتی کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے خیال خوانی کے ذریعے سونیا کو اپنی خیریت کی اطلاع دے رہی تھی۔ اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے ان سیکرٹ ایجنٹوں کے متعلق بتا رہی تھی۔ سونیا نے پوچھا۔ "وہ عورت جو سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے تمھارے پیچھے بیٹھی ہے

وہ تمہارے ساتھ بھی بیٹھ سکتی تھی؟"
"ان کا اپنا طریقۂ کار ہے۔ وہ مجھ سے الگ تھلگ ہیں۔ کسی کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے۔"
سونیا نے پوچھا۔"وہ بوڑھی انگریز عورت جو تمہارے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے، کیا نیپال تک جائے گی؟"
"یہ الفقرہ تک جا رہی ہے۔"
گویا الفقرہ پہنچنے تک رسونتی کے آس پاس کوئی تبدیلی آنے والی نہیں تھی۔ اس کی بوڑھی ہمسفر کے بعد وہاں کوئی نیا مسافر ساتھ والی سیٹ پر آسکتا تھا۔ ایسے وقت سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر جو عورت پیچھے بیٹھی ہوتی تھی، وہ رسونتی کے پاس آ کر بیٹھ جاتی کیونکہ رسونتی کسی غیر مرد کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتی تھی اور اگر کوئی خاتون مسافر آتی تو سیکرٹ ایجنٹوں کی پلوزیشن وہی رہتی جو اس وقت تھی۔
سونیا نے کہا۔"الفقرہ پہنچنے کے بعد جب کوئی نیا مسافر تمہارے پاس آئے تو خیال خوانی کے ذریعے تفصیلی معلومات حاصل کر لینا۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو تو پہلی فرصت میں مجھے اطلاع دینا۔"
"اتنی بڑی دنیا میں ایک تم ہی تو اپنی رہ گئی ہو۔ تمہیں اطلاع نہیں دوں گی تو میرا کون سننے والا ہے۔"
اس کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اگر چاہتا تو سونیا کو مخاطب کر سکتا تھا لیکن میں نے مداخلت نہیں کی۔ اپنی موجودگی کا احساس دلانا ضروری نہیں تھا۔ لہٰذا دماغی طور پر اپنی جگہ واپس آگیا۔
کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے لیلیٰ سے کہہ دیا تھا کہ عمل میں مصروف رہوں گا۔ لہٰذا اس نے مداخلت نہیں کی تھی۔ پورے بنگلے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یقیناً اس نے ملازموں کو بھی تاکید کر دی تھی کہ کوئی میرے کمرے کی طرف نہ جائے۔ میں وہاں سے اٹھ کر باہر آیا۔ کوریڈور سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ لیلیٰ فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی ہولے سے مسکرائی۔ پھر گفتگو کو مختصر کر کے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ مجھے دیکھ کر بولی"ہائے۔"
"ہائے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہائے ہائے کر رہی تھی۔ تہذیبی تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی یوں تھا کہ ایک دوسرے سے سامنا ہوتا تو کہا جاتا"آئیے، فرمائیے۔ کہیے کیسے زحمت گوارا کی۔ پہلے مغربی تہذیب میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں تھیں۔ پوچھا جاتا تھا"فرمائیے کیسے آنا ہوا" یا آپ سے مل کر بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ تشریف رکھیے۔" لیکن نئی زمانہ ایک دوسرے کو دیکھ کر جوان نسل"ہائے" کہتی ہے۔

میں نے لیلیٰ سے کہا"مشرق میں جب کسی کو دیکھ کر کسی کے سینے سے ہائے نکلتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے میں صدقے، میں قربان۔ تمہارے ارادے کیا ہیں؟"
وہ مسکرا کر بولی"مغرب میں اس کا مطلب ہوتا ہے، ہائے میں مہمان بنا کر پچھتا رہی ہوں۔ جہاں تک میرے ارادے کا تعلق ہے تو میں فوراً ہی تمہیں بھگانا چاہتی ہوں۔ اپنا سوٹ کیس پیک کرو۔ ابھی ایک آفیسر سے یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ تمہارے لیے ٹھیک دو گھنٹے بعد ایک فلائٹ میں سیٹ ریزرو ہو گئی ہے۔ تم اپنے منصوبے کے مطابق بیروت پہنچ کر سفر ملتوی کر سکو گے۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک پردے کے پیچھے سے آواز سنائی دی"بیروت جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تمہارے لیے دوسری دنیا کا ٹکٹ لے کر آئے ہیں۔"
ہم نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ پردے کے پیچھے سے ایک اسٹین گن کی نال جھانک رہی تھی۔ وہاں سے آواز سنائی دی"اب دوسرے دروازے کی طرف دیکھو۔"
ہم نے دوسری طرف دیکھا۔ وہاں بھی پردے کے پیچھے سے ایک ریوالور جھانک رہا تھا۔ کسی کی آواز آرہی تھی"اس میں سائلنسر لگا ہے۔ پہلے ہم ریوالور استعمال کریں گے۔ اگر شور مچانے کی کوشش کی گئی تو اسٹین گن کو کام میں لایا جائے گا۔"
تیسری طرف سے آواز سنائی دی"اور ہم ایک دو نہیں، چار ہیں۔"
وہ چاروں پس پردہ تھے۔ اب پیش پردہ آرہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ صرف ایک کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ہوا ریوالور تھا۔ یہ دھمکی دینے کے لیے کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو بے آواز فائرنگ کے ذریعے ہمارا کام تمام کیا جا سکتا ہے۔
ابھی انھوں نے مطالبہ نہیں کیا تھا مگر میں ان کے دماغوں کو پڑھ چکا تھا۔ وہ فلسطینی مجاہدین تھے۔ ایک ریوالور والے نے لیلیٰ کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا"سائرہ آئزک! تمہارے باپ کو ہماری لیلیٰ ثانی نے جہنم رسید کر دیا ہے۔ وہ یہودی بہت دولت چھوڑ کر گیا ہے۔ لہٰذا اس کی دولت ہمارے بھی کام آنا چاہیے۔ کیا خیال ہے، سیدھی طرح تجوری کا منہ کھولتی ہو یا ہم تمہارا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔"
ایک اسٹین گن والے نے اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈال کر چھوٹی سی بوتل نکالی۔ پھر اسے کھول کر منہ سے لگانے کے بعد غٹاغٹ پینے لگا۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"تمہیں یہ اطلاع ضرور ملی ہوگی کہ سائرہ آئزک کے گھر میں ایک مسلمان مہمان آیا ہوا ہے۔"
"ہم جانتے ہیں تم مسلمان ہو لیکن یہودی کا مسلمان دوست بھی ہمارا دشمن ہے۔"
میں نے کہا۔"اور وہ مسلمان جو شراب پیتا ہے، وہ میرا بدترین دشمن ہے۔ تم کیسے مجاہد ہو، جہاد کو جاری رکھنے کے لیے رقم حاصل کرنے آئے ہو۔ میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں لیکن ایک اچھے عمل کے دوران شراب پینا کہاں تک درست ہے؟"
"ہم نصیحت سننے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مطالبہ پورا کرو۔"
"مطالبہ یقیناً پورا ہوگا۔ اس لیے کہ ہمیں اپنی جانیں عزیز ہیں لیکن میں بیرونی ممالک میں اکثر سنتا ہوں کہ فلسطینی بدکردار اور لالچی ہوتے ہیں۔ وہ جہاد کے نام پر دوسروں کو لوٹتے ہیں۔ رقمیں جمع کرتے ہیں اور ان رقموں کو اپنی ذات پر صرف کر دیتے ہیں۔"
ایک نے ہنس کر کہا۔"ہم بیشک مجاہدین ہیں لیکن انسان بھی ہیں اور انسان کچھ عیش کرنا بھی چاہتا ہے۔ ہمیں بھی رقم چاہیے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی حسن سے لطف اندوز ہو سکیں۔ پھر یہ زندگی کہاں اور ہم کہاں؟"
ایک مجاہد نے اپنے ساتھی کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا۔"مسلمان جہاد کے راستے پر دنیا کے ہر عیش و آرام کو ترک کر دیتا ہے۔ تم فلسطینی مجاہدین کو غلط انداز میں پیش نہ کرو۔ سائرہ آئزک کا یہ مسلمان مہمان درست کہتا ہے۔ میں پہلے بھی تم لوگوں کو سمجھاتا آیا ہوں۔"
ایک نے جھڑک کر کہا۔"طارق! میں بھی تم سے بارہا کہہ چکا ہوں، ایسے وقت نصیحت نہ کیا کرو۔ تمہارا راستہ الگ ہے، ہمارا راستہ الگ۔ ہم صرف جہاد کے معاملے میں ایک ہیں۔"
ان چاروں میں سے طارق نام کا مجاہد راہِ راست پر تھا اور انھیں بھی راستی کا درس دیتا تھا لیکن وہ تینوں مزاج میں، عادات میں اس سے مختلف تھے۔ صرف رقم حاصل کر کے عیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ مجاہدین آزادی کے نام پر بدنما داغ تھے۔ میں نے کہا"میرے دوستو! میں ایک یہودی لڑکی کے ہاں مہمان ہوں۔ اس کے باوجود مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہارے ساتھ مکمل تعاون کروں گا اور یہ کبھی گوارا نہیں کروں گا کہ ایک مسلمان مہمان اپنے میزبان کو لٹتا اور برباد ہوتا دیکھے۔ بیشک سائرہ آئزک تمہارا مطالبہ پورا کرے گی لیکن کل ساری دنیا یہی کہے گی کہ ایک مسلمان مہمان نے اپنی یہودی میزبان کی سلامتی اور تحفظ کے لیے اپنی طرف سے کوشش نہیں کی۔"
ایک مجاہد نے طنزیہ انداز میں پوچھا"تم نہتے ہو کر کیا کوشش

کرو گے؟ کیا اپنی جان دینا چاہتے ہو؟"
"اگر میں اپنی جان دے دوں تو دو باتوں کی تشہیر ہوگی۔ ایک تو یہ کہ ایک مسلمان نے اپنی میزبان کی سلامتی کے لیے اپنی جان دی۔ اس طرح مسلمانوں کی تہذیبی روایت قائم رہے گی لیکن ایک مسلمان کی جان کس نے لی؟ اس کا جواب دنیا کو معلوم ہوگا کہ فلسطینی مجاہدین نے ایسا کیا۔ سننے والے یہ تجزیہ نہیں کریں گے کہ ان مجاہدین میں چند بدکردار، لالچی اور بے ضمیر تھے۔ وہ تو تمام مجاہدین کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکیں گے۔ سب کو ایک طرح سے بدنام کریں گے۔ کیا تم مجاہدین کی بدنامی گوارا کر لو گے؟"
ایک نے کہا"ہم اس قصے کو یہاں سے باہر جانے ہی نہیں دیں گے۔ تم دونوں کو ختم کر دیں گے۔ پھر کون ہمارے خلاف کچھ کہہ سکے گا؟"
لیلیٰ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا"میں ان کے چیلنج کا جواب دیتی ہوں۔ میرے معزز مہمان! تم میرے گھر میں ہو۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنی اور تمہاری حفاظت کروں۔ لہٰذا تم میری خاطر اپنے مسلمان بھائیوں سے نہ الجھو۔"
یہ کہہ کر اس نے اس مجاہد کی طرف دیکھا جس کا نام طارق تھا۔ پھر کہا"تم سلجھے ہوئے انسان ہو۔ میں اس لیے تمہاری تعریف نہیں کروں گی کہ تم ایک دیانت دار فلسطینی مجاہد ہو۔ میں ایک یہودی لڑکی ہوں۔ صرف انسانیت کے ناتے تمہاری نیکی اور راستی کا صلہ دینے کے لیے تمہیں جانے کا موقع دیتی ہوں۔ تم ایک منٹ کے اندر اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔"
طارق تذبذب میں پڑ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔"اگر سائرہ آئزک چیلنج کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے لوگوں کو مطلع کرنے کے کچھ خفیہ ذرائع اختیار کر رکھے ہیں۔ ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔"
دوسرے نے کہا"تم بزدل ہو۔ یہ کس طرح اپنے لوگوں کو اطلاع دے سکتی ہے۔ ہم نے باہر ناکہ بندی کر دی ہے۔ یہ ٹیلیفون کو ہاتھ نہیں لگا سکے گی۔ اگر ٹرانسمیٹر ہے تو اسے استعمال نہیں کر سکے گی۔ کیا یہ کوئی جادو جانتی ہے؟"
ایک اور مجاہد نے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا"یہ کھلا ہوا تھا۔ اسے بھی میں نے بند کر دیا۔ کھڑکیاں بھی اندر سے بند ہیں۔ باہر سے کوئی نہیں آسکے گا۔ اسی وقت آسکے گا جب ہم تمہیں گولی مار دیں گے کیونکہ گرفتاری کی صورت میں ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
طارق نے کہا"ہمارے گینگ لیڈر نے سختی سے تاکید کی ہے۔ خواہ یہودی ہوں، مسلمان ہوں یا کسی بھی مذہب سے تعلق

رکھتے ہوں، ان کی جانوں سے نہیں کھیلنا چاہیے۔ صرف اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔ اگر یہاں خون خرابہ چاہتے ہو تو مجھے جانے دو۔"

ان میں سے ایک نے اپنی ایک انگلی انکار کے انداز میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں، جب تم ہمارا ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہو تو باہر جا کر ہمارے خلاف کچھ کر سکتے ہو۔ کچھ نہ بھی کرو تو تمھیں یہاں سے جاتا دیکھ کر باہر والے ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ لہٰذا تم یہیں رہو گے۔"

اس کی باتوں کے دوران میں نے محسوس کیا کہ میرے اعصاب کچھ کمزور پڑ رہے ہیں۔ فضا میں کچھ عجیب سی بُو پھیل گئی تھی۔ اسے صرف حساس لوگ ہی محسوس کر سکتے تھے۔ پھر وہ لوگ بھی اسے محسوس کرنے لگے۔ وہ اس بُو کے زیرِ اثر کچھ کمزور پڑتے جا رہے تھے۔ ایک تو فوراً ہی صوفے پر دھپ سے بیٹھ گیا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ رہا تھا۔ وہ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے مضبوطی سے تھامنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں خود محسوس کر رہا تھا کہ زیادہ دیر تک اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکوں گا۔

میں نے گہری گہری سانس لیتے ہوئے لیلیٰ ثانی کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے پر سیدھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھ لیے تھے۔ لگتا تھا، سانس روک لی ہے۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ سفید رنگت سرخ ہو گئی تھی۔ دیدے پھیل گئے تھے اور وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد میں کچھ نہ دیکھ سکا۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ میں ساری دنیا سے اور اپنے آپ سے بیگانہ ہوتا چلا۔

میں بیہوش تھا لیکن دنیا ہوش میں تھی۔ آدمی سوتا رہے، جاگتا رہے، ہوش میں رہے یا بیہوش رہے، دنیا کا کاروبار ہر حال میں چلتا ہی رہتا ہے۔ میری بیہوشی کے دوران میرے ساتھیوں پر جو گزر رہی تھی، میں اس کا حال بیان کرتا ہوں۔

سونیا بحیثیت انامیریا ایئرپورٹ کی عمارت میں تھی۔ اس نے بہت ہی خوبصورت سا بلاؤز اور اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ انامیریا کی شخصیت میں حسن، وقار اور سنجیدگی کا امتزاج تھا۔ سونیا کی معلومات کے مطابق دنیا کی تقریباً ہر بندرگاہ اور ایئرپورٹ کے کسٹمز کا عملہ اسے پہچانتا تھا۔ وہ سفر کے دوران جس ملک، جس شہر سے گزرتی تھ[illegible] لر لیتے تھے کہ اپنے ساتھ اسمگلنگ کا کوئی زبردست [illegible] رہی ہے۔ اس کا طریقۂ کار کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ [illegible] سی طرح اسمگل ہو رہا ہے۔ کتنے ہی رشوت خور کسٹم کے افسران کہتے [illegible]، جب وہ پکڑی نہیں جا سکتی، اس کے خلاف کوئی ثبوت مل نہیں سکتا، تو کیوں نہ اپنی جیب گرم کی جائے اور انامیریا سے دوستی رکھی جائے۔

اس سے دوستی کرنے کے بڑے فوائد تھے۔ ایک تو یہ کہ جس گینگ کے لیے وہ کام کرتی تھی، اس کا کوئی آدمی یا رشوت لینے والا افسر گرفت میں آجاتا تو وہ ان کی ہر ممکن مدد کرتی تھی۔ اوّل تو کسی نہ کسی طرح انھیں ضمانت پر رہا کرا لیتی تھی۔ اگر کیس چلتا اور انھیں سزا ہو جاتی تو وہ سزا پانے والے افسران اور گینگ کے آدمیوں کی تمام فیملی کے ماہانہ اخراجات پورے کرتی تھی۔ ان کے دکھ، بیماریوں اور مصیبتوں میں دوا علاج اور کثیر رقومات کے ذریعے مدد کرتی رہتی تھی۔ ان حالات میں بھلا کون اسے نہ چاہتا۔ سبھی اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے۔ کسٹم کا، پولیس کا، انٹیلی جنس کا عملہ اس کے لیے دور تک راہیں ہموار کر دیتا تھا۔

سونیا اس وقت انامیریا کی مخصوص چال کے مطابق ایئرپورٹ کی عمارت کے مختلف حصّوں سے گزر رہی تھی۔ چکنے فرش پر اونچی ایڑی کے سینڈل بج رہے تھے۔ جیسے اس کی متوالی چال پر موسیقی تال دے رہی ہو یا اس کی آمد پر خطرے کا سگنل مل رہا ہو۔ کھٹ، کھٹ، کھٹ، کھٹ۔

وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے بائیں طرف مرجانہ اور دائیں طرف ٹارزن بلبا عارضی میک اپ میں تھے۔ بلبا نے سونیا کا سوٹ کیس تھام رکھا تھا۔ وہ دونوں ہی اس کی ایسی عزت کرتے تھے، جیسے وہ ان کی چیف ہو، ان کی بزرگ ہو اور وہ اس کے ادنیٰ ماتحت ہوں۔ حالانکہ کبھی سونیا نے اپنی تعظیم نہیں کرائی لیکن اس کا کردار، اس کی صلاحیتیں اور اس کا رعب اور دبدبہ ایسا تھا کہ فولادی مرجانہ اور سرپھرا بلبا، آپ ہی آپ اس کی عزت کرنے لگتے تھے۔ رسونتی دوست بن چکی تھی۔ جن دنوں دشمن تھی اور ٹیلی پیتھی کے غرور میں مجھے بھی خاطر میں نہ لاتی تھی، ان دنوں بھی وہ سونیا کے سامنے خود کو کمتر سمجھتی تھی اور اسے ہمیشہ سے منا کر رکھتی آئی تھی۔

سونیا کی بات ہی ایسی ہے میرے معزز قارئین! کبھی میری داستان سے ایک ماہ کے لیے یہ غائب ہو جائے یا ناگزیر وجوہات کی بنا پر میں اس کا ذکر نہ کر سکوں تو قارئین کی جانب سے شکایتی خطوط موصول ہونے لگتے ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں، یہ طویل ترین داستان میری ہے۔ اس میں نام میرا ہے، خاص کردار میرا ہے اور ٹیلی پیتھی کا رعب اور دبدبہ ایک سرے سے دوسرے تک ہے۔ اس کے باوجود سونیا ٹیلی پیتھی نہ جاننے [illegible] بھی اس داستان کی سب سے اہم کردار ہے۔ حقیقی معنوں میں میری نصف بہتر ہے۔ وہ نہ ہو تو میں نصف ہوں۔ وہ ہو تو میں مکمل۔

مرجانہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "سونیا! ہم سب آزادی سے کھلی فضا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی دشمن ہمارے راستے میں آتا ہے تو منہ کی کھاتا ہے۔ رسونتی بھی تمھارے جلتے ہی یہودیوں کے چنگل سے آزاد ہو جائے گی۔ صرف فرہاد اور اعلیٰ بی بی رہ جائیں گے۔ ان کے لیے میں بھرپور کوشش کروں گی۔ انشاءاللہ خالی ہاتھ واپس نہیں آؤں گی۔ شیخ الفارس غلام حسین البرقی سے سارے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ میں آج رات ہی سے سفر شروع کروں گی۔"

بلبا نے کہا۔ "میں نے عہد کیا ہے، میرے جزیرہ یونانی رِس پہنچنے تک فرہاد اور اعلیٰ بی بی کا سودا نہ ہوا۔ وہ مجھے وہیں مل جائیں گے تو پھر میں انھیں قید کرنے والے ایک ایک دشمن کو ان جانوروں کے پنجروں میں ڈالوں گا جنھیں وہ برسوں سے پالتے رہے ہیں۔ زندگی میں پہلی بار وہ درندے اپنے مالکان کا لذیذ گوشت کھائیں گے۔"

جب بھی کسی طیارے میں انامیریا کے نام سے کوئی سیٹ ریزرو کی جاتی تھی تو وہاں کے کسٹم کا عملہ، پولیس اور انٹیلی جنس کے افسران خصوصی توجہ دینے لگتے تھے۔ جو انامیریا کا ساتھ دیتے تھے، وہ اسے پہلے سے اطلاع دے دیتے تھے کہ کس قسم کی چیکنگ ہونے والی ہے اور جو اسے کسی نہ کسی طرح قانونی گرفت میں لینا چاہتے تھے، وہ ہر ممکن طریقے سے اسے گھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔

سونیا کو اطلاع مل چکی تھی کہ ایک اعلیٰ افسر بہت ہی سخت ہے۔ اس مرتبہ اس نے تہیّہ کیا ہے کہ انامیریا کو یہاں سے کوئی چیز اسمگل کرنے کا موقع نہیں دے گا۔ جب وہ کسٹم آفس میں پہنچی تو اس کے سوٹ کیس کو کھولتے ہوئے حکم دیا کہ صرف وہ کمرے میں موجود رہے گی، اس کے ساتھی باہر چلے جائیں۔

مرجانہ اور بلبا آفس سے باہر آگئے۔ اندر اس کا سوٹ کیس کھول کر ایک ایک کپڑا، ایک ایک چیز بغور دیکھی جا رہی تھی۔ سوٹ کیس خالی کرنے کے بعد اسے اچھی طرح ٹٹولا جا رہا تھا۔ کہیں کوئی خفیہ خانہ تو نہیں ہے۔ عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ [illegible] سی چیکنگ ہوتی تھی۔ چیکنگ کرنے والوں کو پہلے ہی ان کے حصّے کی رقومات پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اس طرح انامیریا بہ آسانی تلاشی کے مرحلے سے گزر جایا کرتی تھی۔

دوسرا مرحلہ وہ آیا جب اس کی جسمانی تلاشی لی جانے والی تھی۔ اسے دوسرے کمرے میں بھیجا گیا۔ وہاں لیڈی انسپکٹر تھیں۔ کسٹم کے اعلیٰ افسر کو اطلاع مل چکی تھی کہ انامیریا تقریباً ڈیڑھ لاکھ کی مالیت کے ہیرے لیے جا رہی ہے۔ اس نے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "مجھے تمھارے بہت سے طریقۂ کار کا علم ہو چکا ہے۔ جب تم ان عورتوں کے پاس اپنے جسم اور لباس کی تلاشی دینے آتی ہو تو تم سے ساز باز کرنے والی کسٹم لیڈی انسپکٹر تلاشی نہیں لیتی بلکہ اسمگل کی جانے والی چیز خود تمھارے لباس میں چھپا دیتی ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس کمرے کے اندر تمھاری تلاشی لی گئی ہے۔ قانون کے محافظ مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن میں اناڑی نہیں ہوں۔ میں نے آج لیڈی انسپکٹر کو اچانک تبدیل کر دیا ہے۔ یہ دونوں انسپکٹر لاکھوں ڈالر کا لالچ دینے کے باوجود میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گی۔ تم آزما کر دیکھ لینا۔"

سونیا نے کہا۔ "آفیسر! جب تمھیں اپنے آپ پر اور ان لیڈی انسپکٹرز پر اتنا اعتماد ہے تو پھر لمبی چوڑی تقریر کا فائدہ کیا ہے۔ پلیز باہر چلے جاؤ۔ یہاں صرف عورتوں کا کام ہے۔"

آفیسر نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کمرے سے نکل کر دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ وہ ایک ہی دروازہ تھا اور وہاں سے کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کمرے میں روشن دان بھی نہیں تھا، جہاں سے سونیا کو خفیہ طور پر اسمگل کیا جانے والا سامان فراہم کیا جا سکتا۔

وہ دو اعلیٰ افسران جو انامیریا کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے، وہ دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لیڈی انسپکٹر نے باہر آکر کہا۔ "سر! ہم نے اچھی طرح تلاشی لی ہے۔ اس کے لباس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ جب اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ یہ ہیرے اسمگل کرنے والی ہے تو اس کے پاس سے ہیرے برآمد ہونے چاہئیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "اس کا طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کسی دوسرے مسافر کے سامان میں ہیرے چھپا دیتی ہو۔ اس لیے ہم نے دوسرے تمام مسافروں کے سامان کی اور ان کے لباس کی تلاشیاں لی ہیں۔ کسی کے پاس سے کوئی ایسی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔"

افسر نے لیڈی انسپکٹر سے پوچھا۔ "کیا انامیریا کے جسم پر کوئی ایسا نشان ہے جس سے پلاسٹک سرجری کا شبہ ہو؟"

"نو سر! ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔ البتہ گھٹنے کے پاس ایک زخم ہے۔ اس پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہم نے وہ پٹیاں کھول دیں۔ واقعی گہرا زخم ہے۔ اب وہ دوبارہ وہی پٹی بندھوانے پر اعتراض کر رہی ہے۔"

"کیوں اعتراض کر رہی ہے؟"

"وہ پٹی خون آلود ہو چکی ہے۔ دوبارہ اسے اپنے بدن سے لگانا نہیں چاہتی۔ کہتی ہے کسی ڈاکٹر کو بلا کر دوبارہ مرہم پٹی کرائی جائے۔ ورنہ وہ ہمارے خلاف قانونی اقدامات کرے گی۔"

دونوں افسران نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر ایک نے کہا۔ "ہم اس کی چال سمجھ گئے ہیں۔ اب جو بھی ڈاکٹر آئے گا، وہ اپنے پاس وہی ہیرے چھپا کر لائے گا اور ڈریسنگ کے دوران اس زخم کے ساتھ ہیرے چھپا دے گا۔"

لیڈی انسپکٹر نے کہا۔ "سر! وہ کہتی ہے، کوئی میل ڈاکٹر نہیں آئے گا۔ اس کی مرہم پٹی کے لیے آپ کسی بھی لیڈی ڈاکٹر کو طلب کر سکتے ہیں۔"

"بیشک میں نے سارے انتظامات کر لیے ہیں۔ ایسے مجرم اور اسمگلر خاص طور پر یا تو عین وقت پر بیمار پڑ جاتے ہیں یا زخمی بن جاتے ہیں تاکہ ان کے مطلب کا کوئی ڈاکٹر آ کر ان کی اسمگلنگ کے سلسلے میں تعاون کرے لیکن میں نے پہلے ہی ایک میل اور ایک فی میل ڈاکٹر کا انتظام کر رکھا ہے۔"

اس نے دفتر میں بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر اور ایک لیڈی ڈاکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر لیڈی ڈاکٹر سے کہا۔ "کم آن ڈاکٹر! اپنا فرض انجام دیں۔ یہ اناميريا بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے اپنا میڈیکل بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ سیر ہے تو ہم سوا سیر ہیں۔ ہمارے سامنے اس کی چالاکی نہیں چلے گی۔"

وہ کمرے کے اندر چلی گئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب اس کمرے میں چار عورتیں تھیں۔ ایک سونیا، دو لیڈی انسپکٹر اور ایک لیڈی ڈاکٹر۔ سونیا کو ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ دوسری کرسی پر لیڈی ڈاکٹر سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے بیگ کو کھولا۔ پہلے سونیا کے گھٹنے کے پاس والے زخم کا معائنہ کیا۔ پھر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "واقعی گہرا زخم ہے۔ تم اتنے گہرے زخم کے ساتھ اتنی آسانی سے کیسی چلتی ہو؟"

سونیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے سوال کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ یہ زخم اصلی نہیں ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔ "میرا مطلب یہ نہیں ہے زخم کو میں دور سے دیکھ کر ہی پہچان لیتی ہوں۔"

ایسا کہتے ہوئے لیڈی ڈاکٹر نے ایک ٹیوب نکالی۔ اس میں ایک زود اثر مرہم تھا۔ اس مرہم کو زخم پر لگایا۔ اس کے بعد بیگ میں سے روئی کا ایک موٹا سا پیڈ نکالا۔ اس پیڈ کو زخم کے منہ پر رکھا پھر پٹی باندھنے لگی۔ ذرا دیر بعد وہ مرہم پٹی سے فارغ ہو کر اپنے بیگ کے ساتھ باہر آگئی۔ دونوں اعلیٰ افسران نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ "میں مطمئن ہوں۔ ڈریسنگ کر دی ہے۔ اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس پر ہم اعتراض کر سکیں۔"

ایک افسر نے حیرانی سے کہا۔ "تعجب ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تعجب کی کیا بات ہے۔ اسے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ آج سخت چیکنگ ہے اور وہ کسی طرح بچ کر نہیں نکل سکے گی۔ لہٰذا اس بار کوئی چیز اسمگل نہیں کر رہی ہے پھر بھی ہم اس وقت تک محتاط رہیں گے جب تک یہ طیارے میں سوار نہ ہو جائے اور طیارے کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔"

سونیا کو جانے کی اجازت مل گئی۔ دونوں اعلیٰ افسران اس کے آس پاس موجود رہے۔ دفتر کے باہر مرجانہ اور بلبا اس کا انتظار کر رہے تھے۔ افسران نے کہا۔ "سوری، مس میریا! تم اپنے ساتھیوں کے قریب نہ جاؤ۔ دور سے الوداعی گفتگو کرو اور طیارے کی طرف چلی جاؤ۔"

اس نے مسکرا کر مرجانہ سے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ اصولاً تم سے رخصتی مصافحہ کرنا چاہیے لیکن افسران کی تسلی کے لیے تم سے ہاتھ نہیں ملاؤں گی۔ مبادا تم کوئی اسمگل کی جانے والی چیز ہاتھ ملانے کے دوران میرے حوالے کر دو اور بے چارے افسران کو پھر میری تلاشی لینے کی زحمت اٹھانا پڑے۔"

اس نے دور ہی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "الوداع، میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں گی۔ ہمارے رابطے کا ذریعہ تیسری ہستی ہوگی۔"

"تیسری ہستی" سے مراد رسونتی تھی۔ مرجانہ سمجھ گئی، خیال خوانی کے ذریعے اسے سونیا کی خیریت معلوم ہوتی رہے گی۔ اس نے بھی مسکرا کر الوداع کہا۔ ٹارزر بلبا بڑی عقیدت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے سونیا کے ساتھ رہ کر کبھی کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن مرجانہ کے ذریعے جتنی تعریفیں سنی تھیں، اس کے پیشِ نظر اسے یقین تھا کہ وہ اپنے ساتھ بھاری مالیت کے ہیرے لے جا رہی ہے۔

مرجانہ اور بلبا وزیٹرز لابی میں کھڑے دور جاتی ہوئی سونیا کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں افسران کے درمیان شان سے چل رہی تھی۔ طیارے کے زینے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر اس نے لابی کی طرف دیکھا۔ پھر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ ایک افسر نے کہا۔ "اب جا بھی چکو۔ تم نے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے دونوں افسران کو دیکھا پھر زینے پر چڑھی۔ پہلے زینے کے ایک پائیدان پر، پھر دوسرے پائیدان پر قدم رکھا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکھڑا کر گر پڑی۔ اونچی ایڑی کے سینڈل

کے باعث اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکی تھی۔ پھسل کر نیچے آ رہی تھی۔ افسران نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے اٹھنے کے لیے سہارا دیا۔ زینے کے اوپر کھڑی ہوئی ایئرہوسٹس نے تیزی سے اترتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، زیادہ چوٹ نہیں آئی ہے۔ آیئے، میں آپ کو سہارا دے کر لے چلوں۔"

اس وقت تک سونیا سیدھی طرح کھڑی ہو گئی تھی۔ اپنے لباس کو جھاڑ رہی تھی۔ سہارے کے لیے ایئرہوسٹس نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "شکریہ، میں تمہارا سہارا نہیں لوں گی ورنہ افسران کو طیارے کے اندر بھی میرے ساتھ آنا پڑے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ سہارا دینے کے بہانے تم کوئی چیز میرے حوالے کر رہی ہو۔"

ایئرہوسٹس ہنسنے لگی۔ افسران نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ بولی۔ "کیا میں جا سکتی ہوں؟"

دونوں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ وہ زینے پر سنبھل سنبھل کر چڑھتی ہوئی طیارے کے دروازے پر پہنچی۔ وہاں سے پلٹ کر پہلے اس نے دور مرجانہ اور بلبا کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا پھر افسران کی طرف مسکرا کر کہا۔ "قانون کے محافظ، مجھے جو کچھ لے جانے دیتے ہیں، میں وہی لے جاتی ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ تم دونوں نے مجھے جو کچھ دیا ہے میں اسے لے جا رہی ہوں۔ مجھے الزام نہ دینا۔"

یہ کہہ کر اس نے آخری بار الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا پھر دروازے سے گزرتے ہوئے طیارے کے اندر چلی گئی۔ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ یقیناً وہ دونوں افسر پریشان ہو گئے تھے۔ وہاں سے پلٹ کر ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اناميريا اس بار خالی ہاتھ کیسے جا رہی ہے؟

چالیس منٹ کے بعد وہ طیارہ فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ سونیا کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہمسفر نے اس کے قریب جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "مادام! ہم کامیاب رہے۔ وہ لوگ آپ کے مصنوعی زخم سے دھوکہ کھا گئے۔"

سونیا نے گہری سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر نیچے جھکی، دونوں ہاتھ بڑھا کر گھٹنے کے پاس بندھی ہوئی پٹیوں کو کھولنے لگی۔ سونیا کے ہمسفر نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ کیا مسافروں کے سامنے وہ ہیرے نکالیں گی؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ پٹیاں کھولتی رہی۔ اس کے بعد اس نے روئی کے اس پیڈ کو اٹھایا جو زخم پر رکھا ہوا تھا۔ وہ پیڈ اپنے ہمسفر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، کیا اس میں ہیرے ہیں؟"

اس نے پیڈ کو ٹٹول کر دیکھا۔ ہیروں کی سختی محسوس نہیں ہوئی۔ اس نے پیڈ کے ٹکڑے کیے۔ ایک بھی ہیرا برآمد نہ ہوا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے سونیا کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "تمہارے باس کے مشورے پر میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے یہ زخم بنایا تھا۔ اس دعوے کے ساتھ کہ لیڈی ڈاکٹر بھی اسے پہچان نہیں سکے گی۔ کیوں کہ پلاسٹک سرجری کرنے والا بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ اس نے انسانی جلد کے ریشوں سے اور ڈائی سیکشن کیے جانے والی لاش کے گوشت سے یہ زخم بنایا ہے۔ کوئی بھی ڈاکٹر طبی تجزیے کے بغیر اس کی اصلیت کو پہچان نہیں سکتا تھا اسی لیے وہ لیڈی ڈاکٹر دھوکا کھا گئی۔"

اس کے ہمسفر نے پوچھا۔ "لیکن وہ ہیرے کہاں گئے؟"

"تمہارے باس نے کہا تھا کہ جو لیڈی ڈاکٹر میری مرہم پٹی کے لیے آئے گی وہ روئی کے پیڈ میں ہیرے چھپا کر میرے زخم پر رکھ دے گی لیکن پرواز سے دو گھنٹے پہلے اطلاع ملی کہ لیڈی ڈاکٹر خریدی نہیں جا سکتی۔ وہ بہت سخت اور اصول پسند ہے اور اپنے ملک کی وفادار ہے۔ تمہارے باس کی ناکامی کی صورت میں، میں نے وہ ہیرے اس سے طلب کیے اور اپنے ساتھ لے آئی۔"

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا آپ اپنے ساتھ لائی ہیں؟ اوہ مادام، یو آر فنٹاسٹک۔ ایک ساتھ بیس عدد ہیرے کیسے لے آئیں؟"

"بیس عدد ننھے ننھے ہیرے کتنے ہوتے ہیں؟ وہ ماچس کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ میں آجاتے ہیں۔"

وہ اپنی سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدل کر پھر اس کی طرف گھوم کر بولا۔ "کیا آپ کسی ڈبیہ میں لائی ہیں؟"

"زیادہ بے چینی نہ دکھاؤ۔ سیدھی طرح اپنی سیٹ پر بیٹھے رہو۔"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔ "سوری مادام! میں ان کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

میں نے تمہارے باس سے کہہ دیا تھا، اگر میں بخیریت طیارے کے اندر چلی جاؤں اور طیارہ پرواز کر جائے تو سمجھ لینا کہ ہیرے بہ آسانی لے جا رہی ہوں۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"آپ مجھے اضطراب میں مبتلا کر رہی ہیں۔ پلیز جلدی بتایئے وہ ہیرے کس طرح لے آئی ہیں۔"

"جس آفیسر نے مجھے اسمگل ہونے والے مال کے ساتھ گرفتار کرنے کا عہد کیا تھا، میں نے اس کے ملازم کو خرید لیا۔ اس نے اپنے ملک کے سگریٹ لائٹر کے اندر وہ بیس عدد ہیرے رکھ دیے تھے۔ وہ لائٹر اس افسر کی جیب میں تھا۔ طیارے کے زینے پر گرنے کے بعد جب افسران نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا، اسی وقت میں نے اس کی جیب سے وہ لائٹر نکال لیا۔ اب وہ میرے پاس ہے۔"

اس کا ہمسفر اسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو پھر اس نے کہا "ہمارا باس درست کہتا ہے۔ مادام سونیا کی جگہ دنیا کی کوئی عورت نہیں لے سکتی اور ہم کہتے تھے رانا میریا کی جگہ کوئی نہیں لے سکتی۔ آج آپ نے ثابت کر دیا، انا میریا آپ کے سامنے طفلِ مکتب ہے"۔

سونیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے دماغ میں رسونتی بول رہی تھی "سونیا! میں ہر لمحے محتاط رہی۔ ساری توجہ تمہاری طرف کیے ہوئی تھی۔ سوچ رہی تھی، افسر کی جیب صاف کرتے وقت تم سے ذرا بھی چوک ہو گی تو میں اس کے دماغ کو اپنی مٹھی میں لے لوں گی لیکن تم نے بڑی مہارت سے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ میری ٹیلی پیتھی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی"۔

سونیا نے کہا "ہاتھ کی صفائی دکھانے کے چالیس منٹ بعد طیارے نے پرواز کی ہے۔ کیا ان چالیس منٹوں میں اس افسر کو سگریٹ پینے کا خیال نہیں آیا؟"

"ایک بار اس نے سگریٹ پینے کا ارادہ کیا تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس کی خواہش کو دبا دیا اور وہ جماہی لے کر رہ گیا تھا"۔

"وہ جب بھی سگریٹ سلگانے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالے گا تو پریشان ہو کر سوچتا رہ جائے گا۔ مجھ پر شبہ ہو گا لیکن اس طیارے کو پیرس کے ائیرپورٹ پر واپس نہیں لا سکے گا بے چارہ"۔

"طیارے میں داخل ہوتے وقت تم نے اس افسر سے جو آخری الفاظ کہے وہ مجھے یاد ہیں، تم نے کہا تھا، قانون کے محافظ جو چیز تمھیں لے جانے دیتے ہیں تم وہی لے جاتی ہو۔ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے، جو افسر تمھارا بدترین مخالف تھا تم اسی کی جیب میں ہیرے رکھ کر طیارے تک لے آئیں۔ جو افسران بڑی گرم جوشی سے دوسروں کی تلاشی لیتے ہیں، وہ ایسے وقت اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ اس پہلو پر غور نہیں کرتے کہ وہی مال ان کے ذریعے بھی اسمگل ہو سکتا ہے۔ واقعی تم انسانی نفسیات کو خوب سمجھتی ہو"۔

مرجانہ اور بلبا بڑی دیر تک لابی میں کھڑے دور پرواز کرتے ہوئے طیارے کو دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ ائیرپورٹ کی عمارت سے باہر آ گئے۔ مرجانہ اپنی کار میں نہیں آئی تھی۔ کیوں کہ وہ اور بلبا میک اپ میں تھے۔ اپنی کار میں پہچان لیے جاتے۔ وہ سونیا کے ساتھ ٹیکسی میں آئے تھے اور اب ٹیکسی ہی میں واپس جانا چاہتے تھے۔ اسی وقت ایک شخص نے پاس آ کر کہا "مس! آپ سے ایک صاحب ملاقات کرنا چاہتے ہیں"۔

"کون ہیں وہ؟"

"وہ اس نیلے رنگ کی کار میں بیٹھے ہوئے ہیں"۔

بلبا نے پوچھا "وہ شخص یہاں کیوں نہیں آتا؟"

"بہت مجبوری ہے۔ اسی لیے آپ کو بلا رہے ہیں، صرف ایک منٹ کے لیے"۔

مرجانہ نے نیلے رنگ کی کار کو دیکھا جو تقریباً دس گز کے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی پھر اس نے کہا "میں چل رہی ہوں۔ اگر کوئی فریب ہوا تو تم آئندہ خود کو اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھ سکو گے"۔

وہ بلبا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کار کے قریب پہنچی پچھلی سیٹ پر ایک شخص سیاہ چشمہ لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ مونچھوں اور داڑھی کے درمیان اس کے ہونٹ چھپے ہوئے تھے۔ مرجانہ نے کار کی کھڑکی پر جھکتے ہوئے پوچھا "تم مجھ سے ملاقات کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

وہ کھڑکی کے قریب کھسک آیا۔ پہلے اس نے محتاط نظروں سے کار کے باہر دیکھا پھر آہستگی سے کہا "میں فرہاد ہوں۔ تمہارا فرہاد"۔

مرجانہ نے چونک کر بے یقینی سے دیکھا۔ وہ اپنے چہرے پر سے مصنوعی داڑھی اور مونچھوں کو اُتار رہا تھا۔ داڑھی اور مونچھیں الگ کرنے کے بعد اس نے سیاہ چشمے کو اپنی آنکھوں سے الگ کیا۔ واقعی مرجانہ کی نگاہوں کے سامنے فرہاد علی تیمور بیٹھا ہوا تھا۔

چند لمحوں تک یقین اور بے یقینی کا عالم طاری رہا۔ گہری خاموشی چھائی رہی پھر بلبا نے کہا "آپ فرہاد صاحب لگتے ہیں۔ پہلی بار آپ کو دیکھ رہا ہوں لیکن تصویریں بارہا دیکھ چکا ہوں"۔

مرجانہ نے جاپانی زبان میں پوچھا "اپنے فرہاد ہونے کا ثبوت کس طرح دے سکتے ہو؟"

"اس طرح کہ جواب میں جاپانی زبان بول رہا ہوں، فی الحال میرے پاس ٹیلی پیتھی کی صلاحیت نہیں ہے ورنہ تمھارے دماغ میں پہنچ کر تم سے گفتگو کرتا۔ میں بڑی مشکلوں سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ سپر ماسٹر نے بولی دینے اور خریدنے کے بعد مجھے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اعلیٰ بی بی میرے ساتھ تھی۔ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے اپنے ساتھ نہ لا سکا۔ کاش مجھے تھوڑی دیر کے لیے خیال خوانی آ جاتی تو اسے کبھی نہ چھوڑتا۔ میں تنہا ہوں، تنہا ہوں۔ اس لیے تمھارے پاس آیا ہوں۔ کیا تم بتا سکتی ہو، ان دنوں سونیا کہاں ہے؟"

"وہ تو ابھی ابھی....."

مرجانہ کہتے کہتے رُک گئی۔ فوراً ہی اس کے دماغ نے مش[illegible] دیا۔ جب تک اپنے مخاطب کے فرہاد ہونے کا یقین نہ ہو،

سونیا کے نئے روپ کے متعلق نہیں بتانا چاہیے۔ اس نے پوچھا۔ "تم کب یہاں پہنچے؛ کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؛ یہ گاڑی کس کی ہے؟"

"کیا سارے سوالات یہیں کرو گی؟"

اس نے اپنی داڑھی اور مونچھوں کو دوبارہ چہرے پر لگاتے ہوئے اور سیاہ چشمہ پہنتے ہوئے کہا: "یہاں میں پہچانا جاسکتا ہوں۔ میرے ساتھ میری قیام گاہ تک چلو۔ وہاں تمام باتیں تفصیل سے ہوں گی۔"

مرجانہ نے کہا: "بلبا، تم سامنے والی سیٹ پر بیٹھو۔ میں پیچھے بیٹھتی ہوں۔ کوئی فریب ہوا تو تم ڈرائیو کرنے والے سے نمٹ لینا۔ میں فرہاد کی اصلیت معلوم کرلوں گی۔"

اس نے دروازے کو کھولا۔ فرہاد ایک طرف کھسک کر اسے جگہ دیتے ہوئے بولا: "واقعی مرجانہ! تم ہمیشہ سے محتاط رہی ہو۔ تمھاری یہ بڑی خوبی ہے کہ فوراً ہی کسی پر اعتماد نہیں کرتی ہو۔"

گاڑی اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی۔ مرجانہ اسے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی، لب و لہجہ بالکل فرہاد جیسا ہے۔ قد اور جسامت میں بھی وہی لگتا ہے۔ اس نے کہا۔ "فرہاد! اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔"

اس نے اپنا ہاتھ مرجانہ کے ہاتھ میں دیا۔ وہ بولی: "ایسے نہیں، جیسے پنجہ لڑاتے ہیں۔ اسی طرح میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسالو۔"

"آخر کیوں؟"

"جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔"

"میں تمھارے اطمینان کے لیے ضرور ایسا کروں گا۔ مگر تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے اور سونیا نے تم سے کبھی پنجہ آزمائی نہیں کی۔ تم فولاد ہو، اسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔"

وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے سے پہلے ایک ایک انگلی کو چھونے لگا۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کررہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: "میں آخری بار اپنی انگلیوں کو اچھی طرح دیکھ لوں۔ شاید میری انگلیاں توڑنے کے بعد ہی تم مجھے فرہاد تسلیم کرو گی۔ اچھا یہ لو۔"

مرجانہ نے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رکھی .... انگلیوں میں انگلیاں پھنسائیں پھر انھیں اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا: "یہ بتاؤ، رسونتی کا کیا حال ہے؟"

اس نے نفرت سے کہا: "اس کا نام میرے سامنے نہ لو۔ تم جانتی ہو، وہ ہماری دشمن تھی۔ دشمن ہے اور دشمن رہے گی۔"

مرجانہ نے اپنی انگلیوں کی گرفت اور سخت کردی۔ وہ تلملا کر بولا: "یہ کیا کررہی ہو؟"

"تمھارا گلا دباؤں گی تو بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔ انگلیاں توڑتی رہوں گی تو کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہو گے اور سچ بولتے رہو گے۔ اب بتاؤ، کیا رسونتی، خیال خوانی کے ذریعے تم سے گفتگو کرتی ہے؟"

"آں؟" وہ پریشان ہوکر مرجانہ کا منہ تکنے لگا۔

وہ بولی: "منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ منہ کھولو۔ جواب دو۔"

"ہاں، وہ خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے گفتگو کرچکی ہے۔"

ایسا کہتے ہی وہ چیخ پڑا۔ مرجانہ نے اس کی انگلیوں کو اور سختی سے دبایا تھا۔ اب وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہا تھا مگر فولادی پنجے سے بھلا کیسے نجات ملتی ہے۔ وہ بولی: "جب رسونتی تمھارے کہنے کے مطابق دشمن ہے تو تم سے خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کیسے کرتی ہے؟"

"وہ دشمن بن کر باتیں کرچکی ہے۔"

پھر وہ تلملا گیا۔ تڑپنے لگا۔ چیخنے لگا۔ مرجانہ نے کہا: "بلبا! اُسے ڈرائیونگ سے روکو۔"

بلبا کے روکنے سے پہلے ہی وہ کار ایک کوٹھی کے بہت بڑے احاطے میں داخل ہوچکی تھی۔ کوٹھی کا مین گیٹ بند ہوچکا تھا۔ مرجانہ نے پلٹ کر دیکھا، بند گیٹ کے پاس ایک اسٹین گن والا کھڑا تھا۔ باغیچے میں دور دور تک مسلح جوان دکھائی دے رہے تھے۔ جہاں کار رکی وہاں بھی چاروں طرف سے مسلح جوانوں نے انھیں گھیر لیا تھا۔ وہ دونوں کو کار سے نکل کر کوٹھی کے اندر جانے کا حکم دے رہے تھے۔

مرجانہ نے کہا: "میں تمھاری انگلیوں کو اسی طرح شکنجے میں لے کر کوٹھی کے اندر جاؤں گی۔ مجھے کوئی نقصان پہنچا تو اس سے پہلے تمھاری شامت آجائے گی۔"

اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا پھر اس کے ہاتھ کو کھینچتے ہوئے باہر آگئی۔ وہ ایسے جکڑا ہوا تھا جیسے مرجانہ کا ہاتھ نہ ہو ہتھکڑی ہو۔ جسے وہ کبھی کھول نہیں سکے گا۔ وہ اسی طرح بندھا ہوا اس کے اور بلبا کے درمیان چلتا ہوا کوٹھی کے اندر ایک بڑے سے ہال میں پہنچا۔ وہ ہال تقریباً خالی تھا۔ وہاں چار مسلح جوان نظر آرہے تھے۔ ہال کے آخری سرے پر شیشے کی ایک دیوار تھی۔ اس کے پار دوسری دیوار پر ایک شخص کا سایہ نظر آرہا تھا۔ سایہ سیاہ ہوتا ہے۔ پرچھائیں کالی ہوتی ہے۔ کالا سایہ۔ بلیک شیڈو....

مرجانہ اور بلبا ہال کے درمیان پہنچ کر رک گئے۔ نقلی فرہاد نے کالے سائے کو دیکھتے ہوئے گڑگڑا کر کہا: "جناب! آپ نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ مجھے فرہاد علی تیمور کا نقال بناتے بناتے اس آہنی شکنجے میں الجھا دیا ہے۔ پلیز نجات دلائیے۔"

بلیک شیڈو کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ آواز بھاری اور گرجدار تھی مگر اس میں مرجانہ کے لیے نرمی تھی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

"مرجانہ! کیا ہمیں دشمن سمجھ رہی ہو؟"

مرجانہ نے پوچھا: "کیا دوستوں کو بلانے کے یہی انداز ہیں؟"

"مجبوری ہے تمھیں اپنا نام اور پتا دے کر بلاتا تو کبھی نہ آتیں۔ کیوں کہ تمھارے چاروں طرف دشمن پھیلے ہوئے ہیں تم کسی پر اعتبار نہیں کرتی ہو۔ پھر یہ کہ مجھے ایک ڈمی کو آزمانا تھا کہ یہ کس طرح مسٹر فرہاد کی نقالی کرتا ہے اور کتنی کامیابی سے تمھیں گھیر کر لاسکتا ہے۔ لیکن یہ شخص ناکام رہا۔"

مرجانہ نے اس کے ہاتھ کو چھوڑتے ہوئے کہا: "یہ اپنی جگہ کامیاب رہا لیکن میرے پھانسے میں آگیا۔ میں نے الٹے سیدھے سوالات کیے۔ یہ جواب نہ دے سکا۔"

دو مسلح جوان دو کرسیاں لاکر مرجانہ اور بلبا کے پاس رکھ رہے تھے۔ بلیک شیڈو نے کہا: "ہم اور ہمارے آدمی مہمان نواز ہیں۔ پلیز بیٹھ جاؤ اور دوستانہ ماحول میں گفتگو کرو۔"

"جب تک پردے میں رہو گے، ہمارے لیے اجنبی رہو گے اور کسی اجنبی سے کبھی دوستی نہیں ہوتی۔"

"میں پردے میں نہیں، تمھارے سامنے ہوں۔"

"ہمارے سامنے تمھارا وجود نہیں، صرف سایہ ہے۔"

"یقین کرو مرجانہ! میرا سایہ ہی سایہ ہے۔ کوئی وجود نہیں ہے۔"

مرجانہ نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے پوچھا: "کیا تم مجھے نادان بچی سمجھتے ہو؟"

"میں سچ کہتا ہوں میرا کوئی وجود نہیں ہے۔ آج تک کوئی مجھے دیکھ نہیں سکا اور جو دیکھا نہ جاسکے اس کا وجود نہیں ہوتا۔"

مرجانہ نے سخت لہجے میں کہا: "کافر کے بچے، خدائی دعویٰ نہ کر۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن وجود کو ہر حال میں تسلیم کرتے ہیں۔ تو کیا ہے تیری بساط کیا ہے؟ اگر میں شیشے کے پار پہنچ گئی تو پلک جھپکتے ہی تجھے بے نقاب کردوں گی۔"

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ بے شک میں نے جو کہا، غلط کہا۔ میں تمھارے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ ایسی بات کبھی نہیں کروں گا مگر یقین کرو، میں صرف سایہ ہوں۔ تم شیشے کی دیوار توڑ کر ادھر آؤ گی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پانی کی سطح پر اپنا عکس نظر آئے گا اور اس عکس کو گلے لگانے کے لیے پانی میں چھلانگ لگائی جائے تو چھلانگ لگانے والا ڈوب سکتا ہے، اس عکس کو پکڑ نہیں سکتا۔ چھلانگ لگانے کے بعد پانی میں جو لہریں پیدا ہوں گی، ان سے عکس ٹکڑے ٹکڑے، ریزہ ریزہ ہوجانے کا اور گم ہوجانے گا۔ اسی طرح شیشے کی دیوار کے اس پار آتے ہی میرا سایہ بھی بکھر جائے گا۔ گم ہوجائے گا، تمھارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

"تم خود کو ایک ناقابلِ حل معمہ بنا رہے ہو۔ بہرحال مجھے تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہمیں یہاں بلانے کا مقصد بتاؤ؟"

"یہ ہوئی نا کام کی بات۔ میرا پہلا مقصد تم سے دوستی ہے۔ دوسرا مقصد فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کی رہائی ہے۔ تیسرا مقصد ان تمام دشمنوں اور سوداگروں سے انتقام لینا ہے جو فرہاد صاحب کے لیے بڑی بڑی بولیاں دے رہے ہیں۔ فرہاد صاحب پر آج یہ وقت آگیا ہے کہ انھیں بازار کی ایک جنس کی طرح بیچا جارہا ہے یہ ہم سب کے لیے توہین کی بات ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ چونکہ تنہا کچھ نہیں کرسکتا اس لیے تمھارا تعاون چاہتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے فرہاد صاحب کے لیے تم ضرور میری دوستی اور میرے مقاصد سے اتفاق کرو گی۔"

"ہمارے مقاصد ایک ہیں اس لیے اتفاق کرتی ہوں لیکن ہمارے راستے الگ ہیں کیوں کہ میں عورت ہوں اور مردانہ وار سامنے آتی ہوں۔ تم مرد ہو اور پردہ نشین ہو۔"

"مجھے طعنے نہ دو۔ میں بہت مجبور ہوں، تمھیں یقین نہیں دلا سکتا۔ تم کیا دنیا کا کوئی بھی صاحبِ عقل مجھے تسلیم نہیں کرے گا لیکن میں آخری دم تک یہی کہوں گا کہ میں صرف ایک سایہ ہوں۔ مجھے پردہ نشین کہہ لو یا بزدل، بہرحال ہمارے مقاصد ایک ہیں۔ بیشک تم اپنا راستہ الگ کرلو لیکن ہم ایک متفقہ منصوبے پر عمل کریں گے۔ عمل کرنے کے لیے تم آزاد ہو۔ جس طرح چاہو گی میں تمھارے ساتھ تعاون کروں گا۔"

مرجانہ ایسے کسی شخص پر اعتماد نہیں کرسکتی تھی جو خود کو ایک راز بنا کر رکھتا ہو لیکن سونیا بلیک شیڈو کے متعلق پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اسے سمجھایا تھا کہ کسی نہ کسی طرح بلیک شیڈو کی حقیقت تک پہنچنا ہوگا۔ لہٰذا وہ زیادہ بحث نہیں کررہی تھی۔ اس نے کہا: "میں تمھارے منصوبے کو پہلے سمجھنا چاہوں گی پھر اپنی رائے کا اظہار کروں گی۔"

"میں تمھیں جزیرہ یونانی سس پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کیسے پہنچاؤ گے؟"

"یونان کے مشرقی ساحل پر ایک غیر معروف چھوٹی سی بندرگاہ ہے، جہاں مچھیرے آباد ہیں۔ وہاں ہمارے آدمی موجود ہیں۔ تم اپنی ٹیم کے لیے مختلف افراد کا انتخاب کرو گی، ان میں سے ایک شخص مچھلیوں کا تھوک بیوپاری بن کر کشتیوں کے ذریعے جزیرہ یونانی سس جائے گا۔ یونانی سس کے ساحلی علاقوں میں یونان کے مشرقی شہروں اور ترکی کے مغربی شہروں سے مچھلیوں کے بیوپاری آتے جاتے رہتے ہیں۔ جن میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، اس لیے کوئی تم لوگوں پر شبہ نہیں کرے گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد دو چار دن قیام کرنے کا بہانہ تلاش کرلینا۔ یہ تمھاری ذہانت پر منحصر ہوگا۔"

"تمھارا یہ مشورہ میرے لیے قابلِ قبول ہے۔ میں وہاں ٹھہرنے کا

بہانہ نکال لوں گی۔"

"پچھلے دن میرا ایک آدمی وہاں ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن اسے واپس کر دیا گیا۔ وہ لوگ صبح سے دوپہر تک بیوپاریوں کو ساحلی علاقوں میں رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جزیرے کے اندرونی حصے میں جانے کا موقع نہیں دیتے۔ اسی لیے میں معلوم نہ کر سکا کہ انھوں نے فرہاد صاحب اور اعلیٰ بی بی کو کہاں قید کر رکھا ہے۔ ویسے پورا یقین ہے کہ انھیں وہیں کہیں رکھا گیا ہے۔"

"جب تمھارے آدمی ایک رات بھی وہاں ٹھہر نہیں سکے اور وہ جزیرہ تمھارے لیے پُراسرار ہے تو پھر وہاں دونوں کی موجودگی کا یقین کیسے ہے؟"

"جزیرہ کریٹ کے ایک بلیک پورٹ میں بردہ فروشوں کا اڈّہ ہے۔ ان کا سرغنہ جیسکو کورو ہے۔ میں نے اس کے ذریعے معلومات حاصل کی ہیں۔ جیسکو کورو کو بھی پوری طرح یقین نہیں ہے۔ اسے شبہ ہے کہ دونوں کو جزیرہ یونانی سِس میں چھُپا کر رکھا گیا ہے۔"

مرجانہ جانتی تھی کہ سجاد اور اعلیٰ بی بی کہاں ہیں اور کس طرح جانوروں کے پنجرے کے درمیان ایک مکان میں ہیں لیکن وہ انجان بن رہی تھی۔ اس نے پوچھا: "تم فرہاد کے لیے اتنے پاپڑ کیوں بیل رہے ہو؟ اس سلسلے میں کچھ تو مفاد ہوگا تمھارا؟"

"ہاں۔ ایک تو فرہاد صاحب سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے ان سوداگروں کو فریب دینا چاہتا ہوں جو فرہاد صاحب کو خرید رہے ہیں۔"

"بھلا کس طرح فریب دو گے؟ کیا تم جانتے ہو کہ کتنی خطرناک تنظیمیں فرہاد کا سودا کر رہی ہیں؟ کتنے بڑے بڑے ممالک تمھارے راستے میں حائل ہوں گے؟"

"سب جانتا ہوں۔ میری معلومات بہت وسیع ہیں اور ذرائع بھی لامحدود ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔"

"معلوم تو ہو تمھارا طریقۂ کار کیا ہے؟"

"میں نے فرہاد صاحب کی ڈمی تیار کی ہیں۔ ان کے ہمشکل جوانوں کو فرہاد علی تیمور بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسا کہ تم دیکھ چکی ہو، ایک فرہاد تمھیں یہاں تک لے آیا ہے۔ اس میں کچھ خامیاں ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گی۔ فی الحال دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے یہ ڈمی کافی ہے۔ جو لوگ فرہاد صاحب کے لیے بولیاں دے رہے ہیں، ایسی ڈمی ان کے حوالے کروں گا۔ ان سے بھاری رقومات وصول کروں گا۔ وہ فریب کھا کر ڈمی کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور کروڑوں ڈالر ہمیں دے جائیں گے۔ اس میں تم سب کا حصّہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں، فرہاد صاحب اور ان کے تمام ساتھی کبھی دولت کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ میری طرف سے حصّہ قبول نہ کیا گیا تب بھی میرا عملی تعاون ہر حال میں ساتھ رہے گا۔ میں زندگی کے آخری سانس تک تم لوگوں کے کام آتا رہوں گا۔ میرا مقصد اتنا ہی ہے کہ میں ان تمام خطرناک تنظیموں اور ان تمام بڑے ممالک کو کبھی بلیک میل کرتا رہوں اور کبھی ان کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر انھیں فریب دیتا رہوں اور فرہاد صاحب کے اس کیس میں فریب دینے کا یہ بہترین موقع ہے۔"

"میں آج ہی رات یہاں سے روانہ ہونا چاہتی ہوں۔"

"تم رات کی بات کر رہی ہو، میں ابھی روانہ کر سکتا ہوں۔ ایک چارٹرڈ ہیلی کاپٹر موجود ہے۔ یہ تمھیں اور تمھاری ٹیم کو یونان کے مشرقی ساحل تک پہنچا دے گا۔ ہمارا ایک آدمی تمھیں گائڈ کرتا رہے گا۔ ہماری تیاریاں ہر طرح سے مکمل ہیں۔ تم اپنے سفر کی تیاری کرو۔"

مرجانہ نے بڑے عزم سے کہا: "ہمارا ہر سفر موت کا سفر ہوتا ہے۔ فرہاد کے کسی ساتھی نے آج تک کبھی کسی سفر کی تیاری نہیں کی۔ جہاں ضرورت پیش آئی، وہاں فوراً چل پڑے۔ جو لباس پہنا، وہی بدن پر رہا۔ کبھی کوئی سامانِ سفر نہ رہا۔"

"درست کہتی ہو۔ میں نے فرہاد علی تیمور اور مادام سونیا کا ریکارڈ پڑھا ہے۔ تمھارا ریکارڈ نامکمل ہے۔ اس کا کچھ حصّہ ہماری نظروں سے گزرا ہے۔ میں مانتا ہوں، تم لوگ ہمیشہ سر سے کفن باندھے رہتے ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میں سے کبھی کوئی ہتھیار استعمال نہیں کرتا۔ سب نہتے رہتے ہیں۔ کیا میں سمجھوں کہ اسی وقت اپنے سفر کا آغاز کر سکتی ہو؟"

"کر سکتی ہوں لیکن ایک قباحت ہے۔ یہ ہمارا عارضی میک اَپ ہے۔ ارے ہاں، یہ تو میں پوچھنا بھول گئی کہ میک اَپ کے باوجود تم لوگوں نے مجھے مرجانہ کی حیثیت سے کیسے پہچان لیا؟"

"میرا جو آدمی فرہاد کے روپ میں تمھیں یہاں لے کر آیا ہے، وہ تمھارے گھر کی نگرانی کر رہا تھا۔ تم ایک انگریز لڑکی کے ساتھ وہاں سے نکلیں اور ایئرپورٹ جا کر اُسے رُخصت کیا۔ ہم سمجھ گئے کہ سائرہ بانو کے بنگلے سے نکلنے والی ان دو لڑکیوں میں سے کوئی ایک مرجانہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کے واقعات مجھے معلوم ہیں۔ ٹارزر بلبا تمھیں جبراً کہیں لے گیا تھا۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ ایک قدآور پہاڑ جیسا شخص تمھارے ساتھ ہے تو میں سمجھ گیا کہ وہ ٹارزر بلبا ہو سکتا ہے لہٰذا تمھیں اور بلبا کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ بائی دی وے، وہ انگریز لڑکی کون ہے جسے تم نے ایئرپورٹ پہنچ کر رخصت کیا تھا؟"

مرجانہ نے مسکرا کر کہا: "وہ اسمگلروں کے ایک سنڈیکیٹ سے تعلق رکھنے والی بہت اہم لڑکی ہے۔ اس کا نام انا میریا ہے۔"

بلیک شیڈو نے کہا: "اوہ میں اس کا نام بارہا سُن چکا ہوں۔ بہت ہی باصلاحیت ہے۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا تمھارے ساتھ ایئرپورٹ جانے والی لڑکی کوئی معمولی نہیں ہوگی۔ ضرور کسی اہمیت کی حامل ہوگی۔"

مرجانہ نے کہا: "ہم اپنے موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ میں کس میک اَپ میں وہاں جاؤں؟ موجودہ میک اَپ عارضی ہے۔"

"جزیرہ یونانی سِس کے چاروں طرف سُپر ماسٹر، ماسک مین، یہودی تنظیم کے افراد اور جانے کتنی خطرناک تنظیمیں اپنا اپنا جال بچھا رہی ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو تم دونوں کو جانتے ہیں۔ تمھارا کسی مناسب میک اَپ میں رہنا ضروری ہے۔"

"ہم میک اَپ میں جائیں گے۔ اس کے لیے کچھ وقت لگے گا۔ ویسے رات کے گیارہ بجے یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"اس حساب سے تم رات کے ڈیڑھ یا دو بجے یونان کے ساحل تک پہنچ جاؤ گی۔ اس ساحل سے صبح چار بجے ماہی گیروں کی کشتیاں جزیرہ یونانی سِس کی طرف جاتی ہیں اور بیس میل کا بحری راستہ طے کر کے ڈیڑھ دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جاتی ہیں۔"

مرجانہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ دماغ میں رسونتی کی آواز سُنائی دے رہی تھی: "مرجانہ! میں رسونتی ہوں۔ اگر نفرت کرو گی تو چلی جاؤں گی۔"

"تم میرے دماغ میں رہ سکتی ہو۔ سونیا نے یقین دلایا ہے کہ تم دوست بن رہی ہو۔ میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ بولو کیا بات ہے؟"

"سونیا تمھاری خیریت معلوم کرنا چاہتی ہے۔ اگر کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"خاص پرابلم نہیں ہے۔ میں جزیرہ یونانی سِس جانے والی ہوں۔ اس کے لیے ماسک میک اَپ کرنا چاہتی ہوں۔ سونیا سے پوچھو، میرے اور بلبا کے لیے کس قسم کا میک اَپ مناسب رہے گا۔"

"میں ابھی آتی ہوں۔"

رسونتی اس کے دماغ سے چلی گئی۔ بلیک شیڈو نے پوچھا۔ "مرجانہ! تم اچانک خاموش کیوں ہو گئی ہو؟"

وہ چونک کر بولی: "میں یہاں سے روانگی کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ اپنی ٹیم کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرنا چاہتی ہوں جو ماہی گیری کے [illegible] راستوں کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ آندھی، طوفان اور دیگر مصیبتوں کے دوران سمندر میں صحیح راستے کا تعین کر سکتے ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اچانک صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور جان پر کھیل جانے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔"

"اس بنگلے کے پیچھے ایک اور بنگلہ ہے۔ یہاں سے وہاں تک میرے ماتحت پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ سب ہماری گفتگو سُن رہے ہیں۔ اس لمحے سے تم ہماری گینگ لیڈر ہو۔ یہاں کا ایک ایک فرد تمھارے حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرے گا۔ تم جان پر کھیل جانے کا حکم دو گی تو کوئی انکار نہیں کرے گا۔ اگر ایک انکار کرے گا تو میرا دوسرا ماتحت اسے گولی مار دے گا۔ تم اپنے طریقۂ کار کے مطابق لوگوں کا انتخاب کرو اور ایک ٹیم کی تشکیل کرو۔ یہاں سے وہاں تک تمام لوگ تمھارے ہیں۔ یہاں کے تمام ہتھیاروں پر، تمام دولت پر اور تمام ذرائع پر تمھارا قبضہ ہے۔ تم جس طرح جیسے چاہو، استعمال کر سکتی ہو۔"

اسی وقت رسونتی نے دماغ میں پہنچ کر کہا: "سونیا کہہ رہی ہے میک اَپ نہ کرو۔ اپنے اصلی روپ میں جزیرہ یونانی سِس جاؤ۔"

مرجانہ نے حیرانی سے پوچھا: "کیا سونیا نے ایسا کہا ہے؟"

"ہاں، وہ کہہ رہی ہے، جزیرہ یونانی سِس کے چاروں طرف تمام خطرناک تنظیموں نے اپنے اپنے جال بچھا رکھے ہوں گے، جن لوگوں نے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو قید کیا ہے وہ نادان نہیں ہیں۔ اپنے آس پاس کی خبر رکھتے ہیں۔ تم میک اَپ میں جاؤ گی تو یوگو ہنٹر اور ایالو کبھی یقین نہیں کریں گے کہ تم فرہاد اور اعلیٰ بی بی سے غیر متعلق ہو۔ لہٰذا اپنے اصلی روپ میں رہو اور انھیں پہچان لینے کا موقع دو۔ انھیں یہ تسلیم کر لینے دو کہ تم تلوارِ بے نیام کی طرح ان کے سامنے آئی ہو۔ میک اَپ میں جاؤ گی تب بھی وہ جزیرے کے اندرونی حصّے میں جانے سے روکیں گے۔ اصلی روپ میں جاؤ گی تب بھی روکیں گے۔ تمھیں ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے۔ لہٰذا اپنے اصلی روپ میں پہنچو۔ یہ سونیا کا مشورہ ہے۔"

مرجانہ چند لمحوں تک سر جھکائے سوچتی رہی پھر اس نے سر اُٹھا کر شیشے کی دیوار کے پار دیکھا۔ وہاں کالا سایہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بلیک شیڈو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں اور بلبا یہاں سے اصلی روپ میں جائیں گے۔"

❁

بے ہوشی کا مرحلہ گزر گیا۔ میں ہوش میں آ گیا۔ آنکھیں ابھی بند تھیں۔ میں سوچ رہا تھا، کہاں ہوں؟ کس حال میں ہوں؟

کیا رات کا وقت ہے اور میں سو رہا ہوں؟

لیکن میں بستر پر نہیں تھا۔ خود کو صوفے پر محسوس کر رہا تھا۔ پھر مجھے اپنے بالوں میں کسی کی انگلیوں کا لمس محسوس ہوا کوئی میرے سر کو سہلا رہا تھا۔ میں نے سر گھمانے کی کوشش کی تو پوچھا گیا: "تم ہوش میں آ رہے ہو؟"

لیلیٰ ثانی کی آواز سنتے ہی ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ چار مسلح فلسطینی مجاہدین نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ ان میں صرف ایک صحیح

معنوں میں مجاہد تھا۔ باقی تین بدکردار اور لالچی تھے۔ میں اُنھیں نصیحتیں کرتا رہا تھا۔ ان سے نجات پا لینا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن مجھ سے پہلے ہی لیلیٰ ثانی نے کوئی حربہ استعمال کیا تھا اور میں اس حربے کے نتیجے میں بے ہوش ہوگیا تھا۔

میں نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

وہ مسکرا کر ایک سرنج کو صاف کرتے ہوئے بولی "تم انجکشن کے ذریعے ہوش میں آئے ہو۔ میں دوسرا انجکشن تیار کر رہی ہوں۔ وہ مجاہد جس کا نام طارق ہے اسے بھی ہوش میں لاؤ اور سمجھاؤ کہ یہاں سے فرار ہو جائے ورنہ سارہ آئزک یہودی سپاہیوں کو بُلانے والی ہے۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیلیٰ نے دوسرا انجکشن تیار کیا۔ وہاں فرش پر اور صوفے پر چاروں مجاہدین بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

میں نے کہا۔" یہ سمجھ گیا ہوں کہ تم نے میٹر پن میں اسٹور کی ہوئی ہوش رُبا گیس خارج کی تھی۔ کیا تم بے ہوش نہیں ہوئی تھیں ؟"

وہ مسکرا کر بولی "میں یوگا کی مشقیں کرتی ہوں۔ کم از کم دو منٹ تک سانس روک سکتی ہوں۔"

میں نے اپنا سر تھام کر کہا۔" اوہ مائی گاڈ، تم میرے مقابلے میں دو منٹ تک سانس روک کر ہوش میں رہیں۔ مجھے معلوم ہوتا تو ہمیشہ کے لیے سانس روک لیتا۔ تمھارے حربے سے بے ہوش تو نہ ہوتا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ یہ سرنج لو اور طارق کو ہوش میں لاؤ۔ میں بیڈ روم میں جا کر فون کے ذریعے پولیس والوں کو بُلاتی ہوں اور ان تینوں بدکردار اور لالچی لوگوں کو گرفتار کراتی ہوں۔ میرا نام ہوگا۔ افسران میری کارکردگی سے بہت خوش ہوں گے۔"

مَیں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" میں ایسے لالچی اور بدکردار مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتا اور نہ ہی مجاہد تسلیم کرتا ہوں۔ انھیں گرفتار کرا کے تمھیں کوئی کریڈٹ حاصل کرنا چاہیے تاکہ یہ کریڈٹ دوسرے مجاہدین کے کام آسکے۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ میں نے طارق کے بازو میں انجکشن لگایا۔ چند لمحوں کے بعد ہی وہ کسمسانے لگا پھر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ تھوڑی دیر تک دیدے پھیلائے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فوراً ہی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔" تم اپنی اسٹین گن سنبھالو اور یہاں سے فرار ہو جاؤ۔ ان تینوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

" سارہ آئزک کہاں ہے ؟"

" وہ اپنے بیڈ روم میں پولیس والوں کو فون کرنے گئی ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں، فوراً چلے جاؤ۔ موقع اچھا ہے۔"

" میں اپنے ساتھیوں کو کیسے چھوڑ دوں۔ یہ بھلے ہیں یا بُرے، آخر اپنے ہیں۔"

" یہاں اپنائیت نہ دکھاؤ۔"

میں اسے زیادہ سمجھانا نہیں چاہتا تھا۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا۔ اس کے لیے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنا پڑا۔ وہ فوراً ہی اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اسٹین گن کو اس نے لبادے میں چھپا لیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا بنگلے کے پچھلے حصے سے سڑک پر پہنچ گیا تھا۔ جب سڑک کو پار کر کے دوسری طرف چلا گیا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا ہو کر سوچتا رہا کہ بے اختیار یہاں تک کیسے چلا آیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" اگر تقدیر کو یہی منظور ہے کہ میں بے اختیار چلا آؤں اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس جا کر ان سے مدد حاصل کروں اور اپنے تین ساتھیوں کو یہاں سے نکال لے جاؤں تو مجھے یہی کرنا چاہیے۔ فوراً اپنے ساتھیوں کی مدد حاصل کرنا چاہیے۔"

یہ سوچتے ہی وہ دوڑتا چلا گیا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہاں سے روانگی کے لیے صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ میں اپنے بیڈ روم میں آیا اور اپنا سوٹ کیس پیک کرنے لگا۔ ان برائے نام مجاہدین کو گرفتار کرانے اور ان کے خلاف رپورٹ درج کرانے کے سلسلے میں جو کچھ ہوا، میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ میری داستان کے لیے غیر ضروری ہے۔ البتہ ان تینوں کو گرفتار کرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیکرٹ سروس کے افسران لیلیٰ ثانی کی کارکردگی سے خوش ہو گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ سارہ آئزک کو بیروت روانہ کیا جائے تو یقیناً وہ کرسٹوفر میکی تک پہنچ جائے گی اور مجاہدین کو ہتھیار سپلائی کرنے کے سلسلے میں اہم معلومات حاصل کرنے کے علاوہ دوسرے مجرموں کو بھی جہنم رسید کرے گی۔

لیلیٰ ڈرائینگ روم میں پولیس والوں کے ساتھ مصروف تھی۔ میں چپکے سے اس کے بیڈ روم میں گیا اور ایک تہ کیا ہوا کاغذ اس کے تکیے کے نیچے رکھ کر چلا آیا۔ ہم طیارے کی پرواز سے آدھ گھنٹہ پہلے ائیرپورٹ پہنچ گئے۔ لیلیٰ نے پوچھا۔" بیروت میں تم سے کس طرح ملاقات ہو گی۔ مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ تم نے کہاں قیام کیا ہے ؟"

" میں کالے علم کے ذریعے تمھارا پتا معلوم کروں گا پھر تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

" وعدہ کرتے ہو ؟ مجھے دھوکا تو نہیں دو گے ؟"

" ہرگز نہیں۔ ہمارا مقصد ایک ہے۔ ہم کسی نہ کسی طرح فلسطینی مجاہدین تک مفت ہتھیار پہنچائیں گے۔"

" ہارڈی! تم بہت اچھے ہو۔ میں تمھیں یاد کروں گی۔"

" جھوٹ نہ بولو۔ آخر سیکرٹ ایجنٹ ہو نا، میری شاعرانہ کمزوریوں سے کھیل رہی ہو۔ ایک مرد کو جب یہ سمجھا دیا جائے کہ ایک عورت اس کے بعد بھی اسے یاد کرتی ہے تو وہ بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

" تم پھر وہی احمقانہ گفتگو کر رہے ہو۔ میں اور طرح کی لڑکی ہوں۔ میرے نزدیک عشق و محبت نادانوں کا مشغلہ ہے۔ مجھ سے کبھی اس کی توقع نہ کرنا۔"

" صرف اتنا بتا دو، میرے جانے کے بعد میری یاد آئی تو کیا کرو گی ؟"

" یاد تو دشمن بھی آتے ہیں۔ تم یاد آؤ گے تو کون سی نئی بات ہو گی۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔" میں ایک چٹان سے سر ٹکرا رہا ہوں۔ پرواز کا وقت ہو رہا ہے۔ خدا حافظ۔"

" تمھارا خدا ہی حافظ ہے۔"

میں مسکراتا ہوا اس سے رخصت ہو کر طیارے میں آگیا۔ وہاں تنہائی نصیب ہوئی۔ میں نے کھڑکی کے پار دیکھا۔ کتنے ہی مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے اپنے اپنے رشتے داروں کو الوداع کہنے آئے تھے اور جہاز کے پرواز کرنے تک اسی طرف دیکھتے جا رہے تھے حالانکہ رشتے دار نظر نہیں آرہے تھے لیکن وہ سمجھ رہے تھے کہ کھڑکی کے پاس بیٹھنے والے انھیں دیکھ رہے ہیں۔ اتنی بھیڑ میں لیلیٰ ثانی نہیں تھی۔ میرے رخصت ہوتے ہی وہ اپنے بنگلے کی طرف چلی گئی تھی۔ یعنی ایسی بے رخی، ایسی بے مروّتی جیسے میری کوئی اہمیت ہی نہ ہو بھلا ایک وِچ ڈاکٹر کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ کسی نے جادو ٹونے کے لیے بلایا، اس کا معاوضہ ادا کیا... اور اسے رخصت کر دیا۔ کالا عمل کرنے والوں کو یوں بھی لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔

بہرحال وہ جا چکی تھی۔ تنہائی نصیب ہوتے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ ڈاکٹر شیفرڈ کو دیکھا۔ وہ پیرس سے روانہ ہو چکا تھا۔ بیروت پہنچنے ہی والا تھا۔ میں نے اس سے تھوڑی دیر تک گفتگو کی اور بتایا کہ دو گھنٹے بعد میں بھی بیروت پہنچنے والا ہوں۔ اس کے بعد میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ کیوں کہ طیارہ پرواز کرنے والا تھا۔ میں نے سیفٹی بیلٹ باندھا۔ آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر اپنے آس پاس اور سامنے بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھنے لگا۔

دس منٹ بعد طیارہ فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ میں لیلیٰ ثانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے بنگلے میں پہنچ گئی تھی۔ ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ کر ملازم سے چائے لانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" مجھے یہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں جانا چاہیے۔ وہاں میرے تکیے کے نیچے ایک خط رکھا ہوا ہے۔"

وہ فوراً ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ " یہ میرے دماغ میں کیسا خیال آرہا ہے۔ میں بھلا اپنے بیڈ روم میں کیوں جاؤں اور وہاں کس کا خط ہو سکتا ہے۔ یہ فضول سا خیال میرے دماغ میں کیوں آیا ؟"

دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ پھر دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک گئی۔ اب سوال پیدا ہو رہا تھا۔" میں بے اختیار صوفے سے اٹھ کر یہاں تک کیسے آگئی ؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" شاید یہ بات درست ہو۔ میرے تکیے کے نیچے کوئی خط رکھا ہو۔ آخر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے ؟"

وہ بیڈ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے کمرے کے اندر دیکھنے لگی۔ دور پلنگ پر رکھا ہوا تکیہ نظر آرہا تھا۔ اس کی نظریں بڑی تیز تھیں۔ تکیے کے نیچے سے جھانکتا ہوا ایک تہ کیا ہوا کاغذ نظر آرہا تھا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ کیا واقعی وہاں کوئی خط رکھا ہوا ہے ؟

وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنے بستر کے پاس پہنچی۔ پھر تکیے کے نیچے سے تہ کیے ہوئے کاغذ کو نکال لیا اور اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ ایک بڑے سے صفحے پر میں نے لکھا تھا۔

" لیلیٰ ثانی !

تمھارا مہمان جا چکا ہے مگر وہ مہمان کون تھا ؟

وہ ایزل ہارڈی نہیں تھا کیوں کہ ایزل ہارڈی اب سے تقریباً ڈیڑھ برس پہلے مر چکا ہے

جو مہمان رخصت ہو چکا ہے، اس کی صورت تم کبھی نہیں دیکھ سکو گی۔ جو چہرہ وہ لے کر تمھارے پاس آیا تھا، وہ اب سے دو چار گھنٹے بعد ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گا اور اس کے چہرے کے پیچھے سے ایک نیا چہرہ طلوع ہو گا۔ وہ چہرہ کس کا ہو گا ؟ جس کا بھی ہو گا لیکن وِچ ڈاکٹر کا نہیں ہو گا۔ کیوں کہ ایزل ہارڈی کبھی وِچ ڈاکٹر نہیں تھا اور نہ ہے نہ ہی ہو گا۔ کیوں کہ ایزل ہارڈی تو اس دنیا میں ہے ہی نہیں۔

کیا تم ذہنی الجھن میں مبتلا ہو رہی ہو ؟

میں تمھیں زیادہ نہیں الجھاؤں گا۔ تمھارا مہمان وہی تھا جس نے ابھی ڈرائنگ روم میں اس خط کے متعلق اطلاع دی۔ تم نے اس اطلاع پر یقین نہیں کیا۔ پھر اس مہمان نے تمھیں صوفے سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کے دروازے پر بے اختیار آنے پر مجبور کیا۔ اسی مہمان نے تمھیں اس تکیے کے نیچے اس خط تک پہنچایا۔ میرا خیال ہے، تم سمجھ گئی ہو کہ مہمان کون تھا ؟

بہرحال جو بھی تھا، اب نہیں رہا۔ وہ تمھیں یقیناً ملے گا لیکن اس دعوے کے ساتھ ملے گا کہ تم پھر اسے نہیں پہچان سکو گی۔

اور تمھیں پہچاننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پہچانتے وہ ہیں جو کسی کو چاہتے ہیں۔ کسی کو آئیڈیل بناتے ہیں۔ تم کوئی عورت تو نہیں ہو۔ تم دو اور دو چار کا حساب کرنے اور صحیح اطلاعات فراہم کرنے والا ایک

کمپیوٹر ہو۔ کمپیوٹر کا نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے اور نہ کمپیوٹر کسی کو یاد کرتا ہے۔ بہرحال بیروت پہنچو، میں تمھارے کام آؤں گا۔ تمھیں کرسٹوڈ میکی تک ضرور پہنچاؤں گا۔

فقط۔ تمھارا گمشدہ مہمان "

میری تحریر ختم ہوگئی۔ اس کی نگاہیں تحریر کے آخری الفاظ "گمشدہ مہمان" پر جم گئی تھیں۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی۔

وہ کون تھا؟ میرا مہمان کون تھا؟

جواب واضح تھا۔ مہمان وہی تھا جس نے اسے دماغ میں پہنچ کر تکیے کے نیچے رکھے ہوئے خط کی اطلاع دی تھی اور جس کے زیرِ اثر وہ بے اختیار بیڈ روم میں اس تکیے تک پہنچی تھی اور ایسی بے اختیار حرکتیں کرانے والا اور دماغ میں پہنچ کر اطلاع دینے والا اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک ہی شخص تھا۔ اس شخص کے متعلق اس نے برسوں سوچا تھا۔ کسی کو اپنا آئیڈیل نہ بنانے والی نے غیر شعوری طور پر اپنے دماغ میں بارہا اس کا انتظار کیا تھا۔ شاید سوچ کی لہریں کبھی اپنے اندر محسوس کر سکے اور سمجھ سکے کہ خیال خوانی کیسے ہوتی ہے۔

وہ میری تحریر پر نظریں جماتے سوچ رہی تھی۔ کیا اس لمحے خیال خوانی جاری ہے؟ کیا میرے نام تحریر چھوڑنے والا میرے دماغ میں موجود ہے؟

• اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تمام منتشر خیالات کو ذہن سے جھٹک کر اپنے دماغ میں ایک ہی خیال پر توجہ مرکوز کرنے لگی اور وہ خیال تھا "فرہاد ہے۔ فرہاد میرے دماغ میں ہے۔ وہ کسی بھی لمحے مجھے مخاطب کرنے والا ہے"۔

وہ پلنگ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ مضبوط قوتِ ارادی رکھنے والی لڑکی پہلی بار اپنے پاؤں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ کمزوری کا احساس ہوا۔ وہ کیسی کمزوری تھی؟ ننھے پستولوں سے لے کر بڑی بڑی مشین گنیں چلانے والی کے ہاتھوں میں وہ خط تھا جسے لکھنے کے بعد مہمان گم ہوگیا تھا۔ ایسا ڈرامائی انداز سنگ دل لڑکیوں کو شعوری اور غیر شعوری طور پر ذرا موم کر دیتا ہے۔ ابھی وہ اپنی کمزوری کو نہیں سمجھ رہی تھی مگر حرکتیں وہی تھیں جو کمزوری کا مظہر ہوتی ہیں۔ مثلاً اس نے بغیر سمجھے بوجھے اس خط کو سینے سے لگا لیا تھا۔ دل کہہ رہا تھا "شاید فرہاد اس تحریر کے ذریعے دماغ میں پہنچ جائے" انتظار طویل نہ ہو۔ بس وہ آہی جائے۔ کچھ تو کہہ دے۔ کچھ نہ کہے تو اپنی موجودگی کا احساس ہی دلا دے۔ پھر وہ اعتراف کرے گی۔ ہاں تم نے درست کہا تھا کہ تمھارے جانے کے بعد یاد کروں گی۔ دیکھو، میں یاد کر رہی ہوں"۔

وہ بڑی دیر تک پلنگ کے سرے پر بیٹھی رہی۔ میں نے اس کی سوچ میں چپکے سے کہا "میں کیسی نادان ہوں۔ اسے میرے دماغ میں آنا ہوتا، مجھ سے کچھ کہنا ہوتا تو وہ میرے نام تحریر چھوڑ کر کیوں جاتا۔ جانے والے نے جو نقشِ قدم چھوڑے ہیں، وہ اسی تحریر کی صورت میں چھوڑے ہیں۔ اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں رہا۔

اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا۔ نہ گھر میں آئے گا نہ سر میں آئے گا۔ جانے والے دردِ دل بن جاتے ہیں مگر وہ دردِ سر بن کر رہ جائے گا۔

وہ بستر پر چاروں شانے چت ہوگئی۔ اُجلی چھت کو یوں تکنے لگی جیسے سفید اسکرین پر فرہاد کی تصویر دیکھ رہی ہو۔ اس کے ریکارڈ میں اس نے بارہا تصویریں دیکھی تھیں لیکن چھت کی اجلی اسکرین پر دو صورتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ فرہاد کی اور ایزل ہارڈی کی، کبھی فرہاد، کبھی ایزبل ہارڈی، تم کون ہو؟ کون ہو تم؟

جواب کوئی نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ سے میرا خط چھوٹ گیا۔ کھڑکی سے آنے والی ہواؤں نے اس خط کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ پھر ادھر سے ادھر اڑانے لگی جیسے وہ سوکھا پتہ ہو، جیسے وہ منتشر خیال ہو۔ کہیں ٹھہرنے نہ پاتا ہو۔

ایک مہمان کا خط ہو یا ایک نوجوان لڑکی کا منتشر خیال ہو، ان حالات میں وہ درخت سے ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح ہوا کے رحم و کرم پر اڑتا چلا جاتا ہے۔ بے چاری کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹھہری ہے یا جگہ جگہ اڑتی جارہی ہے۔

★

اسرائیلی زو گارڈن (چڑیا گھر) اور ڈپارٹمنٹ فار وائلڈ اینیمل کے شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے یہودی افسران جزیرہ یونائی رسس پہنچ گئے۔

وہ بظاہر وائلڈ اینیمل ڈپارٹمنٹ کے افسران تھے لیکن اصل میں کچھ اور تھے۔ ان میں سے دو سیکرٹ ایجنٹ، باقی چار بہترین گوریلا فائٹر تھے۔ جنگلی جانوروں کا انتخاب کرنے اور انھیں خریدنے کے سلسلے میں یک ٹیم بنا کر آئے تھے۔ اس ٹیم کے لیڈر کا نام جمی فاؤنڈر تھا اور یہ اسرائیلی سیکرٹ سروس کا بہت ہی مانا ہوا، تجربہ کار اور نہایت مکار ایجنٹ تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جس مہم پر روانہ ہوتا ہے وہاں سے کبھی ناکام واپس نہیں آتا۔

وہ اپنی ٹیم کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر میں آیا تھا۔ اس جزیرے کے مالک یوگو ہنٹر کا بس چلتا تو وہ کسی بھی طیارے یا ہیلی کاپٹر کو اپنے جزیرے پر سے گزرنے کی اجازت نہ دیتا لیکن وہ قانوناً مجبور تھا۔ جب اسے اطلاع ملی کہ اسرائیلی وائلڈ اینیمل ڈیپارٹمنٹ کے لوگ جانور خریدنے کے لیے آرہے ہیں تو اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ صرف کشتیوں یا موٹر بوٹ وغیرہ کے ذریعے آسکتے ہیں۔

آنے والی ٹیم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا، وہ کشتیوں کے ذریعے تکلیف دہ سفر نہیں کر سکیں گے لہٰذا ہیلی کاپٹر کے ذریعے آرہے ہیں۔

یوگو ہنٹر اور اپالو کو صرف اس بات کا اندیشہ تھا کہ پرواز کے دوران آنے والے اس مکان کو بھی دیکھیں گے جو جنگلی جانوروں کے پنجروں کے درمیان تھا اور جہاں سجاد اور اعلیٰ بی بی قید کیے گئے تھے۔

جمی فاؤنڈر نے ہیلی کاپٹر میں پرواز کے دوران دوربین کے ذریعے اس مکان کو دیکھا تھا۔ پائلٹ کو ہدایت دی تھی کہ وہ پنجروں کے چاروں طرف چکر لگائے اور پرواز کرتا رہے۔ یہ سمجھنے کے باوجود کہ یوگو ہنٹر اس پر بڑی سختی سے اعتراض کرے گا ـــ وہ اپنی آنکھوں سے سجاد اور اعلیٰ بی بی کو دیکھنا چاہتا تھا۔

دوسری طرف ان دونوں کو جب بھی کسی ہیلی کاپٹر یا طیارے کی آواز سنائی دیتی تو وہ مکان سے باہر نکل آتے تھے۔ اس وقت بھی وہ مکان کی چھت پر آگئے تھے جس کی وجہ سے جمی فاؤنڈر نے دوربین کے ذریعے صاف طور پر انھیں دیکھ لیا تھا۔

وہ ہیلی کاپٹر بستی کے قریب ایک میدان میں اترا۔ جمی فاؤنڈر کا خیال تھا کہ یوگو ہنٹر اور اپالو ان کے استقبال کے لیے آئیں گے لیکن دونوں میں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ ایک قدآور شخص نے ان کا استقبال کیا۔ وہ چہرے سے درندہ اور جسمانی اعتبار سے چٹان لگتا تھا۔ جمی فاؤنڈر نے اس سے مصافحہ کرتے ہی سمجھ لیا کہ اس سے کبھی ٹکرانے کا موقع آیا تو یہ .... طاقت سے زیر نہیں ہوگا۔ اس سے نمٹنے کے لیے ذہانت کو کام میں لانا ہوگا۔

جمی نے پوچھا "مسٹر یوگو ہنٹر کہاں ہیں؟"

"آپ تشریف لے چلیں۔ یہاں کا گیسٹ ہاؤس آپ کے لیے کھول دیا گیا ہے۔ وہاں آرام فرمائیں۔ باقی گفتگو بعد میں ہوگی"۔

اس چٹانی شخص نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ مہمانوں کو گیسٹ ہاؤس میں لے جائیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد جمی فاؤنڈر نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ کچھ دور ایک بستی نظر آرہی تھی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سبھی تھے۔ کسی بھی جزیرے میں غیر ممالک سے لوگ آتے ہیں تو مقامی باشندے بڑے شوق سے انھیں دیکھنے آتے ہیں لیکن گیسٹ ہاؤس کی طرف بستی کا ایک بچہ بھی نہیں آرہا تھا جیسے انھیں کوئی اہمیت نہ دی جارہی ہو۔

جمی فاؤنڈر نے کمرے میں آکر اپنے ساتھیوں سے کہا "آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔ ہماری اہمیت دو طرح سے ہے۔ ایک تو ہم مملکتِ اسرائیل کی طرف سے آئے ہیں۔ دوسرے ہم ان کے گاہک ہیں۔ بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے جانور خریدیں گے۔ اس کے باوجود یوگو ہنٹر اور اپالو ہم سے ملاقات کے لیے نہیں آئے۔ آخر کیوں؟"

اس کے ساتھیوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے کہا "شاید وہ ہم پر شبہ کر رہے ہوں"۔

ایک اور شخص نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم جانور خریدنے آئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں اندھیرا ہونے والا ہے۔ بھلا رات کے وقت کیا جانور دیکھے جاسکتے ہیں۔ کیا خریدے جاسکتے ہیں۔ شاید یوگو ہنٹر اور اپالو صبح ہم سے ملاقات کرنے آئیں گے"۔

جس وقت جمی فاؤنڈر گیسٹ ہاؤس میں اپنے آدمیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا، اس وقت مرجانہ اور ملبانے بلیک شنیڈ کے تعاون سے اس جزیرے تک پہنچنا منظور کر لیا تھا۔ ادھر سونیا نیپال کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ رسونتی کا طیارہ القرہ پہنچنے ہی والا تھا اور میں نے تل ابیب سے سفر شروع کیا تھا۔ سفر کے دوران جمی فاؤنڈر کے دماغ میں جھانک کر ان کے حالات معلوم کر رہا تھا۔

پھر میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "مسٹر فاؤنڈر! میں فرہاد بول رہا ہوں"۔

وہ ایک دم سے اٹینشن ہوگیا۔ پھر فوجی انداز میں سیلوٹ کرتے ہوئے بولا "یس سر، آپ کا خادم حاضر ہے"۔

وہ مسکا لگا رہا تھا۔ پوری یہودی قوم میرے آگے بچھی جارہی تھی۔ میں نے کہا "تم سب کے لیے یہاں خطرات ہیں۔ میں یوگو ہنٹر کے خیالات پڑھ کر آرہا ہوں۔ تم ہیلی کاپٹر میں پرواز کرنے کے دوران دوربین کے ذریعے مجھے اور اعلیٰ بی بی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر تم نے کاغذ کا ایک گولہ ہماری طرف پھینکا تھا۔ ٹھیک اس وقت یوگو ہنٹر کہیں دوربین سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ تم میری اور اعلیٰ بی بی کی رہائی کے لیے آئے ہو۔ جانور خریدنے کا محض بہانہ ہے"۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف کیا کرنے والے ہیں؟"

"اس کی سوچ کہہ رہی ہے، جب تم جانوروں کا انتخاب کرنے کے لیے پنجروں کے پاس آؤ گے تو تم سب کو پنجروں کے اندر پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں تم لوگوں سے اصلیت اگلوائی جائیگی۔ اگر تم نے یہاں آنے کا مقصد نہ بتایا تو تمھارے اور جانوروں کے پنجرے کا درمیانی دروازہ کھول دیا جائیگا پھر ظاہر ہے وہ درندے تم لوگوں کی طرف آئیں گے"۔

"وہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ہم باقاعدہ اجازت لے کر جزیرے میں آئے ہیں۔ وہ قانونی گرفت میں آجائیں گے"۔

"وہ کہہ رہا تھا، محض تم لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے دو ایسے شیر تمھاری طرف چھوڑے جائیں گے جو تقریباً بے ضرر ہوں گے۔ اس طرح سدھائے ہوئے ہوں گے کہ پنجرے کے باہر کھڑے ہوتے اپالو کے حکم کے مطابق حرکتیں کرتے رہیں گے"۔

"جناب! یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے پہلے سے بتا دیا۔ ہم ان شیروں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے"۔

"تم پہلے پوری باتیں سن لو۔ اپالو نے یوگو ہنٹر کے اس منصوبے سے اختلاف کیا ہے۔ وہ تم لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہتا۔ کسی اور طرح نمٹنا چاہتا ہے۔ اب اس کے دماغ میں کیا منصوبہ ہے کہ تم لوگوں کے خلاف کیا کرنے والا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔ مجھے افسوس ہے،

میں اس کے دماغ میں پہنچ نہیں سکتا؟

ہماری گفتگو کے دوران اپالو اور یوگو ہنٹر گیسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ دس ہٹے کٹے مسلح جوان تھے۔ یوگو ہنٹر نے کمرے میں پہنچ کر ان چھ مہمانوں کو دیکھا۔ جمی نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "مجھے جمی فاؤنڈر کہتے ہیں۔ میں..."

اس نے پیچھے ہٹ کر مصافحہ سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "اپنا تعارف نہ کراؤ۔ میں تم سب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے دو ٹوک باتیں کرنے کی عادت ہے۔ تم لوگ جانور خریدنے آئے ہو۔ ان دنوں ہم دو طرح کا کاروبار کر رہے ہیں۔ جزیرے میں جانور فروخت کرتے ہیں اور جزیرے کے باہر دو انسانوں کو فروخت کرنے کے لیے خریداروں کی بڑھتی ہوئی بولیاں سن رہے ہیں۔ تم لوگ کیا خریدنا چاہتے ہو، انسان یا حیوان؟"

جمی فاؤنڈر نے مسکرا کر کہا: "جب آپ سمجھ ہی چکے ہیں تو میں ایک دوست بن کر مشورہ دوں گا، مسٹر فرہاد علی تیمور اور مادام اعلیٰ بی بی کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

"ان دونوں کو جزیرے کے باہر خریدا جا سکتا ہے۔ یہاں ان کی... ڈلیوری نہیں ہوگی۔"

"ہم یہیں سے انھیں لے کر جائیں گے۔"

اپالو نے غرّا کر اپنی مقامی زبان میں کچھ کہا۔ جس کا ترجمہ میں نے یوگو ہنٹر کے دماغ سے سُنا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نے جو منصوبہ بنایا ہے، اس پر عمل کیا جائے۔ یہ سیدھی طرح نہیں مانیں گے۔"

ہنٹر نے کہا: "مسٹر فاؤنڈر! اگر تم فرہاد علی تیمور اور اعلیٰ بی بی کو یہاں سے لے جانا چاہتے ہو تو میں تمھیں راستہ بتائے دیتا ہوں۔ یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر وہ مکان ہے۔ اس کے چاروں طرف مختلف جانوروں کے پنجرے ہیں جنھیں تم ہیلی کاپٹر کی پرواز کے دوران دیکھ چکے ہو۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے تم لوگوں کو جنگلوں، دلدلوں اور ایک گہری ندی کی منہ زور لہروں کے درمیان سے گزرنا ہوگا۔ جب اس گیسٹ ہاؤس سے نکل کر تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کر لوگے تو ہم یہاں سے اپنے خونخوار کتّے تمھارے پیچھے چھوڑ دیں گے۔ پیچھے کتّے ہوں گے، آگے دشوار گزار راستے۔ ان سے نمٹ کر اس مکان تک پہنچ سکو تو مسٹر فرہاد اور اعلیٰ بی بی تمھارے ہیں۔ ہم اعتراض نہیں کریں گے۔ اگر وہاں تک نہ پہنچ سکے تو نتیجے کے طور پر جہاں پہنچ جاؤ گے، وہاں کا پتا تمھارے حکام کو کبھی نہیں چلے گا۔ وہ دیکھو تمھارا ہیلی کاپٹر یہاں سے جا رہا ہے۔"

ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ سب کمرے سے نکل کر گیسٹ ہاؤس کے برآمدے میں آ گئے۔ دن کی ڈوبتی ہوئی روشنی میں اسے پرواز کرتے ہوئے دیکھنے لگے۔ یوگو ہنٹر نے کہا: "ہمارے آدمی نے تمھارے پائلٹ کو ریوالور کی زد میں رکھ کر دھمکی دی تھی کہ اگر وہ یہاں سے پرواز نہیں کرے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ وہ بیچارہ اپنی جان بچانے کی خاطر ہیلی کاپٹر یہاں سے لے گیا ہے۔"

"تم قانون کے خلاف حرکتیں کر رہے ہو۔"

"کیسا قانون؟ قانون کے مطابق ابھی ہم نے ان کاغذات پر دستخط نہیں کیے ہیں، جن کے ذریعے اس بات کا ثبوت فراہم ہو سکتا کہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے تم یہاں پہنچ گئے ہو۔ وہ پائلٹ کاغذات پر دستخط کرائے بغیر یہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ اس جزیرے میں موجود نہیں ہو۔ کاغذات اس بات کے گواہ ہیں۔"

اپالو نے اپنی زبان میں کہا: "مسٹر ہنٹر! ان لوگوں کو آخری وارننگ دو۔ یہ واپس جانے پر آمادہ ہو جائیں تو انھیں کشتی کے ذریعے یونان کے مشرقی ساحل تک پہنچا دیا جائے گا۔ انکار کی صورت میں یہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی کی طرف جائیں گے۔ ان کے آگے دشوار گزار راستے اور پیچھے شکاری کتّے ہوں گے۔"

یوگو ہنٹر نے پوچھا: "مسٹر فاؤنڈر! کیا ارادے ہیں؟ واپس جانا چاہتے ہو تو ہم کشتیوں کا انتظام کر دیتے ہیں۔ ورنہ کھلی آزادی ہے۔ فرہاد اور اعلیٰ بی بی تک پہنچ سکتے ہو تو کوشش کرو۔ بس حوصلہ چاہیے۔"

جمی فاؤنڈر نے اپنے ساتھیوں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ پھر کہا: "ہم میں حوصلہ ہے۔ ہم فرہاد صاحب تک ضرور پہنچیں گے۔"

ہنٹر نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے چھ مہمانوں کی تلاشی لی۔ کسی کے پاس سے ریوالور کسی کے پاس سے چاقو برآمد ہوتے وہ سب اپنے قبضے میں کر لیے گئے۔ انھیں نہتا کرنے کے بعد ہنٹر نے اپنے ایک ماتحت سے کہا: "انھیں رسّیاں فراہم کرو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ جمی فاؤنڈر اور اس کے ساتھیوں کے آگے رسّیوں کا ایک بڑا سا بنڈل لا کر رکھ دیا گیا۔ پھر حکم دیا گیا: "اپنے مہمانوں کے لیے ایک ایک چاقو مہیا کرو۔"

مختلف چاقو نما قسم کے ہتھیار مہیا کیے گئے۔ کچھ لانبے پھل والے چاقو تھے اور کچھ درانتی نما ہتھیار تھے۔ یوگو ہنٹر نے کہا: "جنگلات سے گزرنے کے لیے ایسے ہی ہتھیاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وقتِ ضرورت پھندا ڈالنے کے لیے رسّیاں کام آتی ہیں۔ ہم اس سے زیادہ تمھاری مدد نہیں کر سکتے۔ تم سب بیس منٹ کے اندر ایک میل کا فاصلہ طے کرو گے۔ ٹھیک بیس منٹ کے بعد یہاں سے شکاری کتّے چھوڑ دیے جائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپالو کے ساتھ چلتا ہوا برآمدے سے اتر کر دور چلا گیا۔ اس کے مسلح ماتحت بھی مہمانوں کو چھوڑ کر گیسٹ ہاؤس کے چاروں طرف پھیل گئے۔ جمی فاؤنڈر اور اس کے ساتھی کمرے میں گئے۔ اپنا جو ضروری سامان سمیٹ کر ساتھ لے جا سکتے تھے، وہ سامان اپنے ساتھ رکھ لیا جس میں کھانے کا سامان بھی موجود تھا۔ پھر وہ وہاں سے نکل پڑے۔

ہیلی کاپٹر کی پرواز کے دوران انھوں نے سمت کا تعین کر لیا تھا کہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی جس مکان میں ہیں، وہ جزیرے کے کس سمت میں ہے اور ان کا گیسٹ ہاؤس کہاں ہے۔ جمی فاؤنڈر جاگتا ہوا ذہن رکھتا تھا۔ ایک بار جن مقامات کو دیکھ لیتا تھا، انھیں ذہن نشین کر لیتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ کس طرح گیسٹ ہاؤس سے نکل کر اس مکان کی طرف جانا چاہیے لہٰذا اس نے ساتھیوں کو حکم دیا: "میرے ساتھ دوڑتے ہوئے جتنی دور نکل سکتے ہو نکل چلو۔"

پھر انھوں نے دوڑنا شروع کیا۔ جس رفتار سے وہ دوڑ رہے تھے اس طرح وہ بیس منٹ میں دو میل سے بھی آگے نکل سکتے تھے۔

میں ذرا دیر کے لیے انھیں چھوڑ کر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ رسونتی کے لب و لہجہ میں کہا: "میں ابھی جزیرہ یونانی سس سے کچھ معلومات حاصل کر کے آئی ہوں۔ وہاں یہودیوں کے جاسوس پہنچے ہوئے ہیں لیکن یوگو ہنٹر اور اپالو کے سامنے بے نقاب ہو گئے ہیں۔"

میں نے جمی فاؤنڈر اور اس کے ساتھیوں کے متعلق بتایا، اور سمجھایا کہ اسے اور بلبا کو اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار رکھنا چاہیے جو یوگو ہنٹر اور اپالو کی نظروں میں نہ آئے۔ مرجانہ نے کہا: "یہ ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔ ہم نے آج تک ہتھیار نہیں رکھے، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"میں جانتی ہوں لیکن تمھارا مقابلہ اب تک انسانوں سے ہوتا رہا۔ تم سب کے پاس یقیناً کوئی ہتھیار نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود ٹیلی پیتھی کا ہتھیار تمھارے ساتھ رہا کرتا تھا چونکہ ہماری ٹیلی پیتھی کتوں پر اثر نہیں کرے گی، اسی لیے سمجھا رہی ہوں۔"

"میں تمھارے مشورے پر غور کروں گی۔ ہم ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔"

میں مرجانہ کو سمجھانے کے بعد پھر جمی فاؤنڈر کے پاس آ گیا۔ وہ لوگ دوڑتے ہوئے ایک میل سے آگے نہ جا سکے کیوں کہ آگے دلدل تھی، تیزی سے دوڑ نہیں سکتے تھے۔ دلدل اتنی گہری ہو سکتی تھی کہ وہ بالکل ہی اندر چلے جاتے۔ پھر وہاں سے ابھرنے کے لیے کوئی راستہ نہ ملتا۔ وہ ایک جگہ رُک گئے تھے۔ جن کے پاس درانتی نما ہتھیار تھے وہ فوراً ہی درخت کی لمبی لمبی شاخیں کاٹنے لگے تاکہ انھیں لاٹھیوں کے طور پر استعمال کریں اور ان کے ذریعے دلدل کی گہرائی کو... سمجھتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں۔

شاخوں کو درختوں سے کاٹنے اور انھیں چھیلنے میں ذرا وقت لگتا ہے۔ اس وقت تک کتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے یوگو ہنٹر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس کے ماتحت شکاری کتوں کو لے کر جمی فاؤنڈر کے تعاقب میں نکل پڑے تھے۔ یوگو ہنٹر اپالو کے ساتھ دوسرے راستے سے اعلیٰ بی بی کی طرف جا رہا تھا۔ میں ہنٹر کے ساتھ لگا رہا۔ اپالو جیپ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ جس پختہ سڑک سے وہ گزر رہے تھے، وہ سڑک جانوروں کے پنجرے تک گئی تھی۔

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا: "اگر جمی فاؤنڈر اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ راستہ اختیار کرتا تو کیا ہوتا؟"

اس کی اپنی سوچ نے جواباً کہا: "کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ ادھر آتا تو شکاری کتّے ادھر بھی اس کا تعاقب کرتے۔ یہ راستہ بظاہر پختہ اور آسان ہے لیکن ان دشوار گزار راستوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ جب ہمارے شکار ادھر سے گزرتے ہیں تو ہم آدمیوں کو دور تک پھیلا دیتے ہیں۔ پھر ان پر کبھی تیروں کی بارش ہوتی ہے کبھی فائرنگ ہوتی ہے اور کبھی راستے میں پھندے پھیلائے جاتے ہیں۔"

اس کی سوچ پڑھ کر معلوم ہو گیا، دونوں ہی راستے خطرناک تھے۔ میں پھر جمی فاؤنڈر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ لوگ دلدل میں درخت کی شاخوں کو ٹیکتے ہوئے، گہرائی ناپتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ کتّے قریب آ پہنچے تھے لیکن وہ دلدل میں نہیں آ رہے تھے۔ اگرچہ وہ گہری نہیں تھی تاہم ان کے پاؤں پنڈلیوں تک دھنس جاتے تھے۔ ایک ایک قدم اٹھا کر آگے بڑھنے میں دیر ہو رہی تھی۔ دشواری بھی ہو رہی تھی۔ کیچڑ آلود پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔

وہ کتّے دلدل کے سرے پر رُک گئے تھے پھر وہ دو مختلف سمتوں میں دوڑنے لگے۔ انھوں نے فی الحال تعاقب چھوڑ دیا تھا۔ وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر رہے تھے۔ ان کتوں کے ساتھ جو مقامی باشندے آئے تھے، میں ان کے دماغوں کو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ یوگو ہنٹر کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا لیکن دیر ہو چکی تھی کیوں کہ وہ آدھا دلدلی راستہ پار کر چکے تھے۔ اب کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

میں انتظار کرنے لگا۔ دلدل پار کرنے کے بعد پتا چل سکتا تھا کہ وہ آگے کس طرح بڑھیں گے اور ان کے ساتھ کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ میں نے سوچا تھا، طیارے میں سفر کرنے کے دوران مختصر سی خیال خوانی کے ذریعے اپنے دوستوں کی خیریت معلوم کروں گا۔ پھر کرسٹو فریکی کے متعلق مزید معلومات حاصل کرتا رہوں گا تاکہ اس کا رول کامیابی سے ادا کرتا رہوں لیکن جزیرہ یونانی سس میں جمی فاؤنڈر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، اس میں دلچسپی بھی تھی تجسس بھی تھا اور معلومات

بھی حاصل ہو رہی تھیں۔ یہ معلومات آئندہ مرجانہ اور ببا کے کام آسکتی تھیں۔ اسی لیے میں ذاتی مصروفیات چھوڑ کر جمی کے ساتھ لگا رہا۔

وہ سب موت کے راستے پر چل رہے تھے۔ سفر کے آغاز میں انھوں نے دوڑتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ اس کے ساتھ دو سو گز کا دلدلی راستہ تھا۔ اسے پار کرنے میں تقریباً چالیس منٹ لگ گئے۔ دوسری طرف پہنچنے کے بعد انھوں نے پتلون کے پائینچوں اور جوتوں سے کیچڑ صاف کی۔ پھر آگے چل پڑے۔ اندھیرا ہو چکا تھا، آگے راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ دو ساتھیوں کے پاس ٹارچ تھی۔ جمی فاؤنڈر نے ٹارچ کی روشنی میں اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھا۔ اس گھڑی کے ساتھ قطب نما منسلک تھا جس کے ذریعے وہ معلوم کر سکتا تھا کہ شمال کس طرف ہے۔ اسی طرف وہ مکان تھا جہاں سجاد اور اعلیٰ بی بی ان کا انتظار کر رہے تھے۔

تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انھیں کتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگے۔ روشنی زیادہ دور تک نہیں جاتی تھی جنگل گھنا تھا۔ آوازیں ایسے آرہی تھیں جیسے کتے چاروں طرف سے آرہے ہوں یا پھر ان کی آوازوں کی بازگشت ہو جو چاروں طرف گونج رہی ہو۔

جمی فاؤنڈر نے اپنے ساتھیوں کو ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہمیں ادھر جانا ہے جتنی تیزی سے دوڑ سکتے ہو دوڑتے چلو۔"

انھوں نے دوڑ لگانا شروع کی۔ وہ شہروں میں رہتے تھے لیکن انھوں نے گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کرنے کے دوران صحراؤں میں اور جنگلوں میں زندگی گزارنا، چلنا پھرنا اور دوڑنا سیکھا تھا۔ اس لیے ہر نشیب و فراز سے گزرتے جا رہے تھے۔ کہیں جھاڑیاں ان کا راستہ روکتیں یا گھنے درختوں کی شاخیں راہ میں حائل ہوتیں تو وہ درانتی نما ہتھیاروں سے انھیں کاٹ کر راستہ بنا لیتے تھے۔

گوریلے کبھی مسلسل نہیں دوڑتے۔ وہ شیروں کی طرح اپنے شکار کی بُو سونگھتے جاتے ہیں۔ کبھی دوڑتے ہیں، کبھی چلتے ہیں اور کبھی رُک کر، کان لگا کر آہٹیں سنتے ہیں۔ اندازہ کرتے ہیں کہ دشمن کدھر سے آرہے ہیں۔ کتے ایسے دشمن تھے جو صرف اپنی آہٹ نہیں سنا رہے تھے بلکہ خطرے کی گونجتی ہوئی گھنٹی کی طرح بھونکتے چلے آرہے تھے اور وہ آگئے۔ یک بیک چاروں طرف سے بھونکنے کی آوازیں آئیں۔ اندھیرے میں جہاں جہاں ٹارچ کی روشنی گئی، وہاں کتے ہی کتے نظر آئے۔ وہ حیران رہ گئے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ خونخوار کتے اتنی تعداد میں پیچھے لگانے جائیں گے۔ جمی فاؤنڈر اور اس کے ساتھیوں کو گننے کی فرصت نہیں ملی کیوں کہ وہ چھلانگ لگا رہے تھے اور خون آشام دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے حملے کر رہے تھے۔

وہ جگہ اچھی خاصی میدانِ جنگ بن گئی تھی۔

ان سب کے ایک ایک ہاتھ میں درخت کی شاخیں تھیں اور دوسرے ہاتھوں میں لانبے پھل کے چاقو یا درانتی نما ہتھیار تھے۔ وہ تراشیدہ شاخوں کے ذریعے کتوں کو پرے دھکیلتے جا رہے تھے اور خود آگے بڑھتے جا رہے تھے لیکن کتے بھی پیچھے سے چھلانگ لگاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مقابلہ کرنے والوں کو چاروں طرف گھومنا پڑتا تھا۔ کبھی اِسے، کبھی اُسے روکنا پڑتا تھا۔ کبھی درخت کی شاخوں کو اور کبھی چاقوؤں کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔

میں نے طیارے کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں تاکہ میرا ہمسفر یا ائیر ہوسٹس وغیرہ مخاطب نہ کریں وہ منظر اتنا سنسنی خیز تھا کہ میں کہیں اور توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ جمی فاؤنڈر کے دماغ میں بیٹھ کر خود اس کی جگہ پہنچ گیا تھا۔ انھیں زندگی اور موت کے درمیان لڑتے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک پر چار چار، پانچ پانچ خونخوار کتے پل پڑے تھے۔ انھیں بھنبھوڑتے جا رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ سے درخت کی شاخ چھوٹ گئی تھی، کسی کے ہاتھ سے چاقو نکل گیا تھا۔ پھر بھی وہ لڑ رہے تھے۔ واقعی بہترین تربیت یافتہ گوریلے تھے۔ ان حالات میں بھی اپنے ذہن کو قابو میں رکھنا جانتے تھے جن کے پاس ٹارچ تھی وہ وقتاً فوقتاً اپنے ساتھیوں کی طرف روشنی کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جس کے ہاتھ سے چاقو نکل جاتا وہ اس روشنی میں چاقو تلاش کر کے اٹھا لیتا۔ وہ لہو لہان ہو رہے تھے... انھوں نے کئی کتوں کو چاقوؤں کی نوک پر اچھال کر ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ دونوں طرف سے برابر کی ٹکر تھی۔ کتوں کی لاشیں گر رہی تھیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ کتنے ہیں۔ یوں لگتا تھا، جیسے ناگہانی آفات ہیں، ایک کے بعد ایک نازل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

اگر کھلا میدان ہوتا، دن کی روشنی ہوتی تو وہ ناگہانی بلاؤں کی طرح نہ آتے۔ اندھیرے میں گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے سبب پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کدھر سے آرہے ہیں۔ کبھی ٹارچ کی روشنی میں نظر آتا تھا کہ وہ جھاڑیوں کے پیچھے سے چھلانگ لگاتے تھے یا کسی درخت کی آڑ سے نکل کر چلے آتے تھے۔ پندرہ منٹ کی مسلسل جنگ کے بعد خونخوار کتوں نے ان کے دو ساتھیوں کو بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔ ان کی بوٹیاں نوچنے لگے۔ جمی فاؤنڈر نے اپنے سیکرٹ ایجنٹ ساتھی سے کوڈ ورڈز میں کہا "تمھارے پاس بھی قطب نما ہے۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمھارے پیچھے آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہنے کے بعد وہ اپنے ساتھی کے سامنے ڈھال بن گیا۔ اس کی طرف جو کتے آتے تھے انھیں اپنے طور پر روکنے کی کوشش کرتا تھا۔ دو گوریلے فائٹر بھی اس کی مدد کر رہے تھے۔ اس دوران اس نے رسّی کا ایک پھندا بنا کر درخت کی کسی شاخ پر ڈالا پھر اس کے ذریعے لٹکتے ہوئے اوپر جانے لگا۔ کتے اس پر چھلانگ لگا رہے تھے۔ دو گوریلے فائٹر انھیں جمی تک پہنچنے سے روک رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اوپر پہنچ گیا لیکن نیچے لڑنے والے دونوں گوریلے ان کتوں میں بری طرح گھر گئے۔ دو چار ہوتے تو کوئی بات نہ تھی۔ وہ اتنے تھے کہ گوریلا کے آگے کچھ

نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں رسّی کے ذریعے درخت پر چڑھنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک گئے، ہار گئے، گر گئے اور ان خونخوار کتوں کی خوراک بنتے چلے گئے۔

جمی فاؤنڈر اس درخت کی سب سے اونچی شاخ پر پہنچ گیا تھا... وہاں بیٹھ کر بے شمار کتوں کے بھونکنے کی مسلسل آوازیں سن رہا تھا۔ یقیناً چند کتے اپنی خوراک کی طرف لگے ہوں گے اور کچھ اس درخت کے آس پاس بھونک رہے ہوں گے تاکہ ان کا ایک شکار کسی طرح نیچے اُتر آئے۔

اس نے اپنی کلائی کی گھڑی کھولی۔ اس میں سے ایک ننھا سا تار باہر نکالا۔ پھر اس گھڑی کو ٹرانسمیٹر کی طرح آپریٹ کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے رابطہ قائم ہو گیا جو اپالو اور لوگو ہنٹر کی دھمکی کے باعث چلا گیا تھا۔ جمی نے کوڈ ورڈز سنانے کے بعد کہا "فوراً ہیلی کاپٹر لے کر آؤ۔ تم نے جس گیسٹ ہاؤس کے قریب ہمیں پہنچایا تھا، میں وہاں سے شمال کی جانب گیسٹ ہاؤس سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر گھنے جنگل میں ہوں۔ ایک درخت کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی ٹارچ کے ذریعے مخصوص اشارے کروں گا۔ تم ہیلی کاپٹر اس درخت کے اوپر لے آنا۔ کیا یہاں آنے میں کوئی مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے؟ اوور۔"

جواب ملا "کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ میں ابھی آرہا ہوں۔ اوور۔"

"ہری اپ، جتنی جلدی ہو سکے آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں.... اوور اینڈ آل۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ گھڑی کو دوبارہ کلائی میں پہننا چاہتا تھا۔ پھر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے اسے آن کیا تو اپنے اس سیکرٹ ایجنٹ ساتھی کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "میں ایک درخت پر چڑھ گیا ہوں۔ نیچے کتے موجود ہیں۔ ابھی میں نے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو تمھاری باتیں سن لیں۔ جب ہیلی کاپٹر یہاں پہنچے تو مجھے بھی ساتھ لے لینا۔........ میرے پاس ٹارچ نہیں ہے۔ میں سگنل نہیں دے سکوں گا، لہٰذا کسی طرح مجھے تلاش کر لینا۔ اوور۔"

"ہیلی کاپٹر کی سرچ لائٹ کے ذریعے تمھیں ڈھونڈ لیا جائے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

پندرہ منٹ کے بعد ہی ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دینے لگی۔ نیچے کتوں کے بھونکنے کا شور برابر جاری تھا۔ دور بہت دور ایک سرخ روشنی جلتی بجھتی جمی کی طرف چلی آرہی تھی۔ اس نے ٹارچ کو روشن کیا۔ پھر اسے مخصوص انداز میں کبھی جلانے کبھی بجھانے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر ٹھیک اس درخت کے اوپر چلا آیا۔ وہاں سے نائیلون کی ایک سیڑھی لٹکنے لگی۔ میں جمی فاؤنڈر کے دماغ میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ جب وہ سیڑھی کے نچلے سرے کو تھام کر درخت کی شاخ کو... چھوڑ کر اوپر چڑھنے لگا تو اچانک فائرنگ شروع ہو گئی۔ نیچے کتوں کو قابو کیا جا رہا تھا جوانوں کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اب انسانوں نے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ اس کے جواب میں ہیلی کاپٹر سے بھی فائرنگ ہونے لگی۔ اس وقت جمی ہیلی کاپٹر کے اندر پہنچ گیا تھا۔ اس کی پرواز اونچی ہو گئی تھی تاکہ فائرنگ کی زد سے محفوظ رہے۔ بلند پرواز کے دوران وہ سرچ لائٹ کے ذریعے اپنے ساتھی کو تلاش کر رہے تھے۔ ذرا دیر بعد وہ بھی ایک درخت کی شاخ پر نظر آگیا۔

وہ نیچی پرواز نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ آخر انھوں نے ہیلی کاپٹر کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اپنے ساتھی سے ذرا دور چلے گئے تاکہ فائرنگ کرنے والے بھی ادھر چلے جائیں اور کوئی ان کے ساتھی کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ ان کی یہ چال نتیجہ خیز ثابت ہوئی... وہ فائرنگ کرنے والے ہیلی کاپٹر کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اسے نیچی پرواز کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ ایسے ہی وقت جمی فاؤنڈر نے ہیلی کاپٹر سے ہینڈ گرنیڈ پھینکنے شروع کیے۔ مسلسل دھماکے شروع ہو گئے کبھی ادھر، کبھی ادھر، دُور دُور تک دھماکے ہوتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی فائرنگ کی آواز تھم گئی۔ اتنی خاموشی کافی تھی۔ ہیلی کاپٹر کو فوراً ہی اس درخت کی طرف لے جایا گیا۔ جہاں ان کا ساتھی انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ سیڑھی کے ذریعے اوپر آنے لگا تو نیچے سے فائرنگ نہیں ہو رہی تھی۔ یقیناً فائرنگ کرنے والے ہینڈ گرنیڈ کی زد میں آگئے تھے یا بہت زیادہ تیزی سے دوڑتے ہوئے ادھر نہیں آسکے تھے۔ اب وہ ہیلی کاپٹر ان سے بہت دور چلا جا رہا تھا۔

جمی نے ہولے ہولے مجھے پکارنا شروع کیا "فرہاد صاحب! پلیز، فرہاد صاحب اگر آپ موجود ہیں تو میری سوچ پڑھ لیں۔ میں اس مکان کی طرف جا رہا ہوں، جہاں آپ اور اعلیٰ بی بی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ دونوں فوراً مکان کی چھت پر چلے آئیں۔ میں آرہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ فوراً ہی اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ گیا تاکہ انھیں چھت پر پہنچنے کے لیے کہہ سکوں لیکن وہاں سچویشن بدل چکی تھی۔ اس مکان کی چھت پر اپالو کے آدمیوں نے مورچہ بنا لیا تھا۔ ایک مشین گن رکھ کر ہیلی کاپٹر کا انتظار کر رہے تھے۔

میں نے جمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ابھی ہماری طرف نہ آنا۔ دشمنوں نے چھت پر مشین گن نصب کی ہے۔ تمھارے ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ میں تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کروں گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنی جان بچاؤ اور جزیرے سے نکل جاؤ۔ کوئی مناسب موقع ہو گا تو تمھیں اطلاع دوں گا پھر ادھر چلے آنا۔"

میں لوگو ہنٹر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اور اپالو اپنے دس ہٹے کٹے مسلح جوانوں کے ساتھ ایک سرنگ کے راستے سے اس مکان کے تہ خانے کے ایک تنگ زینے پر چڑھتے ہوئے مکان کے ایک کمرے میں پہنچ

گئے تھے۔ وہاں انھوں نے سجاد اور اعلیٰ بی بی کو ہتھیاروں کے درمیان بے بس کر دیا تھا۔ چار جوان مشین گن لے کر چھت پر چلے گئے تھے۔ باقی چھ نے سجاد اور اعلیٰ بی بی کو نشانے پر رکھتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ وہ سیدھی طرح تہ خانے میں نہیں جائیں گے تو انھیں بے دست و پا بنا کر لے جایا جائے گا۔

اعلیٰ بی بی نے جواب دیا تھا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے جو کہو گے ہم عمل کریں گے۔ ہم جانتے ہیں، ہمیں زیادہ دیر تمھاری قید میں نہیں رہنا ہے۔ یا تو ہمارے آدمی لے جائیں گے یا کوئی خریدار لے جائے گا۔"

وہ سجاد کے ساتھ تہ خانے میں آگئی تھی جس وقت یوگو ہنٹر تہ خانے کا دروازہ بند کر رہا تھا، میں اس کے دماغ میں موجود تھا۔ دروازے کو کھولنے اور بند کرنے کی تکنیک کو سمجھ رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی اور سجاد کو اس تہ خانے میں قید کرنے کے بعد ان کی نگرانی کے لیے چار مسلح جوانوں کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ چار مکان کی چھت پر تھے اور باقی دو مکان کے اندر رہ گئے تھے تاکہ چھت پر رہنے والوں کی ضرورت کے وقت کام آتے رہیں۔

یوگو ہنٹر اور اپالو ہرنگ کے راستے سے گزرتے جا رہے تھے اور میں اس راستے کو سمجھتا جا رہا تھا۔ پھر وہ ایک تنگ زینے پر چڑھتے ہوئے اوپر آگئے۔ وہ ایک گیراج تھا۔ وہاں ان کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے فرش کو ایک میکینزم کے ذریعے ہموار کیا۔ جیپ کار کو باہر نکالا۔ گیراج کو بند کیا۔ پھر اس جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔ یوگو ہنٹر کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے ایک چھوٹے سے بنگلے میں جا رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر یونانی حکام سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے اور شکایت کرنا چاہتا ہے کہ اسرائیلی حکام ان پر غلط الزام عائد کر رہے ہیں۔ ان کا فرہاد اور اعلیٰ بی بی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود چند یہودی جانوروں کو خریدنے کے بہانے جزیرے میں آئے تھے۔ انھوں نے ہینڈ گرینیڈ وغیرہ کے ذریعے ان کے جنگلات میں تباہی مچائی ہے اور وہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔

یوگو ہنٹر نے اپنی صفائی پیش کرنے کے بعد یونان کے ذمہ دار افسران سے درخواست کی "آپ جزیرے میں آکر تفتیش کریں۔ پھر مطمئن ہونے کے بعد تصدیق کر دیں کہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی ہمارے جزیرے میں نہیں ہیں۔"

ان سے رابطہ ختم کرنے کے بعد ہنٹر نے جیسکو رو سے رابطہ قائم کیا اور کہا "مسٹر جیسکو رو! تم نے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو ہماری تحویل میں دیا ہے۔ ہمارے درمیان معاہدہ ہے کہ جب تک ان کا سودا نہ ہو اور انھیں سودا کرنے والوں کے حوالے نہ کیا جائے، اس وقت تک تمھیں بھی یہ نہیں بتایا جائے کہ ہم نے انھیں کہاں چھپا رکھا ہے لیکن کچھ دشمن فرہاد تک پہنچنے کی ناکام کوشش کر چکے ہیں۔ انھوں نے میرے جزیرے پر حملہ کیا تھا۔ حالانکہ فرہاد اور اعلیٰ بی بی یہاں نہیں ہیں۔ اندیشہ ہے کہ سپر ماسٹر، ماسک مین اور دوسری خطرناک تنظیمیں اس حملے کے بعد ادھر ہی کا رخ کریں گی۔ میں جانوروں کو فروخت کرنے کا سیدھا سادا کاروبار کرتا ہوں۔ اس جزیرے کو دشمنوں کی آماجگاہ نہیں بنا سکتا لہٰذا تم اپنی طرف سے سپر ماسٹر، ماسک مین، یہودیوں اور دوسری خطرناک تنظیموں کو وارننگ دے دو کہ کسی نے فرہاد اور اعلیٰ بی بی کو تلاش کرنے کی کوشش کی، انھیں خریدنے کے سلسلے میں ہمارا مطالبہ پورا کیا تو ان دونوں کی لاشیں ملیں گی۔ کوئی انھیں زندہ سلامت حاصل نہیں کر سکے گا۔"

یوگو ہنٹر جو چالیں چل رہا تھا ان کے مطابق اسرائیلی سیکرٹ سروس کے ایجنٹ جمی فاؤنڈر کو کچھ بتانا غیر ضروری تھا۔ میں نے اسے اعلیٰ بی بی اور سجاد کی طرف جانے سے روکا تھا اور اس کی جان بچائی تھی۔ ہیلی کاپٹر کو محفوظ رکھا تھا، یہی بہت تھا۔ میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر سونتی کے لب و لہجہ میں جزیرہ یونانی سس کے بارے میں مزید حالات بتانے کہ کس طرح اعلیٰ بی بی اور فرہاد کو مکان کے تہ خانے میں بند کر دیا گیا ہے اور اس تہ خانے اور مکان تک پہنچنے کا راستہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے۔ تمام تفصیلی معلومات فراہم کرنے کے بعد کہا "مرجانہ! یہ ساری باتیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھو۔ جب جزیرہ یونانی سس پہنچو گی تو میں تمھاری رہنمائی کروں گی۔"

میں دماغی طور پر اپنے طیارے میں حاضر ہو گیا۔ مجھے جمی فاؤنڈر کے پاس جانا چاہیے تھا۔ وہ بہت ہی حوصلہ مند اور مرد میدان تھا... میدان میں اترنے کے بعد پیچھے ہٹنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے وہ ہیلی کاپٹر کو اس جزیرے سے باہر لے گیا تھا، اب دوبارہ پلٹ کر آسکتا تھا۔ اگر میں اس سے رابطہ قائم نہ کرتا تو وہ اپنی مرضی کے مطابق طریقۂ کار اختیار کرتا۔ سجاد اور اعلیٰ بی بی تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ خواہ اس کوشش میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔

میں بڑی بیزاری محسوس کر رہا تھا۔ اس ٹیلی پیتھی نے مجھے میری ذات سے بے گانہ کر دیا تھا۔ میں اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنوں کے لیے خیال خوانی کے ذریعے بھٹکتا رہتا تھا۔ میرا ضمیر کہہ رہا تھا کہ مجھے جمی فاؤنڈر کے پاس جانا چاہیے بیشک وہ یہودی ہے لیکن ..... ایک انسان ہے اور حوصلہ مند ہے۔ ایسے لوگوں کی سلامتی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

میں بیروت میں اپنے اور لیلیٰ کے لیے لائن آف ایکشن تیار کرنے کی خاطر کرسٹو فرمیکی کے دماغ میں پہنچ کر زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا مگر مجھے اس کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آخر میں اپنے ضمیر سے مجبور ہو کر جمی فاؤنڈر کے پاس پہنچ گیا۔ وہی ہوا جو میں سوچ رہا تھا یعنی جمی نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر فرہاد صاحب رابطہ قائم نہیں کریں گے اور ایک گھنٹہ گزر جائے گا تو وہ پھر ہیلی کاپٹر لے کر اس جزیرے میں جائے گا۔ اس مکان تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

میں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اٹینشن ہو کر فوجی انداز میں سلیوٹ کرتے ہوئے بولا "سر! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔ اگر میں ایک گھنٹے کے اندر نہ آتا تو تم ہیلی کاپٹر لے کر پھر جزیرے میں جاتے۔ کیا تم میرے مشورے پر عمل نہیں کرنا چاہتے؟"

"میری کیا مجال ہے کہ میں آپ کی تجویز کو نہ مانوں۔ میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں۔ حکم دیجیے۔"

"میں حکم نہیں دیتا۔ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔ مجھے تمھاری زندگی عزیز ہے۔ تم بہت ہی حوصلہ مند اور مرد میدان ہو۔ میں تمھاری قدر کرتا ہوں۔ تمھیں آخری بار سمجھاتا ہوں، اس جزیرے میں دوبارہ نہ جانا۔ مجھے اور اعلیٰ بی بی کو اس مکان کے تہ خانے میں قید کر دیا گیا ہے۔"

"سر! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آپ اسے بحث نہ سمجھیں تو میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"بیشک سوال کرو۔"

"آپ کو تہ خانے میں بند کیا گیا ہے۔ کیا ہم اس بات کی تشہیر کر سکتے ہیں؟ اور..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "بس آگے نہ کہو۔ میں جانتا ہوں، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ تمھارے سامنے ایک مثال موجود ہے۔ تم نے مجھے اور اعلیٰ بی بی کو رہائی دلانے کی خاطر اقدامات کیے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ ... ہم آزادی سے ایک کھلے مکان میں رہتے [illegible] تہ خانے میں پہنچا دیے گئے ہیں۔ اگر تم نے ان کے خلاف مزید اقدامات کیے تو وہ ہمیں اس تہ خانے سے نکال کر جانے کس قبر میں پہنچائیں گے۔"

"فرہاد صاحب! میں آپ کے لیے جان پر کھیل جانا چاہتا ہوں۔"

"جب مجھے رہائی نہیں مل سکے گی تو تمھارے جان پر کھیل جانے کا فائدہ مجھے کیا پہنچے گا؟"

"میں نے اپنی زندگی میں کبھی شکست تسلیم نہیں کی جس مہم پر روانہ ہوا وہاں سے کامیاب و کامران واپس آیا۔ یہاں مجھے ناکام ہونا پڑ رہا ہے۔ میں کیا منہ لے کر اپنے ملک واپس جاؤں گا۔"

"تم پہلی بار اپنے طریقۂ کار پر نہیں بلکہ فرہاد کے مشورے پر عمل کرنے آئے ہو۔ چونکہ فرہاد تمھیں واپس جانے کا مشورہ دے رہا ہے اس لیے تمھاری ناکامی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے میں نے تمھیں جزیرے سے واپس جانے کے لیے کہا ہے، اپنے ملک جانے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں۔ جہاں تم نے ابھی قیام کیا ہے وہیں رہو۔ ہو سکتا ہے صورت حال بدل جائے اور حالات تمھارے موافق ہو جائیں، تب میں تمھیں اطلاع دوں گا۔ تم فوراً ہی جزیرے کی طرف روانہ ہو جانا۔"

"یہ بات میرے لیے اطمینان بخش ہے۔ میں اپنے ملک واپس نہیں جانا چاہتا۔ جب تک کامیاب نہیں ہو جاؤں گا اس وقت تک یہیں رہ کر آپ کے آئندہ حکم کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ اب مزید خیال خوانی کا وقت نہیں تھا۔ ہمارا طیارہ لبنان کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔ مجھے کرسٹو فرمیکی کی گھریلو، سماجی اور اسمگلنگ سے متعلق مصروفیات کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا تھیں۔ میں اس کے قریب پہنچ رہا تھا اور کل صبح ہونے سے پہلے کرسٹو فرمیکی کا رول ادا کرنے والا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں لبنان کی سرزمین پر قدم رکھوں اور اپنی داستان کو آگے بڑھاؤں، میں اپنے قارئین کے لیے کچھ اہم معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ میری موجودہ داستان فلسطینی عوام سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا ہم تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ موجودہ دور میں فلسطینی عوام کس طرح در بدر ہو رہے ہیں۔ میں اس سلسلے میں موجودہ اعداد و شمار پیش کر رہا ہوں۔ اسرائیل میں ان دنوں اٹھارہ لاکھ سالیس ہزار فلسطینی مسلمان ہیں۔ جو لوگ عیسائیوں اور یہودیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اسرائیل چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور دوسرے ممالک میں رہ رہے ہیں، ان ممالک میں ایسے تمام پناہ گزین فلسطینی مسلمانوں کو شمار کیا گیا ہے۔ اس حساب سے لبنان میں تین لاکھ اٹھاون ہزار فلسطینی مسلمان ہیں۔ شام میں دو لاکھ بائیس ہزار، اردن میں گیارہ لاکھ اڑتالیس ہزار، سعودی عرب میں ایک لاکھ چھتیس ہزار، عراق میں بیس ہزار، کویت میں دو لاکھ ننانوے ہزار، بحرین میں دو ہزار، قطر میں چوبیس ہزار، متحدہ عرب امارات میں چھتیس ہزار، عمان میں پچاس ہزار، لیبیا میں تیئیس ہزار، مصر میں پینتالیس ہزار، امریکہ میں ایک لاکھ چار ہزار اور دیگر ممالک میں ایک لاکھ چالیس ہزار۔

ان تمام ممالک میں فلسطینی پناہ گزین مسلمانوں کے جو اعداد و شمار اکٹھے کیے گئے ہیں، ان کی کل تعداد چوالیس لاکھ اکیاون ہزار ہے۔ یہ تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان گھر سے بے گھر ہو کر ربع صدی گزار چکے ہیں اور جانے کتنے برسوں تک اپنے وطن سے اپنے گھر سے دور رہ کر پناہ گزین کہلاتے رہیں گے۔

اس وقت جبکہ میں لبنان میں قدم رکھنے والا ہوں، اس وقت وہاں کے لوگ خانہ جنگی میں مبتلا ہیں۔ مجھے جن گروہوں سے دوستانہ رابطہ قائم رکھنا ہے، ان میں ایک مسلمان دروز ملیشیا ہے۔ دوسری شیعہ عمل ملیشیا۔ آج کل مسلمان دروز لیڈر ولید جنبلات ہیں اور شیعہ عمل ملیشیا کے سربراہ نبیہ بری ہیں اور سنی مسلمانوں کے رہنما رشید کرامی۔ باقی عیسائی مارونی اور فلانجسٹ ملیشیا سے تعلق رکھنے والے لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔ لبنان میں ان کے جائز حقوق چھینتے رہنے کی سیاسی چالوں میں مصروف رہتے ہیں۔

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ جو قارئین لبنان کے متعلق کچھ نہیں جانتے ہیں وہ سرسری طور پہ اتنا سمجھ لیں کہ آئندہ مجھے اور لیلیٰ ثانی کو ان گروہوں کے درمیان رہ کر فلسطینی مجاہدین کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

ہمارا طیارہ لبنان کے ساحلی شہر ڈیمور کی فضاؤں پر پرواز کر رہا تھا۔ ڈیمور بیروت سے بائیس کلومیٹر کی دوری پر ہے جس دور کی یہ داستان ہے، اس دور میں یہاں تنظیم آزادیٔ فلسطین کا مضبوط مورچہ تھا اور ۱۹۸۵ء میں جب کہ آپ یہ داستان پڑھ رہے ہیں، اس وقت تک اس شہر ڈیمور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ہے۔ حالیہ اسرائیلی حملوں کے باعث جو قیامت یہاں ٹوٹ پڑی ہے اس کا ذکر سسپنس کی سلسلہ وار داستان 'قیامت' میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

بہرحال ہمارا طیارہ ڈیمور سے بائیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے بیروت پہنچ گیا۔ میں نے ڈاکٹر شیفرڈ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ہوٹل انٹرکان میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا "میں نے احتیاطاً یہاں ڈبل بیڈ روم لیا ہے تاکہ تمہارا ٹھکانہ نہ ہو تو میرے پاس آ کر رہ سکو۔"

"کیا سرجری میک اپ کے لیے ہوٹل کا کمرہ مناسب ہوگا؟"

"میں کہیں بھی سرجری کر سکتا ہوں لیکن ایک قباحت ہے۔ تم ہوٹل کے کمرے میں اپنی اصلی صورت کا چہرہ لے کر داخل ہوگے اور جب وہاں سے نکلو گے تو دوسرا چہرہ بن جاؤ گے۔ ہوٹل والوں کو شبہ ہوگا۔"

"آپ میرا انتظار کریں۔ میرے پاس بیروت کے متعلق ایک گائیڈ بک ہے۔ اس میں ہوٹلوں کے علاوہ ایسے پتے بھی درج ہیں جہاں ہم پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ میں ایسی ہی کسی جگہ اپنے لیے ایک کمرہ لوں گا اور آپ کو اطلاع دوں گا۔"

میں طیارے سے اتر کر ایئرپورٹ کی عمارت میں آیا۔ کسٹم چیکنگ وغیرہ سے گزر کر عمارت کے باہر آیا تو کتنے ہی ٹیکسی والوں نے مجھے اپنی اپنی طرف مخاطب کرنا شروع کیا۔ میں نے ایک ٹیکسی والے سے کہا "سوق الغرب لے چلو۔"

اس نے میرے سوٹ کیس کو ڈکی میں رکھا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے بیروت کے مشرقی حصے کی طرف جانے لگا۔ ادھر کوہِ شعوف میں ایک قصبے کا نام سوق الغرب ہے۔ وہاں کئی مکانات کے مالکان پے انگ گیسٹ کو خوش آمدید کہتے تھے۔ مجھے ایک ایسا مکان تلاش کرنا تھا جہاں میں آسانی سے اپنا حلیہ تبدیل کر کے کسی کی نظروں میں آئے بغیر کسی دوسری جگہ منتقل ہو سکوں۔

جس وقت میں کوہِ شعوف کی طرف جا رہا تھا، اس وقت رسونتی انقرہ پہنچ گئی تھی۔ سونیا کا سفر طیارے میں جاری تھا۔ مرجانہ اور بلیک شیڈو کی طرف سے چارٹرڈ کیے ہوئے ایک جیٹ ہیلی کاپٹر کے ذریعے جزیرہ یونانی سس کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ ہم اپنے اپنے سفر میں تھے۔ مجھے ہر لمحہ اپنے ساتھیوں کی خبر لیتے رہنا تھا لیکن میں خود اجنبی جگہ پہنچا ہوا تھا۔ مجھے دماغی طور پر حاضر رہنا تھا کہ کوئی نئی مصیبت گلے نہ پڑ جائے۔

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات

بارہویں حصے

میں ملاحظہ فرمائیں!